فسق سے مراد

اوراس پر مرتب ہونے والے احکام

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ۳۳ ویں فقہی سمینار مؤرخہ ۹ تا ۱۱ رنومبر ۲۰۲۴ء منعقدہ ''جامعہ اسلامیہ قاسمیہ دارالعلوم بالاساتھ، ضلع سیتامڑھی، بہار'' میں پیش کئے گئے علمی وتحقیقی مقالات اور مباحثات کا مجموعہ]

ایفاپبلیکیشنز-نئی دھلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام
(Fisq se Muraad Aur us par Murattab hone wale Ahkaam)
صفحات : ۶۳۴
سن طباعت : اکتوبر ۲۰۲۵ء
قیمت : ۳۹۰
ISBN : 978-81-994277-1-6

باہتمام: اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا)

ناشر

ایفا پبلیکیشنز-نئی دہلی
161-ایف، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
ای میل: ifapublications2004@gmail.com
فون: 011 - 26981779

مجلس ادارت

۱- مولانا محمد نعمت اللہ اعظمی
۲- مولانا بدرالحسن قاسمی
۳- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۴- مولانا عتیق احمد بستوی
۵- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

نمبر شمار	عنوان	نام	صفحہ نمبر
۱-	پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹
	پہلا باب- تمہیدی امور		
۲-	فقہ اکیڈمی کے فیصلے		۱۳
۳-	سوالنامہ		۱۴
۴-	تلخیص مقالات	مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی	۱۶
۵-	عرض مسئلہ	مولانا خورشید انور اعظمی	۶۰
	دوسرا باب- تفصیلی مقالات		
۱-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی	۷۹
۲-	فسق کی تعریف اور اس کے چند احکام	مفتی محمد عثمان بستوی عفی عنہ	۱۰۹
۳-	موجودہ زمانہ میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	محمد جنید عالم ندوی قاسمی	۱۲۷
۴-	فسق کا مفہوم اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مفتی اختر امام عادل قاسمی	۱۴۷

۵-	عصر حاضر میں فسق سے مراد اور اس کے احکام	مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی	۱۶۱
۶-	فسق سے متعلق چند مسائل	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۱۷۷
۷-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	ڈاکٹر اشتیاق احمد اعظمی	۱۹۷
۸-	عصر حاضر میں فسق کی تعریف اور اس سے متعلق احکام	مفتی اقبال احمد قاسمی	۲۰۹
۹-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی	۲۲۳
۱۰-	فسق اور فاسق کی تشریح وتطبیق-عصر حاضر کے تناظر میں	مفتی محمد صابر حسین ندوی	۲۳۶
۱۱-	فسق کی حقیقت اور اس پر مرتب احکام	مفتی روح الامین مظاہری	۲۵۸
۱۲-	فسق اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مولانا عبید اللہ ندوی	۲۷۷
۱۳-	موجودہ زمانہ میں فسق سے مراد اور اس کے احکام	مفتی محمد مغفور باندوی	۲۹۱
۱۴-	موجودہ دور میں فسق کا معنی ومراد اور اس پر مرتب احکام	مفتی اسعد پالن پوری فلاحی	۳۱۳
۱۵-	فسق کی تعریف اور فسق پر مرتب احکام	مفتی اسجد بن مفتی احمد دیولاوی	۳۳۱
۱۶-	فسق سے مراد اور فاسق کی شہادت وعدالت	مفتی محمد معین الدین ندوی	۳۴۷
۱۷-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مولانا عبید الرحمٰن قاسمی بارہ بنکوی	۳۶۰
۱۸-	فسق کی تعریف وحقیقت اور اس پر مرتب احکام	مفتی راسخ الاسلام قاسمی اریاوی	۳۸۰
۱۹-	موجودہ زمانہ میں فسق سے مراد اور اس کے احکام ومسائل	قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی	۳۹۹
۲۰-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مفتی محمد سلطان قمر قاسمی	۴۰۹
۲۱-	فسق کی تعریف عصر حاضر میں-احکام ومسائل	مفتی عثمان نوساری	۴۲۰
۲۲-	فسق سے متعلق مسائل	مفتی محمد ذاکر غفرلہ	۴۳۳

۲۳-	موجودہ دور میں فسق کا مفہوم اور اس پر مرتب احکام	مولانا احمد مکین	۴۴۳
۲۴-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مفتی محمد برکت علی قاسمی سلیم	۴۵۹
۲۵-	فسق کی حقیقت اور اس کے احکام	محمد عباس یوسف سعادتی	۴۶۹
۲۶-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مفتی محمد واصف قاسمی	۴۸۲

تیسرا باب-مختصر تحریریں

۱-	عصر حاضر میں فسق کا معنی و مراد اور اس سے متعلق احکام	ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی	۵۰۱
۲-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۵۰۷
۳-	فسق کی حقیقت اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مولانا خورشید انور اعظمی	۵۱۱
۴-	موجودہ دور میں فسق اور فاسق کے کچھ احکام	مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی	۵۱۸
۵-	موجودہ زمانہ میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مولانا مفتی جمیل احمد نذیری	۵۲۶
۶-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب احکام	مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی	۵۳۴
۷-	عصر حاضر میں فسق اور فاسق کی تشریق و تطبیق	ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی	۵۴۱
۸-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مولانا عبد الخالق ندوی	۵۴۶
۹-	موجودہ زمانہ میں فسق کا معنی و مراد اور اس کے احکام	ڈاکٹر مفتی تنظیم عالم قاسمی	۵۵۳
۱۰-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مفتی خلیل احمد پالن پوری	۵۶۱
۱۱-	فسق کی تعریف و حقیقت اور اس کے چند احکام	مفتی محمد مدثر قاسمی	۵۶۹
۱۲-	فسق سے متعلق سوالوں کے جوابات	مفتی صدر عالم قاسمی	۵۷۷

۱۳-	فسق کا معنی ومفہوم اور اس کے احکام	مفتی سید محمد علی مدنی	۵۸۴
۱۴-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس کے چند احکام	مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی، قاسمی	۵۹۱
۱۵-	فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مفتی محمد ذکاء اللہ شبلی مفتاحی	۵۹۶
۱۶-	موجودہ زمانہ میں فسق کی حقیقت-احکام ومسائل	محمد جمشید جوہر قاسمی اررياوی	۶۰۳
۱۷-	موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام	مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی	۶۱۲
۱۸-	عصر حاضر میں فسق اور فاسق کی تشریح وتطبیق	مفتی محمد حسان قاسمی	۶۱۹
۱۹-	فسق اور اس پر مرتب احکام	مولانا ابو عاصم اعظمی مظاہری	۶۲۶

☆☆☆

پیش لفظ

کسی خبر کو قبول کرنے کے لیے صرف یہ کافی نہیں ہے کہ وہ مسلمان کی دی ہوئی ہو، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ایک معتبر اور متدین شخص ہو، ایسے شخص کو اصطلاح میں عادل کہا جاتا ہے، جو شخص اپنے اخلاق و کردار اور اعمال و اطوار کے لحاظ سے معتبر نہ ہو، اس کو اصطلاح میں فاسق کہتے ہیں، فاسق کی خبر اور اطلاع مطلقا قابل قبول نہیں ہے؛ بلکہ اس میں ''تبیُّـن'' کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''**إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا**'' (حجرات:٦)۔

تبین سے مراد ہے: تحقیق و تفحص، کبھی یہ تحقیق اس کے موافق دوسری خبروں کے ذریعہ ہوتی ہے، کبھی قرائن سے ہوتی ہے، کبھی عقل و مشاہدہ سے، حاصل یہی ہے کہ فاسق کی خبر مطلقا مقبول نہیں ہوتی ہے؛ لیکن فاسق سے کون لوگ مراد ہوں؟ اس سلسلے میں قرآن و حدیث میں کوئی مقرر پیمانہ ذکر نہیں کیا گیا ہے، اور مختلف ادوار کے اخلاقی اقدار کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے بھی اس کا الگ الگ مصداق متعین کیا ہے، بعض حضرات کے یہاں اس میں شدت ہے، مثلاً بعض حضرات کے نزدیک کوئی شخص ایک بھی گناہ کا مرتکب ہو تو وہ فاسق قرار پاتا ہے، اب دیکھئے کہ جھوٹ بولنا بھی گناہ ہے اور غیبت کرنا بھی گناہ ہے، اس لحاظ سے آج کل کم ہی لوگ فسق کے دائرے سے باہر نکل سکیں گے، شاید اسی طرح کی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے بعد کے فقہاء نے اس میں نرمی برتی ہے، بعض اہل علم کی رائے ہے کہ جس کے حسنات اس کی سیئات سے زیادہ ہوں وہ عادل ہے نہ کہ فاسق: ''**من غلبت حسناته سیئاته فهو عدل**'' (بدائع الصنائع ۹/ ۱۴)، ایک رائے یہ ہے کہ جو پیٹ اور شرمگاہ کے گناہ میں مبتلا نہ ہو، وہ عادل ہے: ''**من لم یطعن علیه فی البطن ولا فی الفرج**'' (بدائع الصنائع ۹/ ۱۳)، یعنی جو اکل حرام اور زنا کا مرتکب ہو وہ فاسق ہے۔

صورتحال یہ ہے کہ قدم قدم پر خبروں اور گواہیوں کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کے معتبر ہونے کے لئے عادل ہونے کی شرط ہے، اور بدقسمتی سے اس وقت گناہوں کی کثرت ہو رہی ہے اور عام طور پر لوگ اس میں مبتلا ہیں، ان حالات میں غور کرنے کی ضرورت تھی کہ موجودہ دور میں فسق کی تعریف کیا ہوگی اور کس طرح کے لوگ فاسق اور گواہی کے اعتبار سے ساقط الاعتبار قرار پائیں گے؛ اس لئے اسلامک فقہ اکیڈمی کے ۳۳ ویں فقہی سمینار کے موضوعات میں ''**موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام**'' کو بھی شامل رکھا گیا اور اس کے لیے سوالنامہ جاری کیا گیا۔

خوشی کی بات ہے کہ ایک غامض موضوع ہونے کے باوجود اکیڈمی کے مدعووین نے اس پر تفصیل سے قلم اٹھایا، پھر سمینار کے دوران اس پر شرح و بسط کے ساتھ گفتگو ہوئی اور بہت ہی متوازن تجاویز منظور ہوئیں، اللہ جزائے خیر دے عزیز مکرم مفتی امتیاز احمد قاسمی اور مفتی احمد نادر قاسمی صاحبان (رفقاء شعبہ علمی اکیڈمی) کو کہ انہوں نے اس کی ترتیب وتبویب اور ایڈیٹنگ کا فریضہ انجام دیا ہے، اور پروف ریڈنگ کے مرحلہ کو پورا کیا ہے، اس طرح یہ مجلّہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل علم کے لیے اس کو مفید بنائیں اور موجودہ زمانہ کے پس منظر میں اس مسئلہ کو سمجھا جا سکے۔ **وباللہ التوفیق و ھو المستعان۔**

خالد سیف اللہ رحمانی

(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

پہلا باب

تمہیدی امور

اسلامک فقہ اکیڈمی کے فیصلے:

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

فسق ایک خالص شرعی اصطلاح ہے، اور متعین طور پر کسی کو اس کا مصداق قرار دینے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے، اس کے ثبوت کے لئے شرعی دلائل کی ضرورت ہوگی، محض ظن وگمان کی بنیاد پر کسی کو فاسق قرار دینا درست نہیں ہے۔

۱- فسق کا اطلاق گناہ کبیرہ کے ارتکاب یا گناہ صغیرہ کے اصرار پر ہوتا ہے۔

۲- فاسق کی گواہی پر اگر قاضی کو اطمینان ہو تو رؤیت ہلال یا دیگر معاملات میں اس کی گواہی پر فیصلے کرسکتا ہے۔

۳- مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار، ان ہی لوگوں کو بنانا چاہئے جو دیندار اور پابند شرع ہوں؛ البتہ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے کسی غیر دیندار (فاسق) شخص کو بنا دیا جائے یا بزور طاقت از خود بن جائے تو جائز باتوں میں اس کی اطاعت کی جائے۔

۴- اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنا فسق فی العقیدہ ہے، اگر ایسے شخص کا عقیدہ کفر تک نہ پہنچا؛ ہو بلکہ فسق تک محدود ہو اور اپنے موافقین کے لئے جھوٹ بولنے کو جائز نہ سمجھتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔

۵- فاسق اپنے فسق سے توبہ کرے اور قاضی کو اس پر اطمینان ہو جائے تو اس کی گواہی پر فیصلہ کرسکتا ہے۔

۶- آپ ﷺ نے داڑھی رکھنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے، اس لئے کم از کم ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، اس کے باوجود اگر کچھ اہل علم اپنی تاویل وتحقیق کی بنیاد پر داڑھی کی کسی مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے تو ان کو فاسق کہنے سے گریز کیا جائے۔

☆☆☆

سوالنامہ:

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

فقہ کے بہت سارے احکام عادل ہونے یا فاسق نہ ہونے سے متعلق ہیں، نماز میں فاسق کی اقتداء کو فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے، یہاں تک کہ بعض فقہاء جیسے حنابلہ کے یہاں فاسق امام کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز واجب الاعادہ ہے، امامت کبریٰ کے لئے بھی جمہور کے نزدیک ضروری ہے کہ وہ شخص فاسق نہ ہو، ائمہ حدیث کے نزدیک فاسق کی روایت معتبر نہیں، فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ گواہ کا عادل یا غیر فاسق ہونا ضروری ہے، اگر کوئی فاسق شخص فتویٰ دے تو فتویٰ قابل قبول نہیں؛ کیوں کہ فتویٰ حکم شرعی کے بارے میں خبر دینا ہے اور فاسق کی خبر غیر معتبر ہے، فاسق نکاح کی ولایت سے محروم ہو جاتا ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک نکاح میں ولی کی شمولیت ضروری ہے؛ لیکن اگر ولی فاسق ہو تو بہت سے فقہاء شوافع وحنابلہ کے نزدیک اس کی ولایت میں نکاح نہیں ہوسکتا، غرضیکہ بہت سے احکام میں عادل اور فاسق کے حکم میں فرق کیا گیا ہے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث میں فسق کی کوئی واضح تعریف نہیں کی گئی ہے، فقہاء نے شریعت کے احکام ومزاج کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، موجودہ دور میں بعض منکرات کا بہت غلبہ ہے، جیسے محلوق اللحیہ ہونا، پنج وقتہ نماز کا پابند نہ ہونا، حج فرض ہونے کے باوجود حج کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لینا، گھر کی خواتین سے پردہ کا اہتمام نہیں کرانا، اسی طرح کسب معاش کی بھی بعض ایسی صورتیں ہیں جو ہیں تو گناہ؛ لیکن ان کو گناہ نہیں سمجھا جاتا ہے، جیسے: اپنی دکان سے باہر فٹ پاتھ اور سڑک جو صاحب دوکان کی ملکیت نہیں ہے، عوام کے فائدہ کے لئے ہے، اس کو ذاتی ملکیت کی طرح استعمال کرنا، یہاں تک کہ اپنی دکان یا مکان کے سامنے فٹ پاتھ اور سڑک پر دکانیں لگوا کر اس کا کرایہ وصول کرنا وغیرہ، ایسی صورت میں یہ مسئلہ بڑا اہم ہے کہ موجودہ دور میں فسق کا معیار کیا ہوگا؟ اس پس منظر میں درج ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں:

۱۔ کیا فسق کی ایک متعین تعریف ہے، یا یہ ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف ہے؟

۲۔ موجودہ حالات میں عبادات، معاملات وغیرہ میں فسق پر کیا احکام مرتب ہو سکتے ہیں؟

۳۔ جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے ہوں؛ لیکن نماز روزہ کے پابند ہوں، کیا رؤیت ہلال کے سلسلہ میں یا اختلافی معاملات میں ان کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے؟

۴۔ عام طور پر ایسے لوگوں کو بھی مساجد کا یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے، جو قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق وجوہ فسق سے خالی نہیں ہوتے ہیں، تو کیا ان کا حکم ان اداروں کے خادمین یا تنظیم کے افراد کے لئے واجب الاطاعت ہوگا؟

۵۔ فسق فی العقیدہ سے کیا مراد ہے اور جو لوگ اعتقادی اعتبار سے فاسق ہوں، ان کے لئے کیا احکام ہیں؟

۶۔ اگر فاسق شخص زبان سے توبہ کرلے؛ لیکن وہ ابھی اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے تو کیا اس کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول ہوگی؟

۷۔ بعض مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، جیسے: بعض عرب ملکوں میں داڑھی کو سنن عادیہ میں شمار کیا جاتا ہے اور بہت سے اہل علم اس کے قائل ہیں، اسی طرح بہت سے اہل علم داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، اور ان کا یہی مسلک ہے، اگر وہ داڑھی نہیں رکھیں یا بہت چھوٹی رکھیں تو کیا ان کو فاسق سمجھا جائے گا؟

☆☆☆

تلخیص مقالات:

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

ملخص: مفتی محمد سعید الرحمٰن قاسمی☆

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے تینتیسویں فقہی سمینار کے لئے جو موضوعات مقرر کئے ہیں ان میں سے ایک اہم موضوع ''موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام'' ہے، چنانچہ اس موضوع پر سوالات مرتب کر کے سوال نامہ مفتیان کرام وعلماء عظام کی خدمت میں ارسال کیا گیا، تادم تحریر ان کے جواب میں ۵۵/مقالات دفتر اکیڈمی کو موصول ہوئے، جن کی تلخیص اہل علم کی آراء اور دلائل پر مشتمل آپ حضرات کی خدمت میں پیش ہے، مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی عثمان بستوی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، مفتی عبد المنان قاسمی، مفتی خورشید انور اعظمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا عبد الخالق ندوی، مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی واصف قاسمی، مفتی محمد مقصود علی فرقانی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی سید محمد علی مدنی، مفتی محمد اسعد بن مولانا عبد الرزاق پالنپوری، مولانا محمد عباس یوسف سعادتی، مولانا ضیاء الدین ندوی، قاسمی خیر آبادی، مولانا اسجد بن مفتی احمد دیولوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا راسخ الاسلام قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا سعود ممتاز ندوی، مولانا ابومعاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی، مولانا جمشید جوہر قاسمی، مولانا خلیل احمد پالنپوری، مولانا اشتیاق احمد الاعظمی، مفتی محمد برکت علی قاسمی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مفتی عثمان نوساری، مولانا صدر عالم قاسمی، مفتی محمد سلطان قمر قاسمی، مولانا عبید الرحمٰن قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی ندوی، مولانا عبد التواب اناوی، مفتی محمد سلطان، مولانا احمد مکین، مولانا محمد مغفور باندوی، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی ذکاء اللہ شبلی مفتاحی، ڈاکٹر مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی احمد حسان قاسمی، مولانا محمد ذاکر، مفتی مدثر قاسمی، مولانا صابر حسین ندوی قاسمی، مولانا ابو عاصم اعظمی مظاہری، مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی، مولانا عبد المنان قاسمی، مولانا محمد ذاکر، مفتی محفوظ الرحمٰن قاسمی،

☆ ناظم امارت شرعیہ بہار، اڑیسہ وجھارکھنڈ

مولانا محمد حسین کوثری۔

سوال:ا کیا فسق کی ایک متعین تعریف ہے؟ یا یہ ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف ہیں؟

اس سوال کے جواب سے قبل تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے فسق کی لغوی اور اصطلاحی تعریف ذکر کی ہے۔

فسق کی لغوی تعریف:

فسق اور فسوق دونوں مصدر ہیں، اہل لغت بولتے ہیں: ''فسق ،یفسُق ''جس کے معنیٰ اطاعت سے باہر ہونا ہے، نافرمان ہونا، عرب: ''فسقت الرطبة'' (کھجور کے پک کر چھلکے سے باہر آنے کے وقت) بولتے ہیں جیسا کہ ''مختار الصحاح:۴۳۹، لسان العرب ج:۱۰/ ۸۰۳، البحر الرائق:۱/ ۳۶۲'' پر ہے۔

اور صاحب'' القاموس المحیط'' فرماتے ہیں: فسق کے معنیٰ ہیں، اطاعت خداوندی کو چھوڑ دینا، نافرمان ہوجانا، خیر وصلاح کے راستہ سے ہٹ جانا۔

''**الفسق بالكسر: الترك لأمر الله تعالى وٱلعصيان والخروج عن طريق الحق**'' (القاموس المحیط:۹۴۰)۔

اور فسوق نام ہے اطاعت خداوندی سے نکل جانے کا اور معصیت وگناہ کی طرف جھکنے اور مائل ہونے کا؛ جیسا کہ ابلیس اللہ رب العزت کی اطاعت سے نکل گیا اور نافرمان ہوگیا۔

''**الفسوق هو الخروج عن الدين وكذلك الميل إلى المعصية كما فسق إبليس عن أمر ربه أى جار ومال عن طاعته**'' (تہذیب اللغۃ:۸/ ۴۱۴، لسان العرب ۱۰/ ۳۰۸)۔

فسق اور فاسق کی اصلاحی تعریف:

جو شخص کسی ایک بھی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو یا کسی بھی ایک قسم کے صغیرہ گناہ کا عادی ہو یا مختلف قسم کے صغیرہ گناہوں پر جما ہوا ہو وہ فاسق ہے، اس کی عدالت ساقط ہے، جیسا کہ ''مبسوط'' میں ہے:

''**فمن فارق كبيرة ولو واحدة أو أصر على صغيرة من نوع واحد أو على صغار مختلفة فاسق وسقطت عدالته**'' (المبسوط ۱۶/ ۱۲۱، فتح القدیر، کتاب الشھادات:۷/ ۳۸۴)۔

ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ شریعت کے عرف میں فسق کا اطلاق کفر اور معصیت دونوں پر ہوتا ہے: ''**يقول ابن عطية: الفسق في عرف الاستعمال الشرعي: الخروج عن طاعة الله عزوجل فقد يقع على من خرج**

بکفر وعلی من خرج بعصیان'' (تفسیرابن عطیۃ ۱/ ۱۵۵،قرطبی:۱/ ۲۴۶)۔

فسق عدالت کی ضد ہے اور ''**تعرف الأشیاء بأضدادھا** '' کے تحت عدالت کی تعریف کے بعد فسق کی تعریف خود بخود سمجھ میں آجائے گی، اس لئے عدالت کی تعریف لکھی جارہی ہے، علامہ کاسانیؒ عدالت کی حقیقت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے مشائخ کی عبارتیں مختلف ہیں، علامہ کاسانیؒ نے ان مختلف عبارتوں کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، چنانچہ وہ ایک تعریف یوں کرتے ہیں:

عادل وہ شخص ہے جس کی کمائی اور پاکدامنی پر انگلی نہ اٹھائی گئی ہو۔

دوسری تعریف: وہ شخص ہے جس کا کوئی جرم دینی معاملات میں معروف نہ ہو۔

علامہ کاسانی نے ان تعریفات کے علاوہ ایک اور تعریف کی ہے، جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے اور اس سے عدالت کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے کہ: عادل وہ شخص ہے جو کبائر سے اجتناب کرے، فرائض کو ادا کرے اور جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں، عادل کی ان تعریفات سے فاسق کی تعریف بھی واضح ہوگئی کہ فاسق وہ شخص ہے جو کبائر سے اجتناب نہ کرے، فرائض کو ادا کرنے والا نہ ہو، جس کی برائیاں اس کی اچھائیوں سے زیادہ ہوں، جس کی کمائی اور پاکدامنی پر لوگ انگلی اٹھاتے ہوں یا دینی امور میں جس کا جرم معروف ومشہور ہو اور اس نے اپنے گناہوں سے توبہ نہ کیا ہو، اگر وہ صدق دل سے توبہ کرلے تو اس کو عادل سمجھا جائے گا، اور اس کی شھادت قابل قبول ہوگی اور دیگر احکام میں بھی اس کا حکم عادل ہی کا ہوگا۔

اصطلاح شرع میں فکر وعمل کی صحیح راہ پر چلنے والے کو عادل اور اس سے انحراف کرنے والے کو فاسق کہا جاتا ہے اور یہ دونوں طبقے اہل ایمان ہی کے ہیں، مگر باقاعدہ اصطلاح بعد میں قائم ہوئی، بعد میں جب اصطلاحات کا دور آیا، اور بہت سے اسماء اور اشیاء کے لئے اصطلاحات قائم ہوئیں، تو اسی دور میں فسق کو بھی ایک شرعی اصطلاح کے طور پر رکھا گیا اور فسق کا تعلق عقیدہ کے بجائے عمل وفکر سے قائم کردیا گیا۔

کتب فقہ ولغت واصطلاحات میں فاسق کی جو مختلف تعریفات اور تشریحات کی گئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے: فاسق ایسے شخص کو کہتے ہیں، جو عمداً گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے یا گناہ صغیرہ کو بار بار کرے اور توفیق توبہ وندامت سے محروم ہو۔

''**درمختار**'' کے قول (**وفاسق**) کے تحت علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں: ''**من الفسق: وھو الخروج عن الاستقامۃ، ولعل المراد بہ من یرتکب الکبائر، کشارب الخمر والزانی وآکل الربا ونحوذلک**''

(ردالمحتار، کتاب الصلوٰۃ۔ باب الإمامۃ: ۲/ ۲۹۸)۔

''بدائع الصنائع'' میں ہے:''قال بعضهم:من لم يطعن عليه فى بطن ولافرج فهوعدل؛ لأن أكثرأنواع الفساد(والشر)يرجع إلى هذين العضوين''(بدائع الصنائع،کتاب الشہادت:۹/ ۱۳)۔

''قال بعضهم:من لم يعرف عليه جريمة فى دينه فهو عدل''(بدائع الصنائع،کتاب الشہادت:۹/ ۱۴)۔

''وقال بعضهم:من غلبت حسناته سيئاته فهو عدل''(بدائع الصنائع،کتاب الشہادت:۹/ ۱۴)۔

''وقال بعضهم:من يجتنب الكبائروأدى الفرائض وغلبت حسناته سيئاته''(بدائع الصنائع،کتاب الشہادت::۹/ ۱۴)۔

علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں:''والمراد الفاسق بالجارحة لابالعقيدة ؛لأن ذا سيذكر بالمبتدع والفسق لغةً خروج عن الاستقامة وهو معنى قولهم خروج الشئ عن الشئ على وجه الفساد وشرعاً خروج عن طاعة الله تعالى بارتكاب كبيرة ،قال القهستانى: أى أو إصرار على صغيرة وينبغى أن يراد به بلاتأويله''(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح:۱/ ۲۰۴)۔

علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں:''والفسق لغةً :الخروج عن الإستقامة كذافى المُغْرِب وشرعاً إرتكاب كبيرة أوالإصرار على صغيرة كمافى الخزانة والعدالة إجتناب الكبائر والإصرار على صغيرة وإجتناب فعل مايُخل بالمروء ة كماسيأتى فى الشهادات...أى فسق بأخذالرشوة أو بغير ه من الزنا وشرب الخمر'' (دررالحکام شرح غررالحکام:۸/ ۲۵۱)۔

علامہ بابرتیؒ لکھتے ہیں:''ولامن يأتى بابامن الكبائرالخ)من أتى بشئ من الكبائر التى يتعلق بهاالحدفسق وسقطت عدالته'' (العنایۃ شرح الھدایۃ:۱۰/ ۴۴۷،کذا فی فتح القدیر:۷/ ۱۳۱)۔

علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہیں:''من ارتكب جريمة، فإن كانت من الكبائر سقطت عدالته إلا أن يتوب، فإن لم تكن من الكبائر، فإن أصر عليها واعتا دفكذلك؛ لأن الصغيرة بالإصرار عليها تصير كبيرة، قال عليه الصلاة والسلام: ''لاصغيرة مع الإصرار، ولاكبيرة مع الاستغفار، وإن لم يصرَّ لاتسقط عدالته، إذا غلبت حسناته سيئاته'' (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع:۱۴/ ۲۹۴)۔

''صاحب المحيط البرهانى'' لکھتے ہیں:''أحسن ماقيل فى هذاالباب مانقل عن أبى يوسف فإن العدل فى الشهادة أن يكون مجتنباً عن الكبائر، ولايكون مصراً على الصغائر ،ويكون صلاحه أكثر من فساده، وصوابه أكثر من خطأه، وأن يستعمل الصدق ديانة ومروء ة'' (المحیط البرھانی:۹/ ۱۶۸)۔

"**دررالحکام شرح مجلة الأحکام** "میں ہے:"**والعادل من تکون حسناته غالبةً علی سیئاته وهو المتوقّی کبائر الذنوب والغیر المصر علی صغائرها وکان صلاحه أکثر من فساده وصوابه أوفر من خطأه**" (دررالحکام شرح مجلۃ الأحکام:۴/۳۵۹)۔

چند مقالہ نگار حضرات نے فسق کا اطلاق کن کن چیزوں پر ہوتا ہے ان کی بھی وضاحت کی ہے، چنانچہ یہ حضرات لکھتے ہیں: فسق کا اطلاق مختلف مفہوم کے لئے کیا گیا ہے، کبھی "**نفاق**" پر فسق کا اطلاق کیا گیا ہے، جیسا کہ سورۃ التوبۃ میں ہے:"**إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ**"(التوبۃ:۶۷)، کبھی "**کفر**" کو فسق کہا گیا ہے، قرآن میں ہے:"**وَلَقَدْ أَنْزَلْنَآ إِلَيْکَ آيٰتٍ بَيِّنٰتٍ وَمَايَکْفُرُ بِهَاإِلَّا الْفٰسِقُوْنَ**" (البقرۃ:۹۹)۔

"**فَسَجَدُوْٓا إِلَّاإِبْلِيْسَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهٖ** (الکہف:۵۰)، "**وَقَوْمُ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ کَانُوْا قَوْماً فٰسِقِيْنَ**" (الذاریات:۴۶)،"**وَاَدْخِلْ يَدَکَ فِی جَيْبِکَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْءٍ فِیْ تِسْعِ آيٰتٍ إِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ إِنَّهُمْ قَوْماً فٰسِقِيْنَ**" (النمل:۱۲)، یہود کو بھی فاسق کہا گیا ہے:"**قَالَ رَبِّ لَااَمْلِکُ إِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ**" (المائدہ:۲۵)،"**وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَاکَتَبْنَاهَاعَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَارَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوامِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَکَثِيْرٌمِنْهُمْ فٰسِقُوْنَ**" (الحدید:۲۷)۔

اسی طرح غیر اللہ کے لئے ذبح "**استقسام بالأزلام**"،"**منخنقة**"، "**موقوذة**"، "**متردیة**" وغیرہ پر بھی فسق کا اطلاق ہوا ہے:"**حُرِّمَتْ عَلَيْکُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَکَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِکُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ کَفَرُوْا مِنْ دِيْنِکُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ؛ اَلْيَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِيْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِيْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَيرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ**" (المائدۃ:۳)۔

اسی طرح "**بدعت اعتقادی**" پر بھی فسق کا اطلاق ہوا ہے (دیکھئے: الصحیح للبخاری، کتاب التفسیر:۴۷۲۸)۔

اسی طرح "**قاذف**" کو بھی فاسق کہا گیا ہے: (النور:۴)، مسلمانوں کو گالی دینا بھی فسق ہے، حدیث میں ہے: "**سباب المسلم فسوق**" (بخاری، کتاب الأیمان:۴۸)۔

"**محظورات احرام**" پر بھی فسق کا اطلاق ہوا ہے:"**اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَارَفَثَ وَلَافُسُوقَ وَلَاجِدَالَ فِی الْحَجِّ**" (البقرۃ:۱۹۷)، ابن جریر وغیرہ نے "**فسوق**" سے "**محظورات احرام**" مراد لیا ہے: (تفسیر ابن جریر:۲/۱۵۲، ابن کثیر:۱/۲۲۵)، "**تنابز بالألقاب**" کو بھی فسق کہا گیا (مسند احمد:۳/۸۲۴، قال الھیثمی:۴/۳۷، رجالہ ثقات)۔

''سرقه'' پر بھی اطلاق آیا ہے، بخاری شریف کتاب التفسیر میں ہے: ''سئل حذیفة بن الیمان فقیل له مابال هؤلاء الذین یسرقون بیوتنا ویسرقون أعلاقنا،قال حذیفة:اولئک الفساق'' (الصحیح للبخاری: کتاب التفسیر:۴۶۵۸)۔

فاسق کا اطلاق غراب (کوا) حدأة (چیل) عقرب (بچھو) فأرة (چوہا) الکلب العقور (کاٹنے والا کتا) پر بھی آیا ہے، معروف حدیث میں ہے: ''خمس من الدواب کلهن فاسق یقتلن فی الحرم: الغراب، والحدأة، والعقرب، والفارأة، والکلب، العقور (الصحیح للبخاری، کتاب الحج، باب: مایقتل المحرم من الدواب:۱۸۲۹)، (مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی)

مذکورہ بالا تمہید کے بعد سوال نمبر (۱) کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے:

پہلی رائے یہ ہے کہ فسق کی ایک متعین تعریف ہے، اس میں زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات کا کوئی دخل نہیں ہے، اس رائے کے قائلین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مفتی محمد عثمان قاسمی بستوی، مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل قاسمی، مولانا محمد خورشید انور اعظمی، مفتی حبیب اللہ اعظمی، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی محمد علی مدنی، مفتی حسان قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مفتی مقصود علی فرقانی، مولانا روح الامین بن داؤد مظاہری، مولانا ضیاء الدین ندوی قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مولانا احمد مکین، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی۔

ان حضرات نے فسق کی مذکورہ بالا تعریفات سے ہی استدلال کیا ہے وہ اس طور پر کہ فسق کی ایک متعین تعریف ہے، اس لئے کہ فقہاء نے جو فسق کی تعریفات کی ہیں اگرچہ ان کے الفاظ مختلف ہیں، لیکن سب کا مفہوم ایک ہے۔

مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی لکھتے ہیں: فقہاء اور علماء کی تعریف کے الفاظ خواہ بعینہ کتاب وسنت میں منصوص نہ ہو؛ مگر ان حضرات نے فسق کا جملہ اطلاقات کا جائزہ لے کر اور ان کا استقراء اور تتبع کر کے ہی متعین کیا ہے، استقراء تام کی بنا پر احکام کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ بھی حجت شرعیہ سمجھا جاتا ہے؛ اسلئے اس کو بھی شریعت کا مراد ہی سمجھا جائے گا۔

''الاِسْتِقْرَاءُ إِنْ کَانَ تَامًّا بِمَعْنَی تَتَبُّعِ جَمِیعِ الْجُزْئِیّاتِ مَا عَدَا صُورَةِ النِّزَاعِ (أَیِ الصُّورَةِ الْمُرَادِ مَعْرِفَةُ حُکْمِهَا) یُعْتَبَرُ دَلِیلاً قَطْعِیًّا حَتّی فِی صُورَةِ النِّزَاعِ عِنْدَ الْأَکْثَرِ مِنَ الْعُلَمَاءِ، وَقَال بَعْضُ

الْعُلَمَاءِ: لَيْسَ بِقَطْعِيٍّ، بَل هُوَ ظَنِّيٌّ، لِاحْتِمَال مُخَالَفَةِ تِلْكَ الصُّورَةِ لِغَيْرِهَا عَلَى بُعْدٍ.وَقَدْ أَجَازَ الْعُلَمَاءُ الأَخْذَ بِالاِسْتِقْرَاءِ فِي: الْحَيْضِ، وَالاِسْتِحَاضَةِ، وَالْعِدَّةِ عَلَى خِلاَفٍ وَإِنْ كَانَ الاِسْتِقْرَاءُ نَاقِصًا أَىْ بِأَكْثَرِ الْجُزْئِيَّاتِ الْخَالِي عَنْ صُورَةِ النِّزَاعِ فَهُوَ ظَنِّيٌّ فِي تِلْكَ الصُّورَةِ لاَ قَطْعِيٌّ'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۴/۷۸، الإستقراء)، (مقالہ: محبوب فروغ احمد قاسمی)۔

مفتی عثمان قاسمی بستوی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: فسق عملی کا صدور ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر سے ہوتا ہے اور کبائر وصغائر کا مدار عرف پر نہیں ہے، اسی طرح فسق اعتقادی کا تحقق فساد اعتقاد سے یعنی کفر اور بدعت کے عقیدہ سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کفر اور بدعت میں عرف کا کوئی دخل نہیں، کتاب وسنت میں اسکی تعریف متعین ہے، فسق کی تعریف میں عرف کا کوئی دخل نہیں، البتہ عدالت اور قبول شہادت میں عرف کا دخل ہے (دیکھئے مقالہ: مفتی محمد عثمان بستوی)۔

مولانا اختر امام عادل قاسمی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: فقہاء کے یہاں فسق کا ایک معروف تصور ہے اور اس کی متعین تعریف ہے اور فاسق ایک مخصوص اصطلاح ہے جس کے حدود اربعہ علماء نے طے کردئے ہیں، اور ان کو زمانے کے عرف اور اخلاقی حالت پر نہیں چھوڑا گیا ہے (دیکھئے: مولانا اختر امام عادل قاسمی)۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی لکھتے ہیں: فسق کا جو مصداق فقہاء اور محدثین نے بیان کیا ہے؛ یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب اور صغائر پر اصرار یہ اقرب الی الصواب ہے، اس لئے ہر جگہ ہر زمانے میں اسی کو اختیار کیا جانا چاہئے، زمانہ اور عرف کے بدلنے سے مصداق تبدیل نہیں ہوگا (دیکھئے مقالہ: مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: فسق کی مختلف تعریفات کے الفاظ کو غور سے دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ ان تعریفات میں خود اتنی وسعت اور گنجائش ہے کہ بدلتے حالات اور زمانے میں اخلاقی انحطاط رونما ہونے کے باوجود قابل عمل ہیں، اس میں عرف اور اخلاقی حالات کی وجہ سے کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں (دیکھئے مقالہ: مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی)۔

دوسری رائے:

کتاب وسنت اور کتب فقہ میں فسق کی تعریف متعین اور حتمی نہیں ہے؛ اس لئے یہ ہر زمانے کے عرف اور لوگوں کے اخلاقی حالات پر موقوف رہے گا، اس رائے کے قائلین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا ذکاء اللہ شبلی مفتاحی، مفتی محمد

واصف قاسمی، مولانا محمد عباس یوسف سعادتی، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا محمد مغفور باندوی، مولانا اشتیاق احمد الاعظمی، مفتی محمد سلطان، مولانا حفظ الرحمٰن اعظمی مدنی، مولانا خلیل احمد پالن پوری، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ذاکر، مفتی مولانا اسجد بن مفتی احمد دیولوی، مفتی اسعد بن مولانا عبدالرزاق، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی، مولانا عبیداللہ ندوی، مفتی برکت علی قاسمی، مولانا راسخ الاسلام قاسمی، مولانا سعود ممتاز ندوی، مولانا ابومعاویہ محمد معین الدین، مولانا عبدالخالق ندوی، مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی، مفتی محفوظ الرحمٰن قاسمی، مولانا عبید الرحمٰن قاسمی۔

فسق کی کوئی تعریف متعین نہیں ہے؛ بلکہ فقہاء کرام نے اپنے مذاق اجتہاد سے کام لیتے ہوئے فسق کی مختلف تعریفات بیان فرمائی ہیں، قرآن وحدیث، بلکہ اقوال صحابہ میں فاسق کی تعریف سے گریز کی حکمت ومصلحت یہی معلوم ہوتی ہے کہ احوال زمانہ کے اعتبار سے اس کا تعین کیا جائے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فسق کی تعریف ''لعل'' کے لفظ سے تحریر فرمائی ہے، جس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فسق کی کوئی تعریف قطعی نہیں ہے۔

علامہ کاسانی (ت ۵۸۷ھ) نے بھی فسق کی متعدد تعریفات کو بلا کسی تعیین وترجیح کے بیان فرمایا ہے، جو اس بات پر دال ہے کہ فسق کی تعریف متقدمین کے مابین بھی متعین نہ تھی۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ نے فسق کی تعریف میں مخصوص الفاظ واوصاف بیان کرنے کے بجائے بعض گناہ کبیرہ کو بطور تمثیل بیان فرمایا ہے، جس سے بھی واضح ہے کہ فسق کی متعین تعریف فقہاء میں متعارف نہیں ہے، اور اس کا مدار بھی کسی متعین تعریف پر نہ ہوگا؛ بلکہ احوال وزمان کا اعتبار ہوگا۔

علامہ ابن نجیمؒ نے شرح منار میں اور آپ کے حوالہ سے علامہ شامیؒ نے کتاب الحج میں صغیرہ کے اصرار کا مدار عرف اور مبتلیٰ بہ کی رائے قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فسق کا مدار اور مصداق متعین کرنے میں احوال زمانہ کو دخل ہوگا۔

علامہ مصطفیٰ سیوطی حنبلیؒ کی رائے تحریر کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں: ''عدالت'' کی تعریف زمان ومکان اور عرف واحوال کے بدلنے سے بدل جائے گی اور جب زمانہ کے تغیر سے عدالت کی تعریف بدل جائے گی تو لازمی طور پر فسق کی تعریف بھی تبدیل زمانہ سے تبدیل ہوگی؛ کیوں کہ فسق عدالت نہ ہونے کا نام ہے۔

مفتی محمد جنید عالم ندوی، قاسمی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں: کتاب وسنت میں فسق کی تعریف اور اس کا مصداق متعین اور حتمی نہیں ہے، بلکہ اس میں احوال زمانہ کو بڑا دخل ہے؛ لہٰذا یہ ہر زمانہ کے عرف اور لوگوں کے اخلاقی حالات پر موقوف رہے گا (دیکھئے مقالہ: مفتی جنید عالم ندوی، قاسمی)۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی تحریر کرتے ہیں: درج بالا تحریریں بتلاتی ہیں کہ حالات وتناظر میں شریعت نے فسق کی تعریف میں لچک رکھی ہے، فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے، اگر آدمی سماج اور معاشرہ میں اچھا سمجھا جاتا ہو تو اس کی خبر اور گواہی معتبر ہے (دیکھئے مقالہ: ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی)۔

مولانا خلیل احمد پالن پوری اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں: قرآن وحدیث میں عدالت وفسق کی کوئی تعریف متعین نہیں ہے اور فقہاء نے عدالت کی مختلف تعریفیں کی ہیں، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کے احوال اور اخلاقی کوائف کے اعتبار سے عادل وفاسق کا مصداق مختلف ہوسکتا ہے، مگر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشہادات میں جو عدالت کی تفسیر کی ہے، جس کو احسن قرار دیا ہے، اس میں غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ مختلف ادوار میں ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی کوائف کے اعتبار سے بھی فسق کا معیار متعین کرنے میں جامعیت کی حیثیت رکھتی ہے، علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''**وأحسن ماقيل في تفسير العدالة :أن يكون مجتنباللكبائر ولايكون مصراعلى الصغائر ويكون صلاحه أكثر من فساده وصوابه أكثر من خطئه**'' (شامی: دارالکتاب، ج:۸/ص:۱۵۸)۔

اس تعریف کے آخری دو جز (**ويكون صلاحه أكثر من فساده**) اور (**وصوابه أكثر من خطئه**) اپنے اندر وسیع مفہوم لئے ہوئے ہیں اور اس میں لچک بھی ہے کہ صلاح وصواب بہ مقابلہ فساد اور خطا کے زیادہ ہو؛ اگرچہ کچھ فساد اور خطا بھی اس سے صادر ہو تو وہ فاسق نہ ہوگا، لہٰذا جس میں عدالت کے یہ اوصاف موجود نہ ہوں گے وہ فاسق ہوگا، نیز اگر کوئی شخص کسی وجہ سے فاسق ہوا تو کوئی ضروری نہیں کہ وہ ہر بات میں فاسق ہو؛ کیونکہ فسق متجزی ہے، ممکن ہے کہ وہ ایک بات میں فاسق ہو تو دوسری بات میں عادل ہو جیسا کہ ''**معين الحكام**'' میں ہے: ''**والصواب المقطوع به أن العدالة تتبعض، فيكون الرجل عدلاً في شئ فاسقاًفي شئ**'' (معین الحکام:۱۴۵)، (مقالہ: مولانا خلیل احمد پالن پوری)۔

تائید:

دوسری رائے کے قائلین میں سے بعض مقالہ نگاروں نے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی کتاب ''قاموس الفقہ'' کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے اس سے اتفاق ظاہر کیا ہے۔

''دراصل فسق کا مصداق متعین کرنے میں احوال زمانہ کو بڑا دخل ہے، مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے جھوٹ بولنے سے اطمینان نہ ہو، اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اور جس آدمی کے بارے میں توقع ہو کہ وہ زیر تحقیق معاملے میں جھوٹ نہ بولے گا، گواہی اور قضا وغیرہ کے معاملہ میں اسے عادل سمجھا جائے گا''۔

علامہ کاسانیؒ ہی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک آدھ بار دروغ گوئی میں مبتلا ہوا اور پھر توبہ کرلی تو شہادت قبول کی

جائے گی؛ کیوں کہ ایسوں کی گواہی قبول نہ کی جائے تو گواہی کا دروازہ ہی بند ہوجائے: ''**لأنه قلّ مايخلو مسلم عن ذلک فلومنع القبول لانسد باب الشهادة**'' (بدائع،۶/۴۰۹،کتاب الشہادۃ،قاموس الفقہ:۴/۴۵۴)،(مقالہ:رحمت اللہ ندوی،صابر حسین ندوی،خلیل احمد پالن پوری،محفوظ الرحمٰن قاسمی وغیرہ)

تیسری رائے

فسق کی تعریف متعین ہے،البتہ شہادت وغیرہ کے باب میں کچھ امور ایسے ہیں جو زمانے کے عرف اور اخلاقی حالات پر مبنی ہیں،اس رائے کی حاملین درج ذیل حضرات ہیں:

ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی،مولانا ابو عاصم اعظمی مظاہری،مفتی اقبال احمد قاسمی،عبید الرحمٰن قاسمی،مفتی عبدالمنان قاسمی،خورشید احمد اعظمی مدنی،اشکر الکوثری محمد حسین الکوثری۔

ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی لکھتے ہیں:فسق کی متعین تعریف ہے،یہ ہر زمانے کے عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف نہیں ہے،زمانے کے عرف اور اخلاقی حالات کا اثر صرف ان امور پر پڑے گا جن کو فقہاء نے خلاف مروت امور قرار دے کر مانع شہادت قرار دیا ہے(دیکھئے مقالہ:ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی)۔

مفتی محمد اقبال احمد قاسمی لکھتے ہیں:فاسق کا مفہوم تقریباً متعین ہے،البتہ فاسق کے احکام مرتب کرتے وقت یا فاسق پر فسق کا حکم لگاتے وقت کہاں تخفیف برتی جائے اور تسامح کا معاملہ کیا جائے اور کہاں شدت اور دقت نظر سے کام لیا جائے یہ ضرور احوال زمانہ اور عرف پر مبنی معاملہ ہے(دیکھئے مقالہ:مفتی محمد اقبال احمد قاسمی)۔

مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی،مولانا ابو عاصم اعظمی مظاہری لکھتے ہیں:فسق کی تعریف متعین ہے؛البتہ کچھ امور عرفی اور علاقائی ہیں جن کا لحاظ عموماً اس علاقے کے شرفاء کرتے ہیں،اس کا تعلق عدل ومروت اور وجاہت و وقار سے ہے،یہ ہر زمانے اور علاقے کے عرف واخلاقی حالات پر موقوف ہے۔

مفتی صدر عالم،مفتی عثمان نوساری،مفتی محمد سلطان قمر قاسمی،مفتی ابوبکر قاسمی،مفتی محمد مدثر قاسمی،ان حضرات نے اپنے مقالے میں فسق کی تعریف تو کی ہے،لیکن فسق کی تعریف متعین ہے یا نہیں؟اس سلسلے میں اپنی کوئی حتمی رائے پیش نہیں کی،ان کا مقالہ اس سلسلے میں خاموش ہے۔

سوال:۲-موجودہ حالات میں عبادات،معاملات وغیرہ میں فسق پر کیا کیا احکام مرتب ہوسکتے ہیں؟

اکثر مقالہ نگار حضرات نے اس سوال کو تین اجزاء پر تقسیم کیا ہے۔

(الف)دینی امور میں فاسق کی خبر۔

(ب)فسق کی وجہ سے عبادت پر پڑنے والے اثرات۔

(ج)معاملات میں فاسق کی خبر۔

(الف)دینی امور میں فاسق کی خبر:

عبادت میں فاسق کی خبر معتبر ہوگی یا نہیں؟ اس سلسلہ میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک ان کی خبر معتبر نہیں ہوگی، البتہ ائمہ احناف کے نزدیک ان کی خبر معتبر مانی جائے گی؛ بشرطیکہ ان کی خبر کے صادق ہونے پر اطمینان قلب یا ظن غالب حاصل ہوجائے، کیونکہ فاسق کی خبر کی قبولیت اور عدم قبولیت کے حوالہ سے قرآن کریم کی آیت کریمہ: "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إنْ جآءَ کُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوْا أنْ تُصِیْبُوْا قَوْماًبِجَھَالَۃٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَافَعَلْتُمْ نَادِمِیْن" (الحجرات:٦)، مدار استدلال ہے جس میں تحکیم کا حکم دیا گیا ہے اور ظن غالب یقین کے درجے میں ہوتا ہے۔(ردالمحتار:۲/۲۹)۔

لہٰذا فاسق کا پانی کے پاک یا ناپاک ہونے کی خبر دینا، قبلہ کی رہنمائی کرنا، کسی چیز کے حلال وحرام ہونے کی خبر دینا، رمضان یا غیر رمضان میں رؤیت ہلال کی خبر دینا، نماز کے وقت کی خبر دینا وغیرہ ان دینی امور میں ظن غالب کے بعد فاسق کا قول معتبر مانا جائے گا۔

دلائل:

علامہ شمس الدین لکھتے ہیں: "**وأماخبر الفاسق فی الدیانات،فالأصل الإحتیاط فیه بضم التحری فإذا أخبر بنجاسة الماء إذا وقع صدقه فی القلب تیمم قبل الإراقة والأحوط بعدها**" (فصول البدائع:۲/۲۶۵)

امام محمدؒ فرماتے ہیں: "**قال محمد بن الحسن :إن الفاسق إذا أخبر بحل أوحرمة فالسامع علیه أن یحکم رأیه فیه؛ لأن ذلک أمر خاص لایستقیم طلبه وتلقیه من جهة العدول دائماً،فوجب التحری فی خبره**" (أصول البزدوی:۳/۷۴۰)۔

امام سرخسیؒ کا قول ہے: "**قال الإمام السرخسی:والأصح عندی أن خبره لایکون حجة؛لأنه غیر مقبول الشهادة وفی حل الطعام وحرمته وطهارة الماء ونجاسته إنما اعتبر خبرإذا تأید**" (أصول السرخسی:۱/۳۴۰)۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "**ولو فاسقا أو مستوراًیحکم رأیه فی صدقه أو کذبه؛ لأن غالب الرأی بمنزلة الیقین**" (ردالمحتار:۱/۳۴۰)۔

"**وذکر فی المبسوط بعد بیان مسألة إخبار الفاسق بنجاسة الماء ثم بین أی محمد فی**

الفاسق والمستور أنه يحكم رأيه ،فإن كان أكبر رأيه أنه صادق يتيمم ولايتوضأ به؛ لأن أكبر الرأى فيما بنى على الاحتياط كاليقين، وإن أراقه ثم تيمم كان أحوط وإن كان أكبر رأيه أنه كاذب توضأبه ولايتيمم...حكم التوقف فى خبر الفاسق معلوم بالنص وفى الأمر بالتيمم هاهنا عمل بخبره من وجه فكان بخلاف النص" (کشف الأسرار شرح أصول البزدوی ۳/۲۱)۔

ابن العربیؒ فرماتے ہیں:''**قال ابن العربى رحمه الله تعالى: من ثبت فسقه بطل قوله فى الأخبار إجماعاً؛لأن الخبر أمانة والفسق قرينة تبطلها**" (أحکام القرآن:۴/۱۴۷۱،المغنی:۸/۲۰)۔

البتہ" **المغنی**"میں تھوڑی تفصیل ہے:

''**ولوأخبر جماعة من الفساق لايمكن تواطؤهم على الكذب قبل خبرهم وكذا لوأخبر الفاسق عن فعل نفسه لقوله بلتُ فى الإناء**" (مغنی المحتاج:۱/۱۳)۔

(ب)فسق کی وجہ سے عبادت پر پڑنے والے اثرات:

فسق کی وجہ سے عبادات پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں کتب فقہ میں اس کی بہت بڑی لمبی چوڑی تفصیل ہے تاہم اکثر مقالہ حضرات نے چند عبادات کا ذکر بطور نمونہ کیا ہے۔

فاسق کی اذان واقامت

فاسق کی اذان واقامت درست ہے، ان میں سے کسی کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے؛ البتہ اس کا اذان دینا اور اقامت کہنا مکروہ ہے۔

البحر الرائق میں ہے: **قوله:وكره أذان الجنب وإقامته وإقامة المحدث وأذان المرأة والفاسق الخ وأماالفاسق ،فلأن قوله لايوثق به ولايقبل فى الأمور الدينية ولايلزم أحدا فلم يوجد الإعلام**" (باب الأذان:۱/۴۵۸)۔

فاسق کی امامت:

فاسق کی امامت غیر فاسق کے لئے مکروہ تحریمی ہے، اکثر ائمہ کے نزدیک؛ لیکن فی نفسہ اس امامت سے نماز درست ہوجاتی ہے، امام مالک علیہ الرحمہ فسق عملی اور فسق اعتقادی کے مابین فرق کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: فسق عملی مثلا

شراب نوشی، زنا کاری کے ذریعہ جوفسق ہوا ہے اس کی وجہ سے نماز کراہت کے ساتھ ہوگی ؛لیکن ایک شخص نماز اس لئے پڑھاتا ہے؛ تاکہ دوسروں پر برتری وتکبر ظاہر کرے جوکہ گناہ ہے، اس کی وجہ سے اس کی امامت ہی صحیح نہیں ہوگی، "موسوعة فقهيه "میں ہے:"**قال المالكية:تصح الصلاة على المعتمد مع الكراهة خلف الفاسق بجارحة كزان وشارب خمر ،فإن تعلق الفسق بالصلاة كقصد الكبر بإماته فلاتصح**" (مادۃفسق)۔

امام احمدؒ کے نزدیک فاسق خواہ کسی بھی قسم کا ہووہ امامت کے لائق ہی نہیں ہے۔

"**قال الحنابلة :لاتصح إمامة فاسق أى:سواء كان فسقه بالاعتقاد أو بأفعال محرمة وسواء أعلن فسقه أو أخفاه لقوله تعالىٰ :أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقاً لايستون**" (الموسوعۃ:مادۃفسق)۔

فاسق کی نماز جنازہ پڑھنا:

جمہورائمہ کے نزدیک فاسق کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے؛البتہ احناف کے نزدیک باغیوں اورڈاکوں کی نماز جنازہ جائز نہیں ہے؛ جبکہ وہ میدان جنگ میں مارے جائیں (المحیط البرھانی:۲/۱۷۷)(المدونۃالکبریٰ:۱/۲۵۴)؛"**ونقل الشوكانى عن جمهور العلماء إلى أنه يصلى على الفاسق**" (نیل الأوطار:۴/۸۷)؛"**صلوا على صاحبكم**" (شرح صحیح مسلم: ۱۱/۶۰،باب من ترک مالافلورثتہ:۱۶۱۹)(بدائع الصنائع:۱/۳۱۱)۔

فسق کا اثر امامت کبریٰ پر:

فاسق کوامیر المومنین بنایا جاسکتا ہے یانہیں؟اس سلسلہ میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ امام اورامیر کی ذمہ داری حدود قائم کرنا،حقوق دلانا، یتیموں اور مجنونوں کے مال کی حفاظت کرناوغیرہ ہے؛ اسلئے فاسق کوامیر المومنین نہیں بنایا جاسکتا ہے، "الموسوعة الفقهية"میں ہے:"**الفسق والإمامة الكبرىٰ: من الشروط التى تشترط فيمن تولى الإمامة الكبرى أن يكون عدلاً وعندجمهور الفقهاء لايجوز أن تعقد الإمامة لفاسق، لأن الإمام يقام لإقامة الحدود واستيفاء الحقوق وحفظ أموال الأيتام والمجانين والنظر فى أمور هم إلى غير ذلك ومافيه من الفسق يقعده عن القيام بهذه الأمور والنهوض فيها**" (الموسوعۃالفقہیۃ،فسق:۳۲/۱۴۲،۱۴۳)۔

فاسق کی حضانت:

فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ فاسقہ کو بچہ کی حضانت سپرد نہ کی جائے ،وجہ یہ ہے کہ اس کے سپرد کرنے میں بچے کے فسق وفجور کے عادی ہونے کا خدشہ ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اگر والدہ زانیہ،سارقہ،مغنیہ،فاحشہ ہوتو اس کو بچہ کی حضانت

سپرد نہیں کی جائے گی۔

''قال فی النهر:وأقول فی قصره علی الزنا قصور إذلو كانت سارقة أومغنية أونائحة فالحكم كذلک ،علی هذا فالمراد فسق يضيع الولدبه اه ويمكن حمل فی البحر عليه بأن يكون قوله:''ونحوه'' مرفوعاً عطفاً علی الزنا...والحاصل أن الحضانة إن كانت فاسقة فسقا يلزم منه ضياع الولد عندها سقط حقها وإلا فهی أحق به إلیٰ أن يعقل فينزع منها كالكتابية'' (ردالمحتار باب الحضانۃ:۳/۵۵۶،۵۵۷)۔

فاسق کو عامل زکوٰۃ بنانا:

''اتفق الفقهاء علی أنه يشترط فی عامل الزكاة العدل، وأنه يحرم تولية الفاسق وجعله عاملا للزكاة ؛لأن هذا نوع ولاية فاشترط فيها العدل كسائر الولايات، ولأن الفاسق ليس من أهل الأمانة إلاأن المالكية قالوا: المراد بالعدل أن يكون غيرفاسق فی عمله وليس أن يكون عدلاعدل الشهادة'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۳۰/۶،۷)۔

عامل زکوٰۃ کو عادل اور امین ہونا چاہئے ،اس پر فقہاء کا اتفاق ہے،لہٰذا فاسق کو عامل نہ بنایا جائے ،مگر بعض حنابلہ نے فاسق کو عامل بنانے کی اجازت دی ہے، جب کہ وہ امین ہو؛لیکن ان کا مذہب اس کے خلاف ہے۔

فاسق کی تولیت:

تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وقف کے ناظر ومتولی کے لئے عدالت وامانت شرط ہے اسی وجہ سے فاسق کو وقف کا نگراں اور متولی بنانا جائز نہیں،اس لئے کہ ولایت نظر وشفقت کے ساتھ مقید ہے اور خائن کو متولی بنانا شفقت سے دور ہے، اور مقصود میں خلل ڈالنا ہے۔

''قال فی الإسعاف:لايولی إلا أمين قادر نفسه أو بنائبه ؛لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه مخل بالمقصود''(ردالمحتار:۶/۵۷۸)۔

فتویٰ پر فسق کا اثر:

فتویٰ پر فسق کا اثر پڑتا ہے یا نہیں؟یعنی فاسق شخص فتوی دے سکتا ہے یا نہیں؟اور اس کا فتوی قابل قبول ہوگا یا

نہیں؟ نیز اس سے فتوی لینا جائز ہے یا نہیں؟

چوں کہ مفتی لوگوں کو حکم شرعی بتاتا ہے اور دینی امور میں فاسق کی خبر معتبر اور قابل قبول نہیں ہوتی ہے، نیز مفتی نبی کا جانشیں ہوتا ہے اور اللہ رب العزت کی طرف سے نائب بن کر فتویٰ پر دستخط کرتا ہے؛ اس لئے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو، فاسق شخص فتویٰ نہیں دے سکتا ہے، اس کا فتویٰ قابل قبول نہیں ہوگا اور اس سے فتویٰ لینا بھی جائز نہیں ہے، ائمہ اربعہ؛ بلکہ جمہور علماء وفقہاء اسی کے قائل ہیں:

درمختار میں ہے:"(والفاسق لایصلح مفتیا)لأ ن الفتویٰ من أمور الدین ،والفاسق لایقبل قوله فی الدیانات ابن ملک۔ زاد العینی واختاره کثیر من المتأخرین وجزم به صاحب المجمع فی متنه وله فی شرحه عبارات بلیغة ،وهوقول الأئمة الثلاثة أیضا،وظاهر مافی التحریر أنه لایحل استفتاء ه إتفاقا کمابسطه المصنف" (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، کتاب القضاء:۸/۲۹/۳۰)۔

"والحاصل أنه لایعتمد علی فتوی المفتی الفاسق مطلقاً" (ردالمحتار، کتاب القضاء:۸/۳۰)۔

قضاء پر فسق کا اثر:

قضاء ایک عظیم امانت ہے، اس میں اموال، بضع اور نفوس کی حفاظت ہوتی ہے اور یہ وہی شخص کر سکتا ہے جو صاحب تقوی اور پابند شرع ہو، ورنہ ان سب کے ضیاع کا اندیشہ ہے، لہٰذا صاحب تقوی اور پابند شرع شخص کو ہی قاضی بنانا چاہئے، کسی فاسق کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہے؛ لیکن چونکہ فاسق شہادت کی اہلیت رکھتا ہے؛ اس لئے وہ قاضی بننے کی بھی اہلیت رکھے گا، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قاضی بننے کے لئے عدالت شرط نہیں ہے؛ لہٰذا اگر فاسق کو قاضی بنادیا جائے تو وہ قاضی ہوجائے گا اور اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، بشرطیکہ اس کا فیصلہ خلاف شرع نہ ہو، امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق نہ تو شہادت کی اہلیت رکھتا ہے اور نہ ہی قضاء کی؛ لہٰذا اس کو قاضی نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

"وکذا العدالة عندنا لیست بشرط لجواز التقلید، لکنها شرط الکمال فیجوز تقلیدالفاسق وتنفیذ قضایاه، إذالم یکن یجاوز فیهاحد الشرع، وعند الشافعی رحمه الله تعالیٰ شرط الجوازفلایصلح الفاسق قاضیا عنده بناء علی أن الفاسق لیس من أهل الشهادة عنده فلایکون من أهل القضاء وعندنا هو من أهل الشهادة فیکون من أهل القضاء لکن لاینبغی أن یقلد الفاسق، لأن القضاء أمانة عظیمة وهی أمانة الأموال والأبضاع والنفوس فلایقوم بوفاء هاإلا من کمل ورعه وتم تقواه،

إلـاأنـه مـع هـذا لـو قـلـد جـاز التـقـلـيـد فـى نـفسـه وصار قاضيا؛ لأن الفساد لمعنى فى غيره فلايمنع جواز(تلقيده القضاء) فى نفسه'' (بدائع الصنائع، کتاب أدب القاضی:۹/ ۸۲)۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ اس بات کے قائل ہیں کہ فاسق قضاء کی اہلیت نہیں رکھتا ہے، لہٰذا اس کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کے فسق کی وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے، حنفیہ میں امام طحاویؒ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: بہتر یہی ہے کہ اسی قول پر فتویٰ دیا جائے، خصوصاً فی زمانا۔

آگے علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو قضاء کا دروازہ بھی بند ہوجائے گا، خاص طور سے ہمارے زمانے میں؛ اس لئے اصح قول یہی ہے کہ فاسق قضاء کی اہلیت رکھتا ہے، اس کو قاضی بنا دیا جائے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔

''**والـفـاسق أهلها فيكون أهله لايقلد(درمختار)قَوْلُهُ: وَالْفَاسِقُ أَهْلُهَا) سَيَأْتِي بَيَانُ الْفِسْقِ وَالْعَدَالَةِ فِي الشَّهَادَاتِ، وَأَفْصَحَ بِهَذِهِ الْجُمْلَةِ دَفْعًا لِتَوَهُّمِ مَنْ قَالَ إنّ الْفَاسِقَ لَيْسَ بِأَهْلٍ لِلْقَضَاءِ فَلَا يَصِحُّ قَضَاؤُهُ؛ لِأَنّهُ لَا يُؤْمَنُ عَلَيْهِ لِفِسْقِهِ، وَهُوَ قَوْلُ الثّلَاثَةِ وَاخْتَارَهُ الطّحَاوِيُّ قَالَ الْعَيْنِيُّ: وَيَنْبَغِي أَنْ يُفْتَى بِهِ خُصُوصًا فِي هَذَا الزّمَانِ اهـ أَقُولُ: لَوْ اُعْتُبِرَ هَذَا لَانْسَدّ بَابُ الْقَضَاءِ خُصُوصًا فِي زَمَانِنَا فَلِذَا كَانَ مَا جَرَى عَلَيْهِ الْمُصَنّفُ هُوَ الْأَصَحُّ كَمَا فِي الْخُلَاصَةِ، وَهُوَ أَصَحُّ الْأَقَاوِيلِ كَمَا فِي الْعِمَادِيّةِ نَهْرٌ وَفِي الْفَتْحِ وَالْوَجْهُ تَنْفِيذُ قَضَاءِ كُلِّ مَنْ وَلّاهُ سُلْطَانٌ ذُو شَوْكَةٍ وَإِنْ كَانَ جَاهِلًا فَاسِقًا وَهُوَ ظَاهِرُ الْمَذْهَبِ عِنْدَنَا وَحِينَئِذٍ فَيَحْكُمُ بِفَتْوَى غَيْرِهِ**'' اهـ (ردالمحتار،۶/ ۲۸)۔

(ج) معاملات میں فاسق کی خبر:

اس سلسلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ معاملات میں عبادات کے بالمقابل زیادہ توسع ہے، لہٰذا جہاں کوئی دوسرا متبادل موجود نہ ہو لوگوں کے حقوق تلف ہونے یا اجتماعی نظام کے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو وہاں فاسق کی خبر یا شہادت معتبر مانی جائے گی۔

دلائل:

''**وَاتّـفَقَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى جَوَازِ قَبُولِ خَبَرِ الْفَاسِقِ فِي أَشْيَاءَ .فَمِنْهَا: أُمُورُ الْمُعَامَلَاتِ يُقْبَلُ فِيهَا خَبَرُ الْفَاسِقِ، وَذَلِكَ نَحْوُ الْهَدِيّةِ إذَا قَالَ:"إنّ فُلَانًا أَهْدَى إلَيْكَ هَذَا" يَجُوزُ لَهُ قَبُولُهُ وَقَبْضُهُ، وَنَحْوُ قَوْلِهِ: "وَكّلَنِي فُلَانٌ بِبَيْعِ عَبْدِهِ هَذَا" فَيَجُوزُ شِرَاؤُهُ مِنْهُ، وَنَحْوُ الْإِذْنِ فِي الدّخُولِ إذَا قَالَ لَهُ قَائِلٌ:**

''اُدْخُلْ'' لَا تُعْتَبَرُ فِيهِ الْعَدَالَةُ، وَكَذَلِكَ جَمِيعُ أَخْبَارِ الْمُعَامَلَاتِ'' (احکام القرآن للجصاص:۳/۵۳۰)۔

''يُقْبَلُ قَوْلُ الْوَاحِدِ فِي الْمُعَامَلَاتِ عَدْلًا كَانَ أَوْ فَاسِقًا حُرًّا كَانَ أَوْ عَبْدًا ذَكَرًا كَانَ أَوْ أُنْثَى مُسْلِمًا كَانَ أَوْ كَافِرًا دَفْعًا لِلْحَرَجِ وَالضَّرُورَةِ، وَمِنْ الْمُعَامَلَاتِ الْوَكَالَاتُ وَالْمُضَارَبَاتُ وَالرِّسَالَاتُ فِي الْهَدَايَا وَالْإِذْنُ فِي التِّجَارَاتِ، كَذَا فِي الْكَافِي.وَإِذَا صَحَّ قَوْلُ الْوَاحِدِ فِي أَخْبَارِ الْمُعَامَلَاتِ عَدْلًا كَانَ أَوْ غَيْرَ عَدْلٍ فَلَا بُدَّ فِي ذَلِكَ مِنْ تَغْلِيبِ رَأْيِهِ فِيهِ إنْ أَخْبَرَهُ صَادِقٌ، فَإِنْ غَلَبَ عَلَى رَأْيِهِ ذَلِكَ عَمِلَ عَلَيْهِ وَإِلَّا فَلَا، كَذَا فِي السِّرَاجِ الْوَهَّاجِ'' (الفتاوی الہندیۃ:۵/۳۵۸)۔

''ثم في المعاملات جعل خبر الفاسق مقبولا لأجل الضرورة أيضا فإن المعاملة تكثر بين الناس ولايوجد عدل يرجع إليه في كل خبر'' (اصول السرخسی:۱/۳۷۱)۔

''وَإِذَا غَلَبَ عَلَى الظَّنِّ صِدْقُ الْفَاسِقِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَحُكِمَ بِهَا، وَاَللَّهُ تَعَالَى لَمْ يَأْمُرْ بِرَدِّ خَبَرِ الْفَاسِقِ فَلَا يَجُوزُ رَدُّهُ مُطْلَقًا بَلْ يَتَثَبَّتُ فِيهِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ صِدْقُهُ مِنْ كَذِبِهِ فَيَعْمَلُ عَلَى مَا تَبَيَّنَ وَفِسْقُهُ عَلَيْهِ.وَاعْلَمْ أَنَّ لِرَدِّ شَهَادَةِ الْفَاسِقِ مَأْخَذَيْنِ: أَحَدُهُمَا عَدَمُ الْوُثُوقِ بِهِ وَأَنَّهُ يُحَمِّلُهُ قِلَّةَ مُبَالَاتِهِ بِدِينِهِ وَنُقْصَانَ وَقَارِ اللَّهِ تَعَالَى فِي قَلْبِهِ عَلَى تَعَمُّدِ الْكَذِبِ. الثَّانِي هَجْرُهُ عَلَى إعْلَانِهِ بِفِسْقِهِ وَمُجَاهَرَتُهُ بِهِ، فَقَبُولُ شَهَادَتِهِ فِيهَا إبْطَالٌ لِهَذَا الْغَرَضِ الْمَطْلُوبِ شَرْعًا، فَإِذَا عَلِمَ صِدْقَ لَهْجَتِهِ وَأَنَّهُ مِنْ أَصْدَقِ النَّاسِ وَأَنَّ فِسْقَهُ بِغَيْرِ الْكَذِبِ، فَلَا وَجْهَ لِرَدِّ شَهَادَتِهِ .وَقَدْ اسْتَأْجَرَ رَسُولُ اللَّهِ – صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ – هَادِيًا يَدُلُّهُ عَلَى طَرِيقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ مُشْرِكٌ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ، وَلَكِنْ لَمَّا وَثِقَ بِقَوْلِهِ أَمِنَهُ وَدَفَعَ إلَيْهِ رَاحِلَتَهُ وَقَبِلَ دَلَالَتَهُ. وَقَالَ أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ مِنْ أَئِمَّةِ الْمَالِكِيَّةِ: إذَا شَهِدَ الْفَاسِقُ عِنْدَ الْحَاكِمِ وَجَبَ عَلَيْهِ التَّوَقُّفُ فِي الْقَضِيَّةِ، وَقَدْ يُحْتَجُّ لَهُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى }يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ.الْآيَةَ.وَقَالَ ابْنُ قَيِّمِ الْجَوْزِيَّةِ الْحَنْبَلِيُّ: وَسِرُّ الْمَسْأَلَةِ أَنَّ مَدَارَ قَبُولِ الشَّهَادَةِ وَرَدِّهَا عَلَى غَلَبَةِ الصِّدْقِ وَعَدَمِهِ قَالَ: وَالصَّوَابُ الْمَقْطُوعُ بِهِ أَنَّ الْعَدَالَةَ تَتَبَعَّضُ، فَيَكُونُ الرَّجُلُ عَدْلًا فِي شَيْءٍ فَاسِقًا فِي شَيْءٍ، فَإِذَا تَبَيَّنَ لِلْحَاكِمِ أَنَّهُ عَدْلٌ فِيمَا شَهِدَ بِهِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَلَمْ يَضُرَّهُ فِسْقُهُ فِي غَيْرِهِ، وَأَصْلُ هَذَا مَا وَقَعَ فِي الْمُحِيطِ وَالْقُنْيَةِ: إذَا كَانَ الرَّجُلُ يَشْرَبُ سِرًّا وَهُوَ ذُو مُرُوئَةٍ فَلِلْقَاضِي أَنْ يَقْبَلَ شَهَادَتَهُ'' (معین الحکام فی یتردد بین الخصمین من الأحکام:۲/۵۸-۵۷)۔

''اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ الْإِعْلَانَ بِكَبِيرَةٍ يَمْنَعُ الشَّهَادَةَ وَفِي الصَّغَائِرِ إنْ كَانَ مُعْلِنًا بِنَوْعِ فِسْقٍ مُسْتَشْنَعٍ يُسَمِّيهِ النَّاسُ بِذَلِكَ فَاسِقًا مُطْلَقًا لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ، فَإِنْ كَانَ صَلَاحُهُ أَكْثَرَ مِنْ

فَسَادِهِ وَصَوَابُهُ أَغْلَبَ مِنْ خَطَئِهِ، وَلَا يَكُونُ سَلِيمَ الْقَلْبِ – يَكُونُ عَدْلًا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ،لأن غير المعصوم لايخلو عن قليل ذنب فيعتبر فيه الغالب ،وعن أبي يوسف إن كان الفاسق وجيها ذامروء ة جازت شهادته؛لأن مثله لايكذب" (الفتاویٰ الخانیۃ علی ھامش الہندیۃ:۲/۴۶۰)۔

تائید:

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن میں "**يَـاأَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْماًبِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نَادِمِيْن**" (الحجرات:۶) کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں:

"البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے" (معارف القرآن: سورۃ الحجرات:۸/۱۰۵)۔

مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عثمان بستوی قاسمی اور مولانا خلیل احمد پالن پوری اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں: وہ معاملات جن میں دوسروں پر کچھ لازم کرنا نہ پڑے اور اس سے نزاع نہ ہو تو اس میں فاسق کی خبر معتبر ہے اور وہ معاملات جن میں دوسروں پر کچھ لازم کرنا پڑے ان میں شہادت کے شرائط ضروری ہیں، البتہ اگر قاضی کو فاسق کے سچے ہونے کا غالب گمان ہو تو اس کی شہادت معتبر مان سکتے ہیں۔

"**وكل شي ليس فيه إلزام ومالايدل على النزاع فهومن المعاملات**"(البحر الرائق،:۸/۳۴۴)۔

"**وأصله أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لافي الديانات وعليه يحمل قول الكنز: ويقبل قول الكافرفي الحل والحرمة (الدرالمختار) ثم أعلم أن المعا ملات في كتب الأصول على ثلث أنواع، الأول: ما لا إلزام فيه كالوكالات والمضارابات والإذن بالتجارة، والثاني: مافيه إلزام محض كالحقوق التي تجرى فيها الخصومات، الثالث: مافيه إلزام من وجه دون وجه كعزل الوكيل وحجر المأذون، فإن إلزام العهدة على الوكيل وفساد العقد بعد الحجر، وفيه عدم إلزام؛ لأن المؤكل أو المولى يتصرف في خالص حقه فصار كالإذن ففي الأول يعتبر التمييز فقط وفي الثاني: شروط الشهادة، وفي الثالث: إماالعدد وإما العدالة عنده**" (ردالمحتار:۹/۴۹۸-۴۹۷)،(دیکھئے مقالہ: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا عثمان بستوی قاسمی اور مولانا خلیل احمد پالن پوری)۔

مولانا عبید الرحمٰن قاسمی لکھتے ہیں: معاملات: فاسق کے معاملاتی مسائل کے حوالہ سے قرآن کریم میں آیت کریمہ "**يَـاأَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنْ جآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيْبُوْا قَوْماًبِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نَادِمِيْن**"

(الحجرات:٦) کے ذیل میں علامہ ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے کہ یہاں اس سے مراد وہ خبریں ہیں جو دوسروں کی مصلحتوں اور ان کے حقوق سے متعلق ہوں، تاکہ ان کے حقوق مارے نہ جائیں۔

''هذه الآية بين أهل العلم أنها تتناول خبر الفاسق الذى تتعلق به مصالح الغير وحقوقهم حتى لايلحق بالناس ظلم كما تشير خاتمة الآية "أَنْ تُصِيبُوْا قَوْماًبِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نَادِمِيْن" قال شيخ الإسلام ابن تيمية: وقوله: "أَنْ تُصِيبُوْا قَوْماًبِجَهَالَةٍ" فجعل المحذور هو الإصابة لقوم بلا علم''
(مجموع الفتاویٰ:١٥/٣٠٧)۔

سوال/٣:- جولوگ داڑھی نہیں رکھتے ہوں لیکن نماز، روزہ کے پابند ہوں، کیا رؤیت ہلال کے سلسلہ میں یا اختلافی معاملات میں ان کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات کے تین نقطہاء نظر ہیں:

پہلا نقطۂ نظر:

اکثر مقالہ نگار حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ جولوگ داڑھی نہیں رکھتے ہیں، لیکن نماز، روزہ کے پابند ہیں، سنجیدہ اور باوقار ہیں، جھوٹ بولنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں، قرآئن سے قاضی کو ان کی سچائی کا غالب گمان ہے تو ایسے شخص کی گواہی رؤیت ہلال اور اختلافی معاملات میں قبول کی جاسکتی ہے کیوں کہ موجودہ زمانے میں داڑھی نہ رکھنے والوں کی کثرت ہے ان کی شہادت قبول نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور مقدمات کے فیصلے میں دقت ودشواری پیش آئے گی۔

دلائل:

ان حضرات نے مندرجہ ذیل آیت، احادیث اور فقہی عبارات کو اپنا مستدل قرار دیا ہے۔

''إِنْ جآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا أَنْ تُصِيبُوْا قَوْماًبِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَافَعَلْتُمْ نَادِمِيْن'' (الحجرات:٦)،

حضرت عبداللہ بن عتبہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر بن الخطابؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ''إن أناسا كانوا يأخذون بالوحى فى عهدرسول الله ﷺ وإن الوحى قد انقطع ،وإنما نأخذ كم الآن بماظهر لنا من أعمالكم، فمن أظهر لنا خيرا،أمناه قربناه ،وليس إلينا من سريرته شيء،الله يحاسبه فى سريرته،ومن أظهر لنا سواء لم نأمنه ولم نصدقه وإن قال: سريرته حسنة'' (صحیح البخاری، رقم الحدیث:٢٦٤١، ط: دارطوق النجاۃ)۔

''بل فی زماننا هذا الفاسق إذا کان وجیها ذا مروء ة یغلب علی الظن أنه لایکذب فی الشهادة أو دلت القرائن علی صدق یقبل شهادته'' (تفسیر المظہری: سورۃ البقرۃ:۳۲۸)۔

''قیده فی القاعدیة بماإذا غلب علی ظنه صدقه فلیحفظ درر استثنیٰ الثانی الفاسق ذا الجاه والمروء ة فإنه یجب قبول شهادته بزازیة قال فی النهر وعلیه فلایأثم أیضا بتولیتة القضاء'' (الدر المختار:۳۵۶/۵)۔

''وعن أبی یوسف رحمه الله أن الفاسق إذا کان وجیها فی الناس ذا مروء ة یقبل شهادته لعدم تمکن تهمة الکذب فی شهادته ،لأنه لوجاهاته لایتجاسر أحد علی استئجاره لأداء الشهادة ولمروء ته یمتنع عن الکذب من منفعة له فی ذلک'' (تبیین الحقائق)۔

''أن الفاسق إذا کان وجیها فی الناس ذا مروء ة تقبل شهادته؛لأنه لایستأجر لوجاهته و یمتنع عن الکذب لمروء ة'' (ہدایۃ:۱۱۷/۳)۔

''استثنی الثانی أی أبی یوسف من الفاسق الذی یأثم القاضی بقبول شهادته، والظاهر أن هذا مما یغلب علی ظن القاضی صدقه، فیکون داخلا تحت کلام القاعدیة، فلاحاجة إلی استثناء ه علی مااستظهر ناه آنفا'' (ابن عابدین:۳۵۶/۵)۔

''أما شهادة الفاسق فإن تحری القاضی الصدق فی شهادته تقبل إلا فلا'' (قرۃ عیون الأخیار: ۱۰۰/۱۱، بدائع الصنائع:۴۰۷/۵)۔

''فإذا علم صدق لهجته وأنه من أصدق و أن فسقه بغیر الکذب فلاوجه لرد شهادته'' (معین الحکام:۱۱۱۷)۔

وَ''إِذَا غَلَبَ عَلَى الظَّنِّ صِدْقُ الْفَاسِقِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَحُكِمَ بِهَا، وَاَللَّهُ تَعَالَى لَمْ يَأْمُرْ بِرَدِّ خَبَرِ الْفَاسِقِ فَلَا يَجُوزُ رَدُّهُ مُطْلَقًا بَلْ يَتَثَبَّتُ فِيهِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ صِدْقُهُ مِنْ كَذِبِهِ فَيَعْمَلُ عَلَى مَا تَبَيَّنَ وَفِسْقُهُ عَلَيْهِ. وَاعْلَمْ أَنَّ لِرَدِّ شَهَادَةِ الْفَاسِقِ مَأْخَذَيْنِ: أَحَدُهُمَا عَدَمُ الْوُثُوقِ بِهِ وَأَنَّهُ يُحَمِّلُهُ قِلَّةَ مُبَالَاتِهِ بِدِينِهِ وَنُقْصَانَ وَقَارِ اللهِ تَعَالَى فِي قَلْبِهِ عَلَى تَعَمُّدِ الْكَذِبِ. الثَّانِي هَجْرُهُ عَلَى إعْلَانِهِ بِفِسْقِهِ وَمُجَاهَرَتُهُ بِهِ، فَقَبُولُ شَهَادَتِهِ فِيهَا إبْطَالٌ لِهَذَا الْغَرَضِ الْمَطْلُوبِ شَرْعًا، فَإِذَا عَلِمَ صِدْقَ لَهْجَتِهِ وَأَنَّهُ مِنْ أَصْدَقِ النَّاسِ وَأَنَّ فِسْقَهُ بِغَيْرِ الْكَذِبِ، فَلَا وَجْهَ لِرَدِّ شَهَادَتِهِ. قَدْ اسْتَأْجَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هَادِيًا يَدُلُّهُ عَلَى طَرِيقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ مُشْرِكٌ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ، وَلَكِنْ لَمَّا وَثِقَ بِقَوْلِهِ أَمِنَهُ وَدَفَعَ إلَيْهِ رَاحِلَتَهُ وَقَبِلَ دَلَالَتَهُ. وَقَالَ أَصْبَغُ بْنُ الْفَرَجِ مِنْ أَئِمَّةِ

الْـمَـالِـكِيّةِ: إذَا شَهِدَ الْفَاسِقُ عِنْدَ الْحَاكِمِ وَجَبَ عَلَيْهِ التّوَقُّفُ فِي الْقَضِيّةِ، وَقَدْ يُحْتَجُّ لَهُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى "يَا أَيُّهَا الّـذِيـنَ آمَنُوا إنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ"۔ الْآيَةَ: وَقَالَ ابْنُ قَيّمِ الْجَوْزِيّةِ الْحَنْبَلِيُّ: وَسِرُّ الْمَسْأَلَةِ أَنّ مَدَارَ قَبُولِ الشّهَادَةِ وَرَدّهَا عَلَى غَلَبَةِ الصّدْقِ وَعَدَمِهِ قَالَ: وَالصّوَابُ الْمَقْطُوعُ بِهِ أَنّ الْعَدَالَةَ تَتَبَعّضُ، فَيَكُونُ الرّجُلُ عَدْلًا فِي شَيْءٍ فَاسِقًا فِي شَيْءٍ، فَإِذَا تَبَيّنَ لِلْحَاكِمِ أَنّهُ عَدْلٌ فِيمَا شَهِدَ بِهِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَلَمْ يَضُرّهُ فِسْـقُـهُ فِـي غَيْـرِهِ، وَأَصْـلُ هَذَا مَا وَقَعَ فِي الْمُحِيطِ وَالْقِنْيَةِ: إذَا كَانَ الرّجُلُ يَشْرَبُ سِرًّا وَهُوَ ذُو مُرُوئَةٍ فَلِلْقَاضِي أَنْ يَقْبَلَ شَهَادَتَهُ" (معین الحکام فی یتردد بین الخصمین من الأحکام:۲/۵۸-۵۷)۔

"وَإِذَا كَـانَ الـنّـاسُ فُسّـاقًا إلّا الْقَلِيلَ النّادِرَ قُبِلَتْ شَهَادَةُ بَعْضِهِمْ عَلَى بَعْضٍ، وَيُحْكَمُ بِشَهَادَةِ الْأَمْثَـلِ فَـالْأَمْثَلِ مِنْ الْفُسّاقِ، هَذَا هُوَ الصّوَابُ الّذِي عَلَيْهِ الْعَمَلُ وَإِنْ أَنْكَرَهُ كَثِيرٌ مِنْ الْفُقَهَاءِ بِأَلْسِنَتِهِمْ، كَـمَـا أَنّ الْـعَـمَلَ عَلَى صِحّةِ وِلَايَةِ الْفَاسِقِ وَنُفُوذِ أَحْكَامِهِ وَإِنْ أَنْكَرُوهُ بِأَلْسِنَتِهِمْ، وَكَذَلِكَ الْعَمَلُ عَلَى صِـحّةِ كَوْنِ الْفَاسِقِ وَلِيًّا فِي النِّكَاحِ وَوَصِيًّا فِي الْمَالِ، وَهَذَا يُؤَيّدُ مَا نَقَلَهُ الْقَرَافِيُّ، وَإِذَا غَلَبَ عَلَى الظّنّ صِـدْقُ الْـفَـاسِـقِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَحُكِمَ بِهَا، وَاَللّهُ تَعَالَى لَمْ يَأْمُرْ بِرَدّ خَبَرِ الْفَاسِقِ فَلَا يَجُوزُ رَدُّهُ مُطْلَقًا بَلْ يَتَثَبّتُ فِيهِ حَتّى يَتَبَيّنَ صِدْقُهُ مِنْ كَذِبِهِ فَيَعْمَلُ عَلَى مَا تَبَيّنَ وَفِسْقُهُ عَلَيْهِ" (معین الحکام:۱۱۷)۔

"اتّفَقُوا عَلَى أَنّ الْإِعْلَانَ بِكَبِيرَةٍ يَمْنَعُ الشّهَادَةَ وَفِي الصّغَائِرِ إنْ كَانَ مُعْلِنًا بِنَوْعِ فِسْقٍ مُسْتَشْنَعٍ يُسَـمّيـهِ الـنّـاسُ بِـذَلِكَ فَاسِقًا مُطْلَقًا لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ، فَإِنْ كَانَ صَلَاحُهُ أَكْثَرَ مِنْ فَسَـادِهِ وَصَـوَابُـهُ أَغْلَبَ مِنْ خَطَئِهِ، وَلَا يَكُونُ سَلِيمَ الْقَلْبِ يَكُونُ عَدْلًا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ،لأن غير المعصوم لـايـخـلـو عـن قـلـيـل ذنب فيعتبر فيه الغالب ،وعن أبی یوسف إن كان الفاسق وجيها ذامروء ة جازت شهادته؛لأن مثله لايكذب" (الفتاوی الثانیۃ علی ہامش الہندیۃ:۲/۴۶۰)۔

"واكتفوا فی وصف العدالة بترجيح الحسنات على السيئات"(الموسوعۃ:۲۲/۲۵،رویت)۔

مولانا رحمت اللہ ندوی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں: یہ دور غلبۂ فسق کا ہے؛ لہٰذا متأخرین علماء نے خیر القرون سے دوری کی وجہ سے شہادت کے باب میں تساہل اختیار کیا ہے، کیوں کہ اگر شدت اختیار کی جائے گی تو معیاری گواہ فراہم نہ ہوسکیں گے جس کی وجہ سے شہادت کا باب بند ہوجائے گا اور حقوق مرجائیں گے؛ اس لئے کل گواہ میں فسق کے باوجود اگر نیکیوں کا غلبہ ہے تو ایسے شخص کی گواہی قبول ہوگی (مقالہ مولانا رحمت اللہ ندوی)۔

"والـعـدالة شرعاً:اجتناب الكبائر وعدم الإصرار على الصغائر والحقيقة أن اجتناب الكبائر كلها وهوشرط لصحه الشهادة، وبعد توقيها يلاحظ الشأن الغالب، فمن كثرت معاصيه أثر ذلک فی

شهادته سد باب الشهادة وإماتة الحقو ق" (ہدایہ:۳/۱۶۴)۔

تائید:

ان حضرات نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں اکابرین کے فتاویٰ کو بھی ذکر کیا ہے: داڑھی منڈانے والا اگر چہ عرفاً ثقہ اور قابل اعتماد سمجھا جاتا ہو، اس کی گواہی شرعاً غیر مقبول ہے؛ لیکن اگر قاضی قبول کرلے اور حکم کردے تو حکم صحیح ہوجائے گا (کفایت المفتی:۶/۳۱۶)۔

اگر مذکورہ شخص شرعی ضابطہ کے مطابق عادل ومستور الحال نہ ہو؛ لیکن ایسا باوجاہت اور ذی منصب وذی مروت ہو کہ جھوٹ بولنے کو اپنے منصب کے خلاف اور اپنی توہین سمجھتا ہو اور وواقعہ ایسا ہی ہو کہ اس سے کذب صادر نہ ہوتا ہو تو اس کی بھی شہادت مقبول ومعتبر ہوگی (منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۳۰۲)۔

داڑھی کٹوانا فسق ہے، بلکہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے، اس لئے کہ اس میں کھلم کھلا اور علی الاعلان شریعت کی خلاف ورزی اور استخفاف ہے اور فاسق کی شہادت قبول نہیں؛ البتہ اگر عادل شاہد نہ ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا اندیشہ ہو اور فاسق شخص ذی وجاہت ہو تو اس کی شہادت قبول کرنا جائز ہے (احسن الفتاویٰ:۷/۲۰۴)۔

مفتی سید محمد علی مدنی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے ہیں وہ فاسق ہیں؛ لیکن وہ شہادت کے اہل ہیں؛ لہٰذا اگر ان کی شہادت پر فیصلہ کردے تو وہ فیصلہ شرعاً نافذ ہوگا، البتہ ایسے شخص کی گواہی قبول کرنے والا گنہگار ہوگا۔

الدليل: "والفاسق أهلها(أى الشهادة)فيكون أهله، لكنه لايقلد وجوبا ويأثم مقلده كقابل شهادته قال الشامي: وهوالأصح كمافى الخلاصة وهوأصح الأقاويل كمافى العمادية" (الدرالمختار:۷/۲۵)۔

دوسرا نقطۂ نظر:

بعض حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ داڑھی منڈانے والا فاسق ہے اور اس کی گواہی رؤیت ہلال یا اختلافی معاملہ میں قابل قبول نہیں، یہ مولانا ابوبکر قاسمی، مفتی محفوظ الرحمٰن قاسمی، مفتی محمد سلطان، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی ومولانا سعود ممتاز ندوی کا نقطۂ نظر ہے۔

دلائل:

ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

"لوشهدرجل واحد برؤية هلال رمضان وبالسماء علة قبلت شهادته إذا كان عدلا...

وإنمالايقبل خبر الفاسق لتمكن التهمة والأصح اشتراط العدالة فيه؛ لأن هذا من أمور الدين ولهذا يكتفى فيه بخبر الواحد وخبر الفاسق فى الدين غير مقبول'' (المبسوط للسرخسی:۳۹/۳)۔

''**لأن قول الفاسق فى الديانات التى يمكن تلقيها من العدول غير مقبول كالهلال ورواية الأخبار ولوتعذر كفاسقين فأكثر كذا فى الولوالجية بخلاف مالايتيسر تلقيه فهم حيث يتحرى فى خبر الفاسق كالأخبار بطهارة الماء ونجاسته، وحل الطعام وحرمته وبخلاف الهدية والوكالة وما لا إلزام فيه من المعاملات حيث يقبل خبره بدون التحرى**'' (البحرالرائق:۲۶۶/۲)(شامی:۳۵۲/۳)۔

''**ذهب جمهورالفقهاء الحنفية والمالكية والحنابلة وهوقول عند الشافعية إلى أنه يحرم حلق اللحية ،لأنه مناقض للأمر النبوى**''(الموسوعۃ:۲۲۵/۳۵)۔

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: ان معروضات کی روشنی میں یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ فاسق کی گواہی کسی حال میں بھی قبول نہیں کی جائے گی؛ چاہے وہ حاجی صاحب ہو یا قاضی صاحب ہو، نماز روزہ کا پابند ہو؛ تہجد گزار ہو (مقالہ: مولانا مصطفیٰ قاسمی)۔

تیسرا نقطۂ نظر:

بعض حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اختلافی معاملات میں داڑھی منڈانے والے کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے؛ لیکن رؤیت ھلال کے سلسلہ میں اس کی شہادت قبول نہیں کی جاسکتی؛ اسلئے کہ یہ عبادت ہے:

''**نص الجصاص فى أحكام القرآن على أن أهل العلم اتفقوا على جواز قبول خبر الفاسق فى أشياء منهاأمور المعاملات فيقبل فيها خبر الفاسق**'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۱۳۴:۳۲)۔

سوال ر ۴:- عام طور پر ایسے لوگوں کو بھی مسجد یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے، جو قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق وجوہ فسق سے خالی نہیں ہوتے ہیں، تو ان کا حکم ان اداروں کے خادمین یا تنظیم کے افراد کے لئے واجب الاطاعۃ ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات نے تین امور ذکر کئے ہیں:

الف: مسجد، مذہبی ادارے اور تنظیموں کا ذمہ دار ایسے شخص کو بنانا چاہئے جو عادل، امانت دار، دیانت دار اور پابند شرع ہو، اس پر تمام ہی مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے۔

"يُشْتَرَطُ فِي نَاظِرِ الْوَقْفِ أَنْ يَكُونَ عَدْلاً۔ وَلِلْفُقَهَاءِ فِي هَذَا الشَّرْطِ تَفْصِيلٌ: أَمَّا الْحَنَفِيَّةُ فَقَدِ اخْتَلَفُوا فِي كَوْنِ الْعَدَالَةِ شَرْطَ صِحَّةٍ أَوْ شَرْطَ أَوْلَوِيَّةٍ عَلَى رَأْيَيْنِ: الأَوَّل: أَنَّ الْعَدَالَةَ شَرْطُ صِحَّةِ الْوَقْف، فَقَدْ نَقَل ابْنُ عَابِدِينَ عَنِ الإِسْعَافِ: وَلَا يُوَلَّى إِلَّا أَمِينٌ قَادِرٌ بِنَفْسِهِ أَوْ بِنَائِبِهِ، لِأَنَّ الْوِلَايَةَ مُقَيَّدَةٌ بِشَرْطِ النَّظَرِ وَلَيْسَ مِنَ النَّظَرِ تَوْلِيَةُ الْخَائِنِ؛ لِأَنَّهُ يُخِل بِالْمَقْصُودِ.وَالرَّأْيُ الثَّانِي: أَنَّ الْعَدَالَةَ شَرْطُ أَوْلَوِيَّةٍ، فَقَدْ قَال ابْنُ عَابِدِينَ: وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْعَدَالَةَ شَرْطُ أَوْلَوِيَّةٍ لَا شَرْطُ صِحَّةٍ، وَأَنَّ النَّاظِرَ إِذَا فُسِّقَ اسْتَحَقَّ الْعَزْل وَلَا يَنْعَزِل، كَالْقَاضِي إِذَا فُسِّقَ لَا يَنْعَزِل عَلَى الصَّحِيحِ الْمُفْتَى بِهِ" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۴۴/۲۰۷)۔

"الصالح للنظر من لم يسأل الولاية للوقف وليس فيه فسق يعرف هكذا فى فتح القدير وفى الإسعاف لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه ويستوى فيه الذكر والأنثى وكذا الأعمى والبصير وكذا المحدود فى قذف إذا تاب، ويشترط فى الصحة بلوغه وعقله كذا فى البحر الرائق" (الفتاویٰ الہندیۃ:۱/۴۰۸)۔

ب:-اگر کسی فاسق شخص کو مسجد، مذہبی ادارے اور تنظیموں کا ذمہ دار بنادیا گیا اور حکمت ومصلحت کے ساتھ فتنہ وفساد میں پڑے بغیر اس کو معزول کرنا ممکن ہو تو معزول کردیا جائے، اس پر بھی تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے۔

"جواز تولية الفاسق الوقف وهم الحنفية فى الراجح عندهم جاء فى البحر الرائق بشأن ولاية الوقف، والظاهر أنها أى العدالة شرائط الأولوية لاشرائط الصحة وأن الناظر إذا فسق يستحق العزل ولاينعزل لأن القضاء أشرف من التولية ويحتاط فيه أكثر من التولية والعدالة فيه شرائط الأولوية حتى يصح تقليد الفاسق وإذا فسق القاضى لاينعزل على الصحيح المفتى به كذا فى الناظر" (الفسق وأحکامہ فی الفقہ الإسلامی:۳۹۶)،(مقالہ:مفتی محمد واصف قاسمی)۔

ج:-اگر کسی فاسق شخص کو مسجد، مذہبی ادارے اور تنظیموں کا ذمہ دار بنادیا گیا اور اس کو معزول کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کی اطاعت ان اداروں کے خادمین یا تنظیم کے افراد کے لئے واجب ہے یا نہیں، اس سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات کی چار آراء ہیں:

پہلی رائے:

فاسق ذمہ دار کی اطاعت اداروں کے خادمین یا تنظیم کے افراد کے لئے ادارے کے تحفظ اور نظم ونسق کی خاطر جائز امور میں واجب ہے، یہ اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے۔

دلائل:

درج ذیل حضرات نے درجۂ ذیل قرآن کی آیت، احادیث اور فقہی عبارات سے استدلال کیا ہے:

''یٰٓاَیُّهَاالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوْا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الاَمْرَ مِنْکُمْ''(النساء:۵۹)۔

حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے، انہوں نے کہا:''**بایعنا رسول الله ﷺ علی السمع والطاعة فی منشطنا ومکرهنا وعسرنا ویسرنا وأثرة علینا أن لاننازع الأمر أهله إلا أن تروا کفرا بواحا،عندکم من الله فیه برهان**'' (الصحیح للبخاری رقم:۷۰۵۵)۔

''**أن النبی ﷺ قال: ألا من ولی علیه وال فرآه یأتی شیئاً من معصیة الله فیکره مایأتی من معصیة الله لاینزعن یدا من طاعته**'' (مسلم:۱۸۵۵)۔

حضرت ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''**علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما أحب وکره إلاأن تؤمر بمعصیة، فإن أمر بمعصیة فلاسمع ولاطاعة**'' (الصحیح لمسلم، کتاب الإمارۃ:۲/۱۲۶)۔

''**إن أمر علیکم عبد مجدع حسبتها قالت :أسود یقودکم بکتاب الله فاسمعوا له و أطیعوا**''

(الصحیح لمسلم: کتاب الإمارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ، ۶/۱۵، ط:التركية رقم الحدیث:۱۸۳۸)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''**سیلیکم بعدی ولاة، فیلیکم البر ببره، والفاجر بفجوره، فاسمعوا لهم واطیعوا فی ماوافق الحق، وصلوا وراء هم فإن أحسنوا فلکم ولهم وإن أساءوا فلکم وعلیهم**'' (سنن الدارقطنی:۲/۴۰۰، کتاب العیدین، باب صفۃ من تجوز الصلاۃ معہ والصلاۃ علیہ۔ ۱۷۵۹، مؤسسۃ الرسالۃ)۔

''**وفی حدیث حذیفة هذا لزوم جماعة المسلمین وإمامهم، ووجوب طاعته وإن فسق وعمل المعاصی من أخذ الأموال وغیر ذلک ،فتجب طاعته فی غیر معصیة**'' (المنہاج شرح صحیح لمسلم:۴/۳۳۲۰)۔

''**هذا من معجزات النبوة وقد وقع هذا الإخبار متکرر أووجد مخبره متکرر، وفیه الحث علی السمع والطاعة وإن کان المتولی ظالما عسوفا، فیعطی حقه من الطاعة ولایخرج علیه ولا یخلع بل یتضرع إلیٰ الله تعالیٰ فی کشف أذاه ودفع شره وإصلاحه**'' (شرح النووی علی مسلم:۲/۲۳۲)۔

حضرت حذیفۃ بن الیمان کی روایت ہے:"قلت یارسول اللہ فماتری إن أدرکنی ذلک قال تلزم جماعة المسلمین وإمامهم" (الصحیح لمسلم:۲۰/۶)۔

''الجهاد واجب عليكم مع كل أمير برا كان أو فاجرا وإن عمل الكبائر، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براكان أو فاجرا وإن عمل الكبائر، والصلاة واجبة على كل مسلم برا كان أوفاجرا وإن عمل الكبائر" (السنن لأبی داؤد، الجهاد مع الغزو ومع أئمة الجور:۲۵۳۳)۔۔

"وفيه حجة لجماعة الفقهاء فی وجوب لزوم جماعة المسلمين وترک القيام على أئمة الجور، ألا ترى أنه ﷺ وصف أئمة زمان الشر فقال"دعاة على أبواب الجهنم من أجابهم إليها قذفوه فيها" فوصفهم بالجور والباطل والخلاف لسنته، لأنهم لايكونون دعاة على أبواب جهنم إلا وهم على الضلال، ولم يقل فيهم تعرف منهم وتنكر، كما قال فی الأولين، وأمر مع ذلک بلزوم جماعة المسلمين وإمامهم ولم يأمر بتفريق كلمتهم، وشق عصاهم" (شرح البخاری للبطال:۳۹/۱۹)۔

"وعند الحنفية ليست العدالة شرطاً للصحة فيصح تقليد الفاسق الإمامة مع الكراهة وإذا قلد عدلا ثم جاروفسق لاينعزل، ولكن يستحب العزل إن لم يستلزم فتنة ويجب أن يدعى له ولايجب الخروج عليه كذا عن أبی حنيفة وكلمتهم قاطبة فی توجيهه وهو أن الصحابة صلوا خلف بعض بنی أمية وقبلوا الولاية عنهم" (ردالمحتار:۳۳۴،۳۳۵/۲)۔

قال ابن الهمام: "وإذا قلد عدلا ثم جار وفسق لم ينعزل ويستحق العزل إن لم يستلزم فتنة، ويجب أن يدعى له ولايجب الخروج عليه كذا عن أبی حنيفة وكلمتهم قاطبة۔ قال البزدوی: وإذا قلد عدلا إذا جارأوفسق لم ينعزل عندأصحاب أبی حنيفة بأجمعهم وهوالمذهب المرضی" (أصول البزدوی:۵۶۹/۱)۔

"وقد استند الحنفية فی رأيهم هذاإلى أن الصحابة رضی الله عنهم،صلوا خلف بعض بنی أمية وقبلوا ولايتهم،فقد صلى غير واحد منهم خلف مروان بن الحكم قالوا: وروى البخاری فی تاريخه: أدركت عشرة من أصحاب رسول الله ﷺ كلهم يصلی خلف أئمة الجور۔ وعدم انعزال الرئيس بالفسق هو مايراه أكثر العلماء، لأن السلف كانوا يرون الفسق ظاهراوالجور واقعا من الأئمة بعد الخلفاء الراشدين، وكانوا مع ذلک ينقادون لهم، وكان الصحابة والتابعون ومن بعدهم يرون خلافة بنی أمية وبنی العباس مع أن أكثر بنی أمية وأكثر بنی العباس كانوافساقا" (السیاسۃ الشرعیۃ:۵۸۶/۱)۔

"وإمابالتغلب على الناس؛ لأن من اشتدت وطأته بالتغلب وجبت طاعته ولايراعى فى هذا شروط الإمامة إذالمدار على درء المفاسد وإرتكاب أخف الضررين" (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر: ۴/ ۱۹۸)

مولانا ذکاء اللہ شبلی مفتاحی لکھتے ہیں: ایسے لوگوں کو مذہبی اداروں خاص طور پر مسجد کی تولیت، یا مدرسے کی نظامت و صدارت نہیں دینی چاہئے، اس سے دینی اداروں کا وقار مجروح ہونے کے ساتھ اسلام اور مسلمان کی غلط شبیہ غیروں کے سامنے جائے گی، البتہ انتظامی و بیرونی امور سے متعلق ایسے لوگوں کو ذمہ داری دی جاسکتی ہے؛ تاکہ تھانہ پولیس یا دیگر امور میں وہ ذمہ دار کی حیثیت سے پیروی کرسکیں (مقالہ: مولانا ذکاء اللہ شبلی مفتاحی)۔

تائید:

امداد المفتین میں ہے: "البتہ کوئی مخصوص جماعت اگر اپنا امیر کسی کو بنائے، اس کے احکام شرعی کے تو نہیں ہوں گے، مگر حکم کا درجہ ہوگا" جب تک چاہیں اس کی اطاعت کریں اور جب چاہیں چھوڑ دیں، مگر بنظر ابقاء نظام بلا وجہ اطاعت چھوڑنا مکروہ اور نامناسب ہوگا، مگر خروج علی الامیر کی حد میں داخل نہ ہوں گے، امیر واجب الاطاعت مطلقا وہی ہوسکتا ہے جو تمام مسلمانوں کے اتفاق واجتماع سے امیر بنایا جائے اور شرائط امارت اس میں موجود ہوں" (امداد المفتین: ۲/ ۸۹۴)۔

حضرت مفتی شفیع صاحب "**جواهر الفقه**" تحریر میں فرماتے ہیں: "حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا جماعتی نظم اور ان کی شیرازہ بندی اسلام میں وہ مقصد اعظم ہے کہ اس کے لئے غیر متشرع امراء جور کی اطاعت پر بھی شریعت غراء نے مسلمانوں کو اس لیے مجبور کیا ہے کہ تفرقہ اور اختلال نظم کی صورت میں جو قومی بربادی اور انفرادی معاصی کے ہزاروں دروازے کھلتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ مضر ہے کہ کسی امیر غیر متشرع کی اطاعت قبول کرلی جائے۔

عہد صحابہ میں جب ولید بن عقبہ امیر جماعت بن گیا اور اس کے عادات واخلاق اور اعمال وافعال صحابہ کی نظر میں اچھے نہ تھے تو لوگوں کو اس پر اعتراض ہوا، اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی نکتہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: "**اصبروا فإن جور إمامكم خمسين عاماخير من هرج شهر**" ہاں! البتہ اگر وہ شریعت کے خلاف کسی بات کا حکم دیں، تو اس کی اطاعت جائز نہ ہوگی، جیسا کہ حدیث میں ہے: "**لاطاعة لمخلوق فى معصية الخالق**" (المصنف لابن شیبہ، جواہر الفقہ)۔

دوسری رائے:

فاسق شخص کو مسجد، مذہبی ادارے اور تنظیموں کا ذمہ دار بنانا جائز نہیں ہے اور اس کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

یہ مفتی محمد ابوبکر قاسمی، مولانا احمد مکین کی رائے ہے۔

اللہ کا فرمان ہے:"إنْ أولياءُ هٗ إلاَّ الْمُتَّقُوْنَ" (الانفال:۳۴)۔

"وينزع وجوباً لو الواقف۔ درر۔ فغيره بالأولى(غيرمأمون)أو عاجزا أو ظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه" (الدرالمختار:۶/۵۷۸)۔

"لايجوز تولية الفاسق مع إمكان تولية البر" (فتاوی ابن تیمیۃ:۱/۱۵۰)۔

تیسری رائے:

ذمہ دار فسق کا مرتکب ہو تو اس کا حکم قابل قبول اس وقت ہوگا جبکہ تحقیق کے بعد معلوم ہو کہ مصلحت کے موافق ہے، اس میں کوئی خیانت یا بد دیانتی نہیں ہے، یہ رائے مولانا روح الامین مظاہری، مفتی عثمان نوساری کی ہے۔

چوتھی رائے:

مساجد یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار، خادمین ممبران سب کے سب عادل ہوں، شریعت مطہرہ کے پیروکار ہوں، اسی طرح ذمہ دار، خادمین ممبران سب کے سب فاسق ہوں اور شریعت مطہرہ کے پیروکار نہ ہوں تو ان دونوں صورتوں میں ذمہ دار کا حکم خادمین اور ممبران کے لئے واجب الإطاعت ہوگا اور اگر ذمہ دار فاسق غیر عادل ہو شریعت مطہرہ کا پیروکار نہ ہو اور خادم وممبران سب کے سب عادل ہو اور شریعت مطہرہ کے پیروکار ہوں تو اس صورت میں ذمہ دار کا حکم واجب الاطاعۃ نہ ہوگا، یہ رائے مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی کی ہے۔

سوال/۵:فسق فی العقیدہ سے کیا مراد ہے اور جو لوگ اعتقادی اعتبار سے فاسق ہوں ان کے لئے کیا احکام ہیں؟

اس سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات کی تین آراء ہیں:

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگار حضرات نے فسق کے اقسام اور ان کی تعریف لکھی ہے:

فسق دو قسمیں ہیں:

(۱)فسق عملی (۲)فسق اعتقادی

فسق عملی کی تعریف:

عقیدہ تو اہل سنت والجماعت کا ہو؛ لیکن شہوت اور خواہشات نفس کی پیروی میں افعال شنیعہ کا مرتکب ہو۔

فسق اعتقادی کی تعریف:

بر بناء شبہ وتاویل کسی خلاف حق امر کا اعتقاد رکھنا۔

''أَنْوَاعُ الْفِسْقِ: قَال ابْنُ تَيْمِيَّةَ: إِنَّ الْفِسْقَ تَارَةً يَكُونُ بِتَرْكِ الْفَرَائِضِ، وَتَارَةً بِفِعْلِ الْمُحَرَّمَاتِ وَجَاءَ فِي الزَّوَاجِرِ عَنِ اقْتِرَافِ الْكَبَائِرِ لابْنِ حَجَرٍ: قَال بَعْضُ الأَئِمَّةِ: كَبَائِرُ الْقُلُوبِ أَعْظَمُ مِنْ كَبَائِرِ الْجَوَارِحِ، لأَنَّهَا كُلُّهَا تُوجِبُ الْفِسْقَ .وَقَال الشَّوْكَانِيُّ نَاقِلاً عَنِ الإِمَامِ الْقُرْطُبِيِّ: وَالْفِسْقُ فِي عُرْفِ الاِسْتِعْمَال الشَّرْعِيِّ: الْخُرُوجُ عَنْ طَاعَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَل، فَقَدْ يَقَعُ عَلَى مَنْ خَرَجَ بِكُفْرٍ، وَعَلَى مَنْ خَرَجَ بِعِصْيَانٍ، وَفِي حَدِيثِ الصَّحِيحَيْنِ قَال صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ الْفِسْقُ أَنْوَاعٌ كَثِيرَةٌ يَذْكُرُهَا الْفُقَهَاءُ فِي كُتُبِهِمْ، كَالْفِسْقِ الْمِلِّيِّ أَوْ فِسْقِ أَهْل الْمِلَّةِ الَّذِينَ لَهُمْ حَسَنَاتٌ وَلَهُمْ سَيِّئَاتٌ، فَهُمْ غَيْرُ مُخَلَّدِينَ فِي النَّارِ۔ وَمِنْ ذَلِكَ الْفَاسِقُ بِتَأْوِيلٍ، كَالَّذِي يَشْرَبُ الْخَمْرَ مُتَأَوِّلاً فِقْهَ الْعِرَاقِيِّينَ، فَإِذَا كَانَ تَأْوِيلُهُ لِمَقْطُوعٍ بِحُرْمَتِهِ فَلا يُعْذَرُ بِتَأْوِيلِهِ، أَوْ كَانَ غَيْرَ مُتَأَوِّلٍ فَلا يُعْذَرُ بِذَلِكَ۔ وَمِنْهُ الْفَاسِقُ بِالْجَارِحَةِ كَمَنْ يَشْرَبُ الْخَمْرَ أَوْ يَزْنِي۔ وَمِنْهُ الْفَاسِقُ بِالاِعْتِقَادِ كَالْقَدَرِيِّ وَالْجَبْرِيِّ'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۳۲/۱۴۲)۔

''فأما الفسق فعلى الضربين: أحدهما: ماتعلق بأفعال يتبع فيها الشهوة، فلايصح تقليده ولاينفذ حكمه وإن وافق فيه الحق، لفساد ولايته...والضرب الثانى من الفسق: مااختص باعتقاد يتعلق فيه بشبهة يتأول بهاخلاف الحق'' (أدب القاضی للماوردی:۶۳۴، ۶۳۵)۔

پہلی رائے:

اکثر مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ فسق اعتقادی سے مراد بدعت ہے۔

''يقصد بالفسق الاعتقاد اعتقاد البدعة'' (المغنی:۱۷/۱۴۸، الأحکام المترتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی:۵۷)۔

''قال ابن القيم: فسق الاعتقاد كفسق أهل البدع الذين يؤمنون بالله ورسوله واليوم الآخر، ويحرمون ماحرم الله، ويوجبون ماأوجب الله ،ولكن ينفون كثيرا مماأثبت الله ورسوله جهلا وتأويلا، وتقليدا للشيوخ، ويثبتون مالم يثبته الله ورسوله كذلك'' (مدارج السالکین:۱/۳۶۲، مجلۃ البحوث الإسلامیۃ:۶۷، ۹۵)۔

اور بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) بدعت مکفرہ، (۲) بدعت مفسقہ غیر مکفرہ

بدعت مکفرہ کی تعریف:

جو شخص شریعت کے کسی ایسے اصل سے اختلاف کرے جس کے بارے میں کتاب اللہ یا متواتر سنت سے قطعی دلائل موجود ہوں یا کسی ایسے امر کا انکار کرے جس پر اجماع ہو اور اس کا دین میں سے ہونا یقینی ہو ایسا بدعتی کافر ہے۔

بدعت مفسقہ غیر مکفرہ کی تعریف:

جو شخص کوئی ایسا عقیدہ رکھے جو نص قطعی سے ثابت نہ ہو یا نص قطعی سے ثابت ہو؛ لیکن اس میں براہ راست انکار کے بجائے تاویل کرتا ہو تو اس کو اسلام سے خارج نہیں کیا جائے گا۔

أنواع البدع من حيث التفسيق والتكفير تنقسم إلىٰ قسمين: بدع مكفرة، بدع مفسقة غير مكفرة۔

أهل البدع على ضربين: من يحكم بفسقه ولايحكم بكفره وهم العامة الذين يعتقدون البدع تقليدا أو مهارة بغير علم ولايستدلون عليها ولايدعون إليها ومن خالف فى أصل ليس فيه دليل مقطوع به مثل إن يثبت بخبر واحد أوقول صحابى ونحو ذلک۔

الثانى: من يحكم بكفره وهم كل من خالف فى أصل فيه دليل مقطوع به مثل نص الكتاب والسنة المتواترة وأدلة العقول كالمشبهة والمجسمة والقائلين بخلق القران وينفى القدر والرؤية وقد نص أحمد فى عدة مواضع على الحكم بكفر القائلين بخلق القرآن أو نفى القدر أو نفى الرؤية" (مسائل الإمام احمد بروایۃ أبی داؤد: ۲۶۲، ۲۶۳، طبقات الحنابلۃ: ۱/ ۱۴۵، ۱۷۳، ۴۱۴، المستوعب: ۲/ ۳۴۴، ۳۴۵) (مولانا احمد مکین)۔

"والضابط الذى يظهر من كلام العلماء رحمهم الله فى تحديد من يكفر بالبدعة ومن لايكفر بهاإن خالف فى أصل فيه دليل مقطوع به من كتاب أو سنة متواترة أوأنكر أمرا مجمعاعليه معلوما من الدين بالضرورة من المبتدعة كفر ومن لم يكن كذلک أو اعتقد البدعة تقليدا من غير علم لم يكفر فمن كانت بدعته من النوع المكفرة كان حكمه حكم الكفار فى جميع الأحكام عند من يكفره ومن لم تكن بدعته من المكفرة فسق وكان حكمه حكم المسلمين" (الأحکام المترتبۃ علی الفسق فی الفقہ الاسلامی: ۶۳-۵۹)۔

فاسق، مبتدع کا فسق اگر کفر تک نہیں پہونچا ہو اور اگر اس کے صدق پر ظن غالب ہو تو حسب ضرورت قاضی اس کی

شہادت کوقبول کرسکتا ہے،اوراگراس کافسق کفرتک پہونچ گیاہوتودیانات میں اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

''وأما شهادة صاحب الهوى إذا كان عدلا فى هواه ودينه، نظر فى ذلك، إن كان هوى يكفره لا تقبل شهادته؛ لأن شهادة الكافر على المسلم غير مقبولة، وإن كان لا يكفره فإن كان صاحب العصبية وصاحب الدعوة إلى هواه، أوكان فيه مجانة لا تقبل أيضا؛ لأن صاحب العصبية والدعوة لا يبالى من الكذب والتزوير لترويج هواه، فكان فاسقا فيه، وكذا إذا كان فيه مجانة؛لأن الماجن لا يبالى من الكذب، فإن لم يكن كذلك وهو عدل فى هواه تقبل؛ لأن هواه يزجره عن الكذب، إلا صنف من الرافضة يسمون بالخطابية، فإنهم لا شهادة لهم؛ لأن من نحلتهم أنه تحل الشهادة لمن يوافقهم على من يخالفهم، وقيل من نحلتهم أن من ادعى أمرا من الأمور وحلف عليه كان صادقا فى دعواه فيشهدون له، فإن كان هذا مذهبهم فلا تخلو شهادتهم عن الكذب'' (بدائع الصنائع:۶/۲۶۹)۔

''(قوله وتقبل شهادة أهل الأهواء) كلهم من المعتزلة والقدرية والخوارج وقال الشافعى رحمه الله تعالى: لا تقبل؛ لأنه أغلظ وجوه الفسق، ولنا أنه فسق من حيث الإعتقاد وما أوقعه فيه إلا تدينه به وصاركمن يشرب المثلث أو يأكل متروك التسمية عامدا مستبيحاًلذلك،بخلاف الفسق من حيث التعاطى، أما الخطابية فهم من غلاة الروافض يعتقدون الشهادة لكل من حلف عندهم وقيل يرون الشهادة لشيعتهم واجبة فتمكنت التهمة فى شهادتهم'' (فتح القدیر:۷/۴۱۵،۴۱۶)۔

مفتی عثمان بستوی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں: فاسق فی العقیدہ خواہ کافر ہو یا بدعتی اور معاملات جس میں کوئی الزام نہ ہو، اس کی خبر کوقبول کرنا جائز ہے،اورجن امور میں الزام ہوتا ہے ان میں قبول کرنا جائزنہیں ہے اور باب دیانات حلت و حرمت،طہارت ونجاست وغیرہ کے باب میں غیرمعتبر ہے؛البتہ حلت وحرمت اگرمعاملات کےضمن میں ہوں توکافر کی خبر سے اس کا ثبوت ہوسکتا ہے،اوردینی معاملات میں بالاستقلال کسی فاسق کی خبر پراطمینان کے بغیرقبول کرنا جائزنہیں؛البتہ فاسق وکافرکی خبر کےصدق کاظن غالب ہوتواس کی خبر پرعمل کی گنجائش ہوتی ہے۔

بعض مقالہ نگارحضرات نے فاسق مبتدع کےسلسلہ میں درج ذیل چنداحکام بھی لکھے ہیں:

مبتدع کی امامت،مبتدع کی روایت،مبتدع کی نماز جنازہ، کےاحکام وغیرہ۔

مبتدع کی امامت:

مبتدع کی امامت کاحکم یہ ہے کہ حنفیہ،شوافع اور مالکیہ کےنزدیک کراہت کےساتھ جائز ہے۔

''وفی النهر عن المحیط: صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة، وکذا تکره خلف أمیر ذوسفه'' (ردالمحتار،۱/ ۵۶۲)۔

''کالمبتدع تکره إمامته بکل حال، بل مشی فی شرح المنیة علی أن کراهة تقدیمه کراهة تحریم لماذکرنا قال: لذا لم تجز الصلاة خلفه أصلاً عند مالک، وروایة عن أحمد، فلذا حاول الشارح فی عبارة المصنف، وحمل الاستثناء علی غیر الفاسق'' (ردالمحتار:۱/ ۵۶۰)۔

مبتدع کی روایت حدیث:

مبتدع کی روایت حدیث قبول کی جائے گی یانہیں؟اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:اولا:مطلقاًاس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جائے گا، یہ امام مالک کی رائے ہے،اس لئے کہ بدعتی سے روایت اس کے کام کی ترویج اوراس کی عزت افزائی ہےاوراس لئے کہ وہ اپنی بدعت کی وجہ سے فاسق ہو چکا۔

دوم:اگر وہ اپنے مسلک کی تائید میں جھوٹ کو روا نہ سمجھتا ہوتو اس سے روایت کی جائے گی،خواہ وہ بدعت کا داعی ہو یانہیں، یہ امام شافعی ابو یوسف اورثوری کا قول ہے۔

سوم:اگر اپنی بدعت کا داعی نہ ہوتو استدلال کیا جائے گا،اگر داعی ہوتو قبول نہیں کیا جائے گا۔

امام نووی،اورامام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہی قول سب سے زیادہ قرین انصاف اوراظہر ہےاور یہی بہت سے بلکہ اکثر لوگوں کا قول ہے،اوراس رائے کی تائیداس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام بخاری ومسلم نے اپنی صحیحین میں بہت سارے غیر داعی مبتدعین سے استدلال کیا ہے(مقالہ:مفتی اقبال ٹنکاروی)۔

''وعندنا إن أدت إلی الکفر لم تقبل روایة صاحبها وفاقا لأکثر الأصولیین وإن أدت إلی الفسق، فقیل قبلت روایة صاحبها إذاکان عدلا ثقة غیر داعیة وقیل إذا کان فسقه مظنونا أو مقطوعاً به ولم یتدین الکذب زاد فخرالاسلام فقال ولم یدع إلی بدعته، والمختار وهوالأول'' (تفوالأثر فی صفوۃ علوم الأثر:۷۸)۔

مبتدع فاسق کی نماز جنازہ:

امام احمدؒ کے نزدیک نہیں پڑھی جائے جبکہ دیگرائمہ کے نزدیک پڑھی جائے گی(مولانامحبوب فروغ،مفتی اقبال ٹنکاروی)۔

''اختلف الفقهاء فی الصلاة علی المبتدع المیت فذهب الجمهور العلماء إلی وجوب

الصلاة على المبتدع الذى لم يكفر بدعته؛ لقوله النبى ﷺ صلوا على من قال: لاإله إلا الله" (الموسوعۃ الفقہیہ:۸/۳۷)۔

"أهل الهواء إذا ظهرت بدعتهم بحيث توجب الكفر فإنه يباح قتلهم جميعا إذا لم يرجعوا ولم يتوبوا وأسلموا تقبل توبتهم جميعاإلا الإباحية والغالية والشيعة من الروافض والقرامة والزنادقة من الفلاسفة لاتقبل توبتهم بحال من الأحوال، ويقتل بعد التوبة وقبلها لأنهم لم يعتقدوا بالصانع تعالىٰ حتى يتوبوا ويرجعوا إليه،وقال بعضهم: إن تاب قبل الأخذ والإظهار تقبل توبته إلا فلا، وهو قياس قول أبى حنيفه وهو حسن جيد" (ردالمحتار:۴/۲۴۳)۔

دوسری رائے:

فسق فی العقیدہ سے مراد کافر ومرتد ہے،اس کے قائلین مفتی ابوبکر قاسمی،مفتی محمد ذکاءاللہ شبلی مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی ہیں۔

تیسری رائے:

مولانا عبیداللہ قاسمی کی رائے یہ ہے کہ فسق فی العقیدہ سے مراد اگر عہد نبوی کے منافقین ہیں تو ان پر کفر کا حکم لگے گا اور اگر مراد فاسق بدعتی مسلم ہیں تو وہ مرتکب کبیرہ کی وجہ سے مخلد فی النار نہیں ہوگا۔

"فسق الكفر هو المذكو رفى غالب آيات القرآن الكريم،كماذكرابن الوزير: قد ورد فى السمع مايدل على أن الفاسق كان فى ذلک الزمان يطلق على الكافر، كقوله تعالىٰ: إن المنافقين هم الفاسقون (التوبۃ:۶۷)وقوله تعالى: ولقد انزلنا إليک آيات بينات ومايكفر بهاإلا الفاسقون (البقرۃ:۹۹)۔ وقال أيضا: إنهم كفرابالله ورسوله وماتوا وهم الفاسقون (۸) ومن كفر بعد ذلک فأولئک هم الفاسقون، وذكر آيات كثيرة ثم قال فهذه آيات دالة على أن الفاسق فى العرف الأول يطلق على الكافر ويسبق إلى الفهم" (العواصم والقواصم:۲/۱۶۰،۱۶۱)۔

"فمرتكب الكبيرة عند أهل السنة مع أنه فاسق بكبيرته إلا أنه لايخرج من الإيمان بالكلية فيمكن اجتماع الإيمان مع هذا الفسق الأصغر كماهو مقرر عند أهل السنة ومن ثم فهو مؤمن بإيمانه فاسق بكبيرته، وأمره إلى الله تعالىٰ إن شاء غفر له برحمته وإن شاء عذبه بعدله، ومآله إلى الجنة فيما بعد، فأهل السنة متفقون على أن فساق أهل الملة وإن دخلوا النار أو استحقوا دخولها فإنهم لابدأن

یدخلوا الجنة'' (المنتدیٰ الشرعی العام:۲۶/۷ ۳۳)۔

سوال/۶:-اگر فاسق شخص زبان سے توبہ کرلے؛لیکن وہ ابھی اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے تو کیا اس کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول ہوگی؟

اس سوال کے جواب سے قبل تقریبا اکثر مقالہ نگار حضرات نے توبہ کی قبولیت کے چند شرائط ذکر کئے ہیں:

(۱) گناہ پر ندامت وشرمساری۔

(۲) گناہ سے باز آجانا، ہمیشہ کے لئے گناہ چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرنا۔

(۳) تلافی مافات کی فکر کرنا، یعنی جو گناہ سرزد ہو چکا ہے اس کا جتنا تدارک اس کے قبضہ میں ہے اس کو پورا کرنا، مثلا نماز اور روزہ فوت ہوا ہے تو قضا کرنا۔ زکوٰۃ ادا نہیں کیا ہے تو زکوٰۃ ادا کرنا۔

(۴) حقوق العباد کی تلافی: اگر کسی انسان کا حق لے لیا ہے تو اسے واپس کرنا، کسی کو تکلیف پہچائی ہے تو اس سے معافی مانگنا۔

''ذكر الفقهاء والمفسرين أن للتوبة أربعة شروط: الإقلاع عن المعصية حالا، والندم على فعلها فى الماضى والعزم عزما جازما أن لايعود إلىٰ مثلها أبدا، وإن كانت المعصية تتعلق بحق آدمى، فيشترط فيها رد المظالم إلى أهلها أو تحصيل البراء ة منهم'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۱۴/۱۲۰)۔

''قال أصحابنا وغيرهم من العلماء: للتوبة شروط: أن يقلع عن المعصية وأن يندم على فعلها وأن يعزم عزماً جازماً أن لا يعود إلى مثلها أبدا، فإ ن كانت المعصية تتعلق بآدمى فلها شرط رابع و هو رد ا لظلامة إلى صاحبها أو تحصيل البراء ة منه'' (سنن الترمذی:۱/۱۰۹)۔

''قال الإمام النووى: التوبة مااستجمعت ثلاثة أمور: أ ن يقلع عن المعصية، وأن يندم على فعلها وأن يعزم عزما جازما على أن لايعود إلىٰ مثلها أبدا، فان كانت تتعلق بآدمى لزم ردالظلامة إلى صاحبها أو وارثه أوتحصيل البراء ة منه، و ركهنا الأعظم الندم، وفى شرح المقاصد: قالوا إن كانت المعصية فى خالص حق الله تعالىٰفقد يكفى الندم كما فى ارتكاب الفرا ر من الزحف، وترک الأمر بالمعروف، وقد تفتقر إلىٰ امر زائد كستليم نفس للحد فى الشرب، وتسليم ما وجب فى ترک الزكاة، ومثلها فى ترک الصلاة، وإن تعلقت بحقوق العباد لزم مع الندم، والعزم إيصال حق العبد، أوبدله إليه إن كان الذنب ظلماً كمافى الغصب والقتل العمد، ولزم إرشاده إن كان الذنب إضلالا له،

والإعتذار إليه إن كان إيذاء كما في الغيبة إذا بلغته ولايلزم تفصيل ما اغتابه إلا إذا بلغه على وجه أفحش...." (روح المعانی،سورۃ التحریم:۱۴/ ۳۵۳)۔

"**والمراد بالتوبة هنا الرجوع عن الذنب وقد سبق في كتاب الإيمان أن لها ثلاث أركان: الإقلاع والندم على فعل تلك المعصية والعزم على أن لايعود إليها أبدا فإن كانت لحق آدمي فلهاركن رابع وهو التحلل من صاحب ذلك الحق**" (شرح مسلم للنووی:۱۷/۵۹)۔

"**الندم بالقلب والاستغفار باللسان والإقلاع بالبدن والإضمار علىٰ أن لايعود**" (القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا:۵۰)۔

مفتی تنظیم عالم قاسمی نے اپنے مقالہ میں مشہور محدث عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت نقل کرکے مزید دوشرائط کا اضافہ کیا ہے:

(۵) حرام اور ناجائز مال پر اتنا افسوس ہو کہ جسم پگھل جائے، یہاں تک کہ جلد ہڈی سے لگ جائے۔

(۶) جس طرح گناہ نے جسم کو لذت دی ہے اسی طرح اب اسے اطاعت الٰہی میں مصروف رکھ کر درد پہنچائے۔

"**والخامس: أن تعمد إلى البدن الذى ربيته بالسحت والحرام، فتذيبه بالهموم والأحزان؛ حتى يلصق الجلد بالعظم ،ثم تنش بينهما لحما طيباان هو نشأ، والسادس: أن تذيق البدن ألم الطاعة كما أذاقته لذة**" (شرح صحیح البخاری لابن بطال:۱۰/ ۸۰)،(مقالہ مفتی تنظیم عالم قاسمی)۔

سوال نمبر/۶ کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کے تین اقوال ہیں:

پہلا قول:

فاسق اپنے فسق سے زبان سے توبہ کرلے،لیکن عمل میں توبہ اور صلاح کا ظہور نہ ہو،تو ایسے شخص کی توبہ کا اعتبار نہیں، توبہ کے لئے لازمی شرط ہے کہ زبان کے ساتھ عمل سے بھی تائب ہو،بغیر عملی توبہ کے توبہ متحقق نہیں ہوگا اور اس پر دنیوی احکام نافذ نہیں ہوسکتے۔

اس کے قائلین درج ذیل مقالہ نگار حضرات ہیں:

مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی،مفتی تنظیم عالم قاسمی،ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی،مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی،مولانا رحمت اللہ ندوی،مفتی خورشید انور اعظمی،مفتی محمد عثمان بستوی قاسمی،مفتی ابوبکر قاسمی،مولانا خلیل احمد پالن پوری،مولانا صدر عالم قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی،مفتی عثمان،مولانا عبدالخالق ندوی،مولانا عبیداللہ ندوی،مفتی محمد حسان قاسمی،مولانا محمد عباس یوسف

سعادتی، مولانا روح الامین بن داؤد مظاہری، مفتی محمد سلطان قمر قاسمی، مولانا عبید الرحمٰن قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی۔

دلائل:

''ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْد ذٰلِکَ وَأَصْلَحُوا بِأَنَّ رَبَّکَ مِنْ بَعْدِهَالَغَفُوْرٌرَحِیْمٌ'' (النحل:۱۱۹)۔

''إِلَّا مَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُوْلٰئِکَ یَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَایُظْلَمُونَ شَیْئاً'' (مریم:۶۰)۔

''وَإِنِّی لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً ثُمَّ اهْتَدیٰ'' (طہ:۸۲)۔

''إِلَّا مَنْ تَاب وَعَمِلَ عَمَلاًصَالِحاً فأولئک یبدل اللہ سیاٰتهم حسنٰت وکان اللہ غفورا رحیما'' (الفرقان:۷۰)۔

''فمن تاب من بعد ظلمه وأصلح فإن اللہ یتوب علیه إن اللہ غفور رحیم'' (المائدۃ:۳۰)۔

''إلا الذین تابوا وأصلحوا وبینوا فأولئک أتوب علیهم وأنا التواب الرحیم'' (البقرۃ:۱۶۰)۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کو اصلاح اور عمل صالح کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کے دنیوی احکام کے اعتبار سے قبول ہونے کے لئے اصلاح اور عمل صالح ضروری ہے۔

علامہ قرطبیؒ تحریر فرماتے ہیں: ''لایکفی فی التوبة عند علمائنا قول القائل: ''قدتبت'' حتی یظهر منه فی الثانی خلا ف الأول، فإن کان مرتدا رجع إلی الإسلام مظهرا شرائعه وإن کان من أهل المعاصی ظهر منه العمل الصالح وجانب أهل الفساد والأحوال التی کان علیها وإن کان من أهل الأوثان جانبهم وخالط أهل الإسلام وهکذا یظهر عکس ماکان علیه'' (تفسیر القرطبی:۲/۱۷۸)۔

''من قال استغفر اللہ بلسانه وقبله مصرعلی تلک المعصیة فهذا الذی استغفاره یحتاج إلی الاستغفار، قلت: یشهد له أخرجه ابن ابی الدنیا من حدیث ابن عباس مرفوعا: ''التائب من الذنب کمن لاذنب له والمستغفر من الذنب وهو مقیم علیه المستهزی علیه'' (فتح الباری:۱۳/۴۷۱)۔

''قال قاضی خان: الفاسق إذا تاب لاتقبل شهادته مالم یمض علیه زمان یظهر أثرالتوبة، ثم بعضهم قدرذلک بستة أشهر وبعضهم قدربسنة والصحیح أنه مفوض إلی رأی القاضی والمعدل'' (ردالمحتار:۸/۱۸۳)۔

''ورأی جمهور العلماء من الحنفیة والمالکیة والشافعیة والحنابلة فی إحدی الروایتین أنه

لایکفی مطلق التوبة ولابد من علامات تؤکد إصلاح العمل وأن یختبر مدة یغلب علی الظن أنه قد أصلح عمله وسریرته وأنه صادق فی توبته'' (تبیین الحقائق:۴/۲۴۲)۔

''**هل تقبل الشهادة بمجرد توبته أولابد من استبراء التائب؟ اختلف الفقهاء وعلی قولین: القول الأول: لابد من استبراء حال التائب مدة یصلح فیها العمل ولایکفی مجرد التوبة، هذا قول الجمهور: وهومذهب الحنفیة والمالکیة والشافعیة وقول عند الحنابلة والقول الثانی: تقبل شهادة التائب بمجرد التوبة ولایشترط معها إصلاح العمل وهذا قول عند الحنفیة والمالکیة ومذهب الحنابلة**'' (الأحکام المترتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی ۲/۸۴۵)۔

دوسرا قول:

فاسق شخص کو اپنے فسق سے توبہ کرنے کے بعد عملی طور پر اصلاح کر لینا اچھا ہے، اگر کسی نے عملی اصلاح نہیں کی ہے، تو دنیوی احکام میں اس کی شہادت قبول ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ توبہ سے پہلے بھی فاسق آدمی کی معاملات میں شہادت مقبول ہے، تو اس صورت میں بدرجہ اولیٰ قبول ہونی چاہئے، اس کے قائلین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مفتی محفوظ الرحمٰن قاسمی، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی مدثر قاسمی، مفتی محمد ذکاء اللہ شبلی مفتاحی، مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی، مولانا راسخ الاسلام قاسمی، مولانا صابر حسین ندوی۔

دلائل:

''**وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ**'' (آل عمران:۱۳۵)۔

''**قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ**'' (الزمر:۵۳)۔

''**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا**'' (النساء:۹۴)۔

"وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ" (النور:۴،۵)۔

"وأما التوبة فی الظاهر وهی التی تعود بها العدالة والولایة وقبول الشهادة، فإن کانت المعصیة فعلا کالزنی والسرقة لم یحکم بصحة التوبة عند الشافعیة حتی یصلح عمله، وقدروها بسنة أو ستة أشهر، أوحتی ظهور علامات الصلاح علی اختلاف أقوالهم خلافا لجمهور الفقهاء فإنهم لم یشترطوا إصلاح العمل بعد التوبة، وإن کانت المعصیة قذفا أو شهادة زور فلا بد من إکذاب نفسه کما سیأتی" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۱۴/ ۱۲۴)۔

"اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِی قَبُولِ تَوْبَةِ الْمُبْتَدِعِ الْمُکَفَّرِ بِبِدْعَتِهِ، فَقَالَ جُمْهُورُ کُلٍّ مِنَ الْحَنَفِیَّةِ وَالْمَالِکِیَّةِ وَالشَّافِعِیَّةِ وَالْحَنَابِلَةِ بِقَبُولِ تَوْبَتِهِ؛ لِقَوْلِهِ تَعَالَی: قُل لِّلَّذِینَ کَفَرُوا إِنْ یَنْتَهُوا یُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَلِقَوْلِهِ ﷺ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّی یَقُولُوا: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ، فَإِذَا قَالُوهَا فَقَدْ عَصَمُوا مِنِّی دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَی اللهِ" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۸/ ۳۸)۔

"لا یشترط فی التوبة عدم العود إلی الذنب الذی تاب منه عند أکثر الفقهاء، وإنما تتوقف التوبة علی الإقلاع عن الذنب والندم علیه والعزم الجازم علی ترک معاودته" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۱۴/ ۱۲۳)۔

"یقبل فی المعاملات قول الفاسق، وأصله أن المعاملات یقبل فیها خبر کل ممیز...لعموم الضرورة" (الہدایۃ:۴/ ۹۳)۔

"ویقبل قول الفاسق والکافر والعبد فی المعاملات لکثرة وقوعها کما إذا اخبر أنه وکیل فلان فی بیع کذا، فیجوز الشراء منه إن غلب علی الرأی صدقهَ" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۵/ ۳۳۴)۔

تیسرا قول:

فاسق اگر توبہ کرلے اور اگر اس کے مطابق عمل پیرا نہ ہو تو دنیوی احکام کا نفاذ قاضی کی صوابدید پر موقوف ہوگا، اگر قاضی کو ظن غالب اور اطمینان ہوجائے تو اس کی شہادت قبول کرسکتا ہے ورنہ نہیں، اس کے قائلین درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا ابوعاصم مظاہری، مفتی محمد واصف قاسمی، مفتی محمد برکت علی قاسمی، مولانا احمد مکین، مفتی محمد مقصود علی فرقانی، مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی جنید عالم ندوی قاسمی۔

دلائل:

''قال قاضی خان فی فتاواه فی أوائل کتاب الشهادة: الفاسق إذاتاب لاتقبل شهادته مالم یمض علیه زمان تظهر فیه التوبة ثم بعضهم قدرذلک بستة أشهروبعضهم قدر بسنة والصحیح أن ذلک مفوض إلی رأی القاضی المعدل'' (وکذافی تبیین الحقائق:۴/۲۱۱)۔

''وفی الجواهر: إذا تاب الفاسق قبل ولایکفی تبت ولاإقرار القاذف بالکذب، بل لابد فی کل فاسق أن یستبرأ حاله مدة بقرائن الأحوال حتی یغلب علی الظن استقامته بالأعمال الصالحات وحدها بعض العلماء بسنة من حین إظهار التوبة'' (الذخیرۃللقرافی المالکی:۱۰/۲۲۴)۔

''تاب الفاسق لایعدله کماتاب بل لابد مضی زمان یقع فی القلب صدقه فی التوبة وکان الإمام الثانی: یقول إن المدة ستة أشهر ثم رجع إلی سنة ومحمد لم یقدره بل علی مایقع فی القلوب الوثوق وعلیه الفتوی'' (قرۃ عیون الأخیار:۱۱/۱۰۴)۔

سوال ر۷: بعض مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے جیسے بعض عرب ملکوں میں داڑھی سنن عادیہ میں شمار کیا جاتا ہے اور بہت سے اہل علم اس کے قائل ہیں، اسی طرح بہت سے اہل علم داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں اور ان کا یہی مسلک ہے، اگر وہ داڑھی نہیں رکھیں یا بہت چھوٹی رکھیں تو کیا ان کو فاسق سمجھا جائے گا؟

اس کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی تین آراء ہیں:

پہلی رائے:

داڑھی شعائر اسلام اور خصائل انبیاء میں سے ہے، آپ ﷺ نے خود داڑھی رکھی اور داڑھی رکھنے کی تاکید فرمائی، صحابہ کرام خصوصاً خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین تبع وتابعین، ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی وامام احمد بن حنبل ودیگر فقہاء ومحدثین کا عمل بھی داڑھی رکھنے کا تھا؛ اسلئے داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کا مونڈنا یا کٹا کر ایک مشت سے کم کردینا حرام ہے، ایسا شخص فاسق ہے، اور داڑھی رکھنے کو سنن عادیہ کہنا صحیح نہیں ہے۔

اختلاف رائے صرف ان مسائل میں معتبر ہے جو مجتہد فیہ ہے، لیکن منصوص اور متفق علیہ مسئلہ میں اختلاف خواہ وہ کیسی ہی علمی تاویل پر مبنی ہو قابل لحاظ نہیں، یہ رائے مندرجہ ذیل مقالہ نگار حضرات کی ہے:

مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا احمد مکین، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مفتی جنید عالم ندوی، قاسمی، مفتی محمد مقصود علی فرقانی، مولانا عبدالمنان قاسمی، مولانا خلیل احمد پالن پوری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابوعاصم اعظمی مظاہری، مولانا محمد مغفور باندوی، مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی، مفتی محمد تنظیم عالم قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مفتی عثمان نوساری، مولانا عبیداللہ ندوی، مولانا عبیدالرحمٰن قاسمی، مفتی محمد مدثر قاسمی۔ مفتی محمد برکت علی قاسمی، مولانا محمد اختر امام عادل قاسمی، مولانا راسخ الاسلام قاسمی، مفتی محفوظ الرحمٰن قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی ابوبکر قاسمی، مفتی اسعد بن مولانا عبدالرزاق، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مولانا سعود ممتاز ندوی، مولانا ضیاء الدین قاسمی، ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی محمد سید علی مدنی، مولانا ابومعاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**عشر من الفطرة قص الشارب وإعفاء اللحية**'' (سنن ابوداؤد: ۱/ ۱۹)۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**احفوا الشوارب وأعفوا اللحى قال ابو عيسى هذاحديث صحيح**'' (سنن ترمذی)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے: ''**أمرنا بإحفاء الشوارب وإعفاء اللحى**'' **قال أبوعيسى هذا حديث حسن صحيح**'' (سنن الترمذی: ۵/ ۹۵۔ت: شاکر)۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسواللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**عشر من الفطرة قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواک واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم ونتف الإبط، وحلق العانة وانتقاص الماء**'' **قال زكريا: قال مصعب: ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة**'' (صحیح مسلم: ۱/ ۲۲۳)۔

''**وكان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه**'' (بخاری: رقم الحدیث: ۵۸۹۲)۔

''**فقد يحتمل أن يكون لعفو اللحى حد وهو ماجاء عن الصحابة فى ذلک فروى عن ابن عمر أنه كان يقبض على لحيته فمافضل عن كفه أمر بأخذه وكان الذى يحلق رأسه يفعل ذلک بأمره ويأخذ عارضيه ويسوى أطراف لحيته وكان أبو هريرة يأخذ بلحيته ثم مايجاوزمايجاوزالقبضة**'' (شعب الإیمان: ۸/ ۱۱۴)۔

''**بقدرا لمسنون وهو القبضة وصرح فى النهاية: بوجوب قطع مازاد على القبضة بالضم ومقتضاه الإثم بتركه إلا أن يحمل الوجوب على الثبوت، وأما الأخذ منها وهى دون ذلک كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهندوس ومجوس الأعاجم**''

(الدرالمختار مع ردالمحتار:۲/ ۸۱۲)۔

"الواجب إعفاء اللحية وتوفيرها وإرخاء ها وعدم التعريض لهابشی ء، لماثبت عنه ﷺ أنه قال: "قصوا الشوارب وأعفوا اللحی، خالفوا المشرکین"، متفق علی صحته عن ابن عمر رضی الله عنهما، وروی البخاری فی صحیحه رحمة الله علیه عن ابن عمر رضی الله عنهما، أن النبی ﷺ قال: "قصوا الشوارب ووفروا اللحی، خالفوا المشرکین" وروی مسلم فی صحیحه عن أبی هریره رضی الله تعالٰی عنه عن النبی ﷺ أنه قال: "جزوا الشوارب وأرخوا اللحی خالفوا المجوس" وهذه الأحادیث کلها تدل علی وجوب إعفاء اللحی وتوفیرها وإرخاء ها وعلی وجوب قص الشوارب، هذا هو المشروع وهذا هو الواجب الذی أرشد إلیه النبی ﷺ وأمربه۔ وفی ذلک تأس به ﷺ وبأصحابه رضی الله عنهم ومخالفة للمشرکین وابتعاد عن مشابهتهم وعن مشابهة النساء" (مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعۃ:۴/ ۴۴۳)۔

روایات میں داڑھی کاٹنے کو غیروں کا شعار بتایا گیا ہے:

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" **خالفوا المشرکین، وفروا اللحی وأحفوا الشوارب**" (الصحیح للبخاری:۲/ ۸۷۵)۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"**خالفوا علی المجوس جزوا الشوارب وأوفوا اللحی**" (مسند البزار:۱۳/ ۹۰)۔

داڑھی مونڈنے کو چاروں ائمہ نے بالاتفاق حرام وممنوع قرار دیا ہے:

"**وأما تقصیر اللحیة بحیث تصیر قصیرة من القبضة وفغیر جائز فی المذاهب الأربعة**" (العرف الشذی:۴/ ۱۴۲، کتاب الأدب، باب ماجاء فی تقلیم الأظفار، ط: دارالکتب العلمیۃ)۔

"**وأماالأخذ منها وهی دون ذلک یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه أحد**" (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار:۲/ ۴۱۸)۔

"**ولذا یحرم علی الرجل قطع لحیته والمعنٰی المؤثر التشبه بالرجال**" (الدرالمختار شرح تنویر الأبصار:۶/ ۴۰۷)۔

فقہ مالکی کی معروف کتاب "منح الجلیل" میں ہے:"**ویحرم علی الرجل حلق اللحیة**" (منح الجلیل شرح مختصر سید خلیل:۱/ ۸۲)۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب" **تحفة المحتاج** "کی شرح میں ہے:"**(فیه)أی حلق اللحیة قوله (تمثیل) أی**

تغيير للخلقة (عن المثلة)" (حواشی الشروانی والعبادی:۹/۱۷۹)۔

"**واعترضه ابن الرفعة في حاشية الكافية بأن الشافعي رضى الله عنه نص في الأم على التحريم، قال الزركشي وكذا الحليمي في شعب الإيمان واستاذه القفال الشاشي في محاسن الشريعة وقال الأذرعي: الصواب تحريم حلقها جملةً لغير علة بهاكما يفعله القلندرية انتهى**" (حواشی الشروانی والعبادی:۹/۳۷۶)۔

فقہ حنبلی کی ایک اور کتاب" **حاشية الروض المربع**"میں ہے:" **(ويحرم تعزير بحلق لحية) لما فيه من المثلة وأجمعوا على تحريم حلق اللحية، حكاه الشيخ وغيره، فيحرم التعزير به، للنهي عنه؛ ولأنه مثلة ومحرمة لذاته كقطع إصبع**" (حاشیۃ الروض المربع شرح زاد المستقنع:۷/۳۵۰)۔

علامہ ابن تیمیہ حنبلیؒ تحریر فرماتے ہیں:" **ويحرم حلق اللحية**" (الاختیارات الفقہیہ:۱/۳۸۸)۔

مولانا اختر امام عادل صاحب نے اپنے مقالے میں بعض عرب علماء کے فتاوے بھی نقل کئے ہیں:

☆سعودی عرب کے ایک مرکزی دارالافتاء سے فتویٰ جاری ہوا ہے، جس پر شیخ عبداللہ بن بازؒ کا بھی دستخط ہے، اس میں داڑھی مونڈنے کو حرام کہا گیا ہے اور داڑھی منڈے امام کو امامت سے معزول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

"**حلق اللحية حرام لما رواه أحمد والبخاري ومسلم عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: "خالفوا المشركين وأحفوا الشوارب وأوفوا اللحى ---- والإصرار على حلقها من الكبائر فيجب نصح حالقها والإنكار عليه ويتأكد ذلك إذا كان في مركز قيادي ديني وعلى هذا إذاكان إماما لمسجد ولم ينتصح وجب عزله**" (أدلۃ تحریم حلق اللحیۃ:۹۵)۔

☆سعودی عرب کے ایک اور بڑے مفتی شیخ محمد عثیمینؒ نے بھی اس کو معصیت کہا ہے:

"**وبعض الناس يفعل المعاصي كإسبال الثوب مثلاً أوحلق اللحية أوشرب الدخان وتنهاه وتخوفه من عقاب الله، وفيقول التقوىٰ هاهنا، كأنه يزكي نفسه، وهو قائم بمعصية الله**" (تفسیر العلامۃ محمد عثیمین:۷/۱۱)۔

مولانا محبوب فروغ قاسمی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں: داڑھی رکھنے کا وجوب اور کاٹنے اور مونڈنے کی حرمت مجمع علیہ ہے، ایسے مسئلہ میں تاویل کی گنجائش بھی نہیں رہتی ہے، اس لئے عرب علماء ہو یا دیگر حضرات وہ تاویل کریں گے، پھر بھی دنیاوی معاملات میں ان کے ساتھ معاملہ ایک عادل کا سا نہیں کیا جائے گا۔

مولانا رحمت اللہ ندوی ومفتی محمد برکت علی قاسمی لکھتے ہیں: داڑھی شعائر اسلام ہے اور انبیاء کی سنت ہے، اس کو سنن

عادیہ میں گردانا محض اباحت پسندی، اور گمراہی ومغالطہ ہے۔

دوسری رائے:

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے جولوگ علم وتحقیق اور دلائل کی بنیاد پر تاویل کرتے ہوئے داڑھی کو سنن عادیہ شمار کرتے ہیں، اور کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے ایسے لوگ داڑھی نہ رکھیں یا بہت چھوٹی رکھیں تو ایسے لوگوں کو فاسق نہیں قرار دیا جائے گا۔

اس کے قائلین مندرجہ ذیل حضرات ہیں:

مولانا محمد ذاکر، مفتی محمد عثمان بستوی، مفتی محمد ذکاء اللہ شبلی مفتاحی، مولانا عبدالخالق ندوی، مولانا محمد عباس یوسف سعادتی، مولانا صدر عالم قاسمی، ڈاکٹر محمد شاہ جہاں ندوی، مفتی محمد واصف قاسمی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی، مفتی محمد سلطان قمر قاسمی، مولانا روح الامین بن داؤد مظاہری، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا عبدالتواب اناوی، مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی، مولانا محمد امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی محمد حسان قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی۔ مولانا خورشید انور اعظمی، مولانا اسجد بن احمد دیولاوی، مولانا محمد حسین الکوثری۔

مولانا مفتی محمد عثمان بستوی لکھتے ہیں: آج کے اہل عرب اپنی علمی تحقیق کے اعتبار سے داڑھی کے سلسلہ میں متشدد نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے علمی تحقیق کے اعتبار سے داڑھی کے کاٹنے یا حلق وغیرہ کرانے کو فسق نہیں سمجھتے تو جو علماء اپنے علم ودیانت میں مسلم ہیں وہ اپنی علمی تحقیق پر عمل کرنے میں حق بجانب ہوں تو کسی دوسرے کو ان کی تفسیق یا تضلیل کا حق حاصل نہیں، زیادہ سے زیادہ نرمی اور خیر خواہی اور خوش اسلوبی کے ساتھ علمی دلائل کی روشنی میں اگر ممکن ہو تو ان کو مسائل سے آگاہ کیا جاسکتا ہے، مجبور نہیں کیا جاسکتا، یہی اعتدال کا راستہ ہے جو شریعت میں مطلوب ہے۔

ڈاکٹر شاہ جہاں ندوی لکھتے ہیں: اگر چہ یہ رائے کمزور ہے کہ داڑھی رکھنا سنت عادیہ ہے یا داڑھی کی مخصوص مقدار لازم نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود جو تاویل کی بنیاد پر داڑھی نہ رکھے یا بہت چھوٹی رکھے وہ فاسق نہیں ہے۔

مولانا عبدالخالق ندوی لکھتے ہیں: داڑھی ملت اسلامیہ میں اختلافی مسئلہ ہوگیا ہے، اس لئے اس میں تشدد صحیح نہیں ہے، اختلاف تو شریعت اسلامیہ میں رحمت ہے زحمت نہیں، اسلامی شریعت قیامت تک کے لئے ہے، سارے انسانوں کے لئے ہے، اسلئے اس میں لچک رکھی ہے، بہتر ہے کہ ایسے شخص کو فاسق نہ سمجھا جائے۔

مفتی اسجد بن مفتی احمد دیولوی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں: علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن حزمؒ نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ کوئی شخص کسی معقول دلیل کے پیش نظر کسی حکم شرعی میں تاویل کرے تو اس کی نہ تفسیق کی جائے اور نہ تکفیر کی جائے، بلکہ اس

صورت میں وہ معذور، ماجور ہوگا۔

''**الثانی أن المتأول الذی قصد ہ متابعة الرسول لایکفر ولایفسق إذا اجتهد فأخطأ**'' (منہاج السنۃ:۵/۲۳۹)۔

''**من بلغه الأمر عن رسول اللہ ﷺ من طریق ثابتة وهو مسلم فتأول فی خلافه إیاہ، أورد مابلغه بنص آخر، فما لم تقم علیه الحجة فی خطئه فی ترک ماترک، وفی الأخذ ما أخذ، فهو مأجور معذور، لقصده إلی الحق وجهله به، وإن قامت علیه الحجة فی ذلک، فعاند، فلاتأویل فی قیام الحجة**'' (الدرۃ فیما یجب اعتقادہ لابن حزم:۵۵۲)۔

فروعی مسائل میں تاویل کی گنجائش ہے؛ البتہ ہر شخص کی ہر تاویل قابل قبول نہ ہوگی، چنانچہ تاویل کی درستگی کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ متاوِّل راسخ فی العلم ہو، اگر راسخ فی العلم ہو تو نصوص وکلام فقہاء کے پیش نظر اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہو۔

''**قال العلماء کل متأول معذور بتأویله لیس بآثم إذا کان تأویله سائغا فی لسان العرب وکان له وجه فی العلم**'' (فتح الباری:۱۲/۳۰۴)۔

مفتی اقبال احمد قاسمی لکھتے ہیں: یہ مسئلہ مختلف فیہ بن گیا ہے؛ اگر چہ دوسری آراء انتہائی کمزور اور ضعیف ہیں، لیکن اس کی وجہ سے تخفیف کا پہلو پیدا ہوگیا، فسق کا حکم لگانے میں عرف وماحول کا بھی دخل ہوتا ہے، آج کے عرف میں یہ کوئی بڑا گناہ اور غلط کام نہیں سمجھا جاتا ہے، کسی کو فاسق کہنے میں احتیاط برتی جاتی ہے؛ اسلئے مقطوع اللحیہ محض قطع لحیہ کی گناہ کی وجہ سے؛ جبکہ فسق کے دیگر اسباب نہ ہوں غیر عادل اور فاسق شمار نہیں کیا جائے گا۔

''**وفیه أنه إذا تعاطیٰ شیئا من المحظور وادعی أمرا ممایحتمله التاویل کان القول قوله فی ذلک وإن کان غالب الظن بخلافه**'' (معالم السنن:۲/۲۷۴)۔

☆☆☆

عرض مسئلہ بابت:

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مولانا خورشید انور اعظمی☆

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی جانب سے جاری کردہ پانچ اہم موضوعات میں سے ایک موضوع ''موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام'' پر عرض مسئلہ کی ذمہ داری احقر کو دی گئی، اکیڈمی کی جانب سے راقم الحروف کو اس موضوع سے متعلق اکاون مقالات موصول ہوئے، مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) ڈاکٹر مفتی محمد شاہجہاں ندوی (۲) مولانا محمد صابر حسین ندوی (۳) مفتی رحمت اللہ ندوی (۴) ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی (۵) مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی (۶) مولانا عبدالخالق ندوی (۷) مولانا روح الامین بن داؤد مظاہری (۸) مولانا محمد ابوبکر قاسمی (۹) مفتی محمد واصف قاسمی (۱۰) مفتی محمد مقصود علی فرقانی (۱۱) ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری (۱۲) مفتی حبیب اللہ قاسمی (۱۳) مفتی سید محمد علی مدنی (۱۴) مفتی اسعد بن عبدالرزاق پالنپوری (۱۵) مولانا محمد عباس یوسف سعادتی (۱۶) مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی (۱۷) مولانا اسجد بن مفتی احمد دیولا (۱۸) مولانا عبیداللہ ندوی (۱۹) مولانا راسخ الاسلام قاسمی اریاوی (۲۰) مولانا محمد حسن کوثری (۲۱) مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی (۲۲) مولانا سعود ممتاز ندوی (۲۳) مفتی جمیل احمد نذیری (۲۴) مولانا ابومعاویہ محمد معین الدین ندوی (۲۵) مولانا ابوعاصم اعظمی مظاہری (۲۶) مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی اریاوی (۲۷) مولانا خلیل احمد پالنپوری (۲۸) مولانا اشتیاق احمد اعظمی (۲۹) مفتی محمد برکت علی قاسمی (۳۰) مفتی محمد اقبال احمد قاسمی (۳۱) مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی (۳۲) مفتی عثمان نوساری (۳۳) مفتی محمد صدر عالم قاسمی (۳۴) مفتی محمد سلطان قمر قاسمی (۳۵) مولانا عبدالرحمٰن قاسمی بارہ بنکوی (۳۶) مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی خیرآبادی (۳۷) مولانا محمد ریاض ارمان قاسمی (۳۸) مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی (۳۹) مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی (۴۰) مولانا عبدالتواب اناوی (۴۱) مفتی محمد سلطان قاسمی (۴۲) مولانا احمد مکین باندہ (۴۳) مولانا محمد مغفور باندوی (۴۴) مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی (۴۵) مفتی محمد عثمان بستوی (۴۶) مفتی محمد ذکاء اللہ شبلی مفتاحی (۴۷) مفتی محمد تنظیم عالم قاسمی (۴۸) مفتی محمد حسان قاسمی (۴۹) مفتی جنید

☆ صدر مدرس وشیخ الحدیث جامعہ مظہر العلوم بنارس

عالم قاسمی ندوی (۵۰) مفتی محمد مدثر قاسمی (۵۱) راقم الحروف خورشید انور اعظمی۔

سوال: [۱] کیا فسق کی ایک متعین تعریف ہے، یا یہ ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف ہے؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی دو رائیں ہیں:

پہلی رائے یہ ہے کہ فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے، بلکہ یہ ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف ہے، اس رائے کے قائل ہیں: مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مفتی محمد واصف قاسمی، مفتی اسعد پالن پوری، مولانا محمد عباس سعادتی، مولانا اسجد دیولا، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا راسخ الاسلام قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ابو معاویہ محمد معین الدین ندوی، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی، مولانا خلیل احمد پالن پوری، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مفتی محمد برکت علی قاسمی، مفتی صدر عالم قاسمی، مولانا عبید الرحمٰن قاسمی بارہ بنکوی، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی، مفتی محمد ریاض ارمان قاسمی، مولانا عبد التواب اناوی، مولانا محمد مغفور باندوی، مفتی محمد ذکاء اللہ شبلی اور مفتی جنید عالم ندوی قاسمی۔

آپ حضرات کا خیال ہے کہ کتاب وسنت اور اقوال صحابہ میں فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے، اسی وجہ سے فقہاء و علماء نے اپنے ذوق سے اس کی مختلف تعریفات کی ہیں، مولانا اسجد دیولا نے کہا: یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی نے فسق کی تعریف ''لعل'' سے فرمائی ہے اور فسق کی تعریف میں مخصوص الفاظ واوصاف کے بجائے بعض گناہ کبیرہ کو بطور تمثیل بیان کیا ہے، علامہ کاسانی نے فسق کی متعدد تعریفات بلا کسی تعیین وترجیح کے ذکر کیا ہے، علامہ ابن نجیم نے شرح منار میں اور آپ کے حوالے سے علامہ شامی نے کتاب الحج میں صغیرہ کے اصرار کا مدار عرف کو بتایا ہے، مولانا عبد التواب اناوی نے علامہ شوکانی کی ذکر کردہ تعریف '' **هو الخروج عن الطاعة وتجاوز الحد بالمعصية ،والفسق يقع بالقليل من الذنوب إذا كانت كبائر وبالكثير ، لكن تعورف فيما كان كثيرا** '' (الموسوعۃ: ۱۴۰/۳۲) میں '' **لكن تعورف فيما كان كثيرا** '' سے استدلال کیا ہے کہ فسق کے تحقق کا مدار عرف پر ہے، مولانا محمد مغفور باندوی نے اسی جملے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ہمارے زمانے میں فاسق وہ ہے جو بکثرت گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو، ہمیشہ اس میں غرق رہتا ہو اور اسے کسی قسم کی شرم وعار نہ ہو، مولانا اشتیاق احمد قاسمی نے کہا کہ: گناہ کبیرہ کی تعریف میں علماء کا اختلاف ہے، جس کے سبب اس کا معنی مرادی بھی متفاوت ہوگا، مفتی اسعد پالنپوری، مفتی راسخ الاسلام قاسمی، مولانا جمشید جوہر قاسمی، مولانا عبید اللہ ندوی نے کہا: اللہ کی نافرمانیوں میں ملوث رہنا، شریعت کے تمام یا بعض احکام کو پس پشت ڈالنا اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا یا صغیرہ پر اصرار کرنا فسق ہے، لیکن اس کا مصداق متعین کرنے میں احوال زمانہ کا بڑا دخل ہے، اس لئے موجودہ دور میں اس میں توسع سے کام لیا جائے (قاموس الفقہ: ۴/۴۵۴)، مولانا محمد صابر حسین ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا محمد عباس سعادتی، مفتی صدر عالم

قاسمی، مفتی محمد ریاض ارمان قاسمی، مفتی جنید عالم قاسمی نے معیار فسق کی تعیین میں علامہ کاسانی کی ذکر کردہ بات "من غلبت حسناته سيئاته" (بدائع:۶/۴۰۷)، کو قرین قیاس قرار دیا ہے اور اس کو اختیار کرنے کی بات کہی ہے، نیز مولانا خلیل احمد پالن پوری نے علامہ شامی کی ذکر کردہ عدالت کی تفسیر "و أحسن ما قيل في تفسير العدل: أن يكون مجتنبا للكبائر ولايكون مصرا على الصغائر ويكون صلاحه أكثر من فساده وصوابه أكثر من خطئه" (ردالمحتار:۸/۱۵۸)، کے حوالے سے اور مفتی محمد برکت اللہ قاسمی نے (تاتارخانیہ:۱۱/۴۳۰) کے حوالے سے یہی بات کہی ہے، نیز یہ بھی کہا ہے کہ اگر فسق کی تعریف ہر زمانے کے عرف کے مطابق نہ کی جائے تو گواہی کا دروازہ بند ہو جائے گا (بدائع:۶/۲۶۹)۔ مفتی جمیل احمد نذیری نے علامہ شوکانی کی تعریف "وهو الخروج عن الطاعة وتجاوز الحد بالمعصية" (الموسوعۃ الفقہیۃ:۳۲/۱۴۰) کو ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات کے مطابق بتایا ہے، مولانا عبید الرحمٰن قاسمی بارہ بنکوی کا خیال ہے کہ فسق کی تعریف کو عرف کے بجائے امام رازی کے مطابق حاکم کی رائے پر چھوڑنا زیادہ بہتر ہے (المستصفی:۱۲۵)، اس رائے کے قائلین نے گو کہ فسق کی متعین تعریف کی نفی کی ہے، تاہم تقریباً سبھی مقالہ نگار حضرات نے اس کی کوئی نہ کوئی مناسب تعریف کرنے کی سعی امکانی کی ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ فسق کی ایک متعین تعریف ہے، یہ ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف نہیں ہے۔

اس رائے کے قائل ہیں: ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مفتی اقبال ٹنکاروی، مولانا عبد الخالق ندوی، مولانا روح الامین مظاہری، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا کلیم اللہ عمری، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا ضیاالدین ندوی خیرآبادی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابو عاصم اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی، مفتی اقبال احمد قاسمی، مولانا محبوب فرغ احمد قاسمی، مولانا احمد مکین باندہ، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مولانا حسان قاسمی، مولانا سعود ممتاز ندوی، مفتی محمد عثمان بستوی اور راقم الحروف خورشید انور اعظمی۔

آپ حضرات کا خیال ہے کہ کتاب وسنت میں فسق کی گرچہ کوئی متعین تعریف نہیں کی گئی ہے، لیکن علماء وفقہاء نے قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ کی جملہ تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے الفاظ وتعبیرات کے فرق کے ساتھ واضح کیا ہے کہ ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر کی بنا پر آدمی کو فاسق کہا جائے گا (الکشاف:۱/۱۱۹۔المبسوط:۱۶/۱۲۱)، مولانا محبوب فرغ احمد قاسمی نے لکھا ہے کہ فقہاء وعلماء کے تعریف کے الفاظ خواہ بعینہ کتاب وسنت میں منصوص نہ ہوں؛ مگر ان حضرات نے فسق کے جملہ اطلاقات کا استقراء وتتبع کر کے ہی متعین کیا ہے، استقراء تام کی بنا پر احکام کا ثبوت ہوتا ہے اور اس کو بھی حجت شرعیہ سمجھا جاتا ہے، اس لئے اس کو بھی شریعت کی مراد ہی سمجھا جائے گا، موسوعہ فقہیہ میں ہے: "الاستقراء إن كان تاما

بمعنی تتبع جمیع الجزئیات ماعدا صورة النزاع (الصورة المراد معرفة حکمها) یعتبر دلیلا قطعیا حتی فی صورة النزاع عند الأکثر من العلماء" (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۴/ ۷۸)،اس لئے فسق کی تعریف کو عرف وزمان کے حوالہ کرنے کے بجائے جو تعریف: ارتکاب کبیرہ یا اصرار علی الصغیرہ سے کی گئی ہے یہی شریعت میں مطلوب ومقصود ہوگی، رہا کتب فقہ میں تعریفات کا مختلف ہونا تو مفتی اقبال ٹنکاروی اور مولانا حسان قاسمی نے وضاحت کی ہے کہ فسق کی تمام تعریفات الفاظ میں قدرے اختلاف کے باوجود تقریبا ایک ہی مفہوم ادا کررہی ہیں، مفتی محمد عثمان بستوی نے کہا: فسق عملی کا صدور ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر سے ہوتا ہے، اور صغائر وکبائر کا مدار عرف پر نہیں ہے، البتہ عدالت وقبول شہادت میں عرف وحالات کا دخل ہوگا، مولانا روح الامین مظاہری کا بھی یہی خیال ہے؛ لیکن انھوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ اگر بد دینی کا ماحول عام ہو تو نسبتا بہتر شخص کی گواہی معتبر ہوگی (اعلام الموقعین: ۴/ ۱۵۱)، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی کا بھی خیال ہے کہ حالات زمانہ کے تحت ادنی درجہ کی عدالت پر اکتفاء کیا جائے (الذخیرۃ: ۱۰/ ۴۶)، اسی طرح مفتی اقبال احمد قاسمی کی رائے ہے کہ کسی کو فاسق قرار دینے میں فسق کی اصطلاحی تعریف کے ساتھ احوال زمانہ کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہوگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**إنکم فی زمان من ترک منکم عشر ما أمر به هلک ، ثم یأتی زمان من عمل منهم بعشر ما أمر به نجا**'' (سنن ترمذی: ۴/ ۱۱۴)، مولانا ابو عاصم اعظمی نے کہا: فسق کی تعریف اور اس کا مدلول متعین ہے، البتہ وجاہت وشرافت اور مروئت ووقار جیسے امور میں عرف کا لحاظ کیا جائے گا، یہی بات مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی نے بھی علامہ ابن قیم کے حوالے سے کہی ہے، معین الحکام میں ہے: ''**والصواب المقطوع به أن العدالة تتبعض، فیکون الرجل عدلا فی شئی فاسقا فی شیء، فإذا تبین للحاکم أنه عدل فیما شهدبه قبل شهادته ولم یضره فسقه فی غیره**'' (معین الحکام: ۱/ ۱۱۸، الطرق الحکمیۃ: ۱/ ۱۴۸)، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی کی رائے ہے کہ دور رسالت اور خلافت راشدہ میں کفر ونفاق اور فسق کا جو معیار تھا وہ معیار تا قیامت باقی رہے گا، مفتی محمد مقصود فرقانی، مولانا کلیم اللہ عمری اور مفتی حبیب اللہ قاسمی نے بھی زیر بحث مسئلے پر کلام کرتے ہوئے، فسق کی ایک متعین تعریف کی بات کہی ہے، مولانا ضیاالدین ندوی خیرآبادی نے یہ بھی کہا ہے کہ کتب فقہ میں ذکر کردہ تعریفات فسق میں خود اتنی وسعت وگنجائش ہے کہ اس میں عرف اور اخلاقی حالات کی وجہ سے مزید کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں، مولانا احمد مکین باندہ، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی تنظیم عالم قاسمی نے الموسوعہ: ۳۲/ ۲۷۰، حاشیۃ الطحطاوی: ۳۰۳، التعریفات الفقہیہ: ۱۶۵، وغیرہ کتب فقہ میں ذکر کردہ فسق کی تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے کہا ہے کہ فسق کا مدار ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر پر ہے اور یہی اس کی متعین تعریف ہے اور یہی اقرب الی الصواب ہے، مولانا عبدالخالق ندوی نے کہا: موجودہ دور میں فسق کا معیار متعین کرنا ضروری ہوگا، ورنہ بہت سی

پریشانیاں لاحق ہوسکتی ہیں جو شریعت کے مزاج کے خلاف ہیں۔ راقم الحروف خورشید انور اعظمی کا رجحان بھی اسی بات کی جانب ہے کہ فسق کی ایک متعین تعریف ہے، زمانہ کے عرف واحوال کے زیر اثر اس میں تبدیلی نہیں ہوگی، اس لئے کہ فسق کے لغوی معنی ''خروج'' کے ہیں اور اصطلاح میں ''خروج عن الطاعۃ'' کو فسق کہا جاتا ہے؛ لہٰذا بنیادی طور پر فسق کا مدار طاعت الٰہیہ سے خروج پر ہے، وہ یا تو ارتکاب کبائر کی بنا پر ہوگا یا اصرار علی الصغائر کی بنا پر، اسی وجہ سے فقہاء وعلماء نے فسق کی تعریف میں اس مرکزی نقطہ کو بہر حال ملحوظ رکھا ہے، جس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، البتہ عدالت اور قبول شہادت میں عرف وحالات کا لحاظ کیا جاسکتا ہے۔

سوال [۲] موجودہ حالات میں عبادات، معاملات وغیرہ میں فسق پر کیا احکام مرتب ہوتے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں معاملات کے تعلق سے الفاظ وتعبیرات کے فرق کے ساتھ تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ اگر فاسق کے صادق ہونے کا غالب گمان ہو اور معاشرے میں اس کو سچا سمجھا جاتا ہو تو اس کی خبر معتبر ہوگی، آپ حضرات نے علامہ شامی، علامہ جصاص رازی اور علامہ ماوردی کی ذکر کردہ مندرجہ ذیل صراحتوں سے استدلال کیا ہے: ''**أما في المعاملات فيقبل الخبر ولو من كافر أو فاسق أو عبد أو صبي إن غلب على الرأى صدقه**'' (ردالمحتار: ۷/۷۷)، ''**اتفق أهل العلم على جوا زقبول خبر الفاسق في أشياء فمنها: أمور المعاملات يقبل فيها خبر الفاسق وذلک نحو الهدية إذا قال: إن فلانا أهدا لک هذا يجوز له قبوله وقبضه ونحو قوله: وكلني فلان ببيع عبده هذا فيجوز شرائه منه**'' (احکام القرآن للجصاص: ۳/۵۴۹)، علامہ ماوردی نے کہا: ''**فأما أخبار المعاملات فلاتراعى فيها عدالة المخبر وإنمايراعى فيها سكون النفس إلى خبره فتقبل من كل بر وفاجر ومسلم وكافر وصغير وبالغ**'' (الحاوی الکبیر: ۱۶/۸۶)، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی محمد اقبال قاسمی نے ''حسامی'' کے حوالے سے اس بات کی بھی صراحت کی ہے کہ فاسق کی خبر ان معاملات میں مانی جائے گی جن میں الزام وضرر نہ ہو: ''**وفي المعاملات التى لاتنفک عن معنى الإلزام كالوكالات والمضاربات والإذن فى التجارة يعتبر خبر كل مميز**'' (حسامی: ۷۲)، مولانا محبوب فروغ قاسمی نے یہی بات (البحر الرائق: ۸/۳۴۴) کے حوالے سے، مولانا ابو عاصم اعظمی نے [اصول السرخسی: ۱/۳۱۷] کے حوالے سے اور مولانا خلیل احمد پالن پوری نے (ردالمحتار: ۸/۱۵۹) کے حوالے سے کہی ہے، مفتی محمد عثمان بستوی نے زیر بحث مسئلے پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فاسق کی خبر سے الزام کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، راقم الحروف خورشید انور اعظمی کا بھی یہی خیال ہے، اسی کے ساتھ مولانا محمد اقبال ٹنکاروی، مولانا محمد ابوبکر قاسمی، مفتی محمد واصف قاسمی، مفتی محمد مقصود فرقانی، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری، مولانا اسجد دیولا، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا عبید الرحمٰن قاسمی،

مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی خیرآبادی نے کہا کہ فاسق کی شہادت قبول نہیں ہوگی: ''**لاتقبل شهادة الفاسق**'' (الفتاوی الخانیۃ: ۴۶۰/۲) اور نہ وہ نکاح میں ولی بن سکتا ہے: ''**ولا یکون ولیا فی النکاح**'' (الموسوعۃ: ۱۴۴/۳۲)، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مولانا احمد مکین باندہ، مفتی اسعد پالن پوری کے نزدیک فاسق نکاح میں ولی بن سکتا ہے (معین الحکام: ۵۸/۲-۵۷)، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی محمد برکت علی قاسمی نے کہا کہ: حنفیہ و مالکیہ فاسق کی ولایت نکاح کو مانتے ہیں، شافعیہ اور حنابلہ نہیں مانتے (مغنی المحتاج: ۱۵۵/۳)، اسی کے ساتھ آپ حضرات نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ: فاسق سے میل جول رکھنا اور اس کے ساتھ محبت آمیز معاملہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**الرجل علی دین خلیله فلینظر أحدکم من یخالل**'' (ترمذی: ۵۸۹/۵)، مولانا صابر حسین ندوی اور مولانا اسجد دیولا کا بھی یہی خیال ہے، مفتی عثمان نوساری کا خیال ہے کہ فاسق کے ساتھ تجارت کرنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ وہ غیر شرعی معاملات میں ملوث ہوسکتا ہے (بدائع: ۱۴۳/۵)، مفتی عبدالتواب اناوی کی رائے ہے کہ فساق و فجار کے ساتھ سختی کے بجائے نرمی کا معاملہ کرنا چاہئے، رہے معاملات تو شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہر شخص سے کئے جاسکتے ہیں، مفتی محمد واصف قاسمی کا خیال ہے کہ جب کافر کے ساتھ دنیاوی معاملات کی شرعاً گنجائش ہے تو فاسق کے ساتھ بدرجہ اولی ہوگی، مفتی محمد مدثر قاسمی نے کہا کہ وہ نکاح کا گواہ بن سکتا ہے، یہی رائے مفتی اسعد پالن پوری کی بھی ہے: ''**أما عدالة الشاهد فلیست بشرط لانعقاد النکاح عندنا فینعقد النکاح بحضور فاسقین**'' (بدائع: ۴۰۳/۳)، مولانا محمد مغفور باندوی نے اسی کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ فاسق کو زوجین کے درمیان حکم بنانا درست نہیں ہے، تاہم اگر اسے حکم بنادیا گیا اور اس نے فیصلہ کردیا تو نافذ ہوجائے گا، مولانا احمد مکین باندہ نے کہا: فاسق کی شہادت کی خبر کی قبولیت وعدم قبولیت کا مدار قاضی کی صوابدید پر ہوگا: ''**أما شهادة الفاسق فإن تحری القاضی الصدق فی شهادته تقبل وإلالا**'' (قرۃ عیون الاخیار: ۱۰۰/۱۱)، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی کا خیال ہے کہ اگر آدمی ذووجاہت ہو اور غالب گمان ہے کہ وہ کذب بیانی نہیں کرے گا تو اس کی خبر وشہادت معتبر ہوگی (الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۴۸۳/۶)، مولانا ابومعاویہ معین الدین ندوی نے کہا کہ: موجودہ دور میں عبادات ومعاملات وغیرہ پر فسق کا حکم علامہ کاسانی کی ذکر کردہ تعریف ''**من غلبت حسناته سیئاته فهو عدل**'' (بدائع: ۲۶۸/۶) کی روشنی میں لگایا جائے، ورنہ دشواری ہوگی، مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی بھی عدالت کے مفہوم میں توسع کے قائل ہیں: ''**وإن کانت الحسنات أغلب من السیئات والرجل ممن یجتنب الکبائر قبلت شهادته وإن ألم بمعصیة**'' (العنایۃ شرح الہدایۃ: ۴۶۱/۱۰)، یہی خیال مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی کا بھی ہے ''**نص بعض العلماء علی أنا إذا لم نجد فی جهة إلا غیر العدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجورا للشهادة علیهم ویلزم فی القضاة وغیرهم لئلا تضیع المصالح**'' (معین الحکام:

۲/۵۸۔۵۷)،مولانا راسخ الاسلام قاسمی نے کہا: موجودہ حالات میں دفعاللحرج فاسق کو عادل شمار کیا جائے گا،مفتی جمیل احمد نذیری نے کہا: فاسق تحمل شہادت کرسکتا ہے،ادائے شہادت نہیں کرسکتا(ہدایہ:۲/۳۰۶)،محمد ریاض ارمان قاسمی نے کہا:موجودہ حالات میں عبادات ومعاملات وغیرہ میں حنفیہ کے یہاں فسق پر کوئی خاص احکام مرتب نہیں ہوتے ہیں،مولانا رحمت اللہ ندوی زیر بحث مسئلے پر مفصل گفتگو کرنے کے بعد لکھتے ہیں: عبادات ومعاملات کی جو تفصیلات کتب فقہ میں ابواب کے ساتھ مذکور ہیں،ان سب پر فسق کا اثر پڑتا ہے اور فسق کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔

رہا عبادات میں فسق پر احکام کے مرتب ہونے کا مسئلہ تو ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی،مفتی اقبال ٹنکاروی،مولانا احمد مکین باندہ،مولانا ابوعاصم اعظمی،مولانا خورشید احمد اعظمی،مولانا سلطان قمر اور مولانا عبید الرحمٰن قاسمی کا خیال ہے کہ اگر فاسق پانی اور جگہ کی طہارت وعدم طہارت،سمت قبلہ،تعداد رکعت وغیرہ کے بارے میں خبر دے اور فاسق کی خبر پر ظن غالب سے دل مطمئن ہوتو اس کا قول قبول کیا جاسکتا ہے،علامہ شامی لکھتے ہیں:''**ولو فاسقا أو مستورا يحكم رأيه في صدقه أو كذبه ويعمل به لأن غالب الرأى بمنزلة اليقين**'' (ردالمحتار:۱/۳۷۰)،جب کہ مفتی محمد ابوبکر قاسمی،مولانا اسعد پالن پوری اور مولانا عبید اللہ کی رائے ہے کہ دینی امور میں فاسق کی شہادت وخبر معتبر نہیں ہے،اللہ تعالی نے فرمایا:''**واشهدوا ذوى عدل منكم**'' [الطلاق:۲]،علامہ قرطبی لکھتے ہیں:''**من ثبت فسقه بطل قوله في الأخبار إجماعا، لأن الخبر أمانة والفسق قرينة تبطلها**'' (تفسیر القرطبی:۱۹/۳۶۹)،فاسق کی اذان وامامت کے بارے میں مولانا صابر حسین ندوی، مولانا اسعد پالن پوری،مولانا خورشید احمد اعظمی،مولانا ابومعاویہ معین الدین قاسمی اور مولانا احمد مکین باندہ کی رائے ہے کہ صحیح ہے:''**صلوا خلف كل بر وفاجر**''(بدائع:۱/۱۵۶)،اسی طرح فاسق کی اذان بھی صحیح ہے:''**القياس على إمامته فكما تصح إمامة الفاسق كذلك يصح أذانه**''(التہذیب:۲/۵۲)،ان کے علاوہ مولانا اقبال ٹنکاروی،مولانا روح الامین ،مولانا صدر عالم،مولانا حفیظ الرحمٰن خیرآبادی،مفتی حبیب اللہ قاسمی،مفتی اسجد دیولا،مفتی عثمان نوساری،مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی،مفتی عبدالتواب اناوی اور راقم الحروف خورشید انور اعظمی کا خیال ہے کہ فاسق کی اذان وامامت مکروہ ہے:''**يكره تقديم العبد والأعرابى والفاسق لأنه لايهتم لأمر دينه**''(ہدایہ:۱/۱۰۱)،''**يكره أذان الفاسق ولايعاد**'' (ہندیہ:۱/۵۴)،مفتی جنید عالم ندوی اور مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی نے بھی یہی کہا ہے اور مزید یہ بھی کہا ہے کہ جماعت کا ثواب ملے گا، متقی کے پیچھے پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا (ہندیہ:۱/۱۴۱)،مولانا خلیل احمد پالن پوری نے شیخ حمود بن عبداللہ التویجری کے حوالے سے کہا کہ عادل کی اقتدا پر قدرت ہوتو فاسق کی اقتدا نہ کی جائے (غربۃ الاسلام:۲۸۷)،مولانا مغفور باندوی نے کہا کہ فاسق کی اذان وامامت مکروہ ہے؛مگر موجودہ زمانے میں بر بنائے ضرورت فاسق کو موذن بنانا درست ہے،اس کے علاوہ

مولانا اقبال ٹنکاروی، مولانا روح الامین مظاہری، مفتی اسجد دیولا، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مفتی برکت علی قاسمی نے کہا کہ فاسق کی حضانت معتبر نہیں ہے، جب کہ مولانا روح الامین مظاہری اور مفتی اسجد دیولا نے اسی کے ساتھ فاسق کی کفائت کو بھی غیر معتبر قرار دیا ہے، نیز مفتی اسجد دیولا، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی، مفتی برکت علی قاسمی، مفتی محمد عثمان نوساری نے فاسق کی شہادت کو مردود وغیر معتبر قرار دیا ہے، مولانا محبوب فروغ قاسمی اور مولانا روح الامین نے کہا کہ رویت ہلال کی خبر وشہادت میں فاسق کا قول معتبر نہیں ہے، مفتی مصطفیٰ قاسمی نے کہا کہ وہ فتوی نہیں دے سکتا، مولانا محمد خلیل پالن پوری کے نزدیک فاسق کو امیر المومنین بنانا، مولانا ابومعاویہ معین الدین ندوی کے نزدیک زکوۃ کا عامل بنانا اور مولانا اسجد دیولا کے نزدیک وقف کا ذمہ دار بنانا صحیح نہیں ہے۔

سوال [۳] جولوگ داڑھی نہیں رکھتے ہوں؛ لیکن نماز روزہ کے پابند ہوں، کیا رؤیت ہلال کے سلسلہ میں یا اختلافی معاملات میں ان کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے؟

اس سوال کے جواب میں بیشتر مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ داڑھی رکھنا واجب اور نہ رکھنا موجب فسق ہے، اس رائے کے قائلین میں:

مفتی ابوبکر قاسمی کا خیال ہے کہ فاسق کی شہادت قبول نہیں ہوگی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے مزید یہ بھی کہا: خواہ کتنا ہی عبادت گذار ہو، مفتی محمد مقصود فرقانی، مفتی حبیب اللہ قاسمی کا خیال ہے کہ فاسق کی شہادت اختلافی معاملات میں قبول ہوگی؛ لیکن رویت ہلال میں قبول نہیں ہوگی؛ اس لئے کہ اس کا تعلق عبادت سے ہے، موسوعہ میں ہے: ''**من أتى الكبائر فسق وسقطت عدالته**'' (الموسوعۃ: ۳۴/۱۵۶)، مفتی سلطان کشمیری نے کہا: عید کے چاند کی گواہی مردود ہوگی: ''**إن ثبوت هلال شوال أمر ديني وخبر فاسق مردود في الديانات**'' (المبسوط: ۳/۱۳۹)، مفتی محمد سید علی مدنی کی رائے ہے کہ فاسق کی شہادت قبول ہوگی؛ مگر قبول کرنے والا گنہگار ہوگا: ''**والفاسق أهلها (أي الشهادة) فيكون أهله، لكنه لايقلد وجوبا ويأثم مقلده كقابل شهادته**'' (الدر: ۸/۲۵)، جب کہ عام طور پر دیگر مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ عام حالات میں فاسق کی شہادت معتبر نہیں ہوگی؛ لیکن عادل کی عدم موجودگی میں اگر ایسا فاسق گواہ پایا جارہا ہو جو صوم وصلوۃ کا پابند، سچ سے متصف اور جھوٹ سے بچتا ہو اور قاضی کو قرائن سے اطمینان ہوجائے تو رویت ہلال اور اختلافی معاملات میں اس کی شہادت قبول کرسکتا ہے، آپ حضرات کے پیش نظر فقہاء کی مندرجہ ذیل عبارتیں ہیں:

''**أما شهادة الفاسق فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته تقبل وإلا فلا**'' (ردالمحتار: ۸/۱۷۸)۔

معین الحکام میں ہے: ''**فإذا علم صدق لهجته وإنه من أصدق الناس وإن فسقه بغير الكذب**

فلاوجه لرد الشهادة'' (معین الحکام:۱۱۷)۔

فتاوی قاضی خاں میں ہے:''**إن كان صلاحه أكثر من فساده وصوابه أغلب من الخطا ويكون سليم القلب يكون عدلا تقبل شهادته**'' (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ:۲/۴۶۰)۔

بعض مقالہ نگار حضرات نے اسی کے ساتھ اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ اگر فاسق بامروت، ذی وجاہت اور باوقار ہو تو اس کی شہادت مقبول ہوگی، اس لئے کہ ظن غالب ہے کہ وہ کذب بیانی نہیں کرے گا، امام ابو یوسف سے یہی مروی ہے:

''**قال أبو يوسف: إن الفاسق إذا كان وجيها في الناس ذا مروة تقبل شهادته لأنه لايستاجر لوجاهته، ويمتنع عن الكذب لمروئته**'' (ہدایہ:۳/۱۱۷)۔

تفسیر مظہری میں ہے: ''**بل في زماننا هذا الفاسق إذا كان وجيها يغلب على الظن أنه لا يكذب في الشهادة أو دلت القرائن على صدقه ، تقبل شهادته**'' (تفسیر مظہری:۱/۳۲۷)۔

مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی، مولانا ریاض ارمان قاسمی اور مفتی اقبال قاسمی کا خیال ہے کہ اگر فاسق پابند صوم وصلوۃ ہے اور گناہ سے بچتا ہے تو ابتلاء عام کے سبب اس کی شہادت قبول کی جائے گی، مولانا عبد الخالق ندوی نے اس میں اختلاف رائے کی وجہ سے تخفیف ہونے کے سبب اور حافظ کلیم اللہ عمری نے ایک مشت داڑھی ضروری نہ ہونے کے سبب ایسے شخص کی شہادت کو معتبر مانا ہے۔

موجودہ دور میں مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ عادل گواہ کی عدم موجودگی میں امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق مذکورہ شرائط کے ساتھ فاسق کی گواہی معتبر مانی جائے، جیسا کہ ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے فقہی اجتماع منعقدہ ۲۵-۲۶/اکتوبر ۲۰۰۰ء میں رویت ہلال کے ثبوت میں ایسے فاسق کو مقبول الشہادہ مانا ہے۔

سوال[۴] عام طور پر ایسے لوگوں کو بھی مساجد کا یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے، جو قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق وجوہ فسق سے خالی نہیں ہوتے ہیں، تو کیا ان کا حکم ان اداروں کے خادمین یا تنظیم کے افراد کے لئے واجب الاطاعۃ ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مولانا محمد ابو بکر قاسمی اور مولانا احمد مکین باندہ کا خیال ہے کہ فاسق کو متولی بنانا درست نہیں ہے، اللہ تعالی نے فرمایا: ''**اِن أولياء ه إلا المتقون**'' (انفال:۳۴)، علامہ ابن تیمیہ نے لکھا ہے:''**لا يجوز تولية الفاسق مع إمكان تولية البر**'' (فتاوی ابن تیمیہ:۱/۱۵۰)، اور نہ اس کی اطاعت واجب ہے، یہی خیال مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی اور مولانا مغفور باندوی کا بھی ہے، انہوں نے مزید یہ لکھا ہے کہ فاسق کو معزول کر دینا چاہئے، اگر معزول کرنے پر قدرت نہ

ہوتواس کی اطاعت واجب نہیں ہے اوراگر ملازم ہوتواس سے کنارہ کشی کی صورت اختیار کرنی چاہئے،مولانا ابومعاویہ معین الدین ندوی کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں مسجد یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کے ذمہ دار حضرات ''امیر شرعی'' نہیں ہوتے ہیں، اس لئے ان کا حکم واجب الاطاعۃ نہیں ہوگا (امداد المفتیین: ۲/۳۶۹)۔ بقیہ مقالہ نگار حضرات الفاظ وتعبیرات کے فرق کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ بہتر تو یہی ہے کہ مساجد یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کے ذمہ دار دیانت دار، امانت دار اور متقی و پرہیز گار ہوں، آپ حضرات کے مستدلات حسب ذیل ہیں:

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''**إنما يعمر مساجد الله من آمن بالله واليوم الآخر وأقام الصلوة وآتى الزكوة ولم يخش إلا الله فعسى أولئك أن يكونوا من المهتدين**'' (التوبہ:۱۸)، آیت کریمہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مساجد کی آبادکاری دیندار لوگ ہی کر سکتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة قال كيف اضاعتها يا رسول الله ؟قال إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة**'' (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۶۱۳۱)، علامہ ابن نجیم نے لکھا: ''**لايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود وكذا تولية العاجز لأن المقصود لايحصل به**''(البحر الرائق:۵/۲۶۶)، علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''**لا تجوز تولية الفاسق مع إمكان تولية البر**'' (مجموع الفتاوی:۲۳/۳۴۱)۔

لیکن اگر ایسے شخص کو ذمہ دار بنادیا گیا جو وجوہ فسق سے خالی نہیں ہے تو اس کے حکم کے واجب الاطاعۃ ہونے کے سلسلے میں بھی مذکورہ بالا مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ اگر اس کا حکم شریعت کے مطابق ہو، کسی طرح کی معصیت کا نہ ہو تو اس کی اطاعت واجب ہوگی، ورنہ نہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق**'' (المعجم الکبیر للطبرانی:۱۸/۱۷۰، ردالمحتار:۲/۶۲۰)، علامہ کاسانی لکھتے ہیں: **وكذا العدالة عندنا ليس بشرط لجواز التقليد ،لكنها شرط الكمال فيجوز تقليد الفاسق وتنفذ قضايا ه إذا لم يجاوز حد الشارع**'' (بدائع الصنائع:۷/۳)، الاشباہ میں ہے: ''**أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع وإلا لا**'' (الاشباہ والنظائر: القاعدۃ الخامسۃ وقواعد شتی)، ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری کا خیال ہے کہ جب تک صریح کفر ظاہر نہ ہو اطاعت واجب ہے، آپ نے علامہ شوکانی کے درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے: ''**طاعة الأئمة واجبة إلا فى معصية الله ولا يجوز الخروج عليهم ما داموا أقاموا الصلوة ولم يظهروا كفرا بواحا**'' (الادلۃ المرضیۃ:۱/۲۵)۔

سوال[۵] فسق فی العقیدہ سے کیا مراد ہے اور جو لوگ اعتقادی اعتبار سے فاسق ہوں، ان کے لئے کیا احکام ہیں؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگار حضرات نے بصراحت کہا ہے کہ فسق فی العقیدہ سے مراد اہل بدع کا فسق

ہے، آپ حضرات نے اپنے موقف کی تائید میں ''المغنی لابن قدامہ'' کی عبارت: ''**یقصد بفسق الاعتقاد اعتقاد البدعة**'' (المغنی: ۱۷/ ۱۴۸) اور مدارج السالکین کی عبارت: ''**فسق الاعتقاد و قال إنه فسق أهل البدع**'' (مدارج السالکین: ۱/ ۲۷۲) کو پیش کیا ہے، جب کہ دیگر حضرات نے گو کہ اس بات کی صراحت نہیں کی ہے؛ لیکن اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی تعبیر اختیار کی ہے، ڈاکٹر شاہجہاں ندوی نے کہا کہ تاویل کی بنیاد پر کتاب وسنت میں وارد عقائد کے خلاف عقیدہ رکھنے کو فسق فی العقیدہ کہتے ہیں، مفتی محمد حسان قاسمی نے کہا کہ غیر قطعیات میں جہالت یا تاویل کی بنیاد پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ عقائد کے خلاف عقیدہ اختیار کرنا فسق فی العقیدہ ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی اور مولانا ابو عاصم اعظمی کا خیال ہے کہ عقیدہ سے متعلق امور میں اہل سنت و جماعت کے مذہب سے خروج، فسق فی العقیدہ ہے، مولانا صابر حسین ندوی نے کہا کہ فسق فی العقیدہ اہل سنت و جماعت کے خلاف وہ عقائد ہیں جو کفر تک نہ پہنچتے ہوں، مفتی اقبال احمد قاسمی نے کہا کہ عقائد حقہ کے خلاف عقائد رکھنے کو فسق فی العقیدہ کہتے ہیں، مولانا روح الامین مظاہری اور مولانا جمشید جوہر قاسمی نے کتاب وسنت اور سلف متوارث سے انحراف کو فسق فی العقیدہ قرار دیا ہے، مفتی اسعد پالن پوری، مفتی محمد مدثر، مفتی جنید عالم ندوی، مولانا خلیل احمد پالن پوری، مفتی محمد برکت علی قاسمی، مفتی صدر عالم قاسمی نے اہل سنت و جماعت کے خلاف عقیدہ رکھنے کو فسق فی العقیدہ بتایا ہے، البتہ مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے بغاوت کو فسق فی العقیدہ قرار دیا ہے، مولانا حفیظ الرحمٰن مدنی خیر آبادی نے کہا کہ فسق فی العقیدہ سے مراد وہ بدعتی اقوال ہیں جو شرعی دلائل کے خلاف ہوں اور اس کے مرتکب اللہ کی صفات میں تاویل کرتے ہوں۔

رہا فسق فی العقیدہ پر کیا احکام مرتب ہوں گے تو اس سلسلے میں تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ اگر یہ فسق، مودی الی الکفر ہو تو اس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور اس کی عبادت صحیح نہیں ہوتی اور اگر مودی الی الکفر نہ ہو تو اس کا اختیار کرنے والا فاسق کہلائے گا اور اس کے اعتبار سے اس پر احکام مرتب ہوں گے؛ البتہ فاسق فی العقیدہ پر حکم لگانے کے سلسلے میں مقالہ نگار حضرات نے اپنے اپنے انداز سے مختلف احکام کی باتیں تحریر کی ہیں:

مفتی برکت علی قاسمی نے کہا کہ فاسق کو حق حضانت حاصل نہیں ہے (فتاوی تاتارخانیہ: ۲/ ۴۶۰۔ ردالمحتار: ۲/ ۶۳۲)، مولانا اشتیاق احمد اعظمی اور مولانا عبدالتواب نے کہا کہ ایسے فاسق پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی (الاحکام المرتبۃ علی الفسق فی الفقہ الاسلامی: ۳/ ۴۴۰)، مولانا محبوب فروغ قاسمی نے کہا کہ امام احمدؒ کے نزدیک فاسق فی العقیدہ کی نماز جنازہ نہیں ہوگی، دیگر ائمہ کے نزدیک اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی (الموسوعہ: ۸/ ۳۷)، مفتی محمد ریاض ارمان قاسمی نے فاسق فی العقیدہ کو امامت کبری اور قضاء کا مستحق قرار دیا ہے (اسلامی عدالت: ۱۹۴ تا ۱۹۷)، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی اور مولانا عبدالتواب اناوی نے کہا کہ

ایسے شخص کو حاکم نہیں بنانا چاہئے اور اگر بن جائے تو امور مباحہ میں اطاعت واجب ہوگی، (الاحکام السلطانیہ: ۲۳)، مفتی اقبال احمد قاسمی نے کہا کہ منصب قضا کا اہل ہے؛ مگر قاضی بنانا خلاف مصلحت ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی کا خیال ہے کہ عقائد میں تاویل کرنے والے کی روایت قبول ہوگی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے لکھا کہ اگر فاسق فی العقیدہ، بدعت کا داعی و مبلغ نہ ہو تو اصح قول میں اس کی روایت قبول کی جائے گی اور اگر داعی ہو تو مقبول نہیں ہوگی (تدریب الراوی: ۱/۱۷۷)۔

امامت کے تعلق سے مولانا عبدالتواب اناوی نے کہا کہ ایسے فاسق کی امامت درست ہے، مفتی ذکاء اللہ شبلی نے کہا کہ درست نہیں ہے، مولانا محبوب احمد فروغ قاسمی نے کہا کہ فاسق کی امامت حنفیہ وشافعیہ کے یہاں درست ہے: ''**صلوا خلف کل بر وفاجر**'' اور مالکیہ وحنابلہ کے نزدیک اگر فسق اعتقادی کا معلن ہے تو اعادہ صلوۃ مستحب ہے (المغنی لابن قدامہ: ۲/۱۸۵)، مفتی سید علی مدنی، مفتی راسخ الاسلام قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مفتی صدر عالم قاسمی، مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی نے لکھا کہ اس کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ جائز ہوگی: ''**عن أبی حنیفة أنه کان یری الصلاة خلف المبتدع، والصحیح أنه إن کان هوی یکفره لا تجوز وإن کان لایکفره تجوز مع الکراهة**'' (بدائع: ۱/۱۵۷)، یہی رائے مفتی برکت علی قاسمی کی بھی ہے؛ مگر انہوں نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ مولانا ظفر احمد تھانویؒ کی تحقیق کے مطابق یہ کراہت قادر علی العزل اور عدم ترتب فتنہ کے ساتھ مقید ہے، عجز وخوف فتنہ کی صورت میں اقتدا بالفاسق کی کراہت باقی نہیں رہے گی (اعلاء السنن: ۴/۲۳۱)۔

شہادت کے تعلق سے مفتی محمد حسان قاسمی، مفتی سلطان قمر قاسمی اور مفتی محمد ریاض ارمان قاسمی نے لکھا کہ: فرقہ خطابیہ کی شہادت مقبول نہیں ہوگی، مفتی محمد مقصود علی فرقانی کا خیال ہے کہ: ایسے لوگوں کی شرعی معاملات میں گواہی قابل قبول نہیں ہوگی: ''**من أتی الکبائر فسق وسقطت عدالته**'' (الموسوعۃ: ۳۴/۱۵۶)، مولانا عبدالتواب اناوی کا خیال ہے کہ فاسق فی العقیدہ کی شہادت درست ہے، مفتی اقبال احمد قاسمی نے کہا کہ خلاف حق عقیدہ رکھنے کے باوجود اگر فسق عملی میں مبتلا نہ ہو تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی: ''**وإنما تقبل شهادتهم لأن فسقهم من حیث الاعتقاد وما أوقعهم فیه إلا التعمق والغلو فی الدین**'' (ردالمحتار: ۴/۵۲۱)، مفتی برکت علی قاسمی اور مولانا صدر عالم قاسمی نے کہا اگر اپنے دیگر معاملات میں ٹھیک ہیں تو ایسے لوگوں کی گواہی قبول کی جائے گی: ''**وشهادة اهل الهوی مقبولة عندنا إذا کا هوی لا یکفر به صاحبه ولا یکون ماجنا ویکون عدلا فی تعاطیه**'' (تاتارخانیہ: ۱۱/۴۳۱)، مولانا خلیل احمد پالن پوری کی رائے ہے کہ اگر اس کے صدق پر ظن غالب ہو تو اس کی شہادت قبول ہوگی، یہی خیال مفتی جمیل احمد نذیری کا ہے کہ اگر اطمینان ہو جائے کہ فاسق فی العقیدہ جھوٹ سے بچتا ہے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی نے لکھا کہ فاسق فی العقیدہ

کی شہادت مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک غیر معتبر ہے اور حنفیہ کے نزدیک اسی طرح شافعیہ کے راجح قول میں معتبر ہے، بشرطیکہ اس کا فسق کفر تک نہ پہونچا ہو (الموسوعہ: ۸/۳۶)، ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی، مولانا رحمت اللہ ندوی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی کا خیال ہے کہ: اگر یہ عقیدہ کفر تک پہونچا تا ہو یا فاسق فی العقیدہ اپنی بدعت کی تائید میں جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتا ہو تو اس کی گواہی مقبول نہیں ہوگی، البتہ اگر وہ صلاح و دینداری کے اوصاف سے متصف ہو، جھوٹ سے احتراز کرتا ہو تو اس کی گواہی مقبول ہوگی: ''**وشهادة أهل الهوى مقبولة عندنا اذا كان هوى لايكفر به صاحبه، ولا يكون ماجنا ويكون عدلا في تعاطيه، وهو الصحيح**'' (المحیط البرہانی: ۹/۱۷۵)، مفتی جنید عالم ندوی کا خیال ہے کہ معتزلہ وغیرہ مسلمان ہیں ان کی شہادت قبول کی جائے گی، اس لئے کہ ان کے مسلک میں جھوٹ بولنا کافرانہ جرم ہے، تو وہ کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں (روح المعانی: ۱۴/۲۲۱)، مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی کا بھی یہی خیال ہے، مولانا ابو عاصم مظاہری کا خیال ہے کہ بدعت مکفرہ کا مرتکب، غالی فی البدعۃ اور داعی الی البدعۃ کی خبر و شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور اگر ایسا نہ ہو تو مقبول ہوگی، زیر بحث مسئلے میں مفتی محمد عثمان بستوی تفصیلی کلام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ کافر کی گواہی مسلم کے خلاف معتبر نہیں، بدعتی اعتقادا کذب کو جائز نہ خیال کرتا ہو تو اس کی خبر و شہادت مقبول ہوگی ورنہ غیر مقبول، جو بدعتی کذب کو جائز نہ سمجھتا ہو اور قاضی کو صدق کا ظن غالب ہو تو اس کی شہادت قبول کر سکتا ہے، وہ معاملات جن میں الزام نہ ہو فاسق فی العقیدہ کی خبر خواہ کافر ہو یا بدعتی قبول کرنا جائز ہے، الزام ہو تو ناجائز ہے، دیانات، حلت و حرمت، طہارت و نجاست وغیرہ میں اس کی خبر غیر معتبر ہے، حلت و حرمت اگر معاملات کے ضمن میں ہو، تو کافر کی خبر سے اس کا ثبوت ہو سکتا ہے، دینی معاملات میں بالاستقلال کسی فاسق کی خبر پر اطمینان کے بغیر قبول کرنا جائز نہیں، البتہ اگر فاسق و کافر کے خبر کے صدق کا ظن غالب ہو تو اس کی خبر پر عمل کی گنجائش ہوتی ہے: ''(**تقبل من أهل الأهواء) أى أصحاب بدع لا تكفر كجبر وقدر ورفض وخروج وتشبيه وتعطيل، وكل منهم اثنتا عشرة فرقة ـــــ**'' (رد: ۸/۱۸۸)، مفتی تنظیم عالم قاسمی کا خیال ہے کہ جو نص قطعی سے ثابت نہ ہو یا ثابت ہو مگر تاویل کرتا ہو تو اسلام سے خارج نہیں ہوگا، امامت، وکالت، شہادت، قضاء وغیرہ مع کراہت جائز ہے۔

سوال [٦] اگر فاسق شخص زبان سے توبہ کرلے؛ لیکن وہ ابھی اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے تو کیا اس کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں اکثر مقالہ نگار حضرات نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ دنیوی احکام کے اعتبار سے فاسق کی توبہ اس وقت قابل قبول ہوگی جب کہ توبہ کا اثر اس کی عملی زندگی پر ظاہر ہو، صرف زبانی توبہ کافی نہیں ہے، بلکہ اس توبہ کے مطابق اس کا عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے، آپ حضرات کے پیش نظر سورہ نور کی آیت کریمہ: ''**إلا الذين تابوا من بعد**

ذلک وأصلحوا فإن الله غفور رحیم'' (النور:۵) ہے،جس کی تفسیر کے ذیل میں علامہ آلوسی لکھتے ہیں:''**أی أصلحوا أعمالهم، أو دخلوافی الصلاح وفسر بعضهم الإصلاح بالاستقامة علی التوبة**'' (روح المعانی:۷/ ۴۸۲)۔

نیز آپ حضرات نے کتب فقہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے بھی استدلال کیا ہے:

''**الفاسق إذا تاب لا تقبل شهادته ،مالم یمض علیه زمان یظهر أثر التوبة ،ثم بعضهم قدرذلک بستة أشهر وبعضهم قدره بسنة، والصحیح أنه مفوض إلی رائ القاضی والمعدل**'' (فتاوی قاضی خان:۲/ ۴۴۰،البحر الرائق:۷/ ۱۳۴،ردالمحتار:۸/ ۱۹۰،ہندیہ:۳/ ۴۰۲)۔

فقہائے کرام کی اسی طرح کی عبارتوں کے پیش نظر بہت سے مقالہ نگار حضرات نے توبہ کے بعد اس کے مطابق عمل پیرا ہونے کی ایک مدت بھی ذکر کی ہے، جب کہ مفتی اقبال احمد قاسمی کی رائے ہے کہ ظاہری طور پر جب کوئی شخص گناہ سے توبہ کرلے اور توبہ کی معروف شرطیں پوری کرلے تو اس کی توبہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول ہوگی، اس کی توبہ کی صداقت کسی متعین مدت گذرنے پر موقوف نہ ہوگی، مفتی سید محمد علی مدنی نے بھی یہی کہا ہے کہ اگر شرائط کے ساتھ توبہ کر چکا ہے تو دنیوی احکام کے لحاظ سے قابل قبول ہوگی (روح المعانی:۲۸/ ۱۵۹)، مفتی مقصود علی فرقانی، مفتی راسخ الاسلام قاسمی، مولانا جمشید جوہر قاسمی، مولانا فضل الرحمٰن اصلاحی قاسمی کا خیال ہے کہ فاسق اگر توبہ کرلے اور توبہ کرنے کے بعد توبہ کے مطابق عمل پیرا نہ ہو تو اس کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول ہوگی (شامی:۴/ ۵۲۳)، مفتی اسعد پالن پوری کی بھی یہی رائے ہے ،اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ توبہ سے پہلے بھی فاسق کی معاملات میں شہادت قبول ہوتی ہے تو مذکورہ صورت میں تو بدرجہ اولی قبول ہونی چاہئے، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید میں ہے:''**ویقبل قول الفاسق والکافر والعبد فی المعاملات لکثرة وقوعها کما إذا أخبر أنه وکیل فلان فی بیع کذا ،فیجوز الشراء منه إن غلب علی الرأی صدقه**'' (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید:۵/ ۳۳)، مفتی محمد واصف قاسمی کی رائے ہے کہ فاسق کا عمل توبہ کے موافق ہو یا نہ ہو بہر کیف اس پر دنیوی احکام کا نفاذ قاضی وغیرہ کی صوابدید پر ہوگا (الفسق واحکامہ فی الفقہ الاسلامی: ۱۹۳-۱۹۴)، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی کا خیال ہے کہ اگر توبہ کے بعد ایسا گناہ کیا کہ ملکی قانون میں اس پر عقاب نہیں، جیسے: جھوٹ، وعدہ خلافی، وغیرہ تو اس کی سزا آخرت میں ہوگی اور دنیوی اعتبار سے اس کی توبہ قابل قبول ہوگی اور اس کی خبر و گواہی معتبر مانی جائے گی، الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:''**أولم یکن لجریمته عقاب مقرر فی القوانین المطبقة کالکذب وخلاف الوعد والحقد والحسد والغیبة والنمیمة ونحوها عوقب علی مخالفته فی عالم الآخرة بین یدی أحکم الحاکمین**'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ:۶/ ۱۵۰)، ڈاکٹر اشتیاق احمد اعظمی نے کہا کہ اس سلسلے میں دو رائیں ہیں: ۱۔شوافع کے یہاں توبہ کی صحت

کے لئے اس کے برے عمل کی اصلاح ضروری ہے، ۲۔جمہور فقہاء توبہ کر لینے کے بعد اصلاح عمل کی شرط نہیں لگاتے، راقم الحروف کی ناقص رائے اکثر مقالہ نگار حضرات کی طرح یہی ہے کہ اگر فاسق اپنی توبہ کے مطابق عمل پیرا نہ ہو اور اس کی عملی زندگی پر اس توبہ کے اثرات ظاہر نہ ہوتے ہوں تو دنیوی احکام کے اعتبار سے اس توبہ کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے۔

سوال [۷] بعض مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، جیسے بعض عرب ملکوں میں داڑھی کو سنن عادیہ میں شمار کیا جاتا ہے اور بہت سے اہل علم اس کے قائل ہیں، اسی طرح بہت سے اہل علم داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، اور ان کا یہی مسلک ہے، اگر وہ داڑھی نہیں رکھیں یا بہت چھوٹی رکھیں تو کیا ان کو فاسق سمجھا جائے گا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات کی دو رائیں ہیں:

(۱) پہلی رائے یہ ہے کہ ایسے حضرات کو فاسق سمجھا جائے گا:

اس رائے کے قائلین حسب ذیل ہیں: مولانا رحمت اللہ ندوی، مولانا اقبال محمد ٹنکاروی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مفتی اسعد پالن پوری، مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی، مولانا عبید اللہ ندوی، مولانا راسخ الاسلام قاسمی، مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی، مولانا ابو معاویہ محمد معین الدین ندوی قاسمی، مولانا ابو عاصم اعظمی، مولانا جمشید جوہر قاسمی، مولانا خلیل احمد پالن پوری، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مولانا محمد برکت علی قاسمی، مولانا عبید الرحمٰن قاسمی بارہ بنکوی، مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی، مولانا خورشید احمد مدنی، مفتی تنظیم عالم قاسمی، مفتی محمد جنید عالم قاسمی ندوی، مفتی محمد مدثر قاسمی، ڈاکٹر ظفر الاسلام صدیقی، مولانا محمد ابوبکر قاسمی، مولانا محمد مقصود فرقانی، مولانا عثمان نوساری، مولانا محمد مغفور باندوی۔

آپ حضرات کا خیال ہے کہ داڑھی رکھنا سنت متوارثہ ہے، اس لئے اس کا نہ رکھنا یا ایک مشت سے کم رکھنا حرام، اور اس کا مرتکب فاسق ہے، اس تعلق سے بہت سی صریح نصوص اور واضح عبارات موجود ہیں، رہا بعض اہل عرب کا اس کو سنن عادیہ میں شمار کرنا تو یہ ایک طرح کا مغالطہ اور اہل مغرب سے مرعوب ومتاثر ہونے کا ثمرہ ہے، اس لئے نصوص صریحہ کے مقابلے میں کسی شخص کی بات یا کسی علاقے کی عادت کو حجت قرار نہیں دیا جاسکتا، ایسے لوگ واجب کے تارک، مذہبی شعائر کو پامال کرنے والے اور فسق عملی کے مرتکب قرار پائیں گے، اور ان کو فاسق سمجھا جائے گا؛ اس لئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعفاء لحیہ کا حکم دیا ہے اور مخالفت مجوس ومشرکین کی تاکید فرمائی ہے (بخاری: ۵۸۷۔ مسلم: ۵۲)، حضرت ابن عمر اور دیگر صحابہ کا اس پر عمل رہا ہے: ''عن الحسن قال: كانوا يرخصون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يوخذ منها'' (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۳/ ۱۱۲)، نیز ائمہ اربعہ نے قطع لحیہ کی حرمت پر اتفاق کیا ہے: '' كان حلق اللحية محرما عند ائمة المسلمين المجتهدين؛ أبي حنيفة ومالك والشافعي وأحمد'' (المنہل العذب المورود: ۱/ ۱۶۸) اور علامہ شامی کے

بقول: ایک مشت سے کم رکھنے کی کسی نے اجازت نہیں دی ہے:"**أما لأخذ منها وهي دون ذلك كمايفعله المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد**" (ردالمحتار:۲/۴۱۸)،اتنی ساری صراحتوں کے باوجود داڑھی کوسنت عادیہ قرار دینااوراس کی بناپر داڑھی نہ رکھنا یاایک مشت سے کم رکھنا کیسے درست ہوسکتا ہے،البتہ مولانا خورشیداحمد مدنی کااسی کے ساتھ یہ بھی خیال ہے کہ ان کا یہ عمل فسق ہے،مگراس کی وجہ سے علی الاطلاق ان کوفاسق نہیں کہیں گے۔

(۲)دوسری رائے یہ ہے کہ ایسے لوگوں کوفاسق نہیں سمجھا جائے گا:

اس رائے کے قائلین درج ذیل ہیں: ڈاکٹر محمد شاہجہاں ندوی،مولانا صابر حسین ندوی،مولانا عبدالخالق ندوی، مفتی روح الامین مظاہری،مولانا محمد واصف قاسمی،ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری،مولانا محمد عباس یوسف سعادتی،مولانا اسجد دیولا، مفتی جمیل احمد نذیری،مفتی اقبال احمد قاسمی،مولانا فضل الرحمٰن اصلاحی،قاسمی،مولانا صدر عالم قاسمی،مفتی محمد سلطان قمر قاسمی، مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی،مفتی محمد ارمان ریاض قاسمی،مفتی عبدالتواب اناوی،مولانا احمد مکین باندہ،راقم الحروف خورشید انوراعظمی۔

اس رائے کے قائلین میں مولانا صابر حسین ندوی کا خیال ہے کہ داڑھی رکھنا واجب نہیں ہے،سنن عادیہ کے قائلین کی دلیلیں بھی نا قابل التفات نہیں ہیں،نیز اختلاف ائمہ نے مسئلہ میں تخفیف پیدا کردی ہے؛اس لئے اس میں تشدد برتنا صحیح نہیں ہے،مولانا عبدالخالق ندوی کی بھی یہی رائے ہے،ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری کا خیال ہے کہ اگرچہ یہ بھی فسق کی ایک صورت ہے،تاہم فسق دون فسق کی بناپر ایسے شخص کوفاسق نہ کہا جائے تو بہتر ہے۔

جب کہ بقیہ حضرات کے نزدیک روایات نبویہ،آثار صحابہ اور عبارات فقہاء کی بناپر داڑھی رکھنا واجب اور ایک مشت سے کم پر کاٹنا حرام ہے،تاہم اگر کوئی شخص اپنے علم وتحقیق کی بنیاد پر اس کو واجب نہیں کہتا؛ بلکہ بر بنائے تاویل اس کا یہی مسلک وموقف ہے تو اس کوفاسق نہیں سمجھا جائے گا،مفتی جمیل احمد نذیری نے کہا کہ ہم کسی پر اپنا مسلک وعرف مسلط نہیں کریں گے،مفتی اقبال احمد قاسمی نے کہا کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اور اس میں ابتلاء عام بھی ہے؛اس لئے ایسے لوگوں کوفاسق کہنے میں احتیاط کرنی چاہئے،جب کہ بیشتر مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ اگر یہ لوگ کسی مناسب تحقیق وتاویل کی بنیاد پر داڑھی کوسنن عادیہ میں شمار کرتے ہیں اور یہی ان کا موقف ومسلک ہے تو وجوب لحیہ کے راجح ہونے کے باوجود ان کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:"**قال العلماء: كل متاول معذور بتاويله ليس بآثم إذا كان تاويله سائغا في لسان العرب وكان له وجه في العلم**" (فتح الباری:۱۲/۳۰۴)،اسی طرح علامہ ابن تیمیہ بھی تحریر فرماتے

ہیں:''**إن المتاول الذی قصد متابعة الرسول لایکفر، بل ولا یفسق إذا اجتهد فأخطأ**'' (منہاج السنۃ: ۲۳۹/۵)(مقالہ مولانا اسجد دیولا)۔

راقم الحروف کی بھی ناقص رائے یہی ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے، تاہم اگر کوئی شخص اپنی علمی تحقیق کی بنا پر داڑھی رکھنے کو ضروری قرار نہیں دیتا اور اس تعلق سے کوئی مناسب ومعقول تاویل کرتے ہوئے اپنا یہی موقف اختیار کرتا ہے تو اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا، علامہ خطابی اپنی کتاب ''معالم السنن'' میں حضرت حاطب ابن ابی بلتعہؓ کے واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:''**وفیه أنه إذا تعاطی شیئا من المحظور وادعی أمرا مما یحتمله التاویل کان القول قوله فی ذلک و إن کان غالب الظن بخلافه**'' (معالم السنن:۲ / ۲۷۴۔عمدۃ القاری:۱۳۶/۲۴)۔

لیکن وہ لوگ جو تحقیق وتاویل کی بنا پر نہیں؛ بلکہ دوسروں کی دیکھا دیکھی محض اپنے شوق کی تکمیل کے لئے ایسا کرتے ہیں وہ عمل فسق کے مرتکب قرار پائیں گے۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مفتی اقبال بن محمد ٹنکاروی ☆

جواب نمبر ا: فسق کی لغوی واصطلاحی تعریف:

لغوی تعریف: فسق کا لغوی معنی ہے کسی چیز سے نکلنا یا ارادہ کرنا، اور جب کھجور اپنے چھلکے سے علیحدہ ہوجائے تو عرب لوگ کہتے ہیں: ''**قد فسقت الرطبة من قشرها**'' یعنی کھجور اپنے چھلکے سے علیحدہ ہوگئی۔

اور فسق کا معنی ہے گناہ، اور کہا جاتا ہے: ''**فسق فلان فی الدنیا فسقا**''۔

اور کہا جاتا ہے کہ فسق خدا تعالیٰ کے حکم کو چھوڑنا اور اس کی نافرمانی کرنا ہے اور حق کے راستے سے ہٹ جانا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ''**وإنه لفسق**'' (سورۃ الأنعام:۱۲۱)، یعنی اطاعت سے نکل جانا۔

اور کہا جاتا ہے: **رجل فاسق و فسیق** یعنی ہمیشہ گناہ کرنے والا۔

اور کہا جاتا ہے: **فُوَیْسِقَة** چوہیا اور یہ فاسقہ کی تصغیر ہے؛ اس لئے کہ اس کا اپنے بل سے نکلنا لوگوں کی طرف اور فساد برپا کرنا (اس کا کام ہے)، اور تفسیق کا معنی عدل وانصاف کے برعکس ہے۔

(لسان العرب: باب القاف: فصل الفاء، تحفۃ الأریب بما فی القرآن من الغریب لِابن حیان الاندلسی: ص:۲۵۰، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ: باب القاف: فصل الفاء، فسق، ۴/ ۱۵۴۳، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر: کتاب الفاء، ۲/ ۴۷۳، ط: المکتبۃ العلمیۃ، بیروت)۔

فسق کے اصطلاحی معنی:

علماء نے اس کے بارے میں کئی اقوال بیان کئے ہیں:

علامہ زمخشری، علامہ نسفی اور علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

''فسق کے سابقہ لغوی معنی کا تقاضا ہے کہ اس کا اطلاق خدا تعالیٰ کی اطاعت سے ہٹ جانے پر کیا جائے، مگر عرف

☆ شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

شرعی اسے خاص کرتی ہے اس بات کے ساتھ کہ وہ کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے، یا کسی صغیرہ گناہ پر اصرار کر کے خدا کی اطاعت سے الگ ہو جائے۔

لہٰذا جس نے کسی کبیرہ گناہ کو نظر انداز کیا؛ خواہ وہ صرف ایک ہی کیوں نہ ہو، یا ایک ہی قسم کے چھوٹے گناہ پر اصرار کرے یا مختلف چھوٹے گناہوں پر اصرار کرے، اس نے گناہ کیا اور اس کی عدالت (گواہی) ساقط نا قابلِ اعتبار ہوگئی۔

"**الفسق إطلاقه على كل خروج عن طاعة الله تعالى، إلا أن العرف الشرعي خصصه بالخروج عن طاعة الله بارتكاب الكبيرة، أو الإصرار على الصغيرة**" (تفسیر الزمخشری الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل ۱/۱۱۹: سورۃ البقرۃ: الآیات ۲۶-۲۷، تفسیر النسفی اَی: مدارک التنزیل، وحقائق التأویل ۳/۳۵۱: الحجرات: ۶، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی ۱/۲۴۶: سورۃ البقرۃ: ۲۷)۔

"**فمن قارف كبيرة ولو واحدة، أو أصر على صغيرة من نوع واحد، أو على صغائر مختلفة، فسق وسقطت عدالته**" (المبسوط للسرخسی: کتاب الشہادات، باب من لا تجوز شہادتہ، ۱۶/۱۲۱، ط: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، فتح القدیر علی الہدایۃ: کتاب الشہادات، باب من تقبل شہادتہ ومن لا تقبل، ۷/۴۱۲، ط: دار الفکر، لبنان)۔

"**وهو في عرف الشرع خاص بمن هو مسلم صدرت منه كبيرة، أو واظب على صغيرة؛ وأصل الفسق الخروج ومن هذا سمي الخارج عن الطاعة فاسقا، ولخروجه عن حد الدين تعاطياً**" (الإحکام فی أصول الأحکام- الآمدی، ۱/۷۴، ط: المکتب الإسلامی، دمشق، بیروت، معالم السنن: کتاب المناسک، ۲/۱۸۵، ط: المطبعۃ العلمیۃ، حلب، المبسوط: للسرخسی کتاب الشہادات ۱۶/۱۳۴، ط: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)۔

ان تمام تعریفات سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ عام طور پر فسق کی اصطلاح یہ ہے کہ فسق کفر سے زیادہ عام ہے، اس وجہ سے کہ فسق، کفر اور جو گناہ اس سے کمتر ہے سب کو شامل ہے، لیکن اس کو خاص کیا ہے عرفِ عام میں گناہ کبیرہ کرنے والے کے ساتھ، اسی وجہ سے امام راغب الاصفہانی کہتے ہیں کہ کم اور زیادہ گناہوں کی وجہ سے (آدمی پر) فسق واقع ہو جاتا ہے، لیکن عرف عام میں زیادہ گناہ کرنے والے پر فسق کا فتویٰ لگایا جاتا ہے۔

"**وهو أعم من الكفر، والفسق يقع بالقليل من الذنوب وبالكثير، لكن تعورف فيما كان كثيرا، وأكثر ما يقال الفاسق لمن التزم حكم الشرع وأقر به، ثم أخل بجميع أحكامه أو ببعضه، وإذا قيل للكافر الأصلي: فاسق، فلأنه أخل بحكم ما ألزمه العقل واقتضته الفطرة، قال الله تعالى: ففسق عن أمر ربه**" (المفردات فی غریب القرآن للأصفہانی: کتاب الفاء، ص: ۶۳۶، ط: دار القلم، الدار الشامیۃ، دمشق، بیروت)۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ یہ تعریفیں اپنے مواد و مضمون کے اعتبار سے بہت ملتی جلتی ہیں، البتہ الفاظ میں تھوڑا سا فرق

ہے،لیکن ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے،اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ علماء کرام نے فسق کی جو تعریفیں بیان فرمائی ہیں، خواہ ان کے تاثرات میں اختلاف ہو،لیکن معنی ومفہوم ایک ہی ہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ فسق فرمانبرداری اور صحیح نقطۂ نظر سے ہٹ جانا ہے،اور شرافت،حیا،ایمان اور دیگر شریعت کے مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنا ہے،اور اس کا مفہوم ایک ہی ہے، اور وہ یہ ہے کہ ماموارت کو چھوڑ کر اور ممنوعات پر عمل پیرا ہوکر شریعت کے احکام سے روگردانی کرنا اور جو شخص ان اوصاف قبیحہ کے ساتھ متصف ہوتو وہ فاسق کہلائے گا،یعنی وہ اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کرکے،محرمات میں توسیع کا آلہ اپنا کر اس میں ملوث ہوتے ہوئے اور باری تعالی کے احکام کو چھوڑ کر خدا اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے خروج کرنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا ہے اور یہ حق سے انحراف اور اس سے منہ موڑنے کی علامتیں ہیں،اور ان اوصاف رذیلہ کے ساتھ اہل فسق وبدکار متصف ہوتے ہیں،جیسا کہ یہ بات بھی ہم پر واضح ہوجاتی ہے کہ بدکاری وفسق کے لغوی معنی شرعی معانی سے زیادہ دور نہیں ہیں (یعنی لغوی وشرعی معانی تھوڑے فرق کے ساتھ قریب قریب ہے)؛ کیونکہ یہ فسق وفجور اور گناہوں کے ارتکاب اور نیکی سے منہ موڑنے کا باعث بنتے ہیں۔فافہم۔

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ فسق کی تعریف متعین کی جاسکتی ہے،اس طرح کہ جو شخص گناہ کبیرہ یا باصرار گناہ صغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے جس پر قرآن وحدیث میں وعیدیں آئی ہیں،ایسے شخص پر فسق کا حکم لگایا جاتا ہے۔

جواب نمبر ۲:فسق فی العبادات:

عبادات میں فسق پر جو احکامات مرتب ہوتے ہیں وہ بے شمار ہیں،اس میں سے چند سپرد قرطاس ہیں جس سے اندازہ ہوجائے گا کہ فسق کی وجہ سے عبادات پر کیا اثراتِ قبیحہ مرتب ہوتے ہیں۔

۱-فاسق آدمی کی گواہی:

شاہد میں عدالت کے شرط ہونے پر اور فاسق کی گواہی قبول نہ کرنے پر فقہاء کا اتفاق ہے،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِّنكُم'' (سورۃ الطلاق:۲)(اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ ٹھہرالو)،اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:''يَـأَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَنُوا إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا'' (سورۃ الحجرات:۶)(اے ایمان والو!اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم تحقیق کرلیا کرو)،لہٰذا اس کے ذریعہ فیصلہ دینا جائز نہیں ہوگا،کیونکہ اس کے ذریعہ فیصلہ کرنے میں اس کو عادل قرار دینا ہے اور اس لئے بھی کہ گواہ میں عدالت کا اعتبار کرنا اللہ تعالیٰ کا ایک حق ہے (الموسوعۃ الفقہیہ:فسق،۳۲/۱۴۳)۔

۲-حدیث کی روایت میں فسق کا اثر:

جمہور ائمہ حدیث وفقہ کا مذہب ہے کہ جس شخص کی روایت سے استدلال کیا جائے گا اس کے لئے فسق سے محفوظ ہونا شرط ہے، اور زین الدین عراقی نے لکھا ہے کہ فاسق بدعتی جس کی بدعت کی وجہ سے تکفیر نہ کی جائے اگر وہ اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا ہو تو اس کی روایت قبول نہیں ہوگی، اور اگر دعوت دینے والا نہ ہو تو قبول کی جائے گی، اور یہی امام احمد کا مذہب ہے، جیسا کہ خطیب نے کہا ہے، اور ابن الصلاح نے کہا ہے کہ یہ کثیر اور اکثر لوگوں کا مذہب ہے، اور یہی معتدل اور اولی قول ہے (حوالہ سابقہ)۔

۳-حضانت میں فسق کا اثر:

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ کسی فاسق کو حضانت کا حق نہیں ہوگا، کیونکہ فاسق ذمہ دار نہیں ہوتا ہے، اور نہ اس پر اعتماد کیا جاتا ہے، اور اس لئے بھی کہ اس کی حضانت میں زیر پرورش بچہ کے لئے کوئی بھلائی نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اس کے طریقہ پر نشو ونما پائے گا، حنفیہ نے حضانت کو ساقط کرنے والے فسق کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ وہ بچے کو ضائع کرنے والا ہو (حوالہ سابقہ)۔

۴-فاسق کی خبر کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے:

فقہاء کرام نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ وقت کا آنا نماز کے صحیح ہونے کی شرط ہے، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مطابق:

"إِنَّ الصَّلوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبا مَّوْقُوتاً" (سورۃ النساء: الآیۃ: ۱۰۲)۔

بہر حال جب فاسق آدمی یہ خبر دے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے تو کیا اس کا قول قابل قبول ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں دو قول ہیں:

پہلا قول: دخول نماز کا وقت شروع ہونے پر فاسق کا قول قابل قبول نہیں ہے اور نہ اس میں اس کی تقلید جائز ہے، اور یہ قول مالکیہ اور حنابلہ کا ہے۔

دوسرا قول: سننے والے کی رائے پر ہے، اگر اس کی نظر میں اس کی سچائی کا پہلو غالب ہو تو وہ اس بات کو مان کر اس کے مطابق عمل کرے گا، اور اگر کذب کا پہلو غالب ہو تو اس کی خبر کو رد کر دے گا، اس کو قبول نہیں کرے گا، یہی احناف کا مسلک ہے۔

فتاویٰ شامی میں ہے: "**ولو فاسقا، أو مستورا يحكم رأيه في صدقه أو كذبه ويعمل به؛ لأن غالب الرأي بمنزلة اليقين**" (ردالمحتار: کتاب الصلاۃ، ۱/ ۳۷۰، ط: دار الفکر، بیروت)۔

۵- فاسق آدمی کا درست سمتِ قبلہ کی رہنمائی کرنا:

اس بات پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کی شرطوں میں سے ایک شرط سمت قبلہ کا درست ہونا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر فاسق آدمی کسی اجنبی شخص کو سمت قبلہ کی رہنمائی کرے تو کیا اسے قبول کیا جائے گا؟

اس سلسلہ میں علماء کے تین اقوال ہیں:

پہلا- فاسق آدمی کی درست قبلہ کی طرف کی گئی رہنمائی قبول نہیں کی جائے گی، یہ جمہور یعنی شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب ہے۔

دوسرا- سامع (اجنبی شخص) کی رائے پر دارومدار ہے، اگر اس کے نزدیک فاسق کی خبر میں صدق کا پہلو غالب ہو تو قبول کرے، ورنہ رد کردے، یہ حنفیہ کا مذہب ہے۔

تیسرا- درست سمت قبلہ کی طرف کی گئی فاسق کی رہنمائی قبول کی جائے گی، اور یہ شوافع کا ایک قول ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے تھے: "**وَالَّذِی یُوَضِّحُ مَا قُلْنَا أَنَّ الثَّابِتَ بِالنَّصِّ هُوَ التَّوَقُّفُ فِی خَبَرِ الْفَاسِقِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَى (فَتَبَيَّنُوا)**" (الحجرات:٦)، (المبسوط للسرخسی: کتاب الشہادات، باب من لا تجوز شہادتہ، ١٦/ ١٢٨، ط: دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)۔

٦- فاسق آدمی کے لئے سفر میں چار رکعت والی نماز میں قصر کی اجازت:

علماء کرام کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ فاسق آدمی کو بحالت سفر چار رکعت والی نماز میں قصر کی اجازت دی جائے گی یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:

پہلا قول: فاسق و گنہگار آدمی کے لئے سفر میں رخصت قصر سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، یہ مالکیہ کا قول مشہور اور شوافع و حنابلہ کا مذہب ہے۔

دوسرا قول: فاسق و گنہگار کے لئے بھی بحالت سفر رخصت قصر سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، یہ احناف کا مسلک ہے، اور امام مالک کی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، اکثر ظاہریہ کا بھی یہی قول ہے، اسی کو ابن تیمیہ نے بھی اختیار کیا ہے اور یہی اکثر علماء امصار سے مروی ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں: "**ویستوی فی المقدار المفروض علی المسافر من الصلاۃ سفر الطاعۃ من الحج والجہاد، وطلب العلم، وسفر المباح کسفر التجارۃ ونحوہ، وسفر المعصیۃ کقطع الطریق،**

والبغی وهذا عندنا.

وقال الشافعی: لا تثبت رخصة القصر فی سفر المعصیة (وجه) قوله: أن رخصة القصر تثبت تخفیفا أو نظرا علی المسافر، والجانی لا یستحق النظر والتخفیف (ولنا) أن ما ذکرنا من الدلائل لایوجب الفصل بین مسافر ومسافر فوجب العمل بعمومها وإطلاقها'' (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: کتاب الصلاۃ، فصل بیان مایصیر بہ المقیم مسافرا، ۱/ ۹۳، ط: دار الکتب العلمیۃ وغیرہا)۔

۷-نماز میں فاسق کی امامت:

فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، حنفیہ کی رائے ہے کہ فی الجملہ ہر عاقل مسلمان امامت کی صلاحیت رکھتا ہے، یہاں تک کہ غلام، اعرابی، نابینا، ولدالزنا اور فاسق کی امامت جائز ہے، اگرچہ مکروہ ہے۔

شافعیہ فاسق امام کے پیچھے نماز کو جائز قرار دیتے ہیں، البتہ اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، اور فاسق کی امامت کی کراہت کا محل غیر فاسق کے لئے ہے، لیکن اس جیسے شخص کے لئے مکروہ نہیں ہے، جب تک کہ امام کا فسق زیادہ بڑھا ہوا نہ ہو۔

یہی شوافع وظاہریہ کا بھی مذہب ہے، اور مالکیہ وحنابلہ کی ایک روایت اسی قول کے مطابق ہے، اور امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت کے مطابق فاسق آدمی کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے، اسی قول کو امام احمد کے اکثر شاگردوں نے اختیار کیا ہے اور یہی حنابلہ کا مذہب ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:''**وأما بیان من یصلح للإمامة فی الجملة فهو کل عاقل مسلم، حتی تجوز إمامة العبد، والأعرابی، والأعمی، وولد الزنا والفاسق، وهذا قول العامة، وقال مالک: لاتجوز الصلاة خلف الفاسق و(وجه) قوله أن الإمامة من باب الأمانة، والفاسق خائن، ولهذا لا شهادة له لکون الشهادة من باب الأمانة (ولنا) ما روی عن النبی ﷺ أنه قال: ''صلوا خلف من قال لا إله إلا الله''، وقوله ﷺ ''صلوا خلف کل بر وفاجر''، والحدیث. والله أعلم**'' (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع: کتاب الصلاۃ، فصل بیان من یصلح للإمامۃ فی الجملۃ، ۱/ ۱۵۶، ط: دار الکتب العلمیۃ وغیرہا)۔

۸-فاسق اور امامت کبری:

وہ شرائط جو امامت کبری کی ذمہ داری سنبھالنے والے کے لئے شرط ہیں، ان میں سے ایک عادل ہونا ہے، جمہور فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے کہ فاسق کے لئے عقد امامت کیا جائے، کیونکہ امام حدود کے قیام، حقوق کی وصول یابی، یتیم

اور مجنون کے مال کی حفاظت ان کے معاملات کو دیکھنے اور دوسرے امور کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، اور اس کے اندر جو فسق ہے وہ اسے ان امور کی ادائیگی اور ان کو انجام دینے سے روک دے گا۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ''**الحادی عشر: أن یکون عدلا، لأنه لا خلاف بین الأمة أنه لا یجوز أن تعقد الإمامة لفاسق، ویجب أن یکون من أفضلهم فی العلم، لقوله ﷺ: أئمتکم شفعاؤکم فانظروا بمن تستشفعون ..... وذلک أن الإمام إنما نصب لدفع العدو وحمایة البیضة وسد الخلل واستخراج الحقوق وإقامة الحدود وجبایة الأموال لبیت المال وقسمتها علی أهلها**'' (الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: تفسیر سورۃ البقرۃ: ۳۰، ۱/ ۲۷۱، ط: دار الکتب المصریۃ، القاہرۃ)۔

۹- والی کو معزول کرنے میں فسق کا اثر:

والی کی ولایت کے منعقد ہونے کے بعد اس کو معزول کرنے میں فسق کے اثر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے:

حنفیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے کہ وہ فسق کی وجہ سے معزول نہیں ہوگا، لیکن اس کی وجہ سے وہ معزول کئے جانے کا مستحق ہوجائے گا، شافعیہ وحنابلہ نے اس فسق میں جس کی وجہ سے معزول کیا جائے گا اور اس فسق میں جس کی وجہ سے معزول نہیں کیا جائے گا تفصیل کی ہے:

''**اختلف الفقهاء فی أثر الفسق فی عزل الوالی بعد انعقاد ولایته: فذهب الحنفیة والمالکیة إلی أنه لا ینعزل بالفسق، ولکنه یستحق العزل به، وفصل الشافعیة والحنابلة فی الفسق الذی یعزل به والفسق الذی لا یعزل به**'' (الموسوعۃ الفقہیہ: فسق، ۳۲/ ۱۴۵)۔

۱۰- فاسق کی غیبت کا حکم:

فسق فی المعاملات:

جہاں تک فسق فی المعاملات کا تعلق ہے تو امام جصاص نے اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں صراحت کی ہے کہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ چند چیزوں میں فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز ہے، ان میں سے معاملات کے امور ہیں، پس ان میں فاسق کی خبر قبول کی جائے گی، اور یہ جیسے ہدیہ ہے، جب وہ تم سے کہے: فلاں نے تمہیں یہ چیز ہدیہ کے طور پر دی ہے تو اس کو قبول کرنا اور اس پر قبضہ کرنا جائز ہوگا، اور جیسے اس کا قول: فلاں شخص نے مجھے اس چیز کے فروخت کرنے کے لئے وکیل

بنایا ہے،تو اس کا قبول کرنا اور اس چیز کو اس سے خریدنا جائز ہوگا،اور اسی طرح معاملات کی تمام خبریں ہیں۔

امام جصاص فرماتے ہیں:"**واتفق أهل العلم على جواز قبول خبر الفاسق فى أشياء، فمنها: أمور المعاملات يقبل فيها خبر الفاسق، وذلك نحو الهدية إذا قال: "إن فلانا أهدى إليك هذا" يجوز له قبوله وقبضه، ونحو قوله: "وكلنى فلان ببيع عبده هذا" فيجوز شراؤه منه، ونحو الإذن فى الدخول إذا قال له قائل: "ادخل" لا تعتبر فيه العدالة، وكذلك جميع أخبار المعاملات**" (أحكام القرآن للجصاص: سورۃ النور، باب حکم خبر الفاسق، ۳/ ۵۳۰، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)۔

علامہ قرطبی نے اس کی صراحت اپنے اس قول سے کی ہے:"اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دوسرے شخص کی طرف سے کسی قول یا کسی چیز کو پہنچانے یا اجازت کی اطلاع دینے میں، جبکہ وہ مرسل اور مبلغ کے حق سے نہ نکلے تو اس کا پیغامبر ہونا صحیح ہوگا اور پھر اگر اس کے ساتھ ان دونوں کے علاوہ کسی شخص کا حق متعلق ہو جائے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، اور یہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے جائز ہے، اس لئے کہ اگر ان معاملات میں مخلوق کے مابین اگر عادل اشخاص ہی تصرف کریں تو ان میں سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان معاملات میں ایسے لوگ معدوم ہیں اور مراد ان کا کم ہونا ہے" (الجامع لأحکام القرآن: تفسیر سورۃ الحجرات، آیۃ: ۶، ج: ۱۶، ص: ۳۱۳، ط: دار الکتب المصریۃ، القاہرۃ)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ فسق کے عبادات پر بڑے برے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اگرچہ بعض مسائل میں عند الاحناف جواز ثابت ہوتا ہے، مگر دیگر ائمہ اسے بھی عدم جواز پر محمول کرتے ہیں، خلاصہ یہ ہوا کہ مجموعی طور پر عبادات میں فسق پر بڑے برے نتائج مرتب ہوتے ہیں، جہاں تک معاملات کی بات ہے تو علماء وفقہاء نے موجودہ دینی انحطاط کے پیش نظر اس میں گنجائش رکھی ہے۔

جواب نمبر: ۳

واضح رہے کہ داڑھی منڈانا کبیرہ گناہ ہے، اور کبیرہ گناہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے، نیز داڑھی منڈوانا ایسا جرم ہے کہ اس کی حرمت پر ساری امت کا اجماع ہے، امت کا ایک فرد بھی اس قبیح فعل کے جواز کا قائل نہیں ہے۔

سنن ابو داود کے شارح صاحب المنہل العذب المورود علامہ سبکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ داڑھی کا منڈانا سب ائمہ مجتہدین امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام ہے۔

"**كان حلق اللحية محرّماً عند ائمة المسلمين المجتهدين أبى حنيفة، ومالك، والشافعى، وأحمد وغيرهم –رحمهم الله تعالى**" (المنہل العذب المورود، کتاب الطہارۃ، أقوال العلماء فی حلق اللحیۃ واتفاقہم علی حرمتہ: ۱/ ۱۸۶،

ط: موسسۃ التاریخ العربی، بیروت، لبنان)۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ بوادر النوادر میں لکھتے ہیں: ''**وقال العلائی فی کتاب الصوم قبیل فصل العوارض إن الأخذ من اللحیة وهی دون القبضة کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم یبحه أحد وأخذ کلها فعل یهود والهنود ومجوس الأعاجم اهـ فحیث أدمن علی فعل هذا المحرم یفسق وإن لم یکن ممن یستخفونه ولا یعدونه قادحا للعدالة والمروئة**'' (العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: کتاب الشھادۃ: ۱/ ۳۲۹، ط: دار المعرفۃ)۔

''**قلت(الأحقر): قوله: لم یبحه أحد نصٌّ فی الإجماع، فقط**'' (بوادر النوادر: پچپنواں نادرہ در اجماع بر حرمت اخذ لحیہ دون القبضہ، ص: ۴۴۳، ط: ادارۂ اسلامیات، لاہور)۔

علامہ علائی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کے آخر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''علامہ حصکفی رحمہ اللہ کا قول: ''**لَمْ یُبِحْه أحدٌ**'' داڑھی منڈانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے''۔

ڈاڑھی کے شرعی حکم سے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے افادات میں ہے:

''داڑھی قبضہ (ایک مشت) سے کم کرانا حرام ہے، بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے؛ اس لیے اس کے اعلانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دینِ اسلام کی کھلی توہین ہے اور اعلانیہ گناہ کرنے والے معافی کے لائق نہیں، اور ڈاڑھی کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے، حتی کے نماز وغیرہ عبادات میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہے'' (ڈاڑھی منڈانا کبیرہ گناہ اور اس کا مذاق اڑانا کفر ہے: ص: ۱۰، ط: مکتبہ حکیم الامت)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ جو شخص بلا عذر داڑھی منڈوائے، خاص کر جب کہ اس کی عادت بنالے، تو بہت سے اہل علم حضرات کے نزدیک عام حالات میں اس کی گواہی بھی معتبر نہیں، کیوں کہ بلا عذر ڈاڑھی منڈانے کا عمل باعثِ فسق ہے۔

فقہاء کرام کے نزدیک شہادت کے اعتبار سے عدالت سے مراد کبائر سے اجتناب اور صغائر پر عدم اصرار، اور مروءت کا ہونا ہے، اور مروئت سے مراد ایسی خصلتوں سے بچنا ہے جو عرف میں سنجیدگی، وقار، حیاء وغیرت اور شرافت کے خلاف اور رذیل اور کمینی و چھچھورے پن کی علامت سمجھی جاتی ہوں۔

جن حضرات کے نزدیک ڈاڑھی رکھنا واجب اور اس کی خلاف ورزی تغییر خلق اللہ، اور تشبہ بالنساء والمخنثین وغیرہ کی وجہ سے گناہ ہے، ان کے نزدیک تو ڈاڑھی منڈانا کبیرہ گناہ میں داخل ہے، اور جن حضرات کے نزدیک کبیرہ گناہ میں داخل نہیں، ان کے نزدیک اس پر اصرار کی وجہ سے کبیرہ میں داخل ہوگی، واللہ تعالیٰ اعلم۔

البتہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے تنقیح میں ڈاڑھی منڈانے میں عرف کے مختلف ہونے کے اعتبار سے خلاف مروءت ہونے نہ ہونے پر کلام کرتے ہوئے اس پر اصرار کو باعث فسق قرار دیا ہے۔

"**وحالق اللحية – مثلاً – ليس بعدل إذا استمر على ذلک**" (الشرح الممتع علی زاد المستقنع، ۱۱/ ۱۰۷، کتاب الوقف، باب الہبۃ والعطیۃ، ط: دار ابن الجوزی)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہے:"**المروئة فی اللغة: آداب نفسانية تحمل مراعاتها الإنسان على الوقوف عند محاسن الأخلاق وجميل العادات، يقال: مروٴ الرجل فهو مريء: أی ذو مروئة۔**

وفی الاصطلاح عرفها الفقهاء بتعاريف متقاربة ضابطها: الاستقامة، قال القليوبی: إنها صفة تمنع صاحبها عن ارتكاب الخصال الرذيلة۔

وقال الشربينی الخطيب: وأحسن ما قيل فی تفسير المروئة أنها تخلق المرء بخلق أمثاله من أبناء عصره ممن يراعی مناهج الشرع وآدابه فی زمانه ومكانه" (حرف المیم ۳۷/ ۳۳)۔

درمختار مع ردالمحتار میں ہے: "(و) من (مرتكب صغيرة) بلا إصرار (إن اجتنب الكبائر) كلها وغلب صوابه على صغائره درر وغيرها قال: وهو معنى العدالة، وفی الخلاصة: كل فعل يرفض المروئة والكرم كبيرة، وأقره ابن الكمال، قال: ومتى ارتكب كبيرة سقطت عدالته" (کتاب الشہادات: باب من یجب قبول شہادتہ علی القاضی، ۵/ ۴۷۳، طبع: دار الفکر، بیروت)۔

ردالمحتار میں ہے:"(قوله: خبر عدل) العدالة ملكة تحمل على ملازمة التقوى، والمروئة: الشرط أدناها وهو ترک الكبائر والإصرار على الصغائر وما يخل بالمروئة ويلزم أن يكون مسلما عاقلا بالغا" (کتاب الصوم: سبب صوم رمضان، ۲/ ۳۸۵، ط: دار الفکر، بیروت)۔

فتاویٰ حامدیہ میں ہے:"(سئل) فی شهادة محلوق اللحية هل تقبل أم لا؟

(الجواب): لم أجد نقلا صريحا فی المسألة مع ضيق الوقت وكثرة الأشغال فإن كان حلق اللحية يخل بالمروئة يمنع القبول وإلا فلا قال فی المنح ما يخل بالمروئة يمنع قبولها والمروئة أن لايأتی الإنسان بما يعتذر منه مما يبخسه عن مرتبته عند أهل الفضل اهـ ومثله فی البحر قال فی غاية البيان قال محمد وعندی المروئة الدين والصلاح اهـ۔

أقول ظاهر كلام المؤلف يفيد عدم جزمه بكون ذلک الفعل مخلا بالمروئة وفی البحر عن

ابن وهبان فی مسألة الخروج إلی قدوم الأمیر أنه ینبغی أن یکون ذلک علی ما اعتاده أهل البلد فإن کان من عادة أهل البلد أنهم یفعلون ذلک ولا ینکرونه ولا یستخفونه فینبغی أن لا یقدح اهـ فعلی هذا فإن کان ممن یعتادون الحلق ولا یعدونه رذیلة بینهم لا یخل بمروئته فتقبل شهادته، لکن قد یقال إن الإدمان علی الصغیرة مفسق کما فی البحر وقد ذکر العلائی فی الدر المختار من الحظر والإباحة عن المجتبی والبزازیة إذا قطعت شعر رأسها أثمت ولعنت وإن بإذن الزوج؛ لأنه لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق ولذا یحرم للرجل قطع لحیته والمعنی المؤثر التشبه بالرجال اهـ" (العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ: کتاب الشہادۃ، ۱/۳۲۹، ط: دار المعرفۃ)۔

اس بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ عدالت صحت شہادت کے لیے شرط ہے، یا قبولیت شہادت کے لئے شرط ہے؟ حنفیہ کے نزدیک راجح قبولیت شہادت کے لیے شرط ہونا ہے۔

بعض متاخرین نے فرمایا کہ جب عادل گواہوں کا ملنا دشوار ہو، اور فاسق کی گواہی رد کرنے سے دوسرے کی حق تلفی لازم آتی ہو، اور قاضی کو گواہ کے سچا ہونے کا غالب گمان ہو، تو پھر فاسق کی گواہی پر فیصلہ کرنے میں گناہ بھی نہیں۔

ردالمحتار میں ہے: **قلت: قدمنا آنفا عن البحر أن ظاهر النص أنه لا یحل قبول شهادة الفاسق قبل تعرف حاله فإذا ظهر للقاضی من حاله الصدق، وقبله یکون موافقا للنص إلا أن یرید بالنص قوله تعالی "وأشهدوا ذوی عدل منکم" (الطلاق:۲)، لکن فیه أن دلالته علی عدم قبول العدل إنما هی بالمفهوم وهو غیر معتبر عندنا ولا سیما هو مفهوم لقب مع أن الآیة الأولی تدل علی قبول قوله عند التبین عن حاله کما قلنا تأمل**" (کتاب القضاء: ۵/۳۵۶، ط: دار الفکر، بیروت)۔

"(قوله بشهادة فاسق نفذ) قال فی جامع الفتاوی: وأما شهادة الفاسق، فإن تحری القاضی الصدق فی شهادته تقبل وإلا فلا اهـ فتامل: وفی الفتاوی القاعدیة: هذا إذا غلب علی ظنه صدقه وهو مما یحفظ درر أول کتاب القضاء، وظاهر قوله وهو مما یحفظ اعتماده اهـ" (کتاب الشہادات: ۵/۴۶۶، ط: دار الفکر، بیروت)۔

محیط برہانی میں ہے: **"وعلی ظاهر روایة أصحابنا العدالة شرط الأولویة، وهو اختیار عامة مشایخنا، حتی أن الأولی أن لا یقلد الفاسق، ومع هذا لو قلد یصر قاضیا، اعتبارا للقضاء بالشهادة، فإن الأولی أن لاتقبل شهادة الفاسق، ومع هذا لو قبلت وقضی بها نفذ القضاء"** (المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی: کتاب القضاء، الفصل الأول: فی بیان من یجوز لہ تقلید القضاء منہ، ۸/۵، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)۔

بہر حال داڑھی منڈانا یا کتروانا گناہ کبیرہ اور فسق و فجور ہے اور فاسق و فاجر شخص کی گواہی معتبر نہیں ہوتی ہے، لہٰذا داڑھی منڈانے یا کتروانے والے شخص کی گواہی بھی معتبر نہیں ہے، البتہ چونکہ موجودہ معاشرہ دینی انحطاط کا شکار ہے، لہٰذا اگر کوئی داڑھی والا گواہ موجود نہ ہو اور کسی کی حق تلفی کا اندیشہ ہو، تو ایسے داڑھی منڈانے یا کتروانے والے شخص کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، جو معتبر ہو اور جس کے سچا ہونے پر قاضی کو اعتماد ہو۔

جیسا کہ علامہ قدوری فرماتے ہیں: ''**ویقبل فی المعاملات قول الفاسق، ولا یقبل فی أخبار الدیانات إلا قول العدل**'' (مختصر القدوری فی الفقہ الحنفی: کتاب الحظر والإباحۃ، ص: ۲۴۰، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

معلوم ہوا کہ معاملات کثرت سے ہوتے رہتے ہیں اور ہر وقت دیانت دار اور عادل آدمی نہیں ملتا، اس لئے معاملات میں فاسق کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، جیسے بیع وشراء میں فاسق کی گواہی قبول کی جائے گی، تاہم عادل کی گواہی زیادہ بہتر ہے۔

اسی بات کو حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے بڑے اچھے اسلوب میں بیان فرمائی ہے:

''**عادل ہونے کی شرط:** گواہ کے لیے شرط ہے کہ وہ عادل ہو، فاسق نہ ہو اور عادل وہ مسلمان ہوتا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو، مگر باتفاق فقہاء اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی شہادت کو قبول کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا قاضی پر واجب نہیں، لیکن اگر قاضی کو قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، اس بنا پر وہ فاسق کی شہادت پر کوئی فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ صحیح اور نافذ ہے، اس زمانے میں جب کہ فسق کی بہت سی صورتیں مثلاً: داڑھی مونڈنا وغیرہ ایسی عام ہوگئی ہیں کہ اگر ان کی وجہ سے شہادت کو مطلقاً رد کر دیا جائے تو بہت سے معاملات کا ثبوت کسی طرح نہ ہو سکے گا، فاسق کے بارے میں اس قول کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے'' (تسہیلِ بہشتی زیور: کتاب الشہادہ، ۱/ ۲۱۲، ط: کتاب گھر، ناظم آباد، کراچی)۔

نیز ایک اور جگہ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی فرماتے ہیں: '' داڑھی منڈانے والوں کی شہادت چاند میں معتبر ہے یا نہیں ہے؟

واقعہ: ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر کچھ لوگ داڑھی منڈاتے ہوں اور وہ چاند کی شہادت دیں تو ان کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟

ارشاد: یہ مفتی کی رائے پر ہے، اگر اس کو قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے تو معتبر ہے، ان کی خبر فی نفسہ معتبر نہیں، اگر تحری منضم ہو جائے تو معتبر ہے، اسی درمیان میں ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا داڑھی منڈنا گناہ کبیرہ ہے؟

اس پر فرمایا: نہیں، ہاں اگر دوام ہو گیا تو گناہ میں شدت بڑھ جائے گی'' (ملفوظات حکیم الامت: ۹/ ۲۹۰، ط: ادارۂ تالیفات اشرفیہ، ملتان)۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ رؤیت ہلال اور اختلافی معاملات میں با شرع اور متقی و پرہیزگار لوگوں کی غیر موجودگی میں ڈاڑھی منڈانے والوں کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔

جواب نمبر: ۴

مساجد اسلام کے شعائر میں سے ہیں جو آدمی اسلامی شعائر کا محافظ، شریعت کا پابند ہو، جس کے دل میں خدا کے خوف اور محبت نے گھر کر لیا ہو وہی اس کا متولی و ذمہ دار بن سکتا ہے، جو شعائر اسلام کا محافظ نہ ہو، شریعت کا پابند نہ ہو، فاسق ہو، یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والا ہو، وہ اللہ کے گھر کا متولی و ذمہ دار نہیں بن سکتا، فاسق شخص کو مسجد کا متولی و ذمہ دار بنانے میں مسجد، شعائر دین، امام اور مؤذن کی نیز مصلیوں کی بھی توہین وتحقیر لازم آتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''**إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ**'' (سورۂ توبہ: آیت: ۱۸)۔

(بے شک مسجد کو آباد کرنے کا کام ان پاک لوگوں کا ہے جو خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے، نماز کی پابندی کرے، زکوٰۃ ادا کرے اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرے)۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں: '' قرآن کریم میں یہ حقیقت بھی واضح کر دی گئی ہے کہ خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہنچتا ہے، اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں، یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق و فاجر آدمی مسجد کا متولی نہیں ہو سکتا، کیونکہ دونوں (خانہ خدا اور فاسق و فاجر) میں کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی، بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں، وہ یہ کہ مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور فاسق و فاجر متولی خدا پرستی سے نفور (یعنی) بھاگنے والا ہے'' (تفسیر ترجمان القرآن: سورہ توبہ، ۳/ ۲۴۵، ط: ساہتیہ اکیڈمی، نئی دلی)۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے: ''**لا يجوز تولية الفاسق مع إمكان تولية البر، والله أعلم**'' (مجموع الفتاوی: الفقہ: ۳: تابع الصلاۃ، باب الإمامۃ، ۲۳/ ۳۴۱، ط: مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف- المدینۃ المنورۃ، السعودیۃ)۔

(نیک دیندار پرہیزگار متولی ملنے کے باوجود فاسق (غیر پابند شرع) کو متولی بنانا درست نہیں)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اولاً تو کسی فاسق آدمی کو ذمہ دار نہ بنایا جائے، بلکہ ذمہ دار و متولی بنانے میں مذکورہ باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اس لئے ایسے شخص کو ذمہ دار بنانے کی کوشش کرنی چاہیئے جو دینی علم رکھتا ہو، وقف کی احکام سے واقف ہو،

امانتدار ہو، پابند شرع ہو، تارک فرائض نہ ہو، فسق و فجور میں مبتلا نہ ہو متقی پرہیز گار ہو یعنی اس کی زندگی پیغمبر ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ہو۔

ثانیا: اگر کسی وجہ سے مسجد کا متولی فاسق و گنہگار بن بیٹھا ہے یا پہلے تو متقی و پرہیز گار تھا، بعد میں شیطان کے بہکاوے میں آ کر نعوذ باللہ فاسق و گنہگار بن گیا تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی بات مانی جائے گی یا نہیں؟

اس کا آسان ترین حل یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی کے علاوہ کسی بھی چیز میں اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے، چاہے وہ گناہ گار ہی کیوں نہ ہو۔

اس کی طرف قرآن، سنت اور اجماع سے اشارہ ملتا ہے، جہاں تک کتاب پاک کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا" (النساء:۵۹)۔

(اے ایمان والوں تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے جو اولو الامر ہیں ان کی اطاعت کرو اور اگر تمہارے درمیان کسی معاملات میں اختلاف اور نزاع واقع ہو جائے تو تم اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو یہی سب سے عمدہ اور بہترین تاویل ہے)۔

یہ (اولوالامر) ایک عام اصطلاح ہے جس میں فاسق و غیر فاسق سب شامل ہیں۔

اس آیت کریمہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کوئی مطلق اطاعت کا اہل نہیں ہے، جہاں تک کہ مسلمان حکمران، ذمہ دار، ناظم، امیر، اور متولی کی اطاعت کا تعلق ہے تو یہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ماتحت ہے، اگر وہ نافرمانی کا حکم دیتے ہیں تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور اگر جھگڑا ہو جائے تو معاملہ قرآن وسنت کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

شیخ شنقیطی فرماتے ہیں: "یہاں فعل کی نسبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف مکرر ہے، جب کہ اولی الامر کی طرف مکرر نہیں ہے، کیونکہ ان کی اطاعت کا دارومدار مستقلاً نہیں ہے، بلکہ خدا کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر منحصر ہے۔

اس بارے میں جامع اصول نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے: وَقَالَ: "لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ" (بخاری شریف: کتاب الاحکام، باب السمع والطاعۃ للإمام مالم تکن معصیۃ، رقم الحدیث: ۷۱۴۵، مسلم: کتاب الإمارۃ، باب وجوب طاعۃ الأمراء فی غیر معصیۃ، رقم الحدیث: ۱۸۴۰)۔

(اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اطاعت نہیں ہے، اطاعت صرف معروف چیزوں میں ہے)۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ''اور آپ ﷺ کا فرمان: اطاعت صرف اس چیز میں ہے جو اچھی ہے، یہ حد بندی کے لیے ہے، گویا فرمایا: اطاعت صرف نیکیوں میں ہے، یہاں نیکی سے مراد وہ چیز ہے جو نہ منکر ہو اور نہ ہی نافرمانی، اس لیے اس میں واجب اطاعت، مستحب عمل، اور وہ امور شامل ہیں جو اسلامی قانون کے مطابق جائز ہیں'' (المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم: کتاب الإمارۃ والبیعۃ، باب إنما الطاعۃ مالم یأمر بمعصیۃ، ۴/۴۱، ط: دار ابن کثیر، دمشق، بیروت، دار الکلم الطیب، دمشق، بیروت)۔

خلاصۂ بحث یہ ہوا کہ اولاً عادل، متقی پرہیز گار آدمی کو ذمہ دار بنایا جائے، پھر اگر ذمہ دار فاسق آدمی ہے یا بعد میں نعوذ باللہ فاسق ہو گیا تو اسے اس عہدے سے برطرف کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے، ثانیاً اگر برطرف کرنے پر قدرت نہیں ہے تو اگر وہ معروف چیزوں کا حکم دیتا ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا، لیکن اگر وہ شریعت کے خلاف کسی منکر و معصیت کا حکم دے (یعنی جس میں مساجد و اوقاف کے لئے نقصان ہو، خدام مدارس، امام و مؤذن کی توہین و ذلتی اور حق تلفی ہو رہی ہو اور عوام الناس کے لئے بھی ضرر رساں ہو وغیرہ وغیرہ) ایسی تمام خلاف شرع چیزوں میں اس کا حکم واجب الاطاعت نہیں ہے۔

الدر المختار و حاشیہ ابن عابدین میں ہے: ''جب متولی میں شرعی اعذار اور قباحتیں پیدا ہو جائیں تو اسے عہدہ سے برطرف کر دیا جائے، جیسے کہ وہ غیر مامون ہو، عاجز ہو، فاسق ہو، فاجر ہو یا اسے شراب نوشی کی عادت ہو گئی ہو تو اسے تولیت سے ہٹا دینا ضروری ہے'' (اسلام کا نظام مساجد: ص: ۲۲۴، ۲۲۵، ط: دار الاشاعت، کراچی)۔

"مطلب فی شروط المتولی: (قوله: غير مأمون إلخ) قال فی الإسعاف: ولايولی إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز؛ لأن المقصود لايحصل به" (کتاب الوقف: مطلب فی الوقف إذا خرب ولم یمکن عمارتہ، ۴/۳۸۰، ط: دار الفکر، بیروت)۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیۃ میں ہے: **"اتفق العلماء على أن من شروط أصحاب الولايات العامة – كالإمام الأعظم الخليفة وأمراء الولايات والقضاة وغيرهم – العدالة، وألا يكونوا من أصحاب الأهواء والبدع، وذلك لتكون العدالة وازعة عن التقصير فی جلب المصالح ودرء المفاسد؛ وحتى لا يخرجه الهوى من الحق إلى الباطل، وقد ورد: حبك الشيء يعمي ويصم .ولكن ولاية المتغلب على الإمامة أو غيرها من الولايات تنعقد، وتجب طاعته فيما يجوز من أمره ونهيه وقضائه باتفاق الفقهاء، وإن كان من أهل البدع .والأهواء، ما لم يكفر ببدعته؛ درئا للفتنة، وصونا لشمل المسلمين، واحتفاظا بوحدة الكلمة"** (بدعۃ: ۸/۷۳)۔

جواب نمبر-۵

جاننا چاہئے کہ فسق کی دو قسمیں ہیں:

(۱)اعتقادی، (۲)عملی۔

یہاں ہمارا موضوع بحث فسق اعتقادی ہے،فسق اعتقادی کا تعلق بدعات سے ہے۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں: فسق کی دو قسمیں ہیں: (۱)ایک عمل کے لحاظ سے ہے،(۲)دوسری عقیدہ کے لحاظ سے اور وہ عقیدۂ بدعت ہے۔

"**فالفسوق نوعان: أحدهما، من حيث الأفعال .والثانی، من جهة الاعتقاد، وهو اعتقاد البدعة**" (المغنی لابن قدامۃ: کتاب الشہادات، ۱۴/ ۱۴۸، ط: دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع، الریاض-المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)۔

ابن قیم جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اعتقادی فسق جیسے کہ اہل بدعت کا فسق جو خدا اور اس کے رسول ﷺ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حرام جانتے ہیں اور جس چیز کو خدا نے واجب کیا ہے اس کو واجب گردانتے ہیں،لیکن خدا اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت شدہ بہت سی چیزوں کا انکار کرتے ہیں،محض جہالت اور تاویل کی وجہ سے،اور بزرگوں کی تقلید میں،اور وہ (دین اسلام میں) اس بات کو شامل کرتے ہیں جو خدا اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت نہیں ہے'' (مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین: فصل فی منازل إیاک نعبد، فصل منزلۃ التوبۃ، فصل فی أجناس مایتاب منہ، فصل الفسوق، ۱/ ۳۶۹، ط: دار الکتاب العربی، بیروت)۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فسق اعتقادی سے بدعت مراد ہے،اب اس میں علماء نے تفصیلی کلام کیا ہے،اس لئے اب بدعت کے معنی اور اس کی قسمیں بیان کی جارہی ہیں:

لغوی طور پر لفظ **بدعة، بدع الشی یبدعه بدعا** اور **ابتدعه** سے بنا ہے، جب اس کو ایجاد کرے اور شروع کرے۔

البدع وہ چیز جو اول (پہلی) ہو،اس سے ارشاد ربانی ہے:"**قل مَا كُنتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ**" (سورۃ الأحقاف:۹)۔

(آپ کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں کوئی انوکھا تو ہوں نہیں)،یعنی میں لوگوں کی طرف بھیجا ہوا پہلا رسول نہیں ہوں، بلکہ پہلے بھی بہت سے رسول آچکے ہیں،لہذا میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوں جس کی کوئی نظیر نہ ہو کہ تم مجھے اجنبی سمجھو۔

البدعة: نئی چیز،اور دین مکمل ہونے کے بعد جو چیز اس میں ایجاد کی جائے۔

لسان العرب میں ہے: ''مبتدع وہ شخص ہے جو کسی کام کو اس انداز سے کرے کہ اس طرح پہلے وہ کام نہیں کیا گیا، بلکہ اس نے اس کا آغاز کیا ہے''۔

أبدع، ابتدع اور تبدع کا معنی ہے: نئی چیز لانا، اس معنی میں ارشاد ربانی ہے: '' **وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللهِ**'' (سورۃ الحدید: ۲۷)۔

(اور رہبانیت کو انہوں نے خود ایجاد کر لیا، ہم نے ان پر واجب نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے اللہ کی رضامندی کی خاطر اسے اختیار کر لیا تھا) اور بدعۃ، اس کو بدعت کی طرف منسوب کیا، اور البدیع، انوکھی نئی چیز، اور ابدعت الشیء، میں نے اس کو بغیر کسی (سابقہ) مثال کے ایجاد کیا، اور البدیع اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے، اور اس کا معنی ہے: المبدع، (نئی چیزیں پیدا کرنے والا)، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ چیزوں کو پیدا کرتے اور ان کو وجود میں لاتے ہیں'' (لسان العرب: فصل الباء، ۶/۸، ط: دار صادر، بیروت، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ: ۳/ ۱۱۸۳، ط: دار العلم للملایین، بیروت)۔

اصطلاح میں بدعت کی تعریفیں الگ الگ اور کئی ایک ہیں، اس لئے کہ اس کے مفہوم ومراد کے سلسلہ میں علماء کی رائیں مختلف ہیں، بعض علماء نے اس کے مفہوم کو وسعت دی ہے، یہاں تک کہ ہر نئی چیز پر اس کا اطلاق کیا ہے، اور بعض نے اس کی مراد کو محدود رکھا ہے، چنانچہ اس کے ذیل میں درج احکام مختصر ہو گئے (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۸/ ۲۱)۔

ہم اختصارا اس کو دو نقطہ نظر میں بیان کرتے ہیں:

پہلا نقطۂ نظر:

پہلے نقطۂ نظر والے علماء بدعت کا اطلاق ہر ایسی نئی چیز پر کرتے ہیں جو کتاب وسنت میں نہیں ملتی ہو، خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا عادات سے، اور خواہ وہ مذموم ہو یا غیر مذموم۔

اس کے قائلین میں امام شافعی اور ان کے متبعین میں عز بن عبد السلام، نووی اور ابو شامہ ہیں، مالکیہ میں سے قرافی اور زرقانی ہیں، حنفیہ میں سے ابن عابدین، اور حنابلہ میں سے ابن الجوزی، اور ظاہریہ میں سے ابن حزم ہیں۔

یہ نقطہ نظر عز بن عبد السلام کی بدعت کی تعریف میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ یوں ہے: بدعت نام ہے ایسے کام کے کرنے کا جس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ ہو، اور اس کی کئی قسمیں ہیں: بدعت واجبہ، حرام بدعت، مستحب بدعت، مکروہ بدعت، جائز بدعت۔

''**البدعة فعل ما لم يعهد في عصر رسول الله ﷺ. وهي منقسمة إلى: بدعة واجبة، وبدعة**

محرمة، وبدعة مندوبة، وبدعة مكروهة، وبدعة مباحة" (قواعدالأحکام فی مصالح الأنام للعز بن عبدالسلام: فصل فی البدع، ۲/ ۲۰۴، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، حاشیۃ ردالمحتار: کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ۱/ ۵۶۰، ط: دار الفکر، بیروت، تہذیب الأسماء واللغات: القسم الثانی، حرف الباء، ۳/ ۲۲، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ۸/ ۲۲)۔

دوسرا نقطۂ نظر:

علماء کی ایک جماعت بدعت کے مذموم ہونے کی رائے رکھتی ہے، انہوں نے ثابت کیا کہ تمام تر بدعت گمراہی ہے، خواہ وہ عادات سے متعلق ہو یا عبادات سے، اس کے قائلین میں امام مالک، شاطبی اور طرطوشی ہیں، حنفیہ میں سے امام شمنی اور عینی، اور شافعیہ میں سے بیہقی، ابن حجر عسقلانی، ابن حجر ہیثمی، اور حنابلہ میں سے ابن رجب اور ابن تیمیہ ہیں۔

اس نقطہ نظر کی تشریح کرنے والی سب سے واضح تعریف شاطبی نے کی ہے، انہوں نے بدعت کی دو تعریف کی ہے:

پہلی تعریف: یہ دین میں ایجاد کردہ ایسا طریقہ ہے جو شریعت کے مشابہ ہو جس پر چلنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مبالغہ کرنا ہو، اس تعریف نے بدعت میں عادات کو داخل نہیں کیا ہے، بلکہ اس کو دنیاوی امور میں نئی ایجاد کے برخلاف عبادات کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔

دوسری تعریف: یہ دین میں ایجاد کردہ ایسا طریقہ ہے جو شریعت کے مشابہ ہو جس پر چلنے کا مقصد وہی ہو جو شرعی طریقہ کا ہے، اس تعریف سے عادات بھی بدعت میں داخل ہو جاتی ہیں، جب کہ وہ شریعت کے مشابہ ہوں، جیسا کہ کوئی نذر مانے کہ وہ کھڑے ہو کر روزہ رکھے گا بیٹھے گا نہیں، دھوپ میں رہے گا سایہ میں نہیں جائے گا، کھانے اور پہننے کے سلسلہ میں بلاوجہ کسی خاص نوع پر اکتفا کرے گا (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ۸/ ۲۳)۔

"**ذم البدع والمحدثات عام لا یخص محدثة دون غیرها ویدخل تحت هذه الترجمة جملة من شبه المبتدعة التی احتجوا بها الخ....**" (الاعتصام للشاطبی: الباب الثالث ذم البدع والمحدثات والرد علی شبہ المبتدعۃ، ذم البدع والمحدثات عام، ۱/ ۱۸۶، ط: دار ابن عفان، السعودیۃ، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، قولہ باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، ۱۳/ ۲۵۴، ط: دار المعرفۃ، بیروت)۔

اقسام بدعت:

من جملہ گناہوں میں سے ایک گناہ بدعت ہے، اور جس طرح گناہوں کے مابین فرق ہے، اسی طرح بدعت کے درمیان بھی فرق ہے، یہاں اقسام بدعت سے مراد تفسیق وتکفیر ہے، اس نقطۂ نظر سے بدعت کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(۱) بدعت مکفرہ (۲) بدعت مفسقہ غیر مکفرہ۔

علامہ شاطبی فرماتے ہیں:"**إذا ثبت أن المبتدع آثم؛ فليس الواقع عليه على رتبة واحدة، بل هو على مراتب مختلفة، واختلافها يقع من جهات بحسب النظر الفقهي الخ**" (الاعتصام للشاطبی:فصل إثم المبتدعین لیس علی رتبۃ واحدۃ،۱/۲۱۶)۔

اہل علم کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کون سی بدعت کفر تک لے جاتی ہے اور کون سی نہیں لے جاتی، مطلب یہ ہوا کہ جو شخص شریعت کے کسی ایسے اصل سے اختلاف کرے جس کے بارے میں کتاب اللہ یا متواتر سنت سے قطعی دلائل موجود ہوں یا کسی ایسے امر کا انکار کیا جائے جس پر اجماع ہو، اتفاق ہو اور اس کا دین میں سے ہونا یقینی ہو، تو ایسا بدعتی کافر ہے اور جو شخص ایسا نہیں ہے، یا وہ بغیر علم کے محض تقلیداً اس بدعت کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ کافر نہیں ہے (الأحکام المرتبۃ علی الفسق:۱/۵۹،ط: مکتبۃ دار المنہاج، الریاض)۔

ابن عقیل نے کہا کے اہل بدعت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم: وہ لوگ جن پر فسق کا حکم لگایا جائے گا، کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، اور اس سے وہ عام لوگ مراد ہیں جو تقلید کے ذریعہ یا لاعلمی کی وجہ سے بدعات کا اعتقاد رکھتے ہیں، اور ان کے پاس نہ کوئی ثبوت و دلیل ہوتی ہے، اور نہ ہی وہ ان کی طرف دعوت دیتے ہیں، اور جو کسی ایسے اصول سے اختلاف کرے جس کے لئے کوئی معتبر ثبوت نہ ہو، مثلاً خبر واحد، یا قول صحابی سے اور اسی طرح دوسرے ثبوت کے ذریعہ۔

(۲) دوسری قسم: وہ لوگ جن کو کافر قرار دیا جاتا ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جو شریعت کے کسی ایسی اصل سے اختلاف کرتے ہیں جس کے بارے میں قطعی دلیل موجود ہو، جیسے قرآن اور حدیث متواتر، اور معقول دلیل، جیسے: فرقہ مشبہ (اللہ تعالیٰ کو مخلوق کے ساتھ تشبیہ دینے والے)، فرقہ مجسمہ (اللہ تعالیٰ کے لئے جسم قرار دینے والے)، منکرین تقدیر و رؤیت باری تعالی، قائلین خلق قرآن، امام احمد نے ان لوگوں کے کافر ہونے پر صراحت کی ہے (مسائل الإمام أحمد روایۃ أبی داود السجستانی:۲۶۲، طبع: مکتبۃ ابن تیمیۃ، مصر، بحوالہ: الأحکام المرتبۃ علی الفسق:۱/۶۰)۔

اس سلسلہ میں شیخ الاسلام حضرت ابن تیمیہ نے بہترین کلام کیا ہے، فرماتے ہیں: اس باب میں دو اصول (قاعدے) ہیں:

اصل اول: معلوم ہونا چاہئے کہ اہلِ نماز میں سے کفر کرنے والا منافق کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ جب سے اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو بھیجا اور ان پر قرآن نازل کیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کی، اس وقت سے لوگ تین قسم کے ہو گئے ہیں:

(۱) آپ پر ایمان لانے والے، (۲) آپ کا کھلم کھلا انکار کرنے والے اور (۳) منافق جو کفر کو حقیر سمجھے۔

اگر بات یہ ہے تو اہل بدعت میں جو منافق زندیق ہے وہ کافر ہے اور رافضیوں اور جہمیوں میں ایسی باتیں زیادہ تر ملتی ہیں؛ کیونکہ ان کے سردار منافق اور زندیق تھے، رفض کا ایجاد کرنے والا پہلا شخص منافق تھا، اسی طرح فرقہ جہمیہ، کیونکہ اس کی اصل بدعت اور زندقہ ہے۔

اہل بدعت میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو ظاہری اور باطنی ایمان رکھتے ہیں، لیکن ان میں جہالت اور ظلم اس حد تک بڑھ گیا کہ وہ راہ صواب سے دور ہو گئے، یہ نہ تو کافر ہے اور نہ ہی منافق، اور پھر ان کی طرف سے زیادتی اور ناانصافی ہوتی ہے جو ان کو گنہگار یا فاسق بنا دیتی ہے، کبھی وہ مخطء متأول ہوتے ہیں کہ ان کی غلطی معاف ہو سکتی ہے، تاہم ان کے پاس اتنا ایمان اور تقویٰ ہوتا ہے جتنا ایمان اور تقویٰ حصولِ ولایتِ باری تعالی کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ یہ دو اصولوں میں سے ایک اصول ہے (مجموع الفتاوی: الاختلاف فی تکفیر الجہمیۃ والشیعۃ والمرجئۃ والخوارج والقدریۃ، ۳/ ۳۵۲- ۳۵۴، ط: مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف- المدینۃ المنورۃ- السعودیۃ)۔

اصل ثانی: دوسری اصل یہ ہے کہ کبھی عقیدہ و نظریہ کفر کے مستلزم ہوتا ہے، جیسے: نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج کا انکار کرنا اور زنا، شراب، جوا، اور محرم رشتہ داروں سے نکاح کو حلال سمجھنا، پھر یہ کہنے والا کوئی ایسا بھی ہو سکتا ہے جسے ان باتوں کی خبر نہ ہو اور اسی طرح اس منکر پر بھی کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا جو شخص نیا نیا اسلام میں داخل ہوا ہو یا کسی ایسے دور و دراز صحرا میں پلا ہو جہاں تک اسلام کے احکام نہ پہنچے ہوں، رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ کسی چیز کے انکار کی وجہ سے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جائے گا اگر وہ یہ نہ جانتا ہو کہ یہ رسول ﷺ پر نازل ہوا ہے اور جہمیہ کے اقوال اسی قسم کے ہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ازلیہ وغیرہ اور رسول ﷺ پر نازل کردہ چیزوں کا انکار کرتے ہیں (حوالہ سابقہ: ۳/ ۳۵۴)۔

یہاں فسق اعتقادی میں تفصیلی گفتگو اس لئے کرنی پڑی کہ فسق اعتقادی سے علماء نے بدعت کو مراد لیا ہے، اور بدعت کی بھی مختلف قسمیں ہیں، جس پر علماء نے تفصیلی کلام کیا ہے جیسے کہ ماقبل میں ذکر کیا گیا، البتہ یہاں طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کیا اور اس کی دو بنیادی قسمیں ذکر کی گئی۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ علماء کرام نے ایک ضابطہ بیان کر دیا کہ جو بدعت کفر تک پہنچانے والی ہو تو اس پر وہی احکام نافذ ہوں گے جو احکام کافروں پر نافذ ہوتے ہیں، اور جو بدعت غیر مکفرہ ہے، یعنی کفر تک نہیں پہنچاتی ہے تو اس کے احکام مسلمانوں کے احکام کی طرح ہیں۔

اب جو فسق اعتقادی غیر مکفرہ ہے تو اس کی وجہ سے عدالت ثقاہت پر بڑا اثر پڑتا ہے، نیز بہت سے احکام میں فرق آجاتا ہے، مثلاً:

۱-روایت مبتدع:

فسق اعتقادی بالفاظ دیگر مبتدع کی روایت حدیث قبول ہوگی یانہیں؟اس سلسلہ میں تین اقوال ہیں:

اول: مطلقاً اس کی روایت سے استدلال نہیں کیا جائے گا، یہ امام مالک کی رائے ہے، اس لئے کہ بدعتی سے روایت اس کے کام کی ترویج اوراس کی عزت افزائی ہے،اوراس لئے کہ وہ اپنی بدعت کی وجہ سے فاسق ہو چکا ہے۔

دوم: اگر وہ اپنے مسلک کی تائید کے لئے جھوٹ کو روا نہ سمجھتا ہوتو اس سے روایت کی جائے گی؛ خواہ وہ بدعت کا داعی ہو یانہیں، یہ امام شافعی، ابو یوسف اور ثوری کا قول ہے۔

سوم: کہا گیا ہے کہ اگر اپنی بدعت کا داعی نہ ہوتو استدلال کیا جائے گا، اگر داعی ہوتو نہیں کیا جائے گا۔

امام نووی اور امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہی قول سب سے زیادہ قرین انصاف اور اظہر ہے، اور یہ بہت سے، بلکہ اکثر لوگوں کا قول ہے، اوراسی رائے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام بخاری ومسلم نے اپنی صحیحین میں بہت سارے غیر داعی مبتدعین سے استدلال کیا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: بدعۃ، ۸/ ۳۵)۔

امام رضی الدین ابن الحنبلی حنفی فرماتے ہیں:"**وعندنا إن أدت إلى الكفر لم تقبل رواية صاحبها وفاقا لأكثر الأصوليين وإن أدت إلى الفسق فقيل قبلت رواية صاحبها إذا كان عدلا ثقة غير داعية وقيل إذا كان فسقه مظنونا أو مقطوعا به ولم يتدين الكذب زاد فخر الإسلام فقال ولم يدع إلى بدعته، والمختار هو الأول**" (قفوالأثر فی صفوۃ علوم الأثر: فصل فی الحدیث المردود لطعن فی الراوی، ص: ۸۷، ط: مکتبۃ المطبوعات الإسلامیۃ، حلب)۔

۲-شہادتِ مبتدع:

مالکیہ اور حنابلہ نے مبتدع کی شہادت رد کردی ہے، خواہ اس کی بدعت کی وجہ سے اس کی تکفیر کی گئی ہو یانہیں، اور خواہ وہ بدعت کا داعی ہو یانہیں، یہی رائے شریک، اسحاق، ابوعبید اور ابوثور کی ہے، ان حضرات نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ مبتدع فاسق ہے جس کی شہادت اس آیت کریمہ کی وجہ سے مردود ہے:"**وَ أَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ**" (سورۃ الطلاق: ۲)، (اور اپنے میں سے دو معتبر شخص کو گواہ ٹھرالو)، اوراس آیت کی وجہ سے "**إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا**" (سورۃ الحجرات: ۶)، (اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم تحقیق کرلیا کرو)، حنفیہ نے اور شافعیہ نے اپنے راجح قول میں کہا ہے کہ مبتدع کی شہادت قبول کی جائے گی، جب تک کہ اس کی بدعت کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی گئی ہو، مثلاً وہ اللہ کی صفات اور

بندوں کے افعال کی تخلیق کا منکر ہو، اس لئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ دلائل کی رو سے وہ حق پر ہیں)(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۸ /۳۶)۔

محمد بن علی بن آدم بن موسی اتیوبی الولوی فرماتے ہیں: "**تقبل شهادة المبتدع إلا الخطابية، ولو كان داعية، ولا تقبل رواية الداعية ولا غيره، إن روى موافقه**" (قرۃ عین المحتاج فی شرح مقدمۃ صحیح مسلم بن الحجاج:۱/۴۱۸، ط: دار ابن الجوزی)۔

۳-مبتدع کے پیچھے نماز:

مبتدع کے پیچھے نماز کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے، حنفیہ، شافعیہ کی رائے ہے اور یہی مالکیہ کی ایک رائے ہے کہ جب تک مبتدع کی اس کی بدعت کی وجہ سے تکفیر نہ کی گئی ہو اس کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ جائز ہے، اگر اس کی بدعت کی وجہ سے تکفیر کی گئی ہو تو اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: "**وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة، وكذا تكره خلف أمرد وسفيه**" (حاشیۃ ردالمحتار علی الدر المختار: شرح تنویر الأبصار: کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ۱/ ۵۶۲، ط: دار الفکر، بیروت)۔

ردالمحتار میں ہے: "**كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا قال: ولذا لم تجز الصلاة خلفه أصلا عند مالك ورواية عن أحمد، فلذا حاول الشارح في عبارة المصنف وحمل الاستثناء على غير الفاسق، والله أعلم**" (حوالہ سابقہ:۱/ ۵۶۰)۔

نیز دوسری جگہ ردالمحتار میں ہے: "**(تقبل من أهل الأهواء) أي أصحاب بدع لا تكفر كجبر وقدر ورفض وخروج وتشبيه وتعطيل**" (حوالہ سابقہ: کتاب الشہادات، باب القبول وعدمہ، ۵/ ۴۷۲، ط: دار الفکر، بیروت)۔

۴-مبتدع کی ولایت:

علماء کا اتفاق ہے کہ اصحاب ولایات عامہ جیسے امام اعظم، خلیفہ، صوبوں کے سربراہ اور قضاۃ وغیرہ کے لئے ضروری شرائط میں سے عادل ہونا بھی ہے، اور یہ کہ وہ خواہش پرست اور بدعتی نہ ہوں، تاکہ عدالت مصالح کے حصول اور مفاسد کے ازالہ میں کوتاہی پر اسے متنبہ کرے اور ہوا و ہوس اسے حق سے ہٹا کر باطل کی طرف نہ لے جائے، کہا جاتا ہے کہ محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے، لیکن امامت یا دیگر ولایات پر اگر کوئی زبردستی غالب آجائے تو اس کی ولایت منعقد ہو جاتی ہے، اور جائز امور میں اس کے امر و نہی اور فیصلہ کی اطاعت باتفاق فقہاء واجب ہے، خواہ وہ اہل بدعت و ہوی میں سے ہی ہو، بشرطیکہ اس کی بدعت کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی گئی ہو، ایسا اس لئے ہے؛ تاکہ فتنہ کا ازالہ ہو، مسلمانوں میں

وحدت باقی رہے، اور امت کا اتحاد برقرار رہے۔

"**اتفق العلماء على أن من شروط أصحاب الولايات العامة – كالإمام الأعظم الخليفة وأمراء الولايات والقضاة وغيرهم – العدالة، وألا يكونوا من أصحاب الأهواء والبدع الخ**" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۸ / ۳۷)۔

۵-مبتدع کی نماز جنازہ:

مبتدع میت پر نماز جنازہ پڑھنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور فقہاء کی رائے ہے کہ جس مبتدع کی اس کی بدعت کی وجہ سے تکفیر نہ کی گئی ہو، اس پر نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے، نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "**صلّوا على من قال لاإله إلا الله**" (لا إلہ الا اللہ کہنے والوں پر نماز پڑھو)۔

لیکن مالکیہ کی رائے ہے کہ اصحاب فضل کے لئے مبتدع پر نماز پڑھنا مکروہ ہے، تاکہ اس کا عمل دوسروں کے لئے اس جیسی حالت سے روکنے کا سبب بنے، اور اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس نے خودکشی کی تھی تو آپ ﷺ نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔

حنابلہ کی رائے ہے کہ مبتدع پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے مقروض اور خودکشی کرنے والے پر نماز نہیں پڑھی، حالانکہ ان دونوں کا جرم مبتدع سے کم ہے۔

"**اختلف الفقهاء فى الصلاة على المبتدع الميت، فذهب جمهور العلماء إلى وجوب الصلاة على المبتدع الذى لم يكفر ببدعته، لقول النبى ﷺ: صلوا على من قال لا إله إلا الله الخ**" (حوالہ سابقہ:۸ / ۳۷)۔

ردالمحتار میں ہے: "**مطلب فى أهل الأهواء إذا ظهرت بدعتهم وفى نور العين عن التمهيد: أهل الأهواء إذا ظهرت بدعتهم بحيث توجب الكفر فإنه يباح قتلهم جميعا إذا لم يرجعوا ولم يتوبوا، وإذا تابوا وأسلموا تقبل توبتهم جميعا إلا الإباحية والغالية والشيعة من الروافض والقرامطة والزنادقة من الفلاسفة لا تقبل توبتهم بحال من الأحوال، ويقتل بعد التوبة وقبلها لأنهم لم يعتقدوا بالصانع تعالى حتى يتوبوا ويرجعوا إليه .وقال بعضهم: إن تاب قبل الأخذ والإظهار تقبل توبته وإلا فلا، وهو قياس قول أبى حنيفة، وهو حسن جدا**" (حاشیہ ردالمحتار: کتاب الجہاد، مطلب توبۃ الیأس مقبولۃ دون إیمان الیأس، ۴ / ۲۴۳، ط: دار الفکر، بیروت)۔

مذکورہ بالا احکام کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام ہے جس پر فسق اعتقادی کا برا اثر پڑتا ہے، یہاں طوالت کے خوف سے چند احکامات پر اکتفاء کیا ہے۔

جواب نمبر:٦

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی شفیع عثمانی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں: ''گناہوں سے معافی کے لیے سچی توبہ ضروری ہے، جس کے تین رکن ہیں:

اول: اپنے کئے پر ندامت اور شرم ساری، حدیث میں ارشاد ہے: "إنما التوبة الندم" یعنی توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔

دوسرا: یہ ہے کہ جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کو بھی اس سے باز رہنے کا پختہ عزم وارادہ کرے۔

تیسرا: یہ ہے کہ تلافی مافات کی فکر کرے، یعنی جو گناہ سرزد ہو چکا ہے اس کا جتنا تدارک اس کے قبضہ میں ہے اس کو پورا کرے، مثلاً نماز اور روزہ فوت ہوا ہے تو اس کی قضاء کرے، فوت شدہ نمازوں اور روزوں کی صحیح تعداد یاد نہ ہو، تو غور وفکر سے کام لے کر تخمینہ متعین کرے، پھر ان کی قضا کرنے کا پورا اہتمام کرے، بیک وقت نہیں کرسکتا تو ہر نماز کے ساتھ ایک ایک نماز قضاءِ عمری کی پڑھ لیا کرے، ایسے ہی متفرق اوقات میں روزوں کی قضا کا اہتمام کرے، فرض زکاۃ ادا نہیں کی تو گزشتہ زمانہ کی زکاۃ بھی یک مشت یا تدریجاً ادا کرے، کسی انسان کا حق لے لیا ہے تو اس کو واپس کرے، کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو اس سے معافی طلب کرے، بندے کا حق اس کے معاف کیے بغیر معاف نہیں ہوسکتا، حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے توبہ کی تکمیل کے لیے یہ ضروری شرط ہے۔

لیکن اگر اپنے کیے پر ندامت نہ ہو، یا ندامت تو ہو مگر آئندہ کے لیے اس گناہ کو ترک نہ کرے، تو یہ توبہ نہیں ہے، گو ہزار مرتبہ زبان سے توبہ توبہ کہا کرے'' (معارف القرآن: سورۂ نساء، پارہ: ۴، رکوع: ۱۸، ج: ۲، ص: ۳۴۶، ط: ادارۃ المعارف کراچی)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں ہے: ''**ذكر أكثر الفقهاء والمفسرين أن للتوبة أربعة شروط: الإقلاع عن المعصية حالا، والندم على فعلها فى الماضى، والعزم عزما جازما أن لا يعود إلى مثلها أبدا۔ وإن كانت المعصية تتعلق بحق آدمى، فيشترط فيها رد المظالم إلى أهلها أو تحصيل البرائة منهم**'' (التوبۃ: أرکان وشروط التوبۃ، ج: ۱۴/ ۱۲۰)۔

مذکورہ بالا وضاحت سے معلوم ہوا کہ قبولیت توبہ کے لئے ارکان ثلاثہ کی رعایت ضروری ہے، اگر اس کی رعایت نہ کی جائے اور صرف زبانی توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی؛ جیسا کہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ توبہ نہیں ہے، گو ہزار مرتبہ زبان سے توبہ توبہ کہا کرے، معلوم ہوا کہ جب توبہ قبول ہی نہیں ہوئی تو دنیوی احکام کے اعتبار سے کیسے قبول ہوگی؟، لہٰذا صرف زبانی توبہ دنیوی احکام میں نا قابل قبول ہوگی۔

جواب نمبر: ۷

ڈاڑھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا متفقہ عمل اور مستقل معمول اور خود ہمارے آخری نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام وتابعین عظام اور محدثین وفقہاء کرام، بلکہ تمام اولیاء کرام کا دائمی عمل ہے، ڈاڑھی شرافت اور بزرگی کی علامت ہے، چھوٹے اور بڑے میں اور مرد وعورت میں امتیاز وفرق کرنے والی ہے، اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے اسے فطرت کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے اور آپ نے اپنی امت کو ڈاڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹانے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے، اور اس کے برعکس ڈاڑھی مونڈنے اور مونچھیں بڑھانے کو غیر مسلموں کا طریقہ قرار دے کر ان کی مخالفت کا حکم فرمایا ہے۔

لہٰذا ڈاڑھی انتہائی احترام کی چیز ہے اور اس کا رکھنا واجب اور ضروری ہے، اور اس کو منڈانا سخت گناہ ہے، اور اگر اس گناہ کو بار بار دہرایا جائے، تو اس کی سنگینی میں اور اضافہ ہوجاتا ہے، ڈاڑھی کے بارے میں شریعت کی طرف سے اہمیت و تاکید کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض اہلِ علم حضرات نے اسے اسلامی شعار میں داخل کیا ہے، اور ڈاڑھی منڈانے کے گناہ کو علانیہ گناہ، بلکہ مسلسل جاری رہنے والا گناہ میں شمار فرمایا ہے۔

پھر دلائل کی رو سے راجح یہ ہے کہ ڈاڑھی کی لمبائی میں ایک مقدار شریعت کی طرف سے متعین ہے، اس سے کم کرنا جائز نہیں، اور وہ ایک مٹھی (یعنی چار انگشت یا چار انگل) کی مقدار ہے، اس لئے ڈاڑھی کو منڈا دینا یا ایک مٹھی سے کم کرانا جائز نہیں۔

ڈاڑھی منڈانا اور خاص کر ڈاڑھی منڈانے اور بار بار چھوٹی کرنے کا عمل کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ اس میں شریعت کے کئی احکام کی مخالفت لازم آتی ہے، جن میں سے بعض احکام کی تاکید واہمیت شریعت کی نظر میں بہت زیادہ ہے، اسی لئے ہر دور میں اہل علم حضرات ڈاڑھی کی اہمیت وتاکید کو بیان کرتے آئے ہیں، اور اس کے دلائل کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ڈاڑھی شریعت کا ایک اہم حکم اور عبادت ہے، اور صرف عرب کا رواج نہیں۔

بعض لوگوں کے سامنے جب ڈاڑھی کا ذکر آتا ہے تو وہ اعتراضاً کہتے ہیں کہ ڈاڑھی رکھنا تو عرب کی عادت اور رواج تھا، اور اسی عرب کی عادت اور رواج کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے بھی ڈاڑھی رکھی تھی، اور جب اس کی بنیاد عرب کے رواج پر ہوئی، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی عبادت کی چیز نہیں اور نہ رکھنے میں کوئی گناہ نہیں۔

جواب: ان لوگوں کا یہ اعتراض غلط اور حقیقت کے خلاف ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو کسی علاقہ و

قبیلہ اور عرب وعجم کی قید کے بغیر ڈاڑھی رکھنے کا حکم فرمایا ہے، اور اس کو فطرت (یعنی تمام انبیا علیہم الصلاۃ والسلام) کا طریقہ فرمایا ہے، اور اس کو فطرت اسلام سے تعبیر فرمایا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**مِنَ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ**" (مصنف ابن ابی شیبۃ: رقم الحدیث: ۲۶۰۱۷، کتاب الادب، باب مایؤمر بہ الرجل من إعفاء اللحیۃ والأخذ من الشارب، واللفظ لہ، مسلم: رقم الحدیث: ۲۶۱)۔

(مونچھوں کو کاٹنا، اور ڈاڑھی کو بڑھانا، فطرت میں سے ہے)۔

ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کو فطرت اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ انسان کی فطرت اور پیدائش میں داخل ہے، اور جب فطرت کے ساتھ شریعت کا بھی حکم ہو تو اس کی تاکید اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

نیز حدیث میں ڈاڑھی بڑھانے کو فطرت بتلایا گیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ چھوٹی چھوٹی یا بالفاظ دیگر خشخشی ڈاڑھی رکھنا فطرت اور انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا طریقہ نہیں ہے، مذکورہ حدیث میں ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کو جو فطرت بتلایا گیا ہے، آگے چند مستند محدثین کی عبارات کی روشنی میں اس کی تشریح ذکر کی جاتی ہے، صحیح بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں ہے: "**وأراد بالفطرة السنة القديمة التى اختارها الأنبياء ، واتفقت عليها الشرائع فكأنها أمر جبلى فطروا عليه**" (عمدۃ القاری: کتاب اللباس، باب قص الشارب، ۲۲/۶۹، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

(اور فطرت سے مراد قدیم (و پرانا) طریقہ ہے، جس کو تمام انبیاء علیہم السلام نے اختیار کیا ہے، اور اس پر تمام شریعتیں متفق رہی ہیں، گویا کہ یہ ایسا واضح حکم ہے کہ جس پر انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کو پیدا کیا گیا ہے)۔

اور نسائی شریف کی شرح میں ہے کہ: "**والمراد ها هنا هى السنة القديمة التى اختارها الله تعالى للأنبياء فكأنها أمر جبلى فطروا عليها**" (حاشیۃ السندی علی النسائی: ۸/۱۲۶، کتاب الزینۃ، من السنن الفکرۃ، رقم الحدیث: ۵۰۴۰، ط: دار البشائر الإسلامیۃ، بیروت)۔

اور امام مناوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "**من الفطرة أى السنة يعنى سنة الأنبياء الذين أمرنا بالاقتداء بهم**" (فیض القدیر للمناوی: تحت رقم الحدیث: ۵۴۳۲، ۴/۳۱۶، ط: دار الفکر)۔

اور آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے: ہمارے دین میں ڈاڑھی بڑھانا ہے"۔

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ میرے رب نے ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے، اور ساتھ ہی ڈاڑھی منڈانے کو کافروں، مشرکوں، مجوسیوں وغیرہ کا طریقہ بتلایا ہے، اور اس کے ساتھ یہ فرمایا ہے کہ ہمارا طریقہ ڈاڑھی بڑھانا ہے اور جس نے

ہمارے طریقہ کو اختیار نہ کیا وہ ہم میں سے نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**قُصُّوا الشَّوَارِبَ، وَاعْفُوا اللِّحَى، وَلَا تَمْشُوا فِي الْأَسْوَاقِ إِلَّا وَعَلَيْكُمُ الْأُزُرُ، إِنَّهُ لَيْسَ مِنَّا مَنْ عَمِلَ بِسُنَّةِ غَيْرِنَا**'' (المعجم الکبیر للطبرانی: رقم الحدیث: ۱۳۳۵، ۱/ ۱۵۲، المعجم الاوسط للطبرانی: رقم الحدیث: ۹۴۲۶)۔

(مونچھوں کو کٹاؤ اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ، اور بازاروں میں بغیر تہبند کے (یعنی ستر کھول کر) نہ چلو، بے شک جس نے ہمارے غیروں کے طریقہ پر عمل کیا، وہ ہم میں سے نہیں)۔

اسی طرح حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللحى**'' (مسلم: رقم الحدیث: ۵۲، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مشرکین کی مخالفت کرو، اور ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ، اور مونچھیں پست (یعنی چھوٹی) کرو، اور حضرت ابن عمر جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتے، تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے، اور جو مٹھی سے زائد ہوتی، اسے کاٹ دیا کرتے تھے'' (صحیح بخاری: رقم الحدیث: ۵۸۹۲، کتاب اللباس، باب تقلیم الاظفار)۔

اس حدیث میں ڈاڑھی بڑھانے اور مونچھیں کٹانے کا حکم فرمانے کے ساتھ ساتھ مشرکین کی مخالفت کا بھی حکم فرمادیا، کیونکہ بعض مشرکین مونچھیں لمبی لمبی رکھتے تھے، اور ڈاڑھی نہیں بڑھاتے تھے۔

علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں: ''**أن ابن عمر كان يأخذ من لحيته بعد الفراغ عن الحج، أى ما يزيد على القبضة ويأخذ من رأسه**'' (العرف الشذی للکشمیری: ج: ۴، ص: ۱۶۲، باب ماجاء فی تقلیم الاظفار، ط: دار التراث العربی، بیروت، لبنان)۔

اس قسم کی احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ ڈاڑھی رکھنا عرب کی عادت و رواج پر مبنی نہیں، بلکہ اللہ، اس کے رسول اور شریعت کا حکم ہے، اور کفر کے مقابلہ میں اسلام کے اہم احکام میں سے ہے، اور رسول اللہ ﷺ، انبیاء کرام اور اسلام کا طریقہ ہے اور دین و عبادت کا کام ہے، اور اس کے برخلاف یہ عمل صرف غیر عربیوں کا ہی نہیں، بلکہ مشرکوں اور کافروں کا طریقہ ہے، اس کے علاوہ اگر کوئی عمل عرب کا رواج بھی ہو، اور شریعت نے بھی اس کو عبادت قرار دیا ہو، تو بھی کوئی ٹکراؤ نہیں، جس کی بے شمار مثالیں شریعت میں موجود ہیں، اس سے زیادہ واضح دلائل ڈاڑھی کے عبادت، نہ کہ صرف عرب کی عادت ہونے کے، اور کیا ہو سکتے ہیں۔

رہی بات ڈاڑھی کی شرعی خاص مقدار تو اس بارے میں جمہور فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ ڈاڑھی ایک مٹھی سے کم کرنا جائز نہیں ہے، اور ایک مٹھی کی مقدار سے زائد ڈاڑھی کا کاٹنا جائز ہے، اور اس میں کوئی گناہ نہیں، اور دلائل کے لحاظ سے جمہور فقہاء کرام کا یہی موقف مضبوط اور راجح ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مروی ہے:"**أن النبی ﷺ کان یأخذ من لحیته من عرضها و طوله**" (ترمذی: رقم الحدیث: ۲۷۶۲، ابواب الادب)۔

(بے شک نبی کریم ﷺ اپنی ڈاڑھی کے طول وعرض (یعنی لمبائی اور چوڑائی) سے بالوں کو کاٹ کر برابر کر دیا کرتے تھے)۔

ہمارے نزدیک اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جب ڈاڑھی یا اس کے کچھ بال ایک مٹھی سے بڑھ جاتے تو ایک مٹھی سے زائد اور اضافی بالوں کو دائیں بائیں اور نیچے کی طرف سے برابر کاٹ دیا کرتے تھے، جیسا کہ آپ کی اتباع میں صحابہ کرام بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

جلیل القدر تابعی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مرسلاً روایت ہے:"**رأی النبی ﷺ رجلا طویل اللحیة فقال: لم یشوه أحدکم نفسه؟ قال: ورأی رجلا ثائر الرأس، یعنی شعثا – فقال: مه، أحسن إلی شعرک أو احلقه**" (المراسیل لأبی داود: رقم الحدیث: ۴۴۸، کتاب الطہارۃ، باب فی الترجل، ص: ۳۱۶، ط: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)۔

(نبی کریم ﷺ نے ایک لمبی ڈاڑھی والے کو دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے کو (غیر ضروری لمبی ڈاڑھی کر کے) بدشکل کیوں بناتا ہے؟)

(حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک اور آدمی کو دیکھا جس کے سر کے بال الجھے ہوئے پراگندہ تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو، اپنے بالوں کو خوبصورت ومزین کر کے رکھو، یا ان کو منڈوا دو)۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے واسطہ سے روایت ہے:"**حدثنا یوسف عن أبیه عن أبی حنیفة، عن الهیثم، عن أبی قحافة أنه أتی به النبی ﷺ ولحیته قد انتشرت فقال: لو أخذتم وأشار بیده إلی نواحی لحیته**" (الآثار لابی یوسف: رقم الحدیث: ۱۰۳۸، باب فی الخضاب والأخذ من اللحیۃ والشارب، ص: ۲۳۴، ط: دار الکتب العلمیۃ، بیروت، مسند أبی حنیفۃ، روایۃ الحصکفی، رقم الحدیث: ۷، کتاب اللباس والزینۃ، ط: الآداب، مصر)۔

(حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد) سے روایت ہے کہ وہ نبی

کریم ﷺ کے پاس لائے گئے، اوران کی ڈاڑھی منتشر تھی (یعنی بال چھوٹے بڑے اور الجھے ہوئے تھے) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کاش کہ تم اس ڈاڑھی کے کناروں کو کاٹ دو (تو بہت اچھا ہے)۔

یہ حدیث بھی دوسری احادیث کے ساتھ مل کر اسی مضمون کو ثابت کرتی ہے کہ غیر ضروری لمبی ڈاڑھی کو نبی ﷺ نے پسند نہیں فرمایا۔

اب رہا مذکورہ احادیث وروایات میں ڈاڑھی کی مقدار کی تفصیل نہ ہونے کا معاملہ، تو اس کی وضاحت صحابہ کرام کے قول وفعل سے ہوتی ہے، جو کہ درحقیقت سنت ہی کے ترجمان ہیں، نیز جمہور فقہائے کرام کے قول سے بھی ہوتی ہے۔

صحیح بخاری کے حوالہ سے ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرت ابن عمر جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتے، تو اپنی ڈاڑھی کو مٹھی میں پکڑتے، اور جو مٹھی سے زائد ہوتی، اسے کاٹ دیا کرتے تھے۔

حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے بارے میں تو صراحتاً ایک مٹھی سے زائد ڈاڑھی کے کاٹ دینے کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے، اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ دیگر صحابہ کرام اور جلیل القدر تابعین بھی ایک مٹھی سے زائد ڈاڑھی کے بالوں کے کاٹنے کو جائز قرار دیتے تھے۔

اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں: ایک یہ کہ ایک مٹھی سے زائد بالوں کا کاٹنا جائز ہے، اور دوسرے یہ کہ ایک مٹھی سے کم ہونے کی صورت میں ڈاڑھی کے بالوں کا کاٹنا جائز نہیں، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک مٹھی کے بعد ہی کاٹنے کا جائز ہونا ثابت ہے، اس سے کم کا جائز ہونا ثابت نہیں، اور تیسرے یہ کہ ایک مٹھی سے زائد ڈاڑھی کے بالوں کے کاٹ دینے کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول تھا۔

مذکورہ احادیث و روایات اور صحابہ کرام و تابعین عظام کے قول فعل سے ایک مٹھی کی مقدار کے بعد ڈاڑھی کے اضافی بالوں اور اسی طرح ڈاڑھی کی اصل حدود (یعنی نیچے کے جبڑے) سے باہر رخسار پر اُگنے والے بالوں کو کاٹنے کا جائز ہونا ثابت ہوا۔

اور یہ بات معلوم ہوگئی کہ کم از کم ایک مٹھی تک ڈاڑھی بڑھانا واجب ہے، اور اس سے زیادہ واجب نہیں، بلکہ اس کے بعد اضافی بالوں کو کاٹ دینا کم از کم جائز، جبکہ بعض کے نزدیک سنت ومستحب ہے، اور یہی حق اور صحیح ہے، اور صحابہ کرام کی پاکیزہ اور مقدس جماعت جو کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا سب سے پہلا طبقہ یا اول مصداق ہے، اس کا یہی معمول رہا ہے۔

فقہاء کرام کی گزشتہ عبارات سے معلوم ہوا کہ جمہور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ ڈاڑھی کا منڈانا یا ایک مٹھی

سے کم کرنا حرام اور گناہ ہے، اور ایسا شخص فاسق مانا جائے گا اور ایک مٹھی سے زائد ڈاڑھی کا کاٹنا بلاشبہ جائز ہے، بلکہ بہت سے حضرات کے نزدیک مستحب ومسنون ہے۔

لہٰذا جو حضرات ڈاڑھی مونڈنے یا ایک مٹھی سے کم کرنے کو جائز سمجھتے ہیں، یا جو حضرات ایک مٹھی کے بعد بھی ڈاڑھی کاٹنے، بلکہ رخسار کے کسی بھی حصہ سے بال کاٹنے کو ناجائز، بلکہ حرام قرار دیتے ہیں، یہ سب سنت اور صحابہ کرام، نیز جمہور فقہاء کرام کے اجماع اور راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے اور افراط وتفریط کا شکار ہیں، اور ان دونوں میں سے کسی بھی فریق کا طرز عمل حق نہیں، بلکہ ضلالت وگمراہی ہے، اور حق اور راہِ اعتدال ان دونوں افراط وتفریط کے درمیان ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

فسق کی تعریف اور اس کے چند احکام

مفتی محمد عثمان بستوی عفی عنہ☆

شریعت نے حقوق کی حفاظت اور ظلم سے بچانے کے لیے قضا اور شہادت کا ایک نظام بنایا اور اس کے لیے بہت سی شرطیں لگائیں، خصوصاً گواہوں میں بہت سی ایسی شرائط لگائی گئیں ہیں جن کا مقصد لوگوں کے اعتماد کو بحال کرنا ہے اور جو شخص ان شرائط سے خالی ہو اس کی شہادت کو رد کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

اور فاسق کی شہادت کو رد کرنے کی دو وجہیں بتائی جاتی ہیں:

پہلی جہت: فاسق متہم بالکذب ہو جاتا ہے، کیونکہ انسان کو معاملات میں لا پرواہی اور قلب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کی کمی کذب پر آمادہ کر سکتی ہے، اس لئے بہت سی ایسی شرطیں لگائی گئیں جس سے اعتماد بحال ہو اور گواہ متہم بالکذب نہ ہو۔

"ولا تقبل شهادة من يفعل الأفعال المستحقرة كالبول على الطريق والأكل على الطريق، لأنه تارك للمروءة، وإذا كان لا يستحي عن مثل ذلك لايمتنع عن الكذب فيتهم "(الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ص ۳/ ۱۵۸)۔

دوسری جہت: فاسق مجاہر کے ساتھ معاملات کو استوار رکھنے کی ممانعت ہے اور اسکی شہادت قبول کرنے میں فاسق کی تعظیم ہے جو شرعاً منع ہے۔

یہی دو وجہیں ہیں جس کی وجہ سے شاہد میں یہ سب شرطیں لگائی گئیں ہیں:

حكم التودد للفاسق: "اتفق الفقهاء على أنه لا يجوز التودد للفاسق لأجل فسقه، ولا الجلوس معه وهو يمارس شيئا من المعاصي إيناساً ومجاراة له، لقوله تعالى: (وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ) (سورہ ہود: ۱۱۳)، **"ولقول النبي: (لا تصاحب إلا مؤمنا ولا يأكل طعامك إلا تقي)، وقوله ﷺ: (الرجل على دين خليله، فلينظر أحدكم من يخالل)۔**

☆ ریاض العلوم چوکیہ، گورینی، جون پور، یوپی

كـمـا أنـه ورد الـنهى عن مخاطبة الفاسق والمبتدع ونحوهما بسيد ونحوه من الألقاب التى تدل على تعظيمه، لأن فى ذلك تعظيم من أهانه الله تعالى" (الموسوعہ ج ۳۲/ ۱۴۵)۔

اوراس کی وضاحت قضایافقہیہ معاصرہ میں اس طرح سے کی گئی ہے۔

"**واعـلـم أن لـرد شهـادة الـفـاسـق مأخذين: أحدهما: عدم الوثوق به، وأنه يحمله قلة مبالاته بدينه ونقصان وقارالله تعالى فى قلبه على تعمد الكذب۔**

الثـانـى: هـجـره عـلـى إعـلانـه بـفسقه ومجاهرته به، فقبول شهادته فيها ابطال لهذا الغرض المطلوب شرعا" (قضایافقہیہ معاصرہ ج ۲/ ۲۱۸)۔

اس کے بعد چند اصولی باتیں لکھی جاتی ہیں:

پہلی بات: مقبول الشہادہ کو عادل سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی جن کے اندر گواہی کے قبولیت کی تمام شرائط موجود ہوں تو اس کو شریعت کی اصطلاح میں عادل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

"**وفى لسان المتشرعة: تطلق العدالة ويراد بها أهلية قبول الشهادة والرواية عن النبى ﷺ، وعـرف الـغـزالى هذه الأهلية فقال: – العدالة عبارة عن استقامة السيرة والدين، وحاصلها يرجع إلى هيئة راسخة فى النفس تحمل على ملازمة التقوى والمروئة جميعاً، حتى تحصل ثقة النفوس بصدقه، وذلك إنما يتحقق باجتناب الكبائر، وبعض الصغائر وبعض المباحات**" (اصول الفقہ الاسلامی ج ۲/ ۱۱۹۵)۔

دوسری بات: جو غیر مقبول الشہادۃ، یعنی غیر عادل ہوں اس کا فاسق ہونا ضروری نہیں، اس لیے کہ محدود فی القذف توبہ کے بعد فاسق نہیں، اسی طرح نابینا اور قرابت دار اور مفاد میں اشتراک رکھنے والے غیر مقبول الشہادۃ ہیں، لیکن فاسق نہیں اور ان مباح امور کے مرتکب جن سے لوگوں میں اعتبار ختم ہو وہ غیر مقبول الشہادۃ ہیں؛ لیکن فاسق نہیں، تو معلوم ہوا کہ غیر عادل ہونے کے لیے فاسق ہونا شرط نہیں ہے، ایسا ہوسکتا ہے کہ عادل نہ ہو اور فاسق بھی نہ ہو۔

تیسری بات: فسق کے معنی کتاب وسنت میں متعین ہیں، فسق کا لفظ قران کریم میں کافر کے لیے اور مرتکب کبائر دونوں کے لیے استعمال ہوا ہے، اسی وجہ سے حضرات فقہاء فسق میں مرتکب کبائر اور کذب بیانی دونوں کیلئے شرط لگائی ہے اور اصرار علی الصغائر چونکہ کبیرہ بن جاتا ہے، اس لیے وہ مرتکب کبیرہ میں داخل ہوکر فاسق بن جاتا ہے، تو معلوم ہوا کہ فسق کا معنی کتاب وسنت میں متعین ہے جس کی تعیین میں عرف کا کوئی دخل نہیں، البتہ مقبول الشہادۃ اور غیر مقبول الشہادۃ میں عرف کا دخل ہوسکتا ہے۔

"**والـفـاسـق فـى أكثـر المواضع: المراد به من خرج عن ربقة الإيمان؛ لقوله تعالى: (إن الله**

لايَهْدِی القوم الفاسقين) (المنافقون) **وقوله تعالى: (ففسق عن أمر ربه)** (الكهف)۔**وقوله تعالى: (وأما الذين فسقوا فمأواهم النار، كلما أرادوا أن يخرجوا منها أعيدوافيها)**(السجدہ:تفسیرالمنیر ج۲۶/۲۲۷)۔

"والذين يرمون المحصنات ثم لم ياتوا بأربعة شهداء فاجلدواهم ثمانين جلدةولا تقبلوا لهم شهادة ابدا" و أولئک هم الفاسقون" (سورہ نور:۴)۔

عادل ہونے کی شرط دو وجہوں سے لگائی جاتی ہے:

اول: انسان کے دینی معاملات میں لاپرواہی اور قلب میں اللہ تعالی کی عظمت کی کمی انسان کو کذب پر آمادہ کرسکتی ہے اس پر بہت سی شرطیں لگائی جس سے اعتماد بحال ہو اور گواہ متہم بالکذب نہ ہو۔

دوم: اسی طرح فاسق مجاہر کے ساتھ معاملات کو استوار رکھنے کی ممانعت ہے اور اس کی شہادت کے قبول کرنے میں فاسق کی تعظیم ہے، یہ بھی شرعاً ممنوع ہے۔

چوتھی بات: عدالت کی شرط قاضی کی قبولیت کے وجوب کے لیے ہیں، یعنی جب گواہ عادل ہوں گے تو قاضی کو رد کرنے کا اختیار نہیں ہوگا اور عدالت کی شرط شرط جواز نہیں ہے، یعنی اگر عادل نہ ہو تو گواہوں کی گواہی رد کرنا واجب ہو، ایسا نہیں ہے، بلکہ عادل نہ ہونے کی صورت میں بھی جب قاضی کو قرائن سے اس کے صدق کا ظن غالب ہو جائے تو وہ فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور ایسی صورت میں فاسق کی گواہی پر فیصلہ کرسکتا ہے۔

"العدالة وهی شرط وجوب القبول علی القاضی لا شرط جواز كما سيأتی معنا۔

ويصح قضاء القاضی بشهادة الفاسق إن تحری عن شهادته وتأكد من صدقه، ولا يصح قضاؤه من غير تحر للإجماع عندنا .وقال الشافعی: لا يصح لأن الأصل أنه لا يجوز قضاء القاضی بشهادة الفاسق اتفاقاً وإنما۔

الخلاف فی صحته ونفاذه لو قضی بها وقد تحری الصدق فيها" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۳/۱۵۰، ۱۵۴)۔

فسق کے معنی کسی چیز کا کسی چیز سے خراب و برباد ہو کر علیحدہ ہو جانا ہے۔

"والفسق فی الأصل خروج الشیء من الشیء علی وجه الفساد" (الموسوعہ:۲۳/۱۴۰)۔

اور اصطلاح میں یہ عدالت کی ضد ہے اور اصطلاح شریعت میں عادل اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کبائر سے اجتناب کرے صغائر پر اصرار نہ کرے، جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں تو ایسے شخص کو عادل کہتے ہیں، لہٰذا جو شخص گناہ کبیرہ کا

ارتکاب کرے یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرے یا اس کے صغائر اتنے کثیر ہوں کہ نیکیوں پہ غالب آ جائیں، یعنی صغائر غالب ہوں اور حسنات مغلوب ہوں تو ایسا شخص اصطلاح شریعت میں فاسق ہے۔

"**العدل من يجتنب الكبائر كلها حتى لو ارتكب كبيرةتسقط عدالته، وفي الصغائر العبرة للغلبة أو الإصرار على الصغيرة فتصير كبيرة**"(شامی۸/۱۸۹)۔

فسق کے اقسام: فسق کی دو قسمیں ہیں:

۱۔فسق عملی ۲۔فسق اعتقادی

فسق عملی سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کے اعتقاد میں کوئی خرابی نہ ہو لیکن عمل میں کمزوری ہو جس کی وجہ سے اجتناب کبائر اور اصرار علی الصغائر کا صدور ہوتا رہے تو یہ فسق عملی ہے۔

فسق اعتقادی کا مطلب عقیدہ کی اور اعتقاد کی خرابی ہو، یہ خرابی کبھی کفر تک پہنچ جاتی ہے، کتاب وسنت میں اس کو بھی فسق سے تعبیر کیا گیا ہے۔

"**والفاسق في أكثر المواضع المراد به من خرج عن ربقة الإيمان: لقوله تعالى: (إن الله لايهدى القوم الفاسقين)** (المنافقون:۳:۶۳)، **وقوله تعالى: (ففسق عن أمر ربه)** (الکہف:۵۰)، **وقوله تعالى: (وأما الذين فسقوا فمأواهم النار، كلما أرادوا أن يخرجوا منها أعيدوا فيها)**" (السجدۃ:۲۰)،(تفسیر المنیر ۲۶/۲۲۷)۔

اور کبھی اعتقاد کفر تک نہیں پہنچتا، بلکہ وہ بدعت کی حد تک رہتا ہے تو فقہاء کی اصطلاح میں یہ فسق اعتقادی ہے، چنانچہ ادب القاضی للماوردی میں ہے کہ بر بناء شبہ تاویل کے ساتھ کسی خلاف حق امر پر اعتقاد رکھنا یہ فسق اعتقادی ہے اور فاسق اعتقادی کی شہادت کو قبول کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن اگر فاسق اعتقادی متہم بالکذب ہو تو اس کی شہادت قبول کرنا جائز نہیں، اسی طرح اگر اس کا اعتقاد کفر تک پہنچ جائے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

كتاب الشهادات، باب القبول وعدمه:

"**(تقبل من أهل الأهواء) أى أصحاب بدع لا تكفر كجبر وقدر ورفض وخروج وتشبيه وتعطيل، وكل منهم اثنتا عشرة فرقة فصاروا اثنين وسبعين (إلا الخطابية) صنف من الروافض يرون الشهادة لشيعتهم ولكل من حلف أنه محق فردهم لا لبدعتهم، بل لتهمة الكذب، ولم يبق لمذهبهم ذكر**)"(شامی۸/۱۸۸)۔

الشہادۃ

"تقبل شهادة أصحاب البدع غير المكفرة، كالجبرية والقدرية والرافضة والخوارج والمشبهة والمعطلة، لأن فسقهم من حيث الاعتقاد، وما أوقعهم فيه، إلا التعمق والغلو فى الدين والفاسق إنما ترد شهادته بتهمة الكذب منهم، فأكثر العلماء على عدم قبول شهادته إلا من وجب إكفاره منهم فأكثر العلماء على عدم قبول شهادته" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۳/۱۵۶، شامی ۱/۱۸۸)۔

حاصل یہ ہے کہ فسق اعتقادی کی دو قسمیں ہوگئیں:

۱۔ اعلی درجہ کفر ہے۔

۲۔ ادنی درجہ بدعت ہے۔

اور کسی کافر کی شہادت مسلمان کے حق میں غیر معتبر ہے، البتہ جو فسق اعتقادی کفر کا موجب نہ ہو تو اسکی شہادت مقبول ہے؛ بشرطیکہ وہ متہم بالکذب نہ ہو۔

الجواب الاول

کتاب وسنت اور فقہ کی اصطلاح میں فسق کی ایک متعین تعریف موجود ہے، وہ یہ کہ جو اعتقاد موجب کفر ہو تو یہ اعلی درجے کا فسق ہے اور جو اعتقاد کفر کے درجے کا نہ ہو، لیکن بدعات سیئہ کے درجے کا ہو تو وہ ادنی درجے کا فسق ہے، اسی طرح عملی خرابی، یعنی ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر کو حضرات فقہاء فسق سے تعبیر کرتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ فسق کی تعریف میں عرف کا کوئی دخل نہیں؛ اس لیے کہ فسق عملی کا صدور ارتکاب کبائر اور اصرار علی الصغائر سے ہوتا ہے اور کبائر اور صغائر کا مدار عرف پر نہیں، اسی طرح فسق اعتقادی کا تحقق فساد اعتقاد سے، یعنی کفر اور بدعت کے عقیدے سے ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ کفر اور بدعت میں عرف کا کوئی دخل نہیں، کتاب وسنت میں اس کی تعریف متعین ہے، جیسا کہ تفصیل مزکور سے معلوم ہوا۔

البتہ قبولیت شہادت کے لیے عدالت لازم ہے اور سقوط عدالت کے بہت سے اسباب ہیں، اس میں سے ایک سبب فسق بھی ہے تو جو شخص فاسق ہوگا وہ عادل نہیں ہوگا؛ لیکن جو عادل نہ ہو اس کا فاسق ہونا ضروری نہیں اور عدالت کے سقوط جس طرح سے ارتکاب کبائر سے ہوتا ہے، اسی طرح بعض صغائر اور بعض مباہات کے ارتکاب سے بھی ہوتا ہے، ظاہر ہے کہ مباح کا مرتکب فاسق نہیں ہوگا؛ لیکن غیر مقبول الشہادۃ ہوسکتا ہے۔

"وفى لسان المتشرعة: تطلق العدالة ويراد بها أهلية قبول الشهادة والرواية عن النبى۔ وعرف

الغزالی هذه الأهلية فقال: "العدالة عبارة عن استقامة السيرة والدين، وحاصلها يرجع إلى هيئة راسخة في النفس تحمل على ملازمة التقوى والمروئة جميعاً، حتى تحصل ثقة النفوس بصدقه. وذلک إنما يتحقق باجتناب الكبائر وبعض الصغائر وبعض المباحات" (اصول الفقہ الاسلامی لوھبہ الزحیلی ج ۲/ ۵۹۱۱)۔

تو معلوم ہوا کہ فسق کی تعریف میں عرف کا کوئی دخل نہیں؛ البتہ عدالت اور قبولیت شہادت میں عرف اور حالات کا دخل ہے، متقدمین کے زمانے میں قبولیت شہادت کے لیے بہت سی شرائط ہیں؛ لیکن جب متأخرین نے یہ دیکھا کہ اگر ان شرائط کا التزام کیا جائے گا تو بہت سے حقوق ضائع ہوں گے، اس لیے انہوں نے قبولیت شہادت کے لیے نرم گوشہ اختیار کیا اور یہ فرمایا کہ جب قاضی اور فیصلہ کرنے والے کو شاہد اور مخبر کی حالات اور قرائن سے اس کا اندازہ ہو جائے کہ وہ اپنی شہادت اور خبر میں صادق ہے تو اس کی شہادت اور خبر کو قبول اور اس کی بنیاد پر فیصلہ کرنا جائز ہوگا، اگرچہ خبر دینے والا عدالت کے پورے معیار پر نہ اترتا ہو؛ لیکن لوگوں کے حقوق کے ضیاع سے حفاظت کے لیے حالات زمانہ کے بناء پر قبولیت شہادت کیلئے عدالت کی شرط کو ضروری قرار نہیں دیا گیا، تو حاصل یہ نکلا کہ حالات اور زمانہ کے بنا پر فاسق کی بھی خبر کو قبول کرنے کی اجازت ہے؛ لیکن اس اجازت کی وجہ سے فاسق عادل کے زمرے میں نہیں شمار ہوگا فاسق فاسق ہی رہے گا؛ البتہ قبولیت شہادت کی شرائط میں تخفیف سے کام لیتے ہوئے فاسق کی بھی شہادت قبول کرنے کی گنجائش ہوگی، "**یآیھا الذین آمنوا إن جاء کم فاسق بنبإٍ فتبینوا.....**" (سورہ حجرات:۶) کی آیت سے یہی معلوم اور مفہوم ہوتا ہے "**واشھدوا ذوی عدل منکم**" (سورہ طلاق:۲) میں جو عدالت کی شرط ہے وہ قبولیت کے وجوب کے لیے ہے، جواز کے لیے نہیں ہے۔

"**ویصح قضاء القاضی بشهادة الفاسق إن تحری عن شهادته وتأكد من صدقه، ولا يصح قضاؤه من غير تحر للإجماع عندنا، وقال الشافعي: لايصح، لأن الأصل أنه لا يجوز قضاء القاضي بشهادة الفاسق اتفاقاً، وإنماالخلاف في صحته ونفاذه لو قضى بها وقد تحرى الصدق فيها.**

ويكون القاضي عاصياً إذا حكم بشهادة الفاسق لمخالفته قوله تعالى: وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ منكم) ولا يخفى على من له معرفة بالأيام أن الصحابة رضي الله عنهم كانوا يصلون خلف أئمة الجور ويجاهدون معهم ويتحاكمون إليهم في النوائب، ولم يجعلوا حكمهم كلا حكم ولا قضائهم كلا قضاء، وأيضاً ففي إبطال قضاء الفاسق مطلقاً ما لا يخفى من الفساد لكون العدل اليوم كالكبريت الأحمر، فأكثر الحكام والقضاة فسقة جائرون راشون ومرتشون، فلو أبطلنا قضاياهم كلها لتعطلت الأحكام وضاقت الأرض على أهل الإسلام، وإذا صح قضاء الفاسق ونفذ فلأن يصح القضاء بشهادته وينفذ أولى

وإن كان القاضي بها عاصياً" (الفقہ الحنفی ج ۳/ ۱۵۴، اعلاء السنن ۱۵/ ۱۶۴)۔

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ فاسق کے صدق کے ظن غالب کے وقت اس کی شہادت سے فیصلہ کرنا جائز ہے، اگر زمانہ موجودہ میں اس کو قبول نہ کیا جائے تو بہت سے احکام معطل ہوکر کے رہ جائیں گے؛ لہٰذا جب حالات اور قرائن سے فاسق کے صدق کا ظن غالب ہو تو اس کی شہادت سے فیصلہ کرنا صحیح اور درست ہے، تو معلوم ہوا کہ فسق صحت قضاء کیلئے شرط نہیں؛ لہٰذا فسق کی تعریف میں کسی ردوبدل کی ضرورت نہیں، حضراتِ فقہاء نے کتاب وسنت سے اخذ کر کے فسق کی جو تعریف کی ہے وہ آج بھی باقی ہے اور اس میں کسی قسم کے ردوبدل کی ضرورت نہیں۔

''**العدل من يجتنب الكبائر كلها لو ارتكب كبيرة تسقط عدالته، وفي الصغائر: العبرة للغلبة أو الإصرار على الصغيرة فتصير كبيرة**''(شامی ۸/ ۱۸۹)۔

الجواب الثانی

عدالت شرط وجوب للقبول ہے، شرط جواز للقبول نہیں، یعنی اگر عدالت موجود ہو تو ایسی صورت میں قاضی کے اوپر شہادت کا قبول کرنا واجب ہوتا ہے؛ لیکن فقدان کی صورت میں شہادت کو قبول کرنے نہ کرنے میں قاضی کو اختیار ہے، اگر اس کو قرائن سے صدق کا ظن غالب ہو تو غیر عادل کی شہادت کو بھی قبول کرنے کا اختیار ہے؛ لہٰذا جن امور میں عدالت کی شرط ہے، اس میں اگر فاسق کے صدق کا ظن غالب ہو تو اس کی خبر اور شہادت قبول کرنا جائز ہے؛ کیونکہ عدالت شرط صحت نہیں، بلکہ شرط وجوب ہے۔

"**العدالة وهي شرط وجوب القبول على القاضي لا شرط جواز**" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۳/ ۱۵۰)۔

'' **والمراد من يجب قبول شهادته على القاضي، ومن لا يجب لا من يصح قبولها ومن لايصح، لأن ممن ذكره ممن لا تقبل الفاسق، وهو لو قضى بشهادته صح**'' (شامی: ۸/ ۱۸۷)۔

"**والعدالة شرط وجوب القبول على القاضي لاجوازه، فإذا توفرت في الشاهد وجب على القاضي أن يأخذ بشهادته**''(موسوعہ ۲۶/ ۲۲۳، مواہب الجلیل ۱/ ۱۵۰)۔

معاملات وغیرہ میں عدالت کی شرط وعدم شرط کے سلسلے میں تفصیل یہ ہے کہ امور دیانات میں، یعنی حلت وحرمت، ثواب وعذاب کے باب میں کسی کافر کی خبر کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، لہٰذا حلت وحرمت، جواز وعدم جواز، صحت وفساد کے باب میں کافر کی خبر کسی حال میں قبول نہیں کی جائے گی، البتہ اگر حلت وحرمت کا ثبوت معاملات کے ضمن میں ہو تو قبول کرنے کی

اجازت ہے اور اگر وہ امور دیانات کی قبیل سے نہیں ہیں، بلکہ معاملات کے قبیل سے ہیں تو اس میں الزام ہوگا یا نہیں؟ اگر ایسے معاملات ہیں جس میں دوسرے پر الزام ہوتا ہے تو عدد اور عدالت دونوں شرط ہے، غیر عادل کی شہادت وخبر غیر معتبر ہوگی؛ لہٰذا فاسق کی خبر سے الزام کا فیصلہ نہیں ہوسکتا؛ البتہ اگر فاسق کے صدق کا ظن غالب ہو تو قاضی کے لیے فاسق کی شہادت وخبر کو قبول کرنا جائز ہوجائے گا، اگر وہ معاملات ان چیزوں کی قبیل سے ہیں جس میں الزام نہیں ہوتا، اس میں بلا کسی امتیاز کے فاسق اور عادل سب کی خبر وشہادت قبول کرنے کی اجازت ہے۔

''وأصله أن خبر الكافر مقبول بالإجماع في المعاملات لا في الديانات، وعليه يحمل قول الكنتر: ويقبل قول الكافر في الحل والحرمة۔

ثم أعلم أن المعاملات على ما في كتب الأصول ثلاثة أنواع: الأول: ما لا إلزام فيه كالوكالات والمضاربات والإذن بالتجارة والثاني ما فيه إلزام محض كالحقوق التي تجرى فيها الخصومات والثالث: ما فيه إلزام من وجه دون وجه كعزل الوكيل وحجر المأذون فإن فيه إلزام العهدة على الوكيل وفساد العقد بعد الحجر، وفيه عدم إلزام؛ لأن الموكل أو المولى يتصرف في خالص حقه فصار كالإذن. ففي الأول يعتبر التمييز فقط وفي الثاني شروط الشهادة وفي الثالث إما العدد وإما العدالة عنده'' (شامی:۹/۴۹۷-۴۹۸)۔

حضرات فقہاء نے محل خبر کی کل چار قسمیں بیان کی ہیں:

۱ روایات ۲۔حقوق ۳۔دیانات ۴۔معاملات

اور روایات کی دو قسمیں کی گئی ہیں: ایک وہ روایت جس میں عقوبت کا ذکر ہو، دوسرے وہ روایت جس میں عقوبت کا ذکر نہ ہو، تو جس روایات میں عقوبات کا بیان ہو تو اس میں امام کرخی کے یہاں تواتر اور عدالت دونوں کی شرط ہے اور امام کرخی کے علاوہ دوسرے فقہاء کے یہاں صرف عدالت کی شرط ہے، جن روایتوں میں ان عقوبات کا ذکر نہ ہو اس کے رواۃ میں بالاتفاق صرف عدالت کی شرط ہے، کوئی اور شرط نہیں۔

۲۔اور حقوق کی بھی دو قسمیں کی گئی ہیں:

۱۔جس میں تمام اعتبار سے الزام پایا جائے تو اس کی خبر میں عدد اور عدالت دونوں کی شرط ہے، فاسق کی خبر معتبر نہیں۔

۲۔جس حقوق میں بعض اعتبار سے الزام ہو، بعض اعتبار سے الزام نہ ہو تو اس میں عدد یا عدالت دونوں میں سے کوئی ایک کافی ہے۔

۳۔دیانات کی بھی دو قسمیں کی گئی ہیں:

ا۔مقصودہ، جیسے حلت وحرمت، طہارت ونجاست وغیرہ، اس کی خبر میں عدالت کی شرط ہے، فاسق وکافر کی خبر مقبول نہیں، فاسق کی خبر کی صورت میں اپنے تحری اور ظن غالب پر عمل کرنے کا حکم ہے۔

۲۔دیانات کی دوسری قسم وہ ہے جو معاملات کے ضمن میں پائے جاتے ہیں، تو ان دیانات میں عدالت کی شرط نہیں، کافر وفاسق کی خبر مقبول ہے؛ کیونکہ خالص معاملات کے حکم میں ہے، معاملات میں کافر وفاسق سب کی خبر کا اعتبار کیا جاتا ہے، قبولیت کے لیے عدالت کی شرط نہیں۔

''**فحاصله أن محله الخير أنواع: أحدها خبر الرسول عليه الصلاة والسلام فيما ليس فيه عقوبة فيشترط فيه العدالة لا غير، والثانی خبره عليه الصلاة والسلام فيما فيه عقوبة فهو كالأول عند أبی يوسف وهو اختيار الجصاص خلافاً لأبی الحسن الكرخی حيث يشترط فيه التواتر عنده، وشهر رمضان من القسم الأول، والثالث حقوق العبادة فيما فيه إلزام من كل وجه فيشترط فيه العدلة والعدد والحرية ولفظة الشهادة، والرابع حقوق العباد فيما فيه إلزام من وجه دون وجه فيشترط فيها أحد شطری الشهادة، أما العدد أو العدالة عند أبی حنيفة خلافاً لهما حيث يقبل فيها عندهما خبر كل مميز والخامس المعاملات فيقبل فيها خبر كل مميز علی ما بينا وقد بينا أمثلة كل قسم فی موضعه من كتاب النكاح ومن كتاب الوكالة والشم والشهادة**'' (تبیین الحقائق ۲۹/۷)۔

الجواب الثالث

رویت ہلال کے باب میں اگر داڑھی نہ رکھنے والوں کی شہادت پر صدق کا ظن غالب ہو تو داڑھی نہ رکھنے والوں کی شہادت سے رویت ہلال کا فیصلہ کرنا جائز ہے۔

چنانچہ مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''جواہر الفقہ'' میں رویت ہلال کی شہادت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

شہادت کی سب سے اہم شرط جو ہر قسم کی شہادت میں بھی ضروری ہے وہ شاہد کا عدل ہونا ہے جو قرآن سے ثابت ہے ''**واشهدوا ذوی عدل منكم**'' (سورہ طلاق:۲)، اور لفظ عدل ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کی تعریف یہ ہے:

وہ مسلمان جو کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے اور اس کے اعمال صالحہ اعمال فاسدہ پر اور راست کاری خطا کاری پر غالب ہو (ہدایہ عالمگیری وغیرہ)، اس کے مقابل جو شخص کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہے یا صغیرہ

گناہوں کا عادی ہے اور اُس کے بُرے اعمال اچھے اعمال پر غالب ہیں وہ اصطلاح شرع میں فاسق کہلاتا ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ شاہد عادل ہونا چاہئے، فاسق نہ ہو۔

تنبیہ ضروری

مگر باتفاق فقہاء اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی شہادت کو قبول کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا قاضی کے ذمہ واجب نہیں، لیکن اگر قاضی کو قرائن کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، اس بنا پر وہ فاسق کی شہادت پر کوئی فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ صحیح اور نافذ ہے (ہدایہ شرح وقایہ، درمختار، شامی، عالمگیری وغیرہ)

اور جب سے دنیا میں فسق کی کثرت ہوئی اور عام معاملات کی شہادت میں ایسے لوگ آنے لگے جو شرعی اصطلاح میں فاسق ہیں، تو لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور مقدمات کے فیصلہ کے لئے حضرات فقہاء نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ جس فاسق کے معاملہ میں قرائن اور حالات سے اس کا اطمینان ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی شہادت قبول کر کے اس پر مقدمات کے فیصلے کریں؛ البتہ ایسے لوگوں میں سے اس کا انتخاب کریں جو دوسروں کی بنسبت زیادہ صلاحیت رکھتا ہو، مثلاً نماز روزہ کا پابند اور عام احکام شرعیہ کا احترام کرتا ہو۔

فقہ کی مستند اور مشہور کتاب ''معین الحکام'' میں اس بحث کو ایک مستقل باب میں واضح طور پر بیان کیا ہے اور اُس کی بنیادی وجہ یہ قرار دی ہے کہ حق تعالیٰ نے فاسق کی شہادت کو رد کرنے کا حکم نہیں فرمایا ہے؛ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس کی تحقیق کر لو ''إن جاء کم فَاسِقٌ بِنَبَاءٍ فَتَبَيَّنُوا'' (سورہ حجرات:٦)، جس کا مطلب یہی ہے کہ تحقیق سے اُس کا سچا ہونا ثابت ہو جائے تو قبول کر لو؛ ورنہ رد کر دو، تو جب حالات کا جائزہ لے کر قاضی کو اُس کے سچا ہونے کا گمان غالب ہو جائے تو وہ اس کی شہادت قبول کر سکتا ہے اور اس زمانہ میں، جبکہ فسق کی بہت سی صورتیں، مثلاً ڈاڑھی منڈانا وغیرہ ایسی عام ہو گئیں کہ ان کی وجہ سے مطلقاً شہادت کو رد کر دیا جائے تو بہت سے معاملات کا ثبوت کسی طرح بہم نہ پہنچے گا، فقہاء کے اس مسلک کے سوا کوئی چارہ نہیں، اس لئے ''معین الحکام'' میں یہ تحقیق نقل کرنے کے بعد لکھا گیا ہے: ''هَـذَا هُـوَ الـصَّـوَابُ الَّـذِی عَلَيْهِ العمل'' (معین الحکام/۵۴۱)، یعنی یہی صحیح ہے جس پر سب قضاۃ کا عمل ہے۔

اور حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی نے اس مسئلہ پر اپنی کتاب قضایا فقہیہ معاصرہ میں اس موضوع پر مفصل گفتگو کے بعد یہ تحریر فرمایا ہے کہ انسان ایک اعتبار سے فاسق ہو؛ لیکن دوسرے اعتبار سے عادل ہو تو جب قاضی کو ظن غالب ہو جائے کہ جس چیز کی شہادت دے رہا ہے اس میں وہ عادل ہے، اس کی شہادت مقبول ہوگی اور دوسری چیزوں میں

اس کا فسق مضر نہیں ہوگا (جواہر الفقہ: ۳/ ۴۷۲-۴۷۴)۔

"فإذا علم صدق لهجته وأنه من أصدقالناس وأن فسقه بغير الكذب، فلا وجه لرد شهادته.

وقد استأجر رسول الله ﷺ هادياً بدله على طريق المدينة، وهو مشرک على دين قومه ولكن لما وثق بقوله أمنه ودفع إليه راحلته، وقبل دلالته .وقال أصبغ بن الفرج من أئمة المالكية: إذا شَهِدَ الفاسق عند الحاكم وجب عليه التوقف فى القضية، وقد يحتج له بقوله تعالى: "يأَيُّهَا الَّذِين امَنُوا إِن جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بنبإٍ الآية" (الحجرات:٦)۔

"وقال ابن قيم الجوزية الحنبلى: وسرُّ المسألة أن مدار قبول الشهادةوردها على غلبة الصدق وعدمه، قال: والصَّواب المقطوع به أن العدالة تبعض، فيكون الرجل عدلاً فى شىء فاسقاً فى شىء، فإذا تبين للحاكم أنه عدل فيما شهد به قبلت شهادته ولم يضره فسقه فى غيره، وأصل هذا ما وقع فى المحيط والقنية: إذا كان الرجل يشرب سراً، وهو ذو مروئة.فللقاضى أن يقبل شهادته"(نفائس الفقہ: ۳/ ۱۶۱، قضایا فقہیہ معاصرہ: ۲/ ۱۱۹)۔

الجواب الرابع

کسی تنظیم یا مذہبی اداروں کے نظم وانتظام کے لیے باصلاحیت، نیک وصالح افراد کا انتظام کرنا ضروری ہے، فاسق کے انتخاب سے حتی الامکان احتراز کرنا لازم ہے، تاہم اگر اس کو نظم وانتظام میں شامل کرنے سے کسی فتنے کا سد باب یا مذہبی تنظیم اور اداروں کا ایسا نفع ہو جو نیک وصالح افراد کے ذریعہ حاصل نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں فاسق کو تنظیم کا ذمہ دار بنانا جائز ہے اور ان کی اطاعت بھی واجب ہے، اسی طرح جب کوئی غیر عادل شخص اپنے ذاتی اثر ورسوخ کے ذریعہ کسی تنظیم کا ازخود ذمہ دار بن جائے اور اس کو علیحدہ کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو جائز کاموں میں اسکی فرمانبرداری واجب ہے، البتہ معصیت کے کاموں میں اطاعت جائز نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ کسی غیر عادل کو مصالح معتبرہ کے تحت کسی تنظیم کا ذمہ دار بنانا جائز ہے اور اس کے جائز فیصلوں کی اطاعت بھی واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی ازخود ذمہ دار بن جائے اور اس کو علیحدہ کرنے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو تو اس کے جائز فیصلوں کی اطاعت واجب ہے، اختلاف اور فتنہ وفساد کا سد باب بہر حال ضروری ہے۔

کیونکہ اہل اسلام کے رہنما اور ان کے دینی اور مذہبی اداروں کے سربراہ میں وہی صفات ہونی چاہیے جو

مسلمانوں کے سربراہ اعلیٰ اور اس کے قاضیوں اور مساجد کے ائمہ اور اوقاف کے منتظمین میں شرعاً مطلوب ہیں؛ لیکن جب فتنہ وفساد کا غلبہ اور خواہشات کی اتباع عام ہوگئی اور دینی افکار کمزور پڑ گئیں، تو حضراتِ فقہاء نے دو شرائط کو ہر حال میں ملحوظ رکھنا لازم قرار دیا:

(۱)۔فتنہ وفساد کا سد باب ہو، دینی وانتظامی امور مختل نہ ہوں؛ لہٰذا اگر نیک وصالح افراد کے اندر کام کو انجام دینے کی صلاحیت ہی نہ ہو یا صلاحیت تو ہو؛ لیکن انتظام کو باقی رکھنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں اصل کام کی بقاء اور فتنہ وفساد کے سد باب کو ترجیح دی جائے گی، اس کے بعد بقیہ صفات کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی رہے؛ لیکن بقیہ صفات کے حصول کے لیے تنظیمی کام کو ختم کر دینا اور فتنہ وفساد کا دروازہ کھول دینے کا اقدام خصوصاً اس ناگفتہ بہ حالات میں کوئی دانشمندی نہیں۔

"ولكن تسامح الفقهاء المتأخرون في هذه الشروط نظراً إلى تغير أحوال الناس وانتقاص الوازع الديني، بحيث رأوا أنه إذا اشترط المستوى المطلوب من العدالة لأدى ذلك إلى إضاعة حقوق الناس، فاكتفوا بأن يكون المخبر أو الشاهد صادق اللهجة بحيث يغلب على الظن صدقه.

قال الطرابلسي نقله:

قال القرافي في باب السياسة: نص بعض العلماء على أنا إذا لم نجد في جهة إلا غير العدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجوراً للشهادة عليهم ويلزم ذلك في القضاة وغيرهم لئلا تضيع المصالح.

قال: وما أظن أحداً يخالف في هذا، فإن التكليف شرط في الإمكان، وهذا كله للضرورة لئلا تهدر الأموال وتضيع الحقوق" (الذخیرہ للقرافی ۱۰/۴۶، قضایا فقہیہ معاصرہ ۲/۲۱۷-۲۱۸)۔

"ولا يخفى على من له معرفة بالأيام أن الصحابة رضي الله عنهم كانوا يصلون خلف أئمة الجور ويجاهدون معهم ويتحاكمون إليهم في النوائب، ولم يجعلوا حكمهم كلا حكم ولا قضائهم كلا قضاء وأيضاً ففي إبطال قضاء الفاسق مطلقاً ما لا يخفى من الفساد لكون العدل اليوم كالكبريت الأحمر، فأكثر الحكام والقضاة فسقة جائرون راشون ومرتشون، فلو أبطلنا قضاياهم كلها لتعطلت الأحكام وضاقت الأرض على أهل الإسلام، وإذا صح قضاء الفاسق ونفذ فلان يصح القضاء بشهادتهوينفذ أولى وإن كان القاضي بها عاصياً" (اعلاء السنن ۱۵/۱۵۴، الفقہ الحنفی ۱/۱۵۴)۔

"والظاهر أنها شرائط الأولوية لا شرائط الصحة، وأن الناظر إذا فسق استحق العزل ولاينعزل، كالقاضي إذافسق لا ينعزل على الصحيح المفتى به" (شامی ۶/۵۷۹، امداد الفتاویٰ ۶/۷۳۶)۔

الجواب الخامس

فاسق فی العقیدہ کی دوقسمیں ہیں:

ا۔فسق جوکفر تک پہنچا ہوا، ۲۔فسق جو بدعت تک پہنچا ہوا۔

توجن امور میں شہادت اور گواہی کی حاجت ہواس میں کسی کافر کی گواہی کسی مسلم کے خلاف ہرگز معتبر نہیں ہوسکتی اور نہ ہی کافر کی گواہی سے مسلم کے خلاف کوئی الزام ثابت ہوسکے گا؛البتہ فسق بدعت تک پہنچا ہوا ہوتو اگر بدعتی اعتقاد اکذب وغیرہ کو جائز نہ خیال کرتا ہوتو اسکی خبر وشہادت کوقبول کیا جاسکتا ہےاور جو بدعتی اعتقاد اکذب وغیرہ کو جائز سمجھتا ہوتو اس کی خبر و شہادت نہیں قبول کی جائے گی؛لہٰذا جو بدعتی اعتقاد اکذب کو جائز نہ سمجھتا ہوتو اگر قاضی کواس کے صدق کا ظن غالب ہوتو اس کی شہادت قبول کرنے کا اختیار ہے۔

فاسق فی العقیدہ،خواہ کافر ہو یا بدعتی اور معاملات جس میں کوئی الزام نہ ہواس کی خبر کوقبول کرنا جائز ہےاور جن امور میں الزام ہوتا ہے ان میں قبول کرنا جائز نہیں ہےاور باب دیانات،حلت وحرمت،طہارت ونجاست وغیرہ کے باب میں غیر معتبر ہے؛البتہ حلت وحرمت اگر معاملات کے ضمن ہوں تو کافر کی خبر سے اسکا ثبوت ہوسکتا ہےاور دینی معاملات میں بالاستقلال کسی فاسق کی خبر پر اطمینان کے بغیر قبول کرنا جائز نہیں؛البتہ اگر فاسق وکافر کے خبر کے صدق کا ظن غالب ہوتو اسکی خبر پر عمل کی گنجائش ہوتی ہے۔

”**(تقبل من أهل الأهواء) أی أصحاب بدع لا تكفر كجبر وقدر ورفض وخروج وتشبيه وتعطيل، وكل منهم اثنتا عشرة فرقة فصاروا اثنين وسبعين (إلا) الخطابية) صنف من الروافض يرون الشهادة لشيعتهم ولكل من حلف أنه محق. فردهم لا لبدعتهم، بل التهمة الكذب، ولم يبق لمذهبهم ذكر**“(شامی۸/۱۸۸)۔

فسق کی اقسام پر قاضی مجاہدالاسلام قاسمی رحمہ اللہ نے بڑی واضح تقسیم اوراس کا حکم لکھا ہے:

واضح رہے کہ فسق کی دوقسمیں ہیں:

ا۔فسق عملی ۲۔فسق اعتقادی

فسق عملی سے مراد شہوت اور خواہش نفس کی پیروی میں افعال شنیعہ کا ارتکاب ہے،جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی۔ فسق اعتقادی سے مراد بر بناء شبہ،تاویل کے ساتھ کسی خلاف حق امر پر اعتقاد رکھنا ہے،عملی فسق کی وجہ سے امام ابوحنیفہ کے

نزدیک اہلیت قضاء ختم نہیں ہوتی اور امام شافعی کے نزدیک فسق عملی مانع صحت تقلید ہے؛ البتہ اس پر اتفاق ہے کہ فاسق کو منصب قضاء پر مقرر نہیں کرنا چاہئے۔

فاسق فی العقیدہ کو قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اس کی شہادت قابل قبول ہے، اور جو شہادت کے لئے اہل ہو وہ منصب قضاء کے لئے بھی اہل ہے، البتہ فقہاء احناف کی تحقیق کے مطابق یہ ضروری ہے کہ وہ خلاف حق عقیدہ موجب تکفیر نہ ہو۔

فرقہ خطابیہ کی شہادت قابل قبول نہیں، اس کی وجہ ان کے ایسے عقیدے ہیں جو شہادت کو تہمت کذب کا محل بنا دیتے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ ایسے شخص کے حق میں شہادت دینا درست سمجھتے ہیں جو ان کے سامنے حلفا یہ کہہ دے کہ وہ حق پر ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک مومن جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا، اور دوسرا عقیدہ یہ کہ اپنے فریق کے کسی شخص کے لئے شہادت دینا اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں، چاہے وہ سچا ہو یا جھوٹا، اور ظاہر ہے کہ یہی عقیدہ منصب قضاء کی ذمہ داریوں کی اہلیت سے بھی انہیں محروم کر دیتا ہے، اس لئے کہ ایسا شخص ہر مدعی کو اس کے قسم کھا لینے کی وجہ سے صادق سمجھ لے گا، جو ظاہر ہے کہ اس طریقہ کے خلاف ہے جو کسی مقدمہ میں فیصلہ تک پہونچنے کے لئے امت کے درمیان مجمع علیہ ہے، لہٰذا کسی ایسے شخص کو قاضی مقرر کرنا بھی درست نہیں ہوگا جو اس قسم کے عقائد رکھتا ہو، جن کی وجہ سے "قضاء محل تہمت بن جائے اور اپنی مقصدیت کھو دے۔

نوٹ: قاضی صاحب نے فاسق فی العقیدہ کو منصب قضاء تفویض کرنے کا حکم ذکر کیا ہے اور جو حکم منصب قضاء کے تفویض کا ہے وہی حکم گواہی قبول کرنے کا بھی ہے دونوں حکموں میں اتحاد کی وجہ سے اسکو یہاں پر نقل کیا گیا ہے (اسلامی عدالت ۱/ ۱۹۵۔۱۹۶، شامی ۹/ ۵۰۰)۔

الجواب السادس

اگر فاسق اپنے فسق سے زبان سے توبہ کر لے، لیکن عمل میں توبہ اور صلاح کا ظہور نہ ہو تو ایسے شخص کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں، توبہ کے لیے لازمی شرط ہے کہ زبان کے ساتھ عمل سے بھی تائب ہو، بغیر عملی توبہ کے توبہ متحقق نہیں ہوگی اور اس پر عدالت کے احکام نافذ نہیں ہو سکتے۔

"الفاسق إذا تاب لا تقبل شهادته ما لم يمض عليه زمان يظهر التوبة، ثم بعضهم قدره بستة أشهر، وبعضهم قدره بسنة، والصحيح أن ذلک مفوض إلى رأى القاضي والمعدل وفي الخلاصة:، ولو كان عدلاً فشهد بزور ثم تاب فشهد تقبل من غير مدة الخ۔ وقدمنا أن الشاهد إذا كان فاسقاً سراً

لا ينبغي أن يخبر بفقه كي لا يبطل حق المدعى، وصرح به في العمدة أيضاً'' (شامی۸/۱۹۰)۔

''**وفي البدائع: كل فاسق تاب عن فسقه قبلت توبته وشهادته، إلا اثنين: المحدود في القذف والمعروف بالكذب، لأن من صار معروفاً بالكذب۔ واشتهر به لا يعرف صدقه من توبته بخلاف الفاسق إذا تاب عن سائر أنواع الفسق، فإن شهادته تقبل**''(البحرالرائق۷/۱۳۴)۔

الجواب السابع

داڑھی کا وجوب اوراس کی مقدار دونوں کا شمار مسائل اجتہادیہ میں کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس کے دلائل قطعی نہیں اورامت کا مقدار وغیرہ کی سلسلے میں اتفاق بھی نہیں؛ بلکہ اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف بہرحال موجود ہے اور جن مسائل میں اختلاف ہو وہ مسائل اجتہادی کہلاتے ہیں، اس لئے داڑھی اوراس کی مقدار کا حکم دوسرے مسائل اجتہادیہ کی طرح ہوگا؛ لہٰذا جن ائمہ کے نزدیک داڑھی کی جو مقدار واجب اور متعین ہے اس مقدار میں کمی کرنا یا منڈا دینا اس امام کے مقلد کے لئے ناجائز ہوگا اوراس کا مرتکب فاسق بھی کہلائے گا؛ کیونکہ کسی امام کی تقریر کے باوجود خواہشات نفسانیہ کی بناء پر دوسرے ائمہ فقہ کا سہارا لینا اتباع ہویٰ میں داخل ہوکر ناجائز ہے، جس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ وغیرہ نے بھی اس کی تصریح کی ہے، مولانا شبیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

اصل یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص اتباع ہویٰ (خواہش پرستی) کی حرمت وممانعت کے لئے آئی ہیں، اوراسی لئے ائمہ اربعہ اور تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اتباع ہویٰ احکام دینیہ میں قطعاً حرام ہے، جو شخص اپنی غرض اور خواہشات کو سامنے رکھ کر اُس کی پیروی کرتا ہے اور پھر قرآن وحدیث میں اس کے دلائل ڈھونڈھتا ہے، وہ اپنے ارادے اور خیال کے اعتبار سے متبع ہوتا ہے، متبع قرآن نہیں؛ اگرچہ قرآن میں اس کی کوئی سند اتفاقاً مل بھی جاوے، معاملہ علیم وخبیر کے ساتھ ہے، جو دلوں کی گہرائیوں پر مطلع اور نیتوں ارادوں سے واقف ہے، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے تمادی میں اس پر ایک مبسوط مقالہ میں تمام امت کا اتفاق نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو شخص اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کے لئے ائمہ مجتہدین کے مذاہب ڈھونڈھتا ہے، اوراپنی ہویٰ پر عمل کرکے اس کو کسی امام کی طرف منسوب کردیتا ہے، وہ خدا تعالیٰ اوراس کے رسول کا متبع نہیں، بلکہ متبع ہویٰ ہے اور ایسا کرنا دین کو ایک کھلونہ بنانا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے بعض الفاظ یہ ہیں:

''**في وقت يقلدون من يفده وفي وقت يقلدون من يصححه بحسب الغرض و الهوى مثل**

هـذا لـا يـجوز باتفاق الأمة ثم قال بعد ثلاثة اسطر) ونظير هذا أن يعتقد الرجل ثبوت شفعة الجوار إذا كـان طـالبـا لهـا وعـدم ثبـوتهـا اذا كـان مشتريا فان هذا لا يجوز بالإجماع و كذا من بنى صحة ولاية الفاسق فى حال نكاحه و بنى على فساد ولايته حال طلاقه لم يجز ذالک بإجماع المسلمين، ولو قال الـمستـفتـى الـمـعيـن أنـا لـم أكن أعرف ذالک، و أ من نا اليوم التزم ذالک لم يكن من ذالک؛ لأن ذالک يـفتـح بـاب التلاعب بالدين و يفتح الذريعة إلى أن يكون التحريم والتحليل بحسب الأهواء"

(فتاوی ابن تیمیہ جلد ثانی ۲/ ۲۴۰، ۲۴۱)۔

یہ لوگ ایک وقت اس امام کی تقلید کرتے ہیں، جو نکاح کو فاسد قرار دیتا ہے اور دوسرے وقت میں اس امام کی جو اس کو صحیح قرار دیتا ہے، اور یہ محض اپنی غرض وہوئی کی وجہ سے ہے اور ایسا کرنا باتفاق امت ناجائز ہے، (پھر اس کے تین سطر بعد لکھا ہے) اور اس کی نظیر یہ ہے کہ کوئی آدمی جس وقت کسی حق شفعہ کا خود طالب ہو، تو (مذہب امام ابوحنیفہ کے موافق) شفعہ جوار کے ثبوت کا اعتقاد ظاہر کرے، اور اگر مشتری ہو اور دوسرا شخص طالب شفعہ تو (مذہب امام شافعی کے مطابق) اس کے عدم ثبوت کا معتقد بن جائے، ایسے ہی وہ شخص جو بحالت قیام نکاح ولایت فاسق کی صحت کا قائل اور اس کی بناء پر منافع نکاح سے منتفع ہے، مگر جب طلاق ثلاثہ دیدے، تو حرمت مغلظہ سے بچنے کے لئے ولایت فاسق کو کالعدم اور اس کے ماتحت منعقد شدہ نکاح کو فاسد قرار دے، یہ باجماع مسلمین جائز نہیں، اور اگر کوئی مستفتی یہ کہے کہ پہلے مجھے اس مذہب کی خبر نہ تھی، اور اب میں اس کا معتقد اور پابند ہوں تب بھی اس کا قول قابل تسلیم نہیں، کیونکہ یہ دین کو ایک کھلونہ بنانے کا دروازہ کھولنا ہے، اور اس کا سبب بننا ہے کہ حرام وحلال کا مدار محض اہواء وخواہشات پر ہوجاوے۔

لیکن اگر دوسرے امام کے مسلک کو خواہشات نفسانی کی وجہ سے نہیں، بلکہ کسی پریشانی اور مشقت سے بچنے کیلئے اختیار کیا جائے تو یہ تلفیق محرم میں داخل نہیں، بلکہ شریعت نے اسکی اجازت دی ہے

"لیـس الـقـول بـجـواز التلفيق مطلقاً، وإنما هو مقيد فى دائرة معينة، فمنه ما هو باطل لذاته، كـمـا إذا أدى إلـى إحـلال المحـرمـات كـالخمر والزنى ونحوهما، ومنه ما هو محظور لا لذاته، بل لما يعرض له من العوارض، وهو ثلاثة أنواع):

أولهـا – تتبـع الـرخـص عـمـداً، بـأن يأخذ الإنسان من كل مذهب ما هو الأخف عليه بدون ضرورة ولا عذر، وهذا محظور سداً لذرائع الفساد بالانحلال من التكاليف الشرعية۔

قـال الـغـزالـى: ليس لأحد أن يأخذ بمذهب المخالف بالتشهى، وليس للعامى أن ينتقى من

المذاهب فی کل مسألة أطیبها عنده فیتوسع إلخ...)۔ یندرج تحت هذا النوع بالأولی تتبع الرخص للتلهی والأخذ بالأقوال الضعیفة من کل مذهب اتباعاً للملاذ والأهواء" (اصول الفقہ الاسلامی ۴/۶ ۱۱۷، جواہر الفقہ ۲/۳۸ تا ۴۰)۔

اور جن ائمہ کے یہاں داڑھی کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، ان ائمہ کے متبوعین پر داڑھی کی تخفیف سے اور اس کی تراش وخراش سے فسق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا اور آج کے اہل عرب اپنی علمی تحقیق کے اعتبار سے داڑھی کے سلسلے میں متشدد نہیں ہیں، بلکہ وہ اپنے علمی تحقیق کے اعتبار سے داڑھی کے کاٹنے یا حلق وغیرہ کرانے کو فسق نہیں سمجھتے، تو جو علماء اپنے علم ودیانت میں مسلّم ہیں تو وہ اپنی علمی تحقیق کی بنیاد پر اس پر عمل کرنے میں حق بجانب ہوں گے، کسی دوسرے کو ان کی تفسیق وتذلیل کا حق اور اختیار نہیں، زیادہ سے زیادہ نرمی اور خیر خواہی اور خوش اسلوبی کے ساتھ علمی دلائل کی روشنی میں اگر ممکن ہو تو ان کو مسائل سے آگاہ کیا جاسکتا ہے، مجبور نہیں کیا جاسکتا اور ان پر نکیر کرنے کا کوئی اختیار نہیں، یہی اعتدال کا راستہ ہے جو شریعت میں مطلوب ہے۔

بعض عرب علماء نے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کی طرف یہ منسوب کیا ہے کہ داڑھی کٹانا یا منڈانا مکروہ، یعنی کراہت تنزیہی ہے اور ان علماء نے دلائل پر بہت مفصل گفتگو فرمائی ہے؛ چنانچہ علامہ عبدالعزیز ابن صدیق الغماری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''**إفادة ذوی الأفهام بأن حلق لحیه مکروه و لیس بحرام**'' میں دونوں طرف کے دلائل کا تحقیقی جائزہ لیا؛ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جن علماء نے حلق لحیہ وغیرہ کو حرام اور مرتکب کبیرہ مانا ہے، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

1۔ امر بالاعفاء کی مخالفت

2۔ کفار سے مشابہت

3۔ عورتوں سے مشابہت

4۔ نمس کا تحقق

5۔ تغییر لخلق اللہ

6۔ امور فطرت کی مخالفت

7۔ تمام انبیاء ورسل کی سنت سے خروج

8۔ ائمہ اربعہ کی مخالفت

9۔ غیر اہل اسلام کے طریقہ کا اختیار

مذکورہ بالا دلائل کو علامہ عبدالعزیز اور سید عبداللہ وغیرہم نے نقل کرکے اس پر فرمایا ہے؛ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

جس طرح داڑھی کے بڑھانے کا حکم ہے اسی طرح خضاب کا بھی حکم ہے، تو ایک امر کو وجوب پر اور دوسرے کو استحباب پر محمول کرنے میں تناقض ہے؛ اس لئے علماء دونوں امر کو استحباب پر محمول کرتے ہیں۔

تطویل کے اندیشہ سے انہی چند باتوں پر اپنی معروضات ختم کی جاتی ہیں، اگر تفصیل وتحقیق مطلوب ہو تو شیخ عبد العزیز کا رسالہ ''**إفادة ذوی الأفهام بأن حلق لحیه مکروه ولیس بحرام**'' اور ان کے بھائی شیخ عبداللہ کا رسالہ ''**التنصیص علی أن الحلق لیس بتنمیص**'' دیکھا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

موجودہ زمانہ میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مفتی محمد جنید عالم قاسمی ندوی☆

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی طرف سے منعقد ہونے والے ۳۳ ویں فقہی سمینار میں زیر بحث آنے والے تمام موضوعات اہم ہیں، جن میں سے ایک اہم موضوع ''موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام'' ہے، اس موضوع کے تحت سات اہم سوالات ہیں، جن کے جوابات قدرے تفصیل سے لکھے جاتے ہیں:

جواب نمبر ۱: فسق کی لغوی تعریف:

فسق کا لغوی معنی نکلنے کے ہیں، ہر چھلکے والی چیز جب اپنے چھلکے سے نکل جائے تو اس وقت کہتے ہیں: ''**فَسَقَ كُلُّ ذِي قِشْرٍ**''، جب کھجور اپنے چھلکے سے اور چوہا اپنے بل سے نکل جائے تو کہتے ہیں: ''**فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِهَا وَالْفَارَةُ عَنْ جُحْرِهَا فَسَقَ فُلانٌ**''، نافرمان ہونا، حدود شریعت سے تجاوز کرنا، خیر وصلاح کے راستے سے ہٹ جانا، چونکہ نافرمان شخص اللہ تعالی کی اطاعت وفرمانبرداری سے نکل جاتا ہے، اس لئے اس کو فاسق کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں جھوٹ کو بھی فسوق سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے کہ جھوٹ میں حدود شریعت سے نکل کر بات کی جاتی ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

''**وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ**'' (سورۃ الحجرات:۷)۔

تفسیر قرطبی میں ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ فسوق سے مراد کذب (جھوٹ) ہے اور ابن زید کا بھی یہی قول نقل کیا ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ فسوق سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اطاعت خداوندی سے نکل جائے۔

''**قال ابن عباس: يريد به الكذب خاصة، و قاله ابن زيد، وقيل كل ما خرج عن الطاعة، مشتق من فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عَنْ قِشْرِهَا وَالْفَارَةُ عَنْ جُحْرِهَا**'' (الجامع لأحکام القرآن:۱۵، ۱۶/۲۰۶)۔

☆ صدر مفتی دارالافتاء معہد الدراسات العلیا پھلواری شریف پٹنہ

فسق کی اصطلاحی اور شرعی تعریف

چوں کہ قرآن وحدیث میں فسق کی متعینہ اور قطعی تعریف نہیں کی گئی ہے، اس لئے اس کی اصطلاحی اور شرعی تعریف میں فقہاء کرام کے مابین اختلاف ہے:

تفسیر مظہری میں ہے کہ اصطلاح شرع میں فسق کا اطلاق کبھی کافر پر ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ ایمان سے نکلا ہوا ہوتا ہے اور قرآن کریم کے محاورہ میں فاسق کا اطلاق عام طور سے کافر پر ہی ہوتا ہے اور کبھی فاسق کا اطلاق گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنے والے یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے والے پر ہوتا ہے، جب تک کہ وہ اپنے گناہوں سے توبہ نہ کرلے۔

"**و فی إصطلاح الشرع قد یطلق علی الکافر لخروجه عن الإیمان، و هو الغالب فی محاورة القرآن، وقد یطلق علی من ارتکب الکبیرة أو أصر علی الصغیرة ما لم یتب، و هو المراد فی هذه الآیة إجماعا**" (تفسیر المظہری، سورۃ الحجرات: ۹/ ۱۲)۔

لیکن عرف عام اور فقہاء کی اصطلاح میں فسق کا اطلاق کفر سے کم درجہ کے گناہ پر ہوتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی صاحب درمختار کے قول (**وفاسق**) کے تحت لکھتے ہیں: "**من الفسق، وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من یرتکب الکبائر، کشارب الخمر والزانی و آکل الربا و نحو ذلک**" (ردالمحتار، کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ: ۲/ ۲۹۸)۔

(فاسق؛ فسق سے مشتق ہے اور وہ استقامت سے نکلنا ہے، اور ہوسکتا ہے کہ فاسق سے مراد وہ شخص ہو جو کبائر کا مرتکب ہو، جیسا کہ شراب پینے والا، سود کھانے والا اور زانی وغیرہ)۔

فسق کے مقابلہ میں عدالت اور فاسق کے مقابلہ میں عادل ہے، عدالت کی تعریف کے بعد فسق کی تعریف خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے، علامہ کاسانی عدالت کی حقیقت کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ ہمارے مشائخ کی عبارتیں مختلف ہیں، علامہ نے ان مختلف عبارتوں کے درمیان تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، چنانچہ وہ ایک تعریف یوں کرتے ہیں: عادل وہ شخص ہے جس کی کمائی اور پاکدامنی پر انگلی نہ اٹھائی گئی ہو: "**قال بعضهم: من لم یطعن علیه فی بطن و لا فرج، فهو عدل، لأن أکثر أنواع الفساد (والشر) یرجع إلی هذین العضوین**" (بدائع الصنائع، کتاب الشہادۃ: ۹/ ۱۳)۔

دوسری تعریف اس طرح کی ہے: عادل وہ شخص ہے جس کا کوئی جرم دینی معاملات میں معروف نہ ہو: "**و قال بعضهم: من لم یعرف علیه جریمة فی دینه فهو عدل**" (بدائع الصنائع، کتاب الشہادۃ: ۹/ ۱۳)۔

ایک تعریف یہ بھی کی ہے کہ جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں: "**و قال بعضهم: من غلبت**

حسناته سيئاته فهو عدل'' (بدائع الصنائع، کتاب الشہادۃ:۹/ ۱۴)۔

علامہ کاسانی نے ان تعریفات کے علاوہ ایک اور تعریف کی ہے جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے اور اس سے عدالت کے مفہوم میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے: عادل وہ شخص ہے جو کبائر سے اجتناب کرے، فرائض کو ادا کرے اور جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں: ''**وقال بعضهم: من يجتنب الكبائر و أدى الفرائض و غلبت حسناته سيئاته**'' (بدائع الصنائع، کتاب الشہادۃ:۹/ ۱۴)۔

عادل کی ان تعریفات سے فاسق کی تعریف بھی واضح ہوگئی کہ فاسق وہ شخص ہے جو کبائر سے اجتناب نہ کرے، فرائض کو ادا کرنے والا نہ ہو، جس کی برائیاں اس کی اچھائیوں سے زیادہ ہوں، جس کی کمائی اور پاکدامنی پر لوگ انگلی اٹھاتے ہوں یا دینی امور میں جس کا جرم معروف ومشہور ہو اور اس نے اپنے گناہوں سے توبہ نہ کیا ہو، اگر وہ صدق دل سے توبہ واستغفار کرلے تو اس کو عادل سمجھا جائے گا اور اس کی شہادت قابل قبول ہوگی اور دیگر احکام میں بھی اس کا حکم عادل ہی کا ہوگا۔

''**بخلاف الفاسق إذا تاب عن سائر أنواع الفسق تقبل شهادته**'' (بدائع الصنائع، کتاب الشہادۃ:۹/ ۱۷)۔

فسق اور فاسق کی لغوی اور شرعی تعریف کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ کتاب وسنت میں فسق اور فاسق کی تعریف اور اس کا مصداق متعین اور حتمی نہیں ہے، بلکہ اس میں احوال زمانہ کو بڑا دخل ہے، لہذا یہ ہر زمانہ کے عرف اور لوگوں کے اخلاقی حالات پر موقوف رہے گا۔

جواب نمبر (۲): اس سوال کے دو اہم جزو ہیں:

(الف) معاملات میں فسق پر کیا احکام مرتب ہوسکتے ہیں؟ (ب) عبادات میں فسق پر کیا احکام مرتب ہوسکتے ہیں؟

معاملات میں فسق پر کیا احکام مرتب ہوسکتے ہیں؟

کتب تفسیر اور کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ معاملات میں فاسق کی خبر قابل قبول ہے، مثلا اگر کوئی فاسق شخص یہ خبر دے کہ فلاں شخص نے تم کو یہ ہدیہ دیا ہے، تو اس کی اس خبر کی بنیاد پر اس ہدیہ کو قبول کرنا اور اس کو اپنے استعمال میں لانا شرعا جائز ودرست ہوگا یا کوئی فاسق یہ کہے کہ فلاں نے مجھے اس غلام یا سامان کے فروخت کرنے کا وکیل بنایا ہے، تو اس سے اس غلام یا سامان کو خرید کر اپنے استعمال میں لانا درست ہوگا یا کوئی فاسق یہ کہے کہ تم اس گھر میں داخل ہوجاؤ، اس کی اجازت ہے، تو اس کی خبر کو مان کر اس گھر میں داخل ہونا جائز ہوگا۔

''**واتفق أهل العلم على جواز قبول خبر الفاسق فى أشياء: فمنها أمور المعاملات يقبل فيها**

خبر الفاسق، وذلک نحو الهدية، إذا قال: إن فلانا أهدى إليک هذا،يجوز له قبوله وقبضه، و نحو قوله: وكلني فلان ببيع عبده هذا،فيجوز شراء ه منه و نحو الإذن فی الدخول، إذا قال له قائل: أدخل، لاتعتبر فيه العدالة، وكذلک جميع أخبار المعاملات" (احکام القرآن للجصاص،سورۃ الحجرات:۳/۵۳۰)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن میں "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَاۗءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰي مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ" کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں: "البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے ،مثلاً یہ کہ کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے" (معارف القرآن،سورۂ حجرات:۸/۱۰۵)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے کہ معاملات میں ایک شخص کا قول ضرورت اور دفع حرج کے پیش نظر معتبر اور قابل قبول ہوگا،خواہ وہ عادل ہو یا غیر عادل (فاسق)،خواہ وہ آزاد ہو یا غلام،وہ مرد ہو یا عورت، اور خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم،اور معاملات میں سے وکالت،مضاربت،ہدایا کے سلسلہ میں قاصد ہونا اور تجارتوں کے سلسلہ میں اجازت کا ہونا وغیرہ ہے،البتہ یہ ظن غالب ہو کہ وہ شخص سچ بولے گا۔

"**يقبل قول الواحد فی المعاملات عدلا كان أو فاسقا،حرا كان أو عبدا،ذكرا كان أو أنثى، مسلما كان أو كافرا، دفعا للحرج و الضرورة۔ ومن المعاملات: الوكالات، والمضاربات، والرسالات فی الهدايا والإذن فی التجارات، كذا فی الكافی، و إذا صح قول الواحد فی أخبار المعاملات عدلا كان أو غير عدول، فلابد فی ذلک من تغليب رأيه فيه، إن أخبره صادق، فإن غلب على رأيه ذلک عمل عليه و إلا فلا، كذا فی السراج الوهاج**" (الفتاوی الہندیہ،کتاب الکراہیۃ،الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات:۵/۳۵۸)۔

دینی امور میں فاسق کی خبر کا اعتبار

اگر دینی امور مثلاً پانی پاک ہے یا ناپاک؟ شئ حلال ہے یا حرام؟ کے سلسلہ میں کوئی فاسق خبر دے تو اس کی خبر قابل قبول ہوگی یا نہیں؟

اس بابت حکم شرعی یہ ہے کہ اگر اس کی خبر پر دل مطمئن ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر یہ ظن غالب ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے تو اس کی خبر پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

"**قال محمد رحمه الله تعالى: وإذا حضر المسافر الصلوة فلم يجد ماءً اِلا فی اِناء فأخبره رجل أنه قذر و هو عنده مسلم مرضی لم يتوضأ به۔۔۔۔هذا إذا كان المخبر عدلا، و إن كان المخبر**

فاسقا أو مستورا نظر فيه:فإن كان أكبر رأيه أنه صادق يتيمم و لايتوضأ به و إن كان أكبر رأيه أنه كاذب توضأبه و لم يلتفت إلى قوله'' (الفتاوی الہندیہ،کتاب الکراہیۃ،الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات:۵/۳۵۶)۔

اور اگر کسی بادشاہ کا کوئی منادی اعلان کرے تو خواہ منادی عادل ہو یا فاسق ،اس کا اعلان قابل قبول اور لائق عمل ہوگا:''**خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان أو فاسقا، کذا فی جواهر الافلاطی**'' (الفتاوی الہندیہ،کتاب الکراہیۃ،الفصل الثانی فی العمل بخبر الواحد فی المعاملات:۵/۳۵۶)۔

عبادات میں فسق پر مرتب ہونے والے احکام

عبادات میں فسق پر کیا احکام مرتب ہوسکتے ہیں؟

فاسق کی اذان واقامت

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر فاسق شخص اذان دے اور اقامت کہے تو اس کی اذان واقامت ہوگی یا ان کا اعادہ ضروری ہے؟اور اگر اذان واقامت ہوجائے گی تو کراہت کے ساتھ یا بلا کراہت؟

فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے کہ فاسق کی اذان واقامت ہوجائے گی،ان میں سے کسی کا اعادہ لازم نہیں ہوگا، البتہ فاسق کا اذان دینا اور اقامت کہنا مکروہ ہوگا،لیکن یہ کراہت اس صورت میں ہے جبکہ دیندار، پابند شرع لوگ موجود ہوں اور اگر سب فاسق ہی ہوں تو پھر بلا کراہت اذان واقامت درست ہوگی۔

البحرالرائق میں ہے:''(**قوله: وكره أذان الجنب وإقامته و إقامة المحدث و أذان المرأة والفاسق، الخ) وأما الفاسق، فلأن قوله لا يوثق به و لا يقبل فى الأمور الدينية و لا يلزم أحدا فلم يوجد الإعلام، الخ**'' (البحرالرائق،باب الأذان:۱/۴۵۸)۔

(جنبی کی اذان،اس کی اقامت،محدث کی اقامت اور عورت اور فاسق کی اذان مکروہ ہے، فاسق کی اذان اس لئے مکروہ ہے کہ اس کے قول پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے،اور دینی معاملات میں اس کا قول قبول نہیں کیا جاتا ہے اور نہ ہی وہ کسی پر لازم ہوتا ہے،لہٰذا اعلام (اطلاع) نہیں پایا جائے گا (اور مقصود حاصل نہیں ہوگا))۔

دررالحکام فی شرح غررالاحکام میں ہے:''**وكره للجنب و صبى لا يعقل و المرأة والمجنون والسكران والفاسق و القاعد، كذا أى كما كره أذان السبعة المذكورين كره إقامتهم**'' (دررالحکام فی شرح غررالاحکام:۱/۵۶)۔

فاسق کی امامت

بہتر یہ ہے کہ امام ایسا شخص ہو جو قرآن کریم بقدر ضرورت صحیح اور تجوید کے ساتھ پڑھتا ہو، طہارت و نماز کے ضروری مسائل سے واقف ہو اور صاحب تقوی و پابند شرع ہو، فاسق کو امام بنانا اور اس کا نماز پڑھانا مکروہ تحریمی ہے، جو لوگ امام بنائیں گے وہ گنہ گار ہوں گے، لیکن اگر فاسق کو امام بنا دیا جائے اور وہ نماز پڑھا دے تو سب کی نماز ہو جائے گی اور جماعت کا ثواب بھی مل جائے گا، البتہ صاحب تقوی کے پیچھے نماز پڑھنے کا جو ثواب ملتا ہے وہ نہیں ملے گا، حضرت عثمان غنی کے دور خلافت میں جب بلوائیوں نے حملہ کیا اور امامت پر قبضہ کر لیا تو صحابۂ کرام نے حضرت عثمان غنی سے پوچھا کہ اب ہم لوگ ان کے پیچھے نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ تو آپ نے ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا اور یہ حدیث سنائی: ''صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَ فَاجِرٍ''۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: ''**ولو صلى خلف مبتدع أو فاسق فهو محرز ثواب الجماعة، لكن لا ينال مثل ما ينال خلف تقي، كذا في الخلاصة**'' (الفتاوی الہندیہ، الفصل الثالث فی بیان من یصلح اماما لغیرہ: ۱/۱۴۱)۔

تفسیر قرطبی میں ہے: ''**و هذا إنما كان أصله أن الولاة الذين كانوا يصلون بالناس لما فسدت أديانهم و لم يمكن ترك الصلوة و راء هم و لا استطيعت إزالتهم، صلى معهم و راء هم، كما قال عثمان: الصلوة أحسن مايفعل الناس ،فاذا أحسنوا فأحسن، واذا أسائوا فاجتنب إسائتهم**'' (تفسیر القرطبی، سورۃ الحجرات: ۱۶/۲۰۵)۔

(اس کی اصل یہ ہے کہ حکام لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، جب ان کے دین میں فساد آیا اور ان کے پیچھے نماز کو چھوڑنا ممکن نہیں ہوا اور نہ ہی ان کی دینی خرابیوں کا ازالہ ممکن ہوا، تو ان کے ساتھ ان کے پیچھے نماز پڑھی گئی، جیسا کہ حضرت عثمان غنی نے فرمایا کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا بہتر ہے، اگر وہ اچھا معاملہ کریں تو تم ان کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور اگر وہ برا معاملہ کریں تو تم ان کی برائی سے اجتناب کرو)۔

کبیری میں ہے: ''**ولو قدموا فاسقا يأثمون**''۔

اور اگر فاسق گناہوں کو چھوڑ کر صدق دل سے توبہ و استغفار کر لے تو اس کی امامت بلا کراہت درست ہوگی، حدیث شریف میں ہے: ''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لا ذَنْبَ لَهُ'' (گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں)۔

فسق کا اثر امامت کبری پر

جہاں تک امامت کبری کا تعلق ہے کہ فاسق کو امیر المومنین، امام المسلمین اور امیر شریعت بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں جمہور کی رائے یہ ہے کہ چوں کہ امام اور امیر کی ذمہ داری ہے کہ وہ حدود قائم کرے، حقوق کو حاصل کرے، یتیموں اور مجنونوں کے مال کی حفاظت کرے اور ان کا خاص خیال رکھے، اس لئے فاسق شخص کو امیر المؤمنین، امام المسلمین اور امیر شریعت نہیں بنایا جاسکتا ہے، کیوں کہ فاسق مذکورہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام نہیں دے سکتا ہے، الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"الفسق و الإمامة الكبرى: من الشروط اللتى تشترط فيمن يتولى الامامة الكبرى أن يكون عدلا، وعند جمهور الفقهاء لا يجوز أن تعقد الإمامة لفاسق، لأن الإمام يقام لإقامة الحدود و اِستيفاء الحقوق و حفظ أموال الأيتام والمجانين والنظر فى أمورهم إلى غير ذلک،و ما فيه من الفسق يقعده عن القيام بهذه الأمور والنهوض فيها" (الموسوعۃ الفقہیہ، فسق: ۳۲/ ۱۴۲۔۱۴۳)۔

نکاح میں فاسق کی ولایت

ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا نکاح میں ولایت کے لئے عدالت شرط ہے؟ اگر ولی (باپ یا دادا) عادل نہ ہو، بلکہ فاسق ہو، اور وہ اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کردے تو یہ نکاح شرعاً صحیح ومنعقد اور نافذ ہوگا یا نہیں؟

اس سلسلہ میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ فاسق نکاح کا ولی نہیں بن سکتا ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ اگر ولی عاقل بالغ ہے تو گرچہ فاسق ہے وہ ولی بن سکتا ہے، اس کو نکاح کرنے کا حق ہوگا، اس لئے کہ فاسق باپ اور دادا کو اپنی نابالغ اولاد کے مال میں ولایت حاصل ہے تو نکاح کی ولایت بدرجۂ اولی حاصل ہوگی، کیوں کہ گرچہ وہ فاسق ہے، لیکن اس میں پوری غیرت پائی جارہی ہے جو نابالغ اولاد کی حرمت کو پامال نہیں ہونے دے گی، البتہ اگر اس کا فسق بے حیائی، بدنامی اور آوارہ پن تک پہنچ جائے جس کی وجہ سے وہ جس کا نکاح کررہا ہے اس کے مفاد اور مصالح کا خیال نہ رکھ سکے تو اس کی اہلیت تو ختم نہیں ہوگی، لیکن اس کا کیا ہوا نکاح نافذ نہیں ہوگا۔

درمختار میں ہے: **"هو البالغ العاقل الوارث و لو فاسقا على المذهب ما لم يكن متهتكا"**۔

اس کے ذیل میں ردالمحتار میں ہے: **"و حاصله أن الفسق و إن كان لا يسلب الأهلية عندنا،لكن إذا كان الأب متهتكا لا ينفذ تزويجه إلا بشرط المصلحة"** (ردالمحتار، باب الولی: ۴/ ۱۵۳)۔

تفسیر قرطبی میں ہے: **"وأما فى الإنشاء على غيره فقال الشافعى و غيره: لا يكون وليا فى**

النكاح، و قال أبو حنيفة و مالک: يكون وليا، لأنه يلي مالها فيلي بضعها، كالعدل، و هو و إن كان فاسقا في دينه إلا أن غيرته موفرة، و بها يحمي الحريم،و قد يبذل المال و يصون الحرمة، و إذا ولي المال فالنكاح أولى'' (تفسیر القرطبی،سورۃ الحجرات:۱۶/۲۰۵)۔

کفاءت میں فسق کا اثر

ایک بحث یہ بھی ہے کہ کفاءت کے باب میں فسق اثر انداز ہوتا ہے یا نہیں؟ یعنی اگر لڑکا فاسق ہے تو وہ نیک، دیندار، صاحب تقوی اور پابند شرع لڑکی کا کفو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر دیندار لڑکی کسی فاسق لڑکے سے نکاح کرلے تو یہ نکاح شرعا صحیح ومنعقد ہوگا یا نہیں؟ اگر منعقد ہوگا تو کیا ولی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا؟

امام محمد کے علاوہ تقریبا تمام مجتہدین اور فقہاء کرام اس بات پر متفق ہیں کہ دینداری اور تقوی میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، فاسق شخص دیندار لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، اگر کوئی دیندار لڑکی کسی فاسق لڑکے سے نکاح کرلے تو نکاح ہوجائے گا، لیکن اس کے اولیاء کو قاضی شریعت کی شرعی عدالت دارالقضاء میں درخواست دے کر نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔

درمختار میں ہے:''**وتعتبر في العرب و العجم ديانة أي تقوى، فليس فاسق كفوء ا لصالحة أو فاسقة بنت صالح معلنا كان أو لا على الظاهر**'' (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ:۴/۲۱۲۔۲۱۴)۔

بدائع الصنائع میں ہے:''**ومنها الدين في قول أبي حنيفة و أبي يوسف،حتى لو أن امرأة من بنات الصالحين إذا زوجت نفسها من فاسق،كان للأولياء حق الاعتراض عندهما،لأن التفاخر بالدين أحق من التفاخر بالنسب**'' (بدائع الصنائع:۲/۶۲۸)۔

حضانت میں فسق کا اثر

مسئلہ یہ ہے کہ سات سال تک لڑکے کی اور بالغہ ہونے تک لڑکی کی پرورش و پرداخت کا شرعا حق ماں کو ہے اور ان کے اخراجات باپ پر لازم ہوں گے، لیکن اگر ماں فاسقہ وفاجرہ ہو جس کی وجہ سے اولاد کی تربیت پر اثر پڑسکتا ہے اور ان کے حقوق ضائع ہوسکتے ہیں، تو کیا ماں کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا یا اس فسق کے باجود حضانت کا حق باقی رہے گا؟

کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ ایسی صورت میں ماں کا حق حضانت ساقط ہوجائے گا، اور پرورش و پرداخت کا شرعا حق نانی کو ہوگا، اگر نانی نہ ہو تو یہ حق دادی کو ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ حق حضانت میں بھی فسق اثر انداز ہوتا ہے۔

درمختار میں ہے:''**تثبت للأم إلا أن تكون مرتدة أو فاجرة فجورا يضيع الولد به،كزنا و غناء و**

سرقة و نياحة" (الدرالمختارعلی ہامش ردالمحتار، باب الحضانۃ:۵/ ۲۵۳)۔

فاسق کی تولیت

اس ذیل میں ایک اہم بحث یہ ہے کہ تولیت میں فسق کا اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ یعنی کسی کو متولی بنانے یا کسی ادارہ یا مسجد کا ذمہ دار بنانے میں عدالت کا خیال رکھا جائے گا یا نہیں؟ کیا فاسق شخص کو کوئی عہدہ دیا جاسکتا ہے؟ اگر متولی بنانے یا کوئی عہدہ دینے کے بعد فسق ظاہر ہو تو کیا اس کو اس کے عہدہ سے معزول کیا جاسکتا ہے؟

متولی یا کسی ادارہ کا ذمہ دار ایسا شخص ہونا چاہئے جو صاحب تقوی اور پابند شرع ہو اور اس میں انتظامی صلاحیت ہو، اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دے سکتا ہو، کسی فاسق و فاجر اور ذمہ داری کو نبھانے میں سستی کرنے والے شخص کو متولی بنانا یا کوئی عہدہ دینا صحیح نہیں ہے، حتی کہ اگر بعد میں فسق وفجور ظاہر ہوجائے جو علی الاعلان ہو، جیسا کہ شراب نوشی، سودخوری، اور زنا وغیرہ کا ارتکاب کرنے لگے تو اس کو اس کے عہدہ سے لازما الگ کردیا جائے گا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:"**ألصالح للنظر من لم يسأل الولاية للوقف، وليس فيه فسق يعرف، هكذا في فتح القدير، وفي الإسعاف لايولى إلا أمين قادر لنفسه أو بنائبه ـ ولو أن الواقف شرط الولاية لنفسه وكان الواقف غير مامون على الوقف، فللقاضي أن ينزعها من يده، كذا في الهدايه**" (الفتاوی الہندیہ، کتاب الوقف، الباب الخامس فی ولایۃ الوقف: ۲/ ۳۸۰)۔

اگر واقف متولی ہو یا وہ کسی کو متولی بنادے اور یہ شرط لگادے کہ اس کو تولیت سے الگ نہیں کیا جاسکتا ہے؟ تو گرچہ واقف کی شرط پر شارع کی نص کی طرح عمل لازم ہے، لیکن اگر واقف یا دوسرے شخص میں فسق وفجور ظاہر ہوجائے تو چوں کہ اس کی یہ شرط شریعت کے خلاف ہے، اس لئے قاضی اس شرط کی مخالفت کرے گا اور وجوبی طور پر اس کو معزول کردے گا۔

درمختار میں ہے:"**(وينزع) وجوبا، بزازيه (لو) الواقف، درر، فغيره بالأولى (غير مامون) أو عاجزا أو ظهر به فسق كشرب خمر و نحوه، فتح، أو كان يصرف ماله في الكيمياء، نهر بحثا (و إن شرط عدم نزعه) أو لاينزعه قاض و لا سلطان لمخالفته لحكم الشرع فيبطل**" (الدرالمختارعلی ہامش ردالمحتار، کتاب الوقف: ۶/ ۵۷۸-۵۸۰)۔

حتی کہ اگر واقف بوقت وقف یہاں تک صراحت کردے کہ کوئی بھی قاضی یا حاکم اس متولی کو معزول نہیں کرسکتا ہے، اگر معزول کرے گا تو اس پر اللہ تعالی کی لعنت ہوگی، پھر بھی قاضی فسق ظاہر ہونے کے بعد اس متولی کو معزول کردے گا اور ایسی

صورت میں اللہ تعالی کی لعنت اسی واقف پر ہوگی، اس لئے کہ شریعت کے خلاف واقف کی تمام شرطیں لغو اور باطل ہیں۔

"**فالواقفون لو أرادوا أی فساد صدر یصدر، و إذا داخلهم القضاة و الأمراء فعلیهم اللعنة، فهم الملعونون، لما تقرر أن الشرائط المخالفة للشرع جمیعها لغو و باطل**" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵۹۰/۶)۔

فتوی پر فسق کا اثر

ایک بحث یہ بھی ہے کہ فسق کا اثر فتوی پر پڑتا ہے یا نہیں؟ یعنی فاسق شخص فتوی دے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کا فتوی قابل قبول ہوگا یا نہیں؟ نیز اس سے فتوی لینا جائز ہے یا نہیں؟

چوں کہ مفتی لوگوں کو حکم شرعی بتاتا ہے اور دینی امور میں فاسق کی خبر معتبر اور قابل قبول نہیں ہوتی ہے، نیز مفتی نبی کا جانشیں ہوتا ہے، اور اللہ رب العزت کا نائب بن کر اس کی طرف سے دستخط کرتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو، فاسق شخص فتوی نہیں دے سکتا ہے، اس کا فتوی قابل قبول نہیں ہوگا، اور اس سے فتوی لینا بھی جائز نہیں ہے، ائمۂ اربعہ؛ بلکہ جمہور علماء وفقہاء اس کے قائل ہیں۔

درمختار میں ہے: "**(والفاسق لا یصلح مفتیا) لأن الفتوی من أمور الدین، والفاسق لا یقبل قوله فی الدیانات، ابن ملک۔ زاد العینی: و اختاره کثیر من المتأخرین و جزم به صاحب المجمع فی متنه، و له فی شرحه عبارات بلیغة، و هو قول الأئمة الثلاثة أیضا، و ظاهر ما فی التحریر أنه لایحل استفتاء ه اتفاقا، کما بسطه المصنف**" (الدر المختار علی ہامش رد المحتار، کتاب القضاء: ۲۹/۸۔۳۰)۔

(فاسق مفتی نہیں بن سکتا ہے، اس لئے کہ فتوی دینی معاملات میں سے ہے اور دینی امور میں فاسق کا قول قابل قبول نہیں ہوتا ہے، ابن ملک، علامہ عینی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ بہت سے متأخرین نے اس کو اختیار کیا ہے اور صاحب مجمع نے اپنے متن میں اسی کو راجح قرار دیا ہے، اور اس کی شرح میں ان کی بلیغ عبارتیں ہیں، نیز یہی ائمۂ ثلاثہ کا قول ہے اور جو کچھ التحریر میں آیا ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ بالاتفاق اس سے فتوی لینا حلال نہیں ہے، جیسا کہ مصنف نے اس کو کچھ تفصیل سے بیان کیا ہے)۔

علامہ ابن عابدین شامی رقمطراز ہیں: "**والحاصل: أنه لا یعتمد علی فتوی المفتی الفاسق مطلقا**" (رد المحتار، کتاب القضاء: ۳۰/۸) (حاصل یہ ہے کہ فاسق مفتی کے فتوی پر مطلقا اعتماد نہیں کیا جائے گا)۔

قضاء پر فسق کا اثر

قضاء ایک عظیم امانت ہے، اس میں اموال، بضع اور نفوس کی حفاظت ہوتی ہے، اور یہ وہی شخص کرسکتا ہے جو صاحب تقوی اور پابند شرع ہو، ورنہ ان سب کے ضیاع کا اندیشہ ہے، لہٰذا صاحب تقوی اور پابند شرع شخص کو ہی قاضی بنانا چاہئے، کسی فاسق کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہے لیکن چوں کہ فاسق شہادت کی اہلیت رکھتا ہے، اس لئے وہ قاضی بننے کی بھی اہلیت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قاضی بننے کے لئے عدالت شرط نہیں ہے، لہذا اگر فاسق کو قاضی بنادیا جائے تو وہ قاضی ہوجائے گا اور اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، بشرطیکہ اس کا فیصلہ خلاف شرع نہ ہو، امام شافعی کے نزدیک فاسق نہ تو شہادت کی اہلیت رکھتا ہے اور نہ ہی قضاء کی، اس کو قاضی نہیں بنایا جاسکتا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: "**وكذا العدالة عندنا ليست بشرط لجواز التقليد، لكنها شرط الكمال، فيجوز تقليد الفاسق و تنفذ قضاياه إذا لم يجاوز فيها حد الشرع، وعند الشافعي رحمه الله شرط الجواز، فلا يصلح الفاسق قاضيا عنده، بناء ا على أن الفاسق ليس من أهل الشهادة عنده، فلا يكون من أهل القضاء، وعندنا هو من أهل الشهادة فيكون من أهل القضاء، لكن لا ينبغي أن يقلد الفاسق، لأن القضاء أمانة عظيمة و هي أمانة الأموال و الأبضاع و النفوس، فلا يقوم بوفاء ها إلا من كمل ورعه و تم تقواه، إلا أنه مع هذا لو قلد جاز التقليد في نفسه و صار قاضيا، لأن الفساد لمعنى في غيره، فلا يمنع جواز (تقليده القضاء) في نفسه**" (بدائع الصنائع، کتاب أدب القاضی: ۹/ ۸۲)۔

علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے: "ائمۂ ثلاثہ اس بات کے قائل ہیں کہ فاسق قضاء کی اہلیت نہیں رکھتا ہے، لہذا اس کو قاضی بنانا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس کے فسق کی وجہ سے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، حنفیہ میں سے امام طحاوی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے اور علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بہتر ہے کہ اسی قول پر فتوی دیا جائے، خصوصا اس زمانہ میں"۔

آگے علامہ شامی فرماتے ہیں: "اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر قضاء کا دروازہ بھی بند ہوجائے گا، خاص طور سے ہمارے زمانہ میں، اس لئے اصح قول یہی ہے کہ فاسق قضاء کی اہلیت رکھتا ہے، اس کو قاضی بنادیا جائے تو اس کا فیصلہ نافذ ہوگا" (ردالمحتار، کتاب القضاء: ۶/ ۲۸)۔

شہادت میں فسق کا اثر

ایک اہم بحث یہ ہے کہ فاسق کی شہادت قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ شہادت پر فسق کہاں تک اثر انداز ہوسکتا ہے؟

اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر شہادت کا تعلق حقوق سے ہو، یعنی شہادت کی وجہ سے کسی کا کسی پر کوئی حق ثابت ہو رہا ہو، یا کوئی حق ختم ہو رہا ہو، یا شہادت کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات نقل کرنے سے ہو، یا شہادت کے ذریعہ کوئی حکم شرعی ثابت ہو رہا ہو، تو ان تینوں صورتوں میں فاسق کی شہادت معتبر نہیں ہوگی، ان کے علاوہ اگر شہادت کا تعلق معاملات سے ہو تو فاسق کی شہادت بھی قابل قبول ہوگی، جیسا کہ اوپر گزر چکا۔

احکام القرآن للجصاص میں ہے: ''**فلذلک قلنا: شهادة الفاسق غير مقبولة فی شیء من الحقوق، وكذلك إخباره فی الرواية عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم و كل ما كان من أمر الدين يتعلق به من إثبات شرع أو حكم أو إثبات حق علی إنسان۔**

واتفق أهل العلم علی جواز خبر الفاسق فی أشياء: فمنها أمور المعاملات يقبل فيها خبر الفاسق'' (أحکام القرآن للجصاص، سورۃ الحجرات: ۳/ ۵۳۰)۔

فقہاء نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ ہر اس فاسق کی شہادت قابل قبول ہوگی جو معاشرہ میں قابل اعتماد سمجھا جاتا ہو اور اس کے متعلق قاضی کو یہ اطمینان ہو کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دے گا۔

معین الحکام میں ہے: ''**و إذا غلب علی الظن صدق الفاسق قبلت شهادته و حكم بها، واللّٰه تعالی لم يأمر برد خبر الفاسق، فلا يجوز رده مطلقا، بل يتثبت فيه حتی يتبين صدقه من كذبه، فيعمل علی ما تبين و فسقه عليه .... فإذا علم صدق لهجته و أنه من أصدق الناس و أن فسقه بغير الكذب فلا وجه لرد شهادته**'' (معین الحکام: ۱۴۵، ۱۴۶)۔

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی اپنی شہرۂ آفاق کتاب '' قاموس الفقہ'' میں ''فسق و فاسق'' کے تحت رقمطراز ہیں: '' دراصل فسق کا مصداق متعین کرنے میں احوال زمانہ کو بڑا دخل ہے، مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے جھوٹ بولنے سے اطمینان نہ ہو، اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی، اور جس آدمی کے بارے میں توقع ہو کہ وہ زیر تحقیق معاملہ میں جھوٹ نہ بولے گا تو گواہی اور قضاء وغیرہ کے معاملہ میں اسے عادل سمجھا جائے گا'' (قاموس الفقہ: ۴/ ۴۵۴)۔

امام ابو یوسف ایسے فاسق کی شہادت کو قابل قبول قرار دیتے ہیں جو معاشرہ میں با اثر اور مروت والا ہو، اس لئے کہ ایسے شخص کو کرایہ پر لیکر جھوٹی گواہی نہیں دلوا سکتے ہیں (ہدایہ کتاب الشہادۃ ۳/ ۱۶۳)۔

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے دو فتووں کے درمیان تعارض کو دور کرتے ہوئے

فرمایا: ''عادل شخص کی شہادت کو قبول کرنا اور اس کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے، اور اگر فاسق ہو تو اس کی شہادت کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے، البتہ اگر قاضی کو قرائن سے یہ اطمینان ہو کہ فاسق اس معاملہ میں جھوٹ نہیں بولے گا تو اس کی شہادت کو قبول کرسکتا ہے'' (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتاوی محمودیہ ۲۲/ ۵۷۳، احسن الفتاوی)۔

خلاصہ یہ ہے کہ شہادت کا تعلق اگر معاملات سے ہو تو فاسق کی شہادت اور اس کی خبر قابل قبول ہوگی اور اگر شہادت کا تعلق حقوق سے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت سے یا کسی حکم شرعی کے ثبوت سے ہو تو فاسق کی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی، قاضی پر ضروری نہیں ہے کہ اس کی شہادت کو قبول کر کے اس کے مطابق فیصلہ کرے، البتہ اگر قاضی کو قرائن سے اس کے سچ بولنے کا ظن غالب ہو جائے تو اس کی شہادت کو قبول کرسکتا ہے، بلکہ اگر عادل گواہ نہ ملے اور حقوق کے ضیاع کا اندیشہ ہو تو فاسق کی شہادت پر فیصلہ کرنا ضروری ہوگا۔

تحمل شہادت اور اداء شہادت میں فرق

یہاں پر حنفیہ نے تحمل شہادت (گواہ بننے) اور اداء شہادت (گواہی دینے) میں فرق کیا ہے، فاسق گواہ بننے کی اہلیت رکھتا ہے، لیکن گواہی دینے کی اہلیت نہیں رکھتا ہے، یعنی اگر وہ کسی معاملہ میں گواہ بن جائے اور اس معاملہ کی صحت کے لئے شہادت شرط ہو تو فاسق کی موجودگی میں وہ معاملہ صحیح ہو جائے گا، جیسا کہ صحت نکاح کے لئے شہادت شرط ہے، اگر دو فاسق گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا ایجاب وقبول ہو جائے تو نکاح صحیح ومنعقد ہو جائے گا، البتہ اگر اختلاف کی صورت میں گواہی دینے کی ضرورت پڑ جائے تو عند القضاء ان دونوں کی گواہی قابل سماع اور قابل قبول نہیں ہوگی۔

ہدایہ میں ہے: ''**واعلم أن الشهادة شرط في باب النكاح لقوله عليه السلام'' لا نكاح إلا بشهود'' ..... ولاتشترط العدالة حتى ينعقد بحضرة الفاسقين عندنا خلافا للشافعي، له أن الشهادة من باب الكرامة، والفاسق من أهل الإهانة، و لنا أنه من أهل الولاية فيكون من أهل الشهادة،وهذا لأنه لما لم يحرم الولاية على نفسه لإسلامه لا يحرم على غيره،لأنه من جنسه، ولأنه صلح مقلدا فيصلح مقلدا وكذا شاهدا والحدود في القذف من أهل الولاية،فيكون من أهل الشهادة تحملا، وإنما الفائت ثمرة الأداء بالنهي لحريمته،ولايبالي بفواته كما في شهادة العميان و ابني العاقدين**'' (ہدایہ، کتاب النکاح: ۲/ ۳۲۶)۔

روایتِ حدیث میں فسق کا اثر

اس سلسلہ میں جمہور ائمۂ حدیث وفقہ کی رائے یہ ہے کہ فاسق کی روایت قابل قبول نہیں ہوگی، بعض حضرات نے

قدرے تفصیل کی ہے کہ اگر مبتدع فاسق اپنی بدعت کی وجہ سے کافر قرار نہ دیا گیا ہو اور وہ اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا نہ ہو تو اس کی روایت قبول کی جائے گی اور اگر وہ اپنی بدعت کی طرف داعی ہو تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔

الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:"**ذهب جماهير أئمة الحديث و الفقه إلى أنه يشترط فيمن يحتج بروايته السلامة من الفسق، وذكر الزين العراقى أن الفاسق المبتدع الذى لم يكفر ببدعته إذا كان داعية إلى بدعته لم تقبل روايته، و إن لم يكن داعية قبل، وإليه ذهب أحمد كما قال الخطيب، وقال ابن الصلاح: و هذا مذهب الكثير و الأكثر و هو أعدلها و أولاها**" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۳۲/ ۱۴۳)۔

جواب نمبر(۳): داڑھی کٹوانے والے کی شہادت:

کم از کم ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، اور کاٹ کر ایک مشت سے کم کر دینا حرام ہے، ائمۂ اربعہ میں سے کسی امام کے یہاں بھی ایک مشت سے کم داڑھی رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:"**و لذا يحرم على الرجل قطع لحيته**" (الدر المختار علی ھامش رد المحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، ۹/ ۵۸۳)۔

ردالمحتار میں ہے:"**و أما الأخذ منها و هى دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه أحد**" (ردالمحتار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم: ۳/ ۳۹۸)۔

مالابدمنہ میں ہے:"تراشیدن ریش بیش از قبضہ حرام است" (مالابدمنہ:۱۰۸)۔

اور حرام کا مرتکب فاسق ہے، لہذا داڑھی کاٹ کر ایک مشت سے کم کر دینے والا فاسق ہے اور دینی امور میں فاسق کی شہادت مردود ہے، لہٰذا رؤیت ہلال کے سلسلہ میں یا اختلافی معاملات میں داڑھی کٹوانے والے یا بالکلیہ نہ رکھنے والے کی شہادت کو قبول کرنا اور اس کی شہادت کے مطابق فیصلہ کرنا قاضی پر لازم نہیں ہوگا، البتہ اگر وہ شخص معاشرہ میں با اثر ہو اور قرائن سے قاضی کو معلوم ہو کہ یہ شخص زیر بحث معاملہ میں جھوٹ نہیں بولے گا تو قاضی اس کی شہادت کو قبول کر کے اس کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے، نیز چوں کہ موجودہ دور میں داڑھی کٹوانے والے یا بالکلیہ نہ رکھنے والے کو لوگ اذان و اقامت اور امامت کے معاملہ میں فاسق سمجھ کر آگے بڑھانے سے گریز کرتے ہیں، لیکن شہادت کے معاملہ میں عموماً صداقت کا خیال رکھتے ہیں، اگر داڑھی کٹوانے والا یا بالکلیہ نہ رکھنے والا شخص معاشرہ میں با اثر ہے اور وہ سچ بولتا ہے تو عام طور سے اس کی بات پر اعتماد کیا جاتا ہے، لہٰذا قاضی بھی اپنے اعتماد کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔

احسن الفتاوی میں ہے: ''داڑھی کٹوانا فسق ہے، بلکہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے، اس لئے کہ اس میں کھلم کھلا اور علی الاعلان شریعت کی خلاف ورزی اور استخفاف ہے اور فاسق کی شہادت قبول نہیں، البتہ اگر عادل شاہد نہ ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا اندیشہ ہو اور فاسق شخص ذی وجاہت ہو تو اس کی شہادت کا قبول کرنا جائز ہے'' (احسن الفتاوی، کتاب القضاء والدعوی والشھادات: ۷/ ۲۰۴)۔

جواب نمبر (۴): ذمہ داروں کا حکم ماتحتوں کے لئے واجب الاطاعۃ ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''**یآ یھا الذین آمنوا أطیعوا اللّٰہ و أطیعوا الرسول و أولی الأمر منکم**'' (سورۃ النساء، آیت:۵۹) (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول اور اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو)۔

اس آیت سے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اولی الامر کی اطاعت بھی لازم قرار پائی۔

اولی الامر سے کون لوگ مراد ہیں؟

اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس سے تمام امراء، حکام اور ذمہ دار مراد ہیں جو کسی نظام کو سنبھالتے ہیں، خواہ وہ امام ہوں یا امیر، سلطان ہوں یا حاکم، عالم ہوں یا مجتہد، قاضی ہوں یا مفتی، اس لئے کہ نص مطلق ہے، لہٰذا بغیر کسی دلیل کے اس کو مقید نہیں کیا جاسکتا ہے، گرچہ خلافت وامامت ختم ہوچکی ہے، لیکن سلطنت اور امارت باقی ہے، لہٰذا اس زمانہ میں امراء وحکام اور دیگر ذمہ داروں کی اطاعت لازم ہوگی۔

التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ میں ہے: ''**والحق أن المراد به کل أولی الحکم، إماما کان أو أمیرا، سلطانا کان أو حاکما، عالما کان أو مجتهدا، قاضیا کان أو مفتیا علی حسب مراتب التابع والمتبوع، لأن النص مطلق، فلا یقید من غیر دلیل الخصوص**'' (التفسیرات الأحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ: ۲۷۰-۲۷۱)۔

یہ امراء وحکام اگرچہ فاسق ہوں، پھر بھی اگر شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے کوئی حکم دیں تو ان کے ماتحتوں پر اس کو ماننا لازم ہوگا، اور اگر خلاف شرع امور کا حکم دیں تو اس کی اطاعت جائز نہیں ہوگی، اس لئے کہ جہاں اللہ کی نافرمانی ہو رہی ہو وہاں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے، خلفاء راشدین کے بعد امراء وحکام میں فسق وفجور ظاہر ہوا اور ان کی طرف سے ظلم وجور عام ہوا، پھر بھی صحابۂ کرام نے ان کی اطاعت کی اور جمعہ وعیدین ان کے حکم سے قائم کیا، ان کی نافرمانی نہیں کی، حجاج بن یوسف باوجودیکہ ظالم وجابر حکمراں تھا، پھر بھی تابعین نے اس کی اطاعت کی۔

"و إنما حكمنا بصحته فی حال القضاء بحق، لأنه قد ظهر الفسق و انتشر الجور من الأئمة والأمراء بعد الخلفاء الراشدين، والسلف كانوا ينقادون لهم و يقيمون الجمع و الأعياد بإذنهم، و لايرون الخروج عليهم، لأن الصحابة كانوا يقلدون عن معاوية مع أن الحق كان لعلی فی نوبته، والتابعين كانوا يقلدون مع حجاج مع أنه كان سلطانا جائرا" (التفسیرات الأحمدیہ فی بیان الآیات الشرعیہ:۲۷۰)۔

تفسیر قرطبی میں ہے:**"وأما طاعة السلطان فتجب فيما كان لله فيه طاعة، و لا تجب فيما كان لله فيه معصية"** (تفسیر القرطبی، سورۃ النساء:۵/۱۶۸)۔

بخاری شریف میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جب تک معصیت کا حکم نہ دیا جائے سمع وطاعت لازم ہے، اور جب معصیت کا حکم دیا جائے تو سمع وطاعت جائز نہیں ہے"۔

"ألسمع و الطاعة حق ما لم يؤمر بمعصية، فاذا أمر بمعصية فلا سمع و لا طاعة" (بخاری شریف، باب السمع والطاعۃ للامام:۲/۴۵۱)۔

مسلم شریف میں ہے:**"لا طاعة فی معصية الله، إنما الطاعة فی المعروف'** (مسلم شریف، باب وجوب طاعۃ الأمراء فی غیر معصیۃ وتحریمھا فی المعصیۃ:۲/۱۲۵)، (اللہ کی نافرمانی میں اطاعت نہیں ہے، اطاعت تو صرف معروف (بھلے کاموں) میں ہے)۔

تفسیر مظہری میں عمران بن حصین اور حکیم بن عمرو الغفاری سے روایت نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:**"لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق"** (تفسیر مظہری، سورۃ النساء:۲/۳۶۸، اس کی تخریج، احمد اور حاکم نے کی ہے)، (خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی)۔

تفسیر مظہری میں ہے:**"فإن أباح الشرع ذلک الأمر أطيعوا أميركم فيه و إلا فلا"** (تفسیر مظہری، سورۃ النساء:۲/۳۶۸) (اگر شرع اوہ امر مباح ہو تو اپنے امیر کی اطاعت کرو، ورنہ نہ کرو)۔

مذکورہ بالا روایات اور تفسیری حوالوں سے یہ واضح ہو گیا کہ حکمراں اور ذمہ داروں کی اطاعت اس وقت لازم ہے جبکہ معصیت اور گناہ کے کاموں کا حکم نہ دیں، اور اگر معصیت اور گناہ کے کام کا حکم ہو تو اطاعت جائز نہیں ہے۔

لہٰذا اگر مساجد، مذہبی اداروں اور تنظیموں کے ذمہ داروں میں قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق وجوہ فسق پائے جاتے ہوں، پھر بھی اگر وہ شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے اپنے ماتحتوں کو حکم دیں تو ماتحتوں پر ان کے حکم کو ماننا ضروری ہوگا اور اگر خلاف شرع امور کا حکم دیں تو ان کی اطاعت جائز نہیں ہوگی۔

جواب نمبر (۵): فسق فی العقیدہ سے مراد

فسق کی دو قسمیں ہیں: فسق عملی اور فسق اعتقادی۔

فسق عملی یہ ہے کہ عقیدہ تو اہل سنت والجماعت کا ہو، عقیدہ میں کسی طرح کی خرابی نہ ہو، لیکن خلاف شرع امور کا مرتکب ہو، مثلاً زنا، شراب نوشی، قمار بازی، سود خوری، ترک صلاۃ اور اس جیسے گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو، اوپر جو فسق کی تفصیل گزری وہ فسق عملی کی تھی اور فسق اعتقادی یہ ہے کہ عقیدہ میں کچھ خرابی ہو، اہل سنت والجماعت کے عقائد سے کچھ الگ عقائد ہوں، جو کسی خاص مذہب ومسلک پر اعتقاد رکھنے کی وجہ سے ہوں، اس طرح کے لوگوں کی بھی دو قسمیں ہیں: کچھ تو وہ ہیں جو بلا تاویل ہی آیات وروایات کے خلاف عمل کرتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں، اس طرح کے لوگوں پر کفر کا فتوی لگ چکا ہے، ان کی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔

اور کچھ لوگ وہ ہیں جو کسی خاص مذہب ومسلک پر عقیدہ رکھنے کی وجہ سے آیات وروایات میں تاویل کر کے ان پر عمل کرتے ہیں، ایسے لوگ صاحب ہوی کہے جاتے ہیں، جیسے معتزلہ، قدریہ اور خوارج وغیرہ ہیں، یہ مسلمان ہیں، البتہ اہل سنت والجماعت کے عقائد سے ہٹنے کی وجہ سے گمراہ ہیں، اگر ان میں عدالت پائی جاتی ہے اور زیر بحث معاملہ میں ان کے جھوٹ نہ بولنے کا ظن غالب ہے تو کتب تفسیر اور کتب فقہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ ان کی شہادت قابل قبول ہوگی، اس لئے کہ کسی خاص مذہب ومسلک پر عقیدہ کی پختگی ان کو جھوٹ بولنے سے روک دے گی، خاص طور سے جن کے مذاہب و مسالک میں جھوٹ بولنا کافرانہ جرم ہو، وہ کیسے جھوٹ بول سکتے ہیں؟ یہ لوگ جھوٹ کی تہمت سے بری ہوں گے، اور فسق عملی میں شہادت جھوٹ کی تہمت ہی کی وجہ سے قبول نہیں ہوتی ہے، لہٰذا مذکوہ اہل ہوی کی شہادت قبول ہوگی، اسی وجہ سے فرقۂ خطابیہ کی شہادت اس لئے قابل قبول نہیں ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک اپنے ہم خیال لوگوں کے حق میں گواہی دینا واجب ہے، نیز جو شخص ان کے نزدیک یہ قسم کھالے کہ میں حق پر ہوں تو ان کے حق میں بھی گواہی دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

امام مالکؒ یہ فرماتے ہیں کہ فسق اعتقادی فسق عملی سے زیادہ برا ہے، لہذا ایسے لوگوں کی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی، امام محمدؒ اس کے قائل ہیں کہ خوارج جب اعتقاد رکھیں اور قتال نہ کریں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔

روح المعانی میں ہے: ”**ثم اِعلم أن الفاسق قسمان: فاسق غير متأول و هو ظاهر و لاخلاف فی أنه لا يقبل خبره، و فاسق متأول كالجبری والقدری و يقال له المبتدع بدعة واضحة، فمن الأصوليين من رد شهادته و روايته للآية،و منهم الشافعی و القاضی، ومنهم من قبلها، أما الشهادة فلأن ردها**

لتهمة الكذب و الفسق من حيث الاِعتقاد لا يدل عليه، بل هو أمارة الصدق، لأن موقعه فيه تعمقه فی الدين والكذب حرام فی كل الأديان، لا سيما عند من يقول بكفر الكاذب أو خروجه من الاِيمان و ذلک يصده عنه'' (روح المعانی، سورۃ الحجرات: ۱۴/۲۲۱)۔

ہدایہ میں ہے: ''**وتقبل شهادة أهل الأهواء إلا الخطابية، و قال الشافعی: لا تقبل،لأنه أغلظ وجوه الفسق، و لنا أنه فسق من حيث الاِعتقاد، وما أوقعه فيه إلا تدينه به، و صار كمن يشرب المثلث أو يأكل متروک التسمية عامدا مستبيحا لذلک،بخلاف الفسق من حيث التعاطی، أما الخطابية فهم من غلاة الروافض، يعتقدون الشهادة لكل من حلف عندهم، وقيل يرون الشهادة لشيعتهم واجبة، فتمكنت التهمة فی شهادتهم لظهور فسقهم**'' (ھدایہ، کتاب الشہادۃ: ۳/۱۷۰)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: ''**ذكر شيخ الإسلام:شهاده أهل الأهواء مقبولة عندنا، إذا كان هوی لايكفر به صاحبه،ولا يكون ماجنا، ويكون عدلا فی تعاطيه، وهو الصحيح، كذا فی المحيط**'' (الفتاوی الہندیہ، کتاب الشہادات: ۳/۴۰۲)۔

بدائع الصنائع میں پوری وضاحت کے ساتھ لکھا ہے: ''**وأما شهادة صاحب الهوی اِذا كان عدلا فی هواه و دينه، نظر فی ذلک، اِن كان من هوًی يكفره لا تقبل شهادته، لأن شهادة الكافر على المسلم غير مقبولة،واِن كان لا يكفره، فاِن كان صاحب العصبية والدعوة لا يبالی من الكذب و التزوير لتزويج هواه فكان فاسقا فيه، وكذا اِذا كان فيه مجانة، لأن الماجن لا يبالی من الكذب، فاِن لم يكن كذلک و هو عدل فی هواه تقبل،لأن هواه يزجره عن الكذب**'' (بدائع الصنائع، کتاب الشہادۃ: ۹/۱۷-۱۸)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعتقادی فاسق اگر اپنے فسق کی وجہ سے کافر ہو تو اس کی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی اور اگر وہ کافر نہ ہو اور اس کے سچ بولنے کا ظن غالب ہو تو اس کی شہادت قابل قبول ہوگی۔

جواب نمبر (۶): فاسق کی توبہ کے بعد اس کا حکم

اگر فاسق توبہ کی تمام شرائط کے ساتھ صدق دل سے توبہ واستغفار کرلے تو اس کی شہادت کے قبول کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس پر اتنا زمانہ گزر جائے کہ اس پر توبہ کا اثر ظاہر ہوجائے، توبہ کرتے ہی فوراً اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ ممکن ہے کہ اس کی یہ سچی توبہ نہ ہو، اس زمانہ کی کوئی تحدید نہیں ہے، یہ قاضی کی صوابدید پر ہے، جب اس

کواطمینان اورظن غالب ہوجائے شہادت کوقبول کرسکتا ہے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:"**الفاسق إذا تاب لا تقبل شهادته ما لم يمض عليه زمان يظهر عليه أثر التوبة، والصحيح أن ذلک مفوض إلى رأى القاضى**" (الفتاوی الہندیہ، کتاب الشہادات:۳/۴۰۲)۔

جواب نمبر(۷):کسی تاویل کی بنیاد پر داڑھی نہ رکھنے والے یا چھوٹی رکھنے والے کا حکم

داڑھی تمام انبیاء کرام کی سنت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھی اور آپ نے داڑھی رکھنے کی تاکید فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی گھنی اور بڑی تھی، داڑھی رکھنے کے سلسلہ میں احادیث میں عموما پانچ الفاظ ملتے ہیں: (۱)وفروا اللحی، (۲)أعفوا اللحی، (۳)أرخوا اللحی، (۴)أوفوا اللحی، (۵)أرجوا اللحی، یہ پانچوں الفاظ امر کا صیغہ ہیں اور امر وجوب کے لئے آتا ہے، الا یہ کہ کوئی قرینہ امر سے پھیرنے والا ہو، اور روایات میں امر سے پھیرنے والا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔

صحابۂ کرام خصوصا خلفاء راشدین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین اور تابعین وتبع تابعین خصوصا ائمۂ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور دیگر فقہاء و مجتہدین ومحدثین کا عمل بھی داڑھی رکھنے کا تھا اور ان کی طرف سے اس کی تاکید بھی تھی، اس لئے داڑھی رکھنے کے وجوب پر امت کا اجماع ہے، حتی کہ اہل ظاہر اور اہل حدیث کے علماء بھی اس پر متفق ہیں ائمۂ اربعہ کی فقہی کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے، طوالت کی وجہ سے حوالہ سے گریز کررہا ہوں، یہاں پر صرف اہل حدیث کے بڑے عالم عبدالعزیز بن باز کے حوالہ پر اکتفاء کرتا ہوں۔

مجموعہ فتاوی ابن باز میں ہے:"**ألواجب إعفاء اللحية و توفيرها و إرخاء ها و عدم التعرض لها بشيء لما ثبت عنه صلى اللّٰه عليه و سلم أنه قال: "قصوا الشارب و أعفوا اللحى، خالفوا المشركين"، متفق على صحته عن إبن عمر رضى اللّٰه عنهما، وروى البخارى فى صحيحه رحمة اللّٰه عليه عن إبن عمر رضى اللّٰه عنهما أن النبى صلى اللّٰه عليه و سلم قال:"قصوا الشارب و وفروا اللحى،خالفوا المشركين" و روى مسلم فى صحيحه عن أبى هريرة رضى اللّٰه تعالى عنه عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: "جزوا الشوارب و أرخوا اللحى،خالفوا المجوس" وهذه الأحاديث كلها تدل على وجوب إعفاء اللحى و توفيرها وإرخاء ها و على وجوب قص الشوارب،هذا هو المشروع و هذا هو الواجب الذى أرشد إليه النبى صلى اللّٰه عليه وسلم و أمر به، و فى ذلک تأس به صلى اللّٰه**

علیہ وسلم و بأصحابہ رضی اللّٰہ عنھم و مخالفة للمشرکین و اِبتعادا عن مشابھتھم و عن مشابھة النساء'' (مجموع فتاوی ومقالات متنوعۃ: ۴/ ۴۴۳)۔

داڑھی کی مقدار کیا ہونی چاہئے؟

چوں کہ احادیث میں داڑھی کے سلسلہ میں جو الفاظ آئے ہیں ان سب کا مفہوم ''ارسال'' کا ہے، یعنی داڑھی کو چھوڑ دیا جائے، جہاں تک بڑھتی چلی جائے، اس لئے ائمۂ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ارسال کے قائل ہیں، ان کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ داڑھی بالکل نہ کاٹی جائے، اہل حدیث کا مسلک بھی یہی معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر عبدالعزیز بن باز کے فتوی سے واضح ہے؛ لیکن چوں کہ راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ ایک مشت سے زائد داڑھی کے بال کو کاٹ دیا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ارسال ایک مشت تک ہونا چاہئے، کیوں کہ راوی حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے بغیر اپنی طرف سے یہ عمل نہیں کر سکتے تھے، اس لئے حنفیہ کے نزدیک مسنون یہ ہے کہ ایک مشت سے زائد بال کو کاٹ دیا جائے، داڑھی منڈوانا یا کاٹ کر ایک مشت سے کم کر دینا حرام ہے، کسی فقیہ نے ایک مشت سے کم کو جائز نہیں قرار دیا ہے، جس کی تفصیل اور دلائل گزشتہ صفحات میں ذکر کر دیئے گئے ہیں۔

لہٰذا جو لوگ داڑھی کو سنن عادیہ میں شمار کر کے داڑھی نہیں رکھتے ہیں یا داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہ سمجھ کر بالکل چھوٹی داڑھی رکھتے ہیں اور یہی ان کا مسلک ہے، تو چوں کہ ان کا یہ مسلک حضور اکرم صلی اللہ علیہ، صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے عمل، روایات اور اجماع کے خلاف ہے، ائمۂ اربعہ اور دیگر فقہاء میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے، اس لئے ان کا یہ مسلک قابل قبول نہیں ہے، بلکہ مردود ہے، اہل ہوی جو آیات وروایات میں تاویل کر کے ان پر عمل کرتے ہیں ان کو اہل ہوی ہی کہا گیا اور ان کو یہی کہا گیا کہ وہ اعتقادی فسق میں مبتلا ہیں، اسی طرح جو لوگ تاویل کر کے داڑھی نہیں رکھتے ہیں یا ایک مشت سے کم رکھتے ہیں ان کے متعلق بھی یہ کہا جائے گا کہ وہ عملی فسق میں مبتلا ہیں؛ البتہ اگر ان کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی نص یا کوئی ٹھوس دلیل سامنے آئے تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

فسق کا مفہوم اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مفتی مولانا اختر امام عادل قاسمی☆

شریعت اسلامیہ میں کئی احکام اور مسائل کا تعلق عدل اور عدالت سے ہے اور ان میں قید لگی ہوئی ہے کہ یہ کام یا ذمہ داری ایسے شخص کو نہ دی جائے جو فسق میں مبتلا ہو، مگر فی زمانہ گناہوں کی کثرت اور نظر وفکر کے اختلاف کی بنا پر بسا اوقات انسان تذبذب میں پڑ جاتا ہے کہ فسق کا مفہوم کیا ہے؟ اور اس کے دائرے میں کون لوگ آتے ہیں؟، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے، جس میں اس تعلق سے کئی سوالات ذکر کئے گئے ہیں، ان کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

فسق کی ایک متعین تعریف ہے:

جواب(۱): اصطلاح شرع میں فکر وعمل کی صحیح راہ پر چلنے والے کو عادل اور اس سے انحراف کرنے والے کو فاسق کہا جاتا ہے، اور یہ دونوں طبقے اہل ایمان ہی کے ہیں، مگر باقاعدہ اصطلاح بعد میں قائم ہوئی، عہد نبوت میں ''فسق'' کے لفظ کا استعمال عام تھا، چنانچہ قرآن وحدیث میں جہاں فسق کا استعمال عملی خرابیوں اور فکری انحرافات کے لئے ہوا ہے، مثلاً:

فسق بمعنی فساد عمل

☆ ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَافَعَلْتُمْ نَادِمِينَ'' (الحجرات:٦)۔

☆ ''وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِکَ هُمُ الرَّاشِدُونَ'' (الحجرات:٧)۔

☆ ''وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِکَ هُمُ الْفَاسِقُونَ'' (النور:٤)۔

☆ جامعہ ربانی منورواشریف بہار

☆ "وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ فَمِنْهُمْ مُهْتَدٍ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ" (الحدید:۲۶)۔

☆ "فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ" (الحدید:۲۷)۔

☆ "وأن تستقسموا بالأزلام ذلكم فسق اليوم يئس الذين كفروا من دينكم" (المائدہ:۳)۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "سباب المسلم فسوق و قتاله كفر" (الجامع الصحیح للبخاری ۲۰۸۳/۵)۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "كَيْفَ بِكُمْ يأيها الناس إذا طَغَى نِسَاؤُكُمْ و فسق فتيانكم؟"، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّ هذا لَكَائِنٌ؟ قَالَ: "نعم و أشد منه، كَيْفَ بِكُمْ إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَعْرُوفَ مُنْكَرًا وَالْمُنْكَرَ مَعْرُوفًا؟" (ابویعلی والطبرانی فی الأوسط ۸۰/۲)۔

☆ حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا: "مَنْ مَلَأَ عَيْنَيْهِ مِنْ قَاعَةِ بَيْتٍ قَبْلَ أَنْ يُؤْذَنَ لَهُ، فَقَدْ فَسَقَ" (اخرجہ البخاری فی أدب المفرد، حدیث نمبر ۱۰۹۲، البیہقی فی شعب الإیمان، حدیث نمبر ۸۴۴۲)۔

فسق کا اطلاق کفار ومشرکین کے لئے

وہیں قرآن کریم میں بکثرت اس کا استعمال اہل ایمان کے بالمقابل کفار ومشرکین پر بھی کیا گیا ہے مثلاً:

☆ "أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَى نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ" (السجدۃ:۱۹-۲۰)۔

☆ "كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ" (یونس:۳۳)۔

☆ "أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ" (السجدۃ:۱۸)۔

☆ "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ" (الحشر:۱۹)۔

☆ "وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ" (الاحقاف:۳۵)۔

☆ "الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ" (النور:۵۵)۔

☆ "وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ" (التوبۃ:۶۷)۔

لیکن غور کریں تو یہاں بھی فسق کا اطلاق براہ راست ان کے کفر وشرک پر نہیں، بلکہ ان سے سرزد ہونے والی ان حرکتوں پر کیا گیا ہے جو ان کے ذہنی وفکری طغیان اور عملی فساد پر مبنی تھیں، چنانچہ بعد میں جب اصطلاحات کا دور آیا، اور بہت سے اسماء اور اشیاء کے لئے اصطلاحات قائم ہوئیں، تو اسی دور میں فسق کو بھی ایک شرعی اصطلاح کے طور پر رکھا گیا، اور فسق کا تعلق عقیدہ کے بجائے عمل وفکر سے قائم کر دیا گیا۔

فاسق کی اصطلاحی تعریف:

کتب فقہ ولغت واصطلاحات میں فاسق کی جو مختلف تعریفات وتشریحات کی گئی ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

فاسق ایسے شخص کو کہتے ہیں جو عمداً گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے، یا گناہ صغیرہ کو بار بار کرے اور توفیق توبہ وندامت سے محروم ہو۔

علامہ طحطاویؒ لکھتے ہیں: "**والمراد الفاسق بالجارحة لا بالعقيدة لأن ذا سيذكر بالمبتدع والفسق لغة خروج عن الاستقامة وهو معنى قولهم خروج الشيء عن الشيء على وجه الفساد وشرعا خروج عن طاعة الله تعالى بارتكاب كبيرة، قال القهستاني أى أو إصرار على صغيرة وينبغى أن يراد بلا تأويلاته**" (حاشیۃ علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح ۱/ ۲۰۴، أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحاوی الحنفی)۔

علامہ ابن نجیم تحریر فرماتے ہیں: "**وَالْفِسْقُ لُغَةً الْخُرُوجُ عن الِاسْتِقَامَةِ كَذَا فى الْمُغْرِبِ وَشَرْعًا ارْتِكَابُ كَبِيرَةٍ أو الْإِصْرَارُ على صَغِيرَةٍ كما فى الْخِزَانَةِ، وَالْعَدَالَةُ اجْتِنَابُ الْكَبَائِرِ ولا إصرار على صَغِيرَةٍ وَاجْتِنَابُ فِعْلِ ما يُخِلُّ بِالْمُرُوئَةِ كما سَيَأْتِى فى الشَّهَادَاتِ ..... أَىْ فَسَقَ بِأَخْذِ الرِّشْوَةِ أو بِغَيْرِهِ من الزِّنَا وَشُرْبِ الْخَمْرِ**" (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ۶/ ۲۸۴، زین الدین ابن نجیم الحنفی)۔

درر الحکام میں ہے: "**(أَوْ يُغَنِّى لِلنَّاسِ) لِأَنَّهُ يَصِيرُ عَلَى نَوْعِ فِسْقٍ وَيَجْمَعُهُمْ عَلَى ارْتِكَابِ كَبِيرَةٍ وَلَا يَمْتَنِعُ عَادَةً عَنْ الْمُجَازَفَةِ وَالْكَذِبِ**" (درر الحکام شرح غرر الأحکام ۸/ ۲۵۱)۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: "**من ارتكب جريمة فإن كانت من الكبائر سقطت عدالته، إلا أن يتوب، فإن لم تكن من الكبائر فإن أصر عليها واعتاد ذلك فكذلك؛ لأن الصغيرة بالإصرار عليها تصير كبيرة، قال عليه الصلاة والسلام: "لا صغيرة مع الإصرار، ولا كبيرة مع الاستغفار" وإن لم يصر عليها لا تسقط عدالته، إذا غلبت حسناته سيئاته**" (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱۴/ ۲۹۴)۔

صاحب المحیط البرھانی لکھتے ہیں:"أحسن ما قیل فی ھذا الباب مانقل عن أبی یوسف فإن العدل فی الشھادۃ أن یکون مجتنباً عن الکبائر، ولا یکون مصرّاً علی الصغائر، ویکون صلاحہ أکثر من فسادہ، وصوابہ أکثر من خطئہ، وأن یستعمل الصدق دیانۃ ومروئۃ، ویجتنب عن الکذب دیانۃ ومروئۃ" (المحیط البرہانی ۹/۱۶۷)۔

دررالحکام میں ہے:"وَالْعَادِلُ مَنْ تَكُونُ حَسَنَاتُهُ غَالِبَةً عَلَى سَيِّئَاتِهِ وَهُوَ الْمُتَوَقِّي كَبَائِرَ الذُّنُوبِ وَالْغَيْرُ الْمُصِرُّ عَلَى صَغَائِرِهَا وَكَانَ صَلَاحُهُ أَكْثَرَ مِنْ فَسَادِهِ وَصَوَابُهُ أَوْفَرَ مِنْ خَطَئِهِ" (دررالحکام شرح مجلۃ الأحکام ۴/۳۵۹)۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہاء کے یہاں فسق کا ایک معروف تصور ہے اور اس کی ایک متعین تعریف ہے، اور فاسق ایک مخصوص اصطلاح ہے، جس کے حدود اربعہ علماء نے طے کر دیئے ہیں اور ان کو زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر نہیں چھوڑا گیا ہے۔

عبادات ومعاملات میں فسق کے احکام

فاسق کی عبادت

جواب (۲): جہاں تک عبادات کا معاملہ ہے تو فسق صحت عبادت کے لئے مانع نہیں ہے، اگر فاسق شخص تمام ارکان وشرائط کی رعایت کے ساتھ کوئی عبادت ادا کرے تو اس کی عبادت ہوجائے گی اور اس کا ذمہ ساقط ہوجائے گا، اس کو دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی، اللہ پاک کے یہاں قبول ہوئی یا نہیں؟ تو اس کا علم اللہ کو ہے؟ بندہ اس کا مکلّف نہیں۔

البتہ جو عبادت فاسق کی ذات تک محدود نہ ہو، بلکہ دوسروں سے بھی اس کا تعلق ہو، مثلاً نماز کی امامت، تو فاسق کے پیچھے بھی نماز ہوجاتی ہے اور جماعت کی فضیلت بھی حاصل ہوجاتی ہے، مگر اس کے فسق کی بنا پر ثواب میں کمی ہوتی ہے، متقی کے پیچھے نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ حاصل نہیں ہوسکتا:

"وفی النھر عن المحیط: صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعۃ (الدرالمختار، شرح تنویر الأبصار ۱/۶۰۵)۔

وَفِي الدِّرَايَةِ نَقْلًا عَنْ الْمُحِيطِ لَوْ صَلَّى خَلْفَ فَاسِقٍ أَوْ مُبْتَدِعٍ يَكُونُ مُحْرِزًا ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ أَمَّا لَا يَنَالُ ثَوَابَ مَنْ صَلَّى خَلْفَ التَّقِيِّ اھـ" (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۱/۱۳۵)۔

اسی لئے فاسق کے پیچھے اتفاقاً نماز پڑھ لی جائے تو حرج نہیں، لیکن اس کو مستقل امام بنانا مکروہ ہے، اور اگر کسی مسجد

میں فاسق امام مقرر ہواوراس کو ہٹایا نہ جاسکتا ہوتو علماء نے لکھا ہے کہ پنج وقتہ نماز کسی دوسری مسجد میں جا کر ادا کرے اور یہاں نماز میں شریک ہوکر گناہ گار نہ ہو، البتہ جمعہ کی نماز اگر ایک ہی جگہ ہوتی ہواور امام فاسق ہوتو پھر مسجد اور جمعہ ترک نہ کرے؛ بلکہ اسی مسجد میں اس کے پیچھے نماز ادا کرلے، اس لئے کہ اس صورت میں فتنہ کا اندیشہ ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ متعدد صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے حجاج کے پیچھے نماز جمعہ ادا کی؛ جب کہ وہ اپنے دور کا بدترین فاسق تھا۔

"(وَكُرِهَ إمَامَةُ الْعَبْدِ)؛ ..... (وَالْفَاسِقِ) لِأَنَّهُ لَا يَهْتَمُّ لِأَمْرِ دِينِهِ ؛ وَلِأَنَّ فِي تَقْدِيمِهِ لِلْإِمَامَةِ تَعْظِيمَهُ وَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِمْ إهَانَتُهُ شَرْعًا قَالَ – رَحِمَهُ اللَّهُ –..... وَإِنْ تَقَدَّمُوا جَازَ لِقَوْلِهِ – عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ وَالْفَاجِرُ إذَا تَعَذَّرَ مَنْعُهُ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ خَلْفَهُ وَفِي غَيْرِهَا يَنْتَقِلُ إلَى مَسْجِدٍ آخَرَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ وَأَنَسٌ يُصَلِّيَانِ الْجُمُعَةَ خَلْفَ الْحَجَّاجِ" (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۱/ ۱۳۵)۔

معاملات میں فاسق کا اعتبار اور مواقع

معاملات میں عبادات کے بالمقابل زیادہ توسع ہے اور بڑی حد تک فاسق کی بات قابل قبول مانی جاتی ہے، خاص طور پر ایسے مواقع پر جہاں اس کا کوئی دوسرا متبادل موجود نہ ہو، اور اس کا اعتبار نہ کرنے سے لوگوں کے حقوق تلف ہونے یا اجتماعی نظام کے متأثر ہونے کا اندیشہ ہو، مثلاً نکاح کی شہادت اور رویت ہلال وغیرہ کے ابواب میں فاسق کو بھی کسی نہ کسی درجہ میں اعتبار حاصل ہے، اور اس کا مآخذ قرآن کریم کی وہ آیت ہے جس میں فاسق کی خبر کو مطلقاً قبول کرنے سے روکا گیا ہے، لیکن اس کو یکسر مسترد بھی نہیں کیا گیا ہے، بلکہ دوسرے ذرائع سے اس کی تحقیق کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس کی علت یہ بتائی گئی کہ خدانخواستہ اس پر بھروسہ کرنے سے دوسروں کو نقصان نہ پہونچے، اس سے فی الجملہ معاملات دنیا میں فاسق کی خبر کے اعتبار کا ثبوت ملتا ہے، اور علت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فاسق کی خبر یا شہادت کو رد یا قبول کیا جاسکتا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ" (الحجرات:٦)۔

اسی لئے علماء نے جہاں ایک طرف فاسق کی خبر یا شہادت کو عام ضابطہ کے مطابق ناقابل قبول قرار دیا ہے، وہیں بعض معاملات میں اس کی گنجائش بھی رکھی ہے، مثلاً:

☆ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کے نزدیک فاسق نکاح میں ولی بن سکتا ہے۔

☆ نکاح میں گواہ بن سکتا ہے۔

☆اسی طرح اس کو سفیر اور ترجمان بنایا جاسکتا ہے۔

☆اس کی بات پر اعتبار کرتے ہوئے کسی چیز کو حلال یا حرام کہا جاسکتا ہے۔

☆اس کے کہنے کے مطابق کسی کا ہدیہ قبول کیا جاسکتا ہے۔

☆اس کو کسی کا وکیل مان کر اس سے معاملہ بیع وشرا کیا جاسکتا ہے وغیرہ۔

کتب فقہ میں ایسے کئی معاملات کا ذکر ملتا ہے جن میں عدالت کی شرط نہیں رکھی گئی ہے، اسی طرح مختلف احوال میں عام لوگوں کے حقوق کے تحفظ یا مقدمات میں فیصلے کے لئے فاسق کی خبر یا شہادت کو بھی جمہور علماء نے قابل قبول قرار دیا ہے، بشرطیکہ دوسرا متبادل موجود نہ ہو۔

متعدد علماء نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ اگر کسی سماج میں فاسقوں ہی کی اکثریت ہو، اور صالح لوگ ڈھونڈھنے پر بھی نہ ملتے ہوں، تو حقوق وحدود کے تحفظ اور اجتماعی دینی مسائل کے حل کے لئے فاسقوں کی خبر یا شہادت بھی قابل قبول ہوگی۔

"واتفق أهل العلم على جواز قبول خبر الفاسق فى أشياء، فمنها: أمور المعاملات يقبل فيها خبر الفاسق، وذلک نحو الهدية إذا قال: "إن فلانا أهدى إليک هذا" يجوز له قبوله وقبضه، ونحو قوله: "وكلنى فلان ببيع عبده هذا" فيجوز شراؤه منه، ونحو الإذن فى الدخول إذا قال له قائل: "ادخل" لا تعتبر فيه العدالة، وكذلک جميع أخبار المعاملات ويقبل فى جميع ذلک خبر الصبى والعبد والذمى، وقبل النبى صلى الله عليه وسلم خبر بريرة فيما أهدت إلى النبى صلى الله عليه وسلم وكان يتصدق عليها، فقال النبى صلى الله عليه وسلم: "هى لها صدقة ولنا هدية" فقبل قولها فى أنه تصدق به عليها وأن ملک المتصدق قد زال إليها. ويقبل قول الفاسق وشهادته من وجه آخر، وهو من كان فسقه من جهة الدين باعتقاد مذهب، وهم أهل الأهواء فساق وشهادتهم مقبولة، وعلى ذلک جرى أمر السلف فى قبول أخبار أهل الأهواء فى رواية الأحاديث وشهادتهم، ولم يكن فسقهم من جهة التدين مانعا من قبول شهادتهم، وتقبل أيضا شهادة أهل الذمة بعضهم على بعض، وقد بيناه فيما سلف من هذا الكتاب فهذه الوجوه الثلاثة يقبل فيها خبر الفاسق....." (أحکام القرآن للجصاص ۳/ ۵۳۰)۔

ڈاڑھی نہ رکھنے والوں کی شہادت

جواب (۳): رویت ہلال کا مسئلہ بھی انہی معاملات میں سے ہے جن میں فقہاء نے توسع سے کام لیا ہے، چونکہ

رمضان اور عید امت کے اجتماعی مسائل میں سے ہیں، اگر اس میں صالح اور عادل کی قید لگائی جائے گی تو کئی مواقع پر مشکلات پیش آئیں گی، علاوہ فاسق کی شہادت قبول نہ کئے جانے کا مطلب یہ ہے کہ قاضی پر اس کی شہادت قبول کرنا واجب نہیں ہے، اس لئے دوسرے قرائن سے اگر تصدیق ہوجائے اور قاضی کو اطمینان ہو کہ یہ ڈاڑھی منڈے لوگ اس معاملہ میں جھوٹ نہیں بول رہے ہیں، تو قاضی ان کی شہادت قبول کرسکتا ہے:

"وَإِذَا غَلَبَ عَلَى الظَّنِّ صِدْقُ الْفَاسِقِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَحُكِمَ بِهَا، وَاللَّهُ تَعَالَى لَمْ يَأْمُرْ بِرَدِّ خَبَرِ الْفَاسِقِ فَلَا يَجُوزُ رَدُّهُ مُطْلَقًا بَلْ يَتَثَبَّتُ فِيهِ حَتَّى يَتَبَيَّنَ صِدْقُهُ مِنْ كَذِبِهِ فَيَعْمَلُ عَلَى مَا تَبَيَّنَ وَفِسْقُهُ عَلَيْهِ وَاعْلَمْ أَنَّ لِرَدِّ شَهَادَةِ الْفَاسِقِ مَأْخَذَيْنِ: أَحَدُهُمَا عَدَمُ الْوُثُوقِ بِهِ وَأَنَّهُ يُحَمِّلُهُ قِلَّةَ مُبَالَاتِهِ بِدِينِهِ وَنُقْصَانَ وَقَارِ اللَّهِ تَعَالَى فِي قَلْبِهِ عَلَى تَعَمُّدِ الْكَذِبِ. الثَّانِي هَجْرُهُ عَلَى إعْلَانِهِ بِفِسْقِهِ وَمُجَاهَرَتُهُ بِهِ، فَقَبُولُ شَهَادَتِهِ فِيهَا إبْطَالٌ لِهَذَا الْغَرَضِ الْمَطْلُوبِ شَرْعًا، فَإِذَا عَلِمَ صِدْقَ لَهْجَتِهِ وَأَنَّهُ مِنْ أَصْدَقِ النَّاسِ وَأَنَّ فِسْقَهُ بِغَيْرِ الْكَذِبِ، فَلَا وَجْهَ لِرَدِّ شَهَادَتِهِ. وَقَدْ اسْتَأْجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَادِيًا يَدُلُّهُ عَلَى طَرِيقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ مُشْرِكٌ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ، وَلَكِنْ لَمَّا وَثِقَ بِقَوْلِهِ أَمِنَهُ وَدَفَعَ إلَيْهِ رَاحِلَتَهُ وَقَبِلَ دَلَالَتَهُ....." (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام ۲/۵۷)۔

"وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ رَحِمَهُ اللَّهُ أَنَّ الْفَاسِقَ إذَا كَانَ وَجِيهًا فِي النَّاسِ ذَا مُرُوءَةٍ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لِعَدَمِ تَمَكُّنِ تُهْمَةِ الْكَذِبِ فِي شَهَادَتِهِ ؛ لِأَنَّهُ لِوَجَاهَتِهِ لَا يَتَجَاسَرُ أَحَدٌ عَلَى اسْتِئْجَارِهِ لِأَدَاءِ الشَّهَادَةِ وَلِمُرُوءَتِهِ يَمْتَنِعُ عَنْ الْكَذِبِ مِنْ غَيْرِ مَنْفَعَةٍ لَهُ فِي ذَلِكَ" (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۳/۶)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ فاسق جھوٹ بولنے کا عادی ہو تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی، وہ قابل اعتبار نہیں ہے:

"وإذا كان الرجل معروفاً بالكذب الفاحش لم تقبل شهادته، يريد به إذا اعتاد الكذب؛ لأنه إذا اعتاد ذلك لا يصبر عنه فلا يؤمن من أن يكذب فى هذه الشهادة، فأما إذا كان يقع فيه أحياناً قبلت شهادته؛ لأنه لا يسلم أحد من ذلك، وفى الأقضية: والذى اعتاد الكذب إذا تاب لا تقبل شهادته؛ لأن من اعتاد الكذب قلّ ما يصبر. وكذلك لا تقبل شهادة الداعر، وهو الفاسق المتهتك الذى لايبالى ما يصنع؛ لأنه لا يؤمن عليه أن لا يبالى من شهادة الزور" (المحیط البرہانی، ۹/۱۷۵)۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اس شرط کا خلاصہ یہ ہے کہ شاہد عادل ہونا چاہئے، فاسق نہ ہو، مگر باتفاق فقہاء اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی

شہادت قبول کرنا اور اسکے مطابق فیصلہ کرنا قاضی کے ذمہ واجب نہیں، اگر قاضی کو قرائن کے ذریعہ معلوم ہوجائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، اس بنا پر وہ فاسق کی شہادت پر فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ صحیح اور نافذ ہے۔

جب سے دنیا میں فسق کی کثرت ہوئی اور عام معاملات کی شہادت میں ایسے ہی لوگ آنے لگے جو شرعی اصلاح میں فاسق ہیں تو لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور مقدمات کے فیصلے کی لئے حضرات فقہاء نے یہی صورت اختیار کی ہے کہ جس فاسق کے معاملہ میں قرائن اور حالات سے اس کا اطمنا ان ہوجائے کہ جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی شہادت قبول کر کے اس پر مقدمات کے فیصلے کریں، البتہ ایسے لوگوں میں سے اس کا انتخاب کریں جو دوسروں کی نسبت زیادہ صلاحیت رکھتا ہو، مثلاً نماز روزہ کا پابند اور عام احکام شرعیہ کا احترام کرتا ہو،.....تو جب حالات کا جائزہ لے کر قاضی کو اس کے سچا ہونے کا غالب گمان ہوجائے تو وہ اس کی شہادت قبول کرسکتا ہے اور اس زمانہ میں جبکہ فسق کی بہت سی صورتیں مثلاً داڑھی منڈانا وغیرہ ایسی عام ہوگئی ہیں کہ ان کی وجہ سے مطلقاً شہادت کو رد کردیا جائے تو بہت سے معاملات کا ثبوت کسی طرح نہ ہم پہنچے گا، فقہاء کو اس مسلک کے سوا چارہ نہیں، اس لئے معین الحکام میں یہ تحقیق نقل کرنے کے بعد لکھا گیا ہے: **هَـذَا هُوَ الصَّوَابُ الَّذِی عَلَیْهِ الْعَمَلُ**'' (رویت ہلال مفتی شفیع صاحب ص:۱۸،۱۹)۔

دینی اداروں کے ذمہ دار اگر فاسق ہوں

جواب (۴): ادارہ یا مسجد کا امیر یا ذمہ دار نیک صالح لوگوں کو بنانا چاہئے، لیکن اگر کسی فاسق کو ذمہ دار بنادیا جائے، تو ادارہ کے تحفظ اور نظم وانتظام کے لئے جائز امور میں اس کی اطاعت بھی لازم ہوگی، چاہے وہ اپنی ذاتی زندگی میں فسق وفجور اور ناجائز کاموں میں ملوث ہو، اس لئے کہ متعدد روایات میں جماعت کے ساتھ رہنے اور امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اگرچہ کہ امیر فاسق وفاجر ہی ہو۔

فسق عقیدہ سے مراد اور احکام

جواب (۵): فسق فی العقیدہ سے مراد ایسے اعمال وافکار ہیں جو سنت والجماعت کے منہج اعتدال سے ہٹے ہوئے ہوں، اور اس کا مصداق وہ بدعتی فرقے اور افراد ہیں، جو اہل سنت والجماعت کے طریقۂ کار سے الگ کسی دوسرے طریق پر گامزن ہوں اور جو مسلمان ہونے کے باوجود تاویل یا جہالت کی بنیاد پر بہت سے ثابت شدہ حقائق کا انکار کرتے ہوں، یا نئے تصورات وتخیلات کو عقائد کا درجہ دے رکھا ہو، تاریخ اسلامی میں اس طرح کے کئی فرقوں کا ذکر ملتا ہے، مثلاً خوارج،

شیعہ،قدریہ،معتزلہ،جہمیہ،وغیرہ،اورآج بھی ایسے کئی فرقے ممکن ہیں،فسق فی العقیدہ میں مبتلاافراداگرکذب میں معروف نہ ہوں اوروجاہت ووقار کے حامل ہوں،توحسب ضرورت ان کی خبروشہادت کااعتبارکیاجائے گا،یعنی قاضی اپنی صوابدید سے اسے قبول کرسکتاہے۔

البتہ اگران کے افکاروخیالات کفرتک منتہی ہوتے ہوں توپھران کی شہادت قابل قبول نہیں ہوگی،اوران پردینی معاملات میں اعتبارنہیں کیاجائے گا،المحیط البرھانی میں ہے:

"وفسق الاعتقاد: كفسق أهل البدع الذين يؤمنون بالله ورسوله واليوم الآخر ويحرمون ماحرم الله ويوجبون ما أوجب الله ولكن ينفون كثيرا مما أثبت الله ورسوله جهلا وتأويلا وتقليدا للشيوخ ويثبتون ما لم يثبته الله ورسوله كذلك، وهؤلاء كالخوارج المارقة وكثير من الروافض والقدرية والمعتزلة وكثير من الجهمية الذين ليسوا غلاة في التجهم.وأما غالية الجهمية: فكغلاة الرافضة ليس للطائفتين في الإسلام نصيب (مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبدوإیاک نستعین ۱/ ۳۶۲)۔

"قال شمس الأئمة السرخسي: ومنهم من يفصل بين من يكفر في هواه، وبين من لا يكفر، فكأنه أراد أبا يوسف، فقد روى عنه أنه قال:من كفر به لم أقبل شهادته، ومن أضللته قبلت شهادته....." (المحیط البرہانی:۹/ ۱۷۵)۔

توبہ کے بعد فاسق کا اعتبار

جواب (۶): فقہاء کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک توبہ سچی اور پکی نہ ہواوراس کے آثار ظاہر ہونے شروع نہ ہوجائیں فاسق پراعتبارنہیں کیاجانا چاہئے ، بلکہ کچھ مدت انتظارکرنا اوراس کے حالات کا جائزہ لیناچاہئے ،بعض فقہاء نےتوبہ کے بعدانتظارکی مدت چھ ماہ اوربعض نے ایک سال لکھی ہے،یعنی اس مدت کے بعدہی اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے،البتہ جھوٹ میں مشہورشخص کی شہادت توبہ کے بعدبھی قبول نہیں کی جائے گی ،اس لئے کہ جھوٹ کی شہرت عام امورفسق سےمختلف ہے،جھوٹ کاعادی شخص بےوزن ہوجاتاہےاوراس پراعتمادقائم ہونابہت مشکل ہوتاہے۔

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:"**لِأَنَّ مَنْ صَارَ مَعْرُوفًا بِالْكَذِبِ وَاشْتُهِرَ بِهِ لَا يُعْرَفُ صِدْقُهُ فِي تَوْبَتِهِ بِخِلَافِ الْفَاسِقِ إذَا تَابَ عَنْ سَائِرِ أَنْوَاعِ الْفِسْقِ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ ، وَكَذَا مَنْ وَقَعَ فِي الْكَذِبِ سَهْوًا وَابْتُلِيَ بِهِ مَرَّةً ثُمَّ تَابَ ؛ لِأَنَّهُ قَلَّ مَايَخْلُو مُسْلِمٌ عَنْ ذَلِكَ**" (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱۴/ ۳۱۸)۔

دررالحکام میں ہے:

"وَالْفَرْقُ بَيْنَ الْمَعْرُوفِ بِالْكَذِبِ وَبَيْنَ الْفُسَّاقِ الْآخَرِينَ هُوَ : أَنَّ الْمَعْرُوفَ بِالْكَذِبِ لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ حَتَّى وَلَوْ تَابَ عَنْ الْكَذِبِ، أَمَّا الْفُسَّاقُ الْآخَرُونَ إذَا تَابُوا مُدَّةً ظَهَرَ فِيهَا أَثَرُ التَّوْبَةِ ثُمَّ شَهِدُوا فَتُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ وَهَذِهِ الْمُدَّةُ عِنْدَ بَعْضِ الْفُقَهَاءِ سِتَّةُ أَشْهُرٍ وَعِنْدَ الْآخَرِينَ سَنَةٌ كَامِلَةٌ" (الْوَلْوَالِجِيَّةِ فِي الْفَصْلِ السَّادِسِ مِنْ الشَّهَادَاتِ) (دررالحکام شرح مجلۃ الأحکام ۴/۳۶۰)۔

داڑھی کی شرعی حیثیت

داڑھی ایک مسلمان کی شناخت

جواب(۷): داڑھی شریعت اسلامیہ کے چند ان بنیادی امور میں سے ہے جن کو احادیث میں شعائر اسلام اور خصال فطرت یا خصائل انبیاء کا نام دیا گیا ہے، عہد نبوت ہی میں اس کو ایک مسلمان کی شناخت کے طور پر پیش کیا گیا، اور اس کو اسلامی تہذیب کا حصہ قرار دیا گیا، ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے دس (۱۰) امور فطرت کا ذکر فرمایا، جن میں ایک ڈاڑھی رکھنا بھی ہے:

"عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ ..... قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ" (سنن أبی داود ۱/۱۹)۔

"وَأَمَّا حَلْقُ اللِّحْيَةِ فَهُوَ مُتَعَارَفٌ ، فَإِنَّ الْأَكَاسِرَةَ كَانُوا يَحْلِقُونَ لِحَى شُجْعَانِهِمْ" (العنایۃ شرح الہدایۃ ۴/۸۳)۔

متعدد روایات میں داڑھی کاٹنے کو غیروں کا شعار بتاتے ہوئے ان کی نقالی سے بچنے کی تاکید کی گئی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "خالفوا المشرکین وفروا اللحی وأحفوا الشوارب"۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحَى وخَالِفُوا الْمَجُوسَ" (الجامع الصحیح ۵/۲۲۰۹)۔

داڑھی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے

بہت سی روایات ڈاڑھی رکھنے کی ترغیب وتحریک کے لئے موجود ہیں، جن میں داڑھی رکھنے کا صریح حکم دیا گیا ہے، بلکہ بار بار تاکید کی گئی ہے۔

ڈاڑھی کا حکم کسی خطہ یا قوم کے عرف سے بالاتر ہے

انبیاء کرام مختلف علاقوں اور قوموں میں تشریف لائے ،لیکن تمام انبیاء کرام نے داڑھی رکھی ،کبھی علاقے یا قوم کا عرف اس پر اثر انداز نہیں ہوا اور کسی نبی نے کسی خاص علاقے یا قوم کی تہذیب وتمدن سے متأثر ہوکر داڑھی ترک نہیں کی ، اس کا مطلب ہے کہ داڑھی ایک ایسا آفاقی حکم ہے جو علاقوں اور خطوں کی تہذیبوں سے بالاتر ہر حال میں واجب العمل ہے۔

اسی طرح تمام صحابہ کرام اور صدیوں سے تمام علماء، مشائخ اور صالحین نے داڑھی کو لازمی طور پر اختیار فرمایا، خواہ وہ دنیا کے کسی علاقے میں رہے ہوں، اور دنیا کے کسی عرف اور تہذیب سے ان کا سامنا ہو، مگر اسلام کی پوری تاریخ میں کسی ایک مستند عالم وفقیہ کے بارے میں نہیں ملتا کہ انہوں نے اپنی مرضی سے داڑھی نہ رکھی ہو، علماء امت کا یہ اجتماعی تعامل بھی بہت بڑی دلیل ہے۔

دڈاڑھی مونڈنے کی ممانعت پر علماء امت کا اتفاق ہے

علماء امت نے داڑھی مونڈنے کو بالاتفاق ممنوع (حرام یا کم از کم مکروہ تحریمی) قرار دیا ہے، چاروں مذاہب کے فقہاء نے اس کی حرمت وممانعت کا فتویٰ دیا ہے:

☆ علامہ کاسانی حنفیؒ لکھتے ہیں:"**لِأَنَّ حَلْقَ اللِّحْيَةِ مِنْ بَابِ الْمُثْلَةِ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى زَيَّنَ الرِّجَالَ بِاللِّحى، وَالنِّسَاءَ بِالذَّوَائِبِ عَلَى مَا رُوِيَ فِي الْحَدِيثِ إنَّ لِلَّهِ تَعَالَى مَلَائِكَةً تَسْبِيحُهُمْ سُبْحَانَ مَنْ زَيَّنَ الرِّجَالَ بِاللحى**" (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۴/ ۴۱۰)۔

علامہ حصکفی رقمطراز ہیں:"**وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته، والمعنى المؤثر التشبه بالرجال اه**" (الدرالمختار شرح تنویر الأبصار فی فقہ مذہب الإمام أبی حنیفۃ ۲/ ۴۶۰، حاشیۃ ردالمختار علی الدرالمختار شرح تنویر الأبصار ۲/ ۴۱۸)۔

فقہ مالکی کی معروف کتاب منح الجلیل میں ہے:

"**وَيَحْرُمُ عَلَى الرَّجُلِ حَلْقُ اللِّحْيَةِ**" (منح الجلیل شرح علی مختصر سید خلیل ۱/ ۸۲)۔

علامہ دسوقی مالکی لکھتے ہیں:"**يَحْرُمُ على الرَّجُلِ حَلْقُ لِحْيَتِهِ أو شَارِبِهِ وَيُؤَدَّبُ فَاعِلُ ذلك**" (حاشیۃ الدسوقی

علی الشرح الکبیر ۱/ ۹۰)۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب تحفۃ المحتاج کی شرح میں ہے:

"(فیه) أی حلق اللحیة قوله: (تمثیل) أی تغییر للخلقة قوله: (عن المثلة) (حواشی الشروانی والعبادی ۹/ ۱۸۹)۔

"واعترضه ابن الرفعة فی حاشیة الکافیة بأن الشافعی رضی الله تعالی عنه نص فی الأم علی التحریم، قال الزرکشی وکذا الحلیمی فی شعب الإیمان وأستاذه القفال الشاشی فی محاسن الشریعة وقال الأذرعی: الصواب تحریم حلقها جملة لغیر علة بها کما یفعله القلندریة انتهی" (حواشی الشروانی والعبادی ۹/ ۳۷۶)۔

امام غزالیؒ اور شیخ ابوطالب مکی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور قاضی ابن ابی یعلیٰ داڑھی کاٹنے والے کی شہادت قبول نہیں کرتے تھے:

".....ورد عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه وابن أبی لیلی قاضی المدینة شهادة من کان ینتف لحیته وأما نتفها فی أول النبات تشبهاً بالأمرد فمن المنکرات الکبار فإن اللحیة زینة الرجال فإن لله ملائکة یقسمون والذی زین بنی آدم باللحی وهو من تمام الخلق وبها یتمیز الرجال عن النساء" (إحیاء علوم الدین ۱/ ۱۵۳، ۱۵۴)۔

فقہ حنبلی کی مشہور کتاب مطالب اولی النہیٰ میں ہے:"یَحْرُمُ الْقَطْعُ، وَلَا یَصِحُّ الِاسْتِئْجَارُ لَهُ؛ لِمَا تَقَدَّمَ أَنَّ الْمَنْعَ الشَّرْعِیَّ کَالْحِسِّیِّ. قَالَ الْبُهُوتِیُّ: وَمِثْلُهُ حَلْقُ اللِّحْیَةِ" (مطالب أولی النہی فی شرح غایۃ المنتہی ۱/ ۴، ۱۴۱۲)۔

علامہ ابن تیمیہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں:"ویحرم حلق اللحیة" (الاختیارات الفقہیۃ (مطبوع ضمن الفتاوی الکبری المجلد الرابع) ۱/ ۳۸۸)۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں کہ فاسق عالم کا فتویٰ قابل قبول نہیں ہے،:"وأما فتیا الفاسق فإن افتی غیره لم تقبل فتواه" (إعلام الموقعین عن رب العالمین ۶/ ۱۳۸)۔

علامہ ابن حزم ظاہریؒ لکھتے ہیں:"واتفقوا أن حلق جمیع اللحیة مثلة لا تجوز اه" (مراتب الاجماع لابن حزم/ ۵۷)۔

علماء اور فقہاء میں یہ بات تو زیر بحث آئی کہ ایک مشت داڑھی کے بعد اس میں تراش خراش کی اجازت ہے یا

نہیں؟، زیادہ تر علماء ایک مشت کے بعد اس کی تحسین وتزئین کے لئے تراش خراش کی اجازت دیتے ہیں، اور بعض صحابہ کا عمل بھی اس سلسلے میں منقول ہے، جب کہ علماء کی ایک بڑی تعداد ایک مشت کے بعد بھی اس کو تراشنے کی اجازت نہیں دیتی ہے، لیکن سو (۱۰۰) سال قبل تک پوری تاریخ اسلامی میں کسی ایک قابل ذکر عالم دین نے داڑھی نہ رکھنے کی اباحت کا فتویٰ نہیں دیا، کسی نادر اور شاذ قول کا اعتبار نہیں۔

داڑھی کو سنت عادیہ کہنا صحیح نہیں

ان تفصیلات کی روشنی میں داڑھی کو سنت عادیہ کہنے کا کوئی جواز نہیں ہے، سنت عادیہ ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی ترغیب وتحریص منقول نہ ہو اور نہ اس کے ترک سے روکا گیا ہے، مثلاً حضور ﷺ کے اوقات طعام، سر کے بال یا بعض دیگر خانگی معمولات وغیرہ، اگر یہ سنت عادیہ ہوتی تو اس کے رکھنے کی اتنی تاکیدات اور نہ رکھنے پر اتنی وعیدات جاری نہ ہوتیں، اور نہ علماء وفقہاء داڑھی کاٹنے کو معصیت قرار دیتے، سوالنامہ میں جن عرب ملکوں کے حوالے سے داڑھی کو سنت عادیہ بتایا گیا ہے، وہیں کے بیشتر علماء اور دارالافتاؤں نے ڈاڑھی کاٹنے کو ناجائز اور گناہ قرار دیا ہے، مثلاً:

بعض عرب علماء کے فتاویٰ

☆ سعودی عرب کے ایک مرکزی دارالافتاء سے فتویٰ جاری ہوا ہے جس پر شیخ عبدالعزیز بن بازؒ کا بھی دستخط ہے، اس میں داڑھی مونڈنے کو حرام کہا گیا ہے، اور داڑھی منڈے امام کو امامت سے معزول کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

حلق اللحية حرام لما رواه أحمد والبخاری ومسلم عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَوْفُوا اللحى ..... والإصرار على حلقها من الكبائر، فيجب نصح حالقها، والإنكار عليه، ويتأكد ذلك إذا كان في مركز قيادي ديني، وعلى هذا إذا كان إماما لمسجد ولم ينتصح وجب عزله" (أدلۃ تحریم حلق اللحیۃ/۹۵)۔

سعودی عرب کے ایک اور بڑے مفتی شیخ محمد عثیمین نے بھی اس کو معصیت کہا ہے:

"وبعض الناس يفعل المعاصي كإسبال الثوب مثلاً، أو حلق اللحية، أو شرب الدخان، وتنهاه وتخوِّفه من عقاب الله، فيقول: التقوى هاهنا، كأنه يزكي نفسه، وهو قائم بمعصية الله" (تفسیر العلامۃ محمد

العثیمین ۷/۱۱، المؤلف: محمد بن صالح بن محمد العثیمین (المتوفی: ۱۴۲۱ھ)۔

غرض داڑھی رکھنا سنت عادیہ نہیں، بلکہ واجب ہے، اور اس کا تارک گناہ گار ہے، اور اوپر آ چکا ہے کہ گناہ اگر صغیرہ بھی ہو تو اس پر اصرار کرنے سے وہ کبیرہ ہو جاتا ہے اور اس کا مسلسل مرتکب فاسق قرار پاتا ہے۔

واضح رہے کہ اختلاف رائے صرف ان مسائل میں معتبر ہے جو مجتہد فیہ ہو، لیکن کسی منصوص اور متفق علیہ مسئلے میں اختلاف خواہ وہ کیسی ہی علمی تاویل پر مبنی ہو، قابل لحاظ نہیں ہے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

☆☆☆

عصر حاضر میں فسق سے مراد اور اس کے احکام

مولانا ضیاء الدین قاسمی ندوی☆

فسق کی لغوی تعریف

فسق کے لغوی معنی ہیں: حق وصلاح کے راستہ سے ہٹ جانا، بدکار ہونا۔ (مصباح اللغات)

''**الفِسق: -بالكسر- الترك لأمر الله تعالى والعصيان**'' (القاموس المحیط، مادۃ: الفسق)، حکم الٰہی کو ترک کر دینا اور نافرمانی کرنا، اسی وجہ سے خیر وطاعت سے نکل جانے والے کو فاسق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

''**والفسق خروج الشيء من الشيء على وجه الفساد، فسق فلان خرج عن حجر الشرع وذلك من قولهم فسق الرطب إذا خرج عن قشره وهو أعم من الكفر، والفسق يقع بالقليل من الذنوب وبالكثير، لكن تعورف فيما كان كثيراً وأكثر ما يقال الفاسق لمن التزم حكم الشرع وأقر به ثم أخل بجميع أحكامه أو ببعضه، وإذا قيل للكافر الأصلي: فاسق، فلأنه أخل بحكم ما ألزمه العقل واقتضته الفطرة**'' (المفردات للراغب، مادۃ: الفسق)۔

فسق فلان: فلاں شریعت کی قید سے نکل گیا اور یہ عربوں کے قول ''**فسق الرطب**'' سے ماخوذ ہے، جب تازہ کھجور اپنے چھلکے سے الگ ہوجائے تو ''**فسق الرطب**'' بولتے ہیں، اور یہ کفر سے عام ہے اس کا اطلاق قلیل وکثیر گناہوں کی وجہ سے ہوتا ہے، لیکن عرف میں کثیر پر متعارف ہے اور عموماً فاسق اس کو کہا جاتا ہے جو حکم شرع کا التزام کرے اور اس کا اقرار کرے پھر تمام احکام یا بعض احکام کو پس پشت ڈال دے، اور کافر اصلی کو فاسق کہا جائے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ عقل سے لازم شدہ چیز کو چھوڑ دیا اور فطرت کے تقاضے کے خلاف کیا۔

فسق کی اصطلاحی تعریف

اصطلاحی تعریف: فسق کی لغوی تعریف سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ کی اطاعت سے نکل جانا کسی بھی طریقے سے

☆ استاذ جامعہ رشید العلوم چترا، جھارکھنڈ

ہوفسق ہے،مگر شریعت میں کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر کے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کر کے اللہ کی اطاعت سے نکل جانا فسق ہے۔

لہٰذا جس نے بھی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا چاہے ایک ہی مرتبہ ہو یا کسی صغیرہ گناہ پر اصرار کیا خواہ ایک نوع کے ہوں یا مختلف انواع کے صغائر کا ارتکاب کیا تو وہ فاسق ہو جائے گا، اور اس کی عدالت ساقط ہو جائے گی۔

''**والفاسق هو المسلم المرتكب للكبيرة أو المصر على الصغيرة**''اور فاسق وہ مسلمان ہے جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہو یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرنے والا ہو۔اور فاسق کا اطلاق کافر و منافق پر بھی ہوتا ہے..... ''**إنهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون**'' (سورۃ التوبۃ:۸۴)،''**ومن كفر بعد ذلك فأولئك هم الفاسقون**'' (سورۃ النور:۵۵)،اس لیے کہ یہ دونوں بھی امر الٰہی سے نکلنے والے ہیں، اسی وجہ سے بعض اصولیین نے ذکر کیا ہے کہ فاسق کی تعریف میں مسلم کی قید لگانا متأخرین کا نیا عرف ہے (الأحکام المترتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی،ص ۳۰)۔

''**وقال البيضاوي: الفاسق الخارج عن أمر الله بارتكاب الكبيرة.**

وقال الآلوسي: الفسق شرعاً خروج العقلاء عن الطاعة. فيشمل الكفر ودونه من الكبيرة والصغيرة واختص في العرف والاستعمال بارتكاب الكبيرة'' (الفسق والنفاق ص ۷)۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں ۱/ ۱۶۸ پر تفسیر سورۃ البقرۃ آیت:۲۶ کے ذیل میں لکھا ہے کہ فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں، اور اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں، اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفر و انکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی اسی لیے لفظ فاسق کافر کے لیے بھی بولا جاتا ہے، قرآن کریم میں بیشتر لفظ'' فاسقین'' کافروں کے لیے ہی استعمال ہوا ہے، اور مومن گنہ گار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لیے استعمال ہوا ہے، ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسیم قرار دیا گیا ہے، جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ نہ کرے، یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے اور اس کی عادت بنالے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے اور جو شخص یہ فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرأت کے ساتھ کرتا ہے اس کو فاجر کہا جاتا ہے۔انتہی

کیا فسق کی تعریف بدلنے کی ضرورت ہے؟

اوپر مختلف حضرات کی تعریفات فسق کو ذکر کیا گیا ہے ان کے الفاظ کو غور سے دیکھا جائے تو محسوس ہوگا کہ ان تعریفات میں خود اتنی وسعت اور گنجائش ہے کہ بدلتے حالات اور زمانے میں اخلاقی انحطاط رونما ہونے کے باوجود قابل عمل

ہیں،اس میں عرف اوراخلاقی حالات کی وجہ سے کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

دینی احکام سے دوری،شریعت بیزاری اورمناہی کے بکثرت ارتکاب سے یہ لازم نہیں آتا کہ گناہ کو گناہ تصور نہ کیا جائے، یااس کومعمولی سمجھ کرسند جوازفراہم کردیا جائے،مثلاً اس زمانہ میں جہاں دیگر برائیاں موجود ہیں وہیں داڑھی کٹانا یا مونڈنا فیشن بن گیا ہے،اگرشرعی طور پراس کوفسق سے خارج مان لیا جائے اورتعریف میں حالات کے مدنظرتبدیلی کر کے عدالت کومجروح کرنے والافعل نہ شمار کیا جائے تو مفاسد کا دروازہ کھل جائے گا،اس کوسنن عادیہ کے زمرہ میں داخل کرنا بھی اسی قسم کی غلط جسارت ہے۔

''وبضدها تتبين الأشياء'' کے اصول کے مدنظر یہاں عدالت کی تعریف کرنا بھی ضروری ہے،اس لیے کہ فسق اورعدالت کے درمیان ضدیت کا تعلق ہے۔

عدالت کی لغوی وشرعی تعریف

''**العدالة في اللغة: التوسط والاعتدال والاستقامة، وهي صفة توجب مراعاتها الاحتراز عما يخل بالمروءة عادة ظاهراً**''۔

عدالت کا لغوی معنی: توسط،میانہ روی اور درستگی ہے، یہ ایسی صفت ہے جس کی رعایت سے انسان عادتاً عموماً خلاف مروت چیزوں سے بچ جاتا ہے،اورانصاف پرمبنی فیصلہ کوبھی عدالت کہا جاتا ہے۔

''**العدالة شرعاً: اجتناب الكبائر واجتناب الاصرار على الصغائر، وقيل اجتناب الكبائر وأداء الفرائض وأن تغلب حسناته سيآته. وقال البهوتي: العدالة هي استواء أحوال الشخص في دينه واعتدال أقواله وأفعاله. والعلاقة بين الفسق والعدالة الضدية**''۔

عدالت کی شرعی تعریف: کبیرہ گناہوں سے اورصغائر پراصرار سے بچنا،اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبائر سے بچنا اور فرائض کی ادائیگی،اور یہ کہ اس کے حسنات اس کے سیئات پر غالب ہوں۔علامہ بہوتی نے کہا کہ: عدالت آدمی کے دینی احوال کا برابر ہونا اوراس کے اقوال وافعال کا معتدل ہونا۔

فسق کا حکم

فسق حرام ہے اور باجماع مسلمین منہی عنہ ہے،اس لیے کہ یہ احکام الٰہیہ سے نکلنا ہے اوراس کے اوامر ونواہی کی

مخالفت کرنا ہے اور فاسق کو حد یا تعزیر کے ذریعہ سزا دی جائے گی (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، مادۃ: الفسق، ۳۲/ ۱۴۰)۔

فسق کے اسباب وانواع

فسق چوں کہ اللہ کی اطاعت سے نکلنے کا نام ہے اور اللہ کی اطاعت سے نکلنا کبھی قول وفعل کے ذریعہ ہوتا ہے اور کبھی اعتقاد کے ذریعہ ''**کما قال ابن قدامة الحنبلي: الفسوق نوعان أحدهما من حيث الأعمال والثاني من جهة الاعتقاد**''۔

ابن تیمیہؒ نے کہا کہ فسق کبھی فرائض کے ترک کرنے کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی محرمات کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے، ''**قال ابن تيمية: إن الفسق تارة يكون بترك الفرائض وتارة بفعل المحرمات، وجاء في الزواجر عن اقتراف الكبائر لابن حجر قال بعض الأئمة كبائر القلوب أعظم من كبائر الجوارح لأنها كلها توجب الفسق**'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ) کہ کبائر قلوب کبائر جوارح سے بھاری ہیں اس لیے کہ یہ سب فسق کو ثابت کرتے ہیں۔

علامہ شوکانی نے امام قرطبی سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ فسق عرف شرعی میں اللہ عزوجل کی اطاعت سے نکلنا ہے، کبھی اس کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو کفر کی وجہ سے اللہ کی اطاعت سے نکل گیا، اور اس پر بھی جو نافرمانی کر کے اطاعت سے نکل گیا، حدیث میں ہے ''**سباب المسلم فسوق وقتاله كفر**'' (مسلم شریف، ۱/ ۵۸)۔

فسق کی بہت ساری انواع ہیں جن کو فقہاء اپنی کتابوں میں ذکر کرتے ہیں، جیسے فسق ملی یا فسق اہل ملت جن کے پاس اچھائیاں اور برائیاں دونوں ہیں یہ ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے، انہیں میں سے وہ فاسق بھی ہے جو اعضاء ظاہری سے گناہ کرتا ہے جیسے شراب پینا، زنا کرنا، اور وہ فاسق بھی جو اعتقاد کی خرابی کی وجہ سے فاسق ہے (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ)۔

''**قال ابن القيم الجوزية وهو قسمان: فسق من جهة العمل وفسق من جهة الاعتقاد**'' کہ فسق دو قسم پر ہے: اعمال کے اعتبار سے اور دوسرے اعتقاد کے اعتبار سے۔

''**الفسق من جهة العمل**'': وہ اقوال وافعال جن کے کرنے سے آدمی فاسق قرار دیا جاتا ہے یہ وہ اقوال وافعال ہیں جن کو کبیرہ گناہ کہا جاتا ہے، جیسے جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، زنا کرنا، چوری کرنا، شراب پینا وغیرہ، یا وہ صغائر ہیں جن پر آدمی اصرار کرتا ہے یعنی اس کا بار بار ارتکاب کرے جس سے حدود اللہ کی جانب سے غفلت ولا پرواہی کا احساس ہو، دین کی ناقدری اور بے وقعتی ظاہر ہو، جب کبیرہ گناہ کا ایک مرتبہ ارتکاب کرنے والا فاسق قرار دیا جاتا ہے تو جو شخص بار بار حرمات الٰہیہ کی بے حرمتی کی جرأت کرے (خواہ صغیرہ گناہ کے ذریعہ ہو) اس کو بدرجہ اولیٰ فاسق کہا جانا چاہئے۔

کبیرہ گناہ کن کو کہا جائے؟

(۱) ہر وہ گناہ جس پر اللہ کی جانب سے آگ، یا غضب یا لعنت یا عذاب کی دھمکی دی گئی ہو۔ (۲) ہر وہ گناہ جس کے ساتھ وعید ملی ہو یا دنیا میں حد یا لعنت اور یہی اکثر علماء کی طرف منسوب ہے۔

صغیرہ گناہ پر اصرار کی حد کیا ہے؟

گناہ پر اقدام کرنا ساتھ ساتھ دوبارہ کرنے کا عزم ہو اور اسی عزم سابق کی وجہ سے اس گناہ صغیرہ کا تکرار، یعنی ہمیشگی اور لزوم اور عزم گناہ صغیرہ۔

''**الفسق من جهة الاعتقاد**'': عقیدہ کی خرابی یعنی بدعات کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے فاسق ہونا۔

"**قال ابن القيم الجوزية: وفسق الاعتقاد كفسق أهل البدع الذين يؤمنون بالله ورسوله واليوم الآخر ويحرمون ما حرم الله ويوجبون ما أوجب الله، ولكن ينفون كثيراً مما أثبت الله ورسوله جهلا وتاويلا وتقليداً للشيوخ ويثبتون ما لم يثبته الله ورسوله كذالك**'' (مدارج السالکین ۱/۲۷۷)۔

یعنی اعتقاد کا فسق، جیسے بدعتیوں کا فسق جو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی حرام کردہ چیز کو حرام قرار دیتے ہیں اور اللہ کے واجبات کو واجب سمجھتے ہیں، لیکن اللہ ورسول سے ثابت شدہ چیزوں میں سے بہت سی چیزوں کا انکار کر دیتے ہیں جہالت کی وجہ سے یا تاویل کی وجہ سے یا شیوخ کی پیروی کی وجہ سے اور جس چیز کو اللہ ورسول نے ثابت نہیں کیا اس کو ثابت کرتے ہیں (احکام المتر تبۃ علی الفسق ۸/۴۸ تا ۶۳ ملخصاً)۔

بدعت کی لغوی واصطلاحی تعریف

بدعت کا لغوی معنی: دین میں کسی قسم کے اضافہ اور احداث کو بدعت کہتے ہیں، بدعت کے لغوی معنی تو ایجاد کے ہیں: ''**البدعة اسم من ابتدع الأمر إذا ابتدأه وأحدثه كالرفعة اسم من الارتفاع**''۔

اصطلاحی تعریف: اصطلاح شرع میں بدعت دین کے معاملہ میں ایسی نو ایجاد چیز کو کہتے ہیں جو نہ عہد رسالت میں ہوئی ہو، نہ عہد صحابہ میں، نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وارشاد یا خاموشی سے اس کا جواز ملتا ہو اور نہ اس زمانہ میں اس کی کوئی اصل اور نظیر ہو: ''**هو زيادة في الدين أو نقصان منه**'' دین میں کمی بیشی کو بدعت کہتے ہیں، بدرالدین عینیؒ فرماتے ہیں:

''**البدعة في الأصل إحداث أمر لم يكن في زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم**''۔ بدعت دراصل کسی ایسی چیز کو وجود میں لانا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھی۔

حافظ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں: ''**المراد بالبدعة ما أحدث مما لا أصل له في الشريعة يدل عليه، وأما ما كان له أصل من الشرع يدل عليه فليس ببدعة شرعاً**'' بدعت سے ایسی نو ایجاد بات مراد ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل موجود نہ ہو اور اگر شریعت میں فی الجملہ اس پر دلالت کرنے والی کوئی اصل موجود ہو تو شرعاً وہ بدعت نہیں ہے۔

بدعت کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دنیوی ایجادات جدید وسائل وآلات وغیرہ بدعت میں داخل نہیں اس لیے کہ ان کا تعلق دین سے نہیں ہے (ملخصا من قاموس الفقہ، ۲/۲۹۱۔ ۲/۲۹۲، مادۃ: بدعت)۔

اقسام بدعت

''**ثم البدعة ..... وهي إما أن تكون بمكفر كأن يعتقد ما يستلزم الكفر أو بمفسق**'' (نزہۃ النظر/ ۱۱۷)۔

بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت مکفرہ، بدعت مفسقہ۔

بدعت مکفرہ کا ضابطہ: جو شخص کسی اجماعی مسئلہ کا انکار کرے جو تواتر کے ساتھ شریعت سے ثابت ہے، ضروریات دین میں سے ہے مثلاً فرض کا انکار کرنا یا غیر فرض کو فرض قرار دینا، یا حلال کو حرام یا حرام کو حلال گردانا، یا ایسی چیز کا اعتقاد رکھنا جس سے اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کی تردید لازم آئے نفی یا اثبات کے اعتبار سے، اس لیے کہ یہ کتاب اللہ کا انکار ہے تکذیب ہے اور جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسولوں کو بھیجا ہے اس کی تکذیب ہے تو ایسے لوگوں پر حجت قائم کرنے کے بعد کفر کا فیصلہ کیا جائے گا اور ان کا حکم کفار کے حکم کے مانند ہوگا۔

بدعت مفسقہ: وہ بدعات ہیں جو کفر کو ثابت کرنے والی نہ ہوں، یعنی ان کی وجہ سے کتاب اللہ کی تکذیب لازم نہ آئے اور نہ ہی اس چیز کی جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا ہے (الأحکام المترتبۃ علی الفسق/ ۶۰، ۶۱)۔

عبادات میں فسق کا اثر

شریعت مطہرہ نے عبادات پر خصوصی توجہ دی ہے اس لیے کہ عبادات ہی سے بندے کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہوتا ہے، اور عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز ہے جس کے لیے وضو اور طہارت کا ہونا ضروری ہے، قرآن کریم میں ہے: ''**يا أيها الذين آمنوا إذا قمتم إلى الصلاة فاغسلوا وجوهكم ...**'' الخ (المائدۃ:۶) اور حدیث: ''**لا تقبل**

صلاة أحدكم إذا أحدث حتى يتوضأ'' (مسلم، ج۱ص۱۱۹)،اس پر دلیل ہے،مگر جس چیز سے طہارت حاصل کرنا ہے اور جس پانی سے وضو کرنا ہے اگر اس کی حقیقت و ماہیت من حیث الطہارۃ والنجاسۃ معلوم ہو تو کوئی مسئلہ نہیں،لیکن اگر پانی کی نجاست وطہارت غیر معلوم ہے تو تحقیق وتفتیش ضروری ہے،اگر خبر دینے والا عادل ہے تو اس کی خبر مقبول اور اگر مخبر فاسق ہے تو اس کی خبر قابل قبول ہوگی یا نہیں؟ فقہاء اس بارے میں مختلف ہیں، جمہور کا قول یہ ہے کہ پانی کی طہارت ونجاست کے بارے میں فاسق کی خبر قابل قبول نہیں۔

لیکن حنفیہ کا کہنا ہے کہ فاسق کی خبر مردود نہیں ہوگی، بلکہ سامع کی رائے پر معاملہ چھوڑ دیا جائے گا اگر اس کا گمان سچا ہونے کا ہے تو اس کی خبر پر اعتماد کر کے عمل کرے، اور اگر جھوٹا ہونے کا گمان ہے تو عمل نہ کرے، کیوں کہ فاسق کی خبر میں اس کے دین اور عقل کی وجہ سے صدق کا احتمال ہے، اور فسق ثابت کرنے والے معاصی کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے کذب کا احتمال ہے،تو دونوں جانب برابر ہیں، لہذا توقف سے کام لے کر وجہ ترجیح کی بنا پر فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ قرآن نے ''**فتبینوا**'' کہہ کر حکم دیا ہے۔

پھر پانی کی طہارت ونجاست کی خبر ایک خاص حکم ہے، اور اس قسم کی خبر کبھی فاسق کے علاوہ کی طرف سے ملنا متعذر ہوجاتا ہے، خاص طور پر جنگلات وغیرہ میں، لہٰذا ''**غالب الظن كاليقين**'' پر عمل کرتے ہوئے اگر فاسق کی خبر کے صدق کا غالب گمان ہے تو اس کی خبر پر عمل کیا جائے گا (الأحکام المترتبۃ علی الفسق/۷۰ تا ۷۳)۔

اسی طرح اگر پانی فاسق لوگوں کے مجمع میں ہو اور عورت کو پانی لینے کے لیے جانے میں اپنی عزت وآبرو پر خطرہ ہو اور کوئی بچانے والا اور دفاع کرنے والا بھی نہ ہو تو عورت کو پانی لینے کے لیے جانا جائز نہیں، کیوں کہ اس میں زنا کا موقع فراہم کرنا ہے اپنی عزت نیلام کرنا ہے، خاندان کی بے عزتی ہے جس کا نتیجہ قتل کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے جب کہ تھوڑے سے مال کو بچانے کی خاطر اس کے لیے تیمّم مباح کیا گیا ہے، لہذا حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسی عورت کے لیے تیمّم کرنا جائز ہے (الأحکام المترتبۃ علی الفسق/۹۴)''**أو خوف عدو كحية أو نار على نفسه ولو من فاسق**'' (شامی،۱/۳۹۹)،اور حنفیہ کے نزدیک پانی ملنے کے بعد اس کا اعادہ بھی واجب نہیں۔''**كما يستفاد من: ثم إن نشأ الخوف بسبب وعيد عبد أعاد الصلاة وإلا لا لأنه سماوي (وتحته في الشامية) وأن الظاهر أنه لا إعادة عليه ولا عليها؛ لأن المانع شرعي وهو كشف العورة عند من لا يحل له رؤيتها والمانع منه الحياء وخوف الله تعالىٰ وهما من الله تعالىٰ لا من قبل العباد**'' (شامی،۱/۳۹۸،۱/۳۹۹)۔

اسی طرح اگر کوئی فاسق شخص نماز کا وقت داخل ہونے کی خبر دے تو حنفیہ کے نزدیک سامع اپنی رائے کے موافق عمل

کرے اگر صدق غالب ہوتو اس کی بات قبول کر کے عمل کرے اور کذب غالب ہوتو رد کردے، کیوں کہ **غالب الرأی بمنزلة الیقین** (الأحکام المترتبۃ علی الفسق/۹۶)۔

فاسق کی اذان

جمہور کے نزدیک فاسق کی اذان درست ہے قابل اعتبار ہے یہی حنفیہ کا مذہب ہے، اس لیے کہ اذان عبادت کے لیے مشروع ہے اور فاسق عبادت کا اہل ہے اور موذن کا فسق خود اسی پر لازم ہے، جس طرح اس کی امامت درست ہے اس کی اذان بھی درست ہوگی، حدیث میں ہے: "**صلوا خلف کل بر وفاجر**" (شرح العقیدۃ الطحاویۃ، ص ۱۴۵)، شامی میں ہے: "**فأذان الفاسق والمرء ة والجنب صحیح ثم قال وینبغی أن لا یصح أذان الفاسق بالنسبة إلی قبول خبره والاعتماد علیه أی؛ لأنه لا یقبل قوله فی الأمور الدینیة فلم یوجد الإعلام کما ذکره الزیلعی، وحاصله أنه یصح أذان الفاسق وإن لم یحصل به الإعلام أی الاعتماد علی قبول قوله فی دخول الوقت**" (شامی، ۲/۶۱، ۶۲)۔

کچھ حضرات اذان فاسق کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں، اختلاف کا منشاء یہ ہے کہ عدالت مؤذن کے لیے شرط کمال ہے یا شرط صحت، جن حضرات نے شرط کمال قرار دیا انھوں نے فاسق کی اذان معتبر مانا اور جن حضرات نے شرط صحت قرار دیا انھوں نے فاسق کی اذان غیر معتبر قرار دیا، مگر راجح فاسق کی اذان کا معتبر ہونا ہے، اس لیے کہ اذان فاسق کی صحت پر کوئی مفسدہ مرتب نہیں ہوگا، کیوں کہ اگر غیر وقت میں مثلاً اذان دے دے تو لوگ اسے متنبہ کر دیں گے اور بار بار ایسا کرے گا تو امام یا اس کو متعین کرنے والوں کو اسے ہٹانے کا اختیار رہتا ہے، پھر آج کل دائمی تقویم موجود ہیں جو اذان ونماز کے اوقات پر مشتمل ہوتی ہیں، اور گھڑیاں موجود ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کو نماز کے اوقات کا علم رہتا ہے۔ "**قال ابن حزم: وأما الفاسق فهو أحدنا بلا شک لأنه مسلم داخل تحت قوله علیه السلام .... لیؤذن لکم أحدکم، ولاخلاف فی اختیار العدل**" (الأحکام المترتبۃ علی الفسق، ۱۰۱، ۱۰۲)۔

فاسق کی امامت

امامت انتہائی بلند مقام ہے، رب کا ایک عمدہ نظام ہے، دینی تعلیم کے حصول کا اہم ذریعہ ہے، امام مسلمانوں کا رہنما ہوتا ہے جو سب سے اہم عبادت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ سے جوڑتا ہے، اس کی اقتداء اور پیروی کی جاتی ہے، اور اس

کے اعمال ظاہری کو خاص طور پر اسوہ بنایا جاتا ہے، اسی لیے اسلام نے اس بات پر ابھارا ہے کہ اپنا امام اپنے میں سے فضیلت وتقویٰ والے کو بناؤ، تاکہ مذکورہ بالا اہداف حاصل ہوں۔

امام سرخسی نے فرمایا کہ امامت میراث نبوی ہے کیوں اس مقام پر سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات میں سب سے زیادہ مشابہ ہوگا اسی کو چنا جائے گا جیسا کہ انھوں نے خود اس مقام کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا اسی وجہ سے تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ فاسق کی امامت مکروہ ہے، کیوں کہ فاسق کو امام بنانے میں تقلیل جماعت ہے، لوگوں کو نفرت میں مبتلا کرنا ہے، اس لیے کہ ایسے شخص کی اقتداء سے لوگ اعراض کرتے ہیں اور وہ خود امور دینیہ کا اہتمام نہیں کرتا، اور فاسق کو امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے جب کہ شرعاً اس کی اہانت کا حکم دیا گیا ہے: ''**وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه، بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن في تقديمه للإمامة تعظيمه وقد وجب عليهم إهانته شرعاً**'' (شامی، ۲/۲۹۹)۔

فاسق کو زکوٰۃ دینا

زکوٰۃ بھی اہم فرائض میں سے ہے اور اس کے مستحقین کو قرآن کریم نے واضح کر دیا: ''**إنما الصدقات للفقراء والمساكين ... الخ**'' (سورۃ التوبۃ:۶۰) اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''**فاعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة توخذ من أغنياء هم وترد على فقراء هم**'' (مسلم، ۱/۳۶)، اگر مستحق زکوٰۃ فاسق ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا گرچہ جائز ہے کیوں کہ وہ مسلم ہے وارث بنتا ہے اور وارث بناتا بھی ہے، پھر بھی بعض فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ اگر یقین ہو یا غالب گمان ہو کہ اس رقم سے فسق وفجور میں مدد لے گا اور معصیت کا ارتکاب کرے گا تو اسے زکوٰۃ کی رقم نہ دی جائے (الأحکام المترتبۃ علی الفسق ر ۲۳۰)۔

رؤیت ہلال میں فاسق کی شہادت

شہادت ہلال کی شرائط میں سے ایک اہم شرط جو ہر قسم کی شہادت میں ضروری سمجھی جاتی ہے وہ شاہد کا عدل ہونا ہے جو بنص قرآن ثابت ہے: ''**واشهدوا ذوي عدل منكم ...**'' (سورہ طلاق:۲) اور لفظ عدل ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کی تعریف یہ ہے: جو مسلمان کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے، اور اس کے اعمال صالحہ اعمال فاسدہ پر اور راست کاری خطا کاری پر غالب ہو۔ (ہدایہ عالمگیری وغیرہ) اس کے بالمقابل جو شخص کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہے یا صغیرہ گناہوں کا عادی ہے، اور اس کے برے اعمال اچھے اعمال پر غالب ہیں، وہ اصطلاح شرع میں فاسق کہلاتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ شاہد عدل ہونا چاہیے فاسق نہ ہو۔(اگر رؤیت ہلال کی خبر فاسق دے گا تو قابل قبول نہیں ''**لأن قول الفاسق فی الدیانات غیر مقبول**'' (ہدایہ،۱/ ۲۳۳، کتاب الصوم)اضافہ از راقم)۔

ضروری تنبیہ

مگر باتفاق فقہاء اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی شہادت کو قبول کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا قاضی کے ذمہ واجب نہیں، لیکن اگر قاضی کو قرائن کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، اس بنا پر وہ فاسق کی شہادت پر کوئی فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ صحیح اور نافذ ہے (ہدایہ، شرح وقایہ، درمختار، شامی، عالمگیری وغیرہ)۔

اور جب سے دنیا میں فسق کی کثرت ہوئی اور عام معاملات کی شہادت میں ایسے لوگ آنے لگے جو شرعی اصطلاح میں فاسق ہیں تو لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور مقدمات کے فیصلے کے لیے حضرات فقہاء نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ جس فاسق کے معاملہ میں قرائن اور حالات سے اس کا اطمینان ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی شہادت قبول کر کے اس پر مقدمات کے فیصلے کریں، البتہ ایسے لوگوں میں سے اس کا انتخاب کریں جو دوسروں کی نسبت زیادہ صلاحیت رکھتا ہو مثلاً نماز روزہ کا پابند ہو اور عام احکام شرعیہ کا احترام کرتا ہو۔

فقہ کی مستند اور مشہور کتاب ''معین الحکام'' میں اس بحث کو ایک مستقل باب میں واضح طور پر بیان کیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ قرار دی ہے کہ حق تعالیٰ نے فاسق کی شہادت کو رد کرنے کا حکم نہیں فرمایا ہے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس کی تحقیق کر لو ''**إذا جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا**'' جس کا مطلب یہی ہے کہ تحقیق سے اس کا سچا ہونا ثابت ہو جائے تو قبول کر لو ورنہ رد کر دو، تو جب حالات کا جائزہ لے کر قاضی کو اس کے سچا ہونے کا گمان غالب ہو جائے تو وہ اس کی شہادت کو قبول کر سکتا ہے، اور اس زمانہ میں جب کہ فسق کی بہت سی صورتیں مثلاً داڑھی منڈانا وغیرہ ایسی عام ہو گئی ہیں کہ ان کی وجہ سے مطلق شہادت کو رد کر دیا جائے تو بہت سے معاملات کا ثبوت کس طرح بہم نہ پہونچے گا، فقہاء کے اس مسلک کے سوا کوئی چارہ نہیں اسی لیے معین الحکام میں یہ تحقیق نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: ''**ھذا ھو الصواب الذی علیه العمل**''، یعنی یہی صحیح ہے جس پر سب قضاۃ کا عمل ہے (جواہر الفقہ، ۳/ ۴۷۱ تا ۳/ ۴۷۴)۔

معین الحکام کی عبارت یہ ہے: ''**قال القرافی فی باب السیاسة نص بعض العلماء علی أنا إذا لم نجد فی جهة، إلا غیر العدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجورا للشهادة علیهم، ویلزم ذلک فی القضاة وغیرهم لئلا تضیع المصالح، قال: وما أظن أحدا یخالف هذا، فالتکلیف شرط فی الإمکان، وهذا**

كله لضرورة لئلا تهدر الأمور وتضيع الحقوق'' (معین الحکام ص ۱۴۵)۔

فاسق محرم کے ساتھ حج کو جانا

حج بھی ایک اسلامی فریضہ ہے اور عشق الٰہی کا مظہر ہے، بندہ جب عشق الٰہی میں ڈوبتا ہے تو بیت اللہ کی زیارت کے لیے بے چین ہو جاتا ہے اور زیارت کے لیے نکل پڑتا ہے، مگر شریعت نے عورت کے لیے سفر کرنے کی کچھ قید لگا دی ہے، اور اسے تنہا سفر شرعی کرنے سے منع کیا ہے چاہے حج کا سفر ہی کیوں نہ ہو، بلکہ شوہر یا کسی اور محرم (جس سے اس کا نکاح ہمیشہ ہمیش کے لیے حرام ہے) کا ہونا ضروری ہے خاص طور پر اس زمانہ میں جب کہ قدم قدم پر فتنے موجود ہیں، اور محرم کے لیے بھی عادل ہونے کی شرط ہے فاسق محرم کے ساتھ بھی سفر کرنے کی اجازت نہیں، کیوں کہ فاسق محرم سے مقصود (عزت وآبرو کی حفاظت) حاصل نہیں ہو پائے گا، لہذا عورت کے لیے حج فرض ہونے کی شرائط میں سے محرم کا ہونا ہے جو عادل ہو اس کے بغیر حج کے لیے جانا جائز نہیں اگر جائے گی تو حج تو ادا ہو جائے گا مگر گنہ گار ہوگی'' **ومع زوج أو محرم ''هذا، وقوله ومع عدم عدة عليها شرطان مختصان بالمرء ة'' غير مجوسي ولا فاسق لعدم حفظهما''** (شامی، ۳/ ۴۶۴، کتاب الحج)۔

معاملات میں فسق کا اثر

معاملات بھی شریعت کا اہم حصہ ہیں، اور معاملات کہتے ہیں ان احکام کو جن سے انسان کی دوسرے کے ساتھ مصلحت وابستہ ہو مثلاً عوض یا بلا عوض ملکیت منتقل کرنا، یا یہ کہا جائے کہ معاملات وہ ہیں جن سے بندوں کی مصالح کو پورا کرنا مقصود ہو۔

فسق کی وجہ سے بعضے معاملات پر بھی اثر پڑ جاتا ہے، مثلاً اگر کسی نے عیب دار سامان فروخت کیا اور مشتری سے عیب کو بیان نہیں کیا تو بائع کو فاسق قرار دیا جائے گا اور بقول بعض فقہاء اس کی گواہی بھی رد کر دی جائے گی کیوں کہ یہ غش (دھوکہ) ہے جو حرام ہے ''**إذا باع سلعة معيبة عليه البيان، وإن لم يبين قال بعض مشائخنا يفسق وترد شهادته، قال الصدر: لا نأخذ به، قال في النهر: أي لا نأخذ بكونه يفسق بمجرد هذا لأنه صغيرة قلت وفيه نظر؛ لأن الغش من أكل أموال الناس بالباطل فكيف يكون صغيرة بل الظاهر في تعليل كلام الصدر أن فعل ذلك مرة بلا إعلان لا يصير به مردود الشهادة، وإن كان كبيرة**'' (شامی، ۱/ ۲۳۰، کتاب البیوع)، گرچہ بائع کے پاس ثابت شدہ عیب پر مشتری مطلع ہوگا تو اسے اختیار ہوگا چاہے عقد رد کر دے یا سامان اسی عیب کے ساتھ روک لے: ''**من وجد**

بمشريه ما ينقص الثمن ولو يسيراً (جوهرة) عند التجار المراد بهم أرباب المعرفة بكل تجارة وصنعة قاله المصنف أخذه بكل الثمن أورده ما لم يتعين إمساكه" (شامی،۷/۱۶۹،۱۷۰،کتاب البیوع)۔

فاسق کو وقف کا متولی بنانا

تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ وقف کے ناظر ومتولی کے لیے عدالت وامانت شرط ہے، اسی وجہ سے فاسق کو وقف کا نگراں اور متولی بنانا جائز نہیں، اس لیے کہ ولایت نظر وشفقت کے ساتھ مقید ہے اور خائن کو متولی بنانا شفقت سے دور ہے، مقصود میں خلل ڈالنا ہے:"**قال فی الإسعاف: ولا یولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه، لأن الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن، لأنه یخل بالمقصود**" (شامی،۶/۵۷۸،کتاب الوقف)۔

فاسق کو دینی ادارہ یا مسجد کا ذمہ دار بنانا

مساجد اللہ کا گھر ہیں، ہدایت کا نور وہاں سے بستی واطراف میں پھیلتا ہے، مدارس کے قیام کا مقصود ہی احیاء دین ہے اشاعت اسلام ہے ایسے اہم اور دینی ادارہ کا ذمہ دار کسی فاسق کو بنانا درست ہی نہیں، لوگوں کو چاہئے کہ دینی اداروں اور مساجد کی ذمہ داری ایسے افراد کے حوالہ کریں، جو انتظامی صلاحیت اور امانت ودیانت کے ساتھ مشرع اور دین دار ہوں، دین دار اور لائق وفائق افراد کی موجودگی میں غیر دین دار کو اور فسق وفجور میں مبتلا شخص کو ذمہ دار بنانا کسی بھی اعتبار سے مناسب نہیں۔"**وفی الاسعاف لا یولی الا امین قادر بنفسه أو بنائبه، لأن الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لانه یخل بالمقصود**" (شامی،۶/۵۷۸ کتاب الوقف) اور ادارہ یا مسجد اگر موقوفہ ہو تو فاسق کو متولی بنانا جائز ہی نہیں: "**وینزع وجوباً لو الواقف فغیره بالأولی غیر مامون أو عاجزا، أوظهر به فسق کشرب الخمر ونحوه**" (شامی،۶/۵۷۸،۵۸۰ کتاب الوقف) متولی اگر خائن ہو یا فاسق ہو تو اسے معزول کرنا لازم ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ آج کل ہماری بیشتر مساجد اور دینی اداروں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے کاندھوں پر ملے گی جو فسق کو ثابت کرنے والے اقوال واعمال کے مرتکب ہیں، دیانت وتقوی سے دور ہیں، حالاں کہ قرآن نے کہا ہے:"**إنما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الآخر وأقام الصلاة وآتی الزکاة ولم یخش الا الله**" (سورۃ التوبۃ:۱۸) مسجد کی تعمیر وتولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہونچتا ہے، فاسق وفاجر نہیں ہوسکتا، فاسق شخص کو متولی بنانے میں مسجد، شعائر دین، امام، مؤذن اور مصلیوں کی بھی توہین وتحقیر ہے، التحریر والتنویر میں "**لا ینال عهدی الظالمین**" (سورہ بقرہ:۱۲۴) کی تفسیر کے تحت

لکھاہے:''وفی الآیة أن المتصف بالکبیرة لیس مستحقا لاسناد الإمامة، إلیه أعنی سائر ولایات المسلمین، الخلافة والأمارة والقضاء والفتوی وروایة العلم، وإمامة الصلاة ونحو ذلک'' (تفسیرسورۃالبقرۃ، آیت:۱۲۴)،کہ جوشخص کبیرہ گناہ کامرتکب ہےایساشخص امام،خلیفہ،قاضی،مفتی وغیرہ دوسرے باوقارعہدوں کےلائق نہیں ہے۔

فاسق کاحکم واجب الاطاعۃ ہے یانہیں؟

اوپرذکرکردہ تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ کسی فاسق کومتولی اورذمہ دار بنانا احکام شریعت اورمزاج شریعت کےخلاف ہے،لیکن اگرفاسق کوذمہ دار بنادیا گیایابن گیاتواگر بلاکسی فتنہ وفساد کےاس کوذمہ داری سےالگ کرناممکن ہوتو الگ کردیاجائےاوراگرہٹانے میں فتنہ وفساد ہےتویونہی چھوڑدیاجائے،اس لیےکہ''الفتنة أشد من القتل''(البقرۃ:۱۹۲) اورجائزامورمیں ان کی اطاعت کی جائےجیساکہ''أطیعوا الله واطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم'' (سورہ نساء: ۵۹)، کی تفسیر میں،التحریروالتنویر میں لکھاہے:''وقوله: وأولی الأمر، یعنی ذویه وهم أصحاب الأمر والمتولون لهم والامر هو الشان ای ما یهتم به من الأحوال والشئون فاولوا الأمر من الأمة ومن القوم هم الذین یسند الناس إلیهم تدبیر شئونهم ویعتمدون فی ذلک علیهم'' (سورۃالنساء:۵۹)،یعنی اطاعت کرواللہ کی اور اطاعت کرورسول کی اوراولوالامرکی اوراولوالامروہ حضرات ہیں جولوگوں کےاحوال کی خبرگیری اوراہتمام کرتے ہیں، یاقوم نےجن لوگوں کےحوالےاپنے معاملات کاانتظام کررکھاہے،اوران پراس بارے میں اعتمادکرتے ہیں۔

معارف القرآن ۶/ ۴۵۰ پرمذکورہ بالاآیت کی تفسیر میں ہے کہ اولوالامرلغت میں ان لوگوں کوکہاجاتاہےجن کے ہاتھ میں کسی چیز کانظام وانتظام ہو،اسی لیےحضرت ابن عباس وغیرہ مفسرین نے اس کامصداق علماء وفقہاءکوقراردیاہے کہ نظام دین ان لوگوں کے ہاتھ میں ہےاورحضرت ابوہریرہ وغیرہ مفسرین نے حکام وامراءکومرادلیاہےجن کے ہاتھ میں نظام حکومت ہےاورتفسیرابن کثیرومظہری میں اولوالامردونوں طبقوں کوشامل ہے،ملخصاً۔

اورامام بخاری نے اپنی صحیح بخاری کی کتاب التفسیر میں''باب قوله تعالی أطیعوا الله وأطیعوا الرسول واولی الأمر منکم ''ذوی الامر'' لکھاہے،یعنی اولوالامرکی تفسیرذوی الامرسےکرکےاپنارجحان ظاہرکیاہے کہ اولوالامر سےمرادعام ہے،یعنی ہرشخص شامل ہےجوکسی چیز کاذمہ دار بنایاگیا۔

بہرحال اس آیت سےاولوالامرکی اطاعت کالازم ہونامعلوم ہوااورحدیث میں ہے''عن عبد الله عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما أحب وکره ما لم یؤمر بمعصیة

فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة'' (بخاری ۲/۱۰۵۷ کتاب الاحکام)۔

''**وعن النواس بن سمعان قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق، رواه فی شرح السنة**'' (بحوالہ مشکوۃ ۳۲۱/ کتاب الامارۃ والقضاء)۔

ان احادیث میں امراء کی اطاعت کو لازم قرار دیا گیا ہے الا یہ کہ معصیت کا حکم کریں، جب معصیت کا حکم کریں تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی، ان کے علاوہ بھی احادیث ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امراء وحکام کے وہ احکام جو خلاف شرع ہیں اللہ کی نافرمانی کے کام ہیں، لائق عمل نہیں۔

اور مسلم شریف کی روایت میں ہے:''**خيار أئمتكم الذين تبغضونهم ويبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم قالوا: قلنا يا رسول الله! أفلا ننابزهم عند ذلک؛ قال: لا، ما أقاموا فيكم الصلاة، لا ما أقاموا فيكم الصلاة إلا من ولی عليه، وال فرآه يأتی شيئا من معصية الله، فليكره ما يأتی من معصية الله، ولا ينزعن يدا من طاعة**'' (مسلم شریف بحوالہ مشکوۃ ۳۱۹/ کتاب الامارۃ والقضاء)، اس حدیث میں بھی اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ اپنے امراء وحکام کے احکام کی پابندی کرو اور ان کے خلاف خروج مت کرو جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں، اس لیے کہ ان کے خلاف جانے میں مفاسد ہیں۔

ان آیات واحادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر کسی دینی ادارہ اور مسجد کا ذمہ دار کسی فاسق کو بنادیا جائے تو امیر اور ذمہ دار کے خلاف شرع کام کو برا سمجھے اور استطاعت ہو تو اس برائی اور فسق سے روکنے کی کوشش کرے مگر اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے، کیوں کہ اس میں فتنہ کو ہوا دینا ہے، اور جب تک عدل وانصاف کا حکم کریں ان کی اطاعت لازم رہے گی۔

کیا توبہ کے بعد فاسق کی خبر دنیوی احکام میں قابل قبول ہوگی؟

اگر کوئی فاسق اپنے فسق سے توبہ کرلے، مگر ابھی توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے تو دنیوی احکام میں بھی اس کی خبر قابل قبول نہیں، جب تک کہ اس پر آثار توبہ ظاہر نہ ہوجائیں، بعض حضرات نے اس کی مدت چھ ماہ مقرر کی ہے اور بعض حضرات نے ایک سال مقرر کیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ قاضی کی رائے کے حوالہ ہے، کوئی خاص مدت متعین نہیں:''**بخلاف الفاسق إذا تاب لا تقبل شهادته ما لم يمض عليه زمان تظهر عليه آثار التوبة وبعضهم قدر ذلک ستة شهر وبعضهم بسنة والصحيح أن ذلک مفوض إلى رأی القاضی**'' (شرح المجلۃ ۱۰۴۱/۲، الکتاب الخامس عشر فی البینات والتحلیف الفصل الثالث)۔

کیا داڑھی منڈانے والا فاسق ہے؟

داڑھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت مسلمانوں کا شعار اور مرد کی فطری وطبعی چیزوں میں سے ہے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھنے کا حکم اور اس کی تاکید کی، مسلم شریف کی روایت میں ہے: ''**عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عشر من الفطرة قص الشارب وإعفاء اللحية والسواك**'' (مسلم شریف، ۱/۱۲۹)، **عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ''جزوا الشوارب وأرخوا اللحى خالفوا المجوس**'' (مسلم شریف ۱/۱۲۹)، ان احادیث کے علاوہ بھی بے شمار احادیث ہیں جن میں صراحت کے ساتھ داڑھی بڑھانے کا حکم ہے، اس لیے جمہور علماء امت کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب اور اس کو کتروا کر ایک مشت سے کم کرنا یا منڈا دینا حرام ہے اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق اور گنہ گار ہے۔

سنن ابی داود کے شارح صاحب المنہل العذب المورود علامہ سبکیؒ نے لکھا ہے: ''**كان حلق اللحية محرما عند أئمة المسلمين المجتهدين أبي حنيفة ومالك والشافعي وأحمد وغيرهم رحمهم الله تعالى**'' (۱/۱۸۶، کتاب الطہارۃ)۔

شامی میں ہے: ''**ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته**'' (شامی ۹/ ۵۸۳، کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء، زکریا)۔

نیز داڑھی منڈانے میں اللہ کی بنائی ہوئی خلقت میں تبدیلی اور مثلہ (چہرہ بگاڑنا) کا گناہ ہے، کافروں سے مشابہت ہے، اور گناہ کا علی الاعلان کرنا اور تسلسل واستمرار مزید برآں (جواہر الفقہ، ۷/ ۱۵۶ ملخصا)۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ داڑھی کو سنن عادیہ میں سے شمار کرنا ان حضرات کی غلطی ہے جو اس کو سنن عادیہ میں شمار کرتے ہیں، لہٰذا داڑھی منڈانے والا فاسق ہوگا، یہ الگ بات ہے کہ اس کی شہادت اگر ضروری ہو اور قاضی اس کو سچا سمجھتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے یعنی اس کی گواہی قاضی کے لیے قبول کرنا لازم تو نہیں قبول کرنے کی گنجائش ہے: ''**وعن أبي يوسف أن الفاسق إذا كان وجيها في الناس ذا مروة تقبل شهادته ..... إلا أن القاضي لو قضى بشهادة الفاسق يصح عندنا**'' (ہدایۃ، ۳/ ۱۶۳)۔

خلاصہ بحث

یہ ہے کہ فسق کی جو تعریفات کی گئی ہیں ان میں وسعت بہت ہے، بدلتے حالات میں بھی وہ لائق عمل ہیں، اس لیے

ان میں تبدیلی کی ضرورت نہیں، اور یہ کہ داڑھی منڈانا حرام اور موجب فسق ہے، ایسے شخص کو اسی طرح دوسرے فسق وفجور میں مبتلا شخص کو نماز وغیرہ دیگر امور میں اپنا مقتدا بنانا غیرت ایمانی کے خلاف ہے، اپنا مقتدا وپیشوا اپنے میں سے بہتر شخص کو بنانا چاہئے، چند پیسوں کے دنیاوی فائدے کے پیش نظر دینی اداروں، مساجد واوقاف وغیرہ کا فسق وفجور میں مبتلا شخص کو ذمہ دار نہیں بنانا چاہئے، لیکن بدقسمتی سے ایسے لوگ ذمہ دار بن گئے یا بنا دیا گیا تو ان کی جائز امور میں اطاعت لازم ہوگی، الا یہ کہ وہ خلاف شرع کام کا حکم کریں، اور ایسے لوگوں کی گواہی اور خبر رؤیت ہلال وغیرہ دیگر معاملات میں اگر قاضی کو اطمینان ہو تو اس کے مطابق فیصلہ کرسکتا ہے، مگر یہ لازم نہیں ہے، تاکہ لوگوں کی ضروریات مختل نہ ہوں اور حقوق ضائع نہ ہوں۔

☆☆☆

فسق سے متعلق چند مسائل

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی☆

فسق کے معنی کسی چیز سے باہر نکلنے اور خارج ہونے کے ہیں اور اصطلاح شرع میں فسق کہا جاتا ہے اطاعت و فرمانبرداری سے نکل جانے اور معصیت کا ارتکاب کر کے حد سے تجاوز کرنے کو: ''**ھو الخروج عن الطاعة والتجاوز الحد بالمعصية**'' (فتح القدیر للشوکانی: ۸/۴)۔

اور علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت سے خروج کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو کفر کا ارتکاب کرے اور اس شخص پر بھی جو نافرمانی کا مرتکب ہو: ''**الخروج عن طاعة الله عز وجل فقد يقع على من خرج بكفر وعلى من خرج بعصيان**'' (الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ: ۱۴۱/۳۲)۔

اس اعتبار سے فسق کی دو قسمیں ہوں گی:

۱۔فسق اکبر

فسق اکبر جو کفر و شرک کے مترادف ہے اور درج ذیل آیتوں میں یہی مراد ہے:

''**وَ لَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنھُم مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُم عَلٰی قَبرِہ اِنَّھُم کَفَرُوا بِاللّٰہِ وَ رَسُولِہٖ وَ مَا تُوا وَ ھُم فٰسِقُونَ**'' (سورہ التوبہ/ ۸۴)۔

(اور (اے پیغمبر) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مرجائے، تو تم اس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا، یقین جانو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا، اور اس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے)۔

''**اَمَّا الَّذِینَ اٰمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُم جَنّٰتُ المَاوٰی نُزُلًا بِمَا کَانُوا یَعمَلُونَ، اَمَّا الَّذِینَ فَسَقُوا فَمَاوٰھُمُ النَّارُ کُلَّمَا اَرَادُوا اَن یَّخرُجُوا مِنھَا اُعِیدُوا فِیھَا وَ قِیلَ لَھُم ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِی کُنتُم**

☆ مہتمم مدرس انوار العلوم، فتحپور، ضلع مئو

بِه تُكَذِّبُونَ '' (سورہ السجدہ:۱۹،۲۰)۔

(چنانچہ جولوگ ایمان لائے ہیں، اورانہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کے لیے مستقل قیام کے باغات ہیں جوان کو پہلی مہمانی ہی کے طور پر دے دیے جائیں گے، ان اعمال کے صلے میں جو وہ کیا کرتے تھے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے نافرمانی کی ہے، تو اس کے مستقل قیام کی جگہ جہنم ہے۔ جب بھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے، انہیں وہیں واپس لوٹا دیا جائے گا، اوران سے کہا جائے گا کہ: آگ کے جس عذاب کو تم جھٹلایا کرتے تھے اس کا مزہ چکھو)۔

''وَ يَومَ يُعرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ اَذهَبتُم طَيِّبٰتِكُم فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنيَا وَ استَمتَعتُم بِهَا فَاليَومَ تُجزَونَ عَذَابَ الهُونِ بِمَا كُنتُم تَستَكبِرُونَ فِي الاَرضِ بِغَيرِ الحَقِّ وَ بِمَا كُنتُم تَفسُقُونَ '' (سورہ الاحقاف:۲۰)۔

(اوراس دن کو یاد کرو جب ان کافروں کو آگ کے سامنے پیش کیا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) تم نے اپنے حصے کی اچھی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ختم کرڈالیں اوران سے خوب مزہ لے لیا، لہٰذا آج تمہیں بدلے میں ذلت کی سزا ملے گی، کیونکہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے، اور کیونکہ تم نافرمانی کے عادی تھے)۔

۲۔فسق اصغر:

فسق اصغر کا مترادف معصیت اور گناہ ہے، اوردرج ذیل آیتوں میں یہی مراد ہے:

''اَلحَجُّ اَشهُرٌ مَّعلُومٰتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الحَجِّ وَ مَا تَفعَلُوا مِن خَيرٍ يَّعلَمهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوا فَاِنَّ خَيرَ الزَّادِ التَّقوٰى وَ اتَّقُونِ يٰاُولِي الاَلبَابِ'' (سورہ البقرۃ:۱۹۷)

(حج کے چند متعین مہینے ہیں۔ چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں (احرام باندھ کر) اپنے اوپر حج لازم کرلے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے نہ کوئی گناہ نہ کوئی جھگڑا۔ اورتم جو کوئی نیک کام کروگے اللہ اسے جان لے گا، اور (حج کے سفر میں) زادراہ ساتھ لے جایا کرو، کیونکہ بہترین زادراہ تقوی ہے اور اے عقل والو! میری نافرمانی سے ڈرتے رہو)

''وَ اَشهِدُوا اِذَا تَبَايَعتُم وَ لَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيدٌ وَ اِن تَفعَلُوا فَاِنَّه فُسُوقٌ بِكُم وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ يُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيمٌ '' (سورہ البقرۃ:۲۸۲)۔

(اور جب خرید وفروخت کرو تو گواہ بنالیا کرو۔ اور نہ لکھنے والے کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے، نہ گواہ کو، اور اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے نافرمانی ہوگی، اور اللہ کا خوف دل میں رکھو، اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے)۔

'' يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اِن جَآئَكُم فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوا اَن تُصِيبُوا قَومًا بِجَهَالَةٍ فَتُصبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلتُم

نٰدِمِینَ'' (سورہ الحجرات:نمبر۶)۔

(اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ)۔

فسق اصغر کی دو قسمیں ہیں:

فسق عملی اور فسق اعتقادی۔

۱۔فسق عملی:

جان بوجھ کر کسی تاویل کے بغیر گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا فسق عملی ہے۔

جمہور کے نزدیک گناہ کی دو قسمیں ہیں کبیرہ اور صغیرہ اس کے برخلاف علامہ جوینی، باقلانی، اسفرائینی، ابن القشیری اور ابن فورک کے نزدیک تمام گناہ کبیرہ ہیں اور ان کو صغیرہ ان سے بڑے گناہ کی نسبت سے کہہ دیا جاتا ہے۔

جمہور کا نقطہ نظر راجح ہے اور ان کے دلائل یہ ہیں:

۱۔''اِن تَجتَنِبُوا کَبَآئِرَ مَا تُنهَونَ عَنهُ نُکَفِّر عَنکُم سَیِّاٰتِکُم وَنُدخِلکُم مُّدخَلًا کَرِیمًا'' (سورہ النساء:۳۱)۔

(اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کر دیں گے، اور تم کو ایک باعزت جگہ داخل کریں گے)۔

۲- ''وَ اعلَمُوا اَنَّ فِیکُم رَسُولَ اللّٰہِ لَو یُطِیعُکُم فِی کَثِیرٍ مِّنَ الاَمرِ لَعَنِتُّم وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیکُمُ الاِیمَانَ وَ زَیَّنَہ فِی قُلُوبِکُم وَ کَرَّہَ اِلَیکُمُ الکُفرَ وَ الفُسُوقَ وَ العِصیَانَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرّٰشِدُونَ'' (سورہ الحجرات:۷)۔

(اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہارے درمیان اللہ کے رسول موجود ہیں۔ بہت سی باتیں ہیں جن میں وہ اگر تمہاری بات مان لیں تو خود تم مشکل میں پڑ جاؤ۔ لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی ہے، اور اسے تمہارے دلوں میں پرکشش بنا دیا ہے، اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں اور نافرمانی کی نفرت بٹھا دی ہے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو ٹھیک ٹھیک راستے پر آ چکے ہیں)۔

اس آیت میں تین چیزیں ذکر کی گئی ہیں، کفر، فسق اور عصیان اور ظاہر ہے کہ فسق اور عصیان دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے، اس طور پر کہ فسق سے گناہ کبیرہ اور عصیان سے گناہ صغیرہ مراد ہے اور اگر دونوں کا مصداق ایک ہو تو تکرار محض لازم آئے گا۔

اورحضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمْعَةُ إِلَى الْجُمْعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ " (صحیح مسلم:۲۳۳)۔

(پنج وقتہ نمازیں اور جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک یہ سب اس درمیان کے گناہوں کو معاف کرنے والے ہیں جب کہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے)۔

اورحضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہوں نے سنا ہے:

" مَا مِنِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَكْتُوبَةٌ، فَيُحْسِنُ وُضُوئَهَا وَخُشُوعَهَا وَرُكُوعَهَا، إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ مَا لَمْ يُؤْتِ كَبِيرَةً، وَذَلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ " (صحیح مسلم:۲۲۸)۔

(اگر کوئی فرض نماز کے وقت اچھی طرح سے وضو کرے اور نماز میں خشوع وخضوع اختیار کرے اور رکوع اور سجدہ اچھی طرح سے کرے تو یہ اس سے پہلے کے گناہوں کے لیے کفارہ ہے جب تک کہ کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہتا ہے)۔

کبیرہ گناہ کی حقیقت:

ہر وہ گناہ جس کے ارتکاب پر آگ، غضب، لعنت یا عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے یا اس پر کوئی دنیاوی سزا متعین ہے تو وہ کبیرہ گناہ ہے (دیکھیے: جامع البیان:۵/۴۱، مدارج السالکین:۱/۲۴۷، البدائع:۶/۲۸۶)۔

صغیرہ پر اصرار:

صغیرہ پر اصرار کا مطلب یہ ہے کہ اسے گناہ کے ارتکاب پر کوئی ندامت اور شرمندگی نہ ہو، گویا کہ وہ گناہ اور معصیت کے معاملے میں بالکل لاپرواہ ہے اور شرعی احکام کی اس کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں ہے (دیکھیے: قواعد الاحکام:۱/۲۲، الفروق:۴/۶۸)۔

کسی کام کو گناہ اسی وقت کہا جائے گا، جبکہ اس کے گناہ ہونے پر اتفاق ہو۔ اجتہادی واختلافی مسائل میں کسی ایک پہلو کے صحیح اور دوسری جانب کے غلط ہونے کا یقین نہیں ہوتا ہے، بلکہ مجتہد کا نقطۂ نظر حقیقت کے اعتبار سے غلط ہو تو بھی وہ اجر ثواب کا مستحق ہوتا ہے، اس لئے اسے معصیت نہیں کہا جاسکتا ہے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ، فَلَهُ

أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ، فَلَهُ أَجْرٌ " (صحیح بخاری:۷۳۵۲)۔

(جب کوئی حاکم فیصلہ کرنا چاہے اور اس میں اجتہاد کرے اور درست فیصلہ تک پہونچ جائے تو اس کے لئے دو اجر ہے اور اگر غلطی کر جائے تو اس کے لئے ایک اجر ہے)۔

اور علامہ سیوطی کہتے ہیں:

"لا ينكر المختلف فيه وإنما ينكر المجمع عليه" (الاشباہ والنظائر للسیوطی/۱۵۸، قاعدۃ:۳۵)۔

(اختلافی امور میں کسی پر نکیر نہیں کی جائے گی، نکیر تو اجماعی معاملات میں کی جاتی ہے)۔

۲-فسق اعتقادی:

فسق اعتقادی کو بدعت کہا جاتا ہے، علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ فسق اعتقادی جیسے اہل بدعت کا فسق جو اللہ اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، جسے اللہ نے حرام کہا ہے اسے حرام سمجھتے ہیں اور جسے اللہ نے فرض قرار دیا ہے اسے فرض سمجھتے ہیں، لیکن اللہ اور اس کے رسول سے بہت سی چیزیں ثابت ہیں جن کا وہ جہالت اور تاویل کی بنیاد پر انکار کرتے ہیں اور بعض ایسی چیزوں کو ثابت مانتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول سے ثابت نہیں ہیں (مدارج السالکین:۱/۲۷۷)۔

بدعت کی حقیقت:

لغت کے اعتبار سے ہر نئی چیز کو بدعت کہا جاتا ہے اصطلاحی اعتبار سے بدعت کی متعدد تعریفیں کی گئی ہیں علامہ شمنی نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"ما أحدث على خلاف الحق الملتقى عن رسول الله صلى الله عليه وسلم من علم أو عمل أو حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دينا قويما وصراطا مستقيما" (ردالمحتار:۱/۲۶۱)۔

بدعت کی قسمیں:

بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت فسق اور بدعت کفر۔

بدعت کفریہ ہے کہ کوئی شخص ایسی چیزوں کی مخالفت اور انکار کرے جس کا قطعی اور یقینی طور پر دین کا حصہ ہونا معلوم ہے، جیسے قرآن، سنت متواترہ اور اجماع قطعی سے صراحتا ثابت شدہ کسی حکم کا انکار کرنا، شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"لا يرد كل مكفر ببدعته؛ لأن كل طائفة تدعي أن مخالفيها مبتدعة، وقد تبالغ فتكفر مخالفيها فلو أخذ ذلك على الإطلاق لاستلزم تكفير جميع الطوائف والمعتمد أن الذي ترد روايته

من أنكر أمرا متواترا من الشرع معلوما من الدين بالضرورة أو اعتقد عكسه، أما من لم يكن كذلك وانضم إلى ذلك ضبطه لما يرويه مع ورعه وتقواه فلا مانع من قبوله" (تدریب الراوی/۲۸۱،ط:جمعیہ احیاء التراث الکویت۲۰۰۹)۔

بدعت فسق یہ ہے کہ کوئی شخص خبر واحد یا کسی صحابی کے قول سے ثابت شدہ کسی چیز کی مخالفت اور انکار کرے یا ایسے عمل کو ثابت مانے جو کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ بعض اہل بدعت ظاہری اور باطنی طور پر مومن ہوتے ہیں، لیکن جہل وظلم کی وجہ سے سنت میں غلطی کر جاتے ہیں، ایسے لوگ نہ تو کافر ہیں اور نہ منافق؛ البتہ اپنے ظلم وسرکشی کی وجہ سے کبھی وہ فاسق ہوتے ہیں اور کبھی نافرمان اور کبھی تاویل میں غلطی کرنے والے جس کی غلطی معاف ہے اور بعض کفریہ باتیں کہتے ہیں؛ جیسے کہ نماز زکوۃ وغیرہ کا انکار کرنا اور شراب، جوا اور محرم سے نکاح وغیرہ کو حلال سمجھنا، پھر اس طرح کے لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو اس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا ہے تو ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی؛ جیسے کہ کوئی نومسلم ہو یا دور دراز کے علاقوں میں رہتا ہو، جہاں اسلامی شریعت کی دعوت نہ پہنچی ہو تو ایسا شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کسی چیز کا انکار کردے تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا، جب تک کہ اسے اس کے بارے میں معلوم نہ ہو جائے۔ (مجموع الفتاوی: ۳/ ۳۵۲ باختصار)

بدعت کفر کے مرتکب کا نہ تو کسی معاملے میں گواہی قبول کی جائے گی اور نہ حدیث کی روایت لی جائے گی، اور اگر بدعت فسق کا مرتکب ہے؛ لیکن وہ اپنی بدعت کی طرف دعوت دینے والا نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے مذہب کی ترویج کے لئے اور اپنے ہم نواؤں کی خاطر جھوٹ بولنے کو جائز سمجھتا ہے تو اس کی روایت اور اس کی گواہی قبول کی جائے گی (دیکھئے: الباحث الحثیث: ۱/ ۲۹۹، ط: مکتبہ المعارف، الریاض ۲۰۱۴ء)۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "**اقبل شهادة أهل الاهواء، إلا الخطابية من الرافضة؛ لأنهم يرون الشهادة بالزور لموافقيهم**" (الباحث الحثیث: ۱/ ۳۰۰)۔

عدل کی تعریف:

فسق کے مقابلے میں عدل کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی ہیں میانہ روی، اعتدال اور استقامت۔

اور اصطلاح میں عدل کہا جاتا ہے کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور صغیرہ گناہوں پر اصرار سے احتراز اور خلاف وقار قول وعمل سے بچنا: "**العدل هو المسلم البالغ العاقل الذى سلم من اسباب الفسق و خوارم المروئة**" (الباحث الحثیث: ۱/ ۲۸۰، تدریب الراوی: ۲۵۸)۔

امام غزالی اس کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:"**العدالة عبارة عن استقامة السيرة والدين وحاصلها يرجع إلى هيئة راسخة في النفس تحمل على ملازمة التقوى والمروئة جميعا حتى تحصل ثقة النفوس بصدقه وذلك انما يتحقق باجتناب الكبائر وبعض الصغائر وبعض المباحات**" (اصول الفقہ الاسلامی:۲/ ۱۱۹۵، ط، دار الفکر، دمشق ۱۹۸۸ء)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:"**العدل من يجتنب الكبائر كلها حتى لو ارتكب كبيره تسقط عدالته وفي الصغائر العبرة للغلبة أو الإصرار على الصغيرة فتصير كبيرة**" (ردالمحتار:۸/ ۱۸۹)۔

ان تعریفات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدل مکمل طور پر فسق کی ضد نہیں ہے، بلکہ فسق کے مقابلے میں قدرے عام ہے کہ غیر عادل کے لیے فاسق ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ عدالت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بعض ایسے جائز کاموں سے بھی اجتناب کرے جس کی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں اس کی حیثیت گھٹ جاتی ہو یا اس کا وقار واعتبار ختم ہوجاتا ہو، اور ظاہر ہے کہ کسی مباح کام کے کرنے والے کو فاسق نہیں کہا جاسکتا ہے، چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسے شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جو گھٹیا حرکتیں کرتا ہو، جیسے کہ راستے میں پیشاب کرنا، راہ چلتے ہوئے کھانا پینا؛ اس لیے کہ یہ خلاف وقار ہے اور جب کوئی شخص اس طرح کی چیزوں سے شرماتا نہیں ہے تو وہ جھوٹ بولنے سے بھی باز نہیں رہ سکتا (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید ۳/ ۱۵۸)۔

حاصل یہ ہے کہ فسق وعدل ایک شرعی اصطلاح ہے اور متعین پر کسی کو اس کا مصداق قرار دینے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے اور کسی کے لئے اس لفظ کے استعمال کے لئے شرعی ثبوت کی ضرورت ہوگی، حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" **لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ**" (صحیح بخاری:۶۰۴۵)۔

(کوئی شخص کسی پر فسق وکفر کی تہمت نہ لگائے؛ کیونکہ اگر وہ واقعہ کے مطابق نہ ہو تو اس کا وبال اسی پر لوٹ کر آجائے گا)۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:"**وهذا يقتضي أن من قال لآخر: أنت فاسق، أو قال له: أنت كافر، فإن كان ليس كما قال كان هو المستحق للوصف المذكور، وأنه إذا كان كما قال لم يرجع عليه شيء؛ لكونه صدق فيما قال، ولكن لا يلزم من كونه لا يصير بذلك فاسقا ولا كافرا أن لايكون آثما في صورة قوله له: أنت فاسق، بل في هذه الصورة تفصيل: إن قصد نصحه أو نصح غيره ببيان حاله جاز، وإن قصد تعييره وشهرته بذلك ومحض أذاه لم يجز؛ لأنه مأمور بالستر عليه**

وتعليمه وعظته بالحسنى، فمهما أمكنه ذلک بالرفق لا يجوز له أن يفعله بالعنف؛ لأنه قد يكون سببا لإغرائه وإصراره على ذلک الفعل كما فى طبع كثير من الناس من الأنفة، ولا سيما إن كان الآمر دون المأمور فى المنزلة" (فتح الباری:۱۲/ ۸۴)۔

قبول شہادت:

فسق وعدل کا تعلق عقیدہ وعمل سے ہے جس کے بارے میں شریعت میں وضاحت ہے کونسا عقیدہ وعمل کفر تک پہونچانے والا ہے اور کونسا فسق کا سبب ہے اور کونسا گناہ صغیرہ ہے اور کونسا کبیرہ ہے اور ظاہر ہے کہ کسی گناہ کے صغیرہ یا کبیرہ ہونے میں اور کسی عقیدہ وعمل کے بدعت ہونے میں عرف کا کوئی دخل نہیں ہے، اس لئے فسق کی تعریف زمانے کے عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف نہیں ہے۔

البتہ عدل کی تعریف میں ایک لفظ مروءت ہے، جس کے بارے میں عرف کے ذریعے فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ کونسا عمل موجودہ حالات میں وقار کے خلاف ہے اور گھٹیا حرکت ہے اور کونسا عمل ایسا نہیں ہے۔

نیز اگر گواہ عادل ہوں تو قاضی کو ان کی گواہی کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے اور اگر گواہ عادل نہ ہوں تو اس کے لئے فیصلہ کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ اگر اس کے خیال میں غیر عادل ہونے کے باوجود گواہوں کے سچ بولنے کا ظن غالب ہو تو وہ اس پر فیصلہ کرسکتا ہے، گویا کہ عدل ہونے کی شرط وجوب کے لئے ہے جواز کے لئے نہیں؛ لیکن گواہی کے قبول کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ فاسق کو عادل مان لیا گیا یا حالات وزمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے عدل وفسق کی تعریف میں کچھ تغیر واقع ہوگیا(۱) چنانچہ قرآن حکیم میں ہے:"**يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اِن جَآئَكُم فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوا اَن تُصِيبُوا قَومًا بِجَهَالَةٍ فَتُصبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلتُم نٰدِمِينَ**" (سورہ الحجرات:٦)۔

(اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کچھ لوگوں کو نقصان پہنچا بیٹھو، اور پھر اپنے کیے پر پچھتاؤ)۔

علامہ آلوسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:"**واستُدِلَّ بِالآيَةِ عَلى أنَّ الفاسِقَ أهْلٌ لِلشَّهادَةِ وإلّا لَمْ يَكُنْ لِلْأمْرِ بِالتَّبَيُّنِ فائِدَةٌ، ألا تَرى أنَّ العَبْدَ إذا شَهِدَ تُرَدُّ شَهادَتُهُ ولا يُتَثَبَّتُ فِيها خِلافًا لِلشّافِعِيِّ**" (روح المعانی)۔

چونکہ فاسق شہادت کا اہل ہے، البتہ فسق کی وجہ سے جھوٹ بولنے کا امکان ہے، اس لئے اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی کہ وہ دینی معاملات میں لاپرواہی اور دل میں عظمت الٰہی کی کمی اسے جھوٹ پر آمادہ کرسکتی ہے؛ لیکن احوال وقرائن سے معلوم ہو کہ وہ گواہی میں سچا ہے تو اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، چنانچہ امام ابو یوسف کہتے ہیں:

"إن الفاسق إذا كان وجيها في الناس ذا مروة تقبل شهادته لأنه لا يستاجر لوجاهته ويمتنع عن الكذب لمروته" (الہدایہ مع فتح القدیر:۶/۱۱،ط،دارعالم الکتب ۲۰۰۳ء)۔

(فاسق شخص جب لوگوں میں ذی وجاہت اور صاحب وقار ہوتو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اس لیے کہ وہ وجاہت کی وجہ سے اسے خریدا نہیں جاسکتا ہے اور وقار کی باعث جھوٹ بولنے سے باز رہے گا)۔

اور قاضی ثناءاللہ پانی پتی کہتے ہیں:"**بل في زماننا هذا الفاسق إذا كان وجيها ذا مروة يغلب على الظن أنه لا يكذب في الشهادة او دلت القرائن على صدقه تقبل شهادته**" (تفسیر مظہری ۱/۳۲۷،سورۃ البقرۃ آیت ۲۸۲)۔

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر قبول شہادت کے لئے بھی عادل ہونے کی شرط لگادی جائے تو دادرسی اور انصاف تک رسائی نہیں ہو پائے گی، کیونکہ ہر طرف فسق وفجور کا غلبہ ہے، چنانچہ علامہ طرابلسی لکھتے ہیں کہ علامہ قرافی کہتے ہیں کہ علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر کسی جگہ سب لوگ غیر عادل ہوں تو ہم صلاح کے اعتبار ان میں سب سے بہتر اور فسق وفجور کے اعتبار سے ان میں سے کم تر کو ان پر گواہ بنائیں گے اور قاضی وغیرہ کے لئے ایسا کرنا ضروری ہوگا؛ تاکہ مصلحت ضائع نہ ہو۔

وہ کہتے ہیں کہ میرے خیال میں کوئی بھی اس کی مخالفت نہیں کرے گا، اس لئے کہ کسی کام کا مکلّف بنانے کے لئے اس کا ممکن ہونا شرط ہے اور یہ سب ضرورت ومجبوری کے احکام ہیں؛ تاکہ اموال برباد اور حقوق ضائع نہ ہوں۔

اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دو چار کو چھوڑ کر اگر سب فاسق وفاجر ہوں تو آپس میں ان کی گواہی قبول کی جائے گی اور ان فاسقوں میں جو بہتر سے بہتر ہے اس کی گواہی پر فیصلہ کیا جائے گا، یہی درست ہے اور اسی پر عمل ہے؛ گرچہ زبانی طور پر بہت سے فقہاء اس کا انکار کرتے ہیں۔۔۔۔اور جب کسی فاسق کے سچ بولنے کا ظن غالب ہوجائے تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور اس پر فیصلہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے فاسق کی خبر کو رد کرنے کا حکم نہیں دیا ہے، لہٰذا مطلقا اسے رد کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اس کی چھان بین کی جائے گی یہاں تک کہ سچ اور جھوٹ واضح ہوجائے۔۔۔۔(بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ ۲/۲۱۸،ط دارالقلم دمشق ۲۰۲۰ء)۔

فاسق کی خبر:

خبر کا تعلق روایات سے ہوگا یا دیانات ومعاملات سے۔

۱-اگر خبر کا تعلق حدیث کی روایت سے ہے تو اس کے لیے راوی کا عادل ہونا شرط ہے اس لیے فاسق کی روایت غیر معتبر ہے اور امام کرخی کا کہنا ہے کہ جن روایات میں عذاب وسزا کا ذکر ہو تو ان کے لیے عدالت کے ساتھ تواتر شرط ہے۔

۲- دیانات، یعنی اللہ کے حقوق سے متعلق جو احکام ہوں ان کے بارے میں خبر دینے والے کا مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے، جیسے کہ پانی کی پاکی وناپاکی کے متعلق کوئی خبر دیتا ہے اور وہ مسلمان وعادل ہے تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور اگر فاسق ہو تو غور وفکر کے بعد رجحان قلب اور ظن غالب پر عمل کیا جائے گا اور حلال وحرام سے متعلق مسائل بھی دیانات میں شامل ہیں (الحل والحرمۃ من الدیانات، البحر الرائق: ۸/ ۱۸۷)۔

دیانات کی بعض شکلیں معاملات کے ضمن میں ہوتی ہیں، جیسے کہ کسی کافر یا فاسق نوکر کو گوشت لانے کے لیے بھیجا جائے اور وہ آ کر کہے کہ میں نے اسے مسلمان سے خریدا ہے تو اس کی بات پر اعتبار کر کے اس کا کھانا درست ہے، اس مثال میں خرید وفروخت ایک معاملہ ہے، لیکن اس کی خبر کے ذریعے گوشت کا حلال ہونا بھی معلوم ہو رہا ہے، اس اعتبار سے ضمنی طور پر اس میں دیانت کا پہلو شامل ہے، لیکن اس طرح کے مسائل کو فقہاء معاملات ہی کے حکم میں رکھتے ہیں اور اس میں کافر اور فاسق کے خبر کا اعتبار کر لیا جاتا ہے۔

۳- معاملات:

معاملات کی تین قسمیں ہیں: لازم، غیر لازم اور لازم وغیر لازم کا مجموعہ۔

اگر خبر کی وجہ سے کسی پر کوئی چیز لازم ہو رہی ہو تو خبر دہندہ کا عادل ہونا اور کم سے کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔

معاملات سے متعلق خبر غیر لازم میں عادل ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا فاسق بلکہ کافر کی خبر کا بھی اعتبار کر لیا جائے گا۔

لازم وغیر لازم کے مجموعے میں نصاب شہادت یا عدالت کا ہونا ضروری ہے (دیکھیے: تبین الحقائق: ۷/ ۲۹، رد المحتار: ۹/ ۴۹۷)۔

چاند کی خبر:

چاند کی خبر کا تعلق دیانات سے ہے اور گزر چکا ہے کہ دیانات میں فاسق کی خبر غیر معتبر ہے، چاہے رمضان کا چاند ہو یا دوسرے مہینوں کا ہر ایک کے ثبوت کے لئے خبر دینے والے کا عادل ہونا شرط ہے، چنانچہ حدیث میں ہے:

"**فإن شهد ذوا عدل فصوموا وافطروا وانسكوا**" (السنن للدارقطنی: ۲۱۹۳، صحیح لغیرہ)

(اگر دو عادل شخص گواہی دیں تو روزہ رکھو، عید مناؤ اور قربانی کرو)۔

البتہ اگر حالات وقرائن کی بنیاد پر قاضی کو ظن غالب حاصل ہو جائے کہ غیر عادل شخص سچ بول رہا ہے تو وہ اس کی خبر

پر رویت ہلال کا فیصلہ کرسکتا ہے۔

مفتی شفیع صاحب عثمانی رویت ہلال کے مسئلے میں لکھتے ہیں:

پانچویں شرط: شہادت کی سب سے اہم شرط ہے جو ہر قسم کی شہادت میں ضروری سمجھی جاتی ہے، وہ شاہد کا عدل ہونا ہے جو بنص قران ثابت ہے: ''**واشهدوا ذوی عدل منکم**'' (سورہ طلاق:۲)۔

اور لفظ عدل ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کی تعریف یہ ہے:

وہ مسلمان جو کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے اور اس کے اعمال صالحہ اعمال فاسدہ پر اور راستکاری خطا کاری پہ غالب ہو (ہدایہ, عالمگیری وغیرہ)۔

اس کے مقابل جو شخص کبیرہ گناہوں کا مرتکب ہے یا صغیرہ گناہوں کا عادی ہے اور اس کے برے اعمال اچھے اعمال پہ غالب ہیں، وہ اصطلاح شرح میں فاسق کہلاتا ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ شاہد عدل ہونا چاہیے، فاسق نہ ہو۔

تنبیہ ضروری:

مگر باتفاق فقہاء اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی شہادت قبول کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا قاضی کے ذمے واجب نہیں؛ لیکن اگر قاضی کو قرائن کے ذریعے معلوم ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، اس بنا پر وہ فاسق کی شہادت پر کوئی فیصلہ کردے تو یہ فیصلہ صحیح اور نافذ ہے (ہدایہ، شرح وقایہ، درمختار، شامی، عالمگیری وغیرہ)

اور جب سے دنیا میں فسق کی کثرت ہوئی اور عام معاملات کی شہادت میں ایسے لوگ آنے لگے جو شرعی اصطلاح میں فاسق ہیں تو لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور مقدمات کے فیصلے کے لیے حضرات فقہاء نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ جس فاسق کے معاملے میں قرائن اور حالات سے اس کا اطمینان ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی شہادت قبول کر کے اس پر مقدمات کے فیصلے کریں، البتہ ایسے لوگوں میں سے اس کا انتخاب کریں جو دوسروں کی نسبت زیادہ صلاحیت رکھتا ہو، مثلاً نماز روزہ کا پابند اور عام احکام شرعیہ کا احترام کرتا ہو۔

فقہ کی مستند اور مشہور کتاب معین الحکام میں اس بحث کو ایک مستقل باب میں واضح طور پر بیان کیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ قرار دی ہے کہ حق تعالی نے فاسق کی شہادت کو رد کرنے کا حکم نہیں فرمایا ہے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس کی تحقیق کرلو۔ ''**إذا جائکم فاسق بنبإ فتبینوا**'' (سورہ حجرات:٦)

جس کا مطلب یہی ہے کہ تحقیق سے اس کا سچا ہونا ثابت ہو جائے تو قبول کرلو ورنہ رد کردو، تو جب حالات کا جائزہ لے کر قاضی کو اس کے سچا ہونے کا گمان غالب ہو جائے تو وہ اس کی شہادت قبول کرسکتا ہے، اور اس زمانے میں جب کہ فسق

کی بہت سی صورتیں مثلاً داڑھی منڈانا وغیرہ ایسی عام ہوگئی کہ ان کی وجہ سے مطلقاً شہادت کو رد کر دیا جائے تو بہت سے معاملات کا ثبوت کسی طرح بہم نہ پہنچے گا، فقہاء کے اس مسلک کے سوا کوئی چارہ نہیں، اسی لیے معین الحکام میں یہ تحقیق نقل کرنے کے بعد لکھا گیا ہے:

"**هذا هو الصواب الذی علیه العمل**" (معین الحکام: ۱۴۵)۔

یعنی یہی صحیح ہے جس پر سب قضاۃ کا عمل ہے (جواہر الفقہ: ۳/ ۴۷۴)۔

دینی مناصب کے لئے فاسق کا انتخاب:

فاسق کی اذان مکروہ ہے، کیونکہ حدیث میں ہے:

"**الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن**" (سنن ابوداؤد: ۵۱۷)۔

(امام ذمہ دار ہے اور موذن پر اعتماد کیا گیا ہے)۔

اور فاسق قابل اعتماد نہیں ہوتا ہے۔

نیز ایک دوسری حدیث میں ہے:

"**لیؤذن خیارکم ولیؤمکم قرائکم**" (سنن ابوداؤد: ۵۹۰)۔

(تم میں سب سے اچھے لوگ اذان دیں اور تم میں سے زیادہ قرآن پڑھنے والے امامت کریں)۔

لیکن اس کے باوجود اگر فاسق اذان دے دے تو جمہور کے نزدیک اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

نماز کی امامت ایک بہت اہم مقام ہے اور حدیث میں اس مقام پر ایسے لوگوں کو فائز کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو دینداری اور پرہیزگاری میں اعلیٰ مقام پر ہوں۔

اور علامہ سرخسی کہتے ہیں مقام امامت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے امامت کی ہے، لہٰذا امامت کے لیے اسے اختیار کرنا چاہیے جو اخلاق و کردار میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہو اور اسی کی بنیاد پر حضرت ابوبکر کو خلیفہ منتخب کیا گیا؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے حضرت ابوبکر کو نماز پڑھانے کا حکم دیا اور آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تمہارے دین کے لیے منتخب کیا ہے تو وہ تمہاری دنیا کے لیے بھی منتخب کردہ ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کے لیے اسی کو منتخب کیا ہے جو لوگوں میں سب سے افضل ہے (المبسوط: ۱/ ۴۰)۔

اس لیے تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ فاسق کی امامت مکروہ ہے، البتہ اگر وہ امام بن جائے تو اس کی اقتدا میں ادا کردہ نماز درست ہے، جمہور اسی کے قائل ہیں۔

قضا اور فیصلے کی ذمہ داری بہت ہی اہم اور نازک ذمہ داری ہے، علامہ سرخسی کہتے ہیں کہ قاضیوں کا کام دین کے اہم امور سے تعلق رکھتا ہے، اس لیے اس پر اسی کو منتخب کرنا چاہیے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ اس کے لائق اور اس امانت کو ادا کرنے والا ہے اور اس لیے بھی کہ جس کی امانت و دیانت معلوم نہ ہو یا جو امانت کی ادائیگی سے عاجز ہو اسے مال کا امین بنانے میں اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے، تو جب مال کا یہ معاملہ ہے تو دینی معاملے میں بدرجہ اولی اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے۔ (المبسوط: ۱۰۶/۶)۔

اور علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق علماء اہل مدینہ اور دوسرے لوگوں کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قاضی اسی کو بنانا مناسب ہے جس کی دینداری اور نیکی پر اعتماد ہو (الکافی: ۴۹۷)۔

لیکن اس کے باوجود اگر فاسق کو قاضی بنا دیا گیا ہے تو اس کا قاضی بننا صحیح ہے اور اس کا فیصلہ نافذ ہوگا، حنفیہ اور بعض مالکیہ اسی کے قائل ہیں۔

اور اگر منصب قضا کو سنبھالنے کے لیے کوئی دیندار موجود نہ ہو تو مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ سب کہتے ہیں کہ غیر دینداروں میں سے کم تر فاسق کو ان پر قاضی بنا دیا جائے گا؛ تاکہ نظم وضبط برقرار رہ سکے اور دینی و دنیاوی مصلحت کا ضیاع لازم نہ آئے۔

اسی طرح سے وقف کے متولی کو بھی عادل اور دین دار ہونا چاہیے، لیکن اگر وہ فسق کا مرتکب ہو جائے تو وہ معزول نہیں سمجھا جائے گا۔

ان تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ اجتماعی ذمہ داریوں پر اور دینی اور مذہبی تنظیموں اور اداروں کے انتظام وانصرام کے لیے دیندار اور پرہیزگار افراد کا انتخاب ضروری ہے اور غیر دیندار افراد کے انتخاب سے جہاں تک ہو سکے احتراز لازم ہے؛ لیکن اگر ان اوصاف کے حامل اشخاص موجود نہ ہوں یا موجود ہوں، لیکن کوئی شخص اپنی دنیاوی وجاہت کی بنیاد پر ذمہ دار بن جاتا ہو یا بنا دیا جاتا ہو اور اس کو علیحدہ کرنے میں ضرر وفساد اور انتشار وافتراق کا اندیشہ ہو تو جائز فیصلوں میں اس کی اطاعت ضروری ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "**اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ**" (صحیح بخاری: ۷۱۴۲)۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: "**وهذا كله إنما هو فيما يكون بطريق الاختيار، وأما**

لو تغلب عبد حقيقة بطريق الشوكة فإن طاعته تجب إخمادا للفتنة ما لم يأمر بمعصية" (فتح الباری)۔

اورحضرت عبداللہ بن مسعود سے منقول ہے کہ نبی کریم نے فرمایا:"**السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ، مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ، فَإِذَا أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ، فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ**" (صحیح بخاری:۷۱۴۴)۔

چنانچہ صحابہ کرام کا یہی طریقہ رہا، وہ لوگ ظالم حکمرانوں کی اقتدا میں نماز پڑھتے رہے، ان کی معیت میں جہاد کرتے رہے اور مقدمات کا فیصلہ کرانے کے لیے ان کے پاس جاتے، اور ان کے فیصلوں کی پابندی کیا کرتے تھے۔

داڑھی کا مسئلہ:

امام ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب اور اسے مونڈنا حرام ہے، متاخرین شافعیہ میں سے اکثر لوگوں کی یہی رائے ہے، اس کے برعکس متقدمین شافعیہ کے نزدیک داڑھی رکھنا سنت اور اسے مونڈنا مکروہ تنزیہی ہے، بعض مالکیہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

جولوگ اسے واجب کہتے ہیں ان کے دلائل بہت مضبوط اور واضح ہیں کہ حدیث میں داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، الا یہ کہ استحباب واباحت کا کوئی قرینہ اور دلیل موجود ہو، نیز بڑھانے کے حکم کے ساتھ مشرکوں کی مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور ان کی مخالفت کرنا اور مشابہت سے بچنا بھی ضروری ہے اور اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے اور اللہ کی خلقت میں تبدیلی ہے جو شیطانی بہکاوے کا نتیجہ ہے۔

جولوگ اس کے قائل نہیں ہیں ان کا کہنا ہے کہ داڑھی سے متعلق احادیث میں امر کا لفظ اور غیر مسلموں کی مخالفت کرنے اور مشابہت سے بچنے کا حکم وجوب پر نہیں، بلکہ استحباب پر دلالت کرتا ہے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے:

"**إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لَا يَصْبُغُونَ فَخَالِفُوهُمْ**" (بخاری:۳۴۶۲،مسلم:۲۱۰۳)۔

(یہود ونصاریٰ خضاب نہیں لگاتے، لہٰذا ان کی مخالفت کرو)۔

اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"**غَيِّرُوا الشَّيْبَ، وَلَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ**" (ترمذی:۱۷۵۲،نسائی:۵۰۷۳)۔

(سفیدی کو تبدیل کرو اور یہود کی مشابہت اختیار نہ کرو)۔

ان احادیث میں خطاب لگانے کے لئے امر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، نیز یہود ونصاریٰ کی مخالفت کرنے اور ان کے ساتھ مشابہت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر اس معاملے سب لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ خضاب لگانا محض مستحب ہے اور واجب وضروری نہیں۔

اسی طرح سے مونچھ کو بالکل پست کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

"**خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ**" (بخاری:۵۸۹۲،مسلم:۲۵۹)۔

(مشرکوں کی مخالفت کرو اور داڑھی بھرپور رکھو اور مونچھ کو بالکل پست کرو)۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے:

"**ذكر رسول الله المجوس فقال: إنهم يوفون سبالهم ويحلقون لحاهم فخالفوهم فكان ابن عمر يستعرض سبلته فجزها**" (السنن الکبری للبیہقی:۱/۱۵۱،صحیح ابن حبان:۱۲/۲۹۰)۔

رسول اللہ نے مجوس کا تذکرہ کیا اور فرمایا: وہ لوگ مونچھ کے کنارے کو بڑھاتے ہیں اور داڑھی مونڈتے ہیں، لہٰذا ان کی مخالفت کرو، حضرت عبداللہ بن عمر پہلے مونچھ کے کنارے کو دراز رکھتے تھے، لیکن اس حدیث کے سننے کے بعد اسے کاٹ دیا۔

اس کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے ثابت ہے کہ وہ اپنی مونچھ کے کنارے کو دراز رکھتے تھے.

حضرت شداد بن اوس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "**صلوا في نعالِكمْ ولا تشبهُوا باليهودِ**" (الجامع الصغیر:۵۰۰۴،صحیح)۔

چپل میں نماز پڑھو اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار نہ کرو۔

لیکن کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے کہ جوتا چپل پہن کا نماز پڑھنا واجب یا مستحب ہے۔

اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں جن میں کسی کام کے کرنے اور غیر مسلموں کی مخالفت کرنے اور ان کے ساتھ مشابہت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن وہاں استحباب مراد ہے نہ کہ وجوب (دیکھئے: افادۃ ذوی الافہام بان حلق اللحیۃ مکروہ ولیس بحرام لعبدالعزیز ابن صدیق الغماری)

اس اعتبار سے داڑھی مونڈنے اور ایک متعین مقدار میں رکھنے کا مسئلہ اختلافی اور اجتہادی ہے، لہٰذا جو لوگ اس کے وجوب کے قائل ہیں ان کے مقلدین و متبعین کے لئے اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا اور منڈانے یا متعین مقدار میں کمی کرنے کی وجہ سے ان پر فسق کا اطلاق ہوگا اور خواہش نفس کی بنیاد پر اور آسانی کے پیش نظر دوسرے ائمہ کے نقطہ نظر کو اختیار کرنا غلط ہوگا۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں: "**لو أن رجلا عمل بكل رخصة بقول أهل الكوفة في النبيذ، وأهل المدينة في السماع وأهل مكة في المتعة كان فاسقا**" (اصول الافتاء وادابہ/۲۰۶)۔

امام نووی

"لو جاز اتباع أی مذهب شاء لأفضی ذلک إلی أن یلتقط رخص المذاهب متبعا هواه ویتخیر بین التحلیل والتحریم والوجوب والجواز وذلک یؤدی إلی انحلال ربقة التکلیف" (المجموع:۱/۵۵)۔

اور علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں:"ونظیر هذا أن یعتقد الرجل ثبوت شفعة الجوار إذا کان طالبا لها وعدم ثبوتها إذا کان مشتریا فإن هذا لا یجوز بالاجماع، وکذا من بنی علی صحة ولایة الفاسق فی حال نکاحه وبنی علی فساد ولایته فی حال طلاقه لم یجوز ذلک بإجماع المسلمین، ولو قال المستفتی المعین: أنا لم أکن أعرف ذلک، وأنا من الیوم التزم ذلک لم یکن من ذلک، لأن ذلک یفتح باب التلاعب بالدین وفتح الذریة إلی أن یکون التحلیل والتحریم بحسب الأهواء" (مجموع الفتاوی لابن تیمیہ:۳۲/۱۰۱)۔

اور جو ائمہ داڑھی مونڈنے کو مکروہ اور مقدار کی تحدید کے بغیر اس کے رکھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں ان کے مقلدین پر داڑھی مونڈنے اور ہلکی داڑھی رکھنے پر فسق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، اس لئے کہ اجتہادی مسائل میں کسی پر نکیر کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ اس طرح کی چیزوں میں اختلاف، حق اور باطل کا اختلاف نہیں ہے؛ بلکہ صواب اور غیر صواب کا اختلاف ہے اور نکیر کسی منکر پر کیا جاتا ہے اور یہ منکر نہیں؛ بلکہ اس میں ہر فریق لائق اجر ہے، اللہ کے رسول کا ارشاد ہے:

"إذا حکم الحاکم فأصاب فله أجران و إذا حکم فأخطأ فله أجر واحد" (بخاری ومسلم)۔

(حاکم اپنے اجتہاد کے ذریعے درست فیصلہ کردے تو اسے دوہرا اجر ہے اور جب فیصلے میں چوک ہوجائے تو اکہرا ثواب ہے)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اجتہادی مسائل میں غلطی ہوسکتی ہے اور غلطی ہونے کا مطلب ہے کہ اختلاف ہوگا اور غلطی کے باوجود اجر کا ثبوت اس اختلاف کے جائز ہونے کی دلیل ہے۔

حضرت یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ اہل فتویٰ کے درمیان ہمیشہ بعض چیزوں کے حلال وحرام ہونے میں اختلاف رہا ہے، لیکن حلال یا حرام قرار دینے والوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے متعلق یہ خیال نہیں کرتا کہ جسے وہ حلال یا حرام سمجھ رہا ہے، دوسرا اس کے برخلاف سمجھنے کی وجہ سے ہلاک ہوگیا (جامع بیان العلم:۲/۸۸)۔

اور امام شافعی لکھتے ہیں کہ جو آدمی کسی علمی وفقہی مسئلے میں مجھ سے اختلاف رکھتا ہے، میں اس سے یہ نہیں کہتا کہ وہ اللہ سے توبہ کرے، کیونکہ توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور ایسا آدمی گنہگار نہیں ہوتا ہے، بلکہ ایک یا دو ثواب کا حقدار ہوتا ہے۔ (اختلاف رائے آداب واحکام، از ڈاکٹر سلمان فہد عودہ/۳۰۱)۔

اور علامہ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ جو لوگ اجتہاد کرتے ہیں، اہل سنت ان کو گنہگار نہیں مانتے ہیں، وہ اس معاملے میں اصول وفروع کے درمیان کسی فرق کے قائل نہیں ہیں، لہٰذا جو شخص اللہ عزوجل کی مراد کو سمجھنے کی پوری کوشش کرے اور وہ اس کا اہل ہو تو وہ اس اجتہاد کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا، بلکہ وہ ایک یا دو اجر کا مستحق ہوگا، حاصل یہ ہے کہ اجتہادی مسائل میں کسی کو گنہگار قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور نہ اس کی وجہ سے مسلمانوں سے قطع تعلق صحیح ہوگا (مجموع الفتاویٰ:۳۱/۵۲۱)۔

فاسق کی توبہ:

حقوق اللہ میں توبہ کی صورت یہ ہے کہ معصیت سے باز آجائے، اس پر ندامت وپشیمانی اور دوبارہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو ارشاد ربانی ہے: "**وَ الَّذِینَ اِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً اَو ظَلَمُوا اَنفُسَهُم ذَکَرُوا اللّٰهَ فَاستَغفَرُوا لِذُنُوبِهِم وَ مَن یَّغفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَم یُصِرُّوا عَلٰی مَا فَعَلُوا وَ هُم یَعلَمُونَ**" (سورہ آل عمران:۱۳۵)۔

(اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بیٹھتے ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گزرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟ اور یہ اپنے کیے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے)۔

"**یٰاَیُّهَا الَّذِینَ اٰمَنُوا تُوبُوا اِلَی اللّٰهِ تَوبَةً نَّصُوحًا عَسٰی رَبُّکُم اَن یُّکَفِّرَ عَنکُم سَیِّاٰتِکُم وَ یُدخِلَکُم جَنّٰتٍ تَجرِی مِن تَحتِهَا الاَنهٰرُ یَومَ لَا یُخزِی اللّٰهُ النَّبِیَّ وَ الَّذِینَ اٰمَنُوا مَعَه نُورُهُم یَسعٰی بَینَ اَیدِیهِم وَ بِاَیمَانِهِم یَقُولُونَ رَبَّنَا اَتمِم لَنَا نُورَنَا وَ اغفِرلَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیءٍ قَدِیرٌ**" (سورہ التحریم:۸)۔

(اے ایمان والو! اللہ کے حضور سچی توبہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری برائیاں تم سے جھاڑ دے، اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس دن جب اللہ نبی کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو رسوا نہیں کرے گا۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کی دائیں طرف دوڑ رہا ہوگا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے کہ: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے اس نور کو مکمل کردیجیے اور ہماری مغفرت فرمادیجیے۔ یقیناً آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں)۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "توبہ نصوح" کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

"**أن یندم العبد علی الذنب الذی أصاب فیعتذر إلی الله ثم لایعود إلیه کما لایعود اللبن إلی الضرع**"

(الدر المنثور:۶/۳۷۶، روح المعانی عن ابن مردویہ:۲۸/۱۸۷)۔

(بندے سے جو گناہ سرزد ہو گیا ہے اس پر اسے ندامت ہو اور وہ اللہ سے معذرت طلب کرے اور پھر اس گناہ کی طرف واپس نہ جائے جیسے کہ دودھ تھن میں واپس نہیں آتا ہے)۔

اورحضرت عمر عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عمر سے ''توبہ نصوح'' کی تفسیر میں منقول ہے:''أن تتوب من الذنب ثم لا تعود إليه ابدا أو لا تريد أن تعود'' (جامع البیان:۲۸/۱۶۷)۔

(گناہ سے توبہ کرے اور پھر کبھی پلٹ کر اس کا ارتکاب نہ کرے یا دوبارہ کرنے کا ارادہ نہ رکھے)۔

اور اگر اس کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو مذکورہ تینوں چیزوں کے ساتھ حق کی ادائیگی یا معافی تلافی ضروری ہے؛ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ مَظْلِمَةٌ لِأَخِيهِ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهَا؛ فَإِنَّهُ لَيْسَ ثَمَّ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُؤْخَذَ لِأَخِيهِ مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ أَخِيهِ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ'' (صحیح بخاری:۶۵۳۴)۔

(اگر کسی نے اپنے بھائی پر ظلم کیا ہو تو اس سے آج ہی معافی مانگ لے، کیونکہ آخرت میں درھم و دینار نہیں ہوگا، بلکہ ظلم کے بدلے اس کی نیکیاں لی جائیں گی، اور اگر اس کے پاس نیکی نہ ہوگی تو اس کے بھائی کے گناہ اس پر ڈال دیئے جائیں گے)۔

توبہ کے لیے مذکورہ چیزوں کا ہونا کافی ہے یا توبہ کے بعد اصلاح عمل ضروری ہے اس سلسلے میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، حنفیہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عملی طور پر اصلاح حال ضروری ہے، حنابلہ کا بھی ایک قول یہی ہے، دوسری رائے یہ ہے کہ توبہ کے لیے مذکورہ چیزوں کا پایا جانا کافی ہے، اس کے لیے اصلاح عمل شرط نہیں ہے، حنابلہ کا یہی مذہب ہے اور حنفیہ و مالکیہ سے ایک قول اسی کے مطابق منقول ہے (دیکھئے: فتح القدیر:۷/۴۰۰، عقد الجواہر الثمینہ:۳/۱۵، المہذب:۵/۶۲۳، المغنی:۱۰/۱۹۴)۔

پہلے نقطہ نظر کے دلائل یہ ہیں:

۱-''وَ الَّذٰنِ يَاتِينِهَا مِنكُم فَاذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَ اَصلَحَا فَاَعرِضُوا عَنهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا'' (سورہ النسآء:۱۶)۔

(اور تم میں سے جو دو مرد بدکاری کا ارتکاب کریں، ان کو اذیت دو، پھر اگر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے درگزر کرو، بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے)۔

۲-''اِلَّا مَن تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِم حَسَنٰتٍ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا'' (سورہ الفرقان:۷۰)۔

(ہاں مگر جو کوئی توبہ کر لے، ایمان لے آئے، اور نیک عمل کرے تو اللہ ایسے لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے)۔

۳-''وَ الَّذِينَ يَرمُونَ المُحصَنٰتِ ثُمَّ لَم يَاتُوا بِاَربَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجلِدُوهُم ثَمٰنِينَ جَلدَةً وَّ لَا تَقبَلُوا

لَهُم شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الفٰسِقُونَ .اِلَّا الَّذِینَ تَابُوا مِن بَعدِ ذٰلِکَ وَ اَصلَحُوا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِیمٌ'' (سورہ النور:۴،۵)۔

(اور جولوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، تو ان کو اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو، اور وہ خود فاسق ہیں۔ ہاں جولوگ اس کے بعد توبہ کرلیں، اور (اپنی) اصلاح کرلیں، تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے)۔

مذکورہ ایتوں میں توبہ کے ساتھ عمل صالح کا ذکر کیا گیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ توبہ کے بعد اصلاح عمل ضروری ہے، نیز توبہ کرنے والے کے متعلق اندیشہ ہے کہ محض ظاہری طور پر توبہ کر رہا ہو، تاکہ اس کے ذریعے اپنے مقصد کو حاصل کر سکے اور پھر اپنی پچھلی زندگی کی طرف لوٹ جائے، اور جولوگ محض توبہ کو کافی سمجھتے ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

۱-''وَ مَن یَّعمَل سُوٓئًا اَو یَظلِم نَفسَه ثُمَّ یَستَغفِرِ اللّٰهَ یَجِدِ اللّٰهَ غَفُورًا رَّحِیمًا'' (سورہ النسآء:۱۱۰)۔

(اور جو شخص کوئی برائی کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ سے معافی مانگ لے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان پائے گا)۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ محض توبہ سے گناہ معاف ہوجاتا ہے، اور حدیث میں کہا گیا ہے کہ:''اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنبِ، کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ'' (ابن ماجہ:۴۲۵۰)۔

(گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس کا کوئی گناہ نہیں ہے)۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابوبکرہ سے کہا جو ایک صحابی پر زنا کی تہمت کے گواہ تھے، لیکن اسے ثابت نہیں کر پائے:''تب اقبل شهادتک'' (توبہ کرلو تو دوسرے معاملات میں تمہاری گواہی قبول کرلوں گا)۔ (رواہ البخاری تعلیقا بالجزم فی کتاب الشہادات والبیہقی فی السنن الکبری:۱۰/ ۱۵۲)۔

حقیقت یہ ہے کہ توبہ کے لیے اس شرط کا تعلق گواہی سے ہے یعنی کسی معاملے میں فاسق کی گواہی اسی وقت قبول کی جائے گی جبکہ وہ اپنے فسق سے توبہ کرلے اور اس کے عمل سے توبہ کا ظہور ہو کیونکہ گواہی کا معاملہ بڑا نازک ہے، اس سے جان و مال اور عزت و آبرو کا فیصلہ متعلق ہے، اس لیے اس میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے اور یہی وجہ ہے کہ گواہی کے لیے ہے محض عادل ہونا کافی نہیں؛ بلکہ عادل ہونے کے ساتھ متہم نہ ہونا بھی ضروری ہے اور اسی بنیاد پر باپ کی گواہی بیٹے کے حق میں قبول نہیں کی جاتی ہے؛ گرچہ وہ عادل ہو کہ اس رشتے کی وجہ سے جھوٹ بولنے کا شبہہ موجود ہے، لہٰذا فاسق اگر توبہ کرلے تو اب وہ گنہگار اور فاسق باقی نہیں رہے گا اور توبہ کی وجہ سے اس کی یہ صفت زائل ہوچکی ہے، جیسا کہ مذکورہ آیت و روایت سے معلوم ہوتا ہے، البتہ گواہی کے معاملے میں احتیاط کا تقاضا ہے کہ ایک مدت تک عملی طور پہ توبہ کے ظہور کا مشاہدہ کیا جائے۔

رہا حضرت ابوبکرہ کا معاملہ تو وہ نہایت پرہیز گار اور بڑے عبادت گزار تھے، ان کی دینداری سب لوگوں کو معلوم تھی البتہ کسی شبہ کی وجہ سے وہ اس معاملے میں ملوث ہو گئے، اس لیے انہیں اس معاملے سے توبہ کر لینا کافی تھا (فتح القدیر: ۷/۴۰۰)۔

عملی صلاح وتقوی کے ظہور کے لیے کوئی مدت متعین نہیں ہے، بلکہ اس کی سچائی کا ظن غالب ہو جانا کافی ہے، حنفیہ وغیرہ کے ہاں اسی پر فتوی ہے اور بعض حنفیہ وغیرہ نے ایک سال یا چھ ماہ اس کی مدت متعین کی ہے۔

۱-''**المراد من یجب قبول شهادته علی القاضی ومن لا یجب لا من یصح قبولها ولا من لایصح لأن ممن ذکره ممن لا تقبل الفاسق ولو قضی بشهادته صح**'' (ردالمحتار: ۸/۱۸۷)۔

''**العدالة وهی شرط وجوب القبول علی القاضی لا شرط جواز کما سیاتی ... ویصح قضاء القاضی بشهاده الفاسق ان تحری عن شهادته وتاکد من صدقه ولا یصح قضاؤه من غیر تحر للاجماع عندنا، وقال الشافعی لا یصح، لأن الأصل أنه لا یجوز قضاء القاضی بشهادة الفاسق إتفاقا وانما الخلاف فی صحته ونفاذه، لو قضی بها وقد تحر الصدق فیها**'' (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید: ۳/۱۵۰، ۱۵۴)۔

۲-''**الأصح عند الشافعیه ان حلق اللحیة مکروه**'' (الموسوعہ الفقہیہ الکویتیہ: ۳۵/۲۲۶)، **قال الاردبیلی ولایجوز – یعنی التعزیر – بحلق اللحیة ولا باخذ المال** (الانوار لأعمال الابرار: ۲/۶۳، ط مؤسسۃ الحلبی ۱۹۷۰ء)۔

''**قال ابن حجر فی تحفه المحتاج: ''وظاهره حرمه حلقها وهو إنما یجی علی حرمته التی علیها أکثر المتاخرین، أما علی کراهته التی علیها الشیخان –یعنی الامامین الرافعی والنووی– وآخرون فلا وجهه للمنع إذا راه الإمام**''۔

''**قال عیاض: یکره حلقها وقصها**'' (اکمال المعلم بفوائد مسلم: ۲/۶۳)۔

۳– ''**الفاسق إذا تاب لا تقبل شهادته ما لم یمض علیه زمان یظهر التوبة ثم بعضهم قدره بستة اشهر وبعضهم قدره بسنة والصحیح أن ذلک مفوض إلی رأی القاضی والمعدل .وفی الخلاصة ولو کان عدلا فشهد بزور ثم تاب فشهد تقبل من غیر مدة .....وقدمنا أن الشاهد إذا کان فاسقا سرا لا ینبغی أن یخبر بفسقه کی لا یبطل حق المدعی وصرح به فی العمدة أیضا**'' (ردالمحتار: ۸/۱۹۰)۔

''**وفی البدائع: کل فاسق تاب عن فسقه قبلت توبته وشهادته إلا المحدود فی القذف والمعروف بالکذب، لأن من صار معروفا بالکذب واشتهر به لا یعرف صدقه من توبته بخلاف الفاسق إذا تاب عن سائر أنواع الفسق فإن شهادته تقبل**'' (البحر الرائق: ۷/۱۳۴)۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

ڈاکٹر اشتیاق احمد الاعظمی☆

جواب(۱): فسق کی لغوی اور اصطلاحی تعریف تو زمانۂ قدیم سے چلی آرہی ہے، جس کی کچھ تفصیل یوں ہے:

فسق کی لغوی تعریف: خروج کے ہیں، عرب بولتے ہیں: ''**خرجت الرطبة عن قشرها: إذا خرجت من قشرها**'' (ترکھجور جب اپنے چھلکے سے باہر آجائے) یا ''**فسقت النواة عن التمرة**'' (گھٹلی کا کھجور سے باہر ہوجانا)۔

ابن منظور افریقی نے لکھا: ''**الفسق : العصيان و الترک لأمر الله عز وجل، والخروج عن طريق الحق والميل إلى المعصية كما فسق ابليس عن أمر ربه أى جار ومال عن طاعته**'' (لسان العرب، مادہ: فسق، ۱۰/۳۰۸)۔

علامہ مجد الدین فیروز آبادی نے کہا: ''**الفسق بالكسر: هو الترک لأمر الله تعالىٰ والعصيان والخروج عن طريق الحق**'' (القاموس المحیط، مادہ: فسق ۱/۹۱۸)، یعنی فسق بالکسر کا لغوی معنی: اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ترک کرنا، اس کی نافرمانی کرنا اور حق کے راستہ سے نکل جانا۔

فسق کا اصطلاحی معنی:

علامہ قرطبی نے فرمایا: عرفِ استعمالِ شرعی میں فسق: ''**خروج عن طاعة الله**'' پر بولا جاتا ہے، کبھی اس کا اطلاق خروج بالکفر کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی خروج بالعصیان کی صورت میں (فقد یقع علی من خرج بکفر وعلی من خرج بعصیان)۔

علامہ آلوسیؒ نے فرمایا: ''**الفسق شرعاً هو: خروج العقلاء عن الطاعة، فيشمل الكفر و دونه من الكبيرة و الصغيرة واختص فى العرف والاستعمال بارتكاب الكبيرة فلا يطلق على ارتكاب الآخرين إلا نادرا بقرينة**'' (شرعاً فسق کا معنی ہے: عقلاء کا اطاعتِ رب اور اس کی فرماں برداری سے نکل جانا، چنانچہ لفظ

☆ سابق شیخ الحدیث و پرنسپل دار العلوم مئو

''فسق'' کفر کو بھی شامل ہے اور کفر سے نیچے کے گناہ، خواہ وہ کبائر ہوں یا صغائر، ان کو بھی شامل ہے، ہاں اس کا استعمال عرف میں کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے ساتھ خاص ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کا اطلاق مادون الکبیرہ پر ندرت کے ساتھ قرینہ کی موجودگی میں ہوتا ہے)

ماقبل کے لغوی واصطلاحی مفاہیم میں غور وخوض سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اصطلاحی مفہوم، لغوی مفہوم سے ہٹ کر نہیں ہے اور نہ ہی دونوں میں بہت زیادہ بُعد اور دوری ہے؛ کیونکہ لغوی مفہوم میں ''خروج'' ہے تو شرعی مفہوم میں: انسان کا فطرتِ سلیمہ اور صراط مستقیم سے دور ہوجانے کا نام ''فسق'' ہے، چنانچہ فسق سے مراد ایسی باطل خبیث صفت ہوگی جو اپنے اندر زندگی کے جملہ مراحل میں استقامت اور اعتدال کی راہ سے ہٹنے کو شامل ہوگی، خواہ یہ بعد عن الاستقامہ، اقوال کی راہ سے ہو یا افعال کی راہ سے: ''**فالفسق : صفة خبيثة باطلة تحمل في طياتها كل معاني الخروج عن الاستقامة و الاعتدال في كل شئي من مرافق الحياة سواء في الأقوال أم في الأفعال**'' (دلالات مصطلح الفسق.....لعلي يوسف عوض الرواشدہ، ص ۴۸۳، مجلۃ: علوم الشریعۃ والقانون، مجلد ۴۶، العدد (۱) عام ۲۰۱۹)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ فسق، خروج عن الطاعۃ کا نام ہے، لیکن اس کا اطلاق کسی ایک معنی کے لئے مختص نہیں ہے، بلکہ لفظ فسق کبھی کفر پر، کبھی معصیت پر، کبھی اثم وفجور پر اور کبھی کذب وسب وشتم اور دیگر سیئات پر بھی بولا جاتا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ فسق کی کوئی محدود اور متعین تعریف نہیں کی جاسکتی، بلکہ حالات اور زمانے کے نشیب وفراز کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا کوئی محمل متعین کیا جاسکتا ہے، تاہم کچھ حضرات فقہاء نے فسق کی تعریف یوں کی ہے: ''**بأنه ارتكاب كبيرة أو اصرار على صغيرة أو صغائر بحيث تغلب هذه الصغائر على طاعته**' (کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرنا یا گناہِ صغیرہ یا صغائر پر اس طور پر اصرار کیا جائے کہ یہ صغائر اس کی اطاعت پر غالب آجائیں تو اسی کا نام ''فسق'' ہے)۔

کبیرہ کی تعریف بھی علماء کرام نے مختلف کی ہے، جس کی روشنی میں اس کا معنی مرادی بھی متفاوت ہوسکتا ہے، چنانچہ کبیرہ کی جامع مانع تعریف کچھ علماء نے یوں کی ہے: ''**الكبيرة هي كل ذنب أوجب حدا في الدنيا أو وعيدا في الآخرة بنص القرآن و السنة الثابتة أو عظمت مفسدته بما يماثل المنصوص عليه ، فالحدود كالقتل و الزنا و شرب الخمر و السرقة و القذف والوعيد في الآخرة يشمل: العذاب بالنار، اللعن من الله تعالىٰ أو رسوله ﷺ و عدم دخول الجنة أو عظمت مفسدته بما يماثل المنصوص: مثال ذلك تعاطي المخدرات فهي من الكبائر و إن لم يرد فيها النص وذلك لعظم المفسدة المترتبة على هذا الفعل**'' (من هو الفاسق/اسلام آن لائن)۔

جواب(۲): فسق کی بنا پر عبادات ومعاملات کے قبیل سے بہت سے احکام میں اس کا اثر مترتب ہوتا ہے:

(ا) عبادات:

(الف) مثلاً نماز: فاسق کے پیچھے جائز ہے یا نہیں؟ اس بابت فقہاء کرام کی آرا درج ذیل ہیں:

۱:۔ حنفیہ: ہر عاقل مسلم شخص نماز کی امامت کی فی الجملہ صلاحیت رکھتا ہے، یہاں تک کہ غلام، بدو، نابینا، ولد الزنا اور فاسق شخص بھی امامت کی صلاحیت رکھتا ہے، اگر چہ اِن کی امامت مکروہ ہوگی: "**فيرى الحنفية أنه يصلح للإامامة في الجملة كل عاقل مسلم ، حتى تجوز إمامة العبد والأعرابي والأعمى وولد الزنى و الفاسق وإن كانت مكروهة**" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۲۲/ ۴۲)۔

۲:۔ مالکیہ: فاسق بالجارحۃ کے پیچھے مذہب معتمد یہ ہے کہ نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہوگی، فاسق بالجارحۃ کی مثال: زنا کار اور شرابی آدمی ہے، اگر کوئی آدمی امامت کے ذریعہ کبر اور تکبر میں مبتلا ہو تو اس کی امامت عند المالکیہ صحیح نہ ہوگی: "**قال المالكية: تصح الصلاة على المعتمد مع الكراهة خلف الفاسق بجارحة كزان و شارب خمر، فإن تعلق فسقه بالصلاة كقصده الكبر بإمامته فلاتصح**" (الموسوعۃ أیضاً)۔

مالکیہ کا مذہب غیر معتمد یہ ہے کہ فاسق بالجارحۃ کے پیچھے نماز صحیح نہ ہو۔

اگر کوئی مبتدع شخص ہے، لیکن اس کی بدعت کی بنا اس کی تکفیر میں فقہاء کا اختلاف ہو تو مالکیہ کا معتمد مذہب یہ ہے کہ اس کی امامت میں نماز درست ہوگی، مثلاً حروری اور قدریہ فرقہ والوں کے پیچھے: "**والمعتمد أنها تصح خلف المبتدع المختلف في تكفيره ببدعة كالحروري والقدري**" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، مادہ: فسق، ۳۲/ ۱۳۲)۔

۳:۔ شافعیہ: فاسق آدمی، فساق کی امامت بلا کراہت انجام دے سکتا ہے، الا یہ کہ امام کا فسق مقتدیوں کے فسق سے فاحش اور بڑھا ہوا ہو تو اس صورت میں اس کی امامت مکروہ ہوگی، اور رہا معاملہ فاسق کی امامت کا غیر فاسق کے حق میں تو اس کی کراہت میں اختلاف نہیں: "**أما الشافعية فانهم يجيزون الصلاة وراء الإمام الفاسق وإنما يكره ذلك خلفه، ومحل إمامة الفاسق لغير الفاسق ،أما مثله فلاتكره ما لم يكن فسق الإمام أفحش**" (موسوعۃ ۳۲/ ۱۳۲)۔

۴:۔ حنابلہ: فاسق کی امامت مطلقاً صحیح نہیں، خواہ اس کا فسق اعتقادی ہو یا محرمات کے ارتکاب کی وجہ سے ہو یا **فاسق معلن یا غیر معلن هو**، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "**أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقاًلايستوون**" (سجدہ/ ۱۸)، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**لا تؤمن امرأة رجلا ولا يؤم أعرابي مهاجرا ولا يؤم**

فاجر مؤمنا إلا أن يقهره بسلطان يخاف سيفه و سوطه"۔

عندالحنابلہ فاسق کے پیچھے پڑھی گئی نمازوں کا اعادہ علی الاطلاق کرنا ہوگا: "**ويعيد من صلى خلف فاسق مطلقاً**" (موسوعہ ۳۲/ ۱۳۲)۔

ب: فاسق کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی آرا دو طرح کی ہیں:

قول اول: ہر مسلمان شخص کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؛ خواہ وہ نیک ہو یا فاجر، خواہ وہ کسی حد میں قتل کیا گیا ہو یا غیر حد میں، چھوٹا ہو یا بڑا، مذکر ہو یا مؤنث، آزاد ہو یا غلام، اس کے جنازے کی نماز امام وقت پڑھائے یا کوئی اور، ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، خواہ وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ برا ہی کیوں نہ ہو، یہی قول حضرت سفیان ثوریؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، عطاؒ، قتادہؒ اور عمرو بن دینارؒ کا ہے، نیز یہی رائے جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی ہے: "**قالوا: بجواز الصلاة على كل مسلم برأو فاجر، سواء قتل في حد أو غيره صغيرا كان أو كبيرا، ذكرا كان أو أنثى، حرا كان أو عبدا، يصلي عليهم الإمام أو غيره ولو أنه – الميت –شر من على ظهر الأرض إذا مات مسلما، وهو قول سفيان، وابن أبي ليلىٰ، و عطاء، وقتادة، و عمرو بن دينار وإليه ذهب جمهور العلماء من الحنفية و المالكية و الشافعية و الحنابلة**" (تاثیر الفسق في الأحكام الشرعية/مسائل العبادات، للدكتور تغريد محمد صالح وماجد حامد حرز الشيحاوي/ص ۱۱۳)، اس ضمن میں فقہاء کرام کی یہ جماعت بہت سے دلائل سے استدلال کرتی ہے، ادلہ کے ذکر میں طوالت ہوگی، اس لئے اس سے گریز کرتے ہیں۔

قول ثانی: فاسق کی نماز جنازہ پڑھنا جائز نہیں، یہی رائے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، امام اوزاعیؒ کی ہے اور امام شوکانیؒ نے اس قول کی نسبت عترت رسول ﷺ کی طرف کی ہے، یہ حضرات کہتے ہیں کہ فاسق کی نماز جنازہ نہ تو تصریحا پڑھنا جائز ہے اور نہ ہی تاویلا جائز ہے: "**قالوا: لا يصلى على الفاسق لا تصريحا ولا تاويلا**"۔

اس رائے کی موافقت، حضرات احناف نے بھی باغیوں اور قطاع الطریق کے سلسلے میں کی ہے، تاہم احناف سے ان باغیوں اور ڈاکوؤں کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کی بابت اس وقت کی ہے، جبکہ یہ لوگ دوران جنگ قتل کئے گئے ہوں، لیکن اگر یہ جنگ کے خاتمہ کے بعد قتل کئے گئے ہوں یا امام وقت نے انہیں گرفتار کرلیا ہو، پھر یہ مارے گئے ہوں تو ان کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے گی: "**ووافقهم الحنفية بعدم الصلاة على البغاة و قطاع الطريق أيضاً، إلا أن الحنفية إنما قالوا بعدم الصلاة عليهم إذا قتلوا في الحرب، أما إذا قتلوا بعد ما وضعت الحرب أوزارها أو أخذهم الإمام ثم قتلهم، صلي عليهم**" (تاثیر الفسق في الأحكام الشرعية/مسائل العبادات/ ۱۱۵، ۱۱۶)۔

ج: فاسق شخص کی روایت قابل قبول ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو آرا ہیں:

(۱) **جمهور أئمة الحديث و الفقه:** جن لوگوں کی روایتوں سے احتجاج واستدلال کیا جاتا ہے، ان کے لئے فسق سے سلامتی کی شرط لگائی جاتی ہے: ''**أنه يشترط فيمن يحتج بروايته السلامة من الفسق**'' (موسوعہ، مادہ: فسق، ۳۲/ ۱۴۳)۔

(۲) زین الدین عراقی: ایسا بدعتی فاسق، جس کی بدعت کی وجہ سے اس کی تکفیر نہ کی گئی ہو، جب یہ شخص اپنی بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہوگا تو اس کی روایت قابل قبول نہ ہوگی اور اگر وہ اپنی بدعت کا داعی نہ ہو تو اس کی روایت قابل قبول ہوگی، یہی امام احمد بن حنبلؒ کی رائے ہے: ''**إن الفاسق المبتدع الذي لم يكفر ببدعته إذا كان داعية إلى بدعته ، لم تقبل روايته وإن لم يكن داعيةقبل، وإليه ذهب الإمام أحمدؒ كما قال الخطيبؒ**'' (موسوعہ أیضاً)۔

علامہ ابن الصلاح نے فرمایا کہ یہی بہت سے علماء کی رائے ہے اور یہی اعتدال والا اور بہتر قول ہے: ''**قال ابن الصلاح: وهذا مذهب الكثير و الأكثر وهو أعدلها و أولاها**'' (موسوعہ،،، مادہ: فسق أیضاً)۔

جس طرح مذکورہ بالا امور میں فسق کا اثر ظاہر ہوا ہے، ایسے فاسق کی گواہی اور اس کا فتویٰ اور اس کی حضانت بھی قابل قبول ہے یا نہیں، اگر ان سب کی تفصیل کی جائے تو بات بڑی طویل ہو جائے گی، جس کا یہ مختصر مقالہ متحمل نہیں ہو سکتا، اس لئے اسی قدر پر اکتفا کیا جاتا ہے (دیکھئے: موسوعہ: ۳۲/ ۱۴۳)۔

(۲) معاملات میں فسق کا اثر:

احکام القرآن میں امام جصاصؒ نے صراحت کی ہے کہ اہل علم کچھ امور میں فاسق کی خبر کو قبول کرنے پر متفق ہیں، ان میں سے کچھ امور کا تعلق ''معاملات'' سے ہے، مثلاً کوئی فاسق ہم سے یوں کہے: ''فلاں شخص'' نے آپ کو یہ چیز ہدیہ کی ہے، تو ہمارے لئے اس کی خبر قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ ہمارا اس ہدیہ کو قبول کرنا اور اس پر قبضہ کرنا جائز ہوگا، (**منها أمور المعاملات، فيقبل فيها خبر الفاسق وذلك نحو الهدية إذا قال لك: إن فلانا أهدىٰ إليك هذا ، فيجوز قبوله و قبضه**'' (موسوعہ فقہیہ کویتیہ: ۳۲/ ۱۴۴)۔

ایسے ہی اگر فاسق یہ کہے کہ فلاں نے مجھے فلاں چیز کا وکیل بنا رکھا ہے تو اس معاملہ میں بھی اس کی بات مانی جائیگی اور اس سے وہ سامان خریدا جا سکے گا، یہی حال تمام معاملات میں فاسق کے خبر دینے کو قبول کرنے کا ہوگا،: ''**نحو قوله: وكلني فلان ببيع كذا ، فيجوز قبوله وشراؤه منه ، كذلك جميع أخبار المعاملات**'' (موسوعہ کویتیہ، مادہ: فسق، ۳۲/ ۱۴۴)۔

ولایت نکاح میں فاسق کی حیثیت:

اس مسئلہ میں فقہاء کرام کی دو آرا ہیں:

پہلی رائے: حنفیہ و مالکیہ کی ہے: فاسق شخص اپنے زیر ولایت بچی کے نکاح کرنے میں ولی بننے کا حقدار ہوگا، کیونکہ وہ اپنی زیر ولایت بچی کے مال کا ولی بن سکتا ہے تو اس کے نکاح کرنے کے معاملہ میں بھی ایک عادل شخص کی مانند یہ بھی ولی بن سکتا ہے، وہ بھلے خود فاسق ہو، لیکن اس کی غیرت یہاں کام کرے گی اور اپنی زیر ولایت بچی کی مکمل حمایت کرے گا، اس سلسلے میں وہ اپنا مال بھی خرچ کر سکے گا اور بچی کی عزت واحترام کی رکھوالی بھی کرے گا، تو جب وہ مال کی رکھوالی کر سکتا ہے تو نکاح کی ولایت بدرجہ اولیٰ کر سکتا ہے: ''**ذهب الحنفية و المالكية إلى أن الفاسق يكون وليا فى النكاح على موليته لأنه يلى مالها فيلى بضعها كالعدل فهو وإن كان فاسقا في دينه إلا أن غيرته متوفرة و بها يحمى الحريم وقد يبذل المال و يصون الحرمة وإذا ولي المال فالنكاح أولىٰ**'' (موسوعہ مادہ:فسق، ۳۲/ ۱۳۲)۔

ہاں مالکیہ نے ولی فاسق کے لئے اپنی زیر ولایت بچی کے عقد نکاح کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے، جبکہ اس بچی کا کوئی دوسرا عادل ولی اسی رتبہ اور درجہ کا موجود ہو تو اس عادل ولی کی ولایت کو ولی فاسق کی ولایت پر تفوق حاصل ہوگا: ''**إلا أن المالكية كرهوا للولي الفاسق أن يلي زواج من يلي عليها و قدموا عليه الولي العدل المساوي له فى الرتبة**'' (موسوعہ أیضا ۳۲/ ۱۴۴)۔

دوسری رائے: جو شافعیہ وحنابلہ کی ہے: ان حضرات کا مذہب معتمد یہ ہے کہ فاسق ولی کی ولایت کی بنیاد پر مولیہ کا نکاح منعقد نہیں ہو سکتا، خواہ وہ اس ولایت کے اختیار کرنے نہ کرنے پر مجبور ہو یا نہ ہو، خواہ وہ فاسق معلن ہو یا نہ ہو، کسی بھی صورت میں فاسق ولی شادی نہیں کرا سکتا، اگر چہ اس کی ولایت اس سے سلب کر لی جائے تو یہ ولایت حاکم فاسق کی طرف کیوں نہ منتقل ہو جائے، ولی خاص کے اندر عدالت کا ہونا علی الاطلاق مشروط ہے؛ جبکہ حاکم کے ولی بننے میں عدالت کی شرط نہیں ہوا کرتی؛ کیونکہ حاکم وقت بوقت ضرورت تزویج کا کام انجام دیتا ہے اور جو چیز بوقت ضرورت بروئے کار لائی جاتی ہے، اس میں توسع زیادہ ہوا کرتا ہے: ''**والضرورات يغتفر فيها مالا يغتفر في غيرها**'' (موسوعہ أیضا، ۳۲/ ۱۴۴)۔

فاسق کے ساتھ مودت ومحبت کا معاملہ کیا جانا: تمام فقہاء کرام متفق الآرا ہیں کہ فاسق آدمی کے ساتھ، اس کے فسق کی وجہ سے، نہ تو اس سے محبت آمیز معاملہ اختیار کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کی مجلس میں بیٹھنا اور شریک ہونا ہی جائز ہے، درانحالیکہ وہ معاصی کا ارتکاب کر رہا ہو؛ کیونکہ اس میں اس کے ساتھ یک گونہ موانست اور موافقت کا جذبہ کارفرما دکھائی دے

رہا ہے، جبکہ ارشاد باری عزاسمہ ہے: ''**ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار**'' (سورہ ہود/ ۱۱۳)۔(اور تم لوگ ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمہیں بھی آگ چھوئے)، دوسری طرف نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**لا تصاحب إلا مؤمنا ولايأكل طعامك الا تقي**'' (ترمذی وابوداؤد بروایت حضرت ابوسعید الخدریؓ)۔

ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی موجود ہے: ''**الرجل على دين خليله فلينظر أحدكم من يخالل**'' (ترمذی شریف بروایت ابوہریرہؓ)۔

مزید برآں فاسق اور بدعتی شخص کو تعظیمی القاب وآداب سے مخاطب کیا جانا بھی منہی عنہ ہے؛ کیونکہ ایسا کرنے سے اس کی تعظیم کا پہلو سامنے آتا ہے؛ جبکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی اہانت کررکھی ہے، اس لئے ایسا کرنا درست نہیں ہوسکتا۔

مالکیہ وشوافع نے فاسق کے ساتھ بوجہ موانست ہم نشینی اختیار کرنے کو صغیرہ گناہوں میں سے شمار کررکھا ہے جو حسنات سے خود بخود مٹ جایا کرتی ہیں۔

''**وقد نص المالكية و الشافعية على أن الجلوس مع الفاسق اِيناسا له يعد من صغائر الذنوب التي تغتفر بالحسنات**'' (موسوعہ أیضا ۳۲/ ۱۴۵)۔

فاسق کی غیبت کا حکم: اصلاً غیبت تو حرام ہے؛ کیونکہ فرمان باری ہے: ''**ولايغتب بعضكم بعضا**'' (حجرات/ ۱۲)، لیکن جو شخص فاسق معلن ہو اور کھلم کھلا فسق کا کام کرتا ہو تو اس کی غیبت جائز ہے، اور اس کے سوا ناجائز (موسوعہ ۳۲/ ۱۴۵)۔

جواب (۳): واضح ہو کہ رویت ہلال کی شہادت کے معتبر ہونے کے لئے کچھ بنیادی شرائط ہیں، جن کا ملحوظ رکھا جانا شرعاً ضروری ہے، جو درج ذیل ہیں:

مسلمان، عاقل، بالغ، بینا اور عادل ہو، وہ قاضی یا رویت ہلال کمیٹی کے سامنے لفظ ''شہادت'' کے ساتھ چاند دیکھنے کی گواہی دے۔

گواہ کے عادل نہ ہونے کی صورت میں قاضی یا رویت ہلال کمیٹی پر گواہی کا اعتبار کرنا واجب نہیں ہوتا، یعنی قاضی یا رویت ہلال کمیٹی اگر فاسق شخص کو اس معاملہ میں سچا سمجھے تو گواہی قبول کرے، ورنہ گواہی ترک کردے: ''**والفاسق إذا راٰه وحده يشهد ،لأن القاضي ربما يقبل شهادته**'' (فتاویٰ عالمگیری، نیز دیکھئے: فتاویٰ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن، (فتویٰ نمبر: ۱۴۴۳۰۸۱۰۲۲۵۲)۔

جواب (۴): ہمارے کسی بھی تنظیم یا مذہبی اداروں کے ذمہ داران وسربراہان، اگر مسلمان کلمہ گو ہوں، خواہ وہ وجوہ فسق سے خالی نہ ہوں، ان کی اطاعت، ماتحتوں پر جبکہ معصیت کا حکم نہ کریں، واجب ہوا کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم'' (نساء/۵۹)،آیت کریمہ میں اولی الأمر سے مراد جہاں اسلامی ملک کے سربراہان، پھران کے ماتحت عہدہ داران ہیں، ایسے ہی کسی ادارے یا تنظیم کے ذمہ داران بھی اس کے عموم میں داخل ہیں اوران سب کی اطاعت مشروط ہے اس امر کے ساتھ کہ یہ لوگ معصیت کا حکم نہ دیتے ہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عليك السمع و الطاعة في عسرك ويسرك و منشطك ومكرهك وأثرة عليك'' (صحیح مسلم،رقم الحدیث:۱۸۳۶)(تم اپنے اوپر اولو الامر کی سمع وطاعت لازم سمجھو،خواہ تم بحالت ضیق ہو یا بحالت یسر اور سہولت ہو،خواہ ان کی بات اچھی لگے یا بری،اورخواہ تمہارے اوپر کسی اور کو ترجیح دی جارہی ہو، جب بھی (سمع وطاعت لازم ہے)

امام طحاویؒ نے اس مسئلہ کو عقیدہ طحاویہ میں یوں بیان فرمایا ہے:''ولاننزع يدا من طاعتهم و نرىٰ طاعتهم من طاعة الله عز وجل فريضة ما لم يأمروا بمعصية'' (شرح العقيدة الطحاوية لأبي العز الحنفي)(اور ہم اولوالأمر کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نہیں کھینچ سکتے اور ہم ان کی اطاعت کرنے کو اللہ کی اطاعت سمجھتے ہیں جو کہ ہم پر بطور فریضہ عائد ہوتی ہے،لیکن اولی الأمر کی اطاعت اسی وقت تک کریں گے جب تک کہ وہ کسی معصیت کے کام کا حکم نہ کریں)۔

معلوم ہوا کہ اولوالامر کی اطاعت، ماتحتوں پر علی الاطلاق واجب نہیں ہے، بلکہ مشروط بشروط ہے:

(۱)''أن يقود الأمة بكتاب الله (قال النبي ﷺ عن أم الحصين: إن أمر عليكم عبد مجدع يقودكم بكتاب الله تعالىٰ فاسمعوا له و أطيعوا'' (صحیح مسلم برقم:۱۲۹۸)۔

(۲)''أن لا يأمر بمعصية (عن عبد الله بن عمرؓ عن النبي ﷺ: السمع والطاعة على المرأ المسلم فيما أحب و كره ما لم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة'' (صحیح البخاری برقم:۷۱۴۴)۔

(۳)''أن يأمر بما يقتضيه العلم (قال القرطبيؒ: الأمراء شرطهم أن يكونوا آمرين بما يقتضيه العلم وكذلك كان أمراء رسول الله ﷺ'' (المفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم ۴/۳۵)۔

(۴)''أن يأمر بما تعلق بالمصالح العامة ،قال الإمام الطبري : لا طاعة تجب لأحد فيما أمر و نهىٰ فيما لم تقم حجة وجوبه إلا للأئمة الذين ألزم الله عباده طاعتهم فيما أمروا به رعيتهم مما هو مصلحة لعامة الرعية'' (جامع البیان للطبری ۷/۱۸۴)۔

(۵)''أن يأمر بما يستطاع (فاتقوا الله ما استطعتم (التغابن/۱۶) وحديث أبي هريرةؓ قال قال

النبي ﷺ: **ما نهيتكم عنه فاجتنبوه و ما أمرتكم به فافعلوا منه ما استطعتم**" (صحیح البخاري برقم:۷۲۸۸ واللفظ لہ وصحیح مسلم برقم:۱۸۶۷)۔

جواب(۵): فسق کی لغوی اور اصطلاحی تعریف، سوال (۱) کے جواب میں بالتفصیل لکھی جا چکی ہے، چنانچہ فسق کی تعریف بعض فقہاء نے یوں فرمائی: **ارتكاب المكلف المختار العالم بالتحريم ماثبت أنه كبيرة ولم يتب منها أو ارتكابه لصغائر بحيث تغلب هذه الصغائر على طاعته و يزاد عليه في الفسق الاعتقادي: مع السلامة من بدع الاعتقاد**''، یہ آخری تعریف زیادہ جامع مانع ہے، جس میں کہا کہ ایسے مکلّف بااختیار شخص کا جو کبیرہ گناہوں کی حرمت کا جانکار ہوتے ہوئے، اس کا ارتکاب کرے اور توبہ نہ کرے تو وہ فاسق ہے، ایسے ہی وہ شخص جو صغیرہ گناہوں کا ارتکاب اتنا کرے کہ اس کے صغائر اس کی طاعات پر غالب آجائیں تو وہ بھی فاسق کا مصداق ہے، اگر وہ شخص فسق اعتقادی سے خالی ہے تو عام ''فاسق'' کہلائے گا، ورنہ اعتقاد کا فسق لئے ہوئے ہوگا تو وہ ''فاسق اعتقادی'' کہلائے گا، فقہاء کے یہاں ''فاسق اعتقادی'' کو ''اصحاب البدع'' بھی کہا جاتا ہے، اور بدعت سے مراد ''اعتقادی بدعات'' ہوا کرتی ہیں، جیسے خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجئہ اور قدریہ وغیرہ فرق ضالہ، یہ سب فُساق عقیدہ یا بدعتی عقائد کے حامل لوگ ہیں: ''**وبالتتبع لأقوال الفقهاء ،نجد بأنهم اذا أطلقوا " فسق الاعتقاد"أو "أصحاب البدع" فإنهم يقصدون أصحاب بدع الاعتقاد من الخوارج و الشيعة ، والمعتزلة، المرجئة و القدرية**" (اسلام آن لائن// بدعۃ// فاسق// کبائر)۔

فقہاء کرام نے اس کے ساتھ عبادات کے قبیل کی بدعات کو اختیار کرنے والوں کو بھی ''فسق اعتقادی'' کا مصداق قرار دیا ہے، بشرطیکہ یہ عبادت کی قبیل کی یہ بدعات، ان کے اعمال پہ غالب ہوجائیں تو انہیں بھی ''فاسق اعتقادی'' تصور کیا جائے گا: "**وقد يلحق بهم أصحاب بدع العبادات بحيث تكثر و تغلب على أعمالهم**" (اسلام آن لائن/ بدعۃ/ فاسق/ کبائر)۔

فاسق اعتقادی کے احکام:

اہل سنت والجماعت کے علماء وفقہاء نے فاسق اعتقادی کو اگر وہ دینی ضروریات کا منکر نہیں ہے تو اسے مسلمان قرار دیا ہے، لیکن جب وہ ضروریات دین کا منکر ہوتا ہے تو اس پر کفر کا فتویٰ لگ جاتا ہے، اہل سنت والجماعت کے علماء وفقہاء، اہل قبلہ کی تکفیر کے قائل نہیں "**إلا أن يروا منهم كفرا بواحا**"، اس لئے وہ حضرات، فاسق اعتقادی کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کیا کرتے ہیں، ان کی موت کے بعد ان کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ پڑھنے کو ضروری سمجھتے ہیں: ''**يجب تجهيز الفاسق و الصلاة عليه إذا مات ،سواء كان فسقه باعتقاد أو بارتكاب الكبيرة**'' (الأحكام المترتبة على الفسق في الفقه الاسلامي، ۳/ ۴۴۰)۔

ایسے ہی کوئی شخص شرکیہ عقائد رکھتا ہے، مثلاً نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی مانند حاضر وناظر، عالم الغیب اور مختار کل سمجھتا ہے تو ایسے عقائد رکھنے والے شخص کی امامت میں نماز پڑھنا جائز نہیں، اگر ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لی ہو تو واجب الاعادہ ہوگی، لیکن جو شخص عملی بدعات میں مبتلا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہوگا، بدائع الصنائع میں ہے: ''**وذكر في المنتقىٰ رواية عن أبي حنيفةؒ أنه كان لا يرىٰ الصلاة خلف المبتدع و الصحيح أنه إن كان عن هوى يكفره لاتجوز وإن كان لايكفره تجوز مع الكراهة**'' (بدائع، کتاب الصلاۃ.....۱/۱۵۷، ط، رشیدیہ)، شامی میں ہے: '' **(ويكره) إمامة العبد.....(ومبتدع) أي صاحب بدعة وهي اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول** ﷺ ..... **لايكفر بها وإن كفر بها ، فلا يصح الاقتداء به أصلاً**'' (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ/ باب الامامۃ، ۱/۵۶۰-۵۶۱)۔

اور اگر کوئی شخص عملاً بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی اور وہ جماعت کا ثواب پالے گا: ''**و في النهر عن المحيط : صلىٰ خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة**'' (کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ ۱/۵۵۹، ۵۶۰) ط، سعید) (مستفاد از: فتاویٰ جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن)۔

شیعہ بھی ایک گمراہ فرقہ ہے، ان میں متعدد گروہ ہیں، کچھ کے عقائد بالکلیہ کفریہ ہیں جن کو غلاۃ الشیعۃ کہا جاتا ہے، مثلاً جو تحریف قرآن کے قائل ہیں، حضرت علیؓ کو معبود یا نبی مانتے ہیں، امامت کو نبوت سے افضل قرار دیتے ہیں، اپنے ائمہ کے لئے علم غیب کلی ثابت کرتے ہیں، حضرات شیخین - ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما - کی صحبت یا ان کی خلافت کے منکر ہیں تو یہ سب دائرہ اسلام سے خارج ہیں اور اگر کسی شیعہ کا عقیدہ کفر تک نہ پہنچتا ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج تو نہ ہوگا، البتہ گمراہ اور اہل سنت والجماعت سے خارج ضرور ہوگا، شامی میں ہے: ''**لا شك في تكفير من قذف السيدة عائشة رضي الله عنها أو أنكر صحبة الصديق أو اعتقد الألوهية في علي أو أن جبرئيل غلط في الوحي أو نحو ذلك من الكفر الصريح المخالف للقرآن**'' (ردالمحتار، باب المرتد، مطلب مہم في حکم من سب الشیخین ۴/۲۳۷) (ط، سعید)۔

معتزلہ کے مذہب کی بنیاد عقل پر ہے، وہ خود کو اصحاب العدل والتوحید کہتے ہیں اور نقل پر عقل کو ترجیح دیتے ہیں؛ عقل کے خلاف قطعیات میں تاویلات کرتے ہیں اور ظنیات کا انکار کرتے ہیں۔

معتزلہ کے بارے میں اکابر میں سے کسی نے بھی تکفیر کا قول نقل نہیں کیا ہے، لہٰذا ان کا مخلد في النار ہونا ثابت نہیں؛ کیونکہ مخلد في النار وہی ہوں گے جو دنیا سے بحالت کفر گیا ہو، البتہ معتزلہ میں جو عالَم کے قدیم ہونے یا اس کے علاوہ کوئی ایسا عقیدہ رکھتا ہو، جس سے کفر لازم آتا ہو تو پھر وہ کافر ہو کر مخلد في النار ہوگا (مستفاد از: فتاویٰ جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن)۔

جواب (۶): فاسق شخص زبان سے توبہ کرلے، لیکن وہ اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے، تو دینوی احکام کے

اعتبار سے اسکی توبہ کے مقبول وعدم مقبول ہونے میں فقہاء کرام میں اختلاف آرا پایا جاتا ہے، چنانچہ:

(الف) شوافع کے یہاں توبہ کی صحت کے لئے اس کے اپنے برے عمل کی اصلاح ضروری ہے، مثلاً زانی نے زنا کا ارتکاب کیا یا چور نے چوری کا عمل کیا تو اب دونوں کا اپنے ان فعال سے توبہ کرنا اسی وقت معتبر ہوگا؛ جبکہ یہ اپنے اِن بُرے اعمال کو چھوڑ کر اپنے نفس کی اصلاح کرلیں اور زنا اور چوری سے قطعاً دور ہو جائیں، شوافع نے اس اصلاحِ عمل کے لئے وقت کی تحدید کی ہے، کچھ لوگوں نے چھ ماہ سے کی ہے، کچھ لوگوں نے ایک سال سے کی ہے اور کچھ حضرات نے بدونِ تعیینِ وقت کے اجمالاً یوں کہا کہ اتنا وقت گذر جائے کہ انکی اصلاح نفس کی علامت کا ظہور ہو جائے تو ان کی توبہ قبول سمجھی جائے گی۔

موسوعہ فقہیہ کی اس عبارت سے یہی مترشح ہوتا ہے: ''**وأما التوبة في الظاهر – وهي التي تعود بها العدالة و الولاية و قبول الشهادة ، فإن كانت المعصية فعلا كالزنى،والسرقة ، لم يحكم بصحة التوبة عند الشافعية حتى يصلح عمله و قدروها بسنة أو بستة أشهر أو حتى ظهور علامات الصلاح على اختلاف أقوالهم**'' (موسوعہ ۱۴/ ۱۲۴)۔

(ب) جمہور فقہاء: توبہ کر لینے کے بعد اصلاح عمل کی شرط نہیں لگاتے، دینوی احکام یعنی عدالت وولایت کی واپسی اور شہادت کے مقبول ہونے کے سلسلے میں، ہاں اگر معصیت از قبیل قذفِ محصنہ ہو یا شہادت زور (جھوٹی گواہی) ہو تو اتنی شرط ہے کہ یہ شخص اپنے نفس کو جھٹلا دے تو اسکی توبہ معتبر ہوگی ورنہ نہیں: ''**خلافا لجمهور الفقهاء فإنهم لم يشترطوا إصلاح العمل بعد التوبة وإن كانت المعصية قذفا أو شهادة زور فلابد من إكذاب نفسه**'' (موسوعہ ۱۴/ ۱۲۹)۔

فقہاء کرام کا اِن عُصاۃ کے توبہ کے قبول وعدم قبول میں اختلاف کا تعلق صرف دینوی احکام میں ہے، ورنہ بباطن عنداللہ اِن کی توبہ کے قبول ہونے میں کوئی اختلاف نہیں: ''**فالخلاف في قبول توبة هذه الطوائف، إنما هو في الظاهر من أحكام الدنيا من ترك قتلهم و ثبوت أحكام الإسلام في حقهم و أما قبول الله تعالىٰ لها في الباطن و غفرانه لمن تاب و أقلع ظاهرا أو باطنا فلاخلاف فيه**'' (موسوعہ ۱۴/ ۱۲۹)۔

جواب (۷): داڑھی کے مسئلے میں جمہور فقہاء کا مسلک اعفاء کا ہے، یعنی داڑھی کا چھوٹا کرنا یا حلق کرنا ناجائز اور حرام ہے، ہاں قُبضہ سے زائد داڑھی کے بال کا چھوٹا کرنا جائز ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کو بڑھانے کا حکم دیا ہے: ''**أرخوا اللحىٰ، أوفوا اللحىٰ، أعفوا اللحىٰ**'' جیسے کلمات متعدد روایات میں وارد ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہا نے اس امر سے وجوب ہی سمجھا، خود بھی اسی حکم پر شدت سے عمل کیا اور آنے والی امت کو یہی امانت حوالہ کر کے گئے، صحابہ کرام یا قرون اولیٰ کے اہل علم کسی آیت یا حدیث کی مراد پر متفق

ہوجائیں تو یہ اجماع خود حجت شرعیہ ہے۔

داڑھی منڈانے میں درجہ ذیل گناہ کا ارتکاب ہوتا ہے:

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت، (۲) انبیاء کرام کی سنت اور فطرت کی مخالفت، (۳) اس گناہ کا اعلانیہ ہونا کہ داڑھی منڈانے کے بعد کسی سے یہ گناہ چھپایا نہیں جاسکتا، (۴) اللہ کی تخلیق میں تبدیلی، (۵) کفار کی مشابہت، (۶) خواتین کے ساتھ مشابہت، (۷) مخنث اور ہجڑوں کے ساتھ مشابہت، (۸) گناہ کا تسلسل اور استمرار، (۹) دینی و اسلامی شعار کی مخالفت (مستفاد از فتاویٰ جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن)۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ علامہ حصکفیؒ کا قول ہے: ''**لم يبحه أحد**'' داڑھی منڈانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے، علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''**وأما تقصير اللحية بحيث تصير قصيرة من القبضة، فغير جائز في المذاهب الأربعة**'' (العرف الشذي/كتاب الآداب/ باب ماجاء في تقليم الأظفار ۴/ ۱۶۲، دار الكتب العلمية)۔

عصر حاضر کے بعض عرب علماء بالخصوص مصری علماء اسے سنن عادیہ میں شمار کرکے تقصیر لحیہ اور حلق لحیہ کے جواز کے بھی قائل ہیں، صحابہ کرام اور **قرون مشهود لها بالخير** اور فقہاء کرام کی مخالفت کرکے اپنی فہم اور سوچ کو صحابہ کرام اور ائمہ عظام کے فہم وتدبر پر فوقیت دے رہے ہیں، لیکن غور کیا جائے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان معاصر علماء کے اندر علم بھلے موجود ہو، لیکن عملی اعتبار سے یہ بہت پیچھے ہیں اور اہل مغرب سے کافی مرعوب اور متاثر ہیں، اسی لئے شریعت کے اس قسم کے احکام میں تاویلات باردہ کرکے اپنے ذہن کے مطابق مسائل کو ڈھالنے کی کوشش کیا کرتے ہیں، مسئلہ زیر بحث میں بھی سنن عادیہ کہہ کر اپنے لئے کلین شیو یا تقصیر لحیہ کی گنجائش نکالنا مقصود ہے۔

بناءً علیہ جمہور فقہاء کے مسلک کی روشنی میں کلین شیو کرنے والے بہر حال فساق کے زمرہ میں آنے سے کیسے بچ سکتے ہیں۔

هذا ما عندی والله أعلم بالصواب

☆☆☆

عصر حاضر میں فسق کی تعریف اور اس سے متعلق احکام

مفتی اقبال احمد قاسمی☆

جواب نمبر ا: فسق کسے کہتے ہیں، لغوی اور اصطلاحی تعریف

فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں، اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا، کفر وانکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی، اس لئے لفظ فاسق کافر کے لئے بھی بولا جاتا ہے، قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین کافروں ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور مومن گنہ گار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اس معنی کیلئے استعمال ہوا ہے، اور فاسق کافر کے بالمقابل اس کی قسیم قرار دیا گیا ہے، جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے، یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے، اس کی عادت بنالے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے (مظہری) اور جو شخص فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرات کے ساتھ کرتا پھرے اس کو فاجر کہا جاتا ہے (معارف القرآن، ۱/ ۱۶۸، سورہ بقرہ، پ ۲)۔

فسق کی مذکورہ بالا تعریف وتفسیر مفتی شفیع صاحب نے معارف القرآن میں ذکر کی ہے، اس کے علاوہ متعدد تعبیرات اور مختلف لغوی اور اصطلاحی تعریفات فسق وفاسق کے معنی کی وضاحت میں اہل علم نے ذکر کی ہیں۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ آدمی جو اطاعت خداوندی کو چھوڑ کر گناہ میں مبتلا ہو جائے اس کو فاسق کہتے ہیں، خصوصاً جو شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ فاسق ہے اور جو شخص چھوٹے گناہوں پر اصرار کرے اور مستقل کرتا رہے تو ایسے آدمی کو بھی فاسق کہا جائے گا۔

علامہ ابن حجرؒ لکھتے ہیں: ''**الفسق فی اللغة الخروج وفی الشرع الخروج عن طاعة الله ورسوله وهو فی عرف الشرع اشد من العصیان**'' (البحر المحیط ۲/ ۴۳۵، فتح الباری ۱/ ۱۱۲، بیروت)۔

☆ مدرسہ مظہر العلوم بیکن گنج کانپور، یوپی

مولانا محمد عمیم الاحسان البرکتی نے التعریفات الفقہیۃ میں یہ تعریف ذکر کی ہے:

"**والفاسق عند الفقهاء هو العبد الذى يرتكب الكبائر ويصر على الصغائر**" (ص:۱۶۱، بیروت)۔

فسق کی تعریف وتعیین میں اختلاف یا عدم تعیین کی وجہ؟

فسق کا اطلاق قرآن وحدیث میں متعدد معانی میں کیا گیا ہے، کبھی فسق بمعنی کفر استعمال ہوا ہے، مثلاً ارشاد ہے: "**وانهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون**" (سورۃ توبہ ۸۴)، "**ومن كفر بعد ذلك فأولئك هم الفاسقون**" (سورۃ نور:۵۵)۔

کبھی فسق بمعنی کبیرہ گناہ بولا گیا ہے، مثلاً ارشاد ہے: "**و لا يضار كاتب ولا شهيد و إن تفعلوا فإنه فسوق بكم**" (سورۃ بقرہ:۲۸۲)۔

کبھی فسق عام گنہگار کے معنی میں بھی آیا ہے، مثلاً ارشاد ہے: "**يايها الذين آمنوا إن جائكم فاسق بنباء فتبينوا**" (سورۃ حجرات:۶)۔

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فسق کا لفظ منطقی اصطلاح کے اعتبار سے ایک جنس ہے؟ جس کی متعدد انواع ہیں اور فسق کا اطلاق متعدد انواع میں ہونے کی وجہ سے اس کی تعریف بھی متعدد ہوجاتی ہے۔

الموسوعۃ العقدیہ میں فسق کی تعریف کے تحت لکھا ہے:

"**والفسق أعم من الكفر فيشمل الكفر ومادونه من المعاصى كبيرها وصغيرها وإذا أطلق يراد به أحياناً الكفر المخرج من الإسلام وأحياناً يراد به الذنوب والمعاصى أى دون الكفر بحسب درجة المعصية، وحال العاصى نفسه**" (الموسوعۃ العقدیۃ الباب الخامس المطلب الذی تعریف الفسق)۔

فسق کی تعریف اور فاسق کا مفہوم فقہاء کے نزدیک متعین ہے

فسق کے سلسلہ میں قرآنی اطلاق اور فقہی اصطلاح کا فرق بھی فسق کی کسی متعین تعریف کے لئے مانع بنتا ہے لیکن فاسق کا مفہوم جو عادل کی ضد اور اس کے مقابل بولا جاتا ہے جس پر احکام مرتب ہوتے ہیں، وہ فقہاء کے یہاں کچھ تعبیرات کے فرق کے ساتھ تقریباً متعین ہے اور الفاسق عند العلماء کہہ کر اس کو ذکر کیا جاتا ہے، اس لئے اس کے معنی ومفہوم میں کوئی خاص خفاء نہیں معلوم ہوتا ہے، فقہاء کی ذکر کردہ اوپر کی تعریفات سے فاسق کا مفہوم تقریباً متعین ہے، البتہ فاسق کے احکام مرتب کرتے وقت یا فاسق پر فسق کا حکم لگاتے وقت کہاں تخفیف برتی جائے اور کہاں شدت اور دقت نظر سے کام لیا جائے،

یہ ضرور احوال زمانہ اور عرف پر مبنی معاملہ ہے، یہ اولوالامر یا صاحب افتا وقضاء کی نظر وفکر کا محتاج ہے کہ کس فاسق کو عدالت سے خارج مانا جائے اور کس فاسق کو فاسق کہنے سے گریز کیا جائے، یہ طے کرنا واقعی ہر زمانہ کے اہل علم پر اس زمانہ کے احوال و کوائف کے پیش نظر ایک مشکل امر ہے، اسی ''فسق دون فسق'' کی بنیاد پر عادل وفاسق کی لگی بندھی تعریف یا اس کا ایک معیار بیان کرنے میں اختلاف ہوجاتا ہے، اب مثلاً موجودہ زمانہ کا تقاضا کیا ہے، تو اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے:

عدل وفسق کا معیار موجودہ زمانہ میں

خیر القرون اور اس کے قریب زمانہ میں دیانت وتقوی، صدق وامانت کا معیار بہت بلند تھا، اس لئے فن جرح وتعدیل میں محدثین کے یہاں کسی راوی کے معمولی خلاف شرع حرکتوں کی بنا پر بھی اس کی روایت پر ضعف کا حکم لگا دیا جاتا ہے اور یہی حدیث پاک کی جلالت شان کے مناسب ہے، لیکن یہ معیار بعد میں، نیز دوسرے معاملات میں باقی نہیں رہا؛ بلکہ فاسق یعنی غیر عادل صرف وہ کہلاتا ہے جو کبائر میں مبتلا ہو یا جس کی سیئات حسنات پر غالب ہوں، یعنی گناہوں کا عادی ہو، ہکذا عہد نبوت سے زمانہ جس قدر دور ہوتا گیا دینی انحطاط بڑھتا گیا، بلکہ ترمذی شریف کی ایک روایت کے مطابق قرب قیامت میں دین کے دس فیصد حصے پر عمل کرنے والا گویا پورے دین پر عمل کرنے والے کی طرح نجات پانے والا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إنكم في زمان من ترك منكم عشر ما أمر به هلك، ثم يأتي زمان من عمل منهم بعشر ما أمره به نجا**'' (ترمذی ۴/ ۱۱۴، رقم: ۲۲۶۷)۔

اس روایت سے واضح اشارہ ہوتا ہے کہ بے دینی کے زمانہ میں عادل ہونے کا وہ معیار نہیں دیکھا جاسکتا ہے جو پہلے محفوظ تھا، بلکہ یہ اس زمانہ کے قضاۃ وحکام اور ارباب حل وعقد طے کریں گے کہ مجموعی اعتبار سے عادل کہلانے کا مستحق کس کو قرار دیا جائے؟

فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ لکھتے ہیں:

> ''دراصل فسق کا مصداق متعین کرنے میں احوال زمانہ کو بڑا دخل ہے، مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے جھوٹ بولنے سے اطمینان نہ ہو، اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اور جس آدمی کے بارے میں توقع ہو کہ وہ زیر تحقیق معاملہ میں جھوٹ نہ بولے گا، گواہی وقضاء وغیرہ کے معاملہ میں اسے عادل سمجھا جائے گا، علامہ کاسانیؒ ہی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک آدھ بار دروغ گوئی میں مبتلا ہو اور پھر توبہ کر لی تو شہادت قبول کی جائے گی، کیونکہ اگر ایسوں کی گواہی قبول نہ کی جائے تو گواہی کا دروازہ ہی بند ہوجائے گا''
> (قاموس الفقہ ۴/ ۳۵۳)۔

جواب نمبر (۲):

فقہاء کرام نے دیانات اور معاملات میں فاسق کے احکام میں فرق کیا ہے، معاملات یعنی مابین الناس عقود وحقوق کے باب میں (جس میں کسی پر الزام یا ضرر نہ لازم آتا ہو) فاسق کا قول معتبر مانا گیا ہے، کیونکہ اگر ان چیزوں میں بھی ان کا اعتبار نہ کیا جائے تو زندگی کے بہت سے معاملات معطل ہو کر رہ جائیں گے، اس لئے معاملات میں فاسق کے اقوال کا اعتبار کیا گیا ہے، البتہ دیانات میں یعنی اللہ اور اس کے بندے کے مابین حکم شرع کی بنیاد پر قائم ہونے والے حقوق میں، جیسے طہارت ونجاست، امامت وامارت، قضاء وشہادت، حلت وحرمت وغیرہ سے متعلق احکام میں فاسق کی بات کو ناقابل اعتبار قرار دیا گیا ہے۔

"**ویقبل فی المعاملات قول الفاسق ولا یقبل فی الدیانات إلا قول العدل**" (الہدایۃ ۴/ ۴۵۳، کراہیۃ)۔

"**وفی المعاملات التی تنفک عن معنی الإلزام کالوکات والمضاربات والإذن فی التجارۃ یعتبر خبر کل ممیز لعموم الضرورۃ الداعیۃ إلی سقوط الشرائط فإن الإنسان قلما یجد المستجمع لتلک الشرائط یبعثه إلی وکیله أو غلامه ولا دلیل مع السامع یعمل به سوی هذا الخبر ولأن اعتبار هذه الشرائط لیترجح جهۃ الصدق فی الخبر فیصلح أن یکون ملزما وذلک فیما یتعلق به اللزوم فشرطناها فی أمور الدین دون ما لایتعلق به اللزوم من المعاملات وإنما اعتبر خبر الفاسق فی حل الطعام وحرمته وطهارۃ الماء ونجاسته إذا تاید بأکبر الرای الخ**" (الحسامی/ ۶۸، باب السنۃ)۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ جن امور میں فاسق کو غیر معتبر قرار دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بالکل نااہل ہو جاتے ہیں کہ وہ مہجور اور غیر مکلّف کے درجہ میں ہو جائیں، بلکہ ایسے فاسق لوگوں کو قضاء سونپنے یا ان کی شہادت وخبر پر اعتبار کرنے، نیز امامت وغیرہ کے لئے ان کو آگے بڑھانے سے احتراز کرنے کا حکم ہے، فاسقوں کو آگے بڑھانا گناہ ہے، لیکن اگر سلطان یا اس کا قائم مقام کسی فاسق کو قاضی مقرر کر دے تو وہ قاضی بن جائے گا اور اس کے فیصلے بھی شرعاً نافذ ہونگے، اسی طرح فاسق کی شہادت پر قاضی فیصلہ کر دے تو وہ فیصلہ بھی معتبر مانا جائے گا، ہکذا فاسق کی امامت میں پڑھی گئی نماز صحیح ہو جائے گی اور فاسق کی خبر پر تحری کے بعد عمل کرنا درست ہوتا ہے، درمختار میں ہے:

"**والفاسق أهلها (ای الشهادۃ) فیکون أهله لکنه لا یقلد وجوباً ویأثم مقلده کقابل شهادته، قال الشامی و هو الأصح کما فی الخلاصۃ وهو أصح الأقاویل کما فی العمادیۃ**" (۸/ ۲۵، زکریا)۔

مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سورۂ حجرات کی آیت نمبر ۲ بنـاء فاسق کے تحت احکام القرآن للجصاص

کے حوالہ سے لکھا ہے:

''امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے؛ کیونکہ اس آیت میں ایک قرأت تو ''فتثبتوا'' کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو، بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے، اور جب فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز نہ ہوا تو شہادت کو قبول کرنا بدرجۂ اولی ناجائز ہوگا، کیونکہ ہر شہادت ایک خبر ہوتی ہے جو حلف وقسم کے ساتھ مؤکد کی جاتی ہے، اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں، البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے، وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ آیت قرآن میں اس حکم کی ایک خاص علت منصوص ہے، یعنی ''أن تصیبوا قوما بجهالة'' تو جن معاملات میں یہ علت موجود نہیں وہ آیت کے حکم میں داخل نہیں یا مستثنیٰ ہیں، مثلاً یہ کہ کوئی فاسق، بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے، اس کی مزید تفصیل کتب فقہ معین الحکام وغیرہ میں ہے اور احقر نے احکام القرآن عربی حزب سادس میں اس کی تفصیل لکھ دی ہے، اہل علم اس میں دیکھ سکتے ہیں'' (معارف القرآن سورہ حجرات/۴۹، آیت ۶)۔

عصر حاضر میں فاسق کے احکام:

اب رہا یہ مسئلہ کہ موجودہ دور میں جبکہ فسق وفجور کا غلبہ ہے، طرح طرح سے لوگ فسق ومعصیت میں مبتلا ہیں، نہ صالح و متقی امام میسر آتے ہیں، نہ ہی رویت ہلال کی شہادت کے لئے باشرع افراد ملتے ہیں، نیک دل حکمرانوں کا بھی فقدان ہے، جیسی رعایا ویسے ہی امیر وقاضی، تو کیا ایسی صورت میں فاسق کے احکام میں تخفیف برتی جاسکتی ہے؟ احقر کا خیال ہے کہ فاسق معلن اور غیر معلن کا فرق کرتے ہوئے فاسق معلن پر تو دیانات میں قطعاً اعتبار نہ کرنا چاہئے، جبکہ فاسق معلن کے علاوہ میں بدرجۂ مجبوری صالح افراد میسر نہ آنے پر فاسق غیر معلن کو برداشت کرنا چاہئے، علامہ ابن فرحون مالکی کی یہ تحریر بڑی چشم کشا ہے:

''نص ابن أبي زيد في (النوادر) على أنا إذا لم نجد في جهة إلا غير العدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجوراً للشهادة عليهم، ويلزم مثل ذلك في القضاة وغيرهم لئلا تضيع المصالح، قال: وما

أظن أحداً يخالفه فی هذا، فإن التكليف شرط فی الإمكان، وهذا كله للضرورة، ولئلا تهدر الدماء وتضيع الحقوق وتتعطل الحدود"۔

(ابن ابی زید نے نوادر میں تصریح کی ہے کہ جب کسی جگہ ہمیں غیر عادل ہی افراد ملیں، تو ہم شہادت کے لئے ان میں سے ان افراد کو کھڑا کریں گے جو ان بگڑے ہوئے لوگوں میں زیادہ صالح اور کم بدکار ہو، اور ایسا ہی کرنا تقرر قضاۃ میں بھی ضروری ہوگا، تاکہ مصالح شرع ضائع نہ ہوجائیں، اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اس کا مخالف ہوگا، اس لئے کہ شرع کی طرف سے ہم بقدر امکان ہی مکلّف ہیں اور جب بگاڑ کے عام ہوجانے کی وجہ سے فاسق گواہوں کی شہادت معتبر ٹھہری تو زمانہ اور اہل زمانہ کے زیادہ بگڑ جانے کی وجہ سے قوانین سیاسی میں توسع جائز و درست ہوگا۔ (تبصرۃ الحکام فی اُصول الاقضیۃ ومناہج الاحکام لابن فرحون المالکی ۲/۲۶)۔

جواب نمبر (۳): شرعی داڑھی نہ رکھنے والوں کی شہادت وعدالت کا مسئلہ

داڑھی کٹانا یا ایک مشت سے کم ترشوانا اصح وارجح قول کے مطابق یقیناً فسق کا کام اور کبیرہ گناہ ہے، بلکہ اس کے ناجائز ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے (تفصیل سوالنامہ کے آخری جزء نمبر ے پر آرہی ہے) درمختار میں ہے:

"**وأما الأخذ منها وهی دون ذلک كما فعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم**" (۲/۴۱۸، باب مالایفسد الصوم)۔

لیکن یہ گناہ اس قدر عام ہے کہ اس کی شناعت وقباحت بھی لوگوں کے دلوں سے نکل چکی ہے اور کھلے عام اللہ کے نبی علیہ السلام کی صریح حدیثوں کی مخالفت ہورہی ہے، اور ابتلاء عام کے باعث یہ مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے کہ ایسے لوگوں کی شہادت وغیرہ پر کیا حکم لگایا جائے؟ تو ناقص خیال ہے کہ اس عام گناہ میں مبتلا شخص اگر دین کے دیگر ابواب میں گناہوں سے بچتا ہو اور حسنات بھی اس کی زیادہ ہوں، اس کے بالمقابل جو لوگ باشرع ہیں، یعنی **مقطوع اللحیۃ** نہیں ہیں، ان میں دیگر بے احتیاطیاں اور گناہ کے کام زیادہ ہوں اور حسنات بھی اس کے کم ہوں تو ظاہر ہے کہ داڑھی کٹانے کے باوجود وہی اندھوں میں کانا راجہ کہلانے کا مستحق ہوگا اور اس کو غنیمت سمجھ کر امامت، شہادت وغیرہ کے تقاضے پورے کئے جائیں گے اور "فسق دون فسق" کے تحت کم فسق والے کو ترجیح دی جائے گی۔

بہت سے گناہ اور فسق کی صورتیں جو بہت سے سفید پوش اور مہذب؛ بلکہ معتبر لوگوں میں عام ہیں، ایسے لوگوں کی عدالت کا اعتبار کرنے نہ کرنے کے سلسلہ میں مفتی محمد سلمان منصور پوری نے اپنے فتاوی میں بڑی معتدل بات تحریر فرمائی ہے، ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

سوال: شہادت کے لئے عادل اور ثقہ ہونے کی جو شرط لگائی جاتی ہے، اس عادل اور ثقہ ہونے سے کیا مراد ہے اور کیا موجودہ وقت میں کسی صورت میں فاسق کی شہادت معتبر ہوسکتی ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق: شہادت دینے والوں کا ثقہ یعنی دین دار اور موجبات فسق سے بچنے والا ہونا ضروری ہے، فاسق کی گواہی چاند کے بارے میں قبول نہیں ہے۔

ایسے لوگ جن کی ظاہری شکل وصورت اور وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہے، ان کو ظاہری حالات کی بنا پر فاسق کہا جاتا ہے، اُن کی شہادت کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایسے لوگ دو قسم پر ہیں۔

(۱) وہ لوگ جن کی ظاہری حالت، وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہے اور ان کے حالات اور احوال اور معاملات و گفتگو بھی شریعت کے مطابق نہیں ہیں، ان کو جھوٹ بولنے میں اور وعدہ خلافی کرنے میں کوئی دریغ نہیں ہوتا اور نہ ہی ان کو جھوٹ بولنے میں شرم آتی ہے، ایسے لوگوں کی شہادت دینی معاملات میں مردود ہے، ان کی شہادت قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) ایسا شخص جس کا ظاہری حلیہ اور وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہے، لیکن وہ سنجیدہ اور باوقار ہے، جھوٹ بولنے کو خود اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے اور اپنے اندر مردت اور غیرت رکھتا ہے تو ایسے شخص کی شہادت قبول کرنا جائز؛ بلکہ امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق ایسے شخص کی شہادت قبول کرنا بعض حالات میں واجب ہوجاتا ہے، اسی لئے رویت ہلال کے مسئلہ میں چاہے ہلال رمضان ہو یا ہلال شوال یا ذی الحجہ، ہر ایک کے بارے میں ایسے شخص کی شہادت قابل قبول ہوگی اور اس کے مطابق فیصلہ دینا بلا کراہت اور بلاشبہ جائز ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "وَاشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ، ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ" (الطلاق:۲)۔

"**عن عامر قال: تجوز شهادة الرجل المسلم مالم يصب حداً أو تعلم عليه حوبة فى دينه، عن محمد قال: قال شريح: وائت على ذلک بشهادة عدول، فإنا قد أمرنا بالعدول. وأنت فسل عنه: فإن قالوا؛ ما علمنا إلا عدلاً مسلما، فهو إن شاء الله كذلک، وتجوز شهادته**" (مصنف ابن ابی شیبہ ۴۴/۴۲۸، رقم:۲۱۷۳۹)۔

حضرت علیؓ سے چاند کے بارے میں روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: "**اذا شهد رجلان ذو اعدل على رؤية الهلال فافطروا**" (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۲۱، رقم:۹۴۶۹)۔

حضرت عکرمہؒ حضرت ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: "**جاء أعرابى إلى النبى صلى الله عليه وسلم فقال إنى رأيت الهلال قال الحسن فى حديثه؛ يعنى رمضان، فقال؛ أتشهد أن لا إله إلا**

الله؟ قال: نعم، قال أتشهد أن محمدا رسول الله قال نعم، قال؛ يا بلال أذن فی الناس فليصوموا غدا، وسكت عنه'' (سنن ابی داؤد ۱/ ۳۲۸، اعلاء السنن ۹/ ۱۲۵)۔

''**والحديث الثانی يدل علی أن من لم يظهر فسقه قبل شهادته فی صوم رمضان فإنه صلی الله عليه وسلم لم يفتش أمر اعدالة فی الواقعة وإن قال أنه صلی الله عليه وسلم لعله كان يعرفه فيجاب بأنه لو كان كذلک لما فتش عن اسلاميه**'' (اعلاء السنن ۹/ ۱۲۶)۔

جواب نمبر (۴): مدارس ومساجد اور تنظیموں کے ذمہ دار فاسق ہوں تو ان کی اطاعت کس حد تک واجب ہے؟

دینی مدارس ومساجد اور مذہبی ادارے، نیز دیگر ملی تنظیمیں یہ پوری ملت کا سرمایہ اور مشترکہ امانت ہیں، ایسی ملی امانتوں کے عہدے ومناصب بہت ہی محتاط، ہوشمند، دیانت وامانت میں معروف اہل کار افراد کے حوالہ ہونے چاہئے اور جو ناموری کے لئے عہدے کے لالچی ہوں اور فسق وفجور میں مبتلا ہوں ان سے تنظیموں کو بچانا چاہئے، لیکن بدقسمتی سے جیسا کہ سوال میں ہے عام طور پر غلط قسم کے لوگ اپنے دنیاوی اثر ورسوخ کی وجہ سے دینی مناصب اور عہدوں پر فائز ہوجاتے ہیں، مدرسہ، مسجد یا کسی تنظیم وتحریک کی صدارت یا تولیت ان کے حوالہ کردی جاتی ہے، ایسی صورت میں یہ جو فیصلے کریں یا کوئی حکم اپنے ادارہ، اپنے ماتحتوں کے لئے جاری کریں، اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ تو پہلی بات تو اس سلسلہ میں یہ ہے کہ اگر عہدے ومناصب کے حوالہ کرنے نہ کرنے کا اختیار کسی مسلم معتبر ادارہ کو حاصل ہو تو یہ اس کی ذمہ داری ہوگی کہ تحقیق کر کے اچھے باصلاحیت امانت دار افراد کا ہی تقرر کرے اور نااہل فاسق لوگوں کو ایسے عہدوں سے معزول کرے، لیکن اگر یہ ممکن نہ ہو جیسا کہ آج کل وقف بورڈ اور سوسائٹی رجسٹریشن کے ذمہ داروں کا حال ہے کہ وہ خود کرپٹ ہیں ان سے کیا توقع صلاح وفلاح کی کی جاسکتی ہے؟

او خود گم است کرا رہبری کند

ایسی صورت میں جبکہ معاملہ اپنے ہاتھ میں نہ ہو اور اداروں کے سربراہ فاسق بن چکے ہوں تو ان کی ماتحتی میں کام کرنے کی اس وقت تک گنجائش ہوگی جب تک کہ وہ کھلم کھلا خلاف شرع حکم صادر نہ کریں، فقہاء کے نزدیک فاسق قاضی کا حکم بھی نافذ العمل ہوتا ہے، اس کی تعمیل بھی واجب ہوتی ہے، لہٰذا تنظیموں کے ایسے ذمہ دار جو فاسق ہوں اور ان کو علیحدہ کرنا ممکن نہ ہو تو ان کی اطاعت بھی ماتحتوں کے لئے واجب العمل ہوگی، اور جب وہ ملت کے لئے کھلی ہوئی خیانت اور موقوفہ چیزوں میں خرد برد جیسی حرکتیں کرنے لگے تو اپنی استطاعت کے بقدر ان کی مخالفت بھی واجب ہوگی، ورنہ خود کو ان کی ماتحتی سے علیحدہ کرلینا لازم ہوگا۔

فقہاء کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

"لكن لاينبغي أن يقلد الفاسق لأن القضاء أمانة عظيمة وهي أمانت الأموال والأبضاع والنفوس فلا يقوم بوفائها إلا من كمل ورعاه أتم تقواه" (بدائع الصنائع ۹/۴۸۰)۔

"والفاسق أهلها فيكون أهلها لكنه لايقلد وجوبا ويأثم مقلده" (درمختار ۴/۴۱۵)۔

"العدالة فمعتبرة في القضاء وحكي عن الامام صحة ولايته ونفوذ حكمه" (ادب القاضی ۱/۳۴)۔

"لأن تصرف القاضي في الأوقاف مقيد بالمصلحة، ويجب الافتاء والقضاء لكل ما هو يقع للوقف، حيث رأى القاضي المصلحة في عزله لتعطيل مصالح الوقف بذلك، فقد صح عزله" (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کتاب الوقف، الباب الثالث فی أحکام النظار الخ: ۱/۲۰۸، مکتبۃ میمنیہ مصر)۔

(۲) "في الاسعاف؛ لا يولى الا أمين قادر بنفسه أو نائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود" (البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۷۸، رشیدیہ)۔

جواب نمبر (۵): فسق فی العقیدہ کا مطلب اور فسق اعتقادی میں مبتلا فاسق کا حکم

"فسق"، جس کے معنی خروج کے ہیں یہ خروج عن الطاعۃ پر جس طرح صادق آتا ہے جس کو "فسق عملی" کہا جاتا ہے، اسی طرح یہ خروج عن الحق پر بھی صادق آتا ہے جس کو "فسق اعتقادی" کہا جاتا ہے، لہٰذا فسق کا تعلق صرف کبائر کا ارتکاب یا صغائر پر اصرار تک محدود نہیں ہے، بلکہ فسق کا تعلق اعتقادیات کے باب سے بھی ہے، یعنی عقائد حقہ کی مخالفت کرنا یا کسی عقیدہ حقہ کے خلاف اعتقاد رکھنا یہ بھی فسق ہے، یعنی فسق فی العقیدہ ہے، البتہ عرف عام میں بلکہ فقہاء کے کلام میں بھی جب فسق کا لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو عموماً فسق عملی ہی مراد ہوتا ہے اور یہ فسق عملی ہے جو مسقط عدالت ہے اور فسق عملی میں مبتلا شخص کو ہی فاسق گردانا جاتا ہے جو عادل کی ضد ہے، یعنی ایسا شخص جو نمایاں طور پر کسی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو یا صغیرہ گناہ پر مصر ہو یا اس کے صغیرہ گناہ اس کی نیکیوں پر غالب ہوں تو یہ فسق عملی کا شکار ہے جو عادل قرار نہیں دیا جا سکتا، فسق عملی سے متعلق احکام کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔

فسق اعتقادی کا معاملہ فسق عملی سے مختلف ہے، عرف میں اس کو فاسق نہیں سمجھا جاتا ہے اور خلاف حق عقیدہ رکھنے کے باوجود اگر فسق کے کاموں میں مبتلا نہیں ہے تو ایسے شخص کو معتبر اور عادل مانا جاتا ہے، اس کی شہادت بھی قابل قبول ہے اور وہ منصب قضاء کا بھی اہل ہے، اگرچہ اس کو قاضی بنانا مصلحت کے خلاف ہے، لیکن صفت عدالت کی بقاء کی وجہ سے وہ نااہل نہیں ہے۔

واضح ہو کہ فسق فی العقیدہ کا مذکورہ حکم جب ہی ہے، جبکہ عقیدہ کا فساد ایسا نہ ہو جس کی وجہ سے وہ خارج اسلام قرار پا جائے اور عقیدہ فاسدہ موجب تکثیر بنتا ہو، لہٰذا خلاف حق عقیدہ رکھنے والے بھی دو قسم کے ہو گئے، ایک وہ جو بالاتفاق اپنے غلط عقیدہ کی وجہ سے کافر ہو گئے، جیسے قادیانی، پرویزی، شکیلی وغیرہ، ایسے فاسقوں کی عدالت وشہادت وامامت سب کفر کی وجہ سے غیر معتبر ہے، دوسرے فاسق فی العقیدہ وہ ہیں جو خلاف حق ایسے عقیدہ میں مبتلا ہیں جو اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف تو ہے، لیکن اس کی وجہ سے ان کی تکفیر نہیں کی جاتی، بلکہ وہ کسی شبہ یا تاویل کی وجہ سے خلاف حق عقیدہ اختیار کرتا ہے، مثلاً فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما کے خلاف حضرت علی کو افضل الصحابہ ماننا ہے یا مسح علی الخفین کا قائل نہیں ہونا یا استواء علی العرش وغیرہ کا مفہوم جمہور علماء کے خلاف نکالنا ہے وغیرہ، اس طرح کے فسق فی العقیدہ کی وجہ سے عملی فاسق کے حکم میں داخل نہیں ہوگا اور ان کی عدالت ساقط نہیں ہوگی، فقہاء کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

"(تقبل من أهل الهواء) أی أصحاب بدع لا تكفر كجبر وقدر و رفض وخروج وتشبيه وتعطيل الخ" (درمختار ۴/۵۲۱)، "وإنما تقبل شهادتهم لأن فسقهم من حيث الاعتقاد وما أوقعهم فيه إلا التعمق والغلو فی الدين" (ردالمحتار ۴/۵۲۱)، "فمن وجب اكفاره فهم فالأكثر على عدم قبوله كما فی التقرير و فی المحيط البرهانی وهو الصحيح" (ردالمحتار ۴/۵۲۱)۔

فسق اعتقادی کے سلسلہ میں مزید تفصیلات اور فقہاء کے اختلافات ہیں، احقر کے نزدیک جو اصولی بات راجح تھی وہ سطور بالا میں عرض کر دی ہے۔

"اعلم أن الفاسق قسمان؛ فاسق غير متأول وهو ظاهر ولا خلاف فی أنه لا يقبل خبره، فاسق متأول كالجبری والقدری ويقال له المبتدع بدعة واضحة، فمن الأصوليين من رد شهادته وروايته للاية ومنهم الشافعی والقاضی ومنهم من قبلهما، أما الشهادة فلأن ردها لتهمة الكذب والفسق من حيث الاعتقاد لا يدل عليه بل هو أمارة الصدق لأن موقعه فيه تعمقه فی الدين والكذب حرام فی كل الأديان لاسيما عند من يقول بكفر الكاذب أو خروجه من الإيمان وذلک يصده عنه الأمن يدين بتصديق المدعی المتحلی بحليته كالخطابيه۔ وكذا من اعتقد بحجية الإلهام" (روح المعانی ص:۱۳/۲۲۹)۔

"وأصحابنا الحنفية قبلوا شهادتهم لمامردون روايتهم إذا دعوا الناس إلى هواهم وعلى هذا جمهور ائمة الفقه والحديث لأن الدعوة إلى ذلک داعية إلى النقول فلا يوتمنون على الرواية ولا كذالک الشهادت" (روح المعانی ۱۳/۲۹۹)۔

جواب نمبر (۶): فاسق کی ظاہری توبہ دنیاوی احکام میں قابل قبول ہے یا نہیں؟

توبہ کا حکم گناہ کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہوگا، ہر گناہ کے لئے زبانی توبہ کافی نہیں ہے، مثلاً حقوق العباد میں سے اگر کسی ایسی حق تلفی کا ارتکاب کیا ہو جس کی تلافی ضروری ہے، مثلاً امانت میں خیانت، دیون وغیرہ کی ادائیگی، چوری اور غصب وغیرہ ظاہر ہے کہ ایسے گناہوں کے لئے زبان سے کتنی ہی مرتبہ توبہ کرے وہ کافی نہیں، بلکہ یا تو حق کی ادائیگی ہو یا صاحب حق کی طرف سے معافی ہو، اس کے بغیر قیامت میں بھی ایسے گناہ کو اللہ پاک معاف نہیں فرمائیں گے جو بندوں کی حق تلفی پر مشتمل ہوں، اس لئے مقولہ ہے "التوبة مثل الحوبة" یعنی جیسا گناہ ہوگا ویسی ہی توبہ ہوگی، عام گناہ جیسے جھوٹ، زنا، شراب نوشی وغیرہ اس قسم کے گناہ ضرور زبانی توبہ سے معاف ہوجاتے ہیں اور زبانی توبہ کر لینے سے وہ فسق کے حکم سے نکل کر عادل شمار ہوجائے گا، قطع نظر اس کے کہ اس کی توبہ آخرت میں قابل قبول ہوئی یا نہیں؟ اس پر حکم کا دارومدار نہیں رکھا جاسکتا؛ چونکہ اس کا قطعی علم ممکن بھی نہیں، البتہ توبہ کی جو شرائط ہیں وہ زبانی توبہ کو معتبر ماننے میں ملحوظ رکھنی ہوں گی، ورنہ توبہ مذاق بن جائے گی، فقہاء کی صراحت کے مطابق توبہ کے لئے بنیادی طور پر تین چیزیں ضروری ہیں: (۱) گزشتہ گناہ پر ندامت، (۲) توبہ کے وقت گناہ سے دوری، (۳) آئندہ اس گناہ کو نہ دہرانے کا ارادہ، ظاہری طور پر جب کوئی شخص یہ شرطیں کسی گناہ کے بعد توبہ کرتے وقت پوری کردے تو دنیاوی احکام کے اعتبار سے اس کی توبہ قابل قبول ہوگی اور آخرت کا معاملہ فیما بینہ و بین اللہ باقی رہے گا، بعض گناہ ایسے بھی ہوتے ہیں جس میں توبہ کے بعد اس گناہ کو ترک کرنے نہ کرنے کا فوری طور پر پتہ نہیں چل سکتا مثلاً، داڑھی کٹانے والا شخص توبہ کرے اور داڑھی رکھنے کا قصد کرلے تو ایک مدت کے بعد یہ بات واضح ہوگی کہ اس نے داڑھی کٹانے سے توبہ جو کی تھی وہ قابل قبول تھی یا نہیں؟ اس لئے کسی مدت کا انتظار کئے بغیر جب زبانی توبہ سامنے آجائے اس وقت سے اس کی توبہ مان لی جائے گی، اگرچہ فقہاء شافعیہ کے یہاں اس طرح کی قید ہے کہ ایک مدت تک اس کے توبہ پر عمل کرنے کو دیکھا جائے گا، اگر وہ توبہ کے مطابق گناہ سے بچ گیا تو اب وہ فاسق نہ رہا، ورنہ زبانی توبہ ان کے نزدیک فاسق سے عادل بننے کے لئے کافی نہیں، جمہور فقہاء کسی مدت کی قید نہیں لگاتے، البتہ یہ ضرور ہے کہ توبہ کرنے والے کے انداز اور اس کے احوال سے کم از کم محسوس ہونا چاہئے کہ واقعتاً وہ اپنی توبہ میں صادق و درست ہے، باقی توبہ کا ٹوٹ جانا یہ تو بشریت کی صفات میں سے ہے۔

جواب نمبر (۷): داڑھی اور اس کی مقدار کی شرعی حیثیت اور اس کی خلاف ورزی کا حکم

قطع لحیہ کے سلسلہ میں ہندو پاک؛ بلکہ عرب وعجم کے جمہور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے اور

داڑھی بالکل کٹا دینا یا ترشوا کر ایک مشت سے بھی کم کرانا حرام یا کم از کم مکروہ تحریمی ہے، ائمہ اربعہ اس کے عدم جواز پر متفق ہیں، البتہ اس سلسلہ میں دیگر اقوال وآراء کو پیش نظر رکھا جائے تو داڑھی رکھنے کی شرعی حیثیت متعین کرنے میں تین رائے پائی جاتی ہیں:

پہلی رائے: داڑھی کے وجوب اور قطع لحیہ کی حرمت کی ہے، یہی جمہور فقہاء ومحدثین کی رائے ہے، بلکہ تقریباً اس پر اہل علم کا اجماع ہے، علامہ سبکیؒ نے "**المنهل العذب المورود**" میں لکھا ہے:

"**كان حلق اللحية محرما عند ائمة المسلمين المجتهدين أبى حنيفة ومالک والشافعى وغيرهم رحمهم الله تعالى**" (المنہل العذب المورود کتاب الطہارۃ "اقوال العلماء فی حلق اللحیۃ واتفاقهم علی حرمته" ۱/۱۸۶)۔

علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی فرمایا ہے: "**وأما تقصير اللحية بحيث تصير قصيرة من القبضة فغير جائز فى المذاهب الأربعة**" (العرف الشذی کتاب الادب، ۴/۱۶۲)۔

درمختار میں ہے: "**ويحرم على الرجل قطع لحيته وصرح فى النهاية بوجوب قطع مازاد على القبضة، وأما الأخذ منها وهى دون ذلک كما يفعله بعض الرجال فلم يبحه أحد وأخذ كلها فعل هنود الهند ومجوس الأعاجم**" (درمختار ۲/۴۱۸)۔

بہر حال یہ پہلی رائے ہے جو اعلی واولیٰ وارجح واضح واصوب ہے اور اہل علم کے درمیان معروف ومتفق علیہ کے درجہ میں ہے، اور اس سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ داڑھی جو واجب ہے اس کی حد کیا ہے؟ تو اس میں بھی تقریباً اتفاق ہے کہ ایک مشت کی مقدار واجب ہے، اور ایک مشت سے کم کرانا جائز نہیں، یعنی خشخشی داڑھی رکھنا مکروہ تحریمی ہے۔

مندرجہ بالا عبارتوں میں اس کی صراحت ہے، البتہ امام نووی وغیرہ ایک مشت سے زائد رکھنے کو افضل کہتے ہیں، جبکہ اکثر فقہاء ایک مشت سے زائد کو کم کردینے کو ترجیح دیتے ہیں۔

"**قال النوویؒ "والمختار ترک اللحية على حالها ولا يتعرض لها بتقصير شئ أصلا**" (اللحیۃ فی الاسلام گوگل)۔

بعض متجددین کی یہ بھی رائے ہے کہ داڑھی کو مطلقا رکھنا کافی ہے، چاہے تھوڑی رکھے یا زیادہ اس زمانہ میں ایسے روشن خیالوں کی کمی نہیں ہے، حالانکہ حدیث پاک کی تصریحات "**اوفروا، أرخوا**" وغیرہ قطعاً اس رائے کے منافی ہیں، لہٰذا یہ رائے قابل اعتنا نہیں ہے، اگرچہ جدید طبقہ کا اس میں ابتلاء عام ہے۔

خلاصہ یہ کہ جن کے نزدیک داڑھی واجبات شرعیہ میں سے ہے ان میں داڑھی کی مقدار کے سلسلہ میں تین قول ہیں:

(۱) ایک مشت واجب ہے زائد کو کتر دینا سنت ہے، (۲) داڑھی کو بڑھانا مطلقاً واجب ہے لہٰذا اس کو بالکل نہیں کاٹا جائے گا، (۳) مطلق داڑھی رکھنا کافی ہے تھوڑی رکھے یا زیادہ چھوٹی ہو یا بڑی، یہ سب رائے داڑھی واجب کہنے والوں کی ہیں۔

دوسری رائے: داڑھی کے استحباب اور قطع لحیہ کی کراہت تنزیہی کی ہے، بعض اہل علم نے اس رائے کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کی ہے اور بہت سے اہل علم کا یہی موقف ہے۔

"یعتقد علماء آخرون أن اللحیة لیست واجبة وإنما هی مستحبة فحسب، وهذا القول هو المعتمد عند الشافعیة الخ"۔

مستحب کہنے والے حضرات نے ان تمام احادیث کو جس میں داڑھی کو بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے امر استحبابی پر محمول کیا ہے اور قرینہ یہ بیان کیا ہے کہ **عشر من الفطرة** والی حدیث جس میں داڑھی کے ساتھ دیگر امور فطرت کا تذکرہ ہے وہ سب امور واجب نہیں ہیں، لہٰذا داڑھی بھی اسی طرح واجب نہ ہوگی، نیز **خالفوا المشرکین** والی حدیث بھی علت وسبب پائے جانے پر محمول ہے، مطلق داڑھی کا وجوب اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

لیکن استحباب کیلئے یہ دلیل اس لئے قابل قبول نہ ہوگی، کیونکہ وجوب پر دیگر دلائل بھی موجود ہیں جو دیگر امور فطرت کے بارے میں نہیں ہیں، اور امر کے حقیقی معنی وجوب کے ہی ہوتے ہیں اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادات میں مختلف الفاظ میں امر کے صیغے کے ساتھ داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اس کو حقیقی معنی وجوب پر محمول کرنا ہی ضروری ہے، بلکہ وجوب پر دلالت کا یہ خود قرینہ ہے کہ دیگر امور کے لئے اس طرح کے ارشادات نہیں فرمائے گئے جس طرح کہ داڑھی کے بارے میں منقول ہیں، لہٰذا یہ قرینہ استحباب کے بجائے وجوب کو ترجیح دیتا ہے۔

تیسری رائے: یہ ہے کہ داڑھی حکم شرعی نہیں، بلکہ سنن عادیہ میں سے ہے، لہٰذا نہ یہ واجب ہے، نہ مستحب، اس رائے کے قائلین عصر حاضر کے بعض اہل علم ہیں۔

"القول الثالث: أن اطلاق اللحیة لیس مستحبا ولا واجبا وانما هو من سنن العادات کالأکل والشرب والهیئة واللباس الخ، وهذا ذهب إلیه جمع من العلماء المعاصرین مثل محمود شلتوت و محمد أبو زهره وقد ذکرت دار الإفتاء المصریة فی الفتوی التی .....حول اللحیة" (فتویٰ رقم مسلسل ۲۶۱ بتاریخ: ۱۵، ۱۱، ۲۰۰۵ء)۔

بلاد عرب وشام میں یہ خیال عام ہوتا جارہا ہے کہ داڑھی سنن عادیہ میں سے ہے؛ جبکہ صریح ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ رائے محض ایک شاذ قول اور بعض حضرات کی انفرادی رائے یا تفرد سے زیادہ اہمیت کے لائق نہیں

ہے، تاہم فسق اور عدم فسق کے مسئلہ میں اس کو ضرور ملحوظ رکھنا ہوگا، ورنہ مصر وشام، عرب وایران کے کتنے ہی شیوخ الحدیث غیر عادل اور فاسق قرار پائیں گے، اس لئے اگر چہ دلائل کے اعتبار سے پہلی رائے راجح ہے اور داڑھی رکھنا واجب ہے، نیز ایک مشت سے کم کرانا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اس کی خلاف ورزی پر فاسق کہنے میں احتیاط کرنی ہوگی اور ایسے لوگوں کو جو داڑھی نہیں رکھتے یا بہت چھوٹی رکھتے ہیں ان کی گواہی وغیرہ کے معاملہ میں سوال نمبر ۳ کے تحت جو تفصیل عرض کی گئی ہے، اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔

لہٰذا جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے یا داڑھی رکھتے ہیں؛ لیکن بہت چھوٹی رکھتے ہیں ان پر فاسق کا حکم لگانے کے سلسلہ میں یہ کہا جائے گا کہ ہے یہ تو فسق کا ہی عمل، لیکن موجودہ دور میں بچند وجوہ داڑھی کو عادل قرار دینے کی شرط نہیں قرار دیا جاسکتا، (۱) قطع لحیۃ میں ابتلاء عام ہے، (۲) یہ مسئلہ مختلف فیہ بن گیا ہے، اگر چہ دوسری آراء کمزور اور انتہائی ضعیف ہیں، لیکن اس کی وجہ سے کچھ تخفیف کا پہلو پیدا ہو گیا ہے، (۳) فسق کا حکم لگانے میں عرف وماحول کا بھی دخل ہوتا ہے، آج کے عرف میں یہ کوئی بڑا گناہ اور غلط کام نہیں سمجھا جاتا ہے، (۴) کسی کو فاسق کہنے میں احتیاط برتی جاتی ہے، اس لئے مقطوع اللحیۃ کو محض قطع لحیہ کے گناہ کی وجہ سے جبکہ فسق کے دیگر اسباب نہ ہوں غیر عادل اور فاسق نہیں شمار کیا جائے گا اور فسق کا یہ عمل اس کو مردود الشہادہ نہیں بنائے گا، **هذا ما عندی والله تعالی اعلم وعلمه واتم واحكم .**

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مفتی محبوب فروغ احمد قاسمی☆

رفتہ رفتہ دنیا کا نظام صلاح سے فساد کی طرف جارہا ہے، بلکہ بڑی تیزی سے انسانوں کے سوچنے وسمجھنے کا معیار بدل رہا ہے، گراوٹ وانحطاط کا حال تو یہ ہے کہ پوری پوری آبادی میں نیک وصالح افراد کو انگلیوں پر گننا پڑتا ہے، اگر غیروں میں اسلام پھیل رہا ہے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلام کا نام لینے والوں میں ارتداد کی آندھی بھی آئی ہوئی ہے، بہرحال اسلام میں دخول اور اس سے خروج کا مسئلہ اپنی جگہ اہم تو ہے ہی لمحۂ فکریہ یہ بھی ہے کہ جو اسلام میں ثابت قدم بھی ہیں تو ان میں اسلام مکمل طور پر رچا بسا نہیں ہے، اسلامی احکام سے روگردانی، کبائر وفواحش کا ارتکاب، چھوٹے، بڑے گناہوں پر اصرار وغیرہ وہ لمحات فکریہ ہیں جو حامیان اسلام کو اندر سے کھوکھلا کررہے ہیں، اسی کو فقہی زبان میں ''فسق'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، طرفہ تماشہ تو یوں ہے کہ اس قسم کی جسارت کی رفتار تیز سے، تیز تر ہوتی جارہی ہے جس کی وجہ سے بہت سے اسلامی احکام و تعلیمات متأثر ہوتے نظر آرہے ہیں، ان احکام پر ایسے وقت میں عمل کرنے کی کے لئے خلوفسق کی جو شرط ہے اس کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے، مندرجہ ذیل سطور میں اسی قسم کے چند سوالات کے جوابات ہیں:

۱- کیا فسق کی تعریف متعین ہے، یا حالات وعرف پر موقوف ہے:

قرآن وحدیث میں بہت سے مواقع پر ''فسق'' اور اس مادے سے مشتق مختلف اسماء وافعال استعمال کیے گئے ہیں، یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث میں فسق کی کوئی لگی بندھی تعریف نہیں کی گئی ہے، بلکہ مختلف مفہوم کے لیے فسق کا اطلاق کیا گیا ہے: کبھی نفاق پر فسق کا اطلاق کیا گیا ہے، چنانچہ سورۂ توبہ میں ہے: ''**إن المنافقين هم الفاسقون**'' (توبہ:۶۷)، کبھی کفر کو فسق کہا گیا ہے، قرآن میں ہے: ''**ولقد أنزلنا إليک آيات بينات و مايكفر بها إلاالفاسقون**'' (بقرہ:۹۹)، ابلیس نے سجدہ نہیں کیا تو قرآن نے حکم لگایا: ''**فسجدوا إلا إبليس كان من الجن ففسق عن أمر ربه**'' (سورۃ الکہف:۵۰)، قوم نوح کو فاسق کہا گیا ہے: '' **و قوم نوح من قبل إنهم كانوا قوماً فاسقين**'' (ذاریات:۴۶)، فرعون

☆ استاذ دارالعلوم دیوبند

اورقوم فرعون کے متعلق ہے:"و أدخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوء فی تسع آیات إلی فرعون و قومه إنهم کانوا قوماً فاسقین" (نمل:۱۲)، یہود کو بھی فاسق کہا گیا:"قال رب انی لا أمک إلا نفسی وأخی فافرق بینا و بین القوم الفاسقین" (مائدہ:۲۵)،نصاری کو بھی فاسق کہا گیا:" ورهبانیة ابتدعوها ما کتبناها علیهم إلا ابتغاء رضوان الله فما رعوها حق رعایتها فأتینا الذین آمنوا منهم أجرهم و کثیر منهم فاسقون" (حدید:۲۷)،شرک کو بھی فسق سے تعبیر کیا گیا ہے:"کیف و إن یظهروا علیکم لایرقبوا فیکم إلا ولا ذمة یرضونکم بأفواههم و تأبی قلوبهم و أکثرهم فاسقون" (توبہ:۸)،اسی طرح غیر اللہ کے لیے ذبح،استقسام بالازلام،اور جانور کو مارنے کی مختلف شکلیں: منخنقہ،موقوذہ،متردیہ وغیرہ پر بھی فسق کا اطلاق ہوا ہے:"حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما أهل لغیر الله به و المخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة وما أکل السبع إلا ما ذکیتم و ما ذبح علی النصب و أن تستقسموا بالأزلام ذلکم فسق" (مائدہ:۳)۔

علامہ شوکانی فرماتے ہیں:"ذلکم فسق إشارة إلی استقسام بالأزلام أو إلی جمیع المحرمات المذکورة هنا" (فتح القدیر:۲/۱۰)۔

(ذلکم فسق من استقسام بالازلام) کی طرف اشارہ ہے یا مذکور ہت مام محرمات مراد ہیں)، بلکہ بدعت اعتقادی پر بھی فسق کا اطلاق آیا ہے، چنانچہ حضرت سعد بن أبی وقاصؓ نے خوارج کو فاسق کہا (دیکھئے بخاری: کتاب التفسیر:۴۷۲۸)۔

اسی طرح قاذف کو بھی فاسق کہا گیا:"والذین یرمون المحصنات، ثم لم یاتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولاتقبلوا لهم شهادة أبدا أولئک هم الفاسقون" (توبہ:۴)۔

کاذب کو بھی فاسق کہا گیا:"یا أیها الذین آمنوا إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا أن تصیبوا قوما بجهالة فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین"(سورہ حجرات:۶)۔

مسلمانوں کو گالی دینا بھی فسق ہے،حدیث میں ہے:سباب المسلم فسوق (بخاری،کتاب الایمان:۴۸)،محظورات احرام پر بھی فسق کا اطلاق آیا ہے:"الحج أشهر معلومات فمن فرض فیهن الحج فلا رفث ولافسوق ولا جدال فی الحج" (بقرہ:۱۹۷)۔ابن جریر وغیرہ نے فسوق سے مراد محظورات احرام کو لیا ہے(تفسیر ابن جریر:۲/۵۲،ابن کثیر ۱/۲۲۵)۔

تنابز بالالقاب کو بھی فسق کہا گیا ہے:"ولا تنابزوا بالألقاب بئس لاسم الفسوق بعد الایمان" (الحجرات:۱۱)۔

کفران نعمت پر بھی فسق کا اطلاق آیا ہے:مسند احمد میں روایت ہے:"إن الفساق هم أهل النار قیل: یا رسول الله! و من الفساق؟ قال: النساء، قال رجل: یا رسول الله! أو لسن أمهاتنا و أخواتنا و أزواجنا؟ قال: بلی و

لكنهن إذا أعطين لم يشكرن و إذا ابتلين لم يصبرن" (مسند احمد:۳/۴۲۸،قال الہیثمی،۴/۷۳رجالہ کتاب)۔

سرقہ پر بھی اطلاق آیا ہے، بخاری کی ''کتاب التفسیر'' میں ہے:''**سئل حذيفة بن اليمان فقيل له: ما بال هؤلاء الذين يبقرون بيوتنا و ليسرقون أعلاقنا، قال حذيفة: أولئك الفساق**'' (بخاری: کتاب التفسیر:۴۶۵۸)۔

ایک حدیث میں رویبضۃ (کم عقل آدمی) کو بھی فاسق کہا گیا ہے:''**إن أمام الدجال سنين خداعة يكذب فيها الصادق و يصدق فيها الكاذب، و يخون فيها الأمين و يؤتمن فيها الخائن وى تكلم فيها الرويبضة، قيل: وما الرويبضة؟ قال: الفويسق يتكلم فى أمر العامة**'' (مسند احمد:۳/۲۲۰،قال ابن کثیر فی النہایۃ: ۱/۵۷،ہذا إسناد جید تفرد بہ احمد من ہذا الوجہ)۔

فاسق کا اطلاق غراب (کوا) حدأة (چیل) عقرب (بچھو) فأرة (چوہا) الكلب العقور (کاٹنے والا کتا) پر بھی آیا ہے، جیسا کہ بخاری کی معروف حدیث ہے:''**خمس من الدواب كلهن فاسق يقتلن فى الحرم: الغراب والحدأة و العقرب و الفأرة، والكلب العقور**'' (بخاری: کتاب الحج، باب، مایقتل المحرم من الدواب:۱۸۲۹)۔

یہ اور اس طرح کے کچھ اور متعدد استعمال ہیں ان تمام استعمالات کو دیکھ کر فقہائے امت نے اس کے معنی ومفہوم کی تعیین کی ہے، چنانچہ بعض اطلاق کو لغوی معنی پر محمول کیا ہے اور بعض کو شرعی اصطلاح قرار دیا ہے، کیونکہ فسق کا لغوی معنی ہے ''خروج''، چنانچہ ''لسان العرب'' اور ''معجم مقاییس اللغۃ'' میں ہے:''**الفسق لغة: الخروج عن الشئ والقصد، وهو الخروج عن الطاعة قيل: الفسق أصله: خروج الشئ عن الشئ على وجه الفساد، و قيل: الفسوق هو الخروج عن الدين**'' (لسان العرب:۱۰/۳۰۸،معجم مقاییس اللغۃ:۴/۵۰۲)۔

اسی لغوی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے کافر کو (جو دین فطرت سے نکلنے والا ہوتا ہے) کم عقل انسان (رویبضہ) جو کہ اپنی عقل سے حماقت کی طرف خروج کرنے والا ہوتا ہے اور مختلف قسم کے دواب (جو کہ اپنے حدود سے فساد کی طرف خروج کرتے ہیں) کو'' فاسق'' کہا جاتا ہے، چونکہ ہر اصطلاحی تعریف میں لغوی معنی ملحوظ ہوتا ہے، یہاں بھی لغوی معنی ملحوظ ہے، چنانچہ قرطبی اور ابن عطیہ اس کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:''**الفسق فى عرف استعمال الشرع: الخروج عن طاعة الله عز وجل، فقد يقع على من خرج بكفر وعلى من خرج بعصيان**'' (تفسیر ابن عطیہ:۱/۱۵۵،تفسیر قرطبی:۱/۳۱۹)۔

(شریعت میں فسق نام ہے اللہ کی اطاعت سے نکلنے کا پس کبھی اس کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جو کفر کے ذریعہ نکل جائے، اور کبھی اس پر ہوتا ہے جو معصیت کے ذریعہ نکل جائے)۔

قاضی بیضاوی تعریف کرتے ہیں:''**الفاسق فى الشرع: الخارج عن أمر الله بارتكاب الكبيرة**'' (بیضاوی:۱/۶۴)۔

قاضی عیاض نے فرمایا: **خروج عن الطاعت و واجب الشرع و به سمی الفاسق فاسقاً لخروجه** (إکمال المعلم الفوائد مسلم: ۱/ ۳۲۳)۔

علامہ نووی نے کہا: ''**المراد به فی الشرع: الخروج عن الطاعة**'' (شرح النووی علی مسلم: ۲/ ۵۳)۔

روضۃ الطالبین میں کہتے ہیں: ''**فمن قارف کبیرة ولو واحدة أو أصر علی صغیرة من نوع واحد أو علی صغائر مختلفة ففسق و سقطت عدالته**'' (روضۃ الطالبین: ۱۱/ ۲۲۵، کتاب الشہادات)۔

جس نے کبیرہ گناہ کا ارتاب کیا چاہے ایک ہی کیوں نہ ہو، یا ایک نوع کے ایک گناہ پر یا مختلف گناہ صغیرہ پر اصرار کیا تو وہ فاسق ہو گیا اور اس کی عدالت ساقط ہو گئی)۔

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

''**الفسق لغة: خروج عن الاستقامة وهو معنی قولهم: خروج الشئ عن الشئ علی وجه الفساد، و شرعاً: خروج عن طاعة الله تعالیٰ بارتکاب کبیرة، قال القهستانی: أی أو إصرار علی صغیرة**'' (۱/ ۳۰۳)۔

(فسق لغت میں استقامت سے نکلنا ہے یہی مفہوم ہے اس قول کا: ''**خروج الشئ عن الشئ علی وجه الفساد**''، اور شریعت میں کسی کبیرہ کا ارتکاب کر کے اللہ کی طاعت سے نکلنا ہے، قہستانی کہتے ہیں: یا کسی صغیر پر اصرار ہے)۔

فقہاء وعلماء کے کلام سے واضح ہوتا ہے کہ اصطلاحی اعتبار سے فسق ارتکاب کبیرہ یا اصرار علی الصغیرہ کو کہا جاتا ہے چوں کہ اس میں حالت محمودہ سے حالت مذمومہ کی جانب نکلنا پایا جاتا ہے، اس لیے کہ اس کو فسق کہا جاتا ہے۔

فقہاء وعلماء کی تعریف کے الفاظ خواہ بعینہ کتاب وسنت میں منصوص نہ ہوں مگر ان حضرات نے فسق کے جملہ اطلاقات کا جائزہ لے کر اور ان کا استقرار وتتبع کر کے ہی متعین کیا ہے، استقراء تام کی بنا پر احکام کا ثبوت ہوتا ہے اور یہ بھی حجت شرعیہ سمجھا جاتا ہے، اس لیے اس کو بھی شریعت کی مراد ہی سمجھا جائے گا، چنانچہ موسوعہ فقہیہ میں ہے:

''**الاستقراء إن کان تاماً بمعنی تتبع جمیع الجزئیات ما عدا صورة النزاع (الصورة المراد معرفة حکمها) یعتبر دلیلاً قطعیاً حتی فی صورة النزاع عند الأکثر من العلماء، و قال بعض العلماء: لیس بقطعی، بل هو ظنی لاحتمال مخالفة تلک الصورة لغیرها علی بعد، و قد أجاز العلماء الأخذ بالاستقراء فی الحیض والاستحاضة والعدة و إن کان الاستقراء ناقصاً أی: بأکثر الجزئیات الخالی عن صورة النزاع فهو ظنی فی تلک الصورة لا قطعی**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۴/ ۷۸، استقراء)۔

(استقراء اگر تام ہے یعنی صورت نزاع (جس کا حکم جاننا مقصود ہے) کے علاوہ تمام جزئیات کا تتبع کرلیا ہے تو دلیل قطعی ہے حتی کہ صورت نزاع میں بھی اکثر علماء کے نزدیک، بعض نے کہا: اس نزاعی مسئلہ میں ظنی ہے، علماء نے حیض، استحاضہ، اور عدت میں استقراء کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور اگر استقراء ناقص ہے، یعنی نزاعی صورت کے علاوہ اکثر جزئیات کا تتبع کیا ہے تو ظنی ہوگا قطعی نہیں ہوگا)۔

فقہاء نے جابجا اس استقرائی اصول کو اپنایا ہے، راقم ناچیز کا خیال ہے کہ جتنے اصطلاحی الفاظ ہیں ان کی تعریفات کا مدار بھی استقراء ہی ہے، تعریف کا بعینہ کتاب وسنت کے نصوص میں وارد ہونا ضروری نہیں ہے، ورنہ کہا جاسکتا ہے کہ صلاۃ کی تعریف بھی ارکان مخصوص کے الفاظ میں کتاب وسنت میں موجود نہیں ہے، اسی طرح کے دوسرے شرعی وقانونی اصطلاحات ہیں؛ اس لیے خواہ نصوص میں ان الفاظ کے ساتھ فسق کی تعریف منقول نہ ہو، مگر فقہاء وعلماء کے کلام میں جو تعریف کے الفاظ ہیں وہ اس کے تمام جزئیات کا جائزہ لینے کے بعد ہی ہے، لہٰذا فسق کی تعریف کو عرف اور زمان کے حوالہ کرنے کے بجائے جو تعریف: ارتکاب کبیرہ یا اصرار علی الصغیرہ سکی گئی ہے، یہی شریعت میں مطلوب ومقصود تعریف ہوگی۔ واللہ اعلم۔

۲-عبادات ومعاملات میں فسق پر احکام کا ترتب:

معاملات یعنی دنیوی امور اور عبادات یعنی دینی امور کے مابین فسق کا حکم جدا لانہ ہے، چونکہ معاملات کثرت سے پیش آتے ہیں، قدم قدم پر دنیوی معاملات میں انسانوں کی ضرورت پڑتی ہے، اس لیے شریعت نے ایک فاسق بلکہ کافر کو بھی مومن کے درجے میں رکھا ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے: ''**يقبل في المعاملات قول الفاسق ولا يقبل في الديانات إلا قول العدل**'' (ہدایہ: ۴/ ۳۶۴، کتاب الکراہیۃ، باب الأکل والشرب)۔

(معاملات میں فاسق کا قول مقبول ہے اور دیانات میں سوائے عادل کے کسی کی بات مقبول نہیں ہے)۔

علامہ جصاص اسی طرح علامہ قرطبی نے بھی اس پر روشنی ڈالی ہے، چنانچہ ''موسوعہ'' میں ہے:

''**نص الجصاص في كتابه أحكام القرآن على أن أهل العلم اتفقوا على جواز قبول خبر الفاسق في أشياء منها: أمور المعاملات فيقبل فيها خبر الفاسق، و ذلك نحو الهداية إذا قال لك: إن فلاناً أهدى إليك هنا، فيجوز قبوله و قبضه، و نحو قوله: و كلني فلان ببيع كذا فيجوز قبوله و شراؤه منه، و كذا جميع أخبار المعاملات و نص القرطبي على ذلك بقبوله: لا خلاف في أنه يصح أن يكون رسولا عن غيره**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۲/ ۱۴۴، فسق)۔

(جصاص نے احکام القرآن میں تصریح کی ہے کہ اہل علم کا اتفاق ہے اس پر کہ فاسق کی خبر متعدد امور میں جائز ہے، انہی میں سے معاملات ہیں، پس ان میں فاسق کی خبر مقبول ہوگی، مثلاً ہدیہ کے بارے میں آپ سے کہتا ہے کہ فلان نے آپ کو ہدیہ دیا ہے تو اس کو قبول کرنا اور قبضہ میں لینا جائز ہے، اسی طرح کہتا ہے کہ فلاں نے اس بیع کا وکیل بنایا ہے تو اس کو قبول کرنا اور اس سے خریدنا جائز ہے، اسی طرح معاملات کی تمام خبریں ہیں، اور قرطبی نے بایں الفاظ صراحت کی ہے کہ کوئی اختلاف نہیں اس بات میں کہ صحیح ہے کہ دوسرے کی جانب سے ایلچی ہوالخ)۔

معاملات سے مراد وہ دنیوی امور ہیں جن میں دوسروں پر کچھ لازم کرنا نہ پڑے اور نہ اس سے نزاع ہو، چنانچہ ابن نجیم کہتے ہیں: ''**وكل شئ ليس فيه إلزام ولا مايدل على النزاع فهو من المعاملات**'' (البحرالرائق:۸/ ۳۴۲، فصل فی الأکل والشرب)۔

علمائے اصولیین نے یہاں پر معاملات کی تین قسمیں کی ہیں:

ثم اعلم أن المعاملات على ما فى كتب الأصول ثلاثة أنواع: الأول: مالا إلزام فيه كالوكالات والمضاربات والإذن بالتجارة، والثانى ما فيه إلزام محض كالحقوق التى تجرى فيها الخصومات، والثالث ما فيه إلزام من وجه دون وجه كعزل الوكيل وحجر المأذون، فإن فيه الزام العمدة على الوكيل و فساد العقد بعد الحجر، و فيه عدم إلزام، لأن المؤكل أو المولى يتصرف فى خالص حقه فصار كالإذن، ففي الأول يعتبر التميز فقط، و فى الثانى شروط الشهادة و فى الثالث إما العدد و إما العدالة عنده خلافاً لهما (ردالمحتار:۵/ ۲۴۳، کتاب الحظر والاباحۃ: ط: رشیدیہ پاکستان)۔

(پھر جاننا چاہئے کہ کتب اصول کے مطابق معاملات تین قسم کے ہیں: اول وہ ہیں جن میں دوسرے پر لازم کرنا نہیں ہے جیسے وکالت، مضاربت اور تجارت کی اجازت، دوم وہ ہیں جن میں الزام محض ہے جیسے وہ حقوق جن میں جھگڑے ہوتے ہیں، سوم وہ ہے جس میں من وجہ الزام ہے اور من وجہ نہیں ہے، جیسے وکیل کو معزول کرنا، اور عبد ماذون کو مجبور کرنا، اس میں وکیل پر ذمہ داری کو لازم کرنا ہے اور مجبور ہونے کے بعد جو عقد ہوگا اس کا فاسد ہونا ہے، نیز اس میں عدم الزام ہے کہ موکل یا مولی اپنے خالص حق میں تصرف کر رہا ہے، پس وہ امر مباح کی طرح ہوگیا۔ پس اول (معاملہ) میں صرف ممیّز ہونا کافی ہے، اور دوسرے (معاملہ) میں شہادت کی شرطیں ضروری ہیں اور تیسرے (معاملہ) میں یا تو عدد ضروری ہے یا عدالت امام ابوحنیفہ کے نزدیک حضرات صاحبین کے برخلاف)۔

بہرحال یہ تو معاملات کا حال ہے، مگر عبادات و دیانات جن میں فیما بین العبد و بین اللہ ہی معاملہ اصل مقصود ہے،

اگران عبادات و دیانات کوادا کرنے کا پہلو ہوت وادا کرنا جس طرح عدالت کے ساتھ متصف شخص پرضروری ہے فاسق پر بھی ضروری ہے، مگرعبادات کا ایک پہلو وہ ہے جو دوسروں سے بھی متعلق ہے، مثلاً فاسق اذان دیتا ہے، امامت کرتا ہے، فاسق زکاۃ لیتا ہے، فاسق روزوں کا فیصلہ کرتا ہے یا شہادت دیتا ہے، ان میں معاملہ صرف فاسق کی ذات تک محدود نہیں رہتا ہے؛ بلکہ دوسروں کے حق میں بھی وہ عبادت اثر انداز ہوتی ہے، تو اس پہلو میں مجموعی طور پر عدالت ضروری ہے اور فسق ان عبادات کے منافی ہے، مثلاً:

فاسق کی امامت غیر فاسق کے لیے مکروہ تحریمی ہے، اکثر ائمہ کے نزدیک، لیکن فی نفسہ اس امامت سے نماز ہوجاتی ہے، امام مالک علیہ الرحمہ فسق عملی اور فسق اعتقادی کے مابین فرق کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: فسق عملی مثلاً شراب نوشی، زنا کاری کے ذریعہ جو فسق ہوا ہے اس کی وجہ سے نماز کراہت کے ساتھ ہوگی، لیکن ایک شخص نماز اس لیے پڑھاتا ہے تاکہ دوسروں پر برتری وتکبر ظاہر کرے جو کہ گناہ کبیرہ ہے اس کی وجہ سے اس کی امامت ہی صحیح نہیں ہوئی، ''موسوعہ فقہیہ'' میں ہے:

''**قال المالكية: تصح الصلاة على المعتمد مع الكراهة خلف الفاسق بجارحة كفران و شارب خمر، فإن تعلق الفسق بالصلاة كقصد الكبر، بإمامته فلا تصح**'' (موسوعہ: مادہ فسق)۔

(مالکیہ کہتے ہیں: معتمد قول کے مطابق فاسق کے پیچھے کراہت کے ساتھ نماز صحیح ہے مثلاً زانی اور شرابی، پس اگر فسق نماز سے متعلق ہو مثلاً امامت سے بڑائی مقصود ہو تو صحیح نہیں ہوتی ہے)۔

البتہ امام احمد کے نزدیک فاسق خواہ کسی بھی قسم کا ہو وہ امامت کے لائق ہی نہیں ہے۔''**قال الحنابلة: لاتصح إمامة فاسق أی: سواء كان فسقه بالاعتقاد أو بأفعال محرمة، و سواء أعلن فسقه أو أخفاه لقوله تعالىٰ: أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقاً لايستوون**'' (الموسوعۃ، مادہ: فسق)۔

(حنابلہ نے کہا: فاسق کی امامت صحیح نہیں ہے، خواہ اس کا فسق اعتقاد کی بنا پر ہو یا حرام افعال کی بنا پر، خواہ اس کا فسق علانیہ ہو یا مخفی، اللہ کے فرمان کی وجہ سے: کیا وہ شخص جو مؤمن ہے اس شخص کی طرح ہے جو فاسق ہے، برابر نہیں ہوسکتے ہیں)۔

فاسق کی اذان کا بھی یہی حکم ہے:''**و يكره أذان الفاسق ولا يعاد، هكذا فى الذخيرة**'' (ہندیہ: ۱/ ۵۴، کتاب الصلاۃ، باب فی الأذان)۔

(فاسق کی اذان مکروہ تحریمی ہے، اعادہ نہیں کی جائے گی)۔

عبادات میں سے روزے کی بابت اگر اس کے آغاز یا اختتام کے متعلق فاسق خبر دیتا ہے تو تمام ائمہ بنیادی طور پر متفق ہیں کہ عدالت شرط ہونے کی وجہ سے فاسق کی خبر یا شہادت رد کردی جائے گی (ہدایہ: ۱/ ۱۱۹، کتاب الصوم، رویۃ الہلال)۔

خلاصہ یہ ہے کہ دیگر عبادات: حج میں امیر الحج بننے، اموال زکاۃ کی وصولی کے متولی ہونے، مفتی وقاضی ہونے سب ہی عبادات کا تقاضا ہے کہ فاسق اس کا اہل نہیں ہے، عدالت کے ساتھ متصف شخص ہی ان عبادات کے اس حصہ کو ادا کرے گا، جس حصہ کا ایک سرا عام لوگوں سے اور ایک سرا فاسق سے ملا ہوا ہے۔

۳- داڑھی نہ رکھنے والے کی گواہی:

داڑھی نہیں رکھنے سے انسان فاسق ہوجاتا ہے، یہ متفق علیہ مسئلہ ہے:

''**كان حلق اللحية محرماً عند أئمة المسلمين المجتهدين: أبي حنيفة و مالك الشافعي و أحمد وغيرهم**'' (المنہل العذب للسبکی: ۱/ ۱۸۶، کتاب الطہارۃ، أقوال العلماء فی حلق اللحیۃ)۔

(داڑھی کا مونڈوانا تمام مجتہدین: ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد وغیرہ کے نزدیک حرام ہے)۔

العرف الشذی میں ہے: ''**أما تقصير اللحية بحيث تصير قصيرة من القبضة فغير جائز في المذاهب الأربعة**'' (العرف الشذی: ۴/ ۱۶۲، کتاب الآداب، ماجاء فی تقلیم الأظفار)۔

(بہرحال داڑھی چھوٹی کرانا بایں طور کہ ایک مٹھی سے کم ہوجائے تو چاروں مذاہب میں جائز نہیں ہے)۔

''**و أما الأخذ منها و هي دون ذلك، كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه أحد**'' (درمختار: ۲/ ۴۱۸، کتاب الصوم: باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ)۔

(داڑھی کو کم کرانا جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے مباح نہیں کیا ہے)۔

جب داڑھی نہ رکھنے والا یا چھوٹی کرنے والا گنہ گار ہوا، بلکہ فاسق معلن ہوا تو جن امور میں قاضی کے پاس ادائے شہادت کی ضرورت ہوتی ہے ان امور میں ان کی شہادت معتبر نہیں ہوگی، البتہ تحمل شہادت کا کیوں کہ اہل ہے، اس لیے گواہی کا متحمل ہوسکتا ہے اور توبہ کرنے کے بعد گواہی دے سکتا ہے۔

البتہ موجودہ دور میں جب کہ داڑھی کترانے والے کی تعداد زیادہ ہے بلکہ داڑھی والے ڈھونڈنے سے ملتے ہیں تو رویت ہلال کی گواہی میں اگر داڑھی کاٹنے والا ایسا فاسق ہے جو اس معصیت کے علاوہ اور معصیتوں سے بالکل مجتنب ہو اور صوم وصلاۃ کا پابند ہو تو اس کی گواہی معتبر مان لینی چاہئے، کیونکہ خالص طور پر احناف کا مسلک بیان کرتے ہوئے رویت ہلال کی شہادت کے باب میں عدالت کی تشریح اس طرح نقل کی جاتی ہے: ''**و اكتفوا في وصف العدالة بترجيح الحسنات على السيئات**'' (الموسوعہ: ۲۲/ ۲۵/ رویت)۔

(بیان عدالت میں اکتفاء کیا ہے اس پر کہ حسنات سیئات سے زائد ہوں)۔

کیونکہ رویت ہلال کی شہادت میں جہاں الزام علی الغیر ہے وہیں الزام علی نفسہ بھی ہے، بظاہر ایک دین دار شخص کے بارے میں ظن غالب یہی ہے کہ وہ اس بابت سچا ہی ہوگا، اسی بنیاد پر مستور الحال شخص کی شہادت بھی اس باب میں قبول ہوجاتی ہے۔

۴-مساجد، دینی اداروں اور تنظیموں کے ذمہ داران اگر فاسق ہوں تو ان کی اطاعت کا حکم:

مساجد یا مذہبی اداروں کے ذمہ داروں کو بھی نیک وصالح اور دیانت دار ہونا چاہئے، فاسق وفاجر کو متولی وذمہ دار بنانا جائز نہیں ہے بلکہ حکمت عملی کے ساتھ مذہبی اداروں کو ایسے بے راہ روؤں سے خالی کروانا چاہئے، لیکن وہ ذمہ دار ہوگئے اور اس کے ماتحت کچھ لوگوں نے کام کرنا شروع کردیا تو وہ امور جو مفوضہ امور سے متعلق ہوں بشرطیکہ معصیت نہ ہوں تو ان میں ان ذمہ داروں کی بات واجب الاطاعت ہوگی جیسا کہ جہاد میں اگر امیر فاسق وفاجر ہو تو بھی اس کے وہ احکام جو جہاد سے متعلق ہوں واجب عمل ہوتے ہیں، حدیث میں آیا ہے: ''**الجهاد واجب عليكم مع كل أمير براً كان أو فاجراً إن عمل الكبائر، والصلاة واجبة عليكم خلف كل مسلم براً كان أو فاجراً، و إن عمل الكبائر**'' (ابوداؤد، الجہاد مع الغزو ومع ائمۃ الجور: ۲۵۳۳)۔

۵-فسق فی العقیدہ سے مراد اور احکام:

فسق کی دو قسمیں ہوتی ہیں: فسق عملی، اور فسق اعتقادی، اگر فسق کا تعلق ایسے نظریہ وفکر سے ہو جو کہ اہل حق کے نظریہ کے خلاف ہو تو وہ فسق فی العقیدہ ہے، دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس خروج عن الطاعۃ کا تعلق قلب سے اور ماننے سے ہو وہ فسق فی العقیدہ ہے اور جس کا تعلق اعضاء وجوارح اور فعل وترک فعل سے ہو وہ فسق فی العمل ہے۔

فسق فی العقیدہ کے مختلف درجات ہیں: اس کا سب سے اعلیٰ درجہ کفر ہے، جس میں خروج عن الایمان پایا جاتا ہے، ایسا فاسق فی العقیدہ تو کافر ہے، اس کا حکم عین کافر کا ہوگا اور اس کی کوئی عبادت کسی بھی حال میں صحیح نہیں ہوگی، قرآن کریم نے یہود ونصاریٰ، نیز کافروں کو مختلف آیات میں اسی معنی کر فاسق کہا ہے، لیکن فسق فی العقیدہ کا ایک مرتبہ ہے کہ جس میں فاسق کفر میں داخل نہیں ہوتا ہے، البتہ عقیدہ وخیال اہل اہواء کا رہتا ہے، ایسے فاسق فی العقیدہ حقیقت میں فسق کو چھپائے رکھتا ہے، اگر اس کا عقیدہ ونظریہ مخفی ہے تو دلوں کو کریدنے اور جھانکنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن وہ خود اپنے نظریہ کو واضح و

آشکار کررہا ہے تو مختلف ابواب کے مسائل میں فرق پڑے گا۔

(الف) ایسے فاسق فی العقیدہ کی روایت قول اظہر کے مطابق اگر داعی ومبلغ نہیں ہے تو مقبول ہے اور اگر داعی إلی البدعت ہے تو مقبول نہیں ہے، اسی کو امام نووی اور سیوطی نے تدریب الراوی میں اختیار کیا ہے اور اس بابت دوسرے اقوال کی تضعیف کی ہے:

قیل: لایحتج به مطلقاً و نسبه الخطیب لمالک، لأن فی الروایة عنه ترویجاً لأمره وتنویهاً لذکره، و لأنه فاسق ببدعته، و إن کان متأولاً یرد کالفاسق بلا تاویل، و قیل: یحتج به إن لم یکن ممن یستحل الکذب فی نصرة مذهبه أو لأهل مذهبه و حکی هذا القول عن الشافعی ..... و قیل: یحتج به إن لم یکن داعیة إلی بدعته و لایحتج به إن کان داعیة إلیه ..... و هذا القول هو الأظهر الأعدل و قول الکثیر أو الأکثر من العلماء و ضعف القول الأول باحتجاج صاحبی الصحیحن و غیرهما بکثیر من المبتدعة غیر الدعاة (تدریب الراوی: ۱/۱۷۷، النوع الثالث والعشرون: صفة من تقبل روایتہ)۔

(کہا گیا ہے: مطلقاً اس کی روایت نہیں لی جائے گی، خطیب نے امام مالک کا یہ مسلک بتایا ہے، اس لیے کہ اس سے روایت لینے میں اس کے امر کی اشاعت اور اس کے تذکرے کی شہرت ہوگی اور اس لیے کہ بدعت کی وجہ سے فاسق ہے، اور اگر تاویل کرے تو بھی مردود ہے جیسا کہ فاسق بلا تاویل کے اور کہا گیا ہے: اگر اپنے مذہب کی نصرت یا اپنے اہل مذہب کی نصرت میں کذب کو حلال سمجھتا ہو تو قابل احتجاج نہیں ہے، یہ قول امام شافعی سے منقول ہے، اور کہا گیا ہے: اگر داعی نہیں ہے تو قابل استدلال ہے اور اگر داعی ہے تو قابل احتجاج نہیں ہے یہی قول اظہر اور عدل والا ہے کثیر بلکہ اکثر حضرات کا قول ہے، پہلا قول ضعیف ہے کیوں کہ شیخین وغیرہ نے بہت سے غیر داعیہ کی روایت لی ہے)۔

(ب) فاسق فی العقیدہ کی شہادت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسی طرح امام شافعی کے راجح قول میں معتبر ہے بشرطیکہ اس کا فسق کفر تک نہ پہنچا ہو، لیکن مالکیہ وحنابلہ نے مطلقاً اس کی شہادت کو رد کر دیا ہے، کیونکہ عادل نہیں ہے (الموسوعۃ: ۸/۳۶، بدعۃ)۔

(ج) فاسق فی العقیدہ کی امامت بھی حنفیہ وشافعیہ کے یہاں جائز ہے حدیث میں "**صلوا خلف کل بر و فاجر**" آیا ہے، حضرت ابن عمر خوارج کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، مالکیہ وحنابلہ اگر وہ اپنے فسق اعتقادی کا معلن ہے تو اعادہ مستحب ہے، اگر معلن نہیں ہے تو پھر اعادہ نہیں ہے (المغنی لابن قدامہ: ۲/۱۸۵)۔

(د) فاسق فی العقیدہ کی حکومت وقیادت بھی غیر مناسب ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے باطل کی ترویج ہوگی، بلکہ ناحق

کا تسلط ہوگا، جیسا کہ ایک زمانے میں خلق قرآن کے قائلین سربراہان مملکت ہوئے تو پوری قوم وملت کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا، بڑے بڑے علماء اس فتنہ کے شکار ہوکر جیلوں کی سلاخوں میں ڈال دیے گئے، لیکن اگر ایسا کوئی شخص حاکم ہوگیا تو امر مباح میں اس کی اطاعت واجب وضروری ہے (الاحکام السلطانیہ للماوردی، ص: ۳۳)۔

۵- فاسق فی العقیدہ کے جنازے کی نماز بھی امام احمد کے نزدیک نہیں پڑھی جائے گی، جبکہ دیگر ائمہ کے نزدیک پڑھی جائے گی (الموسوعہ: ۸/ ۳۷، بدعۃ)۔

۶- فاسق کی توبہ:

توبہ کی حقیقت تین امور کا پایا جانا ہے (۱) سابق معصیت پر ندامت ہو (۲) فی الحال اس گناہ کو ترک کردے اور آئندہ اس سے باز رہنے کا عزم کرے (۳) اگر تلافی مافات ممکن ہو تو جتنا ممکن ہو کرے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں: ''لیکن اگر اپنے کیے پر ندامت نہ ہو، یا ندامت ہو، مگر آئندہ کے لیے اس گناہ کو ترک نہ کرے تو یہ توبہ نہیں ہے، گو ہزار مرتبہ زبان سے توبہ توبہ کہا کرے'' (معارف القرآن: ۲/ ۳۴۲، کراچی)۔

ایک حدیث میں ہے: ''**التوبة من الذنب أن يتوب منه ثم لايعود فيه**'' (مسند احمد: ۷/ ۲۹۹)۔ (گناہ سے توبہ یہ ہے کہ دوبارہ نہ کرے)۔

حضرت ذوالنون مصری کا قول ہے: ''**الاستغفار من غير إقلاع هوتوبة الكاذبين**'' (قشیری: رسالہ: ۹۷)، (گناہ سے باز آئے بغیر توبہ کرنا جھوٹے لوگوں کی توبہ ہے)۔

قرآن کریم میں توبہ نصوح کا ذکر آیا ہے اس کی تفسیر حضرت ابن عباس سے اس طرح منقول ہے: ''**الندم بالقلب والاستغفار باللسان، و الإقلاع بالبدن و الإضمار على أن لايعود**'' (القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحاً: ۵۰)۔

(دل میں گناہ پر شرمندگی ہو، زبان سے استغفار کرے، گناہ کو بالکلیہ ترک کرے اور دوبارہ اسے نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرے)۔

اس لیے صرف توبہ کا لفظ کافی نہیں، بلکہ اس پر دلیل وعلامت بھی ضروری ہے، تاکہ عدم عود معلوم ہوسکے بالخصوص دنیوی احکام ومعاملات میں کہ یہاں علامت وظاہر پر ہی مدار ہوا کرتا ہے، چنانچہ تبیین الحقائق میں ہے:

''**و رأى جمهور العلماء من الحنفية و المالكية و الشافعية و الحنابلة فى إحدى الروايتين أنه لايكفى مطلق التوبة ولابد من علامات تؤكد اصلاح العمل، و أن يختبر مدة يغلب على الظن أنه قد**

أصلح عمله و مديرته و أنه صادق فی توبته" (۴/ ۲۴۲، الشہادۃ علی الشہادۃ)۔

(جمہور علماء، حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور ایک روایت حنابلہ کی ہے کہ مطلق توبہ کافی نہیں ہے، ایسی علامت کا ظہور ضروری ہے جس سے اصلاح عمل کا یقین ہوجائے، اور اتنی مدت جانچا جائے کہ جس میں ظن غالب ہو کہ اس نے اپنے عمل کی اور دل کی اصلاح کرلی ہے اور اپنی توبہ میں صادق ہے)۔

"**الفاسق إذا تاب لاتقبل شهادته مالم يمض عليه زمان يظهر عليه أثر التوبة و الصحيح أن ذلک مفوض إلى رأى القاضی**" (ردالمحتار: ۴/ ۴۱۹، کتاب الشہادۃ، باب القبول وعدمہ)۔

(فاسق جب توبہ کرے تو اس کی شہادت مقبول نہیں ہے جب تک اتنا زمانہ نہ گزر جائے کہ اس میں توبہ کا اثر ظاہر ہو، مدت کی بابت قاضی اپنی صواب دیدی پر عمل پیرا ہوگا)۔

اس لیے بلاظہور علامت دنیوی معاملات میں غیر فاسق کا معاملہ نہیں کیا جائے گا۔

۷- داڑھی کے سلسلہ میں علماء کی آراء کا اختلاف فسق کے اطلاق میں مؤثر ہے یا نہیں؟

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ بعد کے ادوار میں داڑھی کے سلسلے میں اہل مغرب سے متأثر ہوکر بعض عرب علماء توسع پسند ہوگئے ہیں اور افسوس کی بات ہے کہ بعض اچھے علماء بھی خواہ مخواہ کی نقالی میں عرب علماء کے مقلد ہوگئے اور داڑھی کی تراش و خراش میں عملی طور پر شریک ہوگئے اور یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ یہ اصلی حکم نہیں، بلکہ عرب کی عادت تھی جس کی وجہ سے اللہ کے نبی نے داڑھی رکھنے کا حکم دیا تھا، یا اتنا رکھنا ضروری ہے جس سے معلوم ہو کہ چہرے پر داڑھی ہے، یہ عجیب وغریب منطق پیش کی جاتی ہے، اللہ کے رسول کی بعثت تو اسلامی ہدایات کی اشاعت کے لیے ہوئی تھی، نہ یہ کہ ایک عادی امر جو اسلامی تعلیمات میں کچھ اہمیت نہ رکھے اس کی ترغیب کے لیے مبعوث ہوئے، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام ائمہ مجتہدین اس بابت متفق ہیں کہ داڑھی رکھنا ضروری ہے، کٹوانا یا مونڈوانا ممنوع ہے، موسوعہ میں ہے:

"**ذهب جمهور الفقهاء: الحنفيه والمالكيه والحنابله و هو قول عند الشافعيه إلى أنه يحرم حلق اللحية، لأنه مناقض للأمر النبوى بإعفائها و توفيرها** ..... **و فی حاشية الدسوقی المالكی: يحرم على الرجل حلق لحيته و يؤدب فاعل ذلک، و قال أبو شامة من الشافعية: قد حدث قوم يحلقون لحاهم وهو أشد ما نقل عن المجوس أنهم كانوا يقصونها** ..... **و الأصح عند الشافعية أن حلق اللحية مكروه**" (الموسوعۃ: ۳۵/ ۲۲۶، لحیۃ)۔

(جمہور فقہاء: حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ اور یہی ایک قول شافعیہ کا ہے کہ داڑھی کا حلق کرانا حرام ہے، اس لیے کہ اللہ کے نبی کا فرمان اس کے بڑھانے کے تعلق سے جو ہے اس کے مناقض ہے، فقہ مالکی کی کتاب ''حاشیۃ الدسوقی'' میں ہے: مرد پر لحیہ کا حلق حرام ہے، اس کے کرنے والے کی تادیب کی جائے گی، ابوشامہ شافعی کہتے ہیں: ایک قوم پیدا ہوئی ہے جو داڑھی حلق کراتی ہے، یہ مجوس کے بارے میں جو کاٹنا منقول ہے اس سے زیادہ سنگین ہے، شافعیہ کے یہاں اصح یہ ہے کہ حلق اللحیۃ مکروہ ہے)۔

المنہل العذب میں ہے: ''**كان حلق اللحية محرماً عند أئمة المسلمين المجتهدين: أبى حنيفة ومالك والشافعي و أحمد**'' (المنہل العذب للسبکی ۱/۱۸۶، کتاب الطہارت، اقوال العلماء فی حلق اللحیۃ، بیروت)۔

(تمام ائمہ: ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد کے نزدیک داڑھی کا حلق حرام ہے)۔

شافعیہ کا ایک قول مکروہ کا ہے، اگر مکروہ تنزیہی ہے تو صغیرہ سے کم نہیں اور اصرار علی الصغیرۃ گناہ کبیرہ بن جاتا ہے، اسی لیے صاحب تحفۃ المحتاج نے اصرار علی الحلق کرنے والے کو مردود الشہادۃ لکھا ہے، چونکہ حلق ہو یا قصر ہو دونوں ہی صورتوں میں اس گناہ پر اصرار ہو ہی جاتا ہے، اس لیے نتیجہ کے اعتبار سے کبیرہ سے کمتر نہیں ہے، اسی بنیاد پر امام نووی نے شرح نووی میں لکھا ہے کہ بالکل بالوں سے مس نہ کیا جائے، چاہے ایک قبضہ سے زائد ہو جائے، اس لیے سبکی، ابن عابدین وغیرہ نے سب کی طرف نسبت کی ہے کہ کسی کے نزدیک مباح نہیں ہے، حلق وقصر کا حکم الگ الگ نہیں ہے، کیونکہ دونوں فرمان مصطفیٰ اعفاء وتوفیر کے خلاف ہے، نیز کترنے میں مجوس کی مشابہت ہے جس کا تقاضا ہے کہ حرام ہی ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ داڑھی رکھنے کا وجوب اور کاٹنے ومونڈھنے کی حرمت مجمع علیہ ہے، ایسے مسئلہ میں تاویل کی گنجائش بھی نہیں رہتی ہے، اس لیے عرب علماء ہوں یا دیگر حضرات ہوں وہ تاویل کریں گے، پھر بھی دنیوی معاملات میں ان کے ساتھ معاملہ ایک عادل کا سا نہیں کیا جائے گا، واللہ اعلم۔

☆☆☆

فسق اور فاسق کی تشریح وتطبیق-عصر حاضر کے تناظر میں

مفتی محمد صابر حسین ندوی☆

فسق وفاسق لغت میں

فاسق جو کہ عربی زبان کا ایک لفظ ہے اور بطور صفت استعمال ہوتا ہے اس کے معنی اصل میں 'نافرمانی' کے آتے ہیں، عربی زبان میں اس کی جمع 'فُسَّاق' اور 'فَوَاسِقُ'، جبکہ مونث کیلئے 'فاسقه' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اور اردو زبان میں اس کی جمع' فاسِقین' اور جمع غیر ندائی' فاسِقون' مستعمل ہے، مشہور لغت 'لسان العرب' میں ہے:''(فسق) الفِسْق العصيان والترک لأَمر الله عز وجل والخروج عن طريق الحق فسَق يَفْسِقُ ويَفْسُقُ فِسْقاً وفُسوقاً وفَسُقَ'' فاسق، نافرمان اور حسن وفلاح کے راستے سے منحرف ہونے والے شخص کو کہتے ہیں، عربی میں کہا جاتا ہے:''فسق فلان عن الجماعة إذ خرج عنها'' (لسان العرب: فسق)۔ (فلاں شخص جماعت کا نافرمان ہوگیا، جب وہ جماعت سے نکل گیا)۔

المعجم الوسیط اور مصباح میں قرآن مجید کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ فسق کے معنی نافرمانی کے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے:''فسجدوا إلا إبليس كان من الجن ففسق عن أمر ربه'' (سورہ کہف:۵۰)، اس کا فاعل 'فاسق' جمع: فسقة، وفساق، وفاسقون، مؤنث: فاسقة؛ جمع: فاسقات، وفواسق' ہے (المعجم الوسیط مادۃ ''فسق''، (الفروق فی اللغۃ لأبی ہلال ص ۲۵۹، ط: دار الکتب العلمیۃ)۔

امام رازی رحمہ اللہ نے امام فراء کے حوالے سے لکھا ہے کہ اصل میں فسق ایک شئی کا کسی شئی سے علی وجہ الفساد نکل جانے کو کہا جاتا ہے، جیسے کھجور اگر خراب ہوجائے تو عربی میں کہتے ہیں:''فَسَقَ الرُّطَبُ: إِذَا خَرَجَ عَنْ قِشْرِه'' (المصباح المنیر: 'ف، س، ق' دیکھئے: الموسوعۃ، انظر تفسیر الرازی ۲/ ۱۴۷)، چوہے کو 'فويسقة' کہا جاتا ہے؛ کیونکہ وہ بھی کئی بار اپنے بل سے یا گھروں سے نکلتا رہتا ہے:''وسميت الفأرة فويسقة لما اعتقد فيها من الخبث والفسق۔ وقيل: لخروجها من بيتها مرة بعد أخرى'' (مفردات: فسق)۔

☆ جامعہ ضیاء العلوم کنڈلور، کرناٹک

اصطلاح میں:

اصطلاح میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو گنہگار ہو، صغیرہ پر اصرار، کبائر کا ارتکاب کرتا ہو، یا واجب کو ترک کرے یا اطاعت الٰہی سے نکل جائے، فسق ایک عام لفظ ہے جو اطاعت سے خروج کیلئے مستعمل ہے، اس اعتبار سے اس میں بڑی وسعت پیدا ہوجاتی ہے، چنانچہ ہر وہ آدمی جو اطاعت خداوندی کو چھوڑ کر گناہ میں مبتلا ہوجائے؛ خواہ وہ کبائر میں سے ہو یا صغائر میں سے اس کو ''فاسق'' کہتے ہیں، علامہ جرجانی نے فاسق کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: ''**الفاسق من شهد ولم يعمل واعتقد**'' (التعریفات للجرجانی ص۲۱۱، ط دار الکتاب العربی)، (فاسق وہ شخص ہے جو جانتا ہو، مانتا ہو؛ لیکن عمل نہ کرتا ہو)۔ علامہ شوکانی کہتے ہیں: ''**هُوَ الْخُرُوجُ عَنِ الطَّاعَةِ وَتَجَاوُزُ الْحَدِّ بِالْمَعْصِيَةِ**'' (فتح القدیر للشوکانی ۵/۳۲۵)، (طاعت کا ترک کردینا اور معصیت میں حد سے تجاوز کرجانا)۔

امام راغب اصفہانی نے لکھا ہے: ''**وهو أعم من الكفر۔ والفسق يقع بالقليل من الذنوب وبالكثير لكن تعورف فيما كان كثيرا وأكثر ما يقال الفاسق لمن التزم حكم الشرع وأقر به ثم أخل بجميع أحكامه أو ببعضه**'' (مفردات القرآن: فسق)۔ ((فسق) یہ کفر سے زیادہ عموم رکھتا ہے، یہ گناہ صغیرہ اور کبیرہ دونوں کیلئے مستعمل ہے؛ لیکن عام طور سے (فاسق اس کو سمجھا جاتا ہے) جو کل یا اکثر احکام شرعیہ کا علم رکھتا، مگر عمل میں کل یا بعض میں کوتاہی کرتا ہے)۔ فسق کو جب کفر کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد کافر اور اس کی نامعقول حرکت ہوتی ہے، اس نے فطرت وعقل سے بغاوت کرتے ہوئے وحدانیت کا انکار کیا ہے، امام راغب لکھتے ہیں:

''**وإذا قيل للكافر الأصلي: فاسق فلأنه أخل بحكم ما ألزمه العقل واقتضته الفطرة قال الله تعالى: (ففسق عن أمر ربه) (ففسقوا فيها) (وأكثرهم الفاسقون) (وأولئك هم الفاسقون) (أفمن كان مؤمنا كما كان فاسقا) (ومن كفر بعد ذلك فأولئك هم الفاسقون) أى : من يستر نعمة الله فقد خرج عن طاعته (وأما الذين فسقوا فمأواهم النار) (والذين كذبوا بآياتنا يمسهم العذاب بما كانوا يفسقون) (والله لا يهدى القوم الفاسقين) (إن المنافقين هم الفاسقون) (وكذلك حقت كلمة ربك على الذين فسقوا) (أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا) فقابل به الإيمان .فالفاسق أعم من الكافر والظالم أعم من الفاسق۔ (والذين يرمون المحصنات) إلى قوله: (وأولئك هم الفاسقون)**'' (مفردات: فسق، وانظر: الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۳۲/۱۴۰)۔

فسق کی ضد ''عدالت''

فسق کی ضد عدالت ہے، لغت میں جس کے معنیٰ توسط، اعتدال اور استقامت کے ہوتے ہیں، اس سے مراد ہر وہ کام ہوتا ہے جو ظاہری طور پر انسان کی مروت کو ٹھیس پہنچاتی، ہو تو وہ اس سے بچتا ہو، اصطلاحی تعریف یوں کی جاتی ہے: ''اجْتِنَابُ الْكَبَائِرِ وَاجْتِنَابُ الإِصْرَارِ عَلَى الصَّغَائِرِ'' (کبائر سے بچنا اور صغائر پر اصرار نہ کرنا)۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے: ''اجْتِنَابُ الْكَبَائِرِ وَأَدَاءُ الْفَرَائِضِ، وَأَنْ تَغْلِبَ حَسَنَاتُهُ سَيِّئَاتِهِ'' ''کبائر سے بچنا اور فرائض ادا کرنا، اس طور پر کہ اس کے سیئات حسنات پر غالب آجائیں)، اس قول کو علامہ کاسانی نے لکھنے کے بعد یہ بھی درج کیا ہے کہ اسے ان کے استاذ امام فخر الدین علی بزدوی نے اختیار کیا ہے، علامی بہوتی نے لکھا ہے: ''الْعَدَالَةُ هِيَ اسْتِوَاءُ أَحْوَالِ الشَّخْصِ فِي دِينِهِ ، وَاعْتِدَالُ أَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ''، (عدالت سے مراد انسان کا دینی اعتبار سے قول وفعل میں ہم آہنگی پیدا ہوجانا) (بدائع الصنائع ۲۶۸/۶، ومغنی المحتاج ۴۲۷/۴، وکشاف القناع ۴۱۸/۶)۔

علامہ کاسانی نے بدائع میں نقل کیا ہے کہ ہر وہ شخص عادل ہے جو حلال کمائی اور پاکدامنی کا اہتمام کرتا ہو، اس لئے زیادہ تر فساد اور بگاڑ انہیں دونوں ذرائع سے پیدا ہوتے ہیں: ''مَنْ لَمْ يُطْعَنْ عَلَيْهِ فِي بَطْنٍ وَلا فَرْجٍ فَهُوَ عَدْلٌ، لأَنَّ أَكْثَرَ أَنْوَاعِ الْفَسَادِ وَالشَّرِّ يَرْجِعُ إِلَى هَذَيْنِ الْعُضْوَيْنِ''، بعض اسے عادل سمجھتے ہیں جو دین پر جرأت نہ کرتا ہو: ''مَنْ لَمْ يُعْرَفْ عَلَيْهِ جَرِيمَةٌ فِي دِينِهِ فَهُوَ عَدْلٌ''، بعضوں کا ماننا ہے کہ جس کے حسنات سیئات پر غالب ہوں وہ عادل ہے: ''مَنْ غَلَبَتْ حَسَنَاتُهُ سَيِّئَاتِهِ فَهُوَ عَدْل''، دراصل عادل، عدالت کی تعریف میں بہت زیادہ اختلاف ہے، چنانچہ علامہ کاسانی نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

ان تعریفات میں مناسب تعریف آخر الذکر معلوم ہوتی ہے، جو جامع ومانع ہے، خود کاسانی کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ اس تعریف کی تائید میں انہوں نے بعض روایتیں بھی نقل کی ہیں: ''وَقَدْ رُوِيَ عَنْ النَّبِيِّ عليه الصلاة والسلام أَنَّهُ قَالَ }إِذَا رَأَيْتُمْ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الصَّلاةَ فِي الْمَسَاجِدِ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالإِيمَانِ (وَرُوِيَ) مَنْ صَلَّى إِلَى قِبْلَتِنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَاشْهَدُوا لَهُ بِالإِيمَانِ'' (بدائع الصنائع ۲۶۶/۶، ط المکتبۃ العلمیۃ، بیروت)۔

قرآن مجید کی آیت

فسق کے باب میں قرآن مجید کی ایک جامع آیت کا ذکر ناگزیر ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ''يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ'' (حجرات:۶)

(اے مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی غیر معتبر شخص کوئی خبر لائے تو اس کی خوب تحقیق کرلیا کرو (کہیں ایسا نہ ہو) کہ تم کسی گروہ کو ناواقفیت میں نقصان پہنچادو، پھر تم کو اپنی حرکت پر پچھتانا پڑے)، مغنی المحتاج میں ہے: ''إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا''۔ ''ذُو مُرُوئَةٍ بِالْهَمْزِ بِوَزْنِ سُهُولَةٍ، وَهِيَ الاسْتِقَامَةُ، لأَنَّ مَنْ لا مُرُوئَةَ لَهُ لا حَيَاءَ لَهُ، وَمَنْ لا حَيَاءَ لَهُ قَالَ مَا شَاءَ لِقَوْلِهِ صلى الله عليه وسلم إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ'' (مغنی المحتاج شرح منہاج الطالبین ۴/ ۴۲۷، دار الفکر)۔

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عُقبہ بن اَبی مُعیط کے بیٹے ولید کو زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے قبیلۂ بنی مصطلق میں بھیجا، قبیلہ کے لوگ ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھے، انہیں خوف ہوا کہ شاید وہ ان کے قتل کے ارادہ سے آرہے ہیں؛ چنانچہ یہ واپس آگئے اور حضور کو اطلاع دی کہ بنو مصطلق تو میرے قتل پر آمادہ تھے اور انھوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ان پر فوج کشی کا ارادہ فرمالیا، اتنے میں ان کا وفد آپہنچا، وفد نے عرض کیا: ہم نے آپ ﷺ کے قاصد کے بارے میں سنا، ان کے اعزاز واکرام کے لئے باہر نکلے اور اس لئے بھی کہ ہم نے جو زکوٰۃ دینا قبول کیا ہے، وہ ان کے حوالہ کردیں، مگر وہ واپس لوٹ آئے اور ہمیں معلوم ہوا کہ انھوں نے سمجھا کہ ہم ان سے لڑائی کے لئے نکل رہے تھے؛ حالاں کہ ہمارا یہ مقصد نہیں تھا، اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ کی تحقیق بھی کرائی (تفسیر قرطبی: ۱۶/ ۳۱۱)۔

اس سے سماجی زندگی کا ایک اہم حکم معلوم ہوا کہ کسی بات پر بلا تحقیق یقین نہ کرلینا چاہئے کہ بعض اوقات یہ جلد بازی انسان کو باہمی جنگ وجدال تک پہنچادیتی ہے، آیت میں چند باتیں قابل توجہ ہیں، اول یہ کہ ایک شخص کی خبر اس وقت قبول کی جائے گی، جب وہ دین دار اور معتبر ہو اور شریعت کی اصطلاح میں وہ عادل ہو، فاسق شخص کی خبر قبول نہیں کی جائے گی اور جب خبر کے لئے یہ حکم ہے تو گواہی کے لئے بھی یہی حکم ہوگا کہ فاسق شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور اگر قاضی فاسق گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کر بھی دے تو وہ گنہگار ہوگا (احکام القرآن للجصاص: ۳/ ۳۵۸)، اسی سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جس شخص کا نہ عادل ہونا معلوم ہو، نہ فاسق ہونا، تو اس کی خبر وگواہی قبول کی جائے گی، یہی حنفیہ کا نقطۂ نظر ہے (حوالۂ سابق)، دوسرے: ولید بن عُقبہ صحابی تھے اور ان کو اس آیت میں فاسق کہا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ سے بھی گناہ اور فسق کا ارتکاب ہوسکتا ہے؛ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مختلف گناہوں پر شرعی سزائیں جاری ہوئیں؛ البتہ صحابہ اس گناہ پر قائم نہ رہتے تھے؛ بلکہ اس سے توبہ کرلیتے تھے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رضا اور خوشنودی کا مقام عطا فرمایا تھا، ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' (دیکھئے: آسان تفسیر قرآن مجید)۔

فاسق کی حقیقی تعیین

عام لفظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ غیر عادل شخص کو بھی فاسق کہا جاتا ہے یا پھر یوں کہا جائے کہ ''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے اور حدودِ شرعی کو توڑنے والا بھی فاسق کہلاتا ہے''، مگر عدل اور فاسق دونوں کی تعریفات میں اس قدر اضطراب ہے کہ اسے دور کرنا اور کسی ایک کی نشاندہی کرنا مشکل ہے، شارع علیہ السلام نے دراصل کوئی ایک حتمی تعریف نہیں بتائی، خود فسق کا لفظ اتنا عام ہے کہ اس میں کفر سے لے کر صغائر تک شامل ہوجاتے ہیں، مگر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی دو طرح کی ہے: ایک کلی اور دوسری جزوی، کلی اور واضح نافرمانی کفر ہے جس میں کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کو درست جانتا ہے، جبکہ جزوی نافرمانی فسق ہے جس میں ایک شخص دین الٰہی اور شریعتِ محمدی کی تصدیق بھی کرتا ہے، مگر خواہشات نفس میں پڑ کر شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی بھی کر دیتا ہے، مگر اس کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ حکم عدولی غلط اور ناجائز ہے، ایسا کرنے والے کو فاسق کہتے ہیں۔

''قواعد الفقہ'' میں ہے: ''**الفسق: فی اللغة عدم إطاعة أمر الله وفی الشرع ارتكاب المسلم كبيرة قصدا أو صغيرة مع الإصرار عليها بلا تأويل**'' (قواعد الفقہ: ۱/ ۴۱۲) قرآنِ مجید نے بسا اوقات کفر کو بھی فسق کہا اور کئی مقامات پر کفر کو فسق سے الگ نافرمانی کے معنیٰ میں بھی بیان فرمایا، جیسے سورہ حجرات میں ارشاد فرمایا: ''**وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيْكُمُ الْإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ**'' (حجرات: ۴۹) (لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت عطا فرمائی اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ فرما دیا اور کفر اور نافرمانی اور گناہ سے تمہیں متنفر کر دیا)۔

کفر پر فسق کا اطلاق کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''**وَأَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّذِي كُنتُم بِهِ تُكَذِّبُونَ**'' (سجدہ: ۲۰) (اور جو لوگ نافرمان ہوئے سو ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، وہ جب بھی اس سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے تو اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اِس آتشِ دوزخ کا عذاب چکھتے رہو جسے تم جھٹلایا کرتے تھے)۔

عصر حاضر میں بھی اس کی جامع تعریف کرتے ہوئے یہ کہنا زیادہ مناسب لگتا ہے: ''**مَنْ غَلَبَتْ حَسَنَاتُهُ سَيِّئَاتِهِ فَهُوَ عَدْل**'' (جس کے حسنات سیئات پر غالب ہوں وہ عادل ہے) (بدائع الصنائع ۶/ ۲۶۸، ط المکتبۃ العلمیۃ، بیروت)، پھر گناہوں کی تقسیم کے اعتبار سے دو قسمیں کی جاسکتی ہیں:

پہلی قسم:

ایک وہ جو کافر ہو یا جو مؤمن ہو کفریہ عمل کا مرتکب ہو، یعنی وہ عمل جس کی تاویل مشکل ہو جاتی ہو اور اس پر جہنم کی سخت ترین وعید سنائی گئی ہو۔

دوسری قسم:

ایک وہ عمل معصیت جو مؤمن ہو کر بھی انجام دے؛ لیکن وہ اسے برا جانتا ہو، اس کے دل میں اس کی عظمت نہ ہو، جس کا پتہ اس طرح بھی چل سکتا ہے کہ وہ اس پر بضد نہ ہو۔

اس میں پہلی قسم پر فسق کا عمومی اطلاق کیا جا سکتا ہے، مگر دوسری قسم پر فسق کا اطلاق مسلم معاشرہ میں تذبذب اور اضطراب کا باعث ہے، حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ من وجہ عام یہ تمام شکلیں اس میں شامل ہیں، مگر دور حاضر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دوسری قسم کے لئے فسق کا استعمال نہ ہو، یہ کاسانی کی اس تعریف سے بھی مماثل ہے جس میں فاسق اس کو کہا گیا ہے جس کے عمل کا اکثر حصہ گناہ ہو؛ لیکن اگر حسنات سیئات پر غالب آجائیں تو فاسق نہیں، دوسری قسم والا شخص ممکن ہے کہ انہیں میں سے ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو فسق اور عدالت کے مابین تضاد کو بیان کرنے والی سب سے موٹی لکیر یہی ہو سکتی ہے، ایک شخص جس کے اعمال کا زیادہ حصہ نیکیوں پر مبنی ہے وہ فاسق نہیں ہو سکتا اور ایک شخص جس کے اعمال کا زیادہ تر حصہ بدی پر مبنی ہے وہ عادل نہیں بن سکتا، اگر ہم اسی فرق کو واضح طور پر برتیں اور دونوں کے درمیان اس کو خط احمر سمجھیں تو آج بھی یہ مسئلہ حل ہو جائے گا، جو لوگ لفظ 'فاسق' کو بے دریغ استعمال کرتے ہیں یا جن کے نزدیک 'عدالت' کا ثبوت دشوار ترین امر ہوتا ہے ان میں اس پیمانے سے اطمینان پیدا ہو جائے گا۔

بالخصوص دور حاضر میں جہاں فسق اور عدالت دونوں کی تشریح زیادہ تر مَن مانی کی جاتی ہے، ان میں یہ ایک معیار قرار پا جائے تو بہتر ہے؛ البتہ یہ اختلاف پھر بھی رہے گا کہ سیئات کا حسنات پر غلبہ کا کیا معنی ہے؟ تو اس کا آسان اور سادہ حل یہ ہے کہ جو کبائر (اصطلاحی اعتبار سے) سے بچتا ہو اور صغائر (جس پر بضد بھی نہ ہو) پر نادم ہو، یہ تعریف بھی عدالت کے ذیل میں علامہ کاسانی نے "**بعضهم يقول**" کہہ کر نقل کی ہے، مگر آج اس کا استعمال بہت سے مفاسد کو دور کر سکتا ہے، واللہ اعلم

فسق کی تفہیم عرف پر مبنی ہے:

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ نے "قاموس الفقہ فسق" میں فسق کی تعیین کے سلسلہ

میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ ایک عام بات ہے کہ جو عادل نہیں ہوگا فاسق کہلائے گا، مگر اس کی تعیین کیسے کی جائے گی؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے، علامہ ابن رشد نے لکھا ہے: ''وَسَبَبُ اخْتِلافِهِمْ فِي هَذَا أَنَّهُ شَيْءٌ مَسْكُوتٌ عَنْهُ فِي الشَّرْعِ ، وَالْقِيَاسُ فِيهِ مُتَعَارِض'' (بدایۃ المجتہد: ۱/۱۱۵)، چنانچہ فسق کا مصداق متعین کرنے میں احوالِ زمانہ کو بڑا دخل ہے، مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے جھوٹ بولنے سے اطمینان نہ ہو، اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اور جس آدمی کے بارے میں توقع ہو کہ وہ زیر تحقیق معاملے میں جھوٹ نہ بولے گا، گواہی اور قضاء وغیرہ کے معاملہ میں اسے عادل سمجھا جائے گا۔

کاسانی ہی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک آدھ بار دروغ گوئی میں مبتلا ہوا اور پھر توبہ کر لی تو شہادت قبول کی جائے گی، کیونکہ اگر ایسوں کی گواہی قبول نہ کی جائے تو گواہی کا دروازہ ہی بند ہو جائے: ''لأنه قل ما يخلو مسلم عن ذالک فلو منع القبول لانسد باب الشهادة'' (اصول الفقہ للزحیلی ۱/۱۰۷، نظریۃ الحکم ومصادر التشریع فی أصول الفقہ للدکتور احمد الحصری ۶/۲۶۹)، چنانچہ امام ابو یوسف نے ایسے شخص کی گواہی کو بھی قابل قبول قرار دیا ہے، جو لوگوں میں صاحب وجاہت ہو اور خیال کیا جاتا ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا (ہندیہ: ۳/۴۶۶)، لیکن جو شخص لوگوں میں دروغ گو کی حیثیت سے معروف ہو، (جیسا کہ آج کل بعض کرایہ کے گواہ دستیاب ہوتے ہیں) اور وہ جھوٹ سے تائب ہو جائیں تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور جھوٹ ہی پر موقوف نہیں جو بھی سبب فسق ہو، اگر اس سے توبہ کر لے تو توبہ قبول ہوگی (بدائع الصنائع: ۶/۲۶۹)، پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظاہری عدالت گواہی کے قبول کرنے کے لئے کافی ہے، سوائے اس کے کہ فریق مخالف گواہ پر جرح کرتا ہو تو اب اس گواہ کے بارے میں خفیہ طریقہ پر تحقیق وتفتیش ضروری ہوگی، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک محض ظاہری عدالت کی بناء پر گواہی قبول نہیں کی جاسکتی (بدائع الصنائع: ۶/۲۷۰، دیکھئے قاموس الفقہ: 'فسق')۔

فسق کی قسمیں:

فسق کی بہت سی قسمیں ہوسکتی ہیں، شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کا ماننا ہے کہ یہ فسق کی تعبیر کبھی فرائض کو چھوڑنے تو کبھی محرمات کو کرنے میں ہوسکتا ہے: ''إِنَّ الْفِسْقَ تَارَةً يَكُونُ بِتَرْكِ الْفَرَائِضِ ، وَتَارَةً بِفِعْلِ الْمُحَرَّمَاتِ'' (مجموعۃ الفتاوی ۷/۶۳)، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے بعض ائمہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ''دل کا گناہ کبیرہ جوارح کے کبائر سے بڑا ہوتا ہے، اس لئے کہ یہ سب فسق کے موجبات ہیں'': كَبَائِرُ الْقُلُوبِ أَعْظَمُ مِنْ كَبَائِرِ الْجَوَارِحِ، لأَنَّهَا كُلُّهَا تُوجِبُ الْفِسْقَ'' (الزواجر ۱/۲۱)، علامہ شوکانی عظیم مفسر امام قرطبی سے نقل کرتے ہیں کہ فسق اصول شرع میں اللہ کی اطاعت سے نکل جانے اور کفر یہ عمل کر لینا یا کوئی گناہ کر لینے پر منطق کیا جاتا ہے: ''وَالْفِسْقُ فِي عُرْفِ الاسْتِعْمَالِ الشَّرْعِيِّ: الْخُرُوجُ عَنْ طَاعَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَقَدْ يَقَعُ عَلَى مَنْ خَرَجَ بِكُفْرٍ، وَعَلَى مَنْ خَرَجَ بِعِصْيَانٍ'' (تفسیر فتح القدیر: ۱/۵۷،۵۶)،

اس سلسلہ میں ایک روایت بھی بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ'' (بخاری مع الفتح: ۱۰/ ۴۶۴، مسلم: ۱/ ۸۱) (مؤمن کو برا بھلا کہنا فسق ہے اور اس سے جنگ کرنا کفر ہے)۔

فقہی کتابوں میں

اہل علم کی ان بحثوں اور تحلیل وتجزیہ کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے اپنی کتابوں میں فسق کی متعدد قسمیں بیان کی ہیں، جیسے:

فسق عملی

وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں؛ لیکن عملی اعتبار سے کمزور ہیں، ان کے کچھ حسنات ہیں تو کچھ سیئات، جنہیں قیامت کے دن حساب وکتاب سے گزار بھی جائے گا تو انہیں دائمی طور پر جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا، اس میں وہ لوگ شامل ہوں گے جو کافر ہیں، ملحد، دہریہ اور کمیونسٹ ہیں، اللہ تعالی کی تخلیق، رسول ﷺ اور آسمانی کتابوں کا علی الاعلان انکار کرتے ہیں، مگر جو لوگ اپنے انکار کو ظاہر نہیں کرتے اور ان میں کسی بھی طرح مسلمان ہونے کوئی علامت پائی جاتی ہو تو انہیں اس میں شامل نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ ہم ظاہر کے پابند ہیں، باطن کے نہیں (مجموعۃ الفتاوی ۷/ ۶۷۰، ۶۷۹)۔

فسق مؤول

ایک شخص مؤمن ہونے کے باجود شراب پیتا ہے اور وہ اس کی تاویل کرتا ہے، مثلاً وہ نبیذ ہو تو اس کا عذر قبول کیا جائے گا، اگر اس کی تاویل کسی قطعی محرم پر ہو تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا، اگر وہ تاویل نہ بھی کرتا ہو تب بھی اس کی نافرمانی کا عذر قابل قبول نہ ہوگا (بدایۃ المجتہد ۱/ ۴۷۱ ط المکتبات الأزہریۃ)، اس میں دور حاضر کے وہ تمام لوگ شامل ہوں گے جو اگرچہ ایمان رکھتے ہیں، اللہ، رسول ﷺ کو مانتے ہیں؛ یعنی لوازمات ایمان سے ان کا تعلق ہے، خواہ وہ انہیں جانتے نہ ہوں اور نہ انکار کرتے ہوں، مگر وہ عملی کوتاہیوں سے دور چار ہیں۔

اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں، مثلاً شراب پیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ریڈ بل ہے، یہ نشہ آور نہیں ہے، جوا کھیلتے ہیں اور اس کو کسی مشترکہ کھیل کا حصہ جانتے ہیں، بینک کا سود کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلامی سود میں سے نہیں وغیرہ، وغیرہ تو انہیں ان میں شامل نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ وہ اپنے عمل کو کہیں نہ کہیں نامناسب جانتے ہیں، اگر ان سے پوچھا جائے اور اسلامی نقطہ نظر سے بات کی جائے تو دور حاضر کی بندشیوں پر ساری باتیں ڈال دیتے ہیں اور ان کی تاویلات کرتے ہیں،

اسے مؤول کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آج زیادہ تر مسلمانوں کی یہی صورت حال ہے، حالانکہ مؤول تب ہوتا جب انہیں اس کے متعلق معلومات ہوتی اور وہ اس کی تاویل پیش کرتے؛ لیکن ان کا جاننا بھی تاویل کے زمرے مین آئے گا، واللہ اعلم۔

جری فاسق

وہ شخص جو علی الاعلان زنا کرتا ہو، شراب پیتا ہو وغیرہ (الفواکہ الدوانی شرح باکورۃ السعد ۱/۲۴۱ ط مصطفیٰ الحلبی)، ناجائز رشتوں میں بندھا ہوا ہے، کورٹ میرج پر جس نے اکتفا کر لی ہے، جس میں ایجاب وقبول کی شرطیں نہیں پائی جاتیں، لیوان ریلیشن شپ میں رہتا ہے، کھلے عام (غیر مؤول) شراب پیتا ہے، نماز چھوڑتا ہے، ایک مقتدا و پیشوا شخص جماعت ترک کرنے پر جرات دکھاتا ہے، مثلاً گھر کے پاس مسجد ہے؛ لیکن گھر میں ہی نماز پڑھتا ہے، لوگوں کو تشویش میں ڈالتا ہے، عین قیام جماعت پر وہ خود کو جان بوجھ کر مصروف کر لیتا ہے، مثلاً کوئی کام ہے جو تسلسل کے ساتھ ٹھیک جماعت کے وقت ہی کئے جاتا ہے، اسی طرح سود پر رقم دیتا ہے، شراب نوشی کو بڑھاوا دیتا ہے، زنا اور فحش کاری کی کسی طرح بھی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

فسق عقائد

بعض جو عقائد کے اعتبار سے فسق میں مبتلا ہوتے ہیں، جیسے قدریہ، جبریہ وغیرہ (شرح میارۃ الکبیر علی ابن عاشر ۲/۴۰-۴۵)، دور حاضر میں وہ لوگ شامل ہوں گے جو اہل سنت والجماعت میں سے نہیں، مگر وہ کفر کی حد تک نہیں پہنچتے اور اپنی فکر واجتہاد کی بنیاد قرآن واحادیث پر رکھتے ہیں، انہیں ہرگز کافر نہیں سمجھا جائے گا اور حتی المقدور ہم آہنگی ومعاشرتی یک جہتی کی کوشش کی جائے گی؛ بلکہ جو لوگ کافر، کافر کا کھیل کھیلیں ان پر بندش لگائی جائے گی، امام عبدالوہاب شعرانی اپنی معروف کتاب 'الیواقیت والجواھر' میں فرق ضالہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**لا یکفر أحد من المذاهب الإسلامیه، لأن رسول الله ﷺ قال: من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا، وأکل ذبیحتنا فله مالنا وعلیه ماعلینا**" (الیواقیت الجواہر: ۲/۱۲۵، مبحث: ۵۸) (کسی بھی اسلامی مسلک کی تکفیر نہیں کی جاسکتی؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: 'جو ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، ہمارے ذبیحہ کو کھائے تو اس کے وہ حقوق ہوں گے جو ہمارے ہیں اور اس پر وہ فرائض عائد ہوں گے جو ہم پر عائد ہیں)۔

اس سلسلہ میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ صحابہ کرام کے اخیر دور میں ہی ان مختلف فرقوں کا ظہور ہو چکا تھا، جن کو راہ حق سے منحرف سمجھا گیا؛ لیکن صحابہ نے ان کو کافر کہنے میں یا ان پر کفر کا حکم لگانے میں احتیاط سے کام لیا، سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہ کے عہد میں خوارج کا ظہور ہوا، یہ اس عہد کے صحابہ کے ان دونوں گروہوں کی تکفیر کرتے تھے جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے،

یاان کے مخالف تھے؛لیکن حضرت علیؓ نے ان پر کفر کا حکم لگانے میں احتیاط برتی، البتہ فرمایا کہ اگر وہ فساد مچائیں گے تو ہم ان سے جہاد کریں گے، پھر آپ رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد فرمایا اور جہاد میں فتح یاب بھی ہوئے؛لیکن مفتوحین اور ان کے اموال کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے، یعنی آپ نے ان کی خواتین کو باندی اور ان کے مال کو مال غنیمت کا درجہ نہیں دیا۔

بعد کے فقہاء کے یہاں بھی اس کی مثال ملتی ہیں، اہل سنت والجماعت، معتزلہ اور مرجیہ کے درمیان بڑی کشمکش رہی، اس کشمکش نے بعض اوقات ارباب اقتدار کو بھی متاثر کیا اور حکومت کے سہارے فریق مخالف کو تکلیف پہنچانے کی کوششیں بھی کی گئیں؛لیکن معتزلہ اور مرجیہ کو صریحاً کافر کہنے سے احتیاط برتی گئی، اسی طرح خود اہل سنت میں اشاعرہ، ماتریدیہ اور حنابلہ کے درمیان سخت اعتقادی اختلافات رہے اور اس کا اثر رجال سے متعلق محدثین کی آراء پر بھی پڑا؛لیکن ایک دوسرے کی تکفیر سے ہر ایک نے اجتناب کیا، اسی طرح اہل تشیع کے بارے میں فقہاء متقدمین کا عام نقطہ نظر یہی رہا کہ جو لوگ تحریف قرآن کے قائل نہیں ہیں ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی نے معتزلہ، نجاریہ، روافض اور مشبہہ وغیرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ سب مسلمان ہیں، ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، اس سلسلہ میں انھوں نے شیخ ابوطاہر قزوینی کے حوالہ سے کہا ہے: ''**هم من أهل الإجابة بلا شک ، فمن سماهم کفرة فقد ظلم وتعدی**'' (الیواقیت الجواہرۃ: ۲/ ۱۲۵، مبحث: ۵۸) (ان لوگوں کا شمار اہل الاجابہ (ماننے والوں) میں ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر کوئی ان لوگوں کو کافر کہتا ہے تو وہ زیادتی کرتا ہے) (دیکھئے: علماء اور خواص امت، مقام اور ذمہ داریاں: ۲۳)۔

فاسق قاضی

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قاضی ہونے کیلئے عادل ہونا ضروری نہیں، لہٰذا ایسا قاضی اگر کوئی فیصلہ کردے تو نافذ ہوگا، گو ایسے شخص کو قاضی مقرر کرنا درست نہیں (بدائع الصنائع: ۳/ ۷)، اسی طرح کی رائے مالکیہ کی بھی ہے (بدایۃ المجتہد: ۲/ ۴۶)، اور یہی رائے بعض حنابلہ سے بھی منقول ہے (المغنی: ۱۰/ ۹۳)، فقہاء شوافع اور عام حنابلہ کے نزدیک فاسق قاضی نہیں بن سکتا (شرح مہذب: ۶/ ۱۲۶، المغنی: ۱۰/ ۹۲)۔

ہندوستان میں نظام قضاء کے تعلق سے یہ کام کی بات ہے؛ ورنہ آپ دیکھئے کہ اگر فسق کا اطلاق اتنا عام کردیا جاتا تو پھر کما حقہ قاضی ملنا دشوار ترین ہوتا جاتا، لوگوں کے معاشرتی مسائل میں الجھن ہوتی، قانونی پیچیدگیاں اپنی جگہ پر؛لیکن اخلاقی زوال اور معاشرتی بگاڑ کا سیلاب امنڈ آتا؛ البتہ اتنا ضرور ہے کہ قاضی اسے بنایا جائے جس کے تعلق سے عوام الناس

میں اطمینان ہو، عمومی طور پر لوگوں کی رضامندی حاصل ہو، فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر والی کفار ہوں، تب بھی مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قضاء کا نظام بحال رکھیں۔

مگر ساتھ ہی یہ بھی فقہاء نے لکھا ہے کہ ایسی صورت میں اگر مسلماں باہم متحدہ طور پر کسی کو بتراضی قاضی مان لیں تو وہ قاضی ہوگا، ''کتاب السیر'' میں ہے: ''**وأما البلاد التی علیها ولاة کفار فیجوز فیها أیضاً إقامة الجمع والأعیاد والقاضی قاض بتراضی المسلمین ویجب علیهم طلب وال مسلم**'' (کتاب السیر: الفصل فی الحظر والاباحۃ ۶/۳۱۱)، یہ بات اکثر و بیشتر فقہاء نے لکھی ہے، علامہ طحطاوی (حاشیۃ الطحطاوی، الدر المختار، باب الجمعۃ: ۱/۳۳۹)، علامہ ابن نجیم مصری (البحر الرائق: ۳/۲۹۸)، علامہ شامی (رد المحتار: کتاب القضاء ۴/۳۰۸)، اور پھر علامہ کاسانی نے تفصیلی تحریر اس مسئلہ پر لکھی ہے (ملاحظہ ہو: بدائع الصنائع، فصل وأما بیان ما یخرج بہ القاضی عن القضاۃ ۷/۱۶)۔

فاسق گواہ

''**شهادة**'' عربی لفظ ''**شهد**'' سے ماخوذ ہے، جس کے معنی حاضر ہو کر کسی شئی کے بارے میں جاننا ہے (ابن فارس، احمد، معجم مقاییس اللغۃ: ۳/۲۱۲)۔ اسی لئے بعض اہل لغت نے شاہد کے معنی حاضر ہونا یا حضور بیان لکھا ہے (جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ: ۲/۴۹۴)، اردو زبان میں لفظ شاہد کے معنی گواہ یا گواہی دینے کے آتے ہیں، شاہد کی جمع شہود آتی ہے، اسی سے کلمہ شہادت استعمال ہوتا ہے جس کا معنی یقینی خبر اور گواہی کے ہیں (زبید، محمد مرتضی، تاج العروس ۵/۴۵)، علم فقہ میں گواہ کو شاہد کہتے ہیں، گواہ کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی جرم ثابت کرنا پڑے یا چوری یا قتل یا اسی کی مانند ایسے افعال جن کو ثابت کرنے کیلئے شریعت نے گواہ ضروری قرار دئے ہیں، نیز گواہ کی گواہی اس وقت قبول ہوتی ہے جب اس نے موقع پر حاضر ہو کر واقعہ کا مشاہدہ کیا ہو (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: شہادۃ)۔

شرع اسلامی میں گواہی ایک عبادت ہے، چنانچہ اس کے لئے کچھ شرطیں ہیں، فقہاء کا اتفاق ہے کہ فاسق کی گواہی قابل قبول نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی کا بھی ارشاد ہے: ''**أَشْهِدُوا ذَوَیْ عَدْلٍ مِنْكُمْ**'' (طلاق: ۲)، اسی طرح فرمایا گیا: ''**یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوا**'' (حجرات: ۶، دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۲/۲۶۲، المغنی ۱۰/۱۰۸)، البتہ فقہاء حنفیہ نے گواہی کا تحمل، یعنی گواہ بننے اور اداء شہادت، یعنی قاضی کے سامنے گواہی پیش کرنے میں فرق کیا ہے کہ تحمل شہادت کے لئے فسق مانع نہیں ہے اور اداء شہادت کے لئے فسق مانع ہے (بدائع الصنائع ۶/۲۶۶، الفتاوی الخانیۃ ۲/۴۶۰)۔

مذکورہ دونوں آیتوں میں غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اللہ عزوجل نے نہ تو فاسق کی تعیین کی ہے اور نہ ہی عادل کی کوئی تشریح کی ہے، یہ غالباً اسی وجہ سے ہے کہ ہر زمانہ وعرف کے لحاظ اس کی تشریح وتعبیر کی جائے، چنانچہ ایک زمانے میں امام

ابوحنیفہ، محمد، امام شافعی کے نزدیک فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی تھی، امام شافعی کے نزدیک تو اگر قاضی گواہی مان بھی لے تب بھی اس کا حکم نافذ نہیں ہوگا، البتہ امام ابوحنیفہ حکم نافذ مانتے تھے، مگر جب اخلاقی زوال آیا تو شوافع بھی اسے قبول کرنے لگے؛ بلکہ جب امام ابو یوسف قاضی القضاۃ ہوئے اور انہیں معاملات میں دشواری لاحق ہوئی تو فاسق کی مطلق گواہی قبول کرنے لگے اور اب یہی جمہور کا مسئلہ ہے۔

اسی طرح گواہ کے عادل ہونے کے لئے امام ابوحنیفہ اس سے استفسار کو کافی سمجھتے تھے؛ یعنی اگر وہ خود کو عادل بتلائے تو کافی تھا، مگر صاحبین تفحص کرواتے تھے، پھر بعد میں صرف قسم لینے پر اکتفا کیا جانے لگا، یہی دور حاضر میں رائج ہے، اس سلسلہ میں اصل تو قاضی کا اطمینان حاصل کر لینا ہے، اگر قاضی کو اطمینان ہو تو خصوصاً معاملات میں وسعت دی جائے گی؛ ورنہ کوئی گواہ نہیں ملے گا (دیکھئے: جدید فقہی مسائل، ص:۱/۴۹)۔

رؤیت ہلال کی شہادت

عمومی معاملات میں تو بڑی وسعت سے کام لیا جاسکتا ہے؛ لیکن عبادات کے قبیل سے اگر کوئی چیز ہے تو اس میں گواہ کے تعلق سے احتیاط کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں ایک بحث رؤیت ہلال کی شہادت ہے، ہم یہاں کچھ ضروری بحثیں نقل کئے دیتے ہیں؛ تاکہ مسئلہ واضح ہوجائے، مطلع صاف ہونے پر چاند دیکھنے اور اسے ماننے کے لئے تین طریقے ہوتے ہیں، بالفاظ دیگر چاند کا ثبوت تین طریقوں سے ہوتا ہے:

پہلا طریقہ

چاند ایک ایسے جم غفیر سے ثابت ہو جن کی تعداد استفاضہ تک پہنچتی ہو۔ یہ بات تقریباً مسلم ہے کہ استفاضہ خبر موجب کے حکم میں ہے، شمس الائمہ حلوانی نے فرمایا ہے: ''**الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض في بلدة أخرى وتحقق يلزمهم حكم تلك البلدة**'' (مجمع الانہر:۱/۲۳۹)، اسی طرح علامہ کشمیری کی رائے ہے کہ ہلال کا ثبوت دیکھنے، شہادت یا قاضی کے فیصلہ یا کثرت اخبار کے ذریعہ ہوتا ہے: ''**اعلم أن الهلال يثبت بالشهادة على الرؤية أو الشهادة على القضاء او الافاضه أى التواتر**'' (العرف الشذی:۲۲۲)۔

دوسرا طریقہ

دو عادل گواہوں کا ہونا شرط ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور شہاب زہری سے یہی منقول ہے (المدونۃ:

۱/ ۱۷۴)، مالکیہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ آسمان خواہ ابر آلود ہو یا صاف ہو، شہر بڑا ہو کہ چھوٹا ہو، رمضان، شوال اور ذی الحجہ کی شروعات کیلئے ہر صورت میں دو عادل گواہوں کی گواہی ضروری ہے، اسی کے ساتھ اسلام، آزاد، مرد ہونا اور اسکے علاوہ عدالت کیلئے تمام شرائط اور عقل، بلوغ اور اسلام پر عمل ان سب کا اعتبار کرتے ہیں (مواہب الجلیل: ۲/ ۳۸۱)، نیز امام شافعی کے شاگرد رشید علامہ بوطی سے بھی منقول ہے کہ رمضان کے ثبوت کیلئے دو عادل گواہ شرط ہیں (المہذب: ۱/ ۱۷۹)۔

یہ خیال رہے کہ اس صورت میں گواہوں کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا مدار قاضی اور رویت ہلال کمیٹی کے اطمینان ہی پر ہے، علامہ شامی نے اور امام طرابلسی نے امام قرافی سے نقل کیا ہے: ''**إذا غلب على الظن صدق الفاسق قبلت شهادته وحكم بها**'' (فتاوی ہندیہ: ۱/ ۱۰۱) محض شک کی بنا پر کبھی بھی چاند نکلنے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، شک سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کے ہونے یا نہ ہونے کا گمان یکساں طور پر ہو اور کسی ایک طرف زیادہ رجحان نہ ہوسکے یا عوام کہتی رہے کہ فلاں جگہ چاند دیکھا گیا، فلاں جگہ چاند دیکھا گیا اور کوئی اسکی ذمہ داری اور شہادت نہ لے رہا ہو وغیرہ، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ۳۰ر شعبان کو محض اس احتمال کی بنا پر روزہ رکھنے سے منع کیا کہ شاید ۲۹ر کو چاند ہو چکا ہو، اور آج رمضان المبارک کی پہلی تاریخ ہو (دیکھئے: خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۲۸۴)۔

تیسرا طریقہ

ایک عادل گواہ بھی کافی ہے، فقہاء کے یہاں ایک عادل گواہ کو قبول کرنے کے سلسلہ میں تفصیل ہے:

حنفیہ سیآت پر حسنات کو ترجیح دیتے ہوئے رمضان کے چاند کا اعتبار کر لیتے ہیں؛ جبکہ آسمان صاف نہ ہو، بادل ہو یا غبار ہو، اس سلسلہ میں مستور الحال کی گواہی بھی قبول کرتے ہیں (خلاصۃ الفتاوی: ۱/ ۲۴۸)، اور اس بات کی بھی شرط نہیں لگاتے کہ وہ آزاد ہو یا مرد ہو؛ بلکہ وہ اس کا اعتبار برسبیل اخبار یعنی اطلاع کے کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں، اسی طرح اس کی گواہی شہر میں قاضی کے سامنے ہی معتبر مانتے ہیں، نیز قاضی کو اگر کسی فاسق شخص کی اطلاع پر بھی کسی معاملہ میں غالب گمان ہوجائے تو بعد کے فقہاء کہتے ہیں کہ اس پر عمل کر لینا چاہئے، شامی کا بیان ہے: ''**فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته تقبل، وإلا فلا**'' (ردالمحتار: ۴/ ۵۱۶)۔

فاسق کی روایت

فسق، حدیث کے راوی کے حق میں بھی جرح کا باعث ہے، اور اُصولی طور پر فاسق کی روایت معتبر نہیں ہے (تیسیر مصطلح الحدیث ۸۸، الباعث الحثیث ۵۰)، امام زین عراقی نے نقل کیا ہے کہ فاسق مبتدع اگر اپنی بدعت کی طرف دعوت دے تو

اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی، اور اگر ایسا نہیں ہے تو قبول کر لی جائے گی، خطیب بغدادی کا کہنا ہے کہ یہی رائے امام احمد کی ہے، ابن صلاح کہتے ہیں: ''وَهَـذَا مَـذْهَـبُ الْكَثِيرِ وَالْأَكْثَرِ ، وَهُوَ أَعْدَلُهَا وَأَوْلاهَا'' (شرح مقدمۃ ابن الصلاح ص: ۱۱۴، وشرح الزین العراقی علی الفیۃ مخطوط، ص ۴۹)۔

دور حاضر میں روایات کی روایت کا ایسا کوئی قابل ذکر واقعہ تو نہیں ہے؛ البتہ اس پہلو کا تذکرہ نفع سے خالی نہیں کہ آج جو لوگ روایتیں بیان کرنے میں احتیاط نہیں کرتے، جو حدیث کے مفہوم اور معنی کا صحیح انطباق نہیں کرتے اور سمجھ نہیں رکھتے، ضعف اور غیر ضعف کا فرق نہیں جانتے انہیں روایت بیان کرنے میں احتیاط کرنا چاہئے، اور اہل علم کو بھی ان کی گرفت کرنی چاہئے، یہ حدیث کے تعلق سے وہی خدمت ہے جو کسی زمانے میں علامہ جرح وتعدیل نے انجام دی تھی، یہ ضروری ہے کہ روایات بیان کرتے ہوئے معتبر کتابوں، متداول روایتوں اور معاشرتی تقاضوں کا خیال رکھا جائے۔

فاسق کا فتوی

فقہاء کا اتفاق ہے کہ فاسق کا فتوی قبول نہیں کیا جائے گا، اس لئے فتوی حکم شرعی سے متعلق ہے جس میں فاسق کی خبر کا اعتبار نہیں، البتہ بعض حنفیہ فتوی فاسق قبول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دراصل وہ فاسق بھی اجتہاد کر رہا ہے تاکہ وہ خطا نہ کر جائے: ''وَذَهَبَ بَعْضُ الْحَنَفِيَّةِ إِلَى أَنَّ الْفَاسِقَ يَصْلُحُ مُفْتِيًا ، لِأَنَّهُ يَجْتَهِدُ لِئَلا يُنْسَبَ إِلَى الْخَطَأِ'' (موسوعہ الفقیہ الکویتیہ، شروط المفتی: ۲۷/ ۳۲)، مجمع الانہر میں ہے: ''وَالْـفَـاسِـقُ أَهْـلٌ لَـهُ أَيْ لِـلْقَضَاءِ (وَيَصِحُّ تَقْلِيدُهُ) أَيْ تَقْلِيدُ الْـفَـاسِـقِ أَيْ الْـمُـسْـلِـمِ الَّذِي أَقْدَمَ عَلَى كَبِيرَةٍ أَوْ أَصَرَّ عَلَى صَغِيرَةٍ , وَفِيهِ إشْعَارٌ بِأَنَّ قَضَاءَ الْمَسْتُورِ صَحِيحٌ بِلا قُبْحٍ كَمَا فِي الْقُهُسْتَانِيِّ'' (مجمع الأنہر ۲/ ۱۴۵)۔

فاسق کا اجتہاد آج معاشرہ وسماج کیلئے سر درد بنا ہوا ہے، اس سلسلہ میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فتاوی انہیں ادارے اور اشخاص سے حاصل کئے جائیں جو معتبر ہیں، اجتماعی فتاوی کو ترجیح دی جائے، انفرادی اجتہاد اور تفرد کی حوصلہ افزائی نہ جائے، اگر کوئی اپنی رائے ایسی بناتا ہے جو معاشرہ میں ہیجان کا باعث بنے تو سماج میں پھیلانے سے روکا جائے، اگر ایسا نہ ہوا تو سماجی تانا بانا محفوظ رکھنا ممکن نہ ہوگا۔

حضانت میں فسق

فقہاء کا اس سلسلہ میں بھی اتفاق ہے کہ حضانت کا اختیار کسی فاسق کو نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ وہ نہ تو ولی بن سکتا اور نہ ہی وہ امانت داری کا اظہار کرے گا، ایک بچہ اگر ایسے شخص کے پاس رہے تو پھر اس کی تربیت پر اثر پڑے گا، البتہ حنفیہ

نے ایک قید یہ لگائی ہے کہ واقعی میں اس کی پرورش کیلئے حاضن کا فسق خطرہ ہو (حاشیۃ ابن عابدین ۲/ ۶۳۳، وحاشیۃ الدسوقی ۲/ ۵۲۸، وکشاف القناع ۵/ ۴۹۸، ومغنی المحتاج ۳/ ۴۵۵)، اس سلسلہ میں عصری عدالتیں اپنا فیصلہ تھوپتی ہیں، اگر باہمی مفاہمت سے کام ہوتو لازم ہے کہ بچے کیلئے بہتر سے بہتر سوچا جائے، کسی فاسق والد جس کا فسق واضح ہو، بچہ اس کے حوالے نہ کیا جائے، یا اسی طرح خاتون کا فسق معلوم ہوتو بھی اسے محروم رکھا جائے۔

نماز، امامت پر فسق کا اثر

یہ ایک وسیع باب ہے کہ عبادات پر فسق کا کیا اثر پڑتا ہے؟ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام میں ایک ایسا مؤمن قابل تعریف ہے جو صغائر وکبائر سے محفوظ ہو اور تمام فسوق وفجور سے دور ہو؛ لیکن یہ انسان خطا ونسیان کا مرکب ہے، اس لئے اس سے یہ امید کرنا کہ وہ معصوم بن جائے گا دھوکہ کی بات ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے اجتماعی عبادات جیسے نماز وغیرہ میں فاسق کی امامت پر گفتگو کی ہے، علامہ کاسانی نے اس بحث کی شروعات اس سے کی ہے کہ ہر اس شخص کی امامت درست ہے جو مسلم، عاقل ہو؛ حتی کہ ایک اعرابی، غلام اور نابینا، ولد الزنا اور فاسق کی بھی امامت ہوجائے گی: ''وَأَمَّا بَيَانُ مَنْ يَصْلُحُ لِلإِمَامَةِ فِي الْجُمْلَةِ فَهُوَ كُلُّ عَاقِلٍ مُسْلِمٍ، حَتَّى تَجُوزَ إمَامَةُ الْعَبْدِ، وَالأَعْرَابِيِّ، وَالأَعْمَى، وَوَلَدِ الزِّنَا وَالْفَاسِقِ، وَهَذَا قَوْلُ الْعَامَّةِ'' (بدائع الصنائع ۱/ ۱۵۶ ط المکتبۃ العلمیۃ، بیروت)۔

امام مالک کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے، ان کا یہ ماننا ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز نہیں ہوگی، اس لئے کہ امامت ایک امانت ہے اور فسق خیانت ہے، چنانچہ اس کی شہادت بھی اسی لئے قبول نہیں کی جاتی؛ کیونکہ شہادت امانت کی قبیل سے ہے: ''وَقَالَ مَالِكٌ: لا تَجُوزُ الصَّلاةُ خَلْفَ الْفَاسِقِ وَ (وَجْهُ) قَوْلِهِ أَنَّ الإِمَامَةَ مِنْ بَابِ الأَمَانَةِ، وَالْفَاسِقُ خَائِنٌ، وَلِهَذَا لا شَهَادَةَ لَهُ لِكَوْنِ الشَّهَادَةِ مِنْ بَابِ الأَمَانَةِ'' (بدائع الصنائع ۱/ ۱۵۶ ط المکتبۃ العلمیۃ بیروت) مگر موسوعہ میں مفتی بہ قول کے مطابق بہ کراہت نماز ہوجائے گی؛ جیسے کوئی زانی، فاسق، شارب خمر ہو؛ لیکن اگر اس کا فسق نماز سے متعلق ہو جیسے وہ نماز وامامت کے ذریعہ تکبر ظاہر کررہا ہو تو نماز نہیں ہوگی: ''تَصِحُّ الصَّلاةُ – عَلَى الْمُعْتَمَدِ – مَعَ الْكَرَاهَةِ خَلْفَ الْفَاسِقِ بِجَارِحَةٍ ، كَزَانٍ وَشَارِبِ خَمْرٍ ، فَإِنْ تَعَلَّقَ فِسْقُهُ بِالصَّلاةِ ، كَقَصْدِهِ الْكِبْرَ بِإِمَامَتِهِ ، فَلا تَصِحُّ'' (موسوعہ فقہیہ کویتیہ: فسق)۔

شافعیہ کے نزدیک فاسق کے پیچھے نماز ہوجائے گی، مگر ایک موقع پر کراہت ہوگی جب امام فاسق ہو اور مقتدی صحیح؛ لیکن اگر امام افحش ہو اور مقتدی فاحش تو کوئی فرق نہیں پڑتا، یعنی کراہت ختم ہوجائے گی: ''وَإِنَّمَا يُكْرَهُ ذَلِكَ خَلْفَهُ ، وَمَحَلُّ

كَرَاهَةِ إِمَامَةِ الْفَاسِقِ لِغَيْرِ الْفَاسِقِ ، أَمَّا لِمِثْلِهِ فَلا تُكْرَهُ مَا لَمْ يَكُنْ فِسْقُ الإِمَامِ أَفْحَشَ" (موسوعہ فقہیہ کویتیہ:فسق)۔

حنابلہ کا ماننا ہے کہ فاسق کی امامت مطلقاً جائز نہیں ہے،خواہ اس کا فسق اعتقادی ہو یا اعمال محرمات والا ہو: "وَلاتَصِحُّ إمَامَةُ فَاسِقٍ مُطْلَقًا، أَيْ: سَوَاءٌ كَانَ فِسْقُهُ بِالاعْتِقَادِ , أَوْ بِالأَفْعَالِ الْمُحَرَّمَةِ"(شرح منتہی الإرادات ۱/۲۵۷) یا علی الاعلان ہو یا پوشیدہ ہو،کشاف میں ہے:"وَلَوْ كَانَ مَسْتُورًا" (وکشاف القناع ۱/۴۷۴)، کیونکہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:"أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لا يَسْتَوُونَ" (سجدۃ:۱۸)،اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:"لا تَؤُمَّنَّ امْرَأَةٌ رَجُلا، وَلا يَؤُمُّ أَعْرَابِيٌّ مُهَاجِرًا، وَلا يَؤُمُّ فَاجِرٌ مُؤْمِنًا، إِلا أَنْ يَقْهَرَهُ بِسُلْطَانٍ يَخَافُ سَيْفَهُ وَسَوْطَهُ" (ابن ماجہ:۱/۳۴۳)۔

حنفیہ کی دلیل:

ہماری یہ دلیل ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بنیادی بات فرمائی کہ ہر کلمہ گو کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے:"صَلُّوا خَلْفَ مَنْ قَالَ لا إِلَهَ إِلا اللَّهُ ..."،اسی طرح فرمایا کہ ہر ایک نیکوکار اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھ لو:"صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ۔ واللہ اعلم"(بدائع الصنائع ۱/۱۵۶،المکتبۃ العلمیۃ، بیروت)۔

علامہ کاسانی نے بحث میں مزید لکھا ہے کہ مذکورہ دونوں روایتیں اگرچہ اجتماعی نمازوں یعنی عیدین و جمعہ کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، اس لئے کہ امراء اکثر فساق ہوتے ہیں؛ لیکن اس کا ظاہر ہمارے لئے ایک دلیل ہے،آپ ﷺ نے اس میں لفظ عام اختیار کیا ہے، خاص نہیں،صحابہ کرام اور تابعین وغیرہ سے بھی مروی ہے کہ وہ حجاج کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرتے تھے؛ حالانکہ وہ اپنے زمانے کا عظیم فاسق تھا،حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اگر امت کی تمام مائیں خبثاء کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو تو یہ ان سب پر غالب آجائے گا(بدائع لاصنائع ۱/۱۵۶)۔

اسی طرح حضور ﷺ حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ منورہ میں اپنا جاں نشین بنایا کرتے تھے، جب کبھی آپ غزوات میں تشریف لے جاتے ،حالانکہ وہ نابینا شخص تھے،اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کا تعلق ادائے ارکان سے ہوتا ہے جس پر وہ قادر تھے:"وَرُوِيَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم اسْتَخْلَفَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُومٍ عَلَى الصَّلاةِ بِالْمَدِينَةِ حِينَ خَرَجَ إِلَى بَعْضِ الْغَزَوَاتِ وَكَانَ أَعْمَى ;وَلأَنَّ جَوَازَ الصَّلاةِ مُتَعَلِّقٌ بِأَدَاءِ الأَرْكَانِ وَهَؤُلاءِ قَادِرُونَ عَلَيْهَا" (بدائع الصنائع ۱/۱۵۶)، یہ ایک الگ بات ہے کہ افضلیت میں ترجیحات کا خیال رکھا جاسکتا ہے۔

یہ اسلام کی وسعت ہے، مگر افسوس ہمارے زمانے میں اس پر زد لگائی گئی ہے، امامت ایک حساس موضوع ہے، بلاشبہ ایک ایسے شخص کو اس پر فائز ہونا چاہئے جو شرعی تقاضوں کو پورا کرے؛ لیکن اخلاقی زوال کے دور میں اگر عہد اولیں کے افراد تلاش کئے جائیں گے تو کوئی امامت کیلئے نہ ملے گا، اگر مسلم سماج خود اپنی بہتری پر توجہ دے اور ائمہ وخطباء کیلئے مادی وروحانی بندوبست کرے تو ممکن ہے کہ قابل رشک افراد مل جائیں؛ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ سماج رذیل ترین آدمی اعلیٰ ترین کی تلاش کرتا ہے، چنانچہ دونوں کا معیار کھرا نہیں اترتا۔

اسی طرح مساجد وامامت کے تعلق سے فرقہ واریت، مسلکی داؤ پیچ اور تشدد وتعصب ہرگز روا نہیں ہے، ہر وہ کام جس سے سماج منتشر ہوتا ہو، اسلامی معاشرہ بکھرتا ہو، اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، پھر یہ کہ نماز وامامت کے سلسلہ میں آج جس طرح بدتمیزیاں کی جارہی ہیں وہ ناقابل برداشت ہے، بلاشبہ ایک امام کی تعیین میں چھان پھٹک کیجئے؛ لیکن اگر کوئی ایسا امام طے ہوجائے جس سے اختلاف ہو اور بعض مسائل میں نقطہ نظر بھی الگ ہو، یا آپ کہیں ایسی جگہ چلے گئے جہاں مساجد آپ کے نقطہ نظر کے مطابق نہیں تو انتشار کا باعث بننا جائز نہیں، حضور ﷺ نے اصولی بات فرمادی کہ ہر فاسق اور نیکوکار کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے، اس کے باوجود اگر کوئی اختلاف کرتا ہے تو وہ حد سے تجاوز کرنے والا ہے۔

معاملات میں فسق

امام ابوبکر جصاصؒ نے 'احکام القرآن' میں اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ معاملات میں فاسق کی خبر قابل قبول ہے، جیسے کوئی شخص کہے کہ فلاں نے یہ چیز آپ کو ہدیہ کی ہے تو اسے قبول کرنے میں حرج نہیں وعلی ہذا القیاس: ''وَاتَّفَقَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى جَوَازِ قَبُولِ خَبَرِ الْفَاسِقِ فِي أَشْيَاءَ۔ فَمِنْهَا : أُمُورُ الْمُعَامَلاتِ يُقْبَلُ فِيهَا خَبَرُ الْفَاسِقِ، وَذَلِكَ نَحْوُ الْهَدِيَّةِ إِذَا قَالَ: "إِنَّ فُلانًا أَهْدَى إِلَيْكَ هَذَا " يَجُوزُ لَهُ قَبُولُهُ وَقَبْضُهُ، وَنَحْوُ قَوْلِهِ: وَكَّلَنِي فُلانٌ بِبَيْعِ عَبْدِهِ هَذَا فَيَجُوزُ شِرَاؤُهُ مِنْهُ'' (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۵۹۴، ط دار الفکر)، امام قرطبی اسے ضرورۃً جائز قرار دیتے ہیں (الجامع لاحکام القرآن ۱۶/ ۳۱۱، ط دار الکاتب العربی)، آج بازار کی حالت دیکھئے اور فیصلہ کیجئے کہ کتنے لوگ ہیں جو فسق کی تعریف سے دور ہیں؟ افسوس کہ متدین مسلمانوں نے تجارت کا میدان چھوڑ دیا، اب ایسے میں فرشتہ صفت انسان کی تلاش چہ معنی دارد!

نکاح میں فاسق کی ولایت

حنفیہ اور مالکیہ فاسق کی ولایت قبول کرتے ہیں، اس لئے کہ یہ ایک حمیت وغیرت کی بات ہوتی ہے، خود ولی اپنی عزت داؤ پر لگاتا ہے، اس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اس سلسلہ میں لاپرواہی نہیں کرے گا (ردالمحتار علی الدر المختار ۲/ ۲۹۵،

ط: احیاء التراث، جواہر الإکلیل شرح مختصر خلیل ۱/ ۲۸۱، ط دار الفکر)، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک فاسق ولی کی ولایت میں نکاح منعقد نہیں ہوسکتا: ''فَلا يَنْعَقِدُ بِوَلِيٍّ فَاسِقٍ غَيْرِ الإِمَامِ الأَعْظَمِ مُجْبِرًا كَانَ أَمْ لا فَسَقَ بِشُرْبِ الْخَمْرِ أَمْ لا، أَعْلَنَ بِفِسْقِهِ أَمْ لا'' (البجیرمی علی الإقناع ۳/ ۳۳۰، ط مصطفی الحلبی، ومغنی المحتاج ۳/ ۱۵۵، وشرح منتہی الإرادات ۳/ ۱۸، ۱۹)۔

فاسق سے لگاؤ رکھنا

ان نصوص کی بنا پر فاسق سے لگاؤ رکھنا بھی فسق ہے، موسوعہ میں ہے: ''اتَّفَقَ الْفُقَهَاءُ عَلَى أَنَّهُ لا يَجُوزُ التَّوَدُّدُ لِلْفَاسِقِ لأَجْلِ فِسْقِهِ ، وَلا الْجُلُوسُ مَعَهُ وَهُوَ يُمَارِسُ شَيْئًا مِنَ الْمَعَاصِي إِينَاسًا وَمُجَارَاةً لَهُ ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: (وَلا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ'' (ہود: ۱۱۳)، ''وَلِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لا تُصَاحِبْ إِلا مُؤْمِنًا وَلا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلا تَقِيٌّ'' (ترمذی ۴/ ۶۰۱)، ایک اور روایت میں ہے: ''الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ'' (سنن ترمذی ۵/ ۵۸۹)، مالکیہ اور شوافعیہ کے نزدیک کسی فاسق سے لگاؤ رکھنا، اس کے پاس بیٹھنا گناہ صغیرہ ہے جو حسنات سے زائل ہوجاتے ہیں (الفواکہ الدوانی ۱/ ۹۲، ومغنی المحتاج ۴/ ۴۲۶)۔

فاسق کی غیبت

غیبت کرنا اصلاً حرام ہے، مگر جس شخص کا فسق ظاہر ہوچکا ہو اس کے متعلق گفتگو کی جاسکتی ہے، یہ غیبت میں شامل نہ ہوگا، موسوعہ میں ہے: ''الأَصْلُ فِي الْغِيبَةِ الْحُرْمَةُ ، لِنَهْيِ اللَّهِ تَعَالَى عَنْهَا فِي قَوْلِهِ: (وَلا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا) (حجرات: ۱۲)، لَكِنَّهُ تَجُوزُ غِيبَةُ الْفَاسِقِ الْمُجَاهِرِ بِفِسْقِهِ فِيمَا جَاهَرَ بِهِ مِنَ الْفِسْقِ ، دُونَ غَيْرِهِ'' (موسوعہ: حکم التودد للفاسق ۳۲/ ۱۴۵)۔

فاسق کی توبہ

جب متعینہ شروط پائی جائیں تو فاسق کی توبہ قبول کی جاتی ہے، مگر تین لوگوں کی توبہ میں اختلاف ہے: زندیق، ساحر اور جو بار بار مرتد ہوتا ہو، فقہاء نے توبہ کیلئے چار شرطیں لکھی ہیں: فوراً معصیت ترک کرے، اپنے کئے پر شرمندہ ہو، کبھی دوبارہ نہ کرنے کا عہد کرے، اور اگر معصیت کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو اس حق سے برات ضروری ہے (بدائع الصنائع ۷/ ۹۶، ط المکتبۃ العلمیۃ، بیروت)، فساق کی توبہ دنیاوی احکام میں مانی جائے گی، مگر شرعی امور جن میں عادل کی گواہی لازم ہے اس میں نہیں۔

داڑھی کی بات

لغت میں ''لحیۃ'' اس بال کو کہتے ہیں جو دونوں گال اور ٹھڈی پر نمو ہو: ''الشَّعْرُ النَّابِتُ عَلَى الْخَدَّيْنِ وَالذَّقْنِ ..اس کی جمع 'لِحًى وَلُحًى' آتی ہے (لسان العرب مادۃ ''لحا'')، اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''الشَّعْرُ النَّابِتُ عَلَى الْخَدَّيْنِ مِنْ عِذَارٍ وَعَارِضٍ وَالذَّقَنِ'' (ردالمحتار علی الدرالمختار ۱/ ۶۸، ط احیاء التراث)۔ اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ داڑھی بڑھانا یعنی اعفاء اللحیۃ شریعت میں مطلوب و مستحسن ہے، حضور ﷺ نے متعدد مقام پر فرمایا: ''ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : " خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ'' (بخاری مع الفتح: ۱۰/ ۳۴۹)، ''أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ بِلَفْظِ: جُزُّوا الشَّوَارِبَ ، وَأَرْخُوا اللِّحَى ، خَالِفُوا الْمَجُوسَ'' (مسلم ۱/ ۲۲۲)، ''عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ'' (مسلم ۱/ ۲۲۳)۔

اعفاء لحیہ سے مراد

اس تعلق سے علماء نے گفتگو کی ہے، عموماً فقہاء وعلماء کا ماننا ہے کہ اس سے مراد داڑھی نہ کاٹنا، اسے چھوڑ دینا ہے، یہاں تک کہ وہ گھنی ہوجائے، بھر جائے، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ''إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ تَرْكُهَا حَتَّى تَكِثَّ وَتَكْثُرَ'' (ردالمحتار علی الدرالمختار ۲/ ۲۰۵، ط احیاء التراث)، فقہاء امت میں امام نووی کا ماننا ہے کہ روایت کی وجہ سے داڑھی کو طول وعرض میں کسی بھی طرح کاٹنا درست نہیں ہے: ''الْمُخْتَارُ تَرْكُهَا عَلَى حَالِهَا ، وَأَنْ لا يُتَعَرَّضَ لَهَا بِتَقْصِيرٍ وَلا غَيْرِهِ'' (موسوعہ: ۳۵/ ۲۲۴)، مگر بعض حنفیہ اور حنابلہ کہتے ہیں کہ ایک مشت سے زائد ہوجائے تو کاٹ سکتے ہیں، یہ عمل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے: ''وَفِي رِوَايَةٍ: كَانَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ ، فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ'' (موطا: ۱/ ۳۹۶)۔

فتاوی ہندیہ میں اس عمل کو سنت کہا گیا ہے: ''وَالْقَصُّ سُنَّةٌ فِيهَا وَهُوَ أَنْ يَقْبِضَ الرَّجُلُ لِحْيَتَهُ فَإِنْ زَادَ مِنْهَا عَلَى قَبْضَتِهِ قَطَعَهُ كَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ رحمه الله تعالى فِي كِتَابِ الْآثَارِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رحمه الله تعالى قَالَ وَبِهِ نَأْخُذُ كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ'' (الفتاوی الہندیۃ ۵/ ۳۵۸)، امام حصکفی نے اسے واجب قرار دیا ہے: ''وَصَرَّحَ فِي النِّهَايَةِ بِوُجُوبِ قَطْعِ مَا زَادَ عَلَى الْقُبْضَةِ بِالضَّمِّ'' (ردالمحتار علی الدرالمختار ۲/ ۱۱۳، ط احیاء التراث)۔

قبضہ سے کم داڑھی رکھنے کے سلسلہ میں کوئی واضح بات نہیں ملتی، نصوص اس پر خاموش ہیں، فقہاء میں صاحب ہدایہ نے تقصیر لحیہ کو واجب دم قرار نہیں دیا ہے: ''أَنَّ التَّقْصِيرَ لا يُوجِبُ الدَّمَ'' (شامی: ۲/ ۲۰۵)، یعنی تقصیر لحیہ گزشتہ ادوار میں

بھی کیا جاتا تھا، اس لئے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص پر کفارہ نہیں ہوا، جس کا لازمہ ہے کہ گناہ نہیں پڑتا، علامہ ابن عابدین شامی نے اسے یوں تعبیر کیا ہے: ''لَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ'' (شامی: ۲/ ۱۱۳)۔

مگر حلق لحیہ کے سلسلہ میں فقہاء ثلاثہ اور ایک قول کے مطابق علماء شوافع کا بھی اتفاق ہے کہ یہ امر نبی ﷺ کی مخالفت ہے، اس لئے جائز نہیں؛ البتہ شوافع کے نزدیک حلق لحیہ مکروہ ہے، علامہ قلیوبی نے اسے نقل کیا ہے (حاشیۃ قلیوبی وعمیرۃ علی شرح المحلی ۴/ ۲۰۵، ط عیسی الحلبی)۔

سنن عادیہ کی بحث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال جن کا اختیار کرنا بطورِ عادت تھا، ان کو ''سنن زوائد''، ''سنن عادیہ'' اور ''امورِ عادیہ'' کہا جاتا ہے، مثلاً: کپڑے پہننے کا طریقہ، کھانا کھانے کا طریقہ وغیرہ، اور وہ اعمال جو عبادات کے قبیل سے ہیں، ان کو ''سنن غیر عادیہ'' اور ''سنن ہدیٰ'' کہا جاتا ہے۔

''سننِ عادیہ'' کا تارک قابلِ ملامت نہیں؛ لیکن ''سنن ہدیٰ'' کا تارک قابلِ ملامت ہوگا، اور مسلسل ترک کرنے یا غفلت وتساہل کی وجہ سے ترک کرنے کی صورت میں گناہ گار بھی ہوگا، علامہ شامی لکھتے ہی: ''**والسنة نوعان: سنة الهدى، وتركها يوجب إسائةً وكراهيةً كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها، وسنة الزوائد، وتركها لايوجب ذلك، كسير النبي عليه الصلاة والسلام في لباسه وقيامه وقعوده**'' (الدرالمختار وردالمحتار ۱/ ۱۰۳)۔

بہت سے علماء کا ماننا ہے کہ داڑھی رکھنا نہ واجب ہے، نہ مستحب، بلکہ داڑھی رکھنا سنن وعادات سے ہے، جیسے: کھانے، پینے، لباس پہننے کا حکم، خضاب لگانے کا حکم، نعلین میں نماز ادا کرنے کا حکم، یہ امور جس طرح واجب ومستحب نہیں ہیں، سنن وعادات میں سے ہیں، اسی طرح داڑھی کے سلسلے میں حدیث نبوی کے اندر جو امر آیا ہے وہ وجوب کیلئے نہیں، بلکہ عادت بتانے کیلئے ہے، اس قول کے قائلین میں علماء معاصرین کی ایک جماعت شامل ہے، جیسے: دارالافتاء المصریہ ازہر شریف، علامہ محمد رشید رضا، محمود شلتوت، محمد ابوزہرہ، مفتی علی جمعہ وغیرہ ہیں، علامہ محمد رشید رضا مجلۃ المنار میں لکھتے ہیں کہ مونچھیں پست کرنا اور داڑھی بڑھانا سنن اور اسلامی آداب میں سے ہے (مجلۃ المنار: ص: ۴۴۰)۔

داڑھی کی مقدار میں اختلاف

جمہور فقہا، محدثین کے علاوہ امام ابوحنیفہ سے لے کر علامہ ابن عابدین شامی تک تمام کے نزدیک داڑھی کی کوئی خاص مقدار واجب نہیں ہے، البتہ، ایک مشت داڑھی رکھنا سنت ہے۔ فقہ حنفی کی مستند ومعتمد کتب فقہ میں ایک مشت کی مقدار

کوسنت قرار دیا گیا ہے: فقیہ عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی حنفی 683ھ) لکھتے ہیں: ''قَالَ مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِی حَنِیفَةَ: وَالتَّقْصِیرُ فِیهَا سُنَّةٌ، وَهُوَ أَنْ یَقْبِضَ الرَّجُلُ لِحْیَتَهُ فَمَا زَادَ عَلَی قَبْضَتِهِ قَطَعَهُ لِأَنَّ اللِّحْیَةَ زِینَةٌ وَکَثْرَتَهَا مِنْ کَمَالِ الزِّینَةِ وَطُولَهَا الْفَاحِشَ خِلَافُ السُّنَّةِ'' (الاختیار لتعلیل المختار ۴/ ۱۶۷)۔

امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے کہ داڑھی کم کرنا سنت ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی داڑھی کو اپنی مٹھی میں پکڑے اور اس سے جو زائد ہو اس کو کاٹ دے، اس لئے کہ داڑھی زینت ہے اور اس کی کثرت کمال زینت ہے اور طول فاحش سنت کے خلاف ہے، فقیہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد، معروف بہ ابن نجیم مصری (۹۷۰ھ) لکھتے ہیں: ''وَالسُّنَّةُ قَدْرُ الْقَبْضَةِ فَمَا زَادَ قَطَعَهُ'' (البحر الرائق شرح کنز الدقائق: ۱۲) (سنت قبضہ کی مقدار ہے اور جو زائد ہو اس کو کاٹ دے)۔

علی بن سلطان محمد قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ)، شرح مسند ابوحنیفہ میں لکھتے ہیں: ''فالتقدیر: لو أخذتم نواحی لحیة طولا وعرضا، وترکتم قدر المستحب وهو مقدار القبضة، وهی الحد المتوسط بین الطرفین المذمومین من إرسالهما مطلقاً، ومن حلقها'' (شرح مسند ابی حنیفۃ: ۱/ ۴۲۳)، (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو جو داڑھی کاٹنے کا حکم دیا تھا، اس میں حکماً یہ ارشاد ہے کہ اگر تم داڑھی کو طولاً عرضاً کاٹو اور قدر مستحب چھوڑ دو (تو بہتر ہے) اور وہ مستحب قبضہ کی مقدار ہے، اور یہ مطلقاً داڑھی چھوڑنے یا منڈوانے اور جڑ سے کاٹنے کی افراط اور تفریط والی مذموم جانبوں میں حد متوسط ہے۔

اصول فقہ کے اعتبار سے جائزہ لیا جائے تو بھی ایک مشت داڑھی کو واجب نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ واجب کی تعریف داڑھی پر صادق ہی نہیں آتی ہے، علامہ ابن عابدین شامی واجب کی یوں تعریف کرتے ہیں: ''واجب اسے کہتے ہیں جو دلیل ظنی سے ثابت ہو، یعنی جس کام کا نبی کریم ﷺ حکم دیں اور پھر اس کے نہ کرنے پر وعید فرمائیں، اسے واجب کہتے ہیں'' (شامی، درمختار ۱/ ۵۳)۔

اہل علم جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے داڑھی رکھنے کا حکم تو دیا ہے؛ لیکن اس کے خلاف کرنے پر کوئی وعید نہیں فرمائی ہے، اسی طرح آپ ﷺ نے اس کی کوئی بھی مقدار مقرر نہیں فرمائی اور نہ ہی ایک مشت داڑھی رکھنے کا حکم ہی دیا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلق داڑھی رکھنے کو واجب کہنا قول مرجوح ہے، چہ جائے کہ ایک مشت کو واجب کہا جائے۔

امیر کی اطاعت

اسلام میں امیر کی بڑی حیثیت ہے، خصوصاً امامت کبری کا مقام اعلی ہے، قرآن وسنت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مسلم معاشرہ میں کوئی ذمہ دار ہو، امیر ہو تو لازم ہے کہ اس کی اتباع کی جائے، امام جصاص لکھتے ہیں: ''فَالْأَنْبِیَاءُ علیهم السلام

فِي أَعْلَى رُتْبَةِ الإِمَامَةِ، ثُمَّ الْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ بَعْدَ ذَلِكَ، ثُمَّ الْعُلَمَاءُ وَالْقُضَاةُ الْعُدُولُ وَمَنْ أَلْزَمَ اللَّهُ تَعَالَى الاقْتِدَاءَ بِهِمْ، ثُمَّ الإِمَامَةُ فِي الصَّلاةِ وَنَحْوِهَا'' (احکام القرآن للجصاص ۱/ ۱۰۰، ط دار الفکر)۔

مگر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شرعی اعتبار سے فاسق نہ ہو، ابوبکر جصاص نقل کرتے ہیں: ''وَدَلَّ أَيْضًا عَلَى أَنَّ الْفَاسِقَ لا يَكُونُ حَاكِمًا , وَأَنَّ أَحْكَامَهُ لا تَنْفُذُ إِذَا وَلِيَ الْحُكْمَ'' (احکام القرآن للجصاص ۱/ ۱۰۰، ط دار الفکر)، اس سلسلہ میں حاکم اور قاضی کا کوئی فرق نہیں ہے: ''وَلا فَرْقَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ بَيْنَ الْقَاضِي وَبَيْنَ الْخَلِيفَةِ فِي أَنَّ شَرْطَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا الْعَدَالَةُ , وَأَنَّ الْفَاسِقَ لا يَكُونُ خَلِيفَةً وَلا يَكُونُ حَاكِمًا'' (احکام القرآن للجصاص ۱/ ۱۰۰، ط دار الفکر)۔

فقہ میں ایک بحث ہے کہ ایک فاسق شخص امام، امیر نہیں بن سکتا، اس لئے کہ اس مقام سے شرعی امور کی حفاظت اور تنفیذ کا کام کیا جائے گا، جس کیلئے ضروری ہے کہ وہ شخص بھی دیندار ہو، ورنہ وہ امانت میں خیانت کرے گا، موسوعہ میں ہے: ''وَعِنْدَ جُمْهُورِ الْفُقَهَاءِ لا يَجُوزُ أَنْ تُعْقَدَ الإِمَامَةُ لِفَاسِقٍ ، لأَنَّ الإِمَامَ يُقَامُ لإِقَامَةِ الْحُدُودِ وَاسْتِيفَاءِ الْحُقُوقِ، وَحِفْظِ أَمْوَالِ الأَيْتَامِ وَالْمَجَانِينِ، وَالنَّظَرِ فِي أُمُورِهِمْ، إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ، وَمَا فِيهِ مِنَ الْفِسْقِ يُقْعِدُهُ عَنِ الْقِيَامِ بِهَذِهِ الأُمُورِ وَالنُّهُوضِ فِيهَا'' (موسوعہ: فسق-الفسق والامامۃ الکبری: ۳۲/ ۱۴۳)۔

اگر کوئی ایسا شخص امیر بن جائے جو دینی اعتبار سے فاسق ہو تو یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کس چیز کا حکم کر رہا ہے، اگر وہ اللہ ورسول ﷺ کے خلاف کوئی حکم نہیں دیتا تو اس کی بات مانی جائے گی؛ ورنہ اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی، اس کی وجہ ہے کہ اگر امیر کی اطاعت نہ کی گئی تو سماج میں بکھراؤ پیدا ہوگا، مسلم معاشرہ کا شیرازہ بکھر جائے گا اور دوسری قومیں انہیں نوچ کھائیں گی، امام قرطبی نے لکھا ہے: ''وأما أحكامه إن كان واليا فينفذ منها ما وافق الحق ويرد ما خالفه .....وهذا جائز للضرورة الداعية إليه، فإنه لو لم يتصرف بين الخلق فى هذه المعانى، إلا العدول لم يحصل منها شيء لعدمهم فى ذلك والله أعلم'' (الجامع لاحکام القرآن ۱۶/ ۳۱۲، ط دار الکاتب العربی)۔

دور حاضر میں بھی امیر وولی وغیرہ کی شرعی حیثیت یہی ہے کہ اولاً تو وہ مسلمانوں کی رضامندی سے طے کئے جائیں، وہ باشرع، یعنی ان کے حسنات سیئات پر غالب ہوں، فسق جری، انتشار اور اختلاف کا باعث نہ ہوں اور کوئی بھی غیر اسلامی حکم نہ دیں تو ان کی اتباع کی جائے گی، اگر اس کے برعکس ہو تو نہیں، اولیاء وامراء کو بھی چاہئے کہ وہ شرعی تقاضوں کا خیال رکھیں، اگر انہوں نے دین کے نام پر کوئی ذمہ داری اوڑھی ہے تو اس کے لوازمات سے آنکھیں بند نہ کریں؛ ورنہ عند اللہ مسئول ہوں گے۔

☆☆☆

فسق کی حقیقت اور اس پر مرتب احکام

مفتی روح الامین مظاہری☆

فسق کی حقیقت:

لغوی معنی: لغت کے لحاظ سے ''فسق'' یا ''فسوق'' کسی چیز کا اپنے غلاف یا اپنی حد سے نکلنے کو کہتے ہیں، چناں چہ کہا جاتا ہے: ''**فسقت الرطبة من قشرها**''؛ جب کھجور اپنے غلاف سے نکل جائے، اور یہ خروج مذموم ہے، کیونکہ فساد کا باعث ہوتا ہے، اسی لیے حدیث میں پانچ جانوروں کو ''فواسق'' سے تعبیر کیا گیا ہے، کیوں کہ اپنے بل سے اُن کے خروج میں فساد غالب ہوتا ہے، اسی معنی کے لحاظ سے انسان کے طاعت سے خروج کو ''فِسق'' کہا جاتا ہے۔

شرعی معنی: عرف شرعی میں ''**خروج عن طاعة الله تعالى**'' (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی) کے لیے استعمال ہوتا ہے، کبھی یہ خروج شریعت کے انکار ورَد کرنے کی بنا پر ہوتا ہے، اور کبھی مخالفت کی بنا پر ہوتا ہے، قرطبیؒ فرماتے ہیں:

''**والفسق فی عرف الاستعمال الشرعی: الخروج من طاعة الله عز وجل، فقد یقع علی من خرج بکفر وعلی من خرج بعصیان**'' (الجامع لأحکام القرآن: ۱/ ۲۸۳)۔

اسی لیے فسق کا اطلاق کفر، شرک، نفاق اور عصیان؛ سب پر کیا گیا ہے ''**وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ**'' (المائدہ: ۴۷)، یہاں یہود کو اُن کے کفر کی بنا پر فاسق کہا گیا ہے، جیسا کہ ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

''**ذٰلِکُمْ فِسْقٌ**'' (المائدہ: ۳)، افعالِ شرکیہ کے ذکر کرنے کے بعد اُن پر فسق کا اطلاق کیا گیا ہے۔

''**وَمَا یُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ إلخ**'' (البقرہ: ۲۶-۲۷)، یہاں ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ نے ''فاسقین'' کی تفسیر ''منافقین'' سے فرمائی ہے (دیکھئے: تفسیر ابن کثیر ۱/ ۱۹۳)۔

اور ''**وَکَرَّهَ اِلَیْکُمُ الْکُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ**'' (الحجرات: ۷)، یہاں ''فسوق'' مخالفت حکم کے لیے استعمال ہوا ہے۔

☆ استاذ جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، ضلع بھروچ، گجرات

چناں چہ ابن کثیر فرماتے ہیں:"**ويبغض إليكم الكفر والفسوق، وهي الذنوب الكبار، والعصيان، وهي جميع المعاصي إلخ**" (تفسیر ابن کثیر ۴/ ۳۴۰)۔

اسی طرح ارشاد ہے:"**فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ**" (البقرہ:۱۹۷)،امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

"**الفسوق: المعاصي والجدال والمراء**" (صحیح البخاری، کتاب الحج، باب قول اللہ تعالیٰ "الحج أشهر معلومات":۱/ ۴۶۹)۔

قرطبی نے لکھا ہے:"**ولا فسوق: يعني جميع المعاصي كلها، قاله ابن عباس وعطاء والحسن**" (الجامع لأحکام القرآن:۲/ ۴۰۰)۔

یہ بطورِ مثال ایک ایک آیت ذکر کی گئی، ورنہ کفر، شرک، نفاق اور عصیان؛ ہر معنی میں فسق کا استعمال قرآن وسنت میں عام ہے۔

فقہی معنی: نصوص میں تو مطلق "**خروج عن الطاعة**" اور "**تجاوز عن الحد بالمعصية**" پر فسق کا اطلاق ہوتا ہے، بعض فقہاء نے بھی اسی معنی اعم کے اعتبار سے تعریف کی ہے، چنانچہ ابوالمحاسن الحنفی نے تعریف فرمائی:

"**الفسوق: الخروج عن الأمر المحمود إلى الأمر المذموم**" (المعتصر من المختصر من مشکل الآثار:۲/ ۲۷۱)۔

لیکن فقہا کے یہاں مطلق معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے فسق کا حکم مرتب نہیں ہوتا، کیوں کہ عموماً معصیت اور گناہ سے تو کوئی بھی خالی نہیں ہوتا ہے، حدیث میں ہے:"**كل بني آدم خطاء، وخير الخطائين التوّابون**" (سنن ترمذی:۲۴۹۹)۔

بلکہ فسق گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا یا صغیرہ پر اصرار کا نام ہے، "**منحة الخالق**" میں ہے:

"**الفسق لغةً الخروج عن الاستقامة، كذا في المغرب، وشرعًا ارتكاب كبيرة أو الإصرار على صغيرة**" (البحر الرائق ۶/ ۲۸۳)۔

(فسق لغۃً استقامت سے نکلنے کا نام ہے، اور شرعاً کبیرہ کا ارتکاب کرنا یا صغیرہ پر اصرار کرنا)۔

صاحب بدائع نے مسقط عدالت کی تفصیل کرتے ہوئے آخر میں ذکر کیا ہے:

"**والأصل في هذا الفصل أن من ارتكب جريمة؛ فإن كانت من الكبائر سقطت العدالة، إلا أن يتوب، فإن لم تكن من الكبائر، فإن أصرّ عليها واعتاد ذلك فكذلك، لأن الصغيرة بالإصرار عليها تصير كبيرة**" (بدائع الصنائع:۶/ ۲۷۰)۔

اس سلسلے میں اصل یہ ہے کہ جو کسی جرم کا مرتکب ہو، اگر وہ کبائر میں سے ہے تو عدالت ساقط ہو جائے گی، الا یہ کہ

وہ توبہ کرلے، اور اگر کبائر میں سے نہ ہو، لیکن اس پر اصرار ہو، اور وہ اس کا عادی ہو، تو بھی یہی حکم ہے، اس لیے کہ صغیرہ پر اصرار سے وہ کبیرہ ہوجاتا ہے۔

کیا فسق کی متعین تعریف ہے؟

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہا کے یہاں یہ مسلّم ہے کہ ارتکاب کبیرہ یا صغیرہ پر اصرار سے فسق کا تحقق ہوجاتا ہے اور عدالت ساقط ہوجاتی ہے، اور ظاہر ہے کہ گناہ عرف پر مبنی نہیں ہوتے، اس لیے فسق کا تحقق عرف وزمان کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوگا۔

مگر تین لحاظ سے اس کا تحقق عرف پر مبنی معلوم ہوتا ہے:

(۱) ایک یہ کہ مروئت کے خلاف کام کرنے سے بھی عدالت ساقط ہوجاتی ہے؛ جو موجب فسق ہے، اور مروئت کے خلاف کام عرف وزمان کے مختلف ہونے سے مختلف ہوسکتا ہے، چناں چہ مروئت کی بعض نے یوں تعریف فرمائی ہے:

''**التخلق بخلق أمثاله فی زمانه ومكانه**'' (مغنی المحتاج: ۴/۴۳۱)۔

اپنے زمانے اور علاقے کے ہم مثل لوگوں کی عادات کو اختیار کرنا۔

(۲) دوسرے یہ کہ فسق کی ضد عدالت ہے، اور عدالت کے تحقق کے لیے کبائر سے اجتناب تو شرط ہے؛ لیکن اس کے بعد اعتبار غالب کا ہے، چنانچہ جس کی بداعمالیاں غالب ہوں تو عادل نہیں ہے، اس کی شہادت مردود ہوگی، اور جس میں برائی نادر ہو اُس کی شہادت مقبول ہوگی۔ اس لحاظ سے عدالت وفسق امورِ نسبیہ یا امورِ اضافیہ میں سے ہوگئے، جس کی تعریف یا مصداق متعین نہیں ہوگا۔

''الفقہ الإسلامی وأدلتہ'' میں ہے:

''**والحقيقة أن اجتناب الكبائر كلها هو شرط لصحة الشهادة، وبعد توفيها ملاحظ الشأن الغالب، فمن كثرت معاصيه أثر ذلک فی شهادته، ومن ندرت منه المعصية قبلت شهادته، وهذا هو حد العدالة المعتبرة**'' (الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۸/۶۰۳۸)۔

حقیقت یہ ہے کہ تمام کبائر سے اجتناب شہادت کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے، اور اس سے پرہیز کے بعد غالب حالت کا لحاظ ہوگا، جس کی معصیت کثیر ہو تو یہ اُس کی شہادت پر اثر انداز ہوگا، اور جس کی طرف سے معصیت کا صدور نادر ہو اُس کی شہادت قبول ہوگی، یہی معتبر عدالت کی تعریف ہے۔

صاحب بدائع نے یہ بحث اسی پر مکمل کی ہے، فرماتے ہیں:

"وقال بعضهم: من يجتنب الكبائر وأدّى الفرائض وغلبت حسناته سيئاته فهو عدل، وهو اختيار أستاذ أستاذى الإمام فخر الدين على البزدوى" (بدائع الصنائع:۶/۲۶۸)۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ دینی بدحالی اور برائیوں کے شیوع کی وجہ سے عدالت کے اس معیار کو تلاش کیا جائے؛ جو مطلوب ہے اور فقہا کے یہاں معتبر ہے، تو شہادت کا حصول ہی متعذر ہوگا، اس لیے اس سلسلے میں متأخرین نے نزول اختیار کیا، اور موجود لوگوں میں نسبتاً بہتر کی شہادت کے اعتبار کو جائز قرار دیا، تاکہ لوگوں کے حقوق کا ضیاع نہ ہو۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں: **"لو كان الفسق هو الغالب على أهل تلك البلد، وإن لم تقبل شهادة بعضهم على بعض وشهادته له، تعطلت الحقوق وضاعت قبل شهادة الأمثل فالأمثل إلخ"**۔

(اگر کسی شہر میں فسق غالب ہو، اور ایک دوسرے کی شہادت قبول نہ کی جائے، تو حقوق معطل اور ضائع ہوں گے، تو نسبتاً بہتر شخص کی شہادت قبول کی جائے گی)۔

پھر ابن قیمؒ نے اس کے بہت سے نظائر بھی پیش کیے ہیں (دیکھئے: اعلام الموقعین: ۴/۱۵۱)۔

عبادات ومعاملات وغیرہ میں فسق پر مرتب احکام:

بہت سے مسائل ہیں جو فسق پر مرتب ہوتے ہیں، البتہ چند اہم مسائل کا تذکرہ اجمالاً یہاں کیا جاتا ہے:

(الف) فاسق کی اذان:

حدیث میں ہے: **"ليؤذن لكم خياركم وليؤمكم أقرؤكم"** (سنن ابی داؤد:۵۹۰)، یعنی نبی کریم ﷺ نے بہتر شخص کو اذان کے لیے اختیار کرنے کا حکم دیا، نیز اذان امانت ہے، اور فاسق اہل امانت میں سے نہیں ہے، اسی لیے بعض فقہاء کے نزدیک فاسق کی اذان صحیح ہی نہیں ہوتی، گو جمہور کا مذہب یہ ہے کہ فاسق کی اذان معتبر اور صحیح ہے (ابن عابدین ۱/۳۹۳)۔

(ب) فاسق کی امامت:

فاسق کو امام بنانا مکروہ ہے، کیونکہ:

۱- یہ نبی کریم ﷺ کی نیابت ہے، ہر کس وناکس اس کا اہل نہیں ہوسکتا (المبسوط:۱/۴۰)۔

۲- لوگوں کے درمیان نفرت کی وجہ سے تقلیل جماعت کا باعث ہے (المبسوط:۱/۴۰)۔

۳- دیانت نہ ہونے کی وجہ سے امر دینی کا اہتمام نہیں کرے گا (ہدایہ:۱/۵۷)۔

۴- یہ مقامِ تعظیم ہے، جس کا وہ مستحق نہیں (ردالمحتار ۲/۲۹۹)۔

تاہم جمہور کے نزدیک اس کی اقتدا میں نماز صحیح ہوجاتی ہے، جبکہ حنابلہ کے نزدیک اور امام مالکؒ کی ایک روایت کے مطابق نماز صحیح نہیں ہوگی (دیکھئے: الموسوعۃ الفقہیۃ:۶/۳۰)۔

(ج) رؤیۃ ہلال میں فاسق کی خبر:

رمضان وشوال کی رؤیت کے سلسلے میں فاسق کی خبر معتبر نہیں ہے (الموسوعۃ الفقہیۃ:۷/۳۰)۔

(د) نکاح کی کفائت کے سلسلے میں:

نکاح کی کفائت کے سلسلے میں دیانت اور صلاح کا بھی جمہور فقہا نے اعتبار کیا ہے، لہٰذا فاسق شخص صالح لڑکی کے لیے کفو نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے:

"**إن الفاسق إذا كان معلنًا لا يكون كفؤا، وإن كان مستترًا يكون كفؤا**" (بدائع الصنائع ۲/۳۲۰)۔

(ھ) فسق کی بنا پر طلاق:

جمہور کے نزدیک بیوی فسق میں مبتلا ہو تو طلاق مستحب ہے، جب کہ حنابلہ کے نزدیک بعض صورتوں میں واجب ہے (المغنی:۱۰/۳۲۴، ابن عابدین:۳/۲۲۹)۔

(و) فسق کے ساتھ حق حضانت:

بہت سے فقہا کے نزدیک فاسق کو حق حضانت حاصل نہیں ہوتا ہے (ابن عابدین:۳/۵۵۶)۔

(ذ) ولایت وتولیت:

امارت، قضاء، مسجد ووقف کی تولیت، شہادت کی اہلیت اور یتیم پر ولایت وغیرہ کے لیے امانت ودیانت فقہا کے نزدیک شرط ہے۔

(ح) فاسق سے استفتاء:

فقہا نے ذکر کیا ہے کہ فاسق اور جاہل سے استفتاء جائز نہیں ہے۔

(ط) فاسق امراء کی عزل وطاعت:

فاسق امراء کی عزل وطاعت کا مسئلہ بھی موجودہ دور میں ایک اہم مسئلہ ہے۔

ڈاڑھی حلق کرنے والے کی گواہی:

جس کی وضع قطع شرع کے مطابق نہ ہو، خاص طور پر جو ڈاڑھی نہ رکھے وہ حرام میں مبتلا ہونے کی وجہ سے فاسق ہے، اور فاسق کا قول دیانات میں معتبر نہیں، اور اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

بوادر النوادر میں ہے:

"قال العلائی فی کتاب الصوم قبیل فصل العوارض: إن الأخذ من اللحیة وهی دون القبضة، کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، لم یبحه أحد، وأخذ کلها فعل یهود والهنود ومجوس الأعاجم آهـ، فحیث أدمن علی فعل هذا المحرم یفسق إلخ" (بوادر النوادر بحوالہ: تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کتاب الشہادۃ ۴/ ۲۳۸، نادرہ ۵۵، در اجماع بر حرمت اخذ لحیۃ دون القبضۃ: ص: ۴۴۳)۔

ڈاڑھی تراشنا جو کہ مشت سے بھی کم ہو، جیسا کہ بعض اہل مغرب اور نامردوں کا عمل ہے، کسی کے نزدیک مباح نہیں ہے، اور مکمل تراشنا یہود، ہنود اور عجم کے مجوس کا عمل ہے، لہٰذا جب اس فعل حرام پر اصرار ہو تو اس پر فسق کا حکم عائد ہوگا۔

"العدل فی الشهادة أن یکون مجتنبًا من الکبائر، ولا یکون مصرًّا علی الصغائر، ویکون صلاحه أکثر من فساده، وصوابه أکثر من خطائه، وأن یستعمل الصدق دیانة ومروئة، ویجتنب عن الکذب دیانةً ومروئة" (الفتاوی التاتارخانیۃ: ۱۱/ ۴۲۴، زکریا)۔

شہادت میں عدالت یہ ہے کہ وہ کبائر سے دور ہو، صغیرہ پر مصر نہ ہو، اس کی صلاح فساد اور صواب خطا سے زیادہ ہو، دیانۃ ومروئۃً صداقت کو اپنائے، اور جھوٹ سے پرہیز کرے۔

مگر ایسا شخص سیرت وکردار میں دیانت دار ہو، سنجیدہ اور باوقار ہو، وعدہ خلافی اور جھوٹ اس کی شان کے خلاف ہو، مروئت وغیرت کا حامل ہو، تو اس کی خبر وشہادت پر اعتبار جائز ہے۔

امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے:

"أن الفاسق إذا کان وجیهًا فی الناس ذا مروئة تقبل شهادته، لأنه لا یستأجر لوجاهته، ویمتنع عن الکذب لمروئته" (ہدایہ: ۳/ ۱۱۷)۔

فاسق جب لوگوں کے درمیان صاحبِ وجاہت اور مروئت والا ہوتو اس کی شہادت قبول کی جائے گی، کیوں کہ ایسے شخص کو اس کی وجاہت کی بنا پر خریدا نہیں جاسکتا، نیز وہ صاحب مروئت ہونے کی وجہ سے جھوٹ سے بھی بچے گا۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ جب ایسے شخص کے متعلق قاضی کو ظن غالب ہو کہ یہ سچا ہے، تو اس کی شہادت کو قبول کرنا صحیح ہے، اس صورت میں استثناء کی ضرورت نہیں ہے۔

"واستثنى الثانى أى أبويوسف من الفاسق الذى يأثم القاضى بقبول شهادته، والظاهر أن هذا مما يغلب على ظن القاضى صدقه، فيكون داخلًا تحت كلام القاعدية، فلا حاجة إلى استثنائه على مااستظهرناه آنفًا" (ابن عابدین ۵/۳۵۶)۔

ثانی یعنی امام ابو یوسفؒ نے استثنا کیا ہے اُس فاسق سے جس کی شہادت کے قبول کرنے سے قاضی گنہ گار ہوتا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اس صورت میں ہے جبکہ قاضی کے گمان میں اس کا صدق غالب ہو، لہٰذا یہ فتاویٰ قاعدیہ کے کلام کے تحت داخل ہوگا، اور استثناء کی ضرورت نہیں ہوتی، جیسا کہ اوپر وضاحت گذری ہے۔

حاصل یہ ہے کہ جو ڈاڑھی نہیں رکھتے؛ لیکن نماز و روزے کے پابند ہوں، تو رؤیت ہلال اور دیگر اختلافی معاملات میں ان کی شہادت کو قبول کیا جائے گا، خصوصاً جب کہ ان کی وجاہت و شخصیت ایسی ہو کہ جھوٹ بولنا اُن کی شان کے مناسب نہ ہو، اور قاضی کو ان کے صدق کا ظن غالب ہو۔

ادارہ یا تنظیم کے ذمے دار کی اطاعت کا وجوب:

امانت و ذمے داری کے تعلق سے حکم یہ ہے کہ اس کے اہل کے حوالے کی جائے، جو متعلقہ ذمے داری کو نبھانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو، اور امانت و دیانت کا حامل بھی ہو، یہ حکم مساجد و اوقاف کی تولیت، مذہبی اداروں اور تنظیموں کی امارت اور قضاء و حکومت کے عہدے وغیرہ سب کے لیے ہے۔

"البحر الرائق" میں "اِسعاف" کے حوالے سے ہے:

لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه، لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن، لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز، لأن المقصود لا يحصل به" (البحر الرائق: ۵/۲۴۴)۔

اوقاف کی تولیت اس کے حوالے کی جائے گی جو امانت دار ہو اور کام کرنے پر قادر ہو، خواہ خود کرے یا کسی سے کرائے، کیوں کہ تولیت مصالح کی رعایت کے ساتھ مقید ہے، اور مصلحت یہ نہیں ہے کہ خائن کو متولی بنایا جائے، اس لیے کہ

مقصد میں خلل ہوگا، اور ایسے ہی نااہل کو متولی بنانا، اس لیے کہ اس کے ذریعے مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

حدیث میں ہے:"**إذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة .قال: كيف إضاعتها يا رسول الله؟ قال: إذا أسند الأمر إلى غير أهله؛ فانتظر الساعة**" (صحیح بخاری:۱/۶۱۳)۔

جب امانت ضائع ہونے لگے تو قیامت کا انتظار کرو۔ دریافت کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ)! ضائع ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جب ذمے داری نااہل کو سپرد کردی جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

اس لیے ضروری ہے کہ مساجد اور دینی اداروں کا منتظم وامیر باصلاحیت اور دیانت دار وامانت دار ہو، اور ایسے ہی امیر کی طاعت کا اُس کے ماتحت افراد کو حکم ہے۔ قرآن مجید میں جن'' أولی الأمر'' کی اطاعت کا حکم ہے وہ ہر امیر کو شامل ہے۔

تفسیر مظہری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے'' أولوا الأمر'' کی تفسیر'' ہم الأمراء'' سے نقل کرنے کے بعد مذکور ہے:

"**هذا لفظ عام يشتمل الملوك وأمراء الأمصار والقضاء وأمراء السرايا والجيوش**" (التفسیر المظہری ۲/۱۵۱)۔

یعنی یہ لفظ اپنے عموم کی بنا پر بادشاہ، شہروں کے گورنر، قاضی، سرایا اور لشکر کے امیر وغیرہ؛ سب کو شامل ہے۔

''تفسیر شوکانی''میں ہے:"**وأولى الأمر هم الأئمة والسلاطين والقضاة وكل من كانت له ولاية شرعية، لا ولاية طاغوتية، والمراد طاعتهم فيما يأمرون به وينهون عنه ما لم تكن معصية**" (فتح القدیر للشوکانی ۱/۴۸۱)۔

اولوا الامر سے مراد ائمہ، سلاطین، قضاۃ اور وہ شخص ہے جس کو شرعی ولایت حاصل ہو، نہ کہ جبری، اور مراد اُن کی اطاعت ہے، جن باتوں کا وہ حکم دیں اور جن باتوں سے وہ روکیں، بشرطیکہ وہ معصیت نہ ہو۔

حاصل یہ ہے کہ اگر امیر اہل ہو تو اس کی اطاعت شریعت کے دائرے میں واجب ہے، لیکن اگر وہ امین وصالح نہ ہو؛ بلکہ فسق کا مرتکب ہو، تو علی الاطلاق اطاعت واجب نہیں ہے، بلکہ امام ابو منصور ماتریدیؒ سے اس سلسلے میں مندرجۂ ذیل تفصیل منقول ہے:

"**إن كان عدلًا عالمًا يقبل قوله لانعدام تهمة الخطأ والخيانة، وإن كان عدلًا جاهلًا يستفسر، فإن أحسن التفسير وجب تصديقه، وإلا فلا، وإن كان فاسقًا لا يقبل، إلا أن يعاين سبب الحكم لتهمة الخطأ والخيانة**" (الہدایہ ۳/۱۱۴، مسائل شتی من کتاب القضاء)۔

اگر (قاضی) دیانت دار صاحب علم ہو تو اُس کا حکم قبول کیا جائے گا، کیوں کہ خطا اور خیانت کی تہمت نہیں ہے، اور اگر دیانت دار لیکن جاہل ہو تو اس سے حکم کی تفصیل دریافت کی جائے گی، اگر وہ اچھی طرح وضاحت کردے تو اس کی تصدیق ضروری ہے، ورنہ نہیں، اور اگر فاسق ہو تو اُس کا حکم قابل قبول نہیں ہے، مگر اُس صورت میں جب کہ حکم کے سبب کا معاینہ کرلیا

جائے، اس لیے کہ خطا وخیانت کا احتمال ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر امیر فسق کا مرتکب ہو تو اس کا حکم قابل قبول اُس وقت ہوگا جبکہ تحقیق کے بعد معلوم ہو کہ مصلحت کے موافق ہے، اس میں کوئی خیانت یا بد دیانتی نہیں ہے۔

فسق اعتقادی:

فسق اعتقادی وہ عقیدہ ونظریہ ہے جس میں کتاب وسنت اور سلف سے متوارث عقیدے سے انحراف پایا جائے، جیسے عقیدۂ اعتزال، خوارج، مرجیہ اور جہمیہ وغیرہ۔

ابن قیم فرماتے ہیں: ''**وفسق الاعتقاد: كفسق أهل البدع الذين يؤمنون بالله ورسوله واليوم الآخر، ويحرّمون ما حرّم الله ويوجبون ما أوجب الله، ولكن ينفون كثيرًا مما أثبت الله ورسوله جهلًا وتأويلًا وتقليدًا للشيوخ، ويثبتون ما لم يثبته الله ورسوله كذلك**'' (مدارج السالکین: ۱/۳۶۱)۔

فسق اعتقادی: جیسے اُن اہل بدعت کا فسق جو اللہ، اُس کے رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور اللہ کے محرمات کو حرام اور اس کے فرائض کو فرض گردانتے ہیں، لیکن کتاب وسنت سے ثابت بہت سے امور کا جہالت یا تاویل یا اپنے مشائخ کی تقلید کی بنا پر انکار کرتے ہیں، اور اُن چیزوں کو مانتے ہیں جو کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہے۔

فسق اعتقادی کی دو قسم:

فسق اعتقادی کا دوسرا نام بدعت ہے، جس کی دو قسمیں ہیں:

بدعت مکفرہ: ضروریات دین میں کسی امر اجماعی ومتواتر کا انکار کرنا۔

بدعت مفسقہ: جو کفر کو مستلزم نہ ہو۔

اول پر کفر کے احکام مرتب ہوں گے، اور ثانی پر فسق کے احکام مرتب ہوتے ہیں، البتہ روایت حدیث میں اختلاف ہے کہ قابل قبول ہوگی یا نہیں، راجح یہ ہے کہ عقیدہ میں انحراف کے باوجود اگر وہ صدق ودیانت سے متصف ہوں، تو اُس کی روایت حدیث مقبول ہوگی (دیکھئے: شرح نخبۃ الفکر للقاری: ۵۲۱-۵۲۲)۔

فاسق کی توبہ:

فاسق کی اپنے فسق سے محض توبہ مطلق دنیوی احکام شہادت وغیرہ میں معتبر ہے؟ یا اس کے ساتھ اصلاحِ عمل شرط

ہے؟اس سلسلے میں فقہا کی دونوں رائے ہیں۔

(الف)اصلاحِ حال ضروری ہے۔یہ جمہور فقہا حنفیہ،شافعیہ اور مالکیہ کا مذہب ہے،اور حنابلہ کا ایک قول ہے۔

''فتاویٰ عالمگیریہ''میں ہے:''**الفاسق إذا تاب لا تقبل شهادته ما لم يمض عليه زمان يظهر عليه أثر التوبة**'' (فتاوی عالمگیری:۳/۴۶۸)۔

فاسق جب توبہ کرے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی،جب تک کہ اتنا زمانہ نہ گذر جائے جس میں توبہ کا اثر ظاہر ہو۔

''ردالمحتار''میں ہے:''**في الخانية: الفاسق إذا تاب لا تقبل شهادته ما لم يمض عليه زمان يظهر التوبة، ثم بعضهم قدره بستة أشهر، وبعضهم قدره بسنة، والصحيح أن ذلك مفوض إلى رأى القاضي والمعدل**'' (ردالمحتار:۵/۴۷۳)۔

خانیہ میں ہے: فاسق جب توبہ کرلے تو اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی؛جب تک اتنا زمانہ نہ گذر جائے کہ توبہ کا اثر ظاہر ہو،پھر بعض نے چھ ماہ اور بعض نے ایک سال کی مدت متعین کی ہے،صحیح یہ ہے کہ یہ قاضی اور تحقیق کرنے والے کی رائے پر موقوف ہے۔

''عقد الجواہر الثمینۃ فی مذہب عالم المدینۃ''میں ہے:''**ولا يكفي قول الفاسق: تُبْتُ، ولا أعُوْدُ، ولاإقرار القاذف على نفسه بالكذب، بل يجب استبراء حالهما، وكذلك كل فاسق يقول: تُبْتُ، فإنه لايصدق حتى يستبرأ مدة يظهر بقرائن الأحوال صلاح سريرته فيها، ويغلب على ظن أنه قد ندم عليها وكفرها بالتوبة والأعمال الصالحة**'' (عقد الجواہر الثمینۃ:۳/۱۰۴۲)۔

فاسق کا یہ کہنا کہ میں نے توبہ کرلی کافی نہیں ہے،اور نہ قاذف کا اپنے سلسلے میں کذب کا اقرار،بلکہ اُن کے احوال کا انتظار کرنا ضروری ہے،یہی ہر فاسق کا حکم جو کہے کہ میں نے توبہ کی،تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی؛بلکہ ایک مدت تک انتظار کیا جائے جس میں قرائن کے ذریعے اس کے باطن کا صلاح ظاہر ہوجائے،اور ظن غالب ہوجائے اس پر کہ اُس کو ندامت ہے،اور اس نے توبہ اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اس کا تدارک کیا ہے۔

''المہذب فی فقہ الشافعی''میں ہے:

''**وأما التوبة في الظاهر، وهي التي تعود بها العدالة والولاية وقبول الشهادة؛ فينظر في المعصية، فإن كانت فعلًا؛ كالزنا والسرقة، لم يحكم بصحة التوبة حتى يصلح عمله مدةً، لقوله**

تعالی: (إلا الذین تابوا من بعد ذلک وأصلحوا) إلخ" (المہذب:۳/۴۴۹)۔

(ب) دوسری رائے یہ ہے کہ فقط توبہ کافی ہے، اصلاحِ عمل شرط نہیں ہے۔ حنابلہ کا یہی مذہب ہے، اور حنفیہ و شافعیہ کا بھی ایک قول ہے، کیوں کہ توبہ جب اپنے شرائط کے ساتھ پائی جائے تو وہ سابق کے لیے کفارہ بن جاتی ہے، اور اسی بنا پر حدیث میں کہا گیا ہے: "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" (سنن ابن ماجہ:۴۲۵۰)، نیز جب مغفرت محض توبہ سے حاصل ہوجاتی ہے تو ایسے ہی دنیوی احکام میں بھی اس کا اعتبار کیا جائے گا، اور جب شرک سے توبہ اسلام کے ذریعے کافی ہوجاتی ہے، بعد کے احوال کا انتظار ضروری نہیں ہوتا، تو دیگر گناہ میں بدرجۂ اولیٰ توبہ کافی ہوگی، مزید اصلاحِ حال کا انتظار نہیں کیا جائے گا، اسی لیے حضرت عمرؓ نے ابوبکرہؓ سے کہا تھا: "تُبْ! قُبِل شهادتک"۔

"المغنی لابن قدامۃ" میں ہے: "ظاهر كلام أحمد والخرقی أنه لا يعتبر فی أحكام التوبة من قبول الشهادة وصحة ولايته فی النكاح إصلاح العمل، وهو أحد القولين للشافعی، وفی قول الآخر يعتبر إصلاح العمل .....، وذكر أبو الخطاب هذا رواية عن أحمد إلخ" (المغنی:۱۴/۱۹۴)۔

امام احمد اور خرقیؒ کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ توبہ کے احکام قبولِ شہادت، نکاح میں ولایت کی صحت وغیرہ کے لیے اصلاحِ عمل شرط نہیں ہے، یہی امام شافعیؒ کا ایک قول ہے، جب کہ دوسرے قول کے مطابق اصلاحِ عمل کا اعتبار ہے، ابوالخطاب نے یہی امام احمدؒ سے ایک روایت ذکر کی ہے۔

"فتح القدیر" میں ہے: "والمراد بتوبته الموجبة لقبول شهادته أن يكذب نفسه فی قذفه، وهل يعتبر معه إصلاح العمل؟ فيه قولان: فی قول يعتبر لقوله تعالى "إلا الذين تابوا من بعد ذلک وأصلحوا"، وقيل: لا، لأن عمرؓ قال لأبی بكرةؓ تب! قُبِل شهادتُک .وقد يجاب بأن أبا بكرةؓ كان من العبّاد، وحاله فی العبادة معلوم، فصلاح العمل كان ثابتًا له، فلم يبق إلا التوبة بإكذاب نفسه" (فتح القدیر ۷/۴۰۰)۔

توبہ سے مراد جو قبولِ شہادت کو مستلزم ہو؛ یہ ہے کہ وہ قذف کے باب میں اپنے آپ کو جھٹلا دے، اور کیا اُس کے ساتھ اصلاحِ عمل کا اعتبار ہے؟ اس سلسلے میں دو قول ہیں: ایک قول کے مطابق اعتبار ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إلا الذين تابوا من بعد ذلک وأصلحوا" (آل عمران:۸۹)، (توبہ کے ساتھ اصلاحِ عمل کی شرط ہے)، اور کہا گیا کہ اعتبار نہیں ہے، کیوں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرہؓ سے فرمایا تھا: توبہ کرلو! تمہاری شہادت قبول ہوگی۔ لیکن اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ابوبکرہؓ عبادت گزار تھے، اور عبادت کے باب میں اُن کا حال معلوم تھا، اس لیے صلاحِ عمل تو اُن کے حق میں ثابت تھا، اب اُن کے حق میں توبہ یہی تھی کہ وہ اپنے آپ کو جھٹلا دیں۔

ترجیح:

جمہور علماء ہی کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ قرآن مجید میں ایک سے زائد مقام پر توبہ کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ ہے، اور عمل صالح سے توبہ کو مراد لینا جیسا کہ بعض حنابلہ نے تفسیر فرمائی ہے؛ خلافِ ظاہر ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(الف)"اِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا یُظْلَمُوْنَ شَیْئًا" (مریم:۶۰)۔

(ب)"وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی" (طٰہٰ:۸۲)۔

(ج)"اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا" (فرقان:۷۰)۔

(د)"فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ " (مائدہ:۳۹)۔

(ھ)"اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَیَّنُوْا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ" (البقرہ:۱۶۰)۔

اس آیت کے ذیل میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:"لا یکفی فی التوبة عند علمائنا قول القائل: قد تبت حتی یظهر منه فی الثانی خلاف الأول، فإن کان مرتدًا رجع إلی الإسلام مُظهِرًا شرائعه، وإن کان من أهل المعاصی ظهر منه العمل الصالح، وجانب أهل الفساد والأحوال التی کان علیها، وإن کان من أهل الأوثان جانبهم وخالط أهل الإسلام، وهکذا یظهر عکس ما کان علیه" (تفسیر القرطبی:۲/۱۸۷)۔

ہمارے علماء کے نزدیک توبہ کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ کہہ دے: میں نے توبہ کر لی، حتیٰ کہ اس سے دوسرے وقت میں اول کے خلاف ظاہر ہو جائے، اب اگر وہ مرتد تھا تو اسلام کی طرف لوٹے، اس طرح کہ اس سے شرعی اعمال کا ظہور ہو، اور اگر معاصی کا مرتکب تھا تو اس سے عمل صالح ظاہر ہو، اور اہل فساد سے، نیز جن احوال میں وہ تھا اُس سے دوری اختیار کر لے، اگر وہ بت پرست تھا تو ان سے الگ ہو کر اہل اسلام کے ساتھ مل جل کر رہنے لگے، ایسے ہی جس حالت پر وہ تھا؛ اُس کے برعکس حال کا ظہور ہو۔

ابن قیمؒ نے توبہ کی حقیقت پر گفتگو کرتے ہوئے ذکر کیا ہے:

"فإن حقیقة التوبة الرجوع إلی الله بالتزام فعل ما یجب وترک ما یکره، فهی رجوع من مکروه إلی محبوب، فالرجوع إلی المحبوب جزء مسماها، والرجوع عن المکروه الجزء الآخر، ولهذا علّق سبحانه وتعالی الفلاح المطلق علی فعل المأمور وترک المحظور بها، فقال: "وَتُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ

جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'' (النور:۳۱)، **فكلُّ تائبٍ مفلحٌ، ولا يكون مفلحًا إلا من فعل ما أمر به وترک ما نهى عنه إلخ**'' (مدارج السالکین:۱/ ۳۱۳)۔

توبہ کی حقیقت اللہ کی طرف رجوع ہے، اس التزام کے ساتھ اللہ کی پسندیدہ چیزوں کو اپنایا جائے اور ناپسندیدہ امور کو ترک کر دیا جائے، لہٰذا یہ مکروہ سے محبوب کی طرف رجوع ہے، لہٰذا محبوب کی طرف رجوع اس کے مسمّٰی کا جزء ہے، تو مکروہ سے رجوع دوسرا جزء ہے، اسی لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مطلق فلاح کو مامور کے انجام دینے اور محظور کو ترک کرنے پر توبہ کے ذریعے معلق کیا، چنانچہ فرمایا: ''وَتُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ'' (سورہ نور:۳۱)، لہٰذا ہر تائب مفلح ہے، اور مفلح وہی ہوگا جو مامورات کو انجام دے اور منہیات کو ترک کرے۔

بہر حال! نصوص سے پہلے ہی قول کی تائید ہوتی ہے، اگر چہ یہ ممکن ہے کہ کہا جائے: یہاں فیما بینہ وبین اللہ توبہ کا ذکر ہے، لیکن جب توبہ ایک امر باطنی ہے تو دنیوی احکام میں بھی ظاہر احوال کو دیکھ کر ہی فیصلہ کیا جائے گا، واللہ أعلم۔

مختلف فیہ مسائل میں فسق کا حکم:

کسی معصیت پر اصرار فسق ہے، لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ جس عمل کی وجہ سے فسق کا حکم لگایا جائے اُس کا معصیت ہونا مسلّم ہو، اسی بنا پر جس عمل پر کوئی نص صحیح وصریح نہ ہو، یا بظاہر متعارض ہوں، اور اس عمل کی صحت مجتہد فیہ یا مختلف فیہ ہو، تو وہ عمل جیسے منکر نہیں کہ اُس پر نکیر کی جائے؛ ایسے ہی وہ عمل موجب فسق بھی نہیں ہوگا، جیسے: قراءت خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین وغیرہ۔

علامہ سیوطیؒ ''الأشباہ والنظائر'' میں یہ قاعدہ ذکر کیا ہے:

''**لا ينكر المختلف فيه، وإنما ينكر المجتمع عليه**'' (الاشباہ والنظائر، القاعدۃ الخامسۃ والثلاثون:۱۵۸)۔

مختلف فیہ امر پر نکیر نہیں ہوگی، نکیر تو مجتمع علیہ امر پر کی جائے گی۔

امام غزالیؒ نے ''حسبة'' (امر بالمعروف ونہی عن المنکر) کی شرط ذکر کی ہے:

''**من شروط الحسبة أن يكون كونه منكرًا معلومًا بغير اجتهاد، فكل ما هو محل الاجتهاد فلاحسبة فيه**'' (إحیاء علوم الدین:۲/ ۲۸۶، وانظر: قواعد مہمۃ فی الأمر بالمعروف والنہی عن المنکر لحمود الرحیلی:۲۷)۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ''**ثم إن العلماء إنما ينكرون ما أجمع على إنكاره، أما المختلف فيه فلا إنكار فيه، لأن كل مجتهد مصيب، أو المصيب واحدٌ؛ ولا نعلمه، ولم يزل الخلاف بين الصحابة والتابعين في الفروع، ولا ينكر أحد على غيره، وإنما ينكرون ما خالف نصًّا أو إجماعًا أو قياسًا جليًّا**''

(روضۃ الطالبین ۱۰/۲۱۹،قواعد مہمۃ:۲۸)۔

علماء اسی امر پر نکیر کرتے ہیں جس کے منکر ہونے پر اجماع ہو، اور مختلف فیہ امر پر انکار نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہر مجتہد مصیب ہے، یا کوئی ایک مصیب ہے جس کا ہمیں علم نہیں، فروع میں صحابہ اور تابعین کے درمیان اختلاف رہا ہے، مگر وہ ایک دوسرے پر نکیر نہیں کرتے تھے، ہاں! نکیر اُس پر کرتے جو نص یا اجماع یا قیاس جلی کے خلاف ہو۔

ہاں! یہ ضروری ہے کہ اختلاف معتبر ہو، اور اجتہاد محل اجتہاد میں ہو، لہٰذا جہاں اختلاف کی گنجائش ہی نہ ہو، یا اختلاف شاذ ہو اور مسئلہ اجماعی ہو، یا نص صریح کے مقابلے میں اجتہاد ہو، تو اس کا اعتبار نہیں ہوگا، جیسا کہ اوپر امام نوویؒ کے کلام سے واضح ہوتا ہے۔

قاضی ابویعلیٰؒ فرماتے ہیں:

"**ما ضعف الخلاف فيه، وكان ذريعة إلى محظور متفق عليه، كربا النقد .....فيدخل في إنكار المحتسب بحكم ولايته**" (الآداب الشرعیۃ:۱/۱۹۰،قواعد مہمۃ:ص:۲۷)۔

جہاں اختلاف کمزور ہو، اور کسی متفق علیہ محظور کا ذریعہ بنے، جیسے: ربا النقد، تو وہ محتسب کی طرف سے نکیر میں شامل ہوگا، کیوں کہ اُس کو ولایت حاصل ہے۔

بلکہ علامہ ابن تیمیہؒ مسائل خلافیہ میں نکیر فسق وکفر بلکہ معصیت کے انتساب کو بھی بذات خود سب سے زیادہ قابل نکیر عمل گردانتے ہیں، فرماتے ہیں:

"میں لوگوں میں سب سے زیادہ نکیر اس بات پر کرتا ہوں کہ کسی معین شخص کی طرف کفر یا فسق ومعصیت کی نسبت کی جائے، مگر اس وقت جب کہ یہ یقین سے معلوم ہو کہ اس پر حجت نبوی قائم ہو چکی ہے کہ اس کی مخالفت کرنے والا کافر یا فاسق یا عاصی ہے، اور میرے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی خطا کو بخش دیا ہے، اور یہ ہر قسم کے مسائل قولیہ اور عملیہ میں خطا کو شامل ہے، اور سلف نے بہت سے مسائل میں باہم اختلاف کیا؛ لیکن کسی نے کسی پر کفر یا فسق یا معصیت کی شہادت نہیں دی" (مجموع الفتاوی:۳/۲۲۹)۔

بہر حال! اختلافی مسائل میں نکیر کی گنجائش نہیں، اور نہ فسق ومعصیت کی نسبت درست ہے، بشرطیکہ اختلاف قوی ہو، برمحل ہو، جس میں نص صریح یا اجماع کی مخالفت نہ ہو۔

کیا ڈاڑھی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے؟

ڈاڑھی انبیاء کرامؑ کی سنت، مسلمانوں کا قومی شعار اور مرد کے طبعی اور فطری امور میں سے ہے، نبی کریم ﷺ نے

متعدد احادیث میں اس کی تاکید فرمائی ہے:

(۱) حضرت عائشہؓ کی روایت ہے: "**عشر من الفطرة: قص الشارب وإعفاء اللحية إلخ**" (صحیح مسلم:۲۶۱)۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے:"**جُزُّوا الشوارب، وأرخوا اللحى، خالفوا المجوس**" (صحیح مسلم:۲۶۰)۔

(۳) حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے: "**خالفوا المشركين، وفروا اللحى وأحفوا الشوارب**" (صحیح البخاری:۵۸۹۲)۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے: "**أعفوا اللحى وخذوا الشوارب وغيروا الشيب ولاتشبهوا باليهود والنصارى**" (مسند احمد:۸۶۵۴)۔

(۵) جب کسریٰ کے قاصد حضور ﷺ کے پاس پہنچے، اُن کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی، آپ ﷺ نے ان کو دیکھنا گوارا نہیں کیا، پھر دریافت فرمایا:"**ويلكما من أمركما بهذا، قالا: أمرنا بهذا ربنا -يعنيان كسرى-، فقال رسول الله ﷺ: ولكن ربي قد أمرني بإعفاء لحيتي وقص شاربي**" (ابن سعد فی الطبقات:۱/۳۴۷،مصنف ابن ابی شیبہ:۷/۳۴۶)۔

اس طرح بیس سے زیادہ روایات اعفاءِ لحیہ کے باب میں وارد ہیں، جن کے مجموعے سے اس کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اسی بنا پر جمہور فقہا ڈاڑھی کے وجوب کے قائل ہیں، اور اس کے حلق کو حرام قرار دیتے ہیں۔ ذیل میں مذاہب اربعہ سے کچھ نقول پیش کیے جارہے ہیں:

مذہب حنفیہ:

حنفیہ حلق کو اور ایک مشت سے کم کو حرام قرار دیتے ہیں۔

"درمختار" میں ہے:"**ويحرم على الرجل قطع لحيته**" (الدرالمختار:۶/۴۰۷)۔

"**وأيضًا فيه: وأما الأخذ منها، وهي دون ذلك، كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهنود ومجوس الأعاجم**" (الدرالمختار:۲/۴۱۸)۔

"بدائع" میں ہے:"**حلق اللحية من باب المثلة، وهو تشبه بالنصارى**" (بدائع الصنائع:۲/۱۴۱)۔

"فتح القدیر" میں ہے:"**وأما الأخذ منها؛ وهي دون ذلك، كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم يبحه أحد**" (فتح القدیر:۲/۳۴۸)۔

مذہب مالکی:

حاشیۂ دسوقی میں ہے:"**ویحرم علی الرجل حلق لحیته أو شاربه، ویؤدب فاعل ذلک**" (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر:۱/۹۰)۔

''مواہب الجلیل شرح مختصر الخلیل''میں ہے:"**وحلق اللحیة لا یجوز، وکذلک الشارب، وهو مثلة وبدعة، ویؤدب من حلق لحیته إلخ**" (مواہب الجلیل:۱/۳۱۳)۔

مالکیہ کا ایک قول کراہت کا بھی ہے۔

''شرح الزرقانی علی مختصر خلیل''میں ہے:"**فی حرمة حلق اللحیة وکراهته قولان**" (شرح الزرقانی علی مختصر خلیل:۱/۱۱۴)، ''**وقیل: یکره حلق اللحیة**" (لوامع الدرر فی ہتک استار المختصر:۱/۱۹۹)۔

مذہب حنبلی:

شمس الدین سفارینی لکھتے ہیں:"**والمعتمد فی المذهب حرمة حلق اللحیة، قال فی الإقناع: ویحرم حلقها، وکذا فی شرح المنتهی وغیرهما، قال فی الفروع: ویحرم حلقها، ذکره شیخنا، انتهی، وذکره فی الإنصاف، ولم یَحکِ فیه خلافًا۔ آهـ**" (غذاء الألباب:۱/۴۳۳)۔

مذہب شافعی:

شافعیہ کے یہاں دو قول ملتے ہیں:

امام غزالی، شیخ الاسلام زکریا انصاری، ابن حجر ہیتمی، رملی، خطیب شربینی کے نزدیک کراہت کا قول راجح ہے، یہی رافعی اور نووی کے نزدیک صحیح ہے۔

جب کہ زرکشی، حلیمی، فقال شاشی، اذرعی وغیرہ کے نزدیک صواب حرمت کا قول ہے (دیکھئے: أسنی المطالب:۱/۵۵۱، مغنی المحتاج:۶/۱۴۴، تحفۃ المحتاج مع حاشیۃ الشیروانی:۹/۳۷۵-۳۷۶)۔

ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنا:

حدیث میں وارد الفاظ"أوفوا، أرخوا، أزجوا، وفروا، أعفوا" کثرت پر دال ہیں، اس لیے ڈاڑھی کو اتنا تراشنا جو اِن الفاظ کے اقتضا کو پورا کرے؛ جائز ہے، اور اس سلسلے میں معیار ایک مشت ہے، اس لیے کہ بعض صحابہ اور سلف

سے یہی ثابت ہے۔

امام غزالیؒ نے لکھا ہے:"**وقد اختلفوا فيما طال منها، فقيل: إن قبض الرجل على لحيته وأخذ ما فضل عن القبضة فلا بأس، فقد فعله ابن عمر وجماعة من التابعين، واستحسنه الشعبي وابن سيرين**" (إحیاء العلوم:۱/ ۱۴۳)۔

ابن تیمیہؒ کے فتاویٰ میں ہے:"**أما سمعتم من بعض الناس أنه يجوز تقصير اللحية خصوصًا ما زاد على القبضة؛ فقد ذهب بعض أهل العلم فيما زاد على القبضة، استنادًا إلى ما رواه البخاري عن عبد الله بن عمرؓ أنه كان إذا حجّ أو اعتمر قبض على لحيته، فما زاد أخذه، ولكن الأولى الأخذ بما دلّ عليه العموم في الأحاديث السابقة، فإن النبي ﷺ لم يستثن حالًا من حال**" (مجموع الفتاوی:۱۱/ ۸۵)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ قدر مشت سے زائد کو تراشنا تو جائز ہے؛ لیکن اس سے زیادہ تراشنا کہ ایک مشت سے کم ہوجائے؛ سلف میں سے کسی سے اس کی اجازت منقول نہیں ہے۔

"**العرف الشذی**" میں ہے:"**وأما تقصير اللحية بحيث تصير قصيرة من القبضة فغير جائز في المذاهب الأربعة**" (العرف الشذی، کتاب الآداب، باب ماجاء فی تقلیم الأظفار:۴۰/ ۱۶۲)۔

ملاحظہ:

(الف) جن بعض سلف نے حرمت کے بجائے کراہت کا قول کیا ہے؛ اُس سے مراد بظاہر کراہت تنزیہی نہیں ہے، کیوں کہ متقدمین مطلق محظور پر کراہت کا اطلاق کرتے ہیں، اور تورّعاً حرمت کو کراہت سے تعبیر کرتے ہیں، ابن قیم جوزیہؒ نے اس پر تنبیہ کی ہے، فرماتے ہیں:

"ائمہ کے متبعین میں سے بہت سے متأخرین کو اپنے ائمہ کی طرف نسبت میں غلطی ہوئی ہے؛ کہ جہاں ائمہ لفظ تحریم کے اطلاق سے پرہیز کرتے ہیں، اور لفظ کراہت کا اطلاق کرتے ہیں، تو متأخرین وہاں تحریم کی نفی کردیتے ہیں، مزید یہ کہ لفظ کراہت ان کے لیے سہولت فراہم کردیتا ہے اور بوجھ ہلکا کردیتا ہے، چناں چہ بعض اس کو تنزیہ پر محمول کرلیتے ہیں، اور بعض تو اس سے آگے بڑھ کر ترک اولیٰ مراد لے لیتے ہیں، اور ایسا بہت ہوا ہے، جس کی وجہ سے شریعت اور ائمہ پر نسبت میں بڑی غلطی واقع ہوئی ہے" (اعلام الموقعین ۱/ ۳۲)۔

(ب) فقہاء نے صراحت کی ہے کہ امر مکروہ بھی اصرار اور مداومت کے نتیجے میں معصیت بن جاتا ہے، اور اصرار و مداومت کے ساتھ اس کا ارتکاب موجب فسق ہوتا ہے۔

ابن الحاجؒ فرماتے ہیں: ''**وأما المكروه فقد قال علماؤنا: إن المداومة على المكروه يفسق فاعله**'' (المدخل:۳/۲۱۱)۔

ابواسحاق شاطبیؒ نے لکھا ہے:''**فإن الإثم في المحرمة هو الظاهر، وأما المكروهة فلا إثم فيها في الجملة ما لم يقترن بها ما يوجبها، كالإصرار عليها، إذ الإصرار على الصغيرة يصيرها كبيرة فكذلك الإصرار على المكروه فقد يصير صغيرة**'' (الاعتصام:۱/۲۲۲)

گناہ حرام میں تو ظاہر ہے، اور مکروہ فی الجملہ اس میں گناہ نہیں ہے، جبکہ وہ موجب اثم کو شامل نہ ہو، جیسے اس پر اصرار کرنا، کیونکہ صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہے، اسی طرح مکروہ پر اصرار صغیرہ ہے۔

علمائے مصر کا موقف:

جمہور علما اور ائمۂ اربعہ کے مسلک کے مطابق ڈاڑھی واجب ہے یا سنت ہے، اور اسے اتنا تراشنا جو اِعفاء (یعنی قدر مشت سے زائد) کے منافی ہو؛ حرام یا مکروہ ہے، لہٰذا بہر دو صورت اس کا ارتکاب اور اس پر مداومت و اصرار موجب فسق ہے، لیکن اس کے برخلاف بعض علماء مصر کے نزدیک ڈاڑھی ایک امر مستحسن ہے، جس کی اتباع موجب ثواب ہے، لیکن اس کا ترک موجب ملامت نہیں ہے۔

اس موقف کی وجوہ اُن ہی کے الفاظ میں نقل کی جاتی ہیں:

(الف) جو امور آپ ﷺ سے فطرت انسانی کے اقتضا سے ثابت ہیں، یا بلادِ عرب میں جاری عادت و عرف کے مطابق آپ سے صادر ہوئے، جیسے لباس و پوشاک یا کھانے پینے کے طریقے وغیرہ؛ ان میں سے بعض کے متعلق اختلاف ہے کہ آپ ﷺ کا ان امور کو اختیار کرنا بیانِ شرع کے قبیل سے ہے یا عادات کے قبیل سے ہے؟ جیسے: ڈاڑھی رکھنا، تو اکثر علماء کے نزدیک یہ محض عادت کے قبیل سے نہیں ہے؛ بلکہ حکم شرعی کے قبیل سے ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے اسے فقط اختیار نہیں کیا؛ بلکہ آپ نے اس کا حکم دیا، چنانچہ ارشاد ہے:''**قصّوا الشارب وأعفوا اللحى**''۔

لیکن دیگر بعض کے نزدیک یہ عمل از قبیل عادت ہے، حکم شرعی کے قبیل سے نہیں ہے، لہٰذا شرعاً اس کا اتباع لازم نہیں ہے، اور آپ ﷺ کا حکم دراصل یہود اور عجمیوں کی مشابہت کی بنا پر تھا کہ وہ مونچھوں کو لمبا اور ڈاڑھی کو منڈتے تھے، علماء مصر نے اسی موقف کو اختیار کیا (دیکھئے: اُصول الفقہ للشیخ محمد ابوزہرہ:۱۱۵)۔

(ب) حدیث میں ڈاڑھی کو خصالِ فطرت میں شمار کیا گیا ہے، اور یہ خصالِ فطرت مسنون یا مستحب ہیں، لہٰذا ڈاڑھی کا حکم بھی سنت یا استحباب سے زیادہ نہیں، اور جن احادیث میں آپ ﷺ نے اِعفاء و توفیر کا حکم دیا ہے؛ اس کی علت

مجوس ومشرکین کی مشابہت ہے، اور محض مشابہت کی وجہ سے عمل حرام یا منکر نہیں ہوجاتا، اگر اسی کو بنیاد بنایا جائے تو آج اِعفاء لحیہ حرام ہو، کیوں کہ یہ آج تمام مذاہب کے راہبوں کا شعار ہے، اس لیے صحیح یہ ہے کہ لباس، شخصی ہیئت اور حلق لحیہ وغیرہ امورِ عادیہ میں سے ہیں، جس کا حسن وقبح عرف وماحول کے تابع ہے (دیکھئے: الفتاوی للشیخ شلتوت: ۲۱۰)۔

(ج) اَحادیث میں وارد امر جس طرح وجوب کے لیے ہوتا ہے؛ اسی طرح محض افضل کی رہنمائی کے لیے بھی ہوتا ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ لباس، کھان پان اور ہیئت شخصی کے متعلق امر اسی قبیل سے ہیں، کیونکہ یہ امور عبادات میں داخل نہیں، جن کا التزام ضروری ہو (دیکھئے: فتوی الشیخ جادالحق علی جادالحق، دیکھئے: فتاوی وزارۃ الأوقاف المصریہ)۔

(د) مخالفت مشرکین کا حکم علی الاطلاق واجب ہو؛ ایسا ضروری نہیں، ورنہ خضاب بھی لازم ہونا چاہیے، کیوں کہ حدیث میں ہے: "**إن اليهود والنصارى لا يصبغون، فخالفوهم**" (متفق علیہ)، حالانکہ یہاں عدمِ وجوب پر اجماع ہے، اور غیروں کی مخالفت اس وقت ممنوع ہے، جبکہ ان کے دینی خصائص وشعائر سے مشابہت لازم آتی ہو، ورنہ عرف وعادت پر مبنی امور میں مشابہت نہ مکروہ ہے، نہ حرام ہے (مشروع فتاوی الأزہر فی مئۃ عام الموضوع حلق اللحیۃ واِعفاؤہا)۔

تعیین راجح:

راجح جمہور اور ائمۂ اربعہ ہی کا موقف ہے، اس لیے کہ اگرچہ اِعفاء لحیہ امورِ فطرت میں داخل ہے؛ لیکن اِعفاء لحیہ کے سلسلے میں مستقل امر وارد ہے، لہٰذا یہ محض سنن فطرت اور امور عادیہ میں سے نہ رہا۔

دوسرے یہ کہ امر علی الاطلاق وجوب کے لیے آتا ہے، یہی جمہور اصولیین کا مسلک ہے۔

تیسرے یہ کہ یہاں کوئی وجوب سے قرینۂ صارفہ موجود نہیں ہے، بلکہ صحیح مرسل روایت کے مطابق محلوق اللحیہ سے آپ ﷺ کا اعراض فرمانا، بلکہ "**ولكن قد أمرني ربي بإعفاء لحيتي وقصّ شاربي**" فرمانا اِس وجوب کو مؤکد کرتا ہے۔

چوتھے یہ کہ مجوس، یہود اور مشرکین وغیرہ کی مخالفت میں یہ حکم وارد ہے، اور یہ سبب موجودہ دور میں بھی موجود ہے کہ آج حلق لحیہ کفار وفساق کی خاص پہچان ہے۔

مزید یہ کہ گو کفار کے ساتھ ہر مشابہت حرمت میں شامل نہیں؛ لیکن جب وہ فساق وکفار کی شناخت ہو تو مشابہت کراہت سے خالی نہیں ہوگی، جس پر اصرار موجب فسق ہے، لہٰذا اسے مباح قرار دینا ارشاداتِ نبوی کی خلاف ورزی ہوگی۔

تاہم جن حضرات نے دوسرا مسلک اختیار کیا ہے اُس کی بھی ایک علمی بنیاد ہے، گو محققین کے نزدیک وہ ضعیف ہے، اس لیے اس مسلک کے اختیار کرنے والے پر فسق کا حکم عائد کرنا درست نہیں ہوگا، واللہ أعلم۔

☆☆☆

فسق اوراس پرمرتب ہونے والے احکام

مولانا عبیداللہ ندوی☆

لغوی تعریف:

یہ کلمہ اپنی اصل میں، مادہ ''فسق'' کی طرف لوٹتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''**فَسَقَ، یَفسُق، یَفسِق، فسقا وفسوقا**''، لیکن جب ہم معاجم اور عربی لغات کی طرف رجوع کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ کلمہ متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن سب دلالت میں متقارب ہیں، اس کلمہ کا زیادہ تر اطلاق درج ذیل معانی پر ہوتا ہے:

۱-''**الخروخ عن الطاعة ،و عن الدین ،وعن الاستقامة**''، اطاعت سے نکل جانا، دین سے نکل جانا، استقامت سے نکل جانا، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''**فسقت الرطبةإذا خرجت عن قشرها**'' پودا نکل گیا، جبکہ وہ چھلکے سے باہر آجائے (دیکھئے: لسان العرب ابن منظور ۱۰/ ۳۰۸، الصحاح للجوھری ۴/ ۵۴۳، تاج العروس ۲۶/ ۳۰۲، القاموس المحیط للفیروزابادی ۱/ ۱۱۸۵)۔

یہ بھی کہا جاتا ہے: ''**الفسق أصله: خروج الشیء من الشیء علی وجه الفساد**'' (فسق کی اصل: کسی چیز کا کسی چیز سے علی وجہ الفساد نکل جانا ہے) (دیکھئے: المصباح المنیر للفیومی ۲/ ۴۷۳)، اسی وجہ سے فاسق کو فاسق کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ وہ خیر سے نکل گیا ہے (دیکھئے: تاج العروس ۲۶/ ۳۰۲، القاموس المحیط ۱/ ۱۱۸۵)، نیز اسی وجہ سے چوہیا کو ''**فویسقة**'' کہا جاتا ہے؛ کیوں کہ وہ اپنے بل سے نکل کر لوگوں کے پاس آجاتی ہے (دیکھئے: النہایۃ لابن الاثیر ۳/ ۳۳۹)۔

۲-فسق کے دوسرے معنی میل وانحراف کے بھی آتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے: ''**فسقت الرکاب عن قصد السبیل**'' (سواری درست راہ سے ہٹ گئی)؛ جب کہ وہ زیادتی کرے اور راستہ سے ہٹ جائے (لسان العرب ۱۰/ ۳۰۸، تہذیب اللغۃ ۸/ ۴۱۴)۔

۳-فسق کے معنی فجور اور خبث کے بھی آتے ہیں، کہا جاتا ہے: ''**فسق الرجل أی فجر ،والفواسق من النساء، الفواجر**'' آدمی فاسق ہوگیا، یعنی اس نے فجور اور گناہ کیا، عورتوں میں سے فواسق، یعنی فاجرہ عورتیں، نیز عرب فاسق کا وصف بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں؛ یا ''**فُسَق الخبیث**'' نیز بطور استعارہ حیوانات کے لئے بھی کہا جاتا ہے:

☆ استاذ حدیث وادب دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات

''الخمس فواسق'' حدیث میں بھی ہے:''خمس فواسق یُقتلن فی الحل والحرم''نیز چوہیا کو بھی اس کی خباثت کی وجہ سے ہی''فویسقة'' کہا جاتا ہے(دیکھئے:لسان العرب اور المصباح المنیر حوالہ سابق)۔

۴-فسق کے معنیٰ'' ترک'' کے بھی آتے ہیں،یعنی اللہ کے حکم کو چھوڑنا،نافرمانی کرنا،اور اللہ سبحانہ وتعالی کی راہ سے نکل جانا(دیکھئے:حوالہ سابق)۔

اصطلاحی تعریف:

فقہاء نے اس کی متعدد تعریفات کی ہیں،لیکن تمام تعریفات مضمون کے اعتبار سے ایک ہی ہیں،گرچہ الفاظ میں معمولی اختلاف ہے،انھیں میں سے چند یہ ہیں:

۱-شوکانی فرماتے ہیں:''هو الخروج عن الطاعة وتجاوز الحدبالمعصية'' (طاعت سے نکل جانا،اور معصیت کے ذریعہ حد سے تجاوز کرجانا)، چنانچہ کہا جاتا ہے:''رجل فاسق: إذا عصى وتجاوز حدود الشرع، ويقال: فسق عن أمر ربه، أى خرج عن طاعته''۔

فسق،کفر سے عام ہے،یہ کفر اور اس سے کم معاصی کو بھی شامل ہوتا ہے،خواہ وہ معاصی چھوٹے ہوں یا بڑے،اور کبھی کبھی اس کا اطلاق کفر پر بھی ہوتا ہے،جبکہ مطلق بولا جائے اور کبھی کفر سے کم گناہوں اور معاصی کے لئے بھی بولا جاتا ہے،معصیت کے درجہ اور عاصی کے حال کے پیش نظر(دیکھئے:تفسیر شوکانی ۱/ ۶۸)۔

۲-''وقيل: ''العصيان والترك لأمر الله، والخروج عن طريق الحق'' (المحکم والمحیط الاعظم لابن ۶/ ۱۴۸)،(یہ تعریف بھی کی گئی ہے کہ اللہ کے احکامات کو ترک کرنا اور جادۂ حق سے نکل جانا)۔

گویا کہ اصطلاح میں فسق کی دو انواع ہیں،ایک وہ جو کفر وشرک اکبر کا مقابل ہے،جو مرتکب کو اسلام سے خارج کردیتا ہے،اور مطلق ایمان کی نفی ہوجاتی ہے،اور اگر بغیر توبہ کے انسان مرجائے تو خلود فی النار ہوگا اور شافعین کی شفاعت اسے نفع نہیں پہنچائے گی،اللہ تعالی فرماتے ہیں:''إنهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون'' (توبہ ۸۴)، (انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور مرے اس حال میں کہ وہ فاسق تھے)۔

دوسرے فسق اصغر،جو کفر یا شرک اصغر کے مقابل ہے اور اس سے مراد وہ معصیت ہے جس کا مرتکب اصل ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے اور اسلام کی صفت اس سے زائل نہیں ہوتی ہے،اللہ تعالی فرماتے ہیں:''يا أيها الذين آمنوا إن جائكم فاسق بنبأ فتبينوا ''(حجرات:۶)(اے ایمان والو!اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو)،نیز فرمایا:''ولا يضار كاتب ولا شهيد وإن تفعلوا فإنه، فسوق بكم واتقوا الله

ویعلمکم اللہ واللہ بکل شئی علیم" (بقرہ:۲۸۲)(اور نہ کاتب کو نقصان پہونچایا جائے گا، نہ گواہ کو، اور اگر تم نے ایسا کیا تو یہ تمہارے حق میں فسق ہوگا، اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں بتاتے ہیں اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) (دیکھئے: الایمان حقیقتہ، خوارمہ، نواقضہ عند اھل السنۃ، لعبداللہ الاثری ص:۲۴۰)۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: فسق کبھی ترک فرائض سے ہوتا ہے اور کبھی محرمات کے ارتکاب سے (دیکھئے: مجموع الفتاوی ۷/۲۵۱)، ابن حجر فرماتے ہیں: "**الفسق فی اللغۃ: الخروج، وفی الشرع: الخروج عن طاعۃ اللہ ورسولہ، وھو فی عرف الشرع أشد من العصیان**" (دیکھئے: فتح الباری ۱/۱۱۲)، ابن عثیمین فرماتے ہیں: (فسق کی دو انواع ہیں فسق اکبر جو انسان کو ملت سے خارج کر دیتا ہے، اس کی ضد ایمان ہے، جیسے اللہ کا یہ فرمان: "**وأما الذین فسقوا فمأواھم النار**" (سجدہ:۲۰)، دوسرا فسق اصغر جو ملت سے خارج نہیں کرتا، اس کی ضد عدالت ہے، جیسا کہ اللہ کے فرمان: "**یا أیھا الذین آمنوا إن جائکم فاسق بنبأ فتبینوا**" (حجرات:۶) میں ہے (دیکھئے: تفسیر ابن عثیمین، الفاتحۃ والبقرۃ، ۱/۲۰۵)۔

بہر حال اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو منافق بھی فاسق ہے اور کافر بھی، کیونکہ دونوں اللہ کی عبادت وطاعت سے نکل گئے ہیں، لیکن جہاں تک مسلمان پر وصفِ فسق کے اطلاق کا تعلق ہے تو محض ارتکاب معصیت سے وہ فاسق نہیں ہوگا، بلکہ اہل علم کے درمیان اس کا ایک ضابط (قاعدہ) ہے، اور وہ یہ کہ فاسق ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ گناہ -جس کا اس مسلمان نے ارتکاب کیا ہے- کبیرہ ہو، یا صغیرہ ہو، لیکن اس پر اصرار ہو، چنانچہ علامہ بہوتی فرماتے ہیں: "(**والفاسق من أتی کبیرۃ) وھی ما فیہ حد فی الدنیا، أو وعید فی الآخرۃ، (أو داوم علی صغیرۃ)**" (کشاف القناع: ۱/۷۷۵)۔ (فاسق وہ ہے جو (گناہ) کبیرہ کا ارتکاب کرے (اور کبیرہ اسے کہتے ہیں جس پر دنیا میں حد یا آخرت میں وعید ہو) یا کسی صغیرہ پر اصرار کرے)۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو فاسق اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دین کی حد سے تعاطیا (عمل میں کوتاہی کیوجہ سے) نکل گیا ہے اور کافر کو فاسق اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حد دین سے اعتقادا نکلا ہے (المبسوط ۱۶/۱۳۴)۔

ان تعریفات اور اقوال میں غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دراصل فسق کا مصداق متعین کرنے میں ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقیات کو بڑا دخل ہے، خلاصہ یہ کہ جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے، یا کسی ایک نوع کے صغیرہ پر یا مختلف صغائر پر اصرار کرے تو وہ فاسق ہوجائے گا اور اس کی عدالت ساقط ہوجائے گی۔ واللہ اعلم

موجودہ حالات میں عبادات اور معاملات وغیرہ میں فسق پر کیا احکام مرتب ہوں گے؟

اگر آدمی کا فسق ثابت ہوجائے تو امور دیانت میں اس کی خبر قابل قبول نہیں ہوگی، مثلا پانی کی طہارت یا نجاست

کے بارے میں اس کی خبر، یا دخول وقت نماز کے بارے میں، یا قبلہ کی طرف رہنمائی کے بارے میں، اسی طرح اگر وہ نماز میں امام کو لقمہ دے تو امام رجوع نہیں کرے گا، رمضان المبارک و دیگر مہینوں کے چاند کی رؤیت کے بارے میں اس کی خبر قبول نہیں کی جائے گی، البتہ وہ حاکم وقت کو اپنی رؤیت کی اطلاع دے سکتا ہے، بلکہ مستحب ہے کہ دے، اور اگر وہ عالم ہے تو اس کا فتوی نا قابل قبول ہوگا، نیز اگر وہ مجتہد ہے تو اس کا اجتہاد بھی قبول نہیں ہوگا، فاسق اہل رخصت میں سے نہیں ہے، سفر وغیرہ میں شرعی رخصتین مثلا موزوں پر مسح، رباعی نمازوں میں قصر، جمع بین الصلاتین، سقوط جمعہ، سواری پر ہونے کی وجہ سے عدم استقبال قبلہ، ماہ رمضان میں افطار (روزہ نہ رکھنا) وغیرہ، حاصل نہ ہوں گی۔

امام ابوبکر جصاصؒ سورہ حجرات کی آیت: "**إن جائكم فاسق بنبأ فتبينوا**" (سورہ حجرات:٦) کے تحت لکھتے ہیں:

"**فاقتضى ذلك النهي عن قبول شهادة الفاسق مطلقا، إذ كان كل شهادة خبرا، وكذلك سائر أخباره، فلذلك قلنا: شهادة الفاسق غير مقبولة في شيء من الحقوق وكذلك إخباره في الرواية عن النبي ﷺ، وكل ما كان من أمر الدين يتعلق به، من إثبات شرع أو حكم أو إثبات حق على إنسان**" (احکام القرآن ٢٧٨/٥-٢٧٩) (یہ تقاضہ کرتا ہے کہ فاسق کہ شہادت مطلق قبول نہ کی جائے، کیونکہ ہر شہادت خبر ہے، اسی طرح اس کی بقیہ تمام خبروں کا حکم ہوگا، اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ فاسق کی شہادت حقوق سے متعلق کسی بھی چیز میں قبول نہیں کی جائے گی، نیز حضور اکرم ﷺ کی احادیث کے بارے میں، اور ہر اس چیز کے بارے میں اس شہادت قبول نہیں کی جائے گی جس کا تعلق امر دین سے ہو، مثلا شرع یا کوئی حکم یا کسی انسان پر اثبات حق وغیرہ)۔

البتہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ فاسق کی خبر چند چیزوں میں قبول کی جائے گی، مثلا دنیاوی معاملات میں اس کی خبر قبول کی جائے گی، مثلا ہدیہ وغیرہ میں، جب وہ یہ کہے کہ فلاں نے آپ کے لئے یہ ہدیہ بھیجا ہے تو اس کا قبول کرنا اور اس پر قبضہ کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر وہ یہ کہے کہ فلاں نے مجھے یہ غلام بیچنے کا وکیل بنایا ہے تو اس کو خریدنا جائز ہوگا، اسی طرح گھر میں داخل ہونے کی اجازت لیتے وقت اگر مالک مکان یہ کہے کہ آجاؤ، تو اس میں عدالت کی شرط نہیں ہے، نیز تمام معاملات میں یہی حکم ہوگا، آیت میں مراد شہادات، الزام حقوق اور اثبات احکام دین ہیں (جو فاسق کی خبر سے ثابت نہیں ہوں گے) واللہ اعلم (دیکھئے حوالہ سابق)۔

ابن العربی فرماتے ہیں: "**من ثبت فسقه بطل قوله في الأخبار إجماعا، لأن الخبر أمانة، والفسق قرينة تبطلها، فأما في الإنسان على نفسه فلا يبطل إجماعا**" (جس کا فسق ثابت ہوجائے اس کا قول اخبار کے سلسلہ میں بالاجماع باطل ہے، اس لئے کہ خبر امانت ہے، اور فسق ایسا قرینہ ہے جو اس کو باطل کر دیتا ہے، البتہ اگر وہ اپنے

بارے میں شہادت دے تو بالا جماع باطل نہیں ہوگی)

"ولا خلاف فی أنه یصح أن یکون رسولا عن غیره فیقول یبلغه، أو شیء یوصله، أو إذن یعلمه، إذ لم یخرج عن حق المرسل والمبلغ، فإن تعلق به حق لغیرهمالم یقبل قوله، فهذا جائز للضرورة الداعیة إلیه" انتهی (احکام القرآن ۴/ ۱۷۱۵، ۱۷۱۶) (اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ وہ (فاسق) دوسرے کی طرف سے قاصد بن سکتا ہے کسی بات کو پہونچانے میں، یا کسی چیز کو پہونچانے میں یا کسی اجازت کی اطلاع دینے میں کیونکہ وہ مرسِل اور مبلِغ کے حق سے نہیں نکلا ہے، البتہ اگر ان دونوں (مرسل اور مبلغ) کے علاوہ کسی اور کا حق اس سے متعلق ہو تو پھر اس کی بات قبول نہیں کی جائے گی، یہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے جائز ہوا ہے)۔

امام قرطبی لکھتے ہیں: "من ثبت فسقه بطل قوله فی الأخبار إجماعا،لأن الخبر أمانة ،والفسق قرینة تبطلها فأما فی الإنسان علی نفسه، فلا یبطل إجماعا، وقد استثنی الإجماع من جملة ذلک ما یتعلق بالدعوی والجحود، وإثبات حق مقصود علی الغیر، مثل أن یقول: هذا عبدی، فإنه یقبل قوله، وإذا قال: قد أنفذ فلان هذالک هدیة، فإنه یقبل ذلک، .....وکذلک إذا أقر لغیره بحق علی نفسه فلا یبطل إجماعا،انتهی" (تفسیر القرطبی ۱۹/ ۳۶۹) (جس کا فسق ثابت ہو جائے اس کا قول اخبار کے سلسلہ میں بالا جماع باطل ہے، اس لئے کہ خبر امانت ہے، اور فسق ایسا قرینہ ہے جو اس کو باطل کر دیتا ہے، البتہ اگر وہ اپنے بارے میں شہادت دے تو بالا جماع باطل نہیں ہوگی، البتہ اجماع کی وجہ سے ان امور میں سے وہ چیزیں مستثنی ہوں گی جن کا تعلق دعوی، جحود اور کسی غیر پر حق مقصود سے ہے، مثلاً وہ یہ کہے کہ یہ میرا غلام ہے، تو اس کی بات مان لی جائے گی، اور جب وہ یہ کہے کہ فلاں شخص نے یہ آپ کے لئے ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی بات قبول کر لی جائے گی، اسی طرح اگر اپنے اوپر کسی غیر کے لئے کسی حق کا اقرار کرے تو یہ اقرار بالا جماع باطل نہیں ہوگا)۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں: "اللہ تعالی نے فاسق کی خبر رد کرنے کا حکم نہیں دیا ہے، بلکہ تحقیق کا حکم دیا ہے، لہٰذا اگر اس کی صداقت کے دلائل ظاہر ہو جائیں تو اس کی خبر قبول کی جائے گی، اور اگر اس کے کذب کے دلائل ظاہر ہو جائیں تو اس کی خبر رد کر دی جائے گی، اور اگر دونوں میں کوئی بھی چیز واضح نہ ہو تو توقف اختیار کیا جائے گا" (إعلام الموقعین ۱/ ۱۰۴)، سعدی نے بھی اپنی تفسیر میں اسی طرح کی بات لکھی ہے (دیکھئے: تفسیر سعدی، ص: ۹۹۷)۔

پابند صوم وصلاۃ داڑھی مونڈنے والے کی گواہی کا حکم؟

مسلمان جو عاقل، بالغ، بینا اور عادل ہو وہ قاضی یا رؤیت ہلال کمیٹی کے سامنے لفظ شہادت کے ساتھ چاند دیکھنے

کی گواہی دے سکتے ہیں،لیکن گواہ کے عادل نہ ہونے کی صورت میں قاضی یا رؤیت ہلال کمیٹی پر گواہ کا اعتبار کرنا واجب نہیں ہوتا ہے،یعنی اگر قاضی یا رؤیت ہلال کمیٹی فاسق شخص کو اس معاملہ میں سچا سمجھے تو گواہی قبول کرے،ورنہ گواہی ترک کردے، گویا کہ مدار قاضی یا کمیٹی پر ہے۔

داڑھی منڈانا گناہ کبیرہ ہے اور کبیرہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے،اور فاسق کی گواہی قبول کرنا قاضی پر واجب نہیں ہے،البتہ اگر قاضی کو قرائن سے معلوم ہوجائے کہ یہ شخص فاسق ہونے کے باوجود،بات سچ کہہ رہا ہے اور اس بنیاد پر قاضی اس کی گواہی قبول کرلے تو اسے یہ حق حاصل ہے،دلیل بخاری شریف کی یہ حدیث ہے: ''**أن عبد الله بن عتبة قال: سمعت عمر بن الخطابؓ يقول: إن ناسا كانوا يؤخذون بالوحي في عهد رسول الله ﷺ، و إن الوحي قد انقطع، وإنما نأخذكم الآن بما ظهر لنا من أعمالكم، فمن أظهر لنا خيرا، أمناه، وقربناه، وليس إلينا من سريرته شيء، اللّٰه يحاسبه في سريرته، ومن أظهر لنا سوئالم نأمنه، ولم نصدقه، وإن قال: إن سريرته حسنة**'' (بخاری،رقم:۲۶۴۱)،(حضرت عبداللہ بن عتبہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر بن خطابؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ کچھ لوگ حضور ﷺ کے زمانہ میں وحی کے ذریعہ پکڑ لئے جاتے تھے،لیکن اب وحی کا سلسلہ بند ہو چکا ہے،لہٰذا اب ہم تمہاری گرفت تمہارے ظاہری اعمال سے کریں گے،لہٰذا جو خیر ظاہر کریگا ہم اسے امن دیں گے، اسے قریب کریں گے اور اس کے باطن سے مجھے کچھ لینا دینا نہیں،اللہ اس کے باطن کا محاسبہ کریں گے،اور جو برائی ظاہر کریگا تو نہ ہم اس کو امن دیں گے،نہ ہی اس کی تصدیق کریں گے،خواہ وہ کتنا ہی کہے کہ اس کا باطن اچھا ہے)۔

درمختار وردالمحتار میں ہے:

''اور ان کا قول اور خلاصہ میں ہے:ہر وہ کام جو مروئت اور شرافت کو داغدار کردے وہ (گناہ) کبیرہ ہے،اور ابن الکمال نے اس کو ثابت کیا ہے،فرمایا ہے:(انسان) جب کبیرہ کا ارتکاب کرے گا تو اس کی عدالت ساقط ہوجائے گی،اور اسکا قول:اور خلاصہ میں ہے،''کتاب الاقضیۃ'' میں فرمایا ہے:جو شخص جھوٹ کا عادی ہوجائے اگر وہ توبہ بھی کرلے تو اس شہادت قبول نہیں کی جائے گی،ذخیرہ میں ایسے ہی ہے اور شارح عنقریب اس کو ذکر کریں گے،اور ان کے قول:کبیرہ کا مطلب صحیح قول کے مطابق یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو مسلمانوں کے درمیان شنیع ہو اور اس میں دین کی حرمت پر بٹّہ لگتا ہو،جیسا کہ قہستانی وغیرہ نے شرح وبسط سے لکھا ہے،شرح ''الملتقی'' میں بھی اسی طرح ہے،اور ''فتح'' میں فرمایا ہے:اور ''الفتاوی الصغری'' میں ہے کہ عادل وہ ہے جو تمام کبیرہ گناہوں سے بچے،حتی کہ اگر ایک بھی کبیرہ کا ارتکاب کرلیا تو اس کی عدالت ساقط ہوجائے گی،اور صغائر میں اعتبار غلبہ کا ہوگا تاکہ کبیرہ بن سکے،یہ اچھی تعریف ہے،اور اس کو شیخ عصام کی ''ادب القضاء'' سے

نقل کیا ہے، اور اسی پر اعتماد ہے، مگر یہ کہ قاضی ظہور کا محتاج ہوگا کیونکہ ارتکاب کبیرہ کیوجہ سے عدالت ختم ہوگئی ہے، اسی وجہ سے نشہ اور حرام اشیاء کے پینے میں ادمان (دلدادہ اور رسیا ہونے) کی شرط لگائی ہے''۔

لیکن عدل کے باب میں ایک اہم بات جو کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص کے شاہد ہونے کے لئے جو عدل کا اعتبار ہے، وہ اس کی شہادت کی حیثیت سے ہے، یعنی ادائے شہادت میں وہ غیر عادل نہ ہو، زندگی کے دوسرے مراحل میں وہ عادل ہے یا نہیں، اس موقع پر یہ سوال زیر بحث نہیں ہوگا، یعنی کوئی شاہد اگر ادائے شہادت میں عادل ہے اور اس کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا ہے لوگ اس کو سچا جانتے ہیں، اگر چہ وہ کذب کے علاوہ دوسری طرح کے فسق میں مبتلا ہے تو اس کی شہادت رد نہیں کی جائے گی چنانچہ ''معین الحکام'' میں جزئیہ موجود ہے: ''**فإذا علم صدق لهجته، وأنه من أصدق الناس وأن فسقه بغير الكذب فلا وجه لرد شهادته**'' (معین الحکام ص:۱۱، بحوالہ آداب قضائص:۲۰۳) (اگر اس کی بات کی سچائی معلوم ہوجائے اور یہ معلوم ہوجائے کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سچا ہے اور اس کا فسق جھوٹ کے علاوہ میں ہے تو اس کی شہادت کے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے)۔

علامہ ابن قیمؒ کی بھی یہی رائے ہے، ان کے قول کو قاضی قدس نے اپنی کتاب میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے: ''**وقال ابن القيم الجوزية الحنبلي: وسر المسئلة أن مدار قبول الشهادةوردها على غلبة الصدق وعدمه، قال: والصواب المقطوع به أن العدالة تتبعض، فيكون الرجل عدلا في شيء، فاسقا في شيء، فإذا تبين للحاكم أنه عدل فيما شهد به قبلت شهادته ولم يضره فسقه في غيره**'' (معین الحکام ص:۱۱۸، بحوالہ آداب قضاء/ ۲۰۳) (ابن قیم جوزی حنبلی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ شہادت کے قبول اور رد کرنے کا مدار صدق اور عدم صدق کے غلبۂ ظن پر ہے، نیز فرمایا: کہ درست اور قطعی و یقینی بات یہ ہے کہ اس کے بہت سے اجزاء ہیں، اس لئے ایک آدمی ایک معاملہ میں عادل اور دوسرے میں فاسق ہوسکتا ہے، اس لئے اگر حاکم کے سامنے یہ واضح ہوجائے کہ وہ جس کی شہادت دے رہا ہے، اس میں عادل ہے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی، اور کسی دوسرے معاملہ میں اس کا فاسق ہونا اس کے لئے مضر نہ ہوگا)۔

بہر حال اس بنا پر کہ حقوق العباد کی تضییع اور بربادی شرعا اور عرفا دونوں لحاظ سے محظور ہے، علماء متاخرین نے بھی فاسق کی شہادت کو جائز رکھا ہے، اگر قاضی کو اس کی گواہی پر ظن غالب حاصل ہوجائے، قاضی ثناء اللہؒ نے تفسیر مظہری میں لکھا ہے: ''**بل فزماننا هذا ،الفاسق إذا كان وجيها ذا مروئة يغلب على الظن أنه لا يكذب في الشهادة أو دلت القرائن على صدقه يقبل شهادته**'' (تفسیر مظہری، سورہ بقرہ ۱/ ۴۲۸) (بلکہ ہمارے اس زمانہ میں اگر فاسق ذی وجاہت اور ذی مروئت ہو اور ظن غالب ہو کہ وہ گواہی میں جھوٹ نہیں بول رہا ہے، یا قرائن سے اس کی سچائی معلوم ہوجائے تو

اس کی شہادت قبول کی جائے گی)۔

علامہ شامیؒ نے ''درر'' سے ''ردالمحتار'' میں لکھا ہے:''**وفی الفتاوی القاعدیة: هذا إذا غلب علی ظنه صدقه، وهو مما یحفظ وظاهر قوله وهو مما یحفظ، اعتماده**'' (ردالمحتار ۸/۱۷۹، کتاب الشہادات)۔(اور'' فتاوی قاعدیہ'' میں ہے: یہ اس صورت میں ہے جب کہ اس کی صدقت کا غالب گمان ہو، اور وہ قابل اطمینان لوگوں میں سے ہو)۔

کیا فاسق کو متولی بنانا درست ہے؟ نیز کیا اس کا حکم واجب الاطاعۃ ہوگا؟

اس میں درج ذیل تفصیل ہے:

فاسق شخص شرعاً کسی مسجد کا متولی یا دینی ادارے کا ذمہ دار بننے کا اہل نہیں ہے، اہل مسجد پر لازم ہے کہ ایسے شخص کو مسجد کی منتظمہ کمیٹی کا سکریٹری وغیرہ ہرگز نہ بنائیں، حدیث شریف میں ہے:''**عن أبی موسیؓ قال: دخلت علی النبیﷺ أنا ورجلان من بنی عمی، فقال أحد الرجلین: یا رسول الله أمّرنا علی بعض ما ولاک الله عز وجل، وقال الآخر: مثل ذلک، فقال: إنا والله لانولی علی هذا العمل أحدا سأله، ولا أحدا حرص علیه**'' (مسلم، رقم:۱۷۳۳)، (حضرت ابوموسی اشعریؓ سے روایت ہے کہ میں اور رمرے چچیرے بھائیوں میں سے دولوگ آپ ﷺ کے پاس پہونچے، تو ان دونوں میں سے ایک نے کہا: اے اللہ کے رسول! اللہ نے آپ کو جن کاموں کا ذمہ دار بنایا ہے اس میں سے بعض پر مجھے امیر بنادیجئے، اور دوسرے نے بھی اسی طرح کی بات کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: قسم خدا کی ہم کسی ایسے شخص کو کسی کام کا ذمہ دار نہیں بناتے جو سامنے سے اس کا مطالبہ کرے، اور نہ ایسے کو جو اس کی خواہش کرے)۔

علامی شامیؒ لکھتے ہیں:''**ولا یولی إلا أمین قادر بنفسه أو بنائبه ،لأن الولایة مقیدة بشرط النظر، ولیس من النظر تولیة الخائن؛ لأنه یخل بالمقصود**'' (شامی ۶/۵۷۸، ط: زکریا بکڈپو، البحرالرائق ۵/۲۲۶، ط: کوئٹہ، ہندیہ طبع جدید ۲/۳۸۰)، (ذمہ دار صرف ایسے شخص کو بنایا جائے گا جو امانت دار ہو اور (ذمہ داریاں نبھانے پر) قادر ہو، اس لئے کہ ولایت غور وفکر کی شرط کے ساتھ مقید ہے، اور یہ غور وفکر میں سے نہیں ہے کہ خائن کو تولیت دے دی جائے، کیونکہ یہ مقصود میں مخل ہے)۔

بلکہ شامی میں اسی عبارت کے اوپر یہ لکھا ہے کہ اگر متولی میں غیر شرعی اعذار اور قباحتیں پیدا ہوجائیں تو وجوبی طور پر (سب کے باہمی مشورہ سے) اس سے تولیت چھین لینی چاہئے اور اسے عہدہ سے برطرف کردیا جانا چاہئے:''**وینزع وجوبا لو غیر مأمون أو عاجز أو ظهر فسقه**'' (حوالہ سابق) (گرنا قابل اطمینان ہو یا عاجز ہو یا اس کا فسق ظاہر ہوجائے تو وجوبی طور پر اس سے تولیت چھین لی جائے گی)۔

خلاصہ یہ کہ مسجد چونکہ شعائر اسلام میں سے ہے، لہذا جو شخص اسلامی شعائر کا محافظ، شریعت کا پابند، خداترس، دیانت

دار ہو، مسجد کی ضروریات کا اچھی طرح انتظام کرسکتا ہو اور آمد وخرچ کا حساب صحیح طریقے سے کرا ور رکھ سکتا ہو، ایسے شخص کو متولی اور ذمہ دار بنانا چاہئے، مفتی شفیع صاحبؒ سورہ انفال آیت نمبر چونتیس (۳۴) کے تحت لکھتے ہیں: اصول یہ ہے کہ اس کے (مسجد حرام کے) متولی صرف متقی مسلمان ہی ہوسکتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد کا متولی، مسلمان، دیندار، پرہیزگار ہونا چاہئے، اور بعض حضرات مفسرین نے "إن أولیائه إلا المتقون" (سورہ انفاق:۳۴)، میں ضمیر اللہ کی طرف راجع قرار دیکر یہ معنی لکھے ہیں کہ اللہ کے ولی صرف متقی، پرہیزگار لوگ ہوسکتے ہیں (دیکھئے: معارف القرآن ۴/۲۲۹ط: نعیمیہ دیوبند)۔

فاسق کو متولی بنانے میں مسجد، شعائر دین، امام اور مؤذن نیز مصلیوں کی بھی توہین وتحقیر لازم آتی ہے، ارشاد باری ہے: "إنما یعمر مساجد الله من آمن بالله والیوم الآخر وأقام الصلاة وآتیٰ الزکوٰة ولم یخش إلا الله" (توبہ:۱۸) (اللہ کی مسجدوں کو وہی آباد رکھتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے)۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مولانا آزادؒ لکھتے ہیں: ''قرآن کریم میں یہ حقیقت بھی واضح کردی گئی ہے کہ خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہونچتا ہے، اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہوسکتے ہیں، یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق وفاجر آدمی مسجد کا متولی نہیں ہوسکتا، کیونکہ دونوں (خانہ خدا کی تولیت اور فاسق وفاجر) میں کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی، بلکہ متضاد باتیں جمع ہوجاتی ہیں (وہ یہ کہ مسجد خدا پرستی کا مقام ہے اور فاسق وفاجر خدا پرستی سے نفور (بھاگنے والا) ہے'' (ترجمان القرآن ۲/۸۰)۔

فتاوی ابن تیمیہ میں ہے: "ولا یجوز تولیة الفاسق مع إمکان تولیة البَّر" (مجموع الفتاوی ۱/۱۵۰)، (نیک، دین دار اور پرہیزگار متولی ملنے کا امکان ہونے کے باوجود فاسق کو متولی بنانا درست نہیں)۔

رہی بات یہ کہ اگر وہ متولی یا ذمہ دار بن گیا ہے، تو کیا ان اداروں کے خدام اور افراد تنظیم کے لئے واجب الاطاعت ہوگا یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غیر معصیۃ اللہ میں اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا مندرجہ ذیل قرآن وحدیث اور اجماع کی دلائل کیوجہ سے واجب ہوگا، خواہ وہ فاسق ہی کیوں نہ ہو، اور کسی کے لئے حکم عدولی جائز نہیں ہوگا۔

۱-قرآن: "یاأیها الذین آمنوا أطیعوا الله وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم" (نساء:۵۹) (اے ایمان والو اللہ کی اور اس کے رسول ﷺ کی اور الوالامر کی اطاعت کرو)۔

وجہ دلالت: لفظ عام ہے، فاسق وفاجر اور ظالم سب کو شامل ہے۔

۲-حدیث شریف: احادیث نبویہ میں ظالم وجابر اور فاسق حاکم وذمہ دار کے سمع وطاعت کی بے شمار روایات ہیں، مثلاً مسلم شریف میں حضرت عوف بن مالکؓ سے روایت ہے: "أن النبی ﷺ قال: ألا من ولی علیه وال فرآه یأتی

شيئامن معصية الله فليكره ما يأتى من معصية الله ولا ينزعن يدا من طاعته" (مسلم،رقم:۱۸۵۵)(نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سن لو جس کے اوپر کسی کو والی بنایا گیا پھر وہ دیکھے کہ والی اللہ کی معصیت والے کام انجام دے رہا ہے تو نافرمانی والے کاموں کو تو ناپسند کرے لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے)۔

بخاری شریف میں ہے:"**عن عبادة بن الصامت** ؓ **أنه قال: بايعنا رسول الله** ﷺ **على السمع والطاعة فى منشطنا ومكرهنا، و عسرنا ويسرنا، وأثرة علينا، وأن لا ننازع الأمر أهله، إلا أن تروا كفرا بواحا،عندكم من الله فيه برهان**" (بخاری رقم:۷۰۵۵) (حضرت عبادہ بن صامت ؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی اس بات پر کہ ہم سنیں گے اور مانیں گے خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی، تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی، اور اس وقت بھی جب کہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے گی، اور ہم ذمہ داروں سے جھگڑا نہیں کریں گے، الا یہ کہ تم صریح کفر دیکھو، جس کے لئے تمہارے پاس کتاب وسنت کی کوئی دلیل موجود ہو)۔

معلوم ہوا کہ متولی اور ذمہ دار خواہ کتنا ہی فاسق کیوں نہ ہو اس کی اطاعت غیر معصیت میں واجب ہے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو، صرف ایک استثناء ہے "**إلا أن تروا كفرا بواحا**"۔

اجماع: امام نوویؒ نے اس پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں عظیم مصلحت ہے، مثلا مسلمانوں کی اجتماعیت، اتحاد اتفاق وغیرہ، اور دین کا نظام قائم ہی جلب منافع اور اس کی تکمیل اور درء مفاسد اور اس کی تقلیل پر ہے، اس کے خلاف کرنے میں اجتماعیت پارہ پارہ ہوگی اور امت میں انتشار پیدا ہوگا، بدامنی پھیلے گی۔

فسق فی العقیدہ سے کیا مراد ہے؟ نیز اس کے مرتکب کیلئے کیا احکام ہیں؟

جب یہ ثابت ہو چکا کہ فسق کے معنی اللہ کی اطاعت سے نکلنا ہے، تو اللہ کی اطاعت سے نکالنے والا یہ عمل یا اعضاء وجوارح سے ہوگا یا تو اعتقاد سے، چنانچہ اسی بنیاد پر علماء نے اس کی دو قسمیں بیان کی ہیں، علامہ ابن قیم جوزیؒ فرماتے ہیں: فسق کی دو قسمیں ہیں: ایک عمل کے اعتبار سے فسق، دوسرے اعتقاد کے اعتبار سے فسق، یعنی وہ اقوال وافعال جن کے ارتکاب سے آدمی فاسق ہوجاتا ہے اور وہ ہیں کبیرہ گناہ کا ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار (مدارج السالکین ۱/۲۷۶)۔

ابن قدامہؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ فسق کی دو قسمیں ہیں: ایک فسق من حیث الاعمال، دوسرے فسق من حیث الاعتقاد (دیکھئے: المغنی ۱۴/۱۴۸)۔

اور فسق اعتقاد سے مراد، اعتقاد بدعت ہے (المغنی ۱۴/۱۴۸)، ابن قیمؒ فرماتے ہیں: "فسق اعتقاد، جیسے اہل بدعت کا فسق، جو اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حرام سمجھتے ہیں، اللہ کے فرائض کو

فرض وواجب مانتے ہیں،لیکن جہالت اور غلط تاویل یا اپنے شیوخ کی اندھی تقلید کی وجہ سے بہت سی ان چیزوں-جن کواللہ اوراس کے رسول ﷺ نے فرض ولازم کیا ہے-کی نفی کرتے ہیں، نیز بہت سی وہ چیزیں جوثابت نہیں انھیں ثابت کرتے ہیں'' (مدارج السالکین ۱/۲۷۷)۔

بدعت کی دوقسمیں ہیں:

۱-بدعت مکفرہ:یعنی وہ بدعت جس کے ارتکاب سے آدمی کافر ہوجاتا ہے،اس کا ضابطہ یہ ہے کہ جوشریعت کے کسی اصل-جس میں کتاب وسنت کی دلیل قطعی موجود ہو-کی مخالفت کرے، یا کسی متفق علیہ امر کا انکار کرے جس کا ضروریات دین میں سے ہونا معلوم ہو۔

۲-بدعت مفسقہ: جوایسا نہ ہو، یابدعت کا اعتقاد محض تقلید میں کرتا ہوا سے کچھ علم نہ ہو۔

فقہاء کے اقوال کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ فسق اعتقاد بولتے ہیں تو اس سے ان کی مراد خوارج،شیعہ، معتزلہ،مرجۂ اور قدریہ،مجسمہ اور مشبہہ میں سے وہ لوگ ہوتے ہیں جوفسق اعتقادی (یعنی بدعت مفسقہ) کے مرتکب ہوتے ہیں، نیز کبھی کبھی ان لوگوں کو بھی اس میں شامل کردیا جاتا ہے جو بدعتِ عبادات کے شکار ہوتے ہیں، جبکہ وہ (بدعات) زیادہ ہوں اوران کے اعمال پر غالب آجائے۔

فسق فی الاعتقاد کی اقسام: اس کی دوقسمیں ہیں: ایک یہ کہ فسق مؤدی الی الکفر ہو،دوسرے یہ کہ مؤدی الی الکفر نہ ہو،اگر مؤدی الی الکفر ہوتو سارے احکام جو کفار کے ساتھ خاص ہیں وہ اس پر لاگو ہوں گے،اورجس کی بدعت مفسقہ ہواس پر مسلمان فساق والے احکام لاگو ہوں گے،جس کی تفصیلات اوپر آچکی ہیں۔

فاسق کی توبہ کی قبولیت کی شرط:

توبہ کی قبولیت کے لئے علماء نے چند شرائط ذکر کئے ہیں:

۱- اپنے گناہوں پر ندامت اور شرمساری ہو،حدیث میں ہے:''الندم توبۃ'' (ابن ماجہ رقم:۲۵۲۴،مسند احمد رقم:۸۶۵۳)(یعنی توبہ نام ہی ہے ندامت اور شرمساری کا)۔

۲-جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس کوفورا چھوڑ دے اور آئندہ اس سے باز رہنے کا پختہ عزم وارادہ کرے،حدیث میں فرمایا گیا ہے:''**حتی یعود اللبن فی الضرع**'' (ترمذی رقم:۱۶۳۳)(یعنی گناہ کی طرف پلٹ کر جانا ایسے ہی ناممکن ہو جیسے بکری کے تھن میں دودھ کا واپس جانا)۔

۳-تلافی مافات کی فکر کرے،یعنی جوگناہ سرزد ہوچکا ہے اس کا جتنا تدارک اس کے بس میں ہے اس کو پورا کرے

مثلانمازوں، روزوں، وغیرہ کی قضا، زکوۃ کی یک مشت یا قسط وار ادائیگی کرے۔

۴-حقوق العباد کی تلافی، کسی کا حق ہے تو واپس کرے، کسی کو تکلیف پہونچائی ہے تو اس سے معافی مانگے، کیونکہ بندے کا حق اس کے معاف کئے بغیر معاف نہیں ہوسکتا ہے، حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے توبہ کی تکمیل کے لئے یہ شرط ہے۔

لیکن اگر اس کو اپنے کئے پر کوئی ندامت نہیں یا ندامت تو ہے مگر آئندہ کے لئے اس گناہ کو ترک نہ کرے، تو یہ توبہ توبہ نہیں، خلاصہ یہ کہ اگر صدق دل سے توبہ کی ہے تو اور اپنی حالت کی اصلاح بھی کر لی تو وہ فاسق نہیں رہے گا اور اگر ایسا نہیں تو پھر اس کی توبہ کے کوئی معنی نہیں۔

البتہ بعض فقہاء حنابلہ نے یہ صراحت کی ہے کہ توبہ کی صحت کے لئے اصلاح عمل شرط نہیں ہے، بلکہ صرف توبہ کر لینا ہی کافی ہے تاکہ اس شخص پر تائب ہونے کا حکم لگایا جاسکے، انھوں نے استدلال حضور اکرم ﷺ کی اس حدیث سے کیا ہے: "**التائب من الذنب كمن لا ذنب له**" (ابن ماجہ رقم:۴۲۵۰، معجم کبیر رقم:۱۰۲۸۱) (ترجمہ: گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں)۔

نیز جب کافر کی گواہی محض اسلام قبول کرنے کی وجہ سے قبول کی جاسکتی ہے تو فاسق کی گواہی صرف توبہ کرنے سے بدرجۂ اولی قبول کی جائے گی (دیکھئے: کشاف القناع ۶/۴۱۹)۔

داڑھی کی شرعی حیثیت، تحقیق وتجزیہ:

احناف، مالکیہ، حنابلہ اور (ایک قول کے مطابق) شوافع کے جمہور فقہاء کا اجماع ہے کہ داڑھی کا حلق کرانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، ہاں اگر کسی مسلمان کے دین یا مال یا جان یا آبرو پر بن آئے تو تمام مسالک میں یہ ضرورت ہے اور "**الضرورات تبيح المحظورات**" ذیل میں ہم مذاہب اربعہ کی کتب کی عبارتیں انتہائی اختصار کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

احناف: درمختار میں ہے: "**وأما الأخذ منها وهي دون ذلك، كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه أحد ،أخذ كلها فعل يهو د الهندومجوس الأعاجم**" (الدرالمختار مع ردالمحتار ۳/۳۹۸، ط: دارالکتب العلمیہ) (ورجہاں تک داڑھی میں سے کچھ لینے (کاٹنے) کی بات ہے جو ایک مشت سے کم ہو جیسا کہ بعض مغاربہ اور مخنث لوگ کرتے ہیں، تو کسی فقیہ نے اس کی اجازت نہیں دی ہے، اور پوری داڑھی لے لینا ہندوستان کے یہود اور عجم کے مجوس کا طریقہ وعمل ہے)۔

مالکیہ: امام حطاب "**مواهب الجليل شرح مختصر الخليل**" میں لکھتے ہیں: "**وحلق اللحية لا يجوز وكذلك الشارب ،وهو مثلة وبدعة ،يُؤدب من حلق لحيته أو شاربه إلا أن يريد الإحرام بالحج ويخشى طول شاربه**" (مواہب الجلیل ۱/۳۱۳، ط: دارالکتب العلمیہ) (داڑھی کا حلق جائز نہیں ہے، یہی حکم مونچھوں کا بھی ہے،

کیونکہ یہ مثلہ اور بدعت ہے، جو شخص داڑھی اور مونچھوں کا حلق کرائے اس پر تادیبی کاروائی کی جائے گی، الا یہ کہ وہ حج کا احرام باندھنے کا ارادہ رکھتا ہو اور مونچھیں لمبی ہوجانے کا اندیشہ ہو)۔

حنابلہ: علامہ ابن تیمیہؒ ''الاختیارات'' میں لکھتے ہیں: ''**ویحرم حلق اللحیة**''، سفارینی فرماتے ہیں: ''**والمعتمد فی المذهب حرمة حلق اللحية: قال فی الإقناع: ویحرم حلقها، كذا فی شرح المنتهى وغيرها، قال فی الفروع: ویحرم حلقها، ذكره شيخنا، انتهى، وذكره فی الإنصاف ولم يَحكِ فيه خلافا**'' اھ (دیکھئے: غذاء الالباب ۱/ ۳۳۴، ط: دار الکتب العلمیہ، تحقیق: محمد عبد العزیز الخالدی)، (اور مذہب کا صحیح اور معتمد قول یہ ہے کہ داڑھی کاٹنا حرام ہے ''الاقناع'' میں فرمایا ہے: اس کا حلق کرانا حرام ہے ''شرح المنتھی'' وغیرہ میں بھی اسی طرح ہے، ''الفروع'' میں فرمایا: اس کا حلق حرام ہے ہمارے شیخ نے اس کو ذکر کیا ہے، اور ''الانصاف'' میں بھی اس کا ذکر کیا ہے اور کسی کا اختلاف بیان نہیں کیا ہے)، گویا کہ حلق لحیہ کی حرمت امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔

شوافع: جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ اس مسئلہ میں شوافع کے دو قول ہیں: ایک قول کے مطابق داڑھی رکھنا سنت ہے اور بعض متاخرین شوافع کا اسی پر عمل ہے، لیکن نے بعض جزم کے ساتھ لکھا ہے کہ حلق کرانا حرام ہے، پہلے ہم ان کی عبارت نقل کرتے ہیں بعد میں اس پر نقد و تجزیہ پیش کریں گے:

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ ''اسنی المطالب'' میں لکھتے ہیں: **ویكره نتفها ،أی اللحية أول طلوعها إيثارا للمرودة وحسن الصورة ونتف الشيب لما مر فی شروط الصلاة** (اسنی المطالب ۱/ ۵۵۱، ط: دار الکتب العلمیۃ) (اور داڑھی اکھاڑنا اس کے نکلنے کے ابتدائی مرحلہ میں امرد پن کو ترجیح دینے یا خوبصورت بننے کے لئے مکروہ ہے، اور (پکے ہوئے) سفید بال اکھاڑنا بھی مکروہ ہے، جیسا کہ شرائط نماز میں گذر چکا ہے)۔

خطیب شربینیؒ ''مغنی المحتاج'' میں فرماتے ہیں: **ویكره نتف اللحيةأول طلوعها إيثارا للمرودةونتف الشيبةواستعجال الشيب بالكبريت أو غيره طلبا للشيخوخة**'' (مغنی المحتاج ۶/ ۱۸۶، ط: دار إحیاء التراث العربی) (اور داڑھی اکھاڑنا اس کے نکلنے کے ابتدائی مرحلہ میں امرد پن کو ترجیح دینے کے لئے مکروہ ہے، اور (پکے ہوئے) سفید بال اکھاڑنا بھی مکروہ ہے، اور ماچس وغیرہ کے ذریعہ جلدی بڑھاپا لانا بھی مکروہ ہے)، کسی زمانہ میں لوگ سرداری کے حصول کے لئے ایسا کرتے تھے۔

ابن حجر ہیتمیؒ فرماتے ہیں کہ علماء شوافع نے یہاں داڑھی وغیرہ کے حلق اور نتف (اکھاڑنے) کو اعمال مکروہ میں ذکر کیا ہے، اس لئے کہ ہمارے ائمہؒ نے کاٹنا مطلقا مکروہ لکھا ہے، لیکن ابن الرِفعہؒ نے ''الکفایہ'' کے حاشیہ میں اس پر اعتراض نقل کیا ہے، (ابن الرفعہ، ان کا اصل نام احمد بن محمد بن علی انصاری ہے، ابن الرفعۃ سے مشہور ہیں، شافعی فقیہ ہیں، فضلاء مصر میں

سے ہیں، ان کی کئی کتابیں ہیں، اسی میں سے یہ کتاب ہے جس کا پورا نام ''کفایۃ النبیہ فی شرح التنبیہ'' ہے، ۷۱۰ھ میں وفات ہوئی ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے: ''الاعلام'' زرکلی کی: وہ فرماتے ہیں امام شافعیؒ نے ''کتاب الام'' میں اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے، نیز امام زرکشیؒ، اسی طرح حلیمیؒ نے ''شعب الایمان'' میں اور ان کے استاذ قفال شاشیؒ نے ''محاسن الشریعۃ'' میں یہی لکھا ہے اور امام اذرعی نے یہ فرمایا ہے کہ بلاضرورت (یعنی کوئی بیماری ہو یا کوئی معقول شرعی عذر مثلاً زخم نکل آیا اور ردوا لگانا اس کے بغیر ممکن نہیں، یا اسی جگہ آپریشن کرانا ہے یا اس قدر جوئیں پڑ گئیں کہ کسی علاج سے ختم نہیں ہوتیں) داڑھی منڈوانا - جیسا کہ قلندریہ کرتے ہیں - حرام ہے (دیکھئے: تحفۃ المحتاج شرح منہاج، فصل عقیقہ)۔

اس کے بعد فقہاء شوافع نے ابن الرفعہ کے حوالے سے اپنی کتابوں میں لگاتار نقل کیا ہے بغیر کسی نقد و نکار کے، جیسا کہ احمد بن قاسم العباوی نے اپنے حاشیہ ''تحفۃ المحتاج'' میں، اور ''حاشیہ شروانی'' میں، اسی طرح دمیاطی نے ''شرح العباب'' اور ''إعانۃ الطالبین'' میں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سب نے اس کو نقل کیا ہے لیکن کسی نے بھی امام شافعیؒ سے اس کے ثبوت پر کوئی سوال نہیں اٹھایا ہے، نیز امام شافعیؒ سے ہی محمود بن السبکی نے ''المنہل العذب المورود'' میں، معصومی نے ''عقد الجوھر الثمین'' ص: ۷۶۱، میں اور شیخ علی محفوظ نے اپنی کتاب ''الابداع فی مضار الابتداع'' ص: ۴۱۰ میں نقل کیا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ کسی چیز کا عبادت یا عادت ہونا اوامر شرعیہ اور مقاصد شرعیہ کے اس سے متعلق ہونے کی وجہ سے جانا جاتا ہے، اگر حضور اکرم ﷺ سونے، چاندی اور ریشم کو مردوں کے لئے حرام نہ فرماتے تو وہ ان پر حرام نہیں ہوتا، اور نہ ہی ان کا ترک کرنا عبادت ہوتا جس سے اللہ کا قرب حاصل کیا جا سکے، یہی معاملہ ہر اس چیز کے بارے میں ہے جو شریعت میں وارد ہوئی ہیں، انہی میں سے ایک داڑھی کا مسئلہ بھی ہے، اگر اس میں بات عادت یا ملکی اور معاشرتی رسم و رواج کی ہوتی تو حضور اکرم ﷺ قطعاً کسی امر و نہی کا حکم نہیں فرماتے، لیکن بے شمار احادیث میں آپ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے داڑھی چھوڑ دینے کا حکم فرمایا ہے، اور آپ ﷺ کا یہ حکم عبادت ہے عادت نہیں ہو سکتا، اور خاص طور پر اس وقت جبکہ نبی کریم ﷺ نے صراحت فرما دی ہے کہ یہ میرے رب کا حکم ہے، چنانچہ فرمایا: ''**أمرني ربي أن أعفي لحيتي و أحفي شاربي**'' (اس حدیث کو ابن بشران نے اپنی امالی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے، اور ابو نعیم نے الدلائل میں حضرت ابن عباسؓ سے مرسلاً نقل کی ہے اور البانی نے مجموع طرق کو سامنے رکھ کر اسے حسن قرار دیا ہے)

خلاصہ یہ کہ داڑھی منڈوانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اور ایک مشت سے کم کرانا سنت متوارثہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی ہے، جس پر اصرار بھی فسق ہے، لہٰذا اس کا مرتکب فاسق ہوگا۔

☆☆☆

موجودہ زمانہ میں فسق سے مراد اور اس کے احکام

مفتی محمد مغفور باندوی☆

فسق کی لغوی تعریف:

لفظ فسق: فَسَقَ یَفْسُقُ باب نصر سے نافرمانی کرنے اور شریعت کے حدود سے باہر نکل جانے کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اسی طرح جب کوئی اللہ کی اطاعت سے نکل جاتا ہے تو اس کیلئے کہا جاتا ہے ''فَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّہٖ''، فسق عصیان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے ''فَسَقَ فُلَانٌ عَصَی و جاوز عن حدود الشرع، ویقال: فسق عن أمر ربه خرج عن طاعته الفسق العصیان'' (المعجم الوسیط ۲/۶۸۸-۶۸۹)۔

لفظ فسق فاء کے کسرہ کے ساتھ اللہ کے حکم کو چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور عصیان کا لفظ راہ حق سے باہر نکل جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

''الفسق بالکسر: الترک لأمر الله تعالی والعصیان الخروج عن طریق الحق'' (القاموس المحیط ص ۹۴۰)۔

فسق کی اصطلاحی تعریف:

فسق کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں علماء کی عبارات مختلف ہیں؛ کسی نے کوئی ایسی تعریف نہیں کی ہے جو فسق کے کوئی ایک معنی متعین کر سکے، حتی کہ ایک ہی کتاب میں اس کی الگ الگ الفاظ سے تعریف کی گئی ہے، چنانچہ علامہ راغب اصفہانی نے ''مفردات الفاظ قرآن'' میں فسق کے معنی ''دائرۂ شریعت سے باہر نکل جانا'' بیان کئے ہیں، اور یہ معنی انہوں نے اہل عرب کے قول ''فسق الرطب'' سے لئے ہیں، کھجور جب اپنے چھلکے سے باہر آتی ہے، تب اہل عرب اس کے لئے فسق الرطب کا لفظ استعمال کرتے ہیں، ''فسق – فسق فلان خرج عن حجر الشرع، وذلک من قولهم فسق الرطب إذا خرج عن قشرة'' (مفردات ألفاظ القرآن للراغب أصفہانی ص ۶۳۶)۔

☆ خادم التدریس بالجامعۃ المؤمنات، کوتوالی روڈ، باندہ یوپی

اور علامہ شوکانی علیہ الرحمہ نے فسق کے معنی اطاعت سے نکلنے اور گناہ کے ذریعہ شریعت کی قائم کردہ حدود سے نکل جانے کے بیان کئے ہیں: ''**قال الشوكاني: هو الخروج عن الطاعة وتجاوز الحد بالمعصية**'' (فتح القدیر ۱/۵۷، کذا فی الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۲/۱۴۰)۔

اور ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ لفظ فسق عرف شرعی کے استعمال کے مطابق اللہ کی اطاعت سے نکل جانے کا نام ہے، ''**يقول ابن عطية: الفسق في عرف الاستعمال الشرعي عن الخروج عن طاعة عزوجل**'' (تفسیر ابن عطیۃ ۱/۱۵۵)۔

خلاصہ:

لفظ فسق کے اصطلاحی معنی اس کے لغوی معنی کو شامل ہیں، لغوی اعتبار سے شریعت کی حدود سے نکل جانے، یا اللہ کے حکم سے باہر ہو جانے، یا اللہ کے حکم کو چھوڑ دینے کو فسق کہتے ہیں اور شریعت کی اصطلاح میں بھی دائرۂ شریعت سے باہر نکل جانے یا اللہ کے حکم سے باہر ہو جانے یا گناہ کے ذریعہ شریعت کی حدود کو پھلانگنے کو فسق کہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ گناہ کی کثرت یا قلت کا اثر معتبر نہیں ہے، کبائر کا ارتکاب، خواہ قلیل مقدار ہو یا کثیر مقدار میں اس پر فسق کا اطلاق ہوگا اور ایسے شخص کو فاسق کہیں گے، چنانچہ علامہ راغب فرماتے ہیں:

''**والفسق بالقليل من الذنوب وبالكثير ولكن تعورف فيما كان كثيراً وأكثر ما يقال: الفاسق ممن التزم حكم الشرع وأقربه، ثم أخل بجميع أحكامه أو ببعضه**'' (مفردات ألفاظ القرآن ۶۳۶)۔

(فسق قلیل اور کثیر دونوں مقدار کے گناہوں پر بولا جاتا ہے، لیکن عرف میں یہ لفظ کثیر کے ساتھ ملحق ہے اور عام طور پر فاسق اس آدمی کو کہتے ہیں جو شریعت کے حکم کا پابند ہو اور پھر وہ شریعت کے مکمل یا بعض احکامات کا تارک بن جائے)۔

''**والفسق يقع بالقليل من الذنوب إذا كانت كبائر وبالكثير، ولكن تعورف فيما كان كثيراً وقد يكون الفسق شركاً وقد يكون إثماً**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۲/۱۴۰، کذا فی فتح القدیر للشوکانی ۱/۵۷)۔

(فسق کبیرہ گناہوں سے متعلق ہے، انکی مقدار قلیل ہو، یا کثیر، لیکن عرف میں یہ کثیر مقدار کے ساتھ ملحق ہے، یعنی کبیرہ گناہ اگر قلیل مقدار میں ہوں تو یہ فسق نہیں ہے اور اگر کثیر مقدار میں ہوں تو وہ فسق ہے)۔

راقم الحروف کے نزدیک گناہ کبیرہ کھلے عام کثرت سے ارتکاب کرنے والا فاسق ہوگا اور اس کے اس عمل کو فسق کہیں گے؛ باقی یہ کہ اس کثیر کی مقدار کیا ہوگی اور کتنی مقدار کو کثیر اور کتنی مقدار کو قلیل کہیں گے تو اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ جس شخص کو لوگ عام طور پر گناہ کبیرہ کا مرتکب پاتے اور کوئی دن ایسا نہ جاتا ہو جب وہ لوگوں کے سامنے گناہ نہ کرتا ہو تو ایسے

شخص کو فاسق کہیں گے اور اگر ایسا نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھی لوگ اس کو گناہ کرتے دیکھتے ہیں تو ایسے شخص کو فاسق نہیں کہیں گے۔

چنانچہ صاحب ''ہدایہ'' کنویں کے نجاست کے سلسلہ میں فرماتے ہیں اگر کسی کنویں میں کوئی بکری لیڑی (مینگنی) کردے تو ایک دو یا چند لیڑ یاں (مینگنیاں) معاف ہیں اور اگر زیادہ مقدار میں ہوں تو وہ کنویں کو ناپاک کردیں گیں اور کثیر کی حد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھنے والے کو وہ کثیر معلوم ہوں: ''**ولا ضرورة فی الکثیر وھو ما یتکثرہ الناظر إلیہ**'' (ہدایہ اول ص ۴۰)۔

نیز فسق کی تعریف میں عرف کا اعتبار ہے، لہٰذا ہر زمانہ میں عدالت اور فسق کا معیار تبدیل ہوگا، چنانچہ ہمارے زمانہ میں عدالت کا معیار قرون اولیٰ والا نہیں ہوگا، اسی طرح اطلاق میں بھی تخفیف ہوگی، لہٰذا راقم کے نزدیک ہمارے زمانے میں فاسق وہ شخص ہے جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب اتنی کثرت کیساتھ کرتا ہو کہ ہر وقت گناہوں میں ڈوبا رہتا ہو اور گناہ کرنے میں کسی قسم کی کوئی عار و شرم اس میں نہ ہو۔

فسق کی بنیاد پر مرتب ہونے والے احکامات:

۱-عبادات:

تمام عبادتوں میں سب سے افضل عبادت نماز ہے اور نماز کیلئے سب سے ضروری چیز طہارت (وضوء) ہے اور طہارت کا آلہ پانی ہے؛ چنانچہ وضوء کے پانی کے سلسلہ میں فاسق کی خبر کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ یعنی اگر کوئی فاسق پانی کے پاک ہونے یا ناپاک ہونے کی خبر دے تو اس کی خبر کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں دو آراء ہیں:

۱- فاسق کی اس خبر کا اعتبار نہیں ہے، یعنی اگر کوئی فاسق کسی پانی کے پاک یا ناپاک ہونے کی خبر دے تو اس کی خبر کا اعتبار نہیں ہوگا، اس کے قائل: امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ ہیں۔

۲- فاسق کی اس خبر کو بالکل ردّ نہیں کیا جائے گا، بلکہ سامع اپنی عقل و بصیرت کو کام میں لاتے ہوئے غور و فکر کرے گا، اگر اس کی عقل یہ کہہ رہی ہے کہ یہ خبر دینے والا صحیح (سچا) ہے تو اس کی خبر پر عمل کرے گا اور اگر اس کا دل اور عقل فاسق کی خبر پر مطمئن نہیں ہے تو وہ اس کی خبر پر عمل نہیں کرے گا، یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔

''**استدل الجمھور (الشوافع والحنابلة والمالکیة) القائلون بردّ خبر الفاسق**'' **قولہ تعالی:**

''**یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآئَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا**'' (سورۃ الحجرات:۶) (الأحکام المرتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی ۱/ ۷۲)۔

حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ فاسق کی خبر میں صدق کا احتمال ہے؛ وجہ اس کا دین اور عقل ہے اور گناہ کی وجہ سے اس کے

جھوٹ ہونے کا بھی احتمال ہے لہٰذا دونوں جانب (صدق وکذب) برابر ہیں؛ لہٰذا توقف کیا جائیگا اور عقل کی بنیاد پر ترجیح دی جائیگی جس کی طرف قرآن کریم نے (فَتَبَيَّنُوْا) کے ذریعہ اشارہ کیا ہے۔

"**يقبل قوله إذا أغلب صدقه على الظن؛ لأن غالب الظنّ كاليقين**" (ردالمحتار ۲/۲۹)۔

نماز کے وقت ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں فاسق کی خبر کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ یعنی اگر کسی فاسق آدمی نے نماز کے وقت ہونے یا وقت ختم ہونے کی اطلاع دی تو کیا اس کی خبر کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں وہی اختلاف ہے جو سابق میں گذرا، یعنی جمہور کے نزدیک اس کی خبر کا اعتبار نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ فاسق کی خبر قابل قبول نہیں ہے اور حنفیہ کے نزدیک سامع علامات وقرائن کے ذریعہ وہ اس فاسق کی خبر میں غور وفکر کرے گا؛ جس جانب راجح ہو اسی کے مطابق عمل کرے، یعنی اگر اس کی رائے کے مطابق فاسق کی خبر درست معلوم ہو رہی ہو تو اس کے مطابق عمل کرلے ورنہ نہ کرے، چونکہ حنفیہ کے نزدیک فاسق کی خبر میں صدق وکذب دونوں کا احتمال ہے۔

فاسق کی اذان کا حکم:

فاسق کا اذان دینا مکروہ ہے اس کے چند دلائل ہیں:

۱- نبی اکرم ﷺ نے فرمایا امام ضامن ہے اور مؤذن امانت دار ہے، اے اللہ اماموں کو سیدھی راہ بتا اور مؤذنوں کی مغفرت فرما، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**الإمام ضامن والمؤذن مؤتمن، اللهم أرشد الأئمة واغفر للمؤذنين**" (رواہ أبوداؤد کتاب الصلاۃ ص ۵۱۷)، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**ليؤذن لكم خياركم وليؤمّكم قرائكم**" (رواہ أبوداؤد کتاب الصلاۃ ص ۵۹۰)۔

پہلی روایت میں مؤذن کو امانت دار قرار دیا گیا ہے کہ وہ نماز کے اوقات کا امین ہے، اگر کسی فاسق کو مؤذن بنا دیا جائے تو خیانت کا خطرہ ہے، ممکن ہے کہ وہ کبھی وقت کے پہلے اذان دیدے جس کی وجہ سے لوگوں کی نماز اور روزہ خراب ہو جائے اور دوسری حدیث میں پسندیدہ لوگوں کو مؤذن بنانے کا حکم ہے اور فاسق پسندیدہ افراد میں سے نہیں ہے۔

البتہ اب ایک اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ کیا فاسق کی اذان پر اعتماد کیا جائے گا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں حنفیہ اور حنابلہ کے یہاں دونوں طرح کے اقوال ہیں، یعنی ایک قول کے مطابق اعتماد کیا جائے گا اور ایک قول کے مطابق اعتماد نہیں کیا جائے گا، پہلے قول کے قائل حنفیہ وشوافع اور حنابلہ ہیں، جبکہ دوسرے کے قائل بعض حنفیہ، مالکیہ اور بعض حنابلہ ہیں۔

"**يصح أذان الفاسق ويعتمد به وبه قال الجمهور، وهو مذهب الحنفية والشافعية والحنابلة**

فی وجہ والظاھریة، وبہ قال بعض فقھاء الأمصار، والقول الثانی: ولایصح أذان الفاسق ولایعتمد بہ، وھذا قول بعض الحنفیة ومذھب المالکیة والحنابلة" (الأحکام المرتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی ۱/۱۰۰)۔

جن حضرات کے نزدیک فاسق کی اذان پر اعتماد کیا جائے گا ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-اذان کی مشروعیت نماز کیلئے ہے اور نماز ایک عبادت ہے اور فاسق عبادت کا مکلّف ہے۔

۲-فاسق مؤذن کا فسق اس کی ذات تک ہے، وہ متعدی نہیں ہوگا۔

۳-جب فاسق امام کی امامت درست ہے تو اس کی اذان بدرجہ اولیٰ درست ہوگی اور اس کی اذان پر اعتماد کیا جائے گا۔

راقم الحروف کے نزدیک عام طور پر ہمارے زمانے میں ایسے لوگوں کو مؤذنی کیلئے تلاش کیا جاتا ہے جو قلیل تنخواہ پر اس ذمہ داری کی ادائیگی پر آمادہ ہوجائیں، خواہ وہ کسی بھی صفات کے حامل ہوں، ایسی صورت میں جمہور کے قول کو اختیار کرنا زیادہ آسان ہے، ورنہ اس فرض منصبی کیلئے افراد کی دستیابی ایک مسئلہ بن جائے گا، چنانچہ فاسق کو مؤذن بنانا درست ہے اور اس کی اذان پر اعتماد کیا جائے گا۔

استقبال قبلہ کے سلسلہ میں فاسق کا قول:

نماز میں قبلہ رو ہونا شرط ہے اور اگر لوگ کسی ایسی جگہ نماز کی ادائیگی کررہے ہوں جہاں جہت قبلہ ان کو معلوم نہ ہو تو کیا کسی فاسق کے قول پر اعتماد کیا جائے گا؟ تو اس سلسلہ میں فقہاء کے تین قول ہیں:

۱-قبلہ کی تعین میں فاسق کا قول معتبر نہیں ہوگا، یہ مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کی رائے ہے۔

۲-فاسق کی خبر کے بعد سامع اپنی رائے سے فیصلہ کرے گا، اگر اس کی رائے فاسق کے قول کے مطابق ہو تو اس پر عمل کرے گا، ورنہ نہیں، حنفیہ کا یہی قول ہے۔

۳-قبلہ کی سمت کی تعین میں فاسق کا قول معتبر ہوگا۔

عدم جواز کے قائلین کے دلائل:

۱-سمت قبلہ کی تعین کی خبر ایک امانت ہے اور اس کی حیثیت ایک روایت کی ہے اور فاسق کی نہ روایت معتبر ہے اور نہ شہادت۔

۲-فاسق میں دینداری کم ہوتی ہے اور تہمت کا قوی امکان ہوتا ہے، لہٰذا اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔

"**إن الخبر بجهة القبلة من أخبار الديانة فأشبه الرواية والفاسق لاتقبل روايته ولاشهادته ،يردّ خبر الفاسق لقلةدينه وتطرق التهمة إليه**" (الأحکام المرتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی ۱/۱۰)۔

حنفیہ کے قول کے مطابق فاسق کی خبر پر توقف کیا جائے گا اور نمازی اپنی رائے سے اجتہاد کرے گا، اگر اس کی رائے فاسق کی خبر کے مطابق ہوجائے تو فاسق کی خبر پر عمل کرے گا، ورنہ اس کی خبر کو چھوڑ دے گا۔

فاسق کی امامت:

امامت کے سلسلہ میں امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ امامت رسول عربی ﷺ کی میراث ہے، چنانچہ جس آدمی کو بھی اس منصب جلیلہ کیلئے آگے بڑھایا جائے اس میں خلقی ،خلقی دونوں اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی مشابہت پائی جانی چاہئے ،اس لئے کہ امامت کی بنیاد پر خلافت کے منصب کا استنباط کیا گیا ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امامت کا حکم فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ نے کہا کہ جب آپؐ نے ابوبکرؓ کو تمہارے دینی معاملات کیلئے منتخب کیا ہے تو وہ تمہارے دنیاوی معاملات کیلئے بھی پسندیدہ ہیں۔

"**قال السرخسی: والأصل فيه إنّ مكانة الإمامة ميراث من النبی ﷺ فإنه من تقدم للإمامة فيختار لها من يكون أشبه به خلقاً، وخلقاً ثم هو مكان استنبط منه الخلافة، فإن النبی ﷺ لما أمار أبابكر أن يصلی بالناس قالت الصحابة بعد موته إنه اختار أبابكر لأمور دينكم فهو المختار لأمور دنياكم**" (المبسوط:۱/۴۰)۔

امام ماوردی نے امام کیلئے پانچ قسم کے اوصاف سے متصف ہونے کو پسندیدہ قرار دیا ہے:

۱-قرآن کریم کو عمدہ اور تجوید کے مطابق پڑھنے پر قادر ہو۔

۲-فقیہ ہو(یعنی کم از کم نماز وغیرہ کے تمام ضروری مسائل سے وقف ہو)۔

۳-اچھے نسب کا حامل ہو۔

۴-عمر دراز ہو(کم عمر نہ ہو)۔

۵-اچھے اعتقاد کا حامل ہو۔

"**ينبغی أن يتقدم إلى الإمامة من جميع أوصافها وهی خمسة: القرائة والفقه والنسب والسن وحسن الاعتقاد**" (الحاوی الکبیر:۱/۳۵۲)۔

فاسق کی امامت کا حکم:

چونکہ فسق دوطرح کا ہوتا ہے، جیسا کہ آگے تفصیل سے آرہا ہے: (۱) فسق اعتقادی (۲) فسق عملی، اس اعتبار سے فاسق امام بھی دوطرح کے ہوں گے اور ان دونوں کے احکامات بھی الگ الگ ہوں گے، چنانچہ فسق عملی کا حکم یہ ہے کہ اگر امام فسق عملی کا مرتکب ہو، یعنی وہ کبائر کا ارتکاب کرنے والا ہو مثلاً جھوٹ، زنا، شراب جیسے افعال شنیعہ کا مرتکب ہو تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے اور اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے، حنفیہ، مالکیہ ایک روایت کے مطابق، شوافع اور حنابلہ ایک روایت کے مطابق اسی کے قائل ہیں، دوسری رائے عدم جواز کی ہے، یعنی فاسق امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

جو حضرات فاسق کی امامت کے کراہت کے ساتھ جواز کے قائل ہیں ان کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

۱- حضرت ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! اس وقت کیا کرو گے جب تم پر ایسے حکمراں مسلط ہو جائیں گے جو نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھتے ہوں؟ حضرت ابوذر غفاریؓ نے عرض کیا: آپؐ ہمیں میں کیا حکم دیتے ہیں (کہ ہم کیا کریں)؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نماز کو اس کے وقت پر پڑھنا اور اگر تم ان کو نماز میں پاؤ تو اُن کے ساتھ پڑھ لینا یہ تمہارے لئے نفع بخش ہوگی۔

"**عن أبی ذر قال: قال لی رسول الله ﷺ: کیف أنت إذا کانت علیک أمراء یؤخرون الصلاة عن وقتها؟ قال: قلت فماتأمرنی؟ قال: صل الصلاة بوقتها، فإن أدرکتها معهم فصلّ، فإنها لک نافلة**" (رواہ مسلم کتاب المساجد رقم: ۶۴۸)۔

نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کر کے پڑھنا ایک گناہ کا عمل ہے جس کو مستقل کرنا (مداومت) آدمی کو فاسق بنا دیتا ہے، اس کے باوجود آپؐ کا اس کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دینا تو اسی بات کو ثابت کرتا ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے اور اس سے بھی زیادہ صریح روایت وہ ہے جس میں آپؐ نے کلمہ گو کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**صلّوا خلف من قال لا إله إلّا الله، وعلی من قال: لا إله إلّا الله**" (رواہ دارقطنی باب صفۃ من تجوز الصلاۃ معہ رقم: ۱۷۴۳)۔

اس حدیث میں صراحت کے ساتھ ہر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اس عموم کے ساتھ کہ وہ مسلمان عادل ہو یا وہ فاسق ہو اور مزید صراحت اُس روایت میں ہے جس میں لفظ "فاجر" کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا: ''**الصلاة المكتوبة واجبة خلف كل مسلم برّاً كا أو فاجراً: وإن عمل الكبائر**'' (رواہ أبوداؤد باب إمامة البرّ والفاجر رقم: ۵۹۴)۔

اس روایت میں فرض نماز فاجر امام کے پیچھے پڑھنے کا واجب کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور فاجر کے ساتھ اس بات کی صراحت بھی موجود ہے کہ خواہ وہ کبائر کا ارتکاب کرتا ہو۔

نیز عمل صحابہ سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ انہوں نے فاجر کے پیچھے نماز ادا کی ہے، چنانچہ ولید ابن عتبہ جس کے بارے میں یہ صراحت ہے کہ وہ شراب پیتا تھا، صحابہ نے اس کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔

''**إن الصحابة صلوا وراء الوليد بن عتبة، وكان قدشرب الخمر فصلى بهم الصبح**'' (رواہ مسلم کتاب الحدود باب حد الخمر)۔

۱-نماز کے درست ہونے کا دارومدار صحت ارکان پر مبنی ہے کہ وہ نماز جو شرائط وارکان وواجبات کی ادائیگی کے ساتھ ادا کی گئی ہو وہ نماز درست ہے اور فاسق نماز کو اس طور پر ادا کرنے پر قادر ہے، چنانچہ اس کے پیچھے نماز ادا کرنا درست ہے۔

۲-ہر وہ شخص جس کی تنہاء نماز درست ہو اس کی امامت بھی درست ہے۔

لہٰذا ان تمام منقولی ومعقولی دلائل کی بنیاد پر راقم الحروف کی چند آراء ہیں:

۱-اہل مسجد کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ وہ کسی ایسے شخص کو امام متعین کریں جو عادل ہو فاسق نہ ہو اور امامت کے متعلق امام ماوردی کے بیان کردہ ماقبل کے اوصاف کا وہ حامل ہو۔

۲-اگر کسی مسجد کا امام فاسق ہے اور وہ تنبیہ کے باوجود اپنے فسق کو چھوڑنے پر راضی نہ ہو تو ایسے امام کو تبدیل کرنا بہتر ہے۔

۳-اگر اتفاقاً کسی فاسق امام کی اقتداء کرنی پڑے تو بلاتردد اس کے پیچھے نماز ادا کرلے اس کی وجہ سے جماعت نہ چھوڑے۔

۴-اگر کسی مسجد کا امام فاسق ہو اور اس کے تبدیل کرنے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کے تبدیل کرنے کی کوشش نہ کر اور فتنہ سے اپنے آپ کو دور رکھے۔

فسق اعتقادی کے مرتکب امام کی اقتداء:

فسق اعتقادی کی دو صورتیں ہیں (۱) وہ فسق اعتقادی جو کہ کفر تک پہونچانے والا ہو (۲) وہ فسق اعتقادی جو کفر تک

پہونچانے والا نہ ہو۔

چنانچہ اگر امام ایسے عقائد کا مرتکب ہو جو کفر یہ ہیں یا کفر تک پہونچانے والے ہیں تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہیں ہے اور اس پر تمام فقہاء متفق ہیں۔

۲- اگر امام ایسے عمل کا مرتکب ہے جو کفر یہ نہیں ہے، یا کفر تک پہونچانے والے نہیں ہے تو فقہاء کا اس کی امامت کے سلسلہ میں اختلاف ہے: حنفیہ، بعض مالکیہ اور شوافع کے نزدیک اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی ایک رائے اور بعض مالکیہ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں ہے جو حضرات فسق اعتقادی (جبکہ وہ کفر یہ نہ ہو اور کفر تک پہونچانے والا نہ ہو) مبتلاء شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں، ان کے نزدیک وہ دلائل و روایات ہیں جو فسق عملی کے تحت گذری ہیں۔

نیز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول بھی ان حضرات کی دلیل ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوائیوں نے محصور کر دیا تو آپؓ کے پاس لوگ آئے اور انہوں نے ان سے کہا کہ آپ مسلمانوں کے امام (عام) ہیں اور آپ پر ایسے حالات آ گئے ہیں جس کی وجہ سے آپ امامت نہیں کر سکتے اور ہمیں ایسا امام نماز پڑھا رہا ہے جو فتنہ پرور ہے تو کیا اس میں ہمارے لئے کوئی حرج ہے (اگر ہم اس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں) تو آپؓ نے فرمایا: نماز بہتر ہے جو لوگوں نے کیا لوگ جب کسی کو بہتر سمجھیں تو تم بھی اس کو ان کے ساتھ بہتر جانو اور جب لوگ اس کو برا جانیں تو ان کے برے سے بچو۔

"حين سئل وهو محصور (أنک إمام عامةونزل بک ماتری ویصلی لنا إمام فتنة ونتحرج؟ فقال: الصلاة أحسن مایعمل الناس فإذا أحسن الناس فأحسن معهم، وإن أساء وا فاجتنب إسائتهم"

(رواہ البخاری کتاب الأذان باب إمامة المفتون والمبتدع رقم: ۶۹۵)۔

اس وقت مسلمان اپنے آپسی انتشار اور مسلکی اختلاف کی وجہ سے شدید بحران و کسمپرسی کے حالات سے گذر رہے ہیں، چنانچہ دور حاضر کی ایک اہم ضرورت اس انتشار اور مسلکی اختلاف کو کم کرنے والی چیزوں کا اپنانا ہے، لہٰذا اگر کسی مسجد میں ایسا امام ہے جو مبتدع ہے یا کسی ایسے اعتقاد کا حامل ہے جو کفر یہ نہیں ہے یا کفر تک پہونچانے والا نہیں ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ لینی چاہئے اور راقم الحروف کے نزدیک ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا درست ہے۔

فاسق کو زکاۃ دینے کا حکم:

زکوٰۃ کا مستحق ہونے کیلئے مصارف زکاۃ میں سے کسی مصرف میں داخل ہونا ہے اور زکاۃ کا ایک مصرف فقیر ہے، فقیر زکاۃ کا مستحق ہوتا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ تم لوگوں کو بتادو کہ اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر ان کے مال میں زکاۃ

فرض کی ہے جو مالداروں سے لے کران کے فقراء میں تقسیم کی جائے گی۔

عن معاذ بن جبل قال: إن النبی ﷺ قال: فاعل هم أن الله افترض عليهم الصدقة فی أموالهم توخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم (رواہ البخاری کتاب الزکاۃ باب وجوب الزکاۃ رقم:۱۳۹۹۰، رواہ المسلم کتاب الإیمان رقم:۱۹)۔

اگر فقیر عمل فسق کا مرتکب ہے تو بعض فقہاء نے اس کو زکاۃ دینے سے منع کیا ہے، ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وہ اس مال کو گناہ کے کام میں صرف کرے گا اور اس کو زکاۃ کا مال دینا تعاون علی المعاصی کے زمرہ میں آئے گا، چنانچہ حنابلہ اسی کے قائل ہیں، جبکہ دوسرے حضرات کے نزدیک اگر فاسق فقیر عمل فسق میں مبتلاء ہو تو اس کو زکاۃ کا مال دینا جائز ہے۔

اور اگر فقیر فسق اعتقادی کا مرتکب ہو تو اس کا یہ فسق کفر یہ یا کفر تک پہونچانے والا ہو تو اس کو زکاۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ وہ کافر ہے، چنانچہ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"وأما الزكاة فينبغی للإنسان أن يتحری بها المستحقين من الفقراء والمساكين والغارمين وغيرهم من أهل الدين المتعين للشريعة فمن أظهر بدعة أو فجوراً، فإنه يستحق العقوبة بالهجر وغيره والاستتابة فكيف يعان على ذالک ﷺ، (مجمع الفتاوی ۲۵/۸۷)۔

اور دوسری جگہ اسی قسم کے فتوے کے جواب میں فرماتے ہیں:

"ومن كان هولاء منافقاً أو مظهر بدعة تخالف الكتاب والسنة من بدع الاعتقادات والعبادات فإنه يستحق للعقوبة ومن عقوبته أن يحرم حتی يتوب" (مجموع الفتوی ۲/۵۷۰)۔

اور اگر فقیر ایسے فسق اعتقادی میں مبتلاء ہے جو کفر یہ نہیں ہے اور کفر تک پہونچانے والے بھی نہیں ہیں تو اس کو زکاۃ کا مال دیا جائے گا، چنانچہ عبد الرحمٰن بن قاسم سے اہل ہولاء کے متعلق سوال کیا گیا کہ کیا ان کو زکاۃ کا مال دیا جاسکتا ہے تو انہوں نے جواباً فرمایا:

"إن نزلت بهم حاجة فأری أن يعطوا من الزكاة وهم مسلمون يرثون ويورثون" (البیان والتحصیل ۲/۳۹۲)۔

اب اس مسئلہ میں تین طرح کے فاسق ہیں: (۱) وہ جو فسق عملی کے مرتکب ہیں (۲) فسق اعتقادی کے مرتکب جو کفر یہ ہے یا کفر تک پہونچانے والا ہے (۳) وہ فاسق جو اپنے فسق اعتقادی کا مرتکب ہے جو کفر یہ نہیں ہے اور نہ کفر تک پہونچانے والا ہے تو اس سلسلہ میں حکم کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(۱) وہ فاسق جو کفر یہ عقائد یا کفر تک پہونچانے والے عقائد کا مرتکب ہے اس کو زکاۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے، اس

لئے کہ وہ کافر ہے۔

(۲) وہ فاسق جو فسق عملی کا مرتکب ہے یا فسق اعتقادی غیر کفریہ کا مرتکب ہے اور اس کے بارے میں یہ معلوم ہے کہ وہ اس مال کو گناہ کے کاموں میں صرف نہیں کرے گا تو زکاۃ کا مال دینا جائز ہے۔

(۳) وہ فاسق جس کے بارے میں یہ یقین ہے کہ وہ مال زکاۃ کو گناہ کے کاموں میں صرف کرے گا اس کو زکاۃ کا مال دینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ تعاون علی الاثم ہے۔

فاسق ولی کا حکم:

اگر کسی لڑکی کا ولی (خواہ باپ ہو یا دادا یا بھائی یا بیٹا وغیرہ) فاسق ہو تو کیا وہ فسق کی وجہ سے ولایت کے حق سے محروم ہو جائے گا؟ تو اس سلسلہ میں دو قول ہیں (۱) ولی کی ولایت پر اس کے فاسق ہونے کا کوئی اثر نہیں ہوگا، حنفیہ اسی کے قائل ہیں، دلیل: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اولیاء کو نکاح کرنے کا حکم دیا ہے؛ وہ مطلق ہے، یعنی عادل کی شرط کے بغیر، چنانچہ ولی خواہ عادل ہو یا فاسق اس کو بہر صورت حق ولایت حاصل ہوگا، "**وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ**" (النور آیت ۳۲)۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے سے ہمارے زمانے تک لوگ اپنی بیٹیوں کا نکاح کرتے رہے ہیں اور نہ تو کسی نے اس پر نکیر کی اور نہ فسق کی وجہ سے اس کو اس کے حق ولایت سے روکا گیا۔

"**إن الناس من لدن رسول الله ﷺ إلى يومنا يزوّجون بناتهم من غير نكير من أحد، ولم يمنع الفسقة فى تزوج بناتهم فى أى عصر من العصور**" (بدائع الصنائع ۲۳۹)۔

چنانچہ ولی اگر فاسق ہو تب بھی اس کو ولایت کا حق حاصل ہوگا۔

عقد نکاح کے گواہ کا فاسق ہونا:

حنفیہ کے نزدیک عقد نکاح میں دو گواہوں کا ہونا شرط ہے اور وہ گواہ آزاد، بالغ، عاقل اور مسلمان ہونے چاہئیں؛ خواہ وہ عادل ہوں یا غیر عادل، چنانچہ امام قدوریؒ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا، مگر دو ایسے گواہوں کی موجودگی میں جو آزاد ہوں، بالغ ہوں، عاقل ہوں اور مسلمان ہوں، عادل ہوں یا غیر عادل، حتی کہ محدود فی القذف کی گواہی بھی عقد نکاح میں معتبر ہے۔

"**ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرّين بالغين عاقلين مسلمين أو رجل**

وامرأتين عدولاً كانا أو غير عدول أو محدودين فی قذف" (مختصرالقدوری ۱۵۷)۔

زوجین کے درمیان فاسق کا حکم بننا:

زوجین کے درمیان جب شقاق کی صورت پیدا ہوجائے اور وہ کسی تیسرے کو اپنے مسئلہ کا حل کرنے کیلئے حکم بنانا چاہیں تو اس حکم کا عادل ہونا شرط ہے، اس لئے کہ حکم کے وہی شرائط ہیں جو قاضی کے شرائط ہیں۔

چنانچہ علامہ قدوری فرماتے ہیں: جب دو لوگ کسی تیسرے کو اپنا مسئلہ حل کرنے کیلئے حکم بنائیں اور وہ دونوں اس تیسرے آدمی کے فیصلہ پر راضی ہوں تو ایسا کرنا جائز ہے، جبکہ اس میں حاکم کے شرائط پائیں جائیں، لہٰذا کسی کافر، غلام، ذمی، محدود فی القذف، بچے اور فاسق کا حکم بنانا درست نہیں ہے۔

"**و إذا حكم رجلان رجلاً بينهما ورضيا بحكمه جاز إذا كان بصفة الحاكم، ولايجوز تحكيم الكافر والعبد والذمی والمحدود فی القذف والفاسق والصبی**" (القدوری۲۴۹)۔

اور اگر انہوں نے کسی فاسق کو حکم بنایا اور اس نے فیصلہ کر دیا تو وہ فیصلہ نافذ ہوگا۔

"**وإذا حكم عليهما لزمها**" (القدوری۲۴۹)۔

فسق کا اثر معاملات میں:

اگر کسی آدمی نے اپنا کوئی مکان، دکان یا کوئی زمین کسی فاسق کو دیے تو حنفیہ کے نزدیک اجارہ درست ہے اور مستأجر کے فاسق ہونے کی وجہ سے اجارہ فسق نہیں ہوگا، چنانچہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں: "**إن الإجارة عقد لازم لايفسخ إلا بعذر، والعذر ضرر يزول فسخ الإجارة، وهذا ليس من الجملة فلا تفسخ الإجارة لأجله**" (المبسوط ۱۳۵/۱۵)۔

فاسق کے ساتھ تجارت میں شرکت:

شرکت کے لئے شرکاء میں دو طرح کی اہلیت کا پایا جانا ضروری ہے: (۱) توکیل (۲) توکل اور تصرف کا حق، اس لئے کہ شرکاء میں سے ہر ایک اپنے مال میں تصرف کرنے والا اور اپنے شریک کے مال میں اس کی اجازت سے تصرف کرنے والا ہوتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو، یعنی اسے اپنے شریک کے مال میں تصرف کی اجازت نہ ہو تو شرکت کا فائدہ نہ ہوگا اور فاسق میں توکیل توکل اور تصرف کا ملکہ پایا جاتا ہے، چنانچہ کاروبار میں یا کسی شئ میں فاسق کے ساتھ شرکت جائز ہے۔

"اشترط الفقهاء رحمهم الله فی العاقدین أهلیة التوکیل والتوکل وجواز التصرف؛ لأن کل منهما متصرف لنفسه ولصاحبه بالإذن فکل منهما وکیل ومؤکل إذا لم یکن کل منهما وکیلاعن صاحبه فی النصف وأصیلاً فی الأمر لایکون المستفاد مشترکاً" (الأحکام المرتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی ۱/۴۴۷)۔

فاسق کے لئے کسی چیز کا وقف کرنا:

وقف کا مقصد غرباء کی اعانت ہے اور اس کے ذریعہ ثواب کا حصول ہے، اگر کوئی آدمی کسی فاسق کیلئے کوئی چیز وقف کرتا ہے تو وہ شخص گناہ پر مزید مصر ہوگا اور یہ اعانت علی المعصیہ ہے، جیسا کہ زکاۃ کے باب میں ابن تیمیہ کا قول گذرا ہے، چنانچہ فاسق کو وقف کرنا درست نہیں ہے اور یہی حکم کسی فاسق کے لئے وصیت کا بھی ہوگا۔

چاند کی رؤیت میں فاسق کی گواہی:

چاند کا ثبوت بعض مرتبہ عمومی ہوتا ہے اور بعض مرتبہ عمومی نہیں ہوتا؛ بعض اعذار کی وجہ سے رؤیت عامہ نہیں ہوتی، لہٰذا ایسے مواقع میں خبر (شوال کے علاوہ) کی ضرورت ہوتی ہے اور شوال کے چاند کیلئے شرعی شہادت کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کی ضرورت روز بروز بڑھتی جارہی ہے اور عام طور پر شہروں میں چاند کی رؤیت دشوار ہوتی جارہی ہے اور فساد زمانہ کی بنیاد پر ایسے افراد کا پایا جانا بہت دشوار ہوگیا ہے جو صفت عدل سے متصف ہوں، تو کیا ایسے حالات میں کسی فاسق کی خبر کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں تفسیر مظہری میں ہے کہ فاسق اگر بارعب ہو مروت کا حامل ہو اور اس کے بارے میں غالب گمان ہو کہ یہ گواہی دینے میں جھوٹ نہیں بولے گا، یا قرائن اس کی صداقت پر شاہد ہوں تو اس کی گواہی کو قبول کرلیا جائے گا۔

"الفاسق إذا کان وجیهاً ذالمروة یغلب علی الظنّ أنه لایکذب فی الشهادة أو دلت القرائن علی صدقه تقبل شهادته" (تفسیر مظہری سورۃ البقرۃ:۳۲۷)۔

اور صاحب ''معین الحکام'' گواہوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر گواہ کے لہجے سے اس کی بات کی صداقت معلوم ہوتی ہو اور وہ سچے لوگوں میں شمار ہوتا ہو؛ خواہ وہ جھوٹ کے علاوہ کسی اور گناہ کی وجہ سے فاسق شمار ہوتا ہو تو اس کی گواہی ردّ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

"فإذا علم صدق لهجته، وأنه من أصدق الناس، و إن فسقه بغیر الکذب فلاوجه لردّ الشهادة" (معین الحکام ص۱۱۷)۔

نیز صاحب ''معین الحکام'' نے امام قرافی کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اگر فاسق کی بات کے سچے ہونے کا

غالب گمان ہوتو اس کی گواہی کو قبول کیا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا۔

"**نقله القرافی إذا غلب علی الظنّ صدق الفاسق قبلت شهادته و حکم بها**" (معین الحکام ۱۱۷)۔

نیز امام قرافی نے بعض علماء کے حوالے سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اگر ہمیں کسی مسئلہ میں غیر عادل کے علاوہ کوئی گواہ میسر نہ ہوں پھر ان غیر عادلوں میں اپنے افراد کا انتخاب کیا جائے گا جو ان غیر عادلوں میں زیادہ نیک ہوں اور کم گنہگار ہوں اور یہ قضاء اور غیر قضاء دونوں میں ہے، تاکہ لوگوں کے مصالح فوت نہ ہوں۔

"**قال القرافی: فی باب السیاسة نصّ بعض العلماء علی أنا إذا لم نجد فی جهة إلّا غیر العدول أقمنا أصلحهم و أقلهم فجوراً للشهادة علیهم، ویلزم ذلک فی القضاء وغیره لئلا تضع المصالح، وما أظنّ أحداً یخالف فی هذا ...لئلا تهدر الأموال وتضیع الحقوق**" (معین الحکام ۱۱۷)۔

خلاصہ:

ان تینوں عبارتوں کی روشنی میں جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ ہر فاسق جھوٹا بھی ہو، اس لئے کہ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ بظاہر دیندار نہیں ہوتے اور معاشرے میں ان کو گنہگار شمار کیا جاتا ہے اس کے باوجود وہ سچ کے عادی ہوتے ہیں اور کبھی وعدہ خلافی کا بھی ارتکاب نہیں کرتے، لہٰذا ایسی صورت میں تمام قسم کی خبروں اور گواہیوں میں اگر عادل دیندار گواہ موجود نہ ہوں تو ایسے افراد کی خبر اور گواہی قبول کی جائے گی جو سچے ہوں (خواہ فاسق ہوں) یا ان کے سچے ہونے کا غالب گمان ہو، یا وہ جس چیز کی خبر یا گواہی دے رہے ہیں اس میں غالب گمان ان کے سچے ہونے کا ہو، یا قرائن ان کی صداقت پر دال ہوں اور رؤیت ہلال میں بھی ان کی گواہی معتبر ہوگی۔

اور اگر وہ فاسق گواہ جھوٹا ہو یا اس کے جھوٹے ہونے کا غالب گمان ہو، یا قرائن اس کے جھوٹے ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہوں تو ایسے مخبر یا گواہ کی خبر اور گواہی معتبر نہیں ہوگی اور اس کی گواہی یا خبر کی بنیاد پر رؤیت ہلال کا فیصلہ بھی نہیں کیا جائے گا۔

فاسق کا کسی تنظیم یا دینی ادارے کا ذمہ دار بنانا:

کسی بھی تنظیم یا دینی عہدے کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس کی بہت سی دینی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، مثلاً (اگر وہ کسی موقوفہ اراضی کا متولی ہے یا کسی مسجد یا مدرسہ کا متولی ہے)، چونکہ مسجد کی زمین موقوفہ ہوتی ہے اور مدرسہ کی زمین بھی عام طور پر ارض موقوفہ ہوتی ہے، اس کی حفاظت اس کی تعمیر و ترقی اور اس کی ضرورتوں کا خیال رکھنا، اس کے منافع کو حاصل کر کے اس کے

مصارف میں صحیح طور پر خرچ کرنا اور مستحقین کو پورے طور پر ان کا حق دینا وغیرہ یہ تمام چیزیں کلی یا جزئی طور پر ہر تنظیم یا کسی دینی عہدے کے ذمہ داروں سے متعلق ہوتے ہیں، لہٰذا ایسی صورت میں اگر کسی فاسق کو ذمہ دار بنا دیا جائے تو ان تمام مصالح میں ضرر واقع ہوجائے گا، لہٰذا فقہاء کے نزدیک کسی فاسق کو کسی دینی عہدے کا یا تنظیم کا ذمہ دار بنانا درست نہیں ہے، جیسا کہ وقف کے متولی کے تعلق ہے۔

"**وقد اتفق العلماء على اشتراط العدالة في الناظر على الوقف**" (الأحکام المرتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی ۵۱۵)۔

اسی طرح "بحر الرائق" میں ہے ذمہ دار نہیں بنایا جائیگا، مگر اسی کو جو امین ہو۔

"**وفي الإسعاف لايولى إلّا الأمين قادر بنفسه أو نبائبه؛ لأن الولاية مقيد بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بمقصود**" (البحر الرائق ۲۲۶/۵)۔

اور "ہندیہ" میں ہے:

"**الصالح للنظر من لم يسأل الولاية للوقف، وليس فيه فسق يعرف هكذا في فتح القدير** (ہندیۃ ۳۸۰/۲، هكذا في ردالمحتار ۵۷۸/۶)۔

اگر کسی تنظیم یا دینی ادارے کا ذمہ دار کسی فاسق کو بنایا جائے تو اس کی اطاعت کا حکم:

جیسا کہ ابھی ماقبل میں گذرا کہ ذمہ دار کیلئے عادل اور امین ہونا شرط ہے، ورنہ اس عہدے کے مقاصد فوت ہوجائیں گے اور لوگوں کو ان کا حق نہیں مل سکے گا، لہٰذا اگر کسی تنظیم یا دینی ادارے کا ذمہ دار کسی فاسق کو بنا دیا جائے یا کسی تنظیم کا عہدے دار فاسق ہوجائے تو اس ذمہ دار کو اس کے عہدے سے معزول کر دیا جائے اور اگر معزول کرنا ان کے اختیار میں نہ ہو تو اس کے احکامات کی اطاعت کرنا واجب نہیں ہے، چنانچہ صاحب "ہدایہ" فرماتے ہیں:

"**إن الفاسق يعزل نظراً لحق الفقراء**" (ہدایۃ ۲۰/۳)۔

اور اگر معزول کرنا یا حکم عدولی کرنا اس کے بس میں نہ ہو یا خلاف ورزی کی صورت اسے اپنی ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑسکتا ہو اور کوئی دوسرا بدل اس کے پاس موجود نہ ہو تو ایسی صورت میں بحالت مجبوری اس کا حکم ماننے اور کسی نئی ملازمت کی تلاش میں رہے۔

اقسام فسق اور اس کے وجوہات:

اولاً فسق کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک وہ فسق جو اسلام سے خارج کر دیتا ہے (یعنی جس کا ارتکاب بندہ کو اسلام سے

خارج کر دیتا ہے)(۲) دوسری قسم وہ ہے جس کا ارتکاب بندہ کو اسلام سے خارج نہیں کرتا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ صفات جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے غیر اہل اسلام کی طرف منسوب کیا ہے، مثلاً خاسر، مسرف، ظالم، فاسق تو ان افعال کا ارتکاب بندہ کو اسلام سے خارج کر دیتا ہے اور وہ چیزیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی طرف منسوب کی ہے ان افعال کا ارتکاب بندہ کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مثلاً گناہ۔

"الفسق له عدة أقسام باعتبارات مختلفة، فهو ينقسم إلى فسق يخرج عن الإسلام وفسق لايخرج عن الإسلام، قال ابن عباس رضى الله عنهما: وكل شيء نسبه الله تعالى إلى غير أهل الإسلام من اسم خاسر، مسرف، ظالم، فاسق، فإنما يعنى به الكفر، وما نسبه إلى أهل الإسلام، فإنما، يعنى به الذنوب" (تفسیر ابن جریر:۱/ ۱۴۲)۔

"وقال محمد ابن نصر المروزى والفسق قسمان فسق ينقل عن الملة وفسق لاينقل عن الملة فسمى الكافر فاسقاً والفاسق من المسلمين فاسقاً" (تعظیم قدر الصلاۃ ۲/ ۵۲۶)۔

پھر ان دونوں قسموں کی دو، دو قسمیں ہیں:

(۱) فسق کفر اعتقادی (۲) فسق کفر عملی (۳) فسق غیر کفری اعتقادی (۴) فسق غیر کفری عملی۔

فسق کفر اعتقادی: جیسے منافقین کا فسق نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے نبی! آپ کہہ دیجئے تم لوگ خرچ کرو خوشی خوشی یا اکراہ کے ساتھ تم سے قبول نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ تم فاسق قوم ہو"۔

اب یہاں پر منافقین کے اعتقاد کی خرابی (فسق) ہے، حالانکہ جس عمل کے تعلق سے اللہ تعالیٰ نے نہ قبول کرنے کی بات کہی ہے وہ عمل تو بذات خود اچھا ہے اس کے باوجود اللہ ان کے عطایا کو قبول نہیں کر رہا ہے، وجہ ان کے اعتقاد کا فسق ہے اور ان کو اسی اعتقاد کی وجہ سے فاسق کہا جا رہا ہے۔

"وفسق الكفر قديكون اعتقاديا، وقديكون عملياً. مثال الاعتقاد فسق المنافقين فى زمن النبى ﷺ قال الله تعالى "قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ" (التوبۃ ۵۳)، (فتح القدیر للشوکانی ۲/ ۳۶۹)۔

فسق عملی کفری: اس کی مثال ابلیس کا سجدہ سے انکار کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں سے کہا تم لوگ سجدہ کرو آدم کا تو سب لوگوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، حالانکہ وہ جناتوں میں سے تھا، پس وہ اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا۔

ابلیس کا شمار اس انکار سے پہلے کافروں میں نہیں ہوتا تھا، لیکن جب اس نے آدم علیہ السلام کا سجدہ کرنے سے

(جو کہ ایک عمل ہے) انکار کیا تو اس کو اس عمل نے کافر قرار دیا۔

''مثال الفسق العملی المخرج عن الملة فسق إبلیس حیث قال عزوجلّ ''وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّا اِبْلِیْسَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ'' (الکہف۵۰)، ''ففسق إبلیس إنما کان بترک السجود وامتناعه اتباع امر ربّه، وهذا الترک یعدّ فعلًا وعملًا، کما هو مقرر فی کتب الأصول'' (روضۃ الناظر لابن قدامہ ص ۵۴، ارشاد الفحول للشوکانی ص ۵۲، القواعد الأصولیۃ لابن الہمام ص ۲۶)۔

وہ فسق اعتقادی جو اسلام سے خارج نہیں کرتا:

کسی مسلمان کا بدعت والے افعال کے متعلق دین ہونے کا عقیدہ رکھنا اور ان افعال بدعت کو جہالت یا تاویل یا گمراہ پیر کی اتباع میں دین سمجھتے ہیں وہ اپنے ان بدعتی عقائد کی وجہ سے دین سے خارج نہیں ہوں گے۔

''ومثال فسق الاعتقاد هاهنا ماقاله ابن القیم فسق أهل البدع الذین یومنون بالله ورسوله والیوم الآخر ویحرمون ماحرم الله ویوجبون ما أوجب الله ولکن ینفون کثیرًا مما أثبت الله ورسوله جهلًا وتاویلًا وتقلیدًا للشیوخ ویثبتون مالم یثبته الله ورسوله کذالک'' (مدارج السالکین ۱/ ۳۶۲)۔

''وهکذا کان شعبة ابن الحجاج یسمهم الفاسقین'' (البخاری کتاب التفسیر ۲۸/ ۴۷۴، الاعتصام للشیاطین ۱/ ۸۴)۔

وہ افعال جو دین سے خارج نہیں کرتے:

گناہ کبیرہ کا ارتکاب یا صغیرہ پر اصرار فسق عملی ہے۔

''أما الفسق یحصل بارتکاب الکبیرة أو الإصرار علی الصغیرة، (فتاوی النووی ۱۶۲)، یقول ''ابن تیمیه: ''من معنی ذلک إذا سابتم المسلم وسخر تم منه وعزلتموه استحققتم ان تسموا فساقًا'' (الدر المنثور ۷/ ۵۶۴)۔

''کما جاء فی قوله ﷺ إن الفساق هم أهل النار، قیل: یارسول ﷺ؛ ومن الفساق؟ قال: النساء، قال رجل: یا رسول الله ﷺ أو لسن أمهاتناو أخواتنا وأزواجنا؟ قال: بلی ولکنهنّ إذا أعطین لم یسکرن وإذا ابتلین لم یصبرن'' (رواہ أحمد ۳/ ۴۲۸-۴۴۴)۔

فسق فی العقیدہ سے مراد ایسا عقیدہ جو اسلام کا جز اور حصہ نہ ہو، یا ایسا عقیدہ جو کافر یا مشرک کا عقیدہ ہو، جیسے کسی آدمی کا زبان سے اسلام کا اظہار کرنا اور دل سے انکار (یعنی دل میں کافروں والے عقائد ونظریات کا حامل ہو) کرنا اس کو فسق

فی العقیدہ کہتے ہیں، اسی طرح اسلام کے نام پر کسی عمل کے تعلق سے یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ اسلام کا جزء وحصہ ہے، خواہ وہ چیز غیر اسلام کا جزء نہ ہو، مثلاً بدعت، یعنی کسی ایسی چیز کے ایمان ہونے کا عقیدہ یا گمان جو کہ دین نہیں ہے، مثلاً حضور ﷺ کو حاضر وناظر ماننا وغیرہ۔

فسق اعتقادی کے دو حکم ہیں (۱) اگر غیر اسلام کے عقائد کا حامل ہوگا تو وہ خارج من الدین ہوگا (۲) اور اگر بدعت کے عقائد کا حامل ہوگا تو دین سے خارج نہیں ہوگا۔

فاسق کا صرف زبانی توبہ کرنا:

فاسق اگر صرف زبانی کرے، لیکن اس کی زندگی اس کی توبہ کے مطابق نہیں ہے، یعنی اس نے اپنے عمل فسق سے زبانی توبہ کر لی، لیکن عملاً اس نے اپنے عمل فسق کو نہیں چھوڑا تو ایسے فاسق کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور توبہ سے قبل جس طرح اس کا شمار فاسق غیر عادل میں ہوتا تھا زبانی توبہ کے بعد بھی اس کا شمار فاسق غیر عادل میں ہوگا، چنانچہ ماقبل میں جو احکام فاسق کے گذرے ہیں وہ زبانی توبہ کے بعد بھی جاری ہوں گے، یعنی اگر وہ اپنے فسق اعتقادی کا مرتکب تھا جو کفریہ یا مفضی الی الکفر تھا جس کی وجہ سے اس کا شمار کافر میں ہوتا تھا زبانی توبہ کے بعد بھی اس کا شمار کافروں میں ہوگا اور اگر ایسے کسی فعل میں ملوث تھا جس کی وجہ سے اس کی عدالت وشہادت مجروح وغیر معتبر تھی زبانی توبہ کے بعد اس کا شمار غیر عادل اور اس کی شہادت نا قابل قبول ہوگی۔

توبہ کے معتبر ہونے کے شرائط:

دنیوی اعتبار سے توبہ کے معتبر ہونے کیلئے ضروری ہے کہ توبہ کے بعد چھ ماہ یا ایک سال کی مدت اس حال میں گذرے کہ اس کے عمل پر اس کی توبہ کا اثر ظاہر ہو، یعنی دوبارہ وہ اس عمل فسق کی طرف نہ لوٹے اور یہ رائے امام ابو یوسفؒ کی ہے، تاکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی توبہ کی صداقت کا یقین ہو جائے۔

جبکہ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک کسی زمانہ کی قید نہیں ہے، بلکہ لوگوں کے دلوں میں اس کی صداقت اور عمل فسق کی توبہ پر اعتماد یقین ہو جائے اور اسی پر فتویٰ ہے، جیسا کہ قرۃ عیون الابصار میں ہے۔

"تاب الفاسق لایعدّ له، کما تاب بل لابد من مضی زمان یقع فی القلب صدقه فی التوبة وکان الإمام الثانی یقول إن المدة أشهر، ثم رجع إلی سنة ومحمد لم یقدره، بل علی مایقع فی القلوب الوثوق وعلیه الفتوی" (قرۃ عیون الأبصار ج۱۱ ص ۱۰۵-۱۰۴، کتاب الشہادات)۔

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"إن الفاسق إذا تاب لاتقبل شهادته مالم مضى عليه زمان يظهر أثر التوبة عليه، وإن بعضهم قدر ذلک بستة أشهر وبعض قدر بسنة، وإن الصحيح أنه مفوض إلى رأى القاضي والمعدل" (حوالہ سابق)۔

چنانچہ فاسق اگر صرف زبانی توبہ کرتا ہے اور اس کی عملی زندگی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے تو دنیاوی اعتبار سے اس کی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور توبہ سے قبل جس طرح مردود الشہادت تھا توبہ کے بعد بھی مردود الشہادت ہی رہے گا۔

داڑھی کا حکم:

داڑھی تمام نبیوں ورسولوں کی سنت، اسلام ومسلمانوں کا مذہبی شعار اور مرد کی زینت اور اس کی فطرت کا حصہ ہے، رسول اکرم ﷺ نے خصوصاً صحابہ اور عموماً مسلمانوں کو اس شعار کو اپنانے اور ان قوموں اور مذاہب کے متبعین کی خلاف ورزی کرنے کا حکم دیا ہے جو یا تو داڑھی مونڈتے ہیں، چنانچہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مونچھوں کو تراشوں اور داڑھی کو بڑھاؤ۔

"عن ابن عمر رضى الله عنهما عن النبى ﷺ أنه قال: احفوا الشوارب واعفوا الحى" (رواہ الترمذی أبواب الأدب باب ماجاء فی اعفاء اللحیۃ ج ۲ ص ۱۰۵)۔

عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے مشرکین کی مخالفت کرنے، داڑھی کو بڑھانے اور مونچھوں کو تراشنے کا حکم فرمایا۔

"عنه أيضًا عن النبى ﷺ أنه قال: خالفوا المشركين وفروا اللحى واحفوا الشوارب" (حوالہ سابق)۔

اور بخاری میں:

"وعنه أيضًا عن النبى ﷺ أنه قال: انهكوا الشوارب واعفوا اللحى" (رواہ البخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی ج ۲ ص ۸۷۵ رقم: ۵۸۹۳)۔

یہ جتنی بھی روایات ماقبل میں گذری ہیں ان تمام روایات میں رسول اکرم ﷺ نے صحابہ (جمیع امت کو) داڑھی کے بڑھانے اور مونچھوں کو تراشنے کا حکم دیا اور بعض روایات میں اس عمل کے ذریعہ اہل کتاب اور مجوسیوں کی مخالفت کا حکم دیا، ان تمام روایات میں داڑھی بڑھانے کا حکم صیغہ امر کے ساتھ مذکور ہے جو مطلق ہونے (جبکہ کوئی قرینہ نہ ہو) کی صورت میں وجوب کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، جیسا کہ اصول فقہ کا ضابطہ ہے، چنانچہ اس جگہ بھی کوئی قرینہ موجود نہیں ہے جس کی

بنیاد پر اس فعل امر کو کسی اور معنی میں لیا جائے، چنانچہ ان تمام روایات سے داڑھی کے بڑھانے کا وجوب ثابت ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک داڑھی بڑھانا واجب ہے اور داڑھی مونڈھی یا حد شرعی سے کم کرنے (کاٹنے) کی صورت میں عمل واجب کے ترک کرنے کی بنیاد پر گنہگار ہوگا اور اس کو اس کے اس عمل کی وجہ سے فاسق قرار دیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ داڑھی مونڈنے یا کٹانے (حد شرعی سے کم) کو علامہ ابوداؤد کی ''شرح المنہل العذب الورود'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''**كان خلق اللحية محرماً عند أئمة المسلمين المجتهدين أبي حنيفة ومالك والشافعي وأحمد**'' (المنہل العذب المورود کتاب الطہارۃ أقوال العلماء فی حلق اللحیۃ واتفاقہم علی حرمتہ ۱/۱۸۶)۔

داڑھی کی حد شرعی:

داڑھی کی حد شرعی بیان کرتے ہوئے علامہ علائی فتاویٰ حامدیہ میں تحریر کرتے ہیں کہ ایک مٹھی سے کم داڑھی کاٹنا جس کا بعض اہل یورپ اور ہجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے بھی جائز اور مباح قرار نہیں دیا ہے۔

''**إنّ الأخذ من اللحية وهي دون القبضة، كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم يجزه أحد، وأخذ كلها فعل اليهود والهنود ومجوس الأعاجم فحيث أدمن على فعل هذا المجرم ويفسق**'' (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الشہادۃ ج ۴ ص ۲۳۸)۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ علامہ علائی کی تحریر کے آخری حصہ ''**لم يحبه أحد**'' پر وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ عبارت داڑھی منڈوانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے (بوادر النوادر ر ۴۴۳)۔

حضرت تھانویؒ نے ایک مشت سے کم داڑھی کٹوانے کو کبیرہ گناہ میں شمار کرتے ہوئے اسے حرام قرار دیا ہے اور دوسرے کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ قرار دیا ہے اور جب کوئی علانیہ کسی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس میں مزید شدت پیدا ہوجاتی ہے، نیز یہ ایک ایسا گناہ جس میں ہر لمحہ آدمی گنہگار رہوتا، یعنی رہتا ہے، حتی کہ جب عبادتوں میں مصروف ہو تو تب بھی گناہ کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے (داڑھی کٹانا گناہ کبیرہ اور اس کا مزاق اڑانا کفر ہے ص ۱۰)۔

نیز داڑھی منڈوانے میں ایک دوسری خرابی ''تشبہ بالغیر'' بھی لازم آتی ہے جو خود ایک مستقل گناہ ہے کبیر ہے، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ داڑھی صغیرہ وکبیرہ گناہ کے درمیان فارق ہے اور داڑھی رکھنے میں نوجوانوں کا حسن و جمال ہے، جسمانی ساخت و بناوٹ کا تتمہ وتکملہ ہے، داڑھی بڑھانا ضروری ہے اور اسکا کاٹنا مجوس کا طریقہ ہے، نیز اس میں تغیر خلق اللہ کا گناہ بھی لازم آتا ہے اور اہل کتاب کی مشابہت بھی۔

"**اللحية هی الفارقة الصغير والكبيروهی جمال الفحول وتمام هيأتهم فلابد من اعفائها وقصها سنة المجوس وفيه تغير خلق الله ولحوق أهل السواد والكبرياء بالرعاع**" (حجۃ اللہ البالغہ ج۱/۳۰۹)۔

''العرف الشذی'' میں شاہ صاحبؒ کا یہ قول منقول ہے کہ ایک مشت سے کم داڑھی کٹوانا ائمہ اربعہ کے خلاف ہے۔

"**أما تقصير اللحية بحيث تصير وقصيرة من القبضة فغير جائز فی المذاهب الأربعة**" (العرف الشذی کتاب الأدب ۴/۱۶۲)۔

نیز کسی بھی صحابی سے ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا یا اس سے کم کاٹنا یا منڈوانا ثابت نہیں البتہ ایک مشت سے زائد بالوں کو کاٹنا اور بالوں کو درست کرنا چنانچہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے ایک مشت سے زائد بالوں کو کاٹنا اور زائد بالوں کو درست کرنا منقول ہے، مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

"**كان أبوهريرة يقبض على لحيته ثم يأخذ ما فضل من القبضة**" (مصنف ابی أبی شیبہ، رقم:۲۵۴۸۲)۔

"**عن مروان بن سالم قال رأيت عبد الله ابن عمر رضی الله عنهما يقبض على لحيته فيقطع مازاد على الكف**" (أبوداؤد رقم:۲۳۵۷)۔

اس پوری بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ داڑھی کو عربی کلچر کہہ کر سنن عادیہ قرار دینا اور اسے منڈانا یا مشت سے کم کاٹنے کو مباح اور جائز سمجھنا جائز نہیں ہے، نیز اوپر اجماع سے داڑھی کا وجوب بھی ثابت ہو گیا اور اس کے کٹانے یا ایک مشت سے کم کاٹنے پر حرمت کا اجماع میں ذکر کر دیا گیا، چنانچہ داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے، اس کا کاٹنا یا منڈوانا حرام ہے اور اگر کوئی شخص داڑھی کاٹتا یا منڈواتا ہے تو وہ شخص فاسق ہوگا اور فاسق کی امامت وشہادت وغیرہ کا حکم ماقبل میں مذکور ہے۔

کسی واجب عمل کو ترک کرنے کی تین وجہیں ہوسکتی ہیں:

۱-کسی واجب کو استخفافاً کیا جارہا ہو کہ وہ اس واجب کو خبر آحاد سے ثابت ہونے کی وجہ سے واجب نہ سمجھتا ہو تو ایسا شخص گنہگار ہوگا، اس کو کافر قرار نہیں دیا جائے گا، اس لئے کہ خبر واحد کا ترک عمل بدعت ہے۔

۲-اگر اس نے ان اخبار آحاد کی کوئی مناسب توجیہہ یا تاویل کر رکھی ہے تو اس ترک واجب کی وجہ سے نہ گمراہ ہوگا اور نہ فاسق۔

۳-نہ تو اس نے عمل کو استخفافاً ترک کیا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی توجیہہ یا تاویل کی ہے تو وہ اس واجب کے ترک کی وجہ سے فاسق ہو جائے گا، جیسا کہ اصول بزدوی میں ہے:

"وأما حكم الوجوب أى الواجب فلزومه عملًا لا علمًا أى يجب إقامته بالبدن ولكن لايجب اعتقاد لزومه، لأن دليل لايوجب اليقين إذا ترک العمل به فهو على ثلاثة أوجه: أما تركه مستخفًا بأخبار الآحاد بأن لايرى العمل به واجباً أو تركه متأولًا أو تركه غير مستخف ولا متأول ففى القسم الأول يجب تضليله، وإن لم يكفر؛ لأنه مراداً لخبر الواحد وذلک بدعة وفى القسم الثانى لايجب التضليل ولا التفسيق وفى القسم الأخير يفسق ولا يفضلل؛ لأن العمل به لما وجب كان الأداء طاعة والترک من غير تاويل عصياناً وفسقًا" (کشف الأسرار، اصول بزدوی ۲/ ۳۰۳)۔

لہٰذا اہل عرب کا داڑھی کی سنت کو سنن عادیہ کہنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ وہ ان روایات کی توجیہہ کرتے ہیں جو مناسب اور معقولی ہو، ایسا بھی کچھ ان حضرات کی تحریروں سے سمجھ میں نہیں آتا، اب رہ گئی بقیہ دو صورتیں تو ان دونوں صورتوں کی رو سے اس واجب کا ترک کرنے والے کی تضلیل اور تفسیق دونوں ہوں گی، یا اس کو فاسق قرار دیا جائے گا۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق کا معنی ومراد اور اس پر مرتب احکام

مفتی اسعد پالن پوری فلاحی☆

الحمد للّٰہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علی سید الأنبیاء و المرسلین، و علی آلہ و أصحابہ و علی من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین، أما بعد:

فسق کی تعریف:

جواب نمبر ا: مختلف کتب فقہ وفتاوی کے دیکھنے اور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے؛ بلکہ ہر زمانے کے عرف اور مبتلی بہ شخص کے اخلاقی حالات کو پیش نظر رکھ کر اس کی تعیین کی جائے گی؛ کیوں کہ فسق کا اصل معنی نافرمانی کے ہے، جس کے مقابلے میں عدالت اور فاسق کے مقابلے میں عادل کا لفظ حضرات فقہاء کے یہاں استعمال ہوتا ہے؛ اس اعتبار سے فسق کے معنی میں وسعت پیدا ہوجائے گی؛ بل کہ کبیرہ گناہوں کے ساتھ کفر بھی فسق میں شامل ہے؛ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بعض مواقع میں کافر کو بھی فاسق سے تعبیر کیا گیا ہے؛ لیکن فقہائے کرام کے یہاں فسق کفر کے مقابلے میں کم درجے کی نافرمانی کو کہتے ہیں، الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے:

"**الفسق فی اللغۃ: الخروج عن الطاعۃ و عن الدین و عن الاستقامۃ۔**

و الفسق فی الأصل: خروج الشیء من الشیء علی وجہ الفساد؛ و منہ قولھم: فسق الرطب: إذا خرج عن قشرہ" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۳۴/ ۱۴۰)۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ فسق کبھی ترک فرائض کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی محرمات کے ارتکاب سے (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۳۴/ ۱۴۱)۔

لیکن قرآن وحدیث میں چوں کہ فسق کا کوئی حتمی مفہوم متعین نہیں ہے؛ کیوں کہ ہر زمانے کے احوال اور لوگوں کے اخلاق مختلف ہوتے ہیں اور ان میں تفاوت ہوتا ہے؛ اس لیے فقہاء کے یہاں بھی فسق کا معنی ومفہوم اور فاسق کا مصداق

☆ خادم حدیث وصدر مفتی دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور، بھروچ، گجرات، انڈیا

متعین کرنے میں کافی اختلاف واقع ہوا ہے۔

صاحب بدائع الصنائع علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالی نے عادل کی تعریف کرتے ہوئے چار اقوال تحریر فرمائے ہیں:

(۱) ایک قول یہ ہے کہ عادل وہ شخص کہلائے گا جو اپنے پیٹ اور شرم گاہ کے گناہ کی وجہ سے لوگوں کے درمیان مطعون نہ ہو؛ کیوں کہ فساد اور برائی کی اکثر انواع انہی دونوں اعضاء سے جنم لیتی ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ دینی امور میں جس کا جرم لوگوں میں معروف نہ ہو۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ جس کی حسنات (نیکیاں) سیئات (برائیوں) پر غالب ہوں۔

(۴) چوتھا قول یہ ہے کہ جو کبائر سے اجتناب کرے، فرائض کو ادا کرے اور جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں (البدائع الصنائع للکاسانی، مطبوعۃ زکریا: ۵/ ۴۰۲)۔

اور فتح القدیر میں امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"و إذا كانت الحسنات أغلب من السيئات و الرجل ممن يجنب الكبائر قبلت شهادته، هذا هو معنى المروى عن أبى يوسفؒ فى حد العدالة؛ وهو أحسن ماقيل" (فتح القدیر، طبع بیروت: ۷/ ۳۹۳)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب قاموس الفقہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اب جو شخص عادل نہیں ہوگا وہ فاسق کہلائے گا؛ دراصل فسق کا مصداق متعین کرنے میں زمانے کے احوال کا بڑا دخل ہوتا ہے؛ مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے جھوٹ بولنے سے اطمینان نہ ہو، اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ زیر تحقیق معاملے میں جھوٹ نہیں بولے گا، گواہی اور قضا وغیرہ معاملے میں اسے عادل سمجھا جائے گا؛ یہی وجہ ہے کہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک آدھ مرتبہ دروغ گوئی میں مبتلا ہوا، پھر اس نے توبہ کر لی، تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی؛ کیوں کہ اگر ایسوں کی گواہی قبول نہ کی جائے، تو گواہی کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا" (قاموس الفقہ، نعیمیہ دیوبند: ۴/ ۴۵۴)۔

" لأنه قل ما يخلو مسلم عن ذلک، فلو منع القبول لانسد باب الشهادة" (البدائع الصنائع، مطبوعۃ زکریا: ۵/ ۴۰۲)۔

اور الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے: **"و العدالة: صفة توجب مراعاتها الاحتراز عما يخلو بالمروئة عادةفى الظاهر.**

و العدل فى اصطلاح الفقهاء: من تكون حسناته غالبة على سيئاته؛ و هو ذو المروئة غير المتهم"۔

عدل اور عدالت کی مذکور تعریف کی روشنی میں یہ بات معلوم ہوئی کہ فقہاء عظام کی اصطلاح میں عادل وہ شخص ہے، جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں اور لوگوں کے مابین ذی وجاہت ہو اور خلاف شرع کسی کام کی وجہ سے متہم نہ ہو۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کی اس سلسلہ میں تفصیلی تحریر کا خلاصہ یہ ہے:

قرآن مجید نے گواہوں کے بارے میں یہ بات تو کہی ہے کہ ان کو صاحب عدل ہونا چاہیے؛ لیکن عدل کی حقیقت بیان نہیں کی ہے، اس لیے اصولیین اور فقہا و محدثین نے اپنے مذاق اجتہاد سے کام لیتے ہوئے عدل کی تعریف کی ہے؛ عام طور پر فقہا نے عدل کی تعریف یہ کی ہے کہ اس نے کبھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا ہو اور کیا ہو، تو اس سے توبہ کر لی ہو اور اس کے حالات بتلاتے ہوں کہ وہ اپنی توبہ پر صادق اور درست ہے؛ نیز صغائر کا ارتکاب بھی کرتا ہو، تو اس اصرار اور تکرار نہ پایا جائے؛ لیکن ظاہر ہے کہ آج گواہی قبول کرنے یا خود قاضی مقرر کیے جانے کے لیے اس طرح کی شرطیں رکھی جائیں، تو قضا کا دروازہ ہی بند ہو کر رہ جائے گا۔

لیکن یہ سخت گیر شرطیں آج کے ماحول میں حصول انصاف کو جوئے شیر حاصل کرنے سے زیادہ مشکل بنا کر رکھ دیں گی؛ اس لیے ضرورت ہے کہ عدالت کا ایسا مفہوم متعین کیا جائے جو موجودہ حالات اور سماجی اقدار میں قابل عمل ہو سکے، جس میں احوال زمانہ اور سماج کی اخلاقی قدروں اور صلاحیتوں کا بھی لحاظ رکھا گیا ہو۔

آگے حضرت مولانا تحریر فرماتے ہیں:

کہ عدالت کے مفہوم و مصداق کے متعلق حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک روایت ملتی ہے، آپ نے فرمایا: ''**من عامل الناس فلم يظلمهم، و حدثهم فلم يكذبهم، و وعدهم فلم يخلفهم؛ فهو كملت مروته، و ظهرت عدالته، و وجبت أخوته، و حرمت غيبته**''۔

جس نے لوگوں کے ساتھ معاملہ کیا اور زیادتی نہیں کی؛ گفتگو کی اور جھوٹ نہیں بولا؛ وعدہ کیا اور وعدہ خلافی نہیں کی، تو وہ ایسا شخص ہے، جس کی مروت کامل ہے، اس کی اخوت واجب ہے اور اس کی غیبت حرام ہے (قاموس الفقہ، نعیمیہ دیوبند: ۴/ ۳۷۲)۔

قاموس الفقہ میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی تحقیقی اور تفصیلی تحریر سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ حضرات فقہاء کے یہاں عدالت کا کوئی خاص مفہوم متعین نہیں ہے، جب عدالت کا کوئی مفہوم متعین نہیں ہے، تو اس کے مدمقابل فسق کا مفہوم بھی متعین نہیں ہوگا؛ بل کہ ہر زمانے اور سماجی احوال کے اعتبار سے اس کا مفہوم متعین کیا جائے گا۔

خلاصہ اور اپنی رائے:

مذکورہ بالا فقہی عبارات کی روشنی میں جو بات محقق اور منقح ہو کر سامنے آ رہی ہے، وہ یہ ہے کہ فسق کی کوئی ایک تعریف

متعین نہیں ہے؛ بل کہ ہر زمانے کے عرف اور مبتلی بہ شخص کے اخلاقی حالات اور اس کی عادات کو پیش نظر رکھ کر تعیین کی جائے گی؛ کوئی ایک ہی تعریف متعین کرنے کی صورت میں دشواریوں کا سامنا بھی ہوسکتا ہے، جو اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔

عبادات ومعاملات میں فسق پر مرتب ہونے والے احکام:

جواب نمبر ۲: معاملات میں فسق کا حکم: یہ بات تو تقریباً سبھی جانتے ہیں کہ لوگوں کو اپنے درمیان معاملات کی ضرورت بنسبت دینی امور کے زیادہ پڑتی رہتی ہے؛ اسی وجہ سے شریعت نے معاملات کے بہت سے امور میں توسع رکھا ہے؛ چناں چہ کتب فقہ وفتاوی میں لکھا ہے کہ معاملات کے کثرت وقوع کی وجہ سے ان میں فاسق اور کافر کا قول بھی معتبر ہوگا؛ کیوں کہ یہاں عدالت کی شرط لگانے کی صورت میں لوگوں کو حرج عظیم لازم آئے گا؛ اسی وجہ سے کسی فاسق یا کافر نے یہ خبر دی کہ مجھے فلاں شخص نے اپنی گاڑی فروخت کرنے کے لیے وکیل بنایا ہے، تو اس کی بات کا اعتبار کرتے ہوئے سامنے والے شخص کے لیے اس گاڑی کا خریدنا جائز ہوگا۔

الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید میں ہے:

"و یقبل قول الفاسق و الکافر و العبد فی المعاملات لکثرۃوقوعها، کما إذا أخبر أنه وکیل فلان فی بیع کذا، فیجوز الشراء منه إن غلب علی الرأی صدقه ..... و لایقبل فی الدیانات إلا قول العدل؛ و وجه الفرق: أن المعاملات یکثر وجودها فیما بین الناس، فلو شرطنا شرطاً زائداً یؤدی إلی الحرج ، فیقبل قول الواحد فیها عدلاً کان أو فاسقاً، کافراً کان أو مسلماً، عبداً کان أو حرًّا، ذکراً کان أو أنثی، دفعاً للحرج" (الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، مطبوعۃ مکتبۃ دارالإیمان سہارن فور: ۵ / ۳۳۴، کذا فی ردالمحتار زکریا: ۹/ ۴۹۸)۔

اور ہدایہ کے حاشیے میں تبیین الحقائق کے حوالے سے لکھا ہے:

"قوله: و یقبل فی المعاملات قول الفاسق: و أصله: أن المعاملات یقبل فیها خبر کل ممیز حرًّا کان أو عبدًا، مسلماً کان أو کافرًا، کبیراً کان أو صغیراً؛ لعموم الضرورۃ" (الہدایۃ، بشری، مکتبہ نعیمیہ دیوبند: ۴/ ۹۳)۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے:

الفسق والمعاملات:

"نص الجصاص فی کتابه: أحکام القرآن علی أن أهل العلم اتفقوا علی جواز قبول خبر

الفاسق فی أشیاء؛ منها: أمور المعاملات، فیقبل فیها خبر الفاسق؛ و ذلک نحو الهدیة، إذا قال لک: إن فلاناً أهدی إلیک هذا، فیجوز قبوله و قبضه؛ و نحو قوله: وکلنی فلان ببیع کذا؛ فیجوز قبوله و شراؤه منه؛ کذالک جمیع أخبار المعاملات" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۳۴/ ۱۴۳، ۱۴۴)۔

اسی طرح امامت کبری کے لیے عادل ہونا گرچہ اولی ہے؛ لیکن فاسق کو یہ منصب حوالے کرنا بھی کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

چناں چہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: "**و یکره تقلید الفاسق؛ أشار إلی أنه لا تشترط عدالته**" (ردالمحتار زکریا: ۲/ ۲۸۲)۔

اور موسوعۃ الفقہ الاسلامی میں ڈاکٹر وہبہ الزحیلی تحریر فرماتے ہیں:

"**وسع أبو حنیفةؒ فی مجال القضاء و الشهادات تیسیرًا علی الناس؛ فصح تولیة الفاسق القضاء**" (موسوعۃ الفقہ الإسلامی للزحیلی: ۱۰/ ۴۷۹)۔

اسی طرح احناف اور مالکیہ کے یہاں نکاح میں ولی کا عادل ہونا شرط نہیں ہے؛ فاسق بھی ولی بن سکتا ہے؛ کیوں کہ جب وہ اپنی مولیہ کے مال کا ولی بننے کی اہلیت رکھتا ہے، تو نکاح کا ولی بدرجہ اولی بن سکے گا؛ گرچہ وہ اپنے ذاتی دینی معاملے میں فاسق ہے؛ لیکن اپنی مولیہ کے حق میں وہ باغیرت ہوگا، اس کے حریم کی حفاظت کرے گا؛ نیز آں حضرت ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک ہر علاقے کے ہر طرح کے تمام لوگ اپنی لڑکیوں کا نکاح کرواتے رہے ہیں، اس پر کسی نے کوئی نکیر نہیں کی ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۵۰۱، کذا فی الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۴/ ۱۴۴)۔

اسی طرح نکاح میں گواہوں کے باب میں بھی وسعت رکھی گئی ہے؛ چنانچہ نکاح میں ولی کی طرح گواہوں کا بھی عادل ہونا ضروری نہیں ہے، فاسق بھی گواہ بن سکتے ہیں۔

درمختار میں ہے: "**و شرط (حضور) شاهدین (حرین) أو حر و حرتین (مکلفین سامعین قولهما معاً) .....(و لو فاسقین)۔**

و تحته فی الشامیة: انعقد بحضور الفاسقین و الأعمیین و المحدودین فی قذف و إن لم یتوبا" (الدرالمختار مع ردالمحتار زکریا: ۴/ ۸۷-۹۳)۔

عبادات میں فسق کا حکم:

عبادات کا معاملہ بڑا اہم ترین معاملہ ہے، اسی وجہ سے فسق اس میں کافی حد تک مؤثر ہے؛ چناں چہ کتب فقہ و

فتاوی میں اس تعلق سے کئی مسائل مصرح ہیں، بطور نمونہ چند کو ذکر کرتا ہوں:

(۱) پانی کی طہارت ونجاست کے متعلق فاسق کی خبر جمہور حضرات فقہا بعض حنفیہ اور ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک مقبول نہیں ہوگی: ''**لا یقبل خبر الفاسق بطهارة الماء و لا بنجاسته**''۔

(۲) معصیت کے ارادے سے سفر کرنے والے کو مسح علی الخفین کی رخصت ملے گی یا نہیں؟ ائمۂ ثلاثہ (امام مالکؒ اپنے ایک قول کے مطابق، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب) کے یہاں رخصت نہیں ملے گی؛ جبکہ احناف اور مالکیہ کے مذہب میں رخصت حاصل ہوگی۔

(۳) پانی کے عدم دستیابی کی صورت میں حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں تیمّم کی رخصت ہے، جبکہ حضرات شوافع کے یہاں تیمّم واجب ہے۔

(۴) پانی کے گھاٹ پر بیٹھی ہوئی فساق کی جماعت سے کسی عورت کو وضو کے لیے تنہا جانے کی صورت میں اپنی جان یا عزت کا خطرہ ہو اور اس کی حمایت کرنے والا بھی کوئی نہ ہو تو اس کو عادم الماء کے حکم میں گردان کر احناف اور حنابلہ کے یہاں تیمّم کی اجازت ہوگی۔

(۵) نماز کا وقت داخل ہونے کی خبر کوئی فاسق دے تو اس کی صداقت کا غالب گمان ہو تو خبر قبول کی جائے گی، ورنہ نہیں۔

(۶) فاسق کی اذان مکروہ ہے؛ لیکن اذان کی صحت کے متعلق دو قول ہیں: جمہور احناف وشوافع کا مذہب اور حنابلہ اپنے ایک قول کے مطابق فرماتے ہیں کہ اس کی اذان صحیح ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں، جبکہ بعض حنفیہ کا قول اور مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کی اذان صحیح نہیں ہے، اعادہ لازم ہوگا۔

(۷) کوئی فاسق سمت قبلہ کی رہبری کرے، تو احناف کے یہاں اس کی سچائی کا غالب گمان ہو تو اس کی خبر کی تصدیق کی جاسکتی ہے، ورنہ نہیں؛ جبکہ ائمۂ ثلاثہ کے نزدیک ''**لا یقبل قول الفاسق فی الدلالة علی القبلة**''

(مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: الأحکام المرتبة علی الفسق فی الفقه الإسلامی تالیف: فوفانا آدم کو دیکھا جاسکتا ہے)۔

(۸) فاسق جو گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرتا ہو، ایسے شخص کو اپنے اختیار سے امام بنانا مکروہ تحریمی ہے؛ کیوں کہ فاسق کی تعظیم سے احادیث مبارکہ میں سختی سے روکا گیا ہے اور امامت انتہائی قابل تعظیم منصب ہے؛ نیز یہ بھی تاکید وارد ہوئی ہے کہ امام نیک اور متقی آدمی کو بنایا جائے؛ اس لیے فاسق کو امام بنانے کی صورت میں ان نصوص کی خلاف ورزی ہوگی اور اس کی تعظیم کرنا بھی لازم آئے گا؛ ہاں! البتہ اگر کوئی متدین امام میسر نہ ہو اور ایسا شخص از خود امامت کے لیے آگے بڑھ گیا یا پہلے سے یہ شخص امامت کے منصب پر فائز ہو اور اس کی اقتدا نہ کرنے کی صورت میں جماعت فوت

ہوجانے کا اندیشہ ہو،تو ایسی صورت میں اس کے پیچھے نماز ادا کر لینا انفراداً نماز پڑھنے کے مقابلے میں بہتر ہوگا۔

اور جس شخص نے فسق کے ساتھ جو نمازیں ادا کی ہیں، وہ مکروہ ہوں گی؛ لیکن ایسا شخص نماز ترک نہیں کرسکتا، عادل کی طرح نماز اس پر بھی فرض ہے۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے:"**اختلف الفقهائفی الصلاة خلف الفاسق: فیری الحنفیة أنه یصلحللإمامةفی الجملةکل عاقل مسلم؛ حتی تجوز إمامةالعبد و الأعرابی والأعمی و ولد الزنا و الفاسق، و إن کانت مکروهة**" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۳۴/ ۱۴۳)۔

مراقی الفلاح میں ہے:"**کره إمامةالفاسق العالم لعدم اهتمام بالدین، فتجب إهانته شرعًا ، فلایعظم بتقدیمه للإمامة**" (مراقی الفلاح حاشیۃ الطحطاوی، دارالکتب العلمیۃ بیروت:۳۰۳)۔

(۹) اسی طرح روایت احادیث کا معاملہ بھی اہم ترین ہے؛ اسی لیے حضرات محدثین نے راوی کے لیے عادل ہونا شرط قرار دیا ہے؛ کسی فاسق کی روایت مقبول نہیں مانتے؛ خواہ اس کے فسق کے باوجود سامع کے دل میں اس کی سچائی واقع ہو یا نہ ہو؛ کیوں کہ خبر حجت بنتی ہے اس کی سچائی کی ترجیح سے اور فسق کی وجہ سے سچائی کی ترجیح ختم ہوجاتی ہے؛ بل کہ کذب کی ترجیح ثابت ہوتی ہے؛ اسی طرح جو فاسق بدعتی ہو، گرچہ وہ اپنے فسق کی وجہ سے کفر کی حد تک نہ پہنچا ہو؛ لیکن وہ بدعت کا داعی ہو، تو بھی اس کی روایت قبول نہیں کرتے۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے:"**أثر الفسق فی روایةالحدیث: ذهب جماهیر أئمة الحدیث والفقه إلی أنه یشترط فیمن یحتج بروایته، السلامة من الفسق؛ و ذکر الزین العراقی أن الفاسق المبتدع الذی لم یکفر ببدعته إذا کان داعیة إلی بدعته، لم تقبل روایته**" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۳۴ / ۱۴۲)۔

(۱۰) حج بیت اللہ جانے والے کو بھی قرآن واحادیث میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے حج کو رفث، فسق اور جدال وغیرہ سے بچائے؛ کیوں کہ ان کے ارتکاب سے حج کے انوار وبرکات ختم ہوجاتے ہیں؛ ارشاد ربانی ہے:"**فمن فرض فیهن الحج فلا رفث و لا فسوق و لا جدال فی الحج**" (سورہ بقرہ:۱۹۷)، اور ارشاد نبوی ﷺ ہے:"**من حج للّٰه فلم یرفث و لم یفسق رجع من ذنوبه کیوم ولدته أمه**" (صحیح البخاری، حدیث نمبر:۱۵۲۱، صحیح مسلم، حدیث ۱۳۵۰)۔

(۱۱) یہی حال روزے کے متعلق بھی ہے، کیوں کہ روزے کا مقصد حصول تقوی ہے، پس روزے میں فسق کے ارتکاب کی وجہ سے اس کے انوار وبرکات سے محرومی ہوتی ہے، اسی وجہ سے ایک حدیث میں منقول ہے کہ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ کتنے روزے دار ایسے ہیں جن کو سوائے بھوکے اور پیاسے رہنے کے کچھ حاصل نہیں ہوتا؛ یعنی روزے

کے آداب کی رعایت نہ کرنے سے اس کے مقصد سے محرومی ہوتی ہے۔

(۱۲) اسی طرح تمام فقہاء کا رمضان اور عید کے چاند کی گواہی میں گواہوں کی عدالت بھی اتفاق ہے، فاسق کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔

(۱۳) اسی طرح جمہور حضرات فقہا کا فاسق مفتی کے فتوی کی عدم قبولیت پر بھی اتفاق ہے؛ کیوں فتوی کے ذریعہ حکم شرعی کی خبر دی جاتی ہے اور فاسق کی خبر اس معاملہ میں قابل قبول نہیں ہے۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے:''**اتفق الفقهاء على اشتراط العدالة فى الشاهد، و أنه لاتقبل شهادة الفاسق؛ لقوله تعالى: ''و أشهدوا ذوى عدل منكم'' .....ذهب جمهور الفقهاء إلى أن الفسق مانع من قبول الفتوى؛ لأن الإفتاء يتضمن الإخبار عن الحكم الشرعى، وخبر الفاسق لايقبل**'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۳۴/ ۱۴۳)۔

خلاصہ اور اپنی رائے:

مذکورہ بالا فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ معاملات کی کثرت وقوع کی وجہ سے ان میں فاسق کا قول معتبر ہوگا؛ لیکن دینیات اور عبادات میں اس کا قول غیر معتبر ہوگا، واللہ اعلم بالصواب۔

صوم وصلاۃ کے پابند داڑھی مونڈنے والے کی رؤیت ہلال وغیرہ میں گواہی:

جواب نمبر ۳: ماقبل میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی کے حوالے سے فسق کی تعریف کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ فسق کبھی ترک فرائض کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی محرمات کے ارتکاب سے۔

''**قال ابن تيميةؒ: إن الفسق تارةيكون بترک الفرائض، و تارةبفعل المحرمات**'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۳۴/ ۱۴۱)۔

پھر محرمات کی فہرست بڑی طویل ہے، ان میں ایک محرم داڑھی کا بالکل منڈانا یا ایک مشت سے زیادہ کتروانا بھی شامل ہے؛ جمہور علماء امت کے نزدیک داڑھی کا رکھنا واجب ہے اور اس کو قینچی سے کتروا کر یا استرے سے منڈوا کر ایک مشت سے کم کردینا حرام وناجائز اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق اور گنہ گار ہے۔

متعدد احادیث میں مونچھوں کو کتروانے اور داڑھی کو بڑھانے کا تاکیدی حکم وارد ہوا ہے؛ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے آں حضرت ﷺ کا فرمان مروی ہے:''**عشر من الفطرة: ..... قص الشارب و إعفاء**

اللحیة'' (رواہ مسلم:۱/ ۲۲۳)۔

نیز داڑھی کا منڈانا اتنا سنگین جرم ہے کہ اس کی حرمت پر پوری امت کا اجماع ہے؛ کوئی بھی اس کے جواز کا قائل نہیں ہے؛ چناں چہ شارح ابوداؤد صاحب المنہل العذب المورود نے علامہ سبکی کے حوالے سے لکھا ہے کہ داڑھی کا منڈانا تمام ائمۂ مجتہدین (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالی) کے نزدیک حرام ہے۔

''**کان حلق اللحیةمحرَّماً عند أئمةالمسلمین المجتهدین: أبی حنیفة، و مالک، و الشافعی، و أحمد و غیرهم رحمهم الله تعالی**'' (المنہل العذب المورود، کتاب الطہارۃ، مطبوعۃ بیروت لبنان:۱/ ۱۸۶)۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بوادر النوادر میں تحریر فرماتے ہیں:

''داڑھی کتر کر ایک مشت سے کم کر دینا؛ جیسا کہ بعض مغاربہ اور ہیجڑے کرتے ہیں، اس کو کسی نے بھی جائز قرار نہیں دیا ہے اور پوری داڑھی صاف کر لینا یہود و ہنود اور مجوسیوں کا فعل ہے؛ پس جو شخص اس کا ارتکاب کرتا رہے گا، تو وہ فاسق ہے۔

''**قال العلائی: فی کتاب الصوم: الأخذ من اللحیة، و هی دون القبضة، کما یفعله بعض المغاربة، و مخنثة الرجال، لم یبحه أحد؛ و أخذ کلها فعل الیهود و الهنود و مجوس الأعاجم، فحیث أدمن علی فعل هذا المحرَّم یفسق، و إ ن لم یکن ممن یستخفونه و لا یعدُّونه قادحًا للعلة والمروة**'' (بوادر النوادر لاہور: ۴۴۳)۔

متاخرین فقہاء احناف میں علامہ کاسانی، محقق ابن ہمام اور صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی رحمہم اللہ تعالی وغیرہ اس کے وجوب کے قائل ہیں۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:''**حلق اللحیة من باب المثلة؛ لأن الله تبارک و تعالی زین الرجال باللِّحی، و النساء بالذوائب .....و لأن ذلک تشبُّهٌ بالنصاری، فیکره**'' (بدائع الصنائع للکاسانی:۲/ ۱۴۱)۔

اور صاحب فتح القدیر علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:''**و أما الأخذ منها، وهی دون ذلک کما یفعله بعض المغاربة، و مخنثه الرجال، فلم یبحه أحدٌ**'' (فتح القدیر لابن الہمام:۲/ ۳۴۸)۔

(داڑھی کا حلق کرنا یا ایک مشت سے کم کرنا، جیسا کہ اہل مغرب اور ہیجڑے کرتے ہیں، کسی بھی شخص کے لیے مباح نہیں)۔

اور صاحب درمختار علامہ علاء الدین حصکفی تحریر فرماتے ہیں:''**یحرم علی الرجل قطع لحیته، و المعنی المؤثر التشبه بالرجال**'' (الدر المختار مع رد المحتار:۶/ ۴۰۷)۔

مذکورہ بالا احادیث اور فقہی عبارات کی روشنی میں حضرات فقہاء عظام کے نزدیک داڑھی کی شرعی حیثیت معلوم ہوئی؛ جب ایک مشت کے برابر داڑھی کا رکھنا واجب ہے، اس سے کم کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس کا مرتکب فاسق ہے اور یہ گناہ اس کے ساتھ ہر وقت لگا رہتا ہے، یہاں تک کہ نماز اور روزے کی وجہ سے نہ یہ گناہ معاف ہوتا اور نہ اس میں تخفیف آتی ہے؛ پس نماز اور روزے کی ادائیگی کے باوجود داڑھی کٹوانے کا فسق ختم نہیں ہوگا اور کتب فقہ وفتاوی میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ رؤیت ہلال کی گواہی میں گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے، فاسق کی گواہی مردود اور نامقبول ہے؛ کیوں کہ رمضان اور عیدین دینی امور میں سے ہیں اور جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ دینی امور میں کسی فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

لیکن قرائن یا کسی اور ذرائع؛ مثلاً: اس کی اچھی شہرت اور امانت داری کی وجہ سے اگر قاضی کو یہ معلوم ہو جائے کہ وہ زیر تحقیق مسئلے میں جھوٹ نہیں بولے گا تو قاضی کے لیے اس کی گواہی قبول کر کے فیصلہ نافذ کرنا لازم ہے؛ جیسا کہ امام ابو یوسفؒ کا یہی قول ہے؛ بل کہ ان کے قول کے مطابق جو فاسق شرافت ومروت میں مشہور ہو، اس کی شہادت قبول کرنا لازم ہے اور ایسے شخص کو قاضی بنانا بھی گناہ نہیں؛ لیکن اصح قول یہ ہے کہ اس کی شہادت قبول کرنا گناہ ہے؛ لیکن فیصلہ نافذ ہو جائے گا (فتاوی دار العلوم زکریا؛ کتاب الصوم، رؤیت ہلال: ۳/ ۲۵۵)۔

درمختار میں ہے: "**(و الفاسق أهلها فيكون أهله؛ لكن لا يقلد) وجوباً، و يأثم مقلده؛ كقابل شهادته، به يفتى .....و استثنى الثانى الفاسق ذا الجاهة والمروئة؛ فإنه يجب قبول شهادته**" (الدر المختار)۔

"**قوله: (وا ستثنى الثانى) أى: أبويوسفؒ من الفاسق الذى يأثم القاضى بقبول شهادته؛ و الظاهر: أن هذا مما يغلب على ظن القاضى صدقه**" (رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب فی حکم القاضی)۔

اور البحر الرائق میں ہے: "**و استثنى أبويوسفؒ من الفاسق إذا شهد أن يكون ذا جاهٍ و مروئة؛ فإنه يجب قبول شهادته؛ كما فى البزازية**" (البحر الرائق، کتاب القضاء، مطبوعہ مکتبہ زکریا دیوبند: ۶/ ۴۳۸)۔

مذکورہ بالا تمام عبارتوں سے یہ بات صاف طور معلوم ہو رہی ہے کہ کوئی فاسق اپنے فسق کے باوجود اگر معاشرے اور سماج میں اپنا ایک مقام رکھتا ہو، صاحب مروت ہو، تو امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق اس کی گواہی معتبر ہوگی؛ کیوں کہ اپنے مقام ومرتبہ اور وجاہت کی وجہ سے کوئی شخص اس کو گواہی کے لیے کرایے پر لینے کی ہمت نہیں کرے گا اور مروت واخلاق کی وجہ سے وہ جھوٹ سے بھی اپنے آپ کو بچائے گا۔

مفسر قرآن حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''باتفاق فقہاء فاسق کی شہادت کو قبول کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا قاضی کے ذمہ واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر قاضی کو قرائن کے ذریعہ معلوم ہوجائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، اس بنا پر وہ فاسق کی شہادت پر کوئی فیصلہ کردے، تو یہ فیصلہ صحیح اور نافذ ہے'' (رؤیت ہلال اور فوٹو کے احکام، بحوالہ: فتاوی دارالعلوم زکریا؛ کتاب الصوم، رؤیت ہلال: ۲۵۶/۳)۔

خلاصہ اور اپنی رائے:

لہٰذا جمہور حضرات فقہاء کے نزدیک تو رؤیت ہلال اور اختلافی معاملات میں اس کی گواہی معتبر نہیں ہوگی؛ لیکن امام ابو یوسف علیہ الرحمہ نے لوگوں کے حقوق کے احیاء کے لیے گواہی کے معاملے میں قدرے نرمی برتتے ہوئے یہ فرمایا کہ اگر فاسق ذی وجاہت اور صاحب مروت ہو، جس کی طرف سے جھوٹ بولنے کا گمان نہ ہو، تو اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، انہی تفصیلات کے ساتھ بندے کی بھی یہی رائے ہے۔

مساجد و مدارس کے فاسق متولیان کی اطاعت کا حکم:

جواب نمبر ۴: احادیث میں اولوالامر کی اطاعت کا تاکیدی حکم وارد ہوا ہے؛ ایک حدیث میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے آپ ﷺ کا فرمان منقول ہے: ''**اسمعوا و أطيعوا، و إن أُمِّر عليكم عبدٌ حبشيٌّ كأن رأسه زبيبةٌ**'' (رواہ البخاری) تم ان حکام، امرا اور ذمہ داروں کی باتوں کو سنو اور ان کا حکم مانو؛ اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ حاکم بنا دیا جائے، گویا اس کا سر کشمش کی طرح ہو)۔

ایک اور حدیث میں حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا: ''**و لو أُستُعمل عليكم عبدٌ يقودكم بكتاب الله اسمعوا له و أطيعوا**'' (رواہ مسلم) (اگر تم پر کوئی غلام عامل مقرر کیا جائے، جو اللہ رب العزت کی کتاب کی روشنی میں تمہاری قیادت کرے، تو تم اس کی بات کو سنو اور اس کا حکم مانو)۔

اس کے علاوہ اور کئی احادیث میں اولوالامر کی اطاعت کا حکم وارد ہوا ہے؛ قرآن مجید میں بھی اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

''**يأيها الذين اٰمنوا أطيعوا الله و أطيعوا الرسول و أولى الأمر منكم**'' (النساء:۵۹)۔

(اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے اولوالامر کی بھی)۔

اولوالامر کے مصداق اور اس کی تفسیر کے متعلق علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ تفسیر عثمانی میں تحریر فرماتے ہیں:

''حاکم اسلام، بادشاہ یا اس کا صوبے دار یا قاضی یا سردارِ لشکر اور جو کوئی کسی کام پر مقرر ہو، ان کے حکم کا ماننا ضروری

ہے، جب تک کہ وہ خدا اور رسول کے خلاف حکم نہ دیں؛ اگر خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف کرے، تو اس حکم کو ہرگز نہ مانے'' (تفسیر عثمانی، سورۃ النساء، آیت:۵۹، صفحہ:۱۱۴)۔

اور فقیہ زماں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب قاموس الفقہ میں تحریر فرماتے ہیں:

'' حکومت اسلامی کے سربراہِ اعلیٰ کو فقہ کی اصطلاح میں ''امیر'' یا ''امیر المؤمنین'' وغیرہ کہتے ہیں؛ خلیفۃ المسلمین امام اکبر اور سلطان کے الفاظ سے بھی اسی عہدہ کو تعبیر کیا جاتا ہے اور ابن خلدون کے الفاظ میں (قدرے وسعت کے ساتھ) امارت نام ہے: (**خلافة عن صاحب الشرع فی حراسة الدين و سياسة الدنيا**) دین کی حفاظت اور دنیا کے معاملات میں تدبر و نظم کے سلسلے میں صاحب شریعت کی نیابت کا نام ہے''۔

مذکورہ بالا احادیث، تفسیر آیات اور فقہی عبارات کی روشنی میں یہ بات صاف طور پر واضح ہوئی کہ اولوا الامر کی اطاعت جبکہ ان کا حکم خدا اور رسول کے حکم کے صریح خلاف نہ ہو واجب ہے اور اولوا الامر کے منجملہ مصداق میں سے ایک مصداق وہ لوگ بھی ہیں جن کو کسی کام پر مقرر کیا گیا ہو، اس کی فہرست میں مساجد و مدارس اور دینی و مذہبی اداروں اور تنظیموں کے ذمے داران بھی شامل ہیں، پس جائز امور میں ان کی اطاعت بھی واجب ہوگی۔

خلاصہ اور اپنی رائے:

مذکورہ بالا پوری تفصیلات اور گفتگو کی روشنی میں بندے کی رائے یہ ہے کہ مدارس و مساجد اور دینی اداروں اور تنظیموں کے ذمہ داران اور ٹرسٹیان حتی الامکان عالم، متشرع، دین دار اور امانت دار ہونے چاہیے؛ لیکن پوری کوشش کے باوجود اگر متشرع کوئی نہ مل پائے، تو پھر غیر متشرع دین دار و امانت دار کو نام زد کیا جائے، پھر ممبران یا ٹرسٹیاں کی فہرست میں داخل ہوجانے کے بعد اس کی حیثیت بفرمان الٰہی اولوا الامر کی ہوگی؛ لہٰذا جب تک وہ خلاف شرع کوئی حکم نہ دیں، ان کی اطاعت واجب ہوگی اور حکم عدولی کرنا بفرمان رسول ﷺ جائز نہیں ہوگا، واللہ اعلم بالصواب۔

فسق فی العقیدہ سے مراد اور ان کے احکام:

جواب نمبر ۵: سوال مذکور کے جواب سے قبل فسق کے انواع کا جاننا ضروری ہے؛ چناں چہ حضرات علماء نے اس کے دو انواع بیان کیے ہیں: (۱) فسق اکبر۔ (۲) فسق اصغر۔

(۱) فسق اکبر: وہ فسق ہے جو شرک اکبر اور کفر اکبر کے مترادف ہو، جس سے اس کا مرتکب دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے، مطلق ایمان کی اس سے نفی ہوجاتی ہے، توبہ کیے بغیر اسی حال میں اگر مر گیا تو وہ مخلد فی النار ہوگا؛ نیز بروز قیامت

شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی اس کو نفع بخش نہیں ہوگی؛ ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:"**إنهم كفروا بالله و رسوله و ماتوا و هم فاسقون**" (التوبۃ:۴۸)،(انہوں نے اللہ کی ذات اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اسی حال میں وہ مر گئے اور وہ فاسق تھے)۔

(۲) فسق اصغر: وہ فسق ہے جو شرک اصغر اور کفر اصغر کے مترادف ہو، جس سے اس کا مرتکب نہ دائرۂ اسلام سے خارج ہوتا ہے اور نہ مطلق ایمان کی اس سے نفی ہوتی ہے؛ اس حال میں توبہ کیے بغیر اگر مر گیا، تو وہ مخلد فی النار تو نہیں ہوگا؛ البتہ سزا کاٹنے کے لیے وقتی طور پر جہنم میں ڈالا جائے گا؛ چناں چہ اللہ رب العزت کا ارشاد اس طرح کے لوگوں کے متعلق وارد ہے:"**يـأيها الذين امنوا إن جائكم فاسق بنبإ فتبينوا**"(الحجرات:۶)،(اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی خبر کی تحقیق کر لیا کرو)۔

خاتمۃ المحدثین علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب اکفار الملحدین میں لکھا ہے:

''وہ امور جن کا سمجھنا اور سمجھانا مشکل ہو، ہر ایک کی بس کی بات نہ ہو؛ مثلاً: تقدیر کا مسئلہ، عذاب قبر، استواء علی العرش، سماء دنیا پر اللہ رب العزت کا نزول، ان کے علاوہ متشابہات اور امور الٰہیہ کی وہ باتیں جو معضلات اور دقائق کے قبیل سے ہوں اور تواتر اور شہرت سے منقول ہوں؛ ان میں سے کسی کا بھی منکر کافر ہوگا اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جائے گا'' (اکفار الملحدین:۹)۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''جو شخص ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے، تو گویا وہ کتاب اللہ کے ایک حصے پر ایمان لایا اور دوسرے حصے کا اس نے انکار کیا، تو وہ بھی منجملہ کفار میں سے ایک کافر ہے؛ اگر چہ وہ مزعوم دین کو لے کر چین اور یورپ کے ملکوں کا سفر کر ڈالے اور جہلا اس کو خدمت اسلام سمجھیں'' (اکفار الملحدین:۴)۔

اسی وجہ سے اہل قبلہ میں سے کوئی شخص ضروریات دین کی متفقہ باتوں؛ مثلاً: حدوث عالم، حشر اجساد اور اللہ رب العزت کے لیے کائنات کی تمام کلیات و جزئیات کا علم اور ان کے علاوہ تمام مسائل مہمہ کا انکار کرے اور اپنی پوری عمر اللہ کی اطاعت و عبادت میں گذار دے، پھر بھی وہ کافر ہوگا، اس کے کفر میں کسی کا اختلاف نہیں؛ ہاں! جو شخص ضروریات دین اور اصول معلومہ میں سے کسی کا مخالف نہ ہو، تو اس کی تکفیر نہیں ہوگی۔

"**و إن المراد بعدم تكفير أحد من أهل القبلةعند أهل السنة: أنه لا يكفر ما لم يوجد شيء من أمارات الكفر و علاماته .....و إن غلا فيه؛ أي: في هواه حتى وجب إكفاره به لايعتبر خلافه۔**

لـاخـلاف فـی کفر المخالف فی ضروریات الإسلام، و إن کان من أهل القبلةالمواظب طول عـمـره عـلـی الطاعات؛ کما فی شرحالتحریر، و رد المحتار من الإمامة و من جحود الوتر؛ قال صاحب البـحـر: و الـحـاصـل أن المذهب عدم تکفیر أحد من المخالفین فیما لیس من الأصول المعلومة من الدین ضرورة'' (اِکفارالملحدین:۱۶،۱۷)۔

نیز ایسے شخص کا اسلام بھی قبول نہیں ہوگا جو اسلام کی آڑ میں کفر چھپائے ہوئے ہو؛ جیسے زنادقہ اور فرقۂ باطنیہ کا حال ہوتا ہے؛ کیوں کہ وہ اسلام کے ادعا کے ساتھ اسلام کے مخالف بعض عقائد کا بھی معتقد ہوتا ہے؛ مجموعی طور پر ایسے لوگوں کے لیے بھی کفر کا حکم ہوگا۔

''**لـا یـقـبـل إسـلامـه إن ارتد إلی کفر خفی؛ کزنادقة و باطنیة ..... وحـکـم المجموع من حیث المجموع الکفر لا غیر**'' (اِکفارالملحدین:۱۴)۔

اور حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ اپنی کتاب آپ کے مسائل اور ان کا حل میں تحریر فرماتے ہیں:

''جو شخص نماز نہیں پڑھتا؛ لیکن نماز کی فرضیت کا قائل ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ میں اس اعلی ترین فریضۂ خداوندی کو ترک کر کے بہت بڑے گناہ کا مرتکب ہو رہا ہوں اور میں قصوروار اور مجرم ہوں، تو ایسے شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا اور نہ اسے کوئی کافر کہنے کی جرات کرتا ہے؛ لیکن یہ شخص اگر نماز کو فرض ہی نہ سمجھتا ہو اور نہ نماز کے چھوڑنے کو وہ کوئی گناہ اور جرم سمجھتا ہو، تو آپ ہی فرمائیں کہ اس کو مسلمان کون کہے گا''؟ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، مکتبہ نعیمیہ دیوبند:۱/۶۶)۔

اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''**لـاخـلاف فـی کـفـر الـمخالف فی ضروریات الإسلام، و إن کان من أهل القبلة المواظب طول عمره علی الطاعات**'' (اِکفارالملحدین:۱۷)۔

الغرض! مذکوہ تمام فرقے اپنے اسلام مخالف عقائد کی بنیاد پر خارج عن الاسلام ہے، ان کا حکم یہ ہے کہ نہ ان کا ذبیحہ حلال ہوگا، نہ ان کے ساتھ شادی بیاہ کرنا جائز ہوگا؛ بل کہ جتنا ممکن ہو ان سے دوری اختیار کی جائے، تا کہ ان کے غلط عقائد و نظریات کی وجہ سے اپنی ذات متاثر نہ ہو؛ نہ دینی امور میں ان کی کوئی بات معتبر ہوگی، نہ چاند کی گواہی قبول کی جائے گی، ان کی مسلمان بیوی کے ساتھ نکاح بھی ٹوٹ جائے گا؛ اور مذکور تمام فرقے اپنے باطل عقائد و نظریات کی بنیاد پر فسق کی پہلی قسم (فسق اکبر) میں شامل ہیں، جن کا حکم پہلے لکھا جا چکا ہے کہ وہ خارج عن الاسلام ہیں، صرف توبہ کافی نہیں ہوگی؛ بل کہ ایمان میں داخل ہونے کے لیے تجدید ایمان ضروری ہوگا؛ اور العیاذ باللہ! اگر اسی حالت میں ان کا انتقال ہو گیا تو مسلمانوں کے طور و طریق کے مطابق نہ ان کی تجہیز و تکفین کی جائے گی، نہ ان پر نماز جناہ پڑھی جائے گی اور نہ مقابر مسلمین میں ان کو دفن کیا

جائے گا اور وہ مخلد فی النار ہوں گے۔

اور اگر عقائد میں اس درجے کا غلو نہ ہو تو وہ خارج عن الاسلام تو نہیں ہیں تو ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز کراہت کے ساتھ جائز ہوگی، ان کا ذبیحہ حلال ہوگا، اس کو قاضی بھی بنایا جا سکتا ہے؛ لیکن روایت حدیث میں ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، نہ رؤیت ہلال کے ثبوت میں ان کی گواہی معتبر ہوگی مگر یہ کہ وہ ذی وجاہت ہو اور نہ اس کا فتوی قبول ہوگا، اور اپنے فسق کی وجہ سے اگر بچے کے حقوق ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کو حق حضانت بھی حاصل نہ ہوگا؛ ان کا شمار فسق کی دوسری قسم (فسق اصغر) میں ہوگا، ان کو اپنے فسق سے معافی کے لیے سچے دل سے توبہ شرط ہے؛ تجدید ایمان لازم نہیں ہے۔

خلاصہ اور اپنی رائے:

مذکورہ بالا پوری تفصیلات کی روشنی میں یہ بات بہ خوبی واضح ہوگئی کہ فسق فی الاعتقاد سے مراد اہل سنت والجماعت کے عقائد سے ہٹ کر عقائد کو اختیار کرنا، جس کی دو قسمیں ہیں: فسق اکبر اور فسق اصغر؛ فسق اکبر میں مبتلا لوگ خارج عن الایمان ہیں اور خارج عن الایمان لوگوں کے جو احکام ہیں وہ ان پر لاگو ہوں گے؛ مثلاً: ان کا ذبیحہ حلال نہ ہوگا، ان کے ساتھ شادی بیاہ اور نکاح کرنا جائز نہ ہوگا؛ اسی حال میں ان کا انتقال ہو گیا تو تجہیز وتکفین اور تدفین وغیرہ امور میں مسلمانوں جیسا ان کے ساتھ برتاؤ بھی نہیں کیا جائے گا اور وہ مخلد فی النار ہوں گے۔

فسق اصغر میں مبتلا لوگوں کے لیے مذکورہ احکام نہیں ہوں گے؛ بل کہ اس سے کم درجہ ہوں گے، جن کا تذکرہ ابھی ماقبل میں گذر چکا ہے، واللہ اعلم بالصوب۔

فاسق شخص کا زبانی توبہ کے بعد عمل کی اصلاح نہ کرنا:

جواب نمبر ۶: کتب فقہ وفتاوی اور کتب تفاسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی گنہ گار نے صرف زبانی توبہ کی ہے اور اپنے گذشتہ اعمال کی اصلاح نہیں کی ہے تو اخروی اعتبار سے اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، توبہ کی قبولیت کے لیے (جبکہ حقوق کا تعلق اللہ کی ذات سے ہو تو) معروف تین شرائط (فوری طور پر گناہ کو چھوڑ دینا، اپنے کیے ہوئے گناہ پر ندامت؛ اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ) ضروری ہیں اور اگر حقوق العباد سے اس کا تعلق ہو تو چوتھی شرط (صاحب حق کو اس کا حق ادا کر دینا، اس کو ستایا ہے یا اس پر ظلم وغیرہ کیا ہے تو اس سے معافی طلب کرنا)۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے: "ذَكَرَ أَكْثَرُ الْفُقَهَاءِ وَالْمُفَسِّرِينَ أَنَّ لِلتَّوْبَةِ أَرْبَعَةَ شُرُوطٍ: الإِقْلاَعَ عَنِ الْمَعْصِيَةِ حَالا، وَالنَّدَمَ عَلَى فِعْلِهَا فِي الْمَاضِي، وَالْعَزْمَ عَزْمًا جَازِمًا أَنْ لا يَعُودَ إِلَى مِثْلِهَا أَبَدًا۔ وَإِنْ

كَانَتِ الْمَعْصِيَةُ تَتَعَلَّقُ بِحَقِّ آدَمِيٍّ، فَيُشْتَرَطُ فِيهَا رَدُّ الْمَظَالِمِ إِلَى أَهْلِهَا أَوْ تَحْصِيلُ الْبَرَائَةِ مِنْهُم‘‘ (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۱۴/ ۱۴۰)۔

چنانچہ قرآن مجید نے متعدد جگہوں پر’’ توبہ‘‘ کے ساتھ اصلاح کا لفظ استعمال کیا ہے، توبہ کے بعد اصلاح کی شرط قرآن مجید نے اس لیے لگائی ہے، تاکہ یہ بات مترشح ہوجائے کہ توبہ صرف مخصوص الفاظ میں اللہ تعالی سے معافی مانگنے کا نام نہیں؛ بل کہ عملا اپنی زندگی کی بری روش کو بدلنے کا نام ہے؛ گناہ گار خواہ کسی بھی قسم اور جرم کے مرتکب ہوں، ان کی توبہ کے لیے قرآن مجید کی عائد کردہ اصلاح کی شرط ضروری ہے۔

ایک آیت میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

’’إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ، إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ‘‘ (البقرۃ:۱۵۹،۱۶۰)۔

(جولوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں، درآں حالاں کہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو کہ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی اُن پر لعنت بھیجتے ہیں؛ البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کرلیں اور جو کچھ چھپاتے تھے، اُسے بیان کرنے لگیں، اُن کو میں معاف کردوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں)۔

ایک اور جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں:

’’وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنكُمْ فَآذُوهُمَا فَإِن تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا‘‘ (النساء:۱۵،۱۶)۔

(اور تم میں سے جو اس فعل کا ارتکاب کریں اُن دونوں کو تکلیف دو، پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو انہیں چھوڑ دو کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے)۔

مذکورہ بالا تمام آیات کی روشنی میں اخروی اعتبار سے توتوبہ کی قبولیت کے لیے عمل کی اصلاح کا ضروری ہونا معلوم ہوتا ہے؛ رہ گیا دنیوی اعتبار سے عمل کی اصلاح کا معاملہ، تو اس سلسلے میں امام شافعی علیہ الرحمہ کا مسلک تو یہ ہے کہ توبہ کی تمامیت و تکمیل کے لیے عمل کی اصلاح بھی ضروری ہے؛ بغیر عمل کی اصلاح کے توبہ تام نہیں ہوگی؛ مثال کے طور پر کسی نے زنا یا چوری سے توبہ کی ہے، تو اس کی توبہ اس وقت تام ہوگی جبکہ وہ زنا اور چوری والے اپنے عمل کی بھی اصلاح کرلے؛ لیکن جمہور حضرات

فقہاء کرام کے یہاں دنیوی احکام کے اجرا کے لیے صرف زبانی توبہ کرلینا کافی ہے، عمل کی اصلاح ضروری نہیں ہے۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں ہے:"لا يُشْتَرَطُ فِي التَّوْبَةِ عَدَمُ الْعَوْدِ إِلَى الذَّنْبِ الَّذِي تَابَ مِنْهُ عِنْدَ أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ ، وَإِنَّمَا تَتَوَقَّفُ التَّوْبَةُ عَلَى الإِقْلاعِ عَنِ الذَّنْبِ وَالنَّدَمِ عَلَيْهِ وَالْعَزْمِ الْجَازِمِ عَلَى تَرْكِ مُعَاوَدَتِهِ" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۱۴/ ۱۲۳)۔

نیز ماقبل میں گذر چکا ہے کہ فاسق کی شہادت دنیوی معاملات میں قبول ہوتی ہے، جب توبہ سے پہلے اس کی شہادت قبول ہوتی ہے تو بعد از توبہ بدرجۂ اولی قبول ہونی چاہیے۔

خلاصہ اور اپنی رائے:

مذکورہ بالا فقہی عبارات کی روشنی میں بندے کی رائے یہ ہے کہ فاسق شخص کے اپنے فسق سے توبہ کرنے کے بعد عملی طور پر بھی اپنی اصلاح کرلینا اچھا ہے؛ لیکن اگر کسی نے اپنی عملی اصلاح نہیں کی ہے، تو دنیوی احکام میں اس کی شہادت قبول ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ توبہ سے پہلے بھی فاسق آدمی کی معاملات میں شہادت قبول ہوتی ہے، تو مذکور صورت میں تو بدرجۂ اولی قبول ہونی چاہیے، واللہ اعلم بالصواب۔

داڑھی کو سنن عادیہ سمجھ کر نہ رکھنے والے کا حکم:

جواب نمبر ۷: داڑھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی سنت جاریہ ہے، بلاتفریق تمام شریعتوں میں اس کا وجوبی حکم رہا ہے؛ نیز یہ مسلمانوں کا قومی شعار بھی ہے؛ اسی لیے متعدد احادیث میں آپ ﷺ نے اس کی تاکید فرما کر اپنی امت کو اس کے رکھنے کا حکم دیا ہے؛ اس لیے جمہور علماء امت کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب اور اس کو کتروا کر یا منڈوا کر ایک مشت سے کم کرنا حرام اور کبیرہ گناہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق اور گناہ گار ہے۔

اسی لیے بعض حضرات فقہا (جن میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں) فرماتے ہیں کہ داڑھی کے بڑا ہوجانے کے باوجود اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا اور دائیں بائیں سے کاٹنا جائز نہیں ہے، اس کو اپنے حال ہی پر چھوڑا جائے، جبکہ احناف کے یہاں یہ حکم نہیں ہے اور جمہور حضرات فقہاء اور ائمۂ مجتہدین کے نزدیک داڑھی کاٹ کر ایک مشت سے کم کردینا ناجائز اور حرام ہے، جب یہ حرام ہے تو حلق کردینا تو بدرجۂ اولی حرام ہوگا؛ بل کہ مالکیہ کے نزدیک تو داڑھی کا حلق کرنے والے کی تادیب کی جائے گی۔

"ذَهَبَ بَعْضُ الْفُقَهَاءِ، مِنْهُمُ النَّوَوِيُّ إِلَى أَنْ لا يُتَعَرَّضَ لِلِّحْيَةِ ، فَلا يُؤْخَذُ مِنْ طُولِهَا أَوْ عَرْضِهَا

لِظَاهِرِ الْخَبَرِ فِي الْأَمْرِ بِتَوْفِيرِهَا، قَالَ: الْمُخْتَارُ تَرْكُهَا عَلَى حَالِهَا ، وَأَنْ لا يُتَعَرَّضَ لَهَا بِتَقْصِيرٍ وَلا غَيْرِهِ۔

ذَهَبَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ: الْحَنَفِيَّةُ وَالْمَالِكِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ، وَهُوَ قَوْلٌ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ، إِلَى أَنَّهُ يَحْرُمُ حَلْقُ اللِّحْيَةِ لأَنَّهُ مُنَاقِضٌ لِلأَمْرِ النَّبَوِيِّ بِإِعْفَائِهَا وَتَوْفِيرِهَا، وَتَقَدَّمَ قَوْلُ ابْنِ عَابِدِينَ فِي الأَخْذِ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ الْقَبْضَةِ: لَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ، فَالْحَلْقُ أَشَدُّ مِنْ ذَلِكَ۔

وَفِي حَاشِيَةِ الدُّسُوقِيِّ الْمَالِكِيِّ: يَحْرُمُ عَلَى الرَّجُلِ حَلْقُ لِحْيَتِهِ، وَيُؤَدَّبُ فَاعِلُ ذَلِكَ؛ وَقَالَ أَبُو شَامَةَ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ: قَدْ حَدَثَ قَوْمٌ يَحْلِقُونَ لِحَاهُمْ، وَهُوَ أَشَدُّ مِمَّا نُقِلَ عَنِ الْمَجُوسِ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُصُّونَهَا" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۲۲۴-۲۲۶)۔

نیز داڑھی منڈوانا ایسا جرم ہے کہ اس کی حرمت پر ساری امت کا اجماع ہے، امت کا ایک فرد بھی اس قبیح فعل کے جواز کا قائل نہیں ہے؛ پس داڑھی کا اعفا بالاتفاق تمام ائمۂ کرام کے نزدیک شرعاً مطلوب ہے؛ کیوں اس کے اعفا پر کئی احادیث منقول ہیں۔

"إِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ مَطْلُوبٌ شَرْعًا اتِّفَاقًا، لِلأَحَادِيثِ الْوَارِدَةِ بِذَلِكَ، مِنْهَا حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ الله تَعَالَى عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ) وَمِثْلُه: حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ الله تَعَالَى عَنْهُ بِلَفْظِ: (جُزُّوا الشَّوَارِبَ، وَأَرْخُوا اللِّحَى، خَالِفُوا الْمَجُوسَ) وَمِنْهَا حَدِيثُ عَائِشَةَ رَضِيَ الله عَنْهَا عَنْه صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ) فَعَدَّ مِنْهَا (إِعْفَاءَ اللِّحْيَةِ)" (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ:۵/۳۴ ۲۲۴)۔

مذکورہ بالا احادیث میں صراحتاً داڑھی کے بڑھانے کا حکم ہے اور آپ ﷺ کے صریح حکم کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہے۔

خلاصہ اور اپنی رائے:

مذکورہ بالا تمام نصوص، فقہی عبارات اور فتاوی کی روشنی میں بندے کی رائے یہ ہے کہ داڑھی سنن واجبہ میں سے ہے، ایک مشت کے بقدر رکھنا واجب ہے، لہٰذا بعض اہل عرب کا اس کو سنن عادیہ میں شمار کرنا دھوکہ ہے اور ایک مشت سے کم رکھنے والے لوگ فاسق ہیں، نصوص صریحہ کے مقابلے میں نہ کسی شخص کی بات اور عادت حجت ہوگی اور نہ کسی خاص شہر اور علاقے والوں کی، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

فسق کی تعریف اور فسق پر مرتب احکام

مفتی اسجد بن مفتی احمد دیولاوی☆

لغوی اعتبار سے کسی شئ کا اپنی اصل ہیئت وصورت اور عمل سے خروج کو فسق سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ اس شئ میں فساد کا سبب ہوتا ہے، اسی لئے محمد بن ابی بکر مدینی نے المجموع المغیث میں فسق کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: ''**الخروج علی وجه یضر**''۔

یہ بات متعین ہے کہ قرآن وحدیث میں فسق اور فاسق کا لفظ متعدد مقامات پر مذکور ہے، لیکن قرآن وحدیث؛ بلکہ اقوال صحابہ وتابعین میں بھی فسق کی کوئی مخصوص تعریف مذکور نہیں ہے، اسی سبب علماء کرام اور فقہاء عظام نے متعدد الفاظ میں فسق اور فاسق کی تعریفات بیان فرمائی ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) امام غزالیؒ نے الوسیط فی المذہب میں قبول شہادت کے بیان کے تحت عدالت اور فسق پر کلام فرمایا ہے، جس کا ماحصل یہ ہے:

آپؒ نبی کریم ﷺ کے ارشاد مبارک: ''**ما مِن عبدٍ مؤمنٍ إلّا وله ذنبٌ یعتادُه الفَینةَ بعدَ الفَینةِ أو ذنبٌ هو مقیمٌ علیه لا یُفارِقُه حتّی یُفارِقَ وإنَّ المؤمنَ خُلِقَ مُفْتَنًا توّابًا نَسّاءً إذا ذُكِّرَ ذكَر**'' کے پیش نظر تحریر فرماتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً انسان سے متعدد گناہ اور معاصی غفلت یا سستی کے سبب سرزد ہوجاتے ہیں، لہٰذا کوئی انسان معصوم وبے گناہ نہیں ہوسکتا ہے اور عدالت کے لئے معصوم اور بے گناہ ہونا مشروط نہیں ہے، البتہ عدالت کے لئے عدم فسق مشروط ہے اور فسق کہا جاتا ہے، ''**إنما الفسق المرون علی المعصیة وإن كانت صغیرة**''، یعنی فسق کسی گناہ کے عادی ہوجانے کا نام ہے؛ اگرچہ وہ گناہ صغیرہ ہی کیوں نہ ہو، البتہ اگر کسی شخص سے گناہ صادر ہوجاتا ہے، اور اس پر اس کو ندامت اور خوف طاری رہتا ہے، (جس کے سبب وہ توبہ کرے گا) تو ایسے شخص کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔

(۲) علامہ ابن نجیمؒ البحر الرائق میں فاسق کی تعریف تحریر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: ''**وَالْفِسْقُ لُغَةً الْخُرُوجُ**

☆ خادم: دارالافتاوالارشاد: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، گجرات-ہند

عَنْ الِاسْتِقَامَةِ كَذَا فِي الْمُغْرِبِ وَشَرْعًا ارْتِكَابُ كَبِيرَةٍ أَوْ الْإِصْرَارُ عَلَى صَغِيرَةٍ كَمَا فِي الْخِزَانَةِ" یعنی فسق گناہ کبیرہ کا ارتکاب اور صغیرہ پر اصرار کا نام ہے۔

(۳) علامہ کاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) نے اس کی متعدد تعریفات بیان فرمائی ہیں، جس کا ماحصل یہ ہے:

عدالت کی کوئی متعین تعریف اسلاف واکابر کے مابین متعین نہیں ہے، جس کے سبب مختلف الفاظ میں عدالت کی تعریفات بیان فرمائی ہیں، عدل اور عدالت کی ضد فسق اور فاسق ہے، لہٰذا عدالت کے برعکس فسق ہوگا، جس کے بعد فاسق کی چند تعریفات ذکر فرمائی ہیں:

☆ بعض نے عدالت کی تعریف پیٹ اور شرمگاہ کے معاملہ میں محتاط رہنے سے بیان فرمائی ہے؛ یعنی جس کی کمائی اور عفت وعصمت پر انگلی نہ اٹھائی گئی ہو۔

☆ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دینی امور میں جس کی نسبت سے کوئی جرم معروف نہ ہو۔

☆ ایک تعریف کبیر گناہ سے اجتناب اور فرائض کی ادائیگی سے فرمائی ہے۔

☆ ایک تعریف جس کو علامہ کاسانیؒ کے علاوہ متعدد فقہاء کرام نے تحریر فرمایا ہے وہ یہ کہ جس کی نیکیاں برائیوں کی بہ نسبت زیادہ ہوں، وہ عادل ہے۔

علامہ کاسانیؒ نے مذکورہ تعریفات کے بعد گناہ کبیر اور صغیرہ کے متعلق فقہاء کرام کی آراء بیان کی ہیں، جس کے تحت اس بات کو بھی بیان فرمایا ہے کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے ساتھ توبہ کرنے والا مرتکب کبائر میں شمار نہیں کی جائے گا۔ (بدائع الصنائع: ۶/ ۲۶۸)۔

علامہ شامیؒ ردالمحتار میں کتاب الصلاۃ - باب الامامۃ کے تحت فاسق کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"(قوله وفاسق) من الفسق: وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا ونحو ذلك، كذا في البرجندي إسماعيل" (شامی: باب الإمامۃ)۔

مذکورہ عبارت میں علامہ شامیؒ نے لعل کے الفاظ سے فاسق کی تعریف تحریر فرماتے ہوئے گناہ کبیرہ کے مرتکب کو فاسق قرار دیا ہے، کتاب الحج میں علامہ حصکفیؒ تاخیر حج کے سبب فسق وعدم فسق کے سلسلہ میں بحر کے حوالہ سے رقمطراز ہیں:

"وأصح الروايتين عن الإمام ومالك وأحمد فيفسق وترد شهادته بتأخيره أي سنينا لأن تأخيره صغيرة وبارتكابه مرة لا يفسق إلا بالإصرار بحر"۔

علامہ حصکفیؒ کی مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً گناہ صغیرہ کا ارتکاب موجب فسق نہیں ہے، اس پر علامہ

شامیؒ مزید وضاحت فرماتے ہیں:

"(قوله إلا بالإصرار) أی لكن بالإصرار، فهو استثناء منقطع لعدم دخول الإصرار تحت المرة ثم لا يخفى أنه لا يلزم من عدم الفسق عدم الإثم فإنه يأثم ولو بمرة وفی شرح المنار لابن نجيم عن التقرير للأكمل أن حد الإصرار أن تتكرر منه تكررا يشعر بقلة المبالاة بدينه إشعار ارتكاب الكبيرة بذلك اهـ ومقتضاه أنه غير مقدر بعدد بل مفوض إلى الرأی والعرف والظاهر أنه بمرتين لايكون إصرارا ولذا قال: أی سنينا"۔

ایک مرتبہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب موجب فسق نہیں ہے، نیز عدم فسق عدم اثم کو مستلزم نہیں ہے، اس کے بعد اصرار صغیرہ کی تعیین کے لئے آپ نے عرف اور مبتلیٰ بہ کی رائے کو مدار قرار دیا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ فسق اور فاسق کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے، اس کا مدار احوال زمانہ، عرف اور حالات پر ہوگا؛ یعنی کسی متعین گناہ کا ارتکاب فسق نہیں کہلائے گا، بلکہ احوال زمانہ اور عادت الناس کے مطابق اس میں فرق ہوگا، البتہ گناہ کبیرہ قبیحہ (شراب نوشی، زنا وغیرہ) کا ارتکاب فسق ہی قرار دیا جائے گا۔

فسق پر مرتب احکام

فاسق کے احکام کے متعلق گفتگو سے قبل اس طرح کے مسائل کے تعلق سے مزاجِ فقہاء پر غور کرنا مناسب ہے۔

علامہ شامیؒ نے کتبِ متقدمین کے حوالہ سے رشوت لینے والے قاضی کے فیصلہ کے نفاذ وعدم نفاذ کے متعلق بحث فرمائی ہے، جس میں آپؒ نے تین قول نقل فرمائے ہیں: (۱) رشوت لینے والے قاضی کا فیصلہ نافذ ہے، چاہے فیصلہ کردہ حکم میں رشوت لی ہو یا نہ لی ہو، اس قول کو علامہ بزدوی نے پسند کیا ہے اور علامہ ابن ہمامؒ نے مستحسن قرار دیا ہے۔

(۲) رشوت لے کر فیصل کردہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا، اس کے علاوہ کے فیصلے نافذ ہوں گے، یہ علامہ سرخسیؒ کا اختیار کردہ قول ہے۔

(۳) رشوت لینے والے قاضی کا کوئی فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔

مذکورہ اقوال بیان فرمانے کے بعد علامہ شامیؒ نے اپنی رائے کو درج ذیل الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

قول اول جس کو علامہ بزدوی نے اختیار کیا ہے اور علامہ ابن ہمامؒ نے مستحسن قرار دیا ہے، وہ قول ہی فی زماننا مفتی بہ اور قابلِ عمل ہونا چاہیے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو نظام قضاء میں تعطل لازم آئے گا، اس لئے کہ فی زماننا کوئی قاضی بالعموم بغیر رشوت

لئے کوئی فیصلہ کرتا ہی نہیں ہے، چاہے قبل از فیصلہ رشوت وصول کرے یا بعد از فیصلہ، لہٰذا اگر رشوت کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ کے عدم نفاذ کا حکم لگایا جائے تو اس صورت میں امور قضاء کا تعطل لازم آئے گا، اسی طرح فتاوٰی حامدیہ میں جواہر الفتاویٰ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ علامہ جمال الدین الیزدیؒ فرماتے ہیں: (یہ مسئلہ فساد زمانہ کے سبب) اس قدر پیچیدہ ہو گیا ہے کہ اس معاملہ میں (رشوت لینے والے قاضی کے حکم کے نفاذ اور عدم نفاذ میں) کس بات کا فیصلہ کیا جائے اس کو بیان کرنا مشکل ہو گیا ہے، اس لئے کہ ایسے قاضی کے جمیع احکام کے نفاذ کا حکم لگانا مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے کہ احکام شرعیہ میں بگاڑ پیدا ہونا اور جہالت اور جرأت سے کام لینا مستلزم ہے، نیز ایسے قاضی کے احکام کے عدم نفاذ کا حکم لگانا بھی مناسب معلوم نہیں ہوتا ہے؛ اس لئے کہ فی زماننا اکثر قضاۃ کا یہی عمل ہے، اگر عدم نفاذ کا حکم لگا دیا جائے تو اس صورت میں احکام شرعیہ کا تعطل لازم آئے گا۔

علامہ شامیؒ مذکورہ کلام پر تبصرہ فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ اُس زمانہ کے قضاۃ کی بات ہے تو ہمارے زمانہ کے قضاۃ کے متعلق کیا فیصلہ کیا جائے، آپ بخوبی واقف ہیں کہ فی زماننا قضاۃ نے رشوت خوری کو اپنے زعم میں جائز ہی گمان کر لیا ہے۔

متقدمین و متاخرین کے مذکورہ کلام سے یہ بات واضح ہے کہ فساد زمانہ کے سبب بہ روئے حدیث ملعون عمل کا مرتکب یعنی رشوت خور کو منصب قضاء کی ذمہ داری سپرد کرنے اور ایسے فاسق کے فیصلہ کو درست قرار دیا ہے، نیز علامہ شامیؒ نے فرمایا کہ اس زمانہ میں قضاۃ کا یہ حال تھا تو ہمارے زمانہ (علامہ شامیؒ) کے قضاۃ کے احوال سے تو ہم سب بہ خوبی واقف ہی ہیں، جب ان متقدمین قضاء جیسا اہم فریضہ میں فساد زمانہ کے سبب فاسق اور مرتکب کبیرہ کی تحکیم کو درست قرار دیا ہے، تو فی زماننا احوال اس سے المضاعف بدتر معلوم ہوتے ہیں (اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے)، نیز اس سے واضح ہوتا ہے کہ فساد زمانہ کے سبب متقدمین و متاخرین نے فسق پر مرتب ہونے والے احکام میں تساہل سے کام لیا ہے، اگر ایسا نہ کیا جائے تو احکام شرعیہ کا تعطل لازم آئے گا، البتہ اس کے باوجود گناہ کبیر قبیحہ (شراب نوشی، زنا) میں تساہل اختیار نہ کیا جائے۔

"**إن الفاسق أهل للقضاء أنه لو اعتبر العدالة لانسد باب القضاء**" (شامی:۱۶/۲۸۷)۔

چنانچہ ان ہی وجوہات کی بناء پر فقیہ و مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جواہر الفقہ میں تحریر فرماتے ہیں:

جب سے دنیا میں فسق کی کثرت ہوئی ہے اور عام معاملات کی شہادت میں ایسے لوگ آنے لگے، جو شرعی اصطلاح میں فاسق ہیں، تو لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور مقدمات کے فیصلہ کے لئے حضرات فقہاء نے یہ صورت اختیار کی ہے کہ جس فاسق کے معاملہ میں قرائن و حالات سے اسکا اطمینان ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی شہادت قبول کر کے اس پر مقدمات کے فیصلے کریں، البتہ ایسے لوگوں میں سے انتخاب کریں جو دوسروں کی نسبت زیادہ صلاحیت رکھتا ہو، مثلاً نماز، روزہ

اور عام احکامِ شرعیہ کا احترام کرتا ہو۔

فقہ کی مستند اور مشہور کتاب معین الاحکام میں اس بحث کو ایک مستقل باب میں واضح طور پر بیان کیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ قرار دی ہے کہ حق تعالیٰ نے فاسق کی شہادت کو رد کرنے کا حکم نہیں فرمایا ہے، بلکہ فرمایا ہے کہ اس کی تحقیق کرلو "يـا أَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا" کا مطلب یہی ہے کہ تحقیق سے اس کا سچا ہونا ثابت ہوجائے تو قبول کرلو ورنہ رد کردو۔

تو جب حالات کا جائزہ لے کر قاضی کو اسکے سچا ہونے کا گمان غالب ہوجائے تو وہ اس کی شہادت قبول کرسکتا ہے، اور اس زمانہ میں جب کہ فسق کی بہت سی صورتیں مثلاً ڈاڑھی منڈانا وغیرہ ایسی عام ہوگئیں ہیں کہ ان کی وجہ سے مطلقاً شہادت کو رد کردیا جائے تو بہت سے معاملات کا ثبوت کسی طرح بہم نہ پہنچے گا، فقہاء کے اس مسلک کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

اسی لئے معین الحکام میں ہے:

"قال القرافی فی باب السیاسة: نص بعض العلماء علی أنا إذا لم نجد فی جهة إلا غیر العدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجورا للشهادة علیهم، ویلزم ذلک فی القضاة وغیرهم تضیع لئلا المصالح۔

قال: وما أظن أحدا یخالف فی هذا، فإن التکلیف شرط فی الإمکان، وهذا کله للضرورة لئلاتهدر الأموال وتضیع الحقوق۔

قال بعضهم: وإذا کان الناس فساقا إلا القلیل النادر قبلت شهادة بعضهم علی بعض، ویحکم بشهادة الأمثل فالأمثل من الفساق، هذا هو الصواب الذی علیه العمل وإن أنکره کثیر من الفقهاء بألسنتهم، کما أن العمل علی صحة ولایة الفاسق ونفوذ أحکامه وإن أنکروه بألسنتهم، وکذلک العمل علی صحة کون الفاسق ولیا فی النکاح ووصیا فی المال، وهذا یؤید ما نقله القرافی، وإذا غلب علی الظن صدق الفاسق قبلت شهادته وحکم بها، والله تعالی لم یأمر برد خبر الفاسق فلا یجوز رده مطلقا بل یتثبت فیه حتی یتبین صدقه من کذبه فیعمل علی ما تبین وفسقه علیه" (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام: ۱۱۷)۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی مذکورہ تحریر اور معین الحکام کی عبارت سے یہ امر واضح ہوجاتا ہے کہ فسق کی کثرت کے سبب فسق کے معاملہ میں تساہل سے کام لینا چاہیے، جو شخص نماز، روزہ کا پابند ہو اور احکام شرعیہ کا احترام کرتا ہو، اس کو فاسق نہ گردانا جائے، گویا کہ اصطلاح شرع میں جو فاسق ہیں، ان میں جو کم درجہ ہو اس کو مقدم کیا جائے، فساد زمانہ

اور کثرت فسق وفساق کے باوجود شدت کو اختیار کرنے کی صورت میں احکام شرعیہ کا بالکلیہ تعطل لازم آئے گا۔

فاسق پر مرتب احکام

فقہاء احناف نے عبادت ومعاملات کے متعدد ابواب میں فسق کے اثر انداز ہونے کے تعلق سے کلام کیا ہے، البتہ فی زماننا درج ذیل عبادات اور معاملات کے مواضع میں فسق اثر انداز ہوتا ہے اور مختلف احکام مرتب ہوتے ہیں:

(۱) اذانِ فاسق کو مکروہ قرار دیا ہے

(۲) امامتِ فاسق کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے

(۳) رؤیتِ ہلال میں فاسق کی شہادت

(۴) فاسق کا وقف کا ذمہ دار بننا

(۵) کفائت فاسق للصالحہ

(۶) حضانت فاسق

(۷) شہادت فاسق

(۸) فاسق کو سلام کرنا

(۹) فاسق کا منصب افتاء کا ذمہ دار بننا

(۱۰) فاسق سے قطع تعلق

اذان شعائر اسلام میں سے ایک شعار اور اہم عمل ہے، نبی کریم ﷺ نے احادیث مبارکہ میں مؤذن کی ذمہ داری اور مقام کے اظہار کے لئے مؤذن کے مؤتمن ہونے، نیز خیار یعنی متقی اور نیک لوگوں کو اذان دینے کی تلقین فرمائی ہے، جس کے پیش نظر ائمہ کرام کا اتفاق ہے کہ فاسق کی اذان کراہت کے ساتھ درست ہے۔

البتہ علامہ شامیؒ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ من حیث الاعلام اذان کو دیکھا جائے تو اس میں فاسق کی اذان میں کوئی حرج نہیں ہے، اس کے باوجود احتیاط اولیٰ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّاؤُكُمْ'' (سنن أبي داود: ۵۹۰)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''الْإِمَامُ ضَامِنٌ وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ،

اللَّهُمَّ أَرْشِدِ الْأَئِمَّةَ وَاغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِينَ" (سنن أبي داود:۵۱۷)۔

"(وَمِنْهَا) – أَنْ يَكُونَ تَقِيًّا لِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: الْإِمَامُ ضَامِنٌ، وَالْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ، وَالْأَمَانَةُ لَايُؤَدِّيهَا إِلَّا التَّقِيُّ" (بدائع الصنائع:۱/۱۵۰، نیز دیکھئے: فتاوی شامی ۱/۳۹۴)۔

(۲) امامت فاسق

فاسق کی امامت کو متقدمین ومتاخرین فقہاء کرام نے مکروہ تحریمی قرار دیا ہے، نیز فی زمانا بھی فاسق کی امامت کو ناپسند ہی گردانا جاتا ہے، حتی کہ بعض حضرات فاسق امام کی اقتداء میں نماز کی ادائیگی کو قطعاً پسند نہیں کرتے، نیز متقی غیر فاسق ائمہ بہ سہولت دست یاب ہیں، لہٰذا فی زمانا بھی فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہی رہے گی۔

"ويكره تقليد الفاسق ويعزل به إلا لفتنة. ويجب أن يدعى له بالصلاح وتصح سلطنة متغلب للضرورة.

قال ابن عابدين: وعند الحنفية ليست العدالة شرطا للصحة فيصح تقليد الفاسق الإمامة مع الكراهة؛ وإذا قلد عدلا ثم جار وفسق لا ينعزل؛ ولكن يستحب العزل إن لم يستلزم فتنة؛ ويجب أن يدعى له؛ ولا يجب الخروج عليه؛ كذا عن أبي حنيفة، وكلمتهم قاطبة في توجيهه هو أن الصحابة صلوا خلف بعض بني أمية وقبلوا الولاية عنهم .وفي هذا نظر؛ إذ لا يخفى أن أولئك كانوا ملوكا تغلبوا والمتغلب تصح منه هذه الأمور للضرورة، وليس من شرط صحة الصلاة خلف إمام عدالته؛ وصار الحال عند التغلب كما لم يوجد أو وجد ولم نقدر على توليته لغلبة الجورة اهـ كلام المسايرة للمحقق ابن الهمام (قوله ويعزل به) أي بالفسق لو طرأ عليه؛ والمراد أنه يستحق العزل كما عملت آنفا. ولذا لم يقل ينعزل"۔

(۳) رؤیت ہلال میں فاسق کی شہادت

رمضان کے چاند کے متعلق حدیث شریف میں عادل کی قید کے ساتھ رؤیت ہلال کی شہادت قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

"أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: صُومُوا لِرُؤْيَةِ الْهِلَالِ، وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ، فَإِنْ خَفِيَ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِينَ يَوْمًا، وَإِنْ شَهِدَ ذَوَا عَدْلٍ فَصُومُوا لرؤيتهما، وأفطروا لهما"، وانسكوا لَهُمَا رَوَاهُ الْحَارِثُ عَنِ دَاوُدَ وَهُوَ ضَعِيفٌ"۔

جس کے سبب رؤیت ہلال کی شہادت میں عادل اور متقی لوگوں کو ترجیح دینا مناسب ہے؛ البتہ فقہاء کرام نے فاسق کی شہادت پر فیصلہ کرنے کی اجازت دی ہے، چناں چہ علامہ شامیؒ رقمطراز ہیں:

"(فلو قضى بشهادة فاسق نفذ) وأثم فتح (إلا أن يمنع منه) أى من القضاء بشهادة الفاسق.

(قَوْلُهُ بِشَهَادَةِ فَاسِقٍ نَفَذَ) قَالَ فِي جَامِعِ الْفَتَاوَى: وَأَمَّا شَهَادَةُ الْفَاسِقِ، فَإِنْ تَحَرَّى الْقَاضِي الصِّدْقَ فِي شَهَادَتِهِ تُقْبَلُ وَإِلَّا فَلَا اهـ فَتَّالٌ: وَفِي الْفَتَاوَى الْقَاعِدِيَّةِ: هَذَا إذَا غَلَبَ عَلَى ظَنِّهِ صِدْقُهُ وَهُوَ مِمَّا يُحْفَظُ دُرَرٌ أَوَّلَ كِتَابِ الْقَضَاءِ، وَظَاهِرُ قَوْلِهِ وَهُوَ مِمَّا يُحْفَظُ اعْتِمَادُهُ" اهـ.

نیز ماقبل میں اس کے متعلق فقہاء کرام کے آراء بیان کر دیئے گئے کہ زمان وافراد کی تبدیلی کے سبب غیر عادل کی شہادت پر فیصلہ کرنا درست ہوگا۔

رؤیتِ ہلال کے مسئلہ میں علامہ قرافی اور مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ رؤیتِ عامہ نہ ہونے کی صورت میں شاہدِ ہلال میں کامل متقی اور غیر فاسق کی قید کا لحاظ کیا جانا مشکل معلوم ہوتا ہے، نیز اس میں تساہل سے کام لینا مناسب معلوم ہوتا ہے، لہٰذا جس شخص کے متعلق یہ یقین ہو جائے کہ یہ کاذب اور شاہد زور نہ ہوگا، نیز شراب نوشی جیسے ظاہری کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو تو اس کی گواہی کو قبول کرنا مناسب ہوگا۔

(۴) کفائت فاسق للصالحہ

فقہاء کرام نے نو امور میں شوہر کے بیوی کے برابر درجہ یا اس سے فائق ہونے کو کفائت سے تعبیر کیا ہے، جس میں ایک امر دیانت یا کفائت فی الدین ہے، جس کا اعتبار ضروری ہے اور دیگر امور کا تعلق عرف وعادت اور سماجی حالات سے ہے۔

کفائت فی الدین کا مطلب تقوی اور تدین میں مرد کا عورت کے برابر ہونا ہے، فاسق اور فاجر مرد نیک عورت کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، نیز اس صورت میں رشتۂ نکاح خوش گوار اور پائیدار نہیں ہوسکتا ہے، لہٰذا فی زماننا بھی فاسق مرد صالحہ اور نیک کا کفو نہیں ہوگا۔

"فَلَا يَكُونُ الْفَاسِقُ كُفُؤًا لِلصَّالِحَةِ وَفِي الْخَانِيَّةِ لَا يَكُونُ الْفَاسِقُ كُفُؤًا لِلصَّالِحَةِ بِنْتِ الصَّالِحِينَ فَاعْتُبِرَ صَلَاحُ الْكُلِّ. وَالظَّاهِرُ أَنَّ الصَّلَاحَ مِنْهَا أَوْ مِنْ آبَائِهَا كَافٍ لِعَدَمِ كَوْنِ الْفَاسِقِ كُفُؤًا لَهَا وَلَمْ أَرَهُ صَرِيحًا اهـ

قُلْت: وَالْحَاصِلُ: أَنَّ الْمَفْهُومَ مِنْ كَلَامِهِمْ اعْتِبَارُ صَلَاحِ الْكُلِّ، وَإِنَّ مَنْ اقْتَصَرَ عَلَى صَلَاحِهَا

أَوْ صَلَاحِ آبَائِهَا نَظَرَ إِلَى الْغَالِبِ مِنْ أَنَّ صَلَاحَ الْوَلَدِ وَالْوَالِدِ مُتَلَازِمَانِ، فَعَلَى هَذَا فَالْفَاسِقُ لَا يَكُونُ كُفُؤًا لِصَالِحَةٍ بِنْتِ صَالِحٍ بَلْ يَكُونُ كُفُؤًا لِفَاسِقَةٍ بِنْتِ فَاسِقٍ''(شامی:۳/۸۹)۔

(۵)حضانت فاسق

فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ فاسقہ کو بچہ کی حضانت سپرد نہ کی جائے، وجہ یہ ہے کہ اس کے سبب بچہ کے فسق وفجود کے عادی ہونے کا خدشہ ہے، چناں چہ اسی سبب سے اگر والدہ زانیہ، سارقہ، مغنیہ، فاحشہ ہو تو اس کو بچہ کی حضانت سپرد نہیں کی جائے گی۔

''قَالَ فِي النَّهْرِ: وَأَقُولُ فِي قَصْرِهِ عَلَى الزِّنَا قُصُورٌ، إذْ لَوْ كَانَتْ سَارِقَةً، أَوْ مُغَنِّيَةً، أَوْ نَائِحَةً فَالْحُكْمُ كَذَلِكَ، وَعَلَى هَذَا فَالْمُرَادُ فِسْقٌ يَضِيعُ الْوَلَدُ بِهِ .اهـ.وَيُمْكِنُ حَمْلُ مَا فِي الْبَحْرِ عَلَيْهِ بِأَنْ يَكُونَ قَوْلُهُ وَنَحْوِهِ مَرْفُوعًا عَطْفًا عَلَى الزِّنَا۔

والحاصل أن الحاضنة إن كانت فاسقة فسقا يلزم منه ضياع الولد عندها سقط حقها وإلا فهي أحق به إلى أن يعقل فينزع منها كالكتابية''۔

ماقبل کی عبارت سے مزید یہ واضح ہوتا ہے کہ فاسقہ کو حضانت سپرد نہ کرنے سے مقصد بچہ کا ضیاع اور فسق وفجور سے محفوظ رکھنا ہے، لہٰذا اسی کے پیش نظر اگر بچہ یا بچی سات، آٹھ سال کے ہوجائے، اور والد شراب نوشی، زنا وغیرہ فسق ظاہری میں مبتلا ہو تو اور بچہ کے ضیاع کا خدشہ ہو تو بچہ کو والد کی حضانت میں سپرد کرنے سے احتیاط کرنا چاہیے۔

(۶)شہادت فاسق

اداء شہادت کے لئے گواہ کا آزاد، عاقل، بالغ مسلمان، بینا، گویا اور عادل یعنی قابل اعتبار ہونا ضروری ہے، اسی کے پیش نظر فاسق کی شہادت قابل قبول نہیں، اس حکم کا مدار آیت کریمہ ''إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا''(الحجرات:۶) پر ہے، اس کے پیش نظر فقہاء کرام اور مفسرین نے تحریر فرمایا ہے کہ فاسق کی شہادت اسی وقت قبول کی جائے گی جب کہ دیگر ذرائع سے اس کی تصدیق ہوتی ہو؛ البتہ آیت کریمہ میں ''أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ'' خاص علت منصوص ہے، جس کے سبب جن معاملات میں کسی کو ضرر نہ ہو، اس میں شہادت فاسق کی قبولیت کا استثناء کیا گیا ہے، لیکن جن معاملات میں الزام حقوق ہو یا کسی کو ضرر ہوتا ہو، ایسے معاملات میں فاسق کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

اسی طرح دینی معاملات میں ذی مروت اور معاشرہ میں وجاہت رکھنے والے فاسق کی شہادت کو قبول کیا

جائیگا، اس لئے کہ امید ہے کہ وہ اپنے مقام ومرتبہ کے سبب کذب بیانی سے کام نہ لے گا (احکام القرآن: ۲۵۶/۴)۔

(۷) فاسق کا ذمہ دار بننا اور فاسق ذمہ دار کی اطاعت

تولیتِ وقف کے لئے فقہاء کرام نے من جملہ شرائط میں امانت دار و دیانت دار ہونے کے ساتھ عدم فسق کو بھی مشروط قرار دیا ہے؛ تاکہ خشیت خداوندی کے سبب اموال وقف، مقاصد وقف اور امور وقف میں صحیح تصرف کر سکے۔

جس کے پیش نظر متولی اور ذمہ دار وقف کوئی صالح اور متدین شخص ہی ہونا چاہیے اور جہاں اس طرح کے افراد موجود ہوں، وہاں فسق ظاہر میں مبتلا شخص کو متولی نہ بنایا جائے؛ لیکن کثرت فسق کے سبب اس طرح کے افراد مفقود نہ صحیح قلیل الوجود ضرور ہیں۔

فقہاء کرام کے کلام سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ متولی اور ذمہ دار میں اصلاً عدم خیانت، بد دیانتی، مفوضہ امور کی کما حقہ ادائیگی کی صلاحیت اور فسق ظاہری سے اجتناب مشروط ہے، چناں چہ فقہاء کرام نے خائن شخص کے تولیتِ وقف کی عدم اہلیت پر سخت کلام کیا ہے، جب کہ امانت دار فاسق کے متولی وقف بننے پر اس قدر سخت گفتگو نہیں فرمائی ہے، گو اس کو بھی ناپسند ضرور کیا ہے، چناں چہ علامہ ابن ہمامؒ نے اہلیت تولیت و ذمہ داری کے لئے فسق ظاہری سے اجتناب شرط قرار دیا ہے، جس سے مراد شراب نوشی، زنا یا حرام کمائی میں ملوث نہ ہو۔

اسی طرح صاحب نہر نے ناظر وقف کو اس کی ذمہ داری سے برطرف کرنے کے لئے صرف خیانت کو مشروط قرار دیا ہے، جب کہ علامہ خصافؒ نے اس کے باوجود اخراج کے بجائے اس کے ساتھ کسی دوسرے کو ضم کرنے کو مناسب قرار دیا ہے، اس لئے کہ افراد متعدد ہونے کے سبب مقاصد وقف میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ کم ہے۔

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہے کہ فقہاء متاخرین نے تولیتِ وقف اور ذمہ داری کی سپردگی میں تساہل سے کام لیا ہے، نیز جیسا کہ ماقبل میں تفصیلاً عرض کیا کہ ایسے امور میں عند الفقہاء تسہیل مرغوب ہے، ورنہ ان میں تعطل لازم آنے کا اندیشہ ہے، چنانچہ رشوت خور قاضی کے فیصلہ کو نافذ قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ذکر کیا گیا، تو منتظمین و ذمہ دار کی حیثیت ان کے بالمقابل کم ہے، لہٰذا ان ہی امور کے پیش نظر یہ کہنا مناسب ہے کہ اگر منتظمین، ذمہ دار اور متولی فسق ظاہری (شراب نوشی وغیرہ) میں مبتلا نہ ہو اور کسی خلاف شرع امر کا حکم نہ دیتا ہو تو ماتحتوں پر ان کی اطاعت لازم ہوگی۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہے کہ فسق ظاہری سے مجتنب شخص کا متولی وقف بننا درست ہے۔

البتہ جن علاقوں میں کامل متدین و صالح افراد دستیاب ہوں، وہاں اس میں تساہل سے کام نہ لیا جائے؛ بلکہ صالح، متقی اور متدین حضرات کو چاہیے کہ ان معاملات کی باگ ڈور اپنے ذمہ لیں، جیسا کہ یوسفؑ نے ضرورت کے پیش نظر اس کا

مطالبہ کیا تھا۔

"فَيَجِبُ كَوْنُ الْوِلَايَةِ فِيهِ لِلْحَاكِمِ يُوَلِّي فِيهِ مَنْ شَاءَ مِمَّنْ يَصْلُحُ لِذَلِكَ، وَهُوَ مَنْ لَمْ يَسْأَلْ الْوِلَايَةَ فِي الْوَقْفِ، وَلَيْسَ فِيهِ فِسْقٌ يُعْرَفُ" (فتح القدیر:۶/۲۳۱)۔

"أَمَّا الْأَوَّلُ فَقَالَ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ الصَّالِحُ لِلنَّظَرِ مَنْ لَمْ يَسْأَلْ الْوِلَايَةَ لِلْوَقْفِ وَلَيْسَ فِيهِ فِسْقٌ يُعْرَفُ قَالَ وَصَرَّحَ بِأَنَّهُ مِمَّا يَخْرُجُ بِهِ النَّاظِرُ مَا إذَا ظَهَرَ بِهِ فِسْقٌ كَشُرْبِهِ الْخَمْرَ وَنَحْوِهِ" (البحر الرائق:۵/۲۴۴)۔

"(لو خائنا) أی: يجب على الحاكم نزعه إذا كان غير مأمون على الوقف وكذا لو كان عاجزا نظرا للوقف وصرح بأن مما يخرج به الناظر ما إذا ظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه كذا فی (الفتح) وكأنه لأنه قد يصرف مال الوقف فيه فلم يكن مأمونا ونحوه كإن ظهر أنه زان وينبغی أنه لو كان يصرف ماله فی الكيمياء أن يعزل أيضا لما قلنا ومن خيانته امتناعه من العمارة كما فی الخصاف ومنها بيعه للوقف بلا مسوغ وظاهر" (النہر الفائق:۳/۳۲۷)۔

(۸) فاسق کا منصب افتاء کا ذمہ دار بننا

منصبِ افتاء کی اہمیت کے لئے یہ کافی ہے کہ اسے توقیع عن اللہ قرار دیا ہے، نیز اس میں لوگوں کی دینی راہ نمائی کی جاتی ہے، لہٰذا کسی صالح، متقی ہی کو منصب افتاء کی ذمہ داری سپرد کی جائے، فاسق کا منصب افتاء کا ذمہ دار بننا درست نہیں۔

"(قَوْلُهُ وَظَاهِرُ مَا فِي التَّحْرِيرِ أَنَّهُ لَا يَحِلُّ اسْتِفْتَاؤُهُ اتِّفَاقًا)"۔

(۹) فاسق کو سلام کرنا

اگر فاسق کی اصلاح کی توقع ہو یا کوئی فاسق ماتحت ہو تو اس کی حوصلہ شکنی کے لئے سلام میں پہل کرنے سے توقف کیا جائے، تا آں کہ وہ فسق سے توبہ کرلے، فی زمانا بعض متعلقین، شاگرد اور ماتحت وغیرہ کی نسبت امید ہوتی ہے کہ تعلقات کم کرنے سے وہ اپنی اصلاح کی فکر کرے گا اور فسق سے توبہ کرلے گا، تو ایسے حضرات سے سلام میں پہل نہ کی جائے؛ تا کہ اصلاح ہوجائے۔

"وَفِي فُصُولِ الْعَلَامِيِّ: وَلَا يُسَلِّمُ عَلَى الشَّيْخِ الْمَازِحِ الْكَذَّابِ وَاللَّاغِي؛ وَلَا عَلَى مَنْ يَسُبُّ النَّاسَ أَوْ يَنْظُرُ وُجُوهَ الْأَجْنَبِيَّاتِ، وَلَا عَلَى الْفَاسِقِ الْمُعْلِنِ، وَلَا عَلَى مَنْ يُغَنِّي أَوْ يُطَيِّرُ الْحَمَامَ مَا لَمْ تُعْرَفْ تَوْبَتُهُمْ وَيُسَلِّمُ عَلَى قَوْمٍ فِي مَعْصِيَةٍ وَعَلَى مَنْ يَلْعَبُ بِالشِّطْرَنْجِ نَاوِيًا أَنْ يَشْغَلَهُمْ عَمَّا هُمْ فِيهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَكُرِهَ عِنْدَهُمَا تَحْقِيرًا لَهُمْ" (شامی:۶/۴۱۵)۔

(۱۰)فاسق سے قطع تعلق

آیت کریمہ ''وَإِذا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آياتِنا'' کے پیش نظر فساق کی مجالس سے اجتناب کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے، اسی کے پیش نظر فقہاء کرام نے بھی فساق کی دعوت قبول نہ کرنے اور ان سے قطع تعلق کا حکم بیان فرمایا ہے۔

البتہ جن فساق کے متعلق رشتہ داری، تعلق، شاگرد و مسترشد ہونے کے سبب یقین ہو کہ اس سے بے تعلقی اختیار کرنے کے سبب وہ اپنے فعل بد سے تائب ہو جائے گا، تو ایسے حضرات کے ساتھ قطع تعلق اصلاح کی نیت سے کرنا درست ہوگا۔

''**فی هذه الآیة رد من کتاب الله علی من زعم أن الأئمة الذین هم حجج وأتباعهم لهم أن یخالطوا الفاسقین ویصوبوا آرائهم تقیة۔ وذکر الطبری عن أبی جعفر محمد بن علی أنه قال: لاتجالسوا أهل الخصومات، فإنهم الذین یخوضون فی آیات الله۔ قال ابن العربی: وهذا دلیل علی أن مجالسة أهل الکبائر لا تحل**'' (تفسیر قرطبی)۔

''**لَا يُجِيبُ دَعْوَةَ الْفَاسِقِ الْمُعْلِنِ لِيَعْلَمَ أَنَّهُ غَيْرُ رَاضٍ بِفِسْقِهِ**'' (الفتاوی الہندیۃ:۵/۳۴۳)۔

فاسق کا توبہ کرنا

اللہ رب العزت نے کفر کے علاوہ ہر قسم کے گناہ کی معافی کا اعلان قرآن مجید میں فرمایا ہے:

''**إِنَّ اللَّهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ**'' (النساء:۴۸)۔

نیز کافر بھی قبل از موت کفر سے توبہ کر لے تو اس کو بھی اللہ رب العزت معاف فرماتے ہیں:

''**إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا**'' (الزمر:۵۳)۔

''**لمن تاب قبل الموت، فمن تاب قبل الموت ولو کان مشرکًا فالله یغفر ذنبه**'' (من أسباب عذاب القبر:۳۳/۶)۔

لہٰذا یہ بات واضح ہے کہ فاسق اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ عند اللہ مقبول ہے اور وہ فاسق کے زمرہ سے نکل جائے گا اور مستور الحال قرار دیا جائے گا، البتہ صرف زبانی توبہ کرنے سے اس کی عدالت عود نہیں کرے گی، فاسق کی وجہ سے جو احکام جاری ہوئے تھے وہ صرف زبانی توبہ کرنے سے ختم نہ ہوں گے، لہٰذا صرف زبانی طور پر توبہ کرنا کافی نہیں ہے، بلکہ ایک مدت تک اس طرح اس کا رہنا ضروری ہے، جس سے اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ حقیقی معنیٰ میں فسق سے مجتنب ہو چکا ہے۔

اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر توبہ کے ساتھ اصلاح حال کا بھی تذکرہ فرمایا ہے:

"إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُور رَّحِيمٌ " (آل عمران:۸۹)۔

"ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُور رَّحِيمٌ"(النحل۱۱۹)۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُور رَّحِيم (النور۵)۔

مذکورہ آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے کے ساتھ اپنی اصلاح کرنے کو یعنی سابقہ اعمال کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے، اسی کے پیش نظر متعدد مفسرین کرام نے توبہ کے بعد ایک مدت صالحیت کے ساتھ گزرنا قبول شہادت کے لئے مشروط قرار دیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: "قَالَ لِوَفْدِ بُزَاخَةَ: تَتْبَعُونَ أَذْنَابَ الْإِبِلِ حَتَّى يُرِيَ اللَّهُ خَلِيفَةَ نَبِيِّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُهَاجِرِينَ أَمْرًا يَعْذِرُونَكُمْ بِه "(رواہ البخاری:۷۲۱۲)۔

مذکورہ حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین وفد بزاخہ کے توبہ کرنے کے بعد جنگلات میں اونٹوں کے پیچھے جانے کا حکم دیا، جس سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فاسق کی توبہ کے بعد عادل ہونے کے لئے صرف زبانی توبہ کافی نہ ہوگی، چناں چہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

"والذی یظهر أن المراد بالغایة التی أنظرهم إلیها أن تظهر توبتهم وصلاحهم بحسن إسلامهم" (فتح الباری:۱۳/۲۱۱)۔

اسی طرح علامہ شامیؒ نے بھی فاسق کی توبہ کے بعد قبول شہادت کے لئے صرف ظاہری اور زبانی توبہ کو عدم کافی قرار دیا ہے؛ البتہ کتنی مدت کے بعد عادل قرار دیا جائے؟ یہ امر احوال زمانہ، اشخاص اور عرف کے مطابق ہوگا، گویا کہ قرائن سے اس بات کا یقین ہوجائے کہ اس شخص نے حقیقی معنی میں فسق سے توبہ کرلی ہے، اس کے بعد فسق کے احکام اس پر مرتب نہ ہوں گے۔

فسق اعتقادی

علامہ ابن قیمؒ نے مدارج السالکین میں فسق اعتقادی کی تعریف درج ذیل الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

"وفسق الاعتقاد کفسق أهل البدع الذین یؤمنون بالله ورسوله والیوم الآخر ویحرمون ما حرم الله، ویوجبون ما أوجب الله، ولکن ینفون کثیرا مما أثبت الله ورسوله، جهلا وتأویلا، وتقلیدا للشیوخ، ویثبتون ما لم یثبته الله ورسوله کذلک.وهؤلاء کالخوارج المارقة، وکثیر من الروافض، والقدریة، والمعتزلة، وکثیر من الجهمیة الذین لیسوا غلاة فی التجهم.وأما غالیة الجهمیة فکغلاة

الرافضة، ليس للطائفتين فى الإسلام نصيب.لذلک أخرجهم جماعة من السلف من الثنتين والسبعين فرقة، وقالوا: هم مباينون للملة" (مدارج السالکین:۱/۵۵۷)۔

مذکورہ تعریف میں علامہ ابن قیمؒ نے اہل بدعت کوفسق اعتقادی میں شامل فرمانے کے ساتھ ان کے چند اوصاف بیان اور چند فسق اعتقادی سے متصف فرق کے اسماء بھی بیان فرمائے ہیں۔

علامہ ابن قیم نے فسق اعتقادی کو بدعت سے تعبیر فرمایا ہے، متقدمین فسق اعتقادی کو بدعت سے تعبیر کرتے تھے اور بدعت کے متعدد اقسام بیان فرماتے تھے، جن میں سے بدعت مکفرہ (بعض حضرات نے اس کو بدعت کبیرہ سے تعبیر کیا ہے) کوفسق اعتقادی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔

غور طلب امر یہ ہے کہ بدعت مکفرہ کس کو کہا جائے اور کن امور کا ارتکاب بدعت مکفرہ میں داخل کرتا ہے؟ تو اس کے متعلق کتب اصول میں متعدد تعریفات مذکور ہے۔

بعض حضرات نے بدعت مکفرہ اس بدعت کو قرار دیا ہے، جس میں قطعی الدلالت سے ثابت امر کی مخالفت کی جائے، جیسا کہ کتاب اللہ اور حدیث متواترہ سے ثابت شدہ حکم کی مخالفت کرنا، مثلاً رؤیت باری تعالیٰ کا انکار، عقلی دلائل کے سبب معراج کا انکار، تقدیر کی نفی کرنا وغیرہ، ان ہی وجوہات کی بنا پر مشبہ، جہمیہ، قدریہ وغیرہ کی تکفیر کا حکم لگایا گیا ہے۔

"**قال ابن عقيل: أهل البدع على ضربين: من يحكم بفسقه ولا يحكم بكفره، وهم العامة الذين يعتقدون البدع تقليدا، أو مهاواة بغير علم، ولا يستدلون عليها، ولا يدعون إليها، ومن خالف فى أصل ليس فيه دليل مقطوع به، مثل أن يثبت بخبر واحد، أو قول صحابى، ونحو ذلک. والثانى: من يحكم بكفره، وهم كل من خالف فى أصل فيه دليل مقطوع به، مثل نص الكتاب والسنة المتواترة، وأدلة العقول**" (مجلۃ البحوث الإسلامیۃ:۶۸/۹۵)۔

حافظ حکمیؒ نے بدعت کی دو قسمیں مکفرہ اور غیر مکفرہ کو ذکر کرنے کے بعد بدعت مکفرہ کے ضوابط کو ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

"**ثُمَّ الْبِدَعُ بِحَسَبِ إِخْلَالِهَا بِالدِّينِ قِسْمَانِ: مُكَفِّرَةٌ لِمُنْتَحِلِهَا. وَغَيْرُ مُكَفِّرَةٍ.فَضَابِطُ الْبِدْعَةِ الْمُكَفِّرَةِ: مَنْ أَنْكَرَ أَمْرًا مُجْمَعًا عَلَيْهِ مُتَوَاتِرًا مِنَ الشَّرْعِ مَعْلُومًا مِنَ الدِّينِ بِالضَّرُورَةِ مِنْ جُحُودِ مَفْرُوضٍ أَوْ فَرْضِ مَا لَمْ يُفْرَضْ أَوْ إِحْلَالِ مُحَرَّمٍ أَوْ تَحْرِيمِ حَلَالٍ أَوِ اعْتِقَادِ مَا يُنَزَّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَكِتَابُهُ عَنْهُ مِنْ نَفْيٍ أَوْ إِثْبَاتٍ؛ لِأَنَّ ذَلِكَ تَكْذِيبٌ بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلَ اللَّهُ بِهِ رُسُلَهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَسَلَّمَ**

كَبِدْعَةِ الْجَهْمِيَّةِ فِي إِنْكَارِ صفات الله وَالْقَوْلِ بِخَلْقِ الْقُرْآنِ، أَوْ خَلْقِ أَيِّ صِفَةٍ مِنْ صِفَاتِ اللَّهِ، وَإِنْكَارِ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ تَعَالَى اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا وَكَلَّمَ مُوسَى تَكْلِيمًا وَغَيْرَ ذَلِكَ، وَكَبِدْعَةِ الْقَدَرِيَّةِ فِي إِنْكَارِ عِلْمِ اللَّهِ وَأَفْعَالِهِ وَقَضَائِهِ وَقَدَرِهِ، وَكَبِدْعَةِ الْمُجَسِّمَةِ الَّذِينَ يُشَبِّهُونَ اللَّهَ تَعَالَى بِخَلْقِهِ، وَغَيْرِ ذَلِكَ مِنَ الْأَهْوَاءِ" (معارج القبول بشرح سلم الوصول: ۳/ ۱۲۲۸)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جن اعمال اور اعتقاد سے نص قطعی یا عمل متواتر کا انکار لازم آتا ہو وہ بدعت مکفرہ ہے اور اسی کو فسق اعتقادی سے تعبیر کیا جائے گا اور جس اعمال واعتقاد سے انکار کتاب اللہ لازم نہ آتا ہو، وہ بدعت غیرہ مکفرہ ہوگی اور وہ فسق اعتقادی میں شامل نہ ہوگی۔

بدعت مکفرہ کے مرتکب کے احکام کافر ہی کی طرح ہوں گے، دینی امور میں ان کی شہادت قبول نہ کئے جانے کے سبب ان کی شہادت پر احکام مرتب نہ ہوں گے، نیز ایسے حضرات کو دینی تنظیم اور ادارہ کا ذمہ دار بنانا درست نہ ہوگا، عموماً مشہور شخصیات (celebrity) فلمی شخصیات کا معاملہ اسی طرح ہوتا ہے، لہٰذا بدعت مکفرہ کے مرتکبین کو اپنا مقتدا بنانا، ان سے محبت رکھنا اور ان کی نقل اور اقتداء کرنا درست نہ ہوگا؛ بلکہ بسا اوقات موجبِ گناہ ہوگا۔

قص لحیہ اور حلق لحیہ کے سبب فاسق

کسی شخص کے عمل کو فسق قرار دینا نہایت محتاط معاملہ ہے، جس کے سبب کسی عمل کو فسق قرار دینے کے لئے مشروط ہوگا کہ اس عمل میں کسی مباح تاویل کی گنجائش نہ ہو، لہٰذا جس عمل میں کسی مباح تاویل کی گنجائش ہو، اس عمل کو فسق قرار دینا مناسب نہیں، چناں چہ صحابہ کرام سے (اجتہادی تسامح کے سبب) کوئی ایسا عمل صادر ہوا، جس کی شرعاً گنجائش نہیں ہے؛ البتہ اس میں تاویل کی گئی تو نبی کریم ﷺ نے اس پر سرزنش یا تشنیع نہیں فرمائی، جیسا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو جذیمہ کی طرف دعوتِ اسلام کے لئے بھیجا تھا، وہ لوگ أَسْلَمْنَا کے بجائے صَبَأْنَا کہنے لگے، جس کے سبب حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو غلط فہمی ہوئی، جس کے سبب آپ نے اس قوم کے لوگوں کو قتل کیا، جب نبی کریم ﷺ کو اس کی اطلاع موصول ہوئی تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی اس اجتہادی غلطی سے برائت ظاہر فرمائی؛ البتہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا فعل مبنی بر تاویل اور اجتہادی غلطی تھی، تو آپ ﷺ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی نہ تشنیع فرمائی اور نہ کسی طرح کی بات ارشاد فرمائی۔

مذکورہ واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عمل مبنی بر تاویل ہو اور وقوع اجتہادی غلطی کے سبب ہوا ہو، تو اس عمل پر فسق وغیرہ کا حکم لگانا مناسب نہ ہوگا۔

نیز علامہ ابن تیمیہ اور ابن حزمؒ نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ کوئی شخص کسی معقول دلیل کے پیش نظر کسی حکم شرعی میں تاویل کرے تو اس کی نہ تفسیق کی جائے اور نہ تکفیر کی جائے، بلکہ اس صورت میں وہ معذور ماجور ہوگا۔

"الثانی أن المتأول الذی قصده متابعة الرسول لا یکفر، بل ولا یفسق إذا اجتهد فأخطأ"

(منہاج السنۃ: ۵/۲۳۹)۔

"ومن بلغه الأمر عن رسول الله ﷺ من طریق ثابتة، وهو مسلم، فتأول فی خلافه إیاه، أو رد ما بلغه بنص آخر، فلما لم تقم علیه الحجة فی خطئه فی ترک ما ترک، وفی الأخذ بما أخذ، فهو مأجور معذور، لقصده إلی الحق، وجهله به، وإن قامت علیه الحجة فی ذلک، فعاند، فلا تأویل بعد قیام الحجة" (الدرۃ فیما یجب اعتقادہ لابن حزم: ۵۲۲، ط: دار ابن حزم)۔

ماقبل کی تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ کوئی شخص کسی حکم شرعی میں تاویل کے سبب عمل پیرا نہ ہو تو اس بات کی گنجائش ہے اور اس تاویل کے اختیار کردہ کی تفسیق نہیں کی جائے گی؛ البتہ ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ اس صورت میں بابِ تاویل اس قدر مفتوح ہو جائے گا کہ اہل ہویٰ اسی کا سہارا لیتے ہوئے، ثابت شدہ شرعی حکم سے انحراف کریں گے، لہٰذا تاویل کرنے والے میں کچھ قیودات کا اضافہ لازماً کرنا ہوگا، چناں چہ مسائلِ عقائد، اصول دین اور صفات باری تعالیٰ میں تاویلات کو اس وقت قبول کیا جائے گا جب کہ اس کے سبب تشبہ اور تعطل لازم نہ آتا ہو، نیز ان مسائل میں توقف اختیار کرتے ہوئے اس کے معنیٰ کو مشیت الٰہی کے سپرد کر دے۔

فروعی مسائل میں تاویل کی گنجائش ہے؛ البتہ ہر شخص کی ہر تاویل قابل قبول نہ ہوگی، چناں چہ تاویل کی درستگی کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ متاوّل راسخ فی العلم ہو، اگر راسخ ہو تو نصوص وکلام فقہاء کے پیش نظر اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہو۔

" قال العلماء کل متأول معذور بتأویله لیس بآثم إذا کان تأویله سائغا فی لسان العرب وکان له وجه فی العلم" (فتح الباری: ۱۲/ ۳۰۴)۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہے کہ اگر کوئی راسخ فی العلم دلائل معقولہ کے پیش نظر کسی حکم شرعی کے خلاف تاویل کرے تو اس کی گنجائش ہے، لہٰذا ڈاڑھی کے مسئلہ میں متعدد علماء عرب کا ڈاڑھی کے متعلق عدم وجوب کا موقف ہے، لہٰذا جو راسخ فی العلم دلائل کے سبب قص لحیہ اور حلق لحیہ کے جواز کے قائل ہوں یا عملاً کر رہے ہوں تو اس کو فاسق قرار دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

☆☆☆

فسق سے مراد اور فاسق کی شہادت وعدالت

مفتی محمد معین الدین ندوی☆

فسق کا لغوی معنی

"فسق کل ذی قشر (ن) فسقا وفسوقا" (ہر چھلکے والی چیز کا چھلکے سے باہر نکلنا)، **"فسقت الرطبة عن قشرها والفارة عن جحرها"** (پکی ہوئی کھجور کا چھلکے سے اور چوہیا کا بل سے باہر ہونا)۔

فسق فلان: نافرمان ہونا، حدود شریعت سے تجاوز کرنا، خیر وفلاح کے راستے سے ہٹ جانا۔

فسق عن أمر ربه: اپنے رب کا نافرمان ہونا، اطاعت خداوندی سے باہر ہونا، قرآن پاک میں ہے: **"فسجدوا إلا إبليس كان من الجن ففسق عن أمر ربه"، هو فاسق (ج)**

"فسقة وفاسقون وهي فاسقة (ج) فاسقات وفواسق" (القاموس الوحید: ص/۱۲۳۱، ادارہ اسلامیات، کراچی، پاکستان)۔

الموسوعۃ الفقہیۃ میں ہے: **"الفسق في اللغة: الخروج عن الطاعة، وعن الدين وعن الاستقامة، والفسق في الأصل خروج الشئ من الشئ على وجه الفساد، ومنه قولهم: فسق الرطب: إذا خرج عن قشره"** (الموسوعۃ الفقہیہ: ۳۲/ ۱۴۰، وزارۃ الاوقاف، کویت)۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہم العالی لکھتے ہیں: "فسق کے معنی اصل میں نافرمانی کے ہیں، اس اعتبار سے فسق کے معنی میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے اور کبائر ہی نہیں، بلکہ کفر بھی فسق میں شامل ہوجاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں بعض مواقع پر کافر کو فاسق سے تعبیر کیا گیا ہے؛ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں فسق کفر سے کمتر درجہ کی نافرمانی ہے" (قاموس الفقہ: ۴/ ۵۳۴، زمزم پبلیشرز، کراچی، پاکستان)۔

☆ خادم التدریس جامعہ نعمانیہ، قاضی پیٹ، چتور (آندھرا پردیش)

فسق کا اصطلاحی معنی

تفسیر مظہری کے حوالہ سے حضرت مفتی شفیع عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اصطلاح شرع میں اللہ تعالی کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں، اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفر وانکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی، اس لئے لفظ فاسق کافر کے لئے بھی بولا جاتا ہے، قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین کافروں ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور مومن گنہگار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے''۔

فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے اور فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسیم قرار دیا گیا ہے، جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے، یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے، اس کی عادت بنالے وہ فقہاء کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے (کتاب التعریفات: ص/۳۳۹، مرتب: مفتی زید صاحب مظاہری ندوی، ندوۃ العلماء، لکھنؤ)۔

فسق کا کوئی قطعی معنی ومفہوم متعین نہیں

جاننا چاہئے کہ فسق کا لغوی واصطلاحی دونوں معنی لغوی حضرات یا فقہاء اسلام کی اخذ کردہ ہے، قرآن وسنت میں فسق کا کوئی متعین معنی ومفہوم نہیں ہے، جیسا کہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلھم العالی لکھتے ہیں: ''البتہ چونکہ قرآن وحدیث نے فسق کا کوئی قطعی مفہوم متعین نہیں کیا ہے، ہر زمانہ کے احوال اور لوگوں کے اخلاقی کوائف بھی مختلف ہوتے ہیں اور ان میں تفاوت ہوتا ہے، اس لئے فقہاء کے یہاں فسق کا مفہوم اور فاسق کا مصداق متعین کرنے میں اختلاف واقع ہوا ہے'' (قاموس الفقہ: ۴/ ۴۵۳، زمزم، پاکستان)۔

قرآن میں فسق کے معانی

قرآن مجید میں لفظ فسق اور اس کے مشتقات تقریباً چون (۵۴) مقام پر آیا ہے جو مختلف معانی میں ہیں بعض اہل علم نے غور وخوض کے بعد چار معانی مختص کئے ہیں:

(۱) فسق، کفر کے معنی میں: ارشاد ربانی ہے:

''**ولقد أنزلنا الیک آیات بینات ومایکفر بها الا الفاسقون**'' (البقرۃ:۹۹)۔

(ہم نے تمہاری طرف ایسی آیات نازل کی ہیں جو صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی ہیں اور ان کی پیروی سے صرف وہی لوگ انکار کرتے ہیں، جو فاسق ہیں)۔

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"مایکفر بها، إلا الكافر المتجاوز عن كل حد فی كفره، والمعنی أن هذه الآيات لما كانت بينة ظاهرة لم يكفر بها الا الكافر الذی يبلغ فی الكفر الی النهاية القصوی، وتجاوز عن كل حد مستحسن فی العقل والشرع، وبناء علی ذلک يعتبر كل كافر فاسقا ولاينعكس" (مفاتیح الغیب:۳/۲۱۶: دار الفکر، بیروت، لبنان)۔

(۲) فسق، شرک کے معنی میں: ارشاد باری تعالی:

"حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل لغير الله به والمنخنقة والموقوذة والمتردية والنطيحة، وما أكل السبع إلا ماذكيتم وماذبح علی النصب وأن تستقسموا بالأزلام ذلكم فسق" (المائدۃ:۳)۔

(تم پر مردار جانور اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور حرام کر دیا گیا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو، اور جو اوپر سے گر کر مرا ہو۔ اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو، اور جسے کسی درندے نے کھالیا ہو، الا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کر چکے ہو، اور وہ (جانور بھی حرام ہے) جسے بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ بات بھی (تمہارے لئے حرام ہے) کہ تم جوے کے تیروں سے (گوشت وغیرہ) تقسیم کرو۔ یہ ساری باتیں سخت گناہ کی ہیں)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأن تستقسموا بالأزلام ذلكم فسق" أی: تعاطيه فسق وغی وضلال وجهالة وشرک" (تفسیر ابن کثیر: ۳/۲۵، مؤسسۃ قرطبۃ، قاہرۃ)۔

(۳) فسق، نفاق کے معنی میں، فرمان باری تعالی ہے:

"إن الله لايستحيی أن يضرب مثلا مابعوضة فما فوقها فاما الذين آمنوا فيعلمون أنه الحق من ربهم، وأما الذين كفروا فيقولون ماذا أراد الله بهذا مثلا يضل به كثيرا ويهدی به كثيرا وما يضل به إلا الفاسقين، الذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه" (البقرۃ:۲۷-۲۶)۔

(بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ (کسی بات کو واضح کرنے کے لئے) کوئی بھی مثال دے، چاہے وہ مچھر (جیسی معمولی چیز) کی ہو، یا کسی ایسی چیز کی جو مچھر سے بھی زیادہ (معمولی) ہو، اب جو لوگ مومن ہیں وہ خوب جانتے

ہیں کہ یہ مثال ایک حق بات ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔البتہ جو لوگ کافر ہیں وہ یہی کہتے ہیں کہ بھلا اس (حقیر) مثال سے اللہ کا کیا مطلب ہے؟ (اس طرح) اللہ اس مثال سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے (مگر) وہ گمراہ انہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں۔وہ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پختہ کرنے کے بعد بھی توڑ دیتے ہیں)۔

اس آیت کی تفسیر میں امام طبری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وهذا وصف من الله جل ذكره الفاسقين الذين أخبر أنه لايضل بالمثل الذى ضربه لأهل النفاق غيرهم، فقال: ومايضل الله بالمثل الذى يضربه إلا الفاسقين الذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه" (جامع البیان للطبری:۱/۴۱۰)۔

(۴) فسق، گناہ و معصیت کے معنی میں، اللہ کا فرمان ہے:

"وكره إليكم الكفر والفسوق والعصيان" (الحجرات:۷)۔

(اور تمہارے اندر کفر کی اور گناہوں اور نافرمانی کی نفرت بٹھادی ہے)۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"الفسوق: هى الذنوب الكبار" (ابن کثیر:۱۳/۷/۱۴، مکتبہ ابن تیمیہ قاہرۃ)۔

مذکورہ بالا چاروں معانی میں بھی دو ہی معانی ہیں (۱) کافر، جہنمی (۲) گنہگار، جنتی ان شاء اللہ۔

فسق کی اقسام

آیات قرانیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فسق کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ایسا فسق جو مسلمان کو ملت اسلام سے خارج کردے اور یہ کفر ہے اللہ تعالی نے لعین ابلیس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: **"ففسق عن أمر ربه"** (الکہف:۵۰)۔

چنانچہ اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی، یہاں فسق سے مراد کفر ہی ہے جیسا کہ دوسری جگہ اللہ کا فرمان ہے:

"وإذ قلنا للملائكة اسجدوا لآدم فسجدوا إلا إبليس أبى واستكبر وكان من الكافرين" (البقرۃ:۳۴)۔

(اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو چنانچہ سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا اور کافروں میں شامل ہوگیا)۔

اس آیت میں واضح لفظوں میں ہے کہ ابلیس انکار سجدہ سے کافر ہو گیا پس پہلی آیت میں فسق سے مراد کافر ہی ہے۔

اسی طرح ایک جگہ اللہ کا فرمان ہے:

''**كلما أرادوا أن يخرجوا منها من غم أعيدوا فيها، وذوقوا عذاب الحريق**'' (الحج:۲۲)۔

(جب بھی وہ اس سے نکلنا چاہیں گے انہیں واپس لوٹا دیا جائے گا، اور ان سے کہا جائے گا کہ جلنے کا عذاب چکھو!)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''کبھی کبھی آگ کے شعلے جہنمیوں کو دروازہ کی طرف پھینکیں گے اس وقت شاید نکلنے کا خیال کریں، فرشتے پھر ادھر ہی دھکیل دیں گے کہ جاتے کہاں ہو! جس چیز کو جھٹلاتے تھے ذرا اس کا مزہ چکھو، (**اللهم اعذني من النار واجرني من غضبک**)''' (تفسیر عثمانی)۔

دوسری قسم: ایسا فسق جو معصیت وکبیرہ گناہ ہے جس کے ارتکاب سے مسلمان اسلام سے خارج نہیں ہوتا، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

والذين يرمون المحصنت ثم لم ياتو بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولاتقبلوا شهادة أبدا أولئک هم الفاسقون۔ (النور:۴)۔

(اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، تو ان کو اسی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو اور وہ خود فاسق ہیں)۔

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ تہمت لگانے والا شخص اگر جھوٹا ہوا تو اس پر حد جاری ہوگا اور وہ فاسق ہوگا اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، لیکن اگر وہ توبہ کر لے گا تو اس پر سے فاسق کا حکم اٹھا لیا جائے گا، تاہم مردود الشہادت ہوگا، اس سے پتہ چلا کہ آیت میں فاسق سے مراد کفر نہیں، بلکہ معصیت وگناہ مراد ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''**الإمام أبو حنيفة: إنما يعود الاستثناء إلى الجملة الأخيرة فقط، فيرتفع الفسق بالتوبة، ويبقى مردود الشهادة أبدا، وممن ذهب إليه من السلف القاضي شريح، وابراهيم النخعي، وسعيد ابن جبير، ومكحول، وعبد الرحمن بن زيد**'' (تفسیر ابن کثیر:۶/ ۱۴، دار طیبہ للنشر، ریاض، المملکۃ السعودیۃ)۔

اسی طرح ایک جگہ اللہ کا فرمان ہے:

''**فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولافسوق ولاجدال فی الحج**'' (البقرۃ:۹۷)۔

(جو شخص ان مہینوں میں (احرام باندھ کر) اپنے اوپر حج لازم کرلے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے نہ کوئی گناہ نہ کوئی جھگڑا)۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہم العالی لکھتے ہیں:

''فسق: میں ہر طرح کا گناہ داخل ہے، چھوٹا ہو یا بڑا، حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے'' (آسان تفسیر قرآن مجید)۔

فسق کا حکم

''الموسوعۃ الفقہیۃ'' میں ہے:''**الفسق حرام ومنھی عنه بإجماع المسلمین، لأنه خروج عن أحکام الله، ومخالفة لأوامره ونواهیه، ویعاقب صاحبه بالحد أو التعزیر**'' (الموسوعۃ الفقہیہ:۳۲/۱۳۱،کویت)۔

(فسق حرام اور ممنوع ہے، اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے، کیونکہ یہ اللہ کے احکام سے نکلنا ہے اور اس کے اوامر و منہیات کی مخالفت کرنا ہے، اور اس کے مرتکب کو حد یا تعزیر کے ذریعہ سزا دی جائے گی)۔

جواب نمبر ا: فسق کی متعین تعریف یا زمانہ کے عرف وحالات پر موقوف کتاب وسنت نے فسق کی کوئی یقینی مفہوم و تعریف متعین نہیں کیا ہے، حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہم العالی لکھتے ہیں: البتہ چونکہ قرآن وحدیث نے فسق کا کوئی قطعی مفہوم متعین نہیں کیا ہے، ہر زمانہ کے احوال اور لوگوں کے اخلاقی کوائف بھی مختلف ہوتے ہیں اور ان میں تفاوت ہوتا ہے، اس لئے فقہاء کے یہاں فسق کا مفہوم اور فاسق کا مصداق متعین کرنے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔

پھر حضرت مولانا رحمانی صاحب مدظلہم العالی فسق کی تعریف سے متعلق علامہ کاسانی رحمہ اللہ کے چند قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:'' ان تعریفات کے ساتھ کاسانی رحمہ اللہ نے ایک تعریف اور بھی کی ہے جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، کہ جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں وہ عادل ہے،''**من غلبت حسناته سیئاته**''، اب جو عادل نہیں ہوگا فاسق کہلائے گا۔ دراصل فسق کا مصداق متعین کرنے میں احوال زمانہ کو بڑا دخل ہے'' (قاموس الفقہ: ۴/ ۴۵۳، ۴۵۴، زم زم پبلیشرز، اردو بازار، کراچی، پاکستان)۔

اس سے معلوم ہوا کہ فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے، بلکہ یہ احوال زمانہ اور حالات پر موقوف ہیں، جیسا کہ عدالت کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے اس سلسلے میں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہم العالی نے بڑی نکتہ کی

بات درج کی ہے، حضرت رحمانی صاحب مدظلہم العالی لکھتے ہیں:

''قرآن مجید نے گواہوں کے بارے میں یہ بات تو کہی ہے کہ ان کو صاحب عدل ہونا چاہئے (المائدہ: ۱۰۶، الطلاق: ۲)، لیکن ''عدل'' کی حقیقت بیان نہیں کی ہے، اس لئے اصولیین اور فقہاء ومحدثین نے اپنے اپنے مذاق اجتہاد سے کام لیتے ہوئے عدل کی تعریف کی ہے، عام طور پر فقہاء نے عدل کی تعریف یہ کی ہے کہ اس نے کبھی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کیا ہو اور کیا ہو تو اس سے توبہ کی ہو اور اس کے حالات بھی بتاتے ہوں کہ وہ اپنی توبہ میں صادق ودرست ہے، نیز صغائر کا ارتکاب بھی کرتا ہو تو اس پر اصرار وتکرار نہ پایا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ آج اگر گواہی قبول کرنے یا خود قاضی مقرر کئے جانے کے لئے اس طرح کی شرطیں رکھی جائیں تو قضاء کا دروازہ ہی بند ہو کر رہ جائے گا، گواہان کے لئے عدالت کی شرط کا مقصد یہ تھا کہ جھوٹے اور سخن ساز گواہ عدل کے بجائے جور اور انصاف کی بجائے ناانصافی کا ذریعہ نہ بن جائیں اور مظلوم کو انصاف نہ مل سکے، لیکن یہ سخت گیر شرطیں آج کے ماحول میں حصول انصاف کو جوئے شیر حاصل کرنے سے زیادہ مشکل بنا کر رکھ دیں گی، اس لئے ضروری ہے کہ ''عدالت'' کا ایسا مفہوم متعین کیا جائے جو موجودہ حالات اور سماجی اقدار میں قابل عمل ہو سکے، اور بلاشبہ قرآن مجید میں ''عدالت'' کا قطعی مفہوم متعین کرنے سے گریز کی حکمت بھی یہی ہے کہ احوال زمانہ کے لحاظ سے ''عدل'' کا معیار مقرر ہو، اور سماج کی اخلاقی قدروں اور صلاحیتوں کو بھی اس میں ملحوظ رکھا جائے'' (قاموس الفقہ: ۴/ ۳۷۲، زمزم، کراچی)۔

''عدل'' کے مفہوم متعین نہ کرنے میں جو حکمت ہے ٹھیک وہی حکمت ''فسق'' کی تعریف متعین نہ کرنے میں بھی ہے اسی وجہ سے ''فسق'' کی تعریف عرف اور احوال زمانہ پر موقوف ہوگا، اس لئے احقر کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں فسق کی تعریف میں وسعت ہونی چاہئے اور فقہاء اسلام کے ہی کردہ تعریفات میں سے جو تعریف احوال زمانہ سے تعلق رکھتا ہو اس تعریف کو اپنانا چاہئے تاکہ کوئی من مانی بات نہ کہے اور ہم فقہاء اسلام سے بھی الگ راہ نہ اپنائیں اور یہی ہمارے لئے بہتر بھی ہے۔

جواب نمبر ۲: موجودہ دور میں عبادات معاملات وغیرہ میں فسق اور اس پر احکام کا مرتب ہونا فسق کی تعریف جو عام طور پر فقہاء نے بیان کیا ہے اگر اسی تعریف پر مصر رہا جائے گا تو ایسی صورت میں موجودہ دور میں بہت سی عبادات ومعاملات کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ہے، اس لئے پہلے فقہاء کے فسق کی تعریفات میں سے جو تعریف موجودہ دور میں مناسب معلوم ہو اس تعریف کو اپنایا جائے جیسے دور حاضر میں علامہ کاسانی رحمہ اللہ کی یہ تعریف بہتر ہے جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں وہ عادل ہے اور جو ایسا نہیں ہے وہ فاسق ہے:

"ماهية العدالة ..... وقال بعضهم من غلبت حسناته سيئاته فهو عدل'' (بدائع الصنائع: ج/ ۶، ص/ ۲۶۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)۔

موجودہ دور میں فسق کے مذکورہ بالا تعریف ہی متعین کرنے کی صورت میں عبادات ومعاملات وغیرہ پر کوئی بھی حکم لگا سکتے ہیں ورنہ دشواری ہوگی؛ البتہ موجودہ دور میں بھی عبادات ومعاملات وغیرہ پر فسق کی وجہ سے احکام مرتب ہوں گے۔

جواب نمبر ۳: رویت ہلال واختلافی معاملات میں پابند فرائض بے ریش کی گواہی عصر حاضر انحطاط کا دور ہے، اس دور میں اگر کوئی نماز روزہ کا پابند ہو؛ خواہ وہ داڑھی منڈا بے ریش ہی کیوں نہ ہو، اگر قاضی کو ان کے دین داری پر اعتماد ہو تو ایسے شخص کی رویت ہلال اور دیگر اختلافی معاملات وغیرہ میں گواہی قبول کی جائے گی، صاحب ''فتاوی حقانیہ'' ایک سوال کے جواب میں ''ردالمحتار'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''۔۔۔لیکن موجودہ معاشرہ کے انحطاط کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر داڑھی والا گواہ موجود نہ ہو اور حق تلفی کا اندیشہ ہو اور گواہی دینے والا داڑھی منڈا معتبر شخص ہو جس کے صدق پر قاضی کو اعتماد حاصل ہو تو پھر داڑھی منڈوانے کے باوجود اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔

''**قال العلامة ابن عابدين: قال في جامع الفتاوى: وأما شهادة الفاسق فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته تقبل وإلا فلا ۔۔۔۔**'' (فتاوی حقانیہ: ۵/۴۹۹، دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ، خٹک، نوشہرہ، پاکستان)۔

جواب نمبر ۴: ائمہ مساجد وعلماء کرام کے لئے پابند فرائض بے ریش ذمہ دار کا حکم ماننا مساجد ومدارس یا کسی بھی اسلامی تنظیم کے ذمہ داران کو دین دار ہونا چاہیے اور جو دین دار نہ ہو ان کو ایسی ذمہ داری ہرگز سپرد نہیں کرنی چاہئے اور خود ان کو بھی ایسی ذمہ داری سے بچنا چاہئے، شامی میں ہے:

''**ولايولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه؛ لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن؛ لأنه يخل بالمقصود**'' (شامی: کتاب الوقف، مطلب فی شروط المتولی: ۶/۵۷۸، زکریا، دیوبند)۔

حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''متولی اور مہتمم کا عالم باعمل ہونا ضروری ہے، اگر میسر نہ ہو سکے تو صوم وصلوۃ کا پابند، امانت دار، مسائل وقف سے واقف کار، خوش اخلاق، رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ اوصاف زیادہ ہوں اس کو متولی اور مہتمم بنانا چاہئے'' (فتاوی رحیمیہ: ۹/۲۹۳)۔

اسلام میں امارت وامیر کا بڑا درجہ ہے کتاب وسنت میں امیر کی اطاعت کا حکم آیا ہے، ارشاد ربانی ہے:

''**يا أيها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم**'' (النساء:۵۹)۔

(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کے بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحب اختیار ہوں ان کی بھی)۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی لکھتے ہیں: ''**أولى الأمر**'' سے مراد اکثر

مفسرین کے مطابق مسلمان حکمران ہیں، جائز امور میں ان کے احکام کی اطاعت بھی مسلمانوں کا فرض ہے، البتہ یہ اطاعت اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ کسی ایسی بات کا حکم نہ دیں جو شرعاً جائز ہو، اس بات کو قرآن کریم نے دو طرح واضح فرمایا ہے، ایک تو اس طرح کہ اصحاب اختیار کی اطاعت کا ذکر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد فرمایا، جس میں یہ اشارہ ہو گیا کہ حکمرانوں کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہے، دوسرے اگلے جملے میں مزید صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ اگر کسی معاملہ میں یہ اختلاف پیدا ہو جائے کہ آیا حکمرانوں کا دیا ہوا حکم صحیح اور قابل اطاعت ہے یا نہیں، تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھو، اگر وہ قرآن وسنت کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت واجب نہیں ہے'' (آسان ترجمہ قرآن)۔

اس آیت کے ذیل میں ایک جگہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی صاحب مدظلہم ایک نکتہ کی بات لکھتے ہیں: ''قرآن میں بار بار تاکید کی گئی ہے کہ اللہ، اور اس کے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کرو، وہاں ان امور میں امیر کی اطاعت مراد ہے جو معصیت کی بات نہ ہو، اگر وہ کسی معصیت اور نافرمانی کا حکم دے تو اس کا کہنا نہ مانا جائے گا، چنانچہ قاضی عیاض کہتے ہیں کہ ان امور میں جو گناہ کی بات نہ ہو امیر کی اطاعت واجب ہے اور اس پر اجماع ہے۔ اس سلسلہ میں یہ نکتہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ: ''أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول واولی الا مر منکم'' کی آیت میں اللہ اور رسول کے لئے مستقل طور پر ''أطیعوا'' کا لفظ آیا ہے، جبکہ اولی الامر کے لئے یہ لفظ علاحدہ نہیں لایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ خدا اور رسول کی اطاعت تو بذات خود واجب ہے، اور امیر کی اطاعت خدا اور رسول کے ضمن میں واجب ہے، جب تک وہ شریعت کے موافق حکم دیتا رہے اس کا ماننا واجب ہے اور جب اس کے خلاف دینے لگے تو اس کا ماننا جائز'' (قاموس الفقہ: ۲/۲۴۸، زمزم، پاکستان)۔

مذکورہ بالا باتیں ''امیر شرعی'' سے متعلق ہیں جن کے جائز امور میں اطاعت واجب ہے اور موجودہ دور میں امیر شرعی کا ہونا محال معلوم ہوتا ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اپنے دور میں محال وناممکنات لکھ گئے ہیں حضرت قدس سرہ لکھتے ہیں: ''امام کا مقرر کرنا دیگر دلائل سے واجب ہے اور تمام واجبات کا وجوب قدرت کے ساتھ مشروط ہے، اور امام مقرر کرنے پر قدرت کی شرائط میں مسلمانوں کا اتفاق بھی ہے، اور وہ موجودہ حالت میں کبریت احمر (گویا محال) ہے'' (امداد الفتاوی: ۴/۳۶۹)۔

البتہ کوئی مخصوص جماعت اگر اپنا امیر کسی کو بنائے، اس کے احکام شرعی کے تو نہیں ہوں گے، مگر حکم کا درجہ ہوگا کہ جب تک چاہیں اس کی اطاعت کریں اور جب چاہیں چھوڑ دیں، مگر بنظر ابقاء نظام بلا وجہ اطاعت چھوڑنا مکروہ اور نامناسب ہوگا، مگر خروج علی الامیر کی حد میں داخل نہ ہوں گے۔ امیر واجب الاطاعت مطلقاً وہی ہو سکتا ہے جو تمام مسلمانوں کے اتفاق

واجتماع سے امیر بنایا جائے اور شرائط امارت اس میں موجود ہوں'' (امداد المفتیین: ۲/ ۸۹۴)۔

خلاصہ یہ کہ موجودہ دور میں مساجد یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کے ذمہ دار حضرات ''امیر شرعی'' نہیں ہوتے ہیں اس لئے ان کا حکم واجب الاطاعۃ نہیں ہوگا۔

جواب نمبر ۵: فسق فی العقیدہ اور جو اعتقادی اعتبار سے فاسق ہوں ان کا حکم

فسق فی العقیدہ سے مراد یہ ہے کہ جن کے عقیدہ میں فسق ہو جیسے فرقہ ''قدریہ اور جبریہ'' ہے، جیسا کہ ''الموسوعۃ الفقہیہ'' میں ہے: ''**ومنه الفاسق بالاعتقاد كالقدری والجبری**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۲/ ۱۴۲، کویت)۔

فسق فی العقیدہ کا حکم یہ ہے کہ یہ بسا اوقات حد کفر سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے اس سلسلے میں حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ (بانی وسابق مہتمم وشیخ الحدیث: جامعہ مدنیہ، لاہور، پاکستان) لکھتے ہیں: ''کفر اور فسق دو لفظ ہیں بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کفر کا تعلق عقیدہ سے ہے اور فسق کا تعلق فقط اعمال سے ہے۔ کوئی آدمی خلاف شرع کام کرتا ہو تو اسے فاسق کہا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ فسق کا تعلق عقیدہ اور عمل دونوں سے ہوتا ہے، عقیدہ کا فسق یہ ہے کہ انسان صحابہ کرامؓ کے بتلائے ہوئے عقائد سے ہٹ جائے۔ جب وہ ان عقائد سے ہٹے گا تو فسق فی العقیدہ میں، یعنی بدعت اعتقادی میں مبتلا ہو جائے گا اور کبھی کبھی یہ فسق فی العقیدہ کفر تک بھی پہنچا دیتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بتلائے ہوئے عقائد وہی ہیں جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں اور ان پر ساری امت قائم چلی آرہی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں۔ خروج شیعت، جہمیت، اعتزال، اور فرقہائے جبریہ، قدریہ، مرجیہ، کرامیہ سب اسی اصول سے ہٹنے سے پیدا ہوئے، ان فرقوں میں بہت سے فرقے فسق تک گمراہی مبتلا ہوئے اور بہت سے حد کفر تک آگے چلے گئے جو طبقہ صحابہ کرامؓ سے حد فسق تک ہٹے وہ بدعتی بھی کہلاتے ہیں۔ غرض جس طرح اعمال میں فسق ہوتا ہے اسی طرح عقائد میں بھی ہوتا ہے'' (ماہنامہ ''انوار مدینہ'' نومبر: ۲۰۰۵ء شمارہ: ۱۱)۔

جواب نمبر ۶: فاسق توبہ کرے، لیکن عمل بد ترک نہ کرے تو اسکی توبہ کا دنیوی احکام میں اعتبار نہیں، جو بھی انسان رب کریم سے عجز وانکساری اور صدق دل کے ساتھ توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کی توبہ قبول کرتے ہیں، اللہ کا فرمان ہے:

"يا ايها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحا عسى ربكم ان يكفر عنكم سيئاتكم ويدخلكم جنات تجری من تحتها الانهار يوم لايخزی الله النبی والذين آمنوا معه'' (التحریم: ۸)۔

(اے ایمان والو! اللہ کے حضور سچی توبہ کرو، کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہاری برائیاں تم سے جھاڑ دے، اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کردے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس دن جب اللہ نبی کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان

لائے ہیں ان کو رسوا نہیں کرے گا)۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ ''معالم التنزیل'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''معالم التنزیل''میں ''توبۃ النصوح'' کی تشریح میں حضرت معاذؓ سے نقل کیا ہے کہ ایسی توبہ ہو جس کے بعد گناہ کرنے کے لئے واپس نہ لوٹے جیسے دودھ تھنوں میں واپس نہیں آتا'' (انوار البیان)۔

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**التائب من الذنب کمن لاذنب له**'' (سنن ابن ماجۃ: رقم الحدیث: ۴۲۵۰)۔

(یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو جاتا ہے، جیسا کہ اس سے گناہ ہی نہ ہوا ہو)، اس لئے فاسق اگر توبہ کرے گا تو اللہ تعالی اس کی توبہ قبول کرتے ہیں، جیسا کہ ''الموسوعۃ الفقہیہ'' میں ہے: ''**تقبل توبة الفاسق إذا استجمعت شروطها**'' (الموسوعۃ الفقہیہ: ۳۲/ ۱۴۵)۔

فاسق اگر توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ مقبول ہوگی اور فسق کا حکم اس سے اٹھ جائے گا، لیکن وہ شریعت میں امام اعظم ابوحنیفہ اور دیگر علماء کرام جیسے قاضی شریح، ابراھیم نخعی، سعید ابن جبیر، مکحول اور عبدالرحمٰن ابن زید بن اسلم رحمہم اللہ کے نزدیک مردود الشہادت ہوگا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''**قال الامام ابو حنيفة: انما يعود الاستثناء الى الجملة الأخيرة فقط، فيرتفع الفسق بالتوبة 'ويبقى مردود الشهادة، وممن ذهب اليه من السلف القاضي شريح، وابراهيم النخعي، وسعيد ابن جبير، ومكحول، وعبد الرحمن بن زيد بن اسلم**'' (تفسیر ابن کثیر: ۶/ ۱۴، ریاض)۔

جبکہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک فاسق اگر توبہ کرتا ہے تو توبہ مقبول ہوگی، فسق کا حکم ختم ہو جائے گا اور اس کی شہادت قبول کی جائے گی، ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''**فذهب الامام مالک، والشافعی واحمد بن حنبل إلى أنه إذا تاب قبلت شهادته وارتفع عنه حكم الفسق**'' (تفسیر ابن کثیر: ۶/ ۱۴، ریاض)۔

فاسق اگر توبہ کے بعد کے بھی عمل بد ترک نہ کرے تو ایسے فرد کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول نہیں ہوگی اور وہ مردود الشہادت ہوگا، البتہ اگر کسی کا حقوق ضائع ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں فقہاء نے فاسق کی شہادت قبول کرنے کی اجازت دی ہے، جیسا کہ حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ ایک فتوی میں لکھتے ہیں، سوال و جواب ملاحظہ فرمائیں:

''سوال: فاسق کی شہادت قبول ہوگی یا نہیں؟ جب کہ آج کل عادل گواہوں کا ملنا بہت مشکل ہے۔

جواب: شہادت کے لئے متدین گواہوں کے نہ ملنے کی وجہ سے متأخرین فقہاء رحمہم اللہ تعالی کا فتوی ہے کہ فاسق

کی شہادت بھی قابل قبول ہے، بلکہ بعض اوقات فاسق کی گواہی پر فیصلہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے مثلاً ضیاع حقوق کا خطرہ ہو۔ (احسن الفتاوی: ۷/ ۲۰۴، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)۔

جب فاسق کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے تو ایسے بندہ خدا کی بھی شہادت قبول کی جائے گی جو توبہ کے بعد بھی عمل بد ترک نہ کرتا ہو، گویا کہ ایسی صورت میں وہ بھی بظاہر فاسق ہی ہے اور فاسق کی شہادت ضیاع حقوق میں قابل قبول ہے۔

"**قال فی جامع الفتاوی: وأما شهادة الفاسق، فإن تحری القاضی الصدق فی شهادته تقبل، وإلا فلا، وفی الفتاوی القاعدية: هذا إذا غلب علی ظنه صدقه**" (ردالمحتار: ۸/ ۱۷۸، کتاب الشہادت: بیروت لبنان)۔

جواب نمبر ۷: بے ریش یا خشخشی ریش والے کا حکم

چہرہ پر مردوں کے لئے داڑھی کا رکھنا فطرت میں سے ہے اسی وجہ سے یہ تمام انبیاء کرام کی سنت ہے، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن الاعظمی الندوی لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ داڑھی تمام انبیاء کرام کی سنت، مسلمانوں کا قومی شعار اور مرد کی شناخت ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعار کو اپنانے کے لئے اپنی امت کو ہدایات دی ہیں، ان ہدایات کو کتب حدیث نے محفوظ کیا ہے، ان کی روشنی میں جمہور علماء امت کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب اور مونڈنا حرام ہے" (داڑھی کی شرعی حیثیت: ص/ ۵، دارالکتاب الاسلامی، اعظم گڑھ)۔

داڑھی کا رکھنا اور کتنا رکھنا ہے یا کاٹنا یا مونڈنا ایسے شخص کے بارے میں شرعی حکم سے متعلق حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری قدس سرہ (سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین: دارالعلوم دیوبند، سہارن پور) لکھتے ہیں: "مرد کے لئے داڑھی رکھنا واجب ہے، اور ایک مشت رکھنا بھی واجب ہے، بلا شرعی عذر کے منڈانا حرام ہے اس کا مرتکب فاسق ہے ایک مشت سے کم کرانا مکروہ تحریمی ہے اس پر اصرار و مداومت فسق ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے، واللہ سبحانہ اعلم" (داڑھی اور انبیاء کی سنتیں: ص/ ۱۵)۔

بعض عرب اہل علم جو داڑھی کو سنن عادیہ میں شمار کرتے ہیں اسی طرح بعض اہل علم داڑھی میں کسی خاص یعنی ایک مشت کی مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں ان کے پاس کوئی مضبوط دلائل نہیں ہیں، تاویل فاسدہ کرتے ہیں، جیسے ان کا کہنا ہے کہ داڑھی سنن زوائد اور سنن عادیہ میں سے ہے اور اس کا براہ راست تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیے اور عادات مبارکہ کے ساتھ ہے، کیونکہ باقی تمام سنن عادیہ جیسے مسواک کرنا، سرمہ لگانا، عمامہ باندھنا وغیرہ مستحب ہیں، اس لئے داڑھی رکھنا بھی مستحب اور پسندیدہ ہے، فرض و واجب نہیں ہے اور جس طرح باقی سنن عادیہ کو چھوڑنا گناہ نہیں ہے، اسی طرح داڑھی کا ترک

بھی گناہ اور فعل گناہ نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک داڑھی کا تعلق حلیہ مبارک سے ہے، لیکن حلیے اور عادات سے تعلق رکھنے والے دیگر امور سے اس حکم الگ اور مختلف ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کے متعلق، جیسا حکم دیا ہے ایسا حکم کسی اور حلیے یا عادات سے متعلق فعل کے بارے میں نہیں دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے، لیکن سرمہ لگانے یا مسواک کرنے کا حکم نہیں دیا، بس یہی فرق اور حکم داڑھی کو واجب کرتا ہے جب کہ سرمہ لگانے یا مسواک کرنے کو واجب نہیں کرتا ہے، (یک مشت سے زائد داڑھی کی شرعی حیثیت)

داڑھی کا واجب ہونا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**خالفوا المشرکین ووفروا اللحی**'' (مشرکین کی مخالفت کرو اور داڑھی کو بڑھاؤ)، (صحیح البخاری: رقم الحدیث: ۵۸۹۲)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**جزوا الشوارب وارخوا اللحی وخالفوا المجوس**'' (صحیح مسلم: ۲۶۰)۔

(مونچھیں کتر دو اور داڑھیاں لٹکاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو)، امر کا صیغہ وجوب کے لئے آتا ہے، علامہ محمود بن خطاب سبکی مالکی حدیث کی شرح فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: ''**اصل الأمر الوجوب ولایصرف عنه إلا بدلیل کما هو مقرر فی علم الأصول**'' (المنہل العذب المورود: ۱/۱۸۶)۔

امر وجوب کے لئے ہوتا ہے اور بلا دلیل وجوب سے رخ نہیں پھیرا جا سکتا، جیسا کہ اصول فقہ میں طے شدہ ہے، پس معلوم ہوا کہ داڑھی کا رکھنا واجب ہے اور بغیر کسی شرعی عذر کے مونڈنا حرام ہے، اس میں کسی طرح کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، اور ایسے شخص کے بارے میں شرعی حکم فسق کا ہوگا۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مولانا عبید الرحمٰن قاسمی بارہ بنکوی☆

جواب نمبر(۱): کتاب وسنت کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ 'فسق' ایک مشترک لفظ ہے، جو عدل کے برعکس استعمال ہوتا ہے، یہ چند معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اس لئے اس کی ایک متعین تعریف کرنا بہت مشکل ہے، البتہ فسق کے تمام تر معنی میں لغوی معنی کی رعایت پائی جاتی ہے۔

فسق کے لغوی معنیٰ ہیں: اللہ کی اطاعت سے نکل جانا لہٰذا: فاسق وہ گنہ گار شخص ہے جو صلاح، تقوی اور حق کے راستے سے دور نکل گیا ہو،'' **فالفاسق فی اللغة: هو الخارج عن الطاعة، والفاسق هو الشخص الفاجر المُبتعد عن طريق الصّلاح والتُّقى والحق(الفسوق) بمعنى الفجور، وجميع تصاريف هذه الكلمة تعود إلى هذا المعنى**'' (ینظر: الصحاح ۴/ ۱۵۴۳، ولسان العرب ۱۰/ ۳۰۸ مادۃ (فسق)، وتہذیب اللغۃ ۸/ ۴۱۴، وکتاب العین ۵/ ۲۸۰)

ابن فارس فرماتے ہیں کہ فراء نے اس کا ترجمہ خروج سے کیا ہے:'' **قال ابن فارس: الفاء والسين والقاف كلمة واحدة، وهى الفسق، وهو الخروج عن الطاعة. تقول العرب: فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ عن قشرها: إذا خرجت، حكاه الفراء هـ**'' (مقاییس اللغۃ ۴/ ۴۰۱ مادۃ (فسق)۔

اصطلاحی تعریف:

گناہ کبیرہ کے ذریعہ یا گناہ صغیرہ کے اصرار کے ساتھ اللہ کی اطاعت سے نکل جانا. وفی الاصطلاح:'' **الفاسق عند الفقهاء: هو العبد الذى يرتكب الكبائر، ويُصرُّ على الصّغائر**'' (التعریفات الفقہیہ: ۱۶۱)۔

اس تعریف میں گناہ کبیرہ اور صغیرہ کا اصرار دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے؛ جب کہ بعض لوگوں نے دونوں میں سے ایک کے وجود کو ہی فسق سے تعبیر کیا ہے:'' **الفاسق: هو الذى خرج عن طاعة الله، بارتكاب كبيرة، أو الإصرار على صغيرة**'' (الجامع لأحکام القرآن ۸/ ۹۰، ومعجم لغۃ الفقہاء ص ۳۴۶، وروضۃ القضاۃ ۱/ ۲۰۵)، نیز: موسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ

☆ جامعہ ضیاء الحرم جبری انواری (بارہ بنکی)

میں ہے:''خروج العبد عن الطّاعة، وتجاوزه الحدّ فی ارتکاب المعاصی'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۳۲/ ۱۴۴) کے الفاظ ذکر کیے گئے ہیں۔

لیکن قضاء اور روایت کے باب میں فسق کی ضد عدالت ہے،(موقف الحنفیة من عدالة الشاهد وتطبیقاتها/ ۲۲۳۳)،اس لئے عدالت کی تعریفات ذکر کی جارہی ہیں،عدل کے لغوی معنی: برابری کے ہیں اور عدالت ایک ایسی صفت ہے جس کی پابندی انسان کو خلافِ مروت کاموں سے بچاتی ہے۔

'' وأصلُ (عدل): یدُلُّ علی استواءٍ ومَعنی العَدالةِ فی اللُّغةِالعدالةُ: صِفةٌ تُوجِبُ مُراعاتُها الاحترازَ عمَّا یُخِلُّ بالمروئةِ عادةً، والعَدْلُ مِنَ النَّاسِ: المَرْضِیُّ المُستوی الطَّریقةِ'' (مقاییس اللغۃ لابن فارس ۴/ ۲۴۶،المصباح المنیر للفیومی ۲/ ۳۹۷)۔

عدالت کی اصطلاحی تعریفات: ابن حجر فرماتے ہیں کہ عدل: شرک و بدعت،فسق و فجور اور انسانی شرافت کے خلاف سے بچنے کا نام ہے:''المُرادُ بالعَدْلِ من لهُ مَلَكةٌ تَحمِلُهُ عَلی مُلازَمةِ التَّقوی والمَروئةِ، والمُرادُ بالتَّقوی: اجتِنابُ الأعمالِ السَّیِّئةِ من شِركٍ أو فِسقٍ أو بِدعةٍ'' (نزھۃ النظر ص:۶۸)،علامہ سیوطی کے نزدیک بھی انہی امور کو بجالانے کا نام عدل ہے،''بأنَّها مَلَكةٌ، أی: هَیئةٌ راسِخةٌ فی النَّفسِ تَمنَعُ مِنِ اقتِرافِ كَبیرةٍ أو صَغیرةٍ دالَّةٍ عَلی الخِسَّةِ أو مُباحٍ یُخِلُّ بالمُروء'' (الأشباہ والنظائر ص:۳۸۴)۔

البتہ بعض لوگوں کے نزدیک عادل وہ ہے کہ جس میں خیر کا غلبہ ہو،اس سلسلے میں حضرت علیؓ کی ایک حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:''من عامل الناس فلم یظلمهم وحدثهم فلم یكذبهم، ووعدهم فلم یخلفهم، فهو ممن كملت مروئته، وظهرت عدالته، ووجبت أخوته، وحرمت غیبته'' (مسند الشہاب القضاعی ۱/ ۳۲۲، رقم الحدیث ۵۴۳،المکتبۃ الشاملۃ)۔

(۲) نیز امام مالکؒ سعید بن مسیّبؒ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: کہ جس کے عیوب کا تذکرہ نہ کیا جاتا ہو، اور جس کے فضائل اس کے نقائص سے زیادہ ہوں تو وہ عادل ہیں''فقد رَوی مالِكُ بنُ أَنَسٍ عنِ الزُّهریِّ قال: سَمِعتُ سَعیدَ بنَ المُسیِّبِ یَقولُ: (لیسَ من شَریفٍ ولا عالِمٍ ولا ذی سُلْطانٍ، إلَّا وفیه عَیبٌ، لا بُدَّ، ولَكِن مِنَ النَّاسِ من لا تُذكَرُ عُیوبُه، من كانَ فضلُهُ أكثَرَ من نَقصِه وُهِبَ نَقْصُهُ لفَضْلِه'' (الکفایۃ للخطیب ص:۷۹)۔

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں: کہ جس کی طبیعت میں اطاعت کا غلبہ ہو وہ عادل ہے۔''وعنِ البُوَیطیِّ قال: قال الشَّافِعیُّ: (لا أعلَمُ أحَدًا أعطِیَ طاعةَ اللهِ حَتَّی لم یَخلِطْها بمَعصیةٍ إلَّا یَحیی بن زَكَریَّا علیه السَّلامُ،

ولاعَصى اللهَ فلَم يَخلِطْ بطاعةٍ، فإذا كانَ الأغلَبُ الطَّاعةَ فهوَ المُعَدَّلُ، وإذا كانَ الأغلَبُ المَعصيةَ فهوَ المُجَرَّحُ'' (الکفایۃ للخطیب ص:۷۹)،اورآپؒ نے الرسالہ میں عادل راوی کی تعریف ''**ثقة فی دینه معروفاًبالصدق فی حدیثه وبریئا من أن یکون مدلسا**'' سے کی ہے؛یعنی جوصدق مقالی میں معروف ہو۔(الرسالۃ:فی بیان ماتقوم الحجۃ بخبرہ:ص۳۷۰،۳۷۱)۔

(۴)امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں:''**من سلم أن تکون منه کبیرة من الکبائر التی أوعد الله تعالی علیها النار، وکانت محاسنه أکثر من مساوئه فهو عدل**'' (نشأۃ علوم الحدیث ص۱۵۸ نقلاعن اختلاف الفقہاء ۲/ ۶۳)اور ''سبل السلام''میں**ولَم یُجَرَّبْ علیه اعتیادُ کذِبٍ** کا اضافہ ہے(سبل السلام ۴/ ۱۲۹)۔

(۵)صاحب قدوری لکھتے ہیں:''**وان کانت الحسنات اغلب من السیئات والرجل ممن یجتنب الکبائر قبلت شهادته وان الم بمعصیة وفی الهدایة والمجتبیٰ و مختارات النوازل: هذا الصحیح فی حد العدالة المعتبرة**'' (الباب فی شرح الکتاب ۴/ ۶۴ ہدایہ کتاب الشہادۃ)۔

الحاصل: بہتر یہ ہے کہ عدل کی پہلی والی تعریفات کوروایت حدیث پر محمول کرلیا جائے کیونکہ کذب علی النبی ﷺ کذب علی الناس سے بڑھ کر ہے اور خیر کے غلبے والی تعریفات کو گواہی پر محمول کرنا یہ زمانہ حال کے مناسب ہے،تاہم گواہ کا پابند عبادات کا ہونا،اوامر پر عمل پیرا،نواہی سے بچنا،خلاف مروت کام نہ کرنا اور ہوشیح العقل ہونا ضروری ہے:''**وقد سئل ابن المبارک عن العدل فقال: ''من کان فیه خمس خصال: یشهد الجماعة، ولا یشرب هذا الشراب ''یعنی المسکر''، ولا تکون فی دینه خزیة، ولا یکذب، ولا یکون فی عقله شیئا**'' (الکفایۃ:ص۱۳۷الطبعۃ المصریۃ)۔

نیز اس میں خیر کا غلبہ ہو اور اس کی خبر پر دل کا اطمینان ہو تو اس کی گواہی قبول کرنا یہ زمانہ حال کا تقاضا ہے:''**قال الصنعانی فالعَدْلُ مَنِ اطمَأنَّ القَلبُ إلی خَبَرِه وسَکَنتِ النَّفسُ إلی ما رواهُ، لقوله وَأَشْهِدُوا ذَوَیْ عَدْلٍ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ وهوَ کالتَّفسیرِ للعَدْلِ.فالعدل المَرْضیُّ: من تَسْکُنُ النَّفسُ إلی خَبَرِه ویَرضی به القَلبُ، ولا یَضطَرِبُ مِن خَبَرِه ویَرتابُ، وأنَّه لیسَ العَدْلُ إلَّا من قارَبَ وسَدَّد، وغَلَبَ خَیرُهُ شَرَّهُ ...**''(ثمرات النظر فی علم الاثر ص۵۵)۔

اوراس کوعرف وعادت پر محمول کرنے کی بجائے حاکم کی صواب دید پر چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے،جیسا کہ امام رازیؒ کی رائے ہے:''**قال الرازی: والضَّابِطُ فی ذلک فیما جاوَز مَحَلَّ الإجماعِ أن یُرَدَّ إلی اجتِهادِ الحاکِمِ، فما دَلَّ عِندَهُ عَلی جَرائَتِه عَلی الکَذِبِ رَدَّ الشَّهادةَ به، وما لا فلا**''(المستصفی ص۱۲۵)۔

جواب(۲): دراصل: فاسق کی روایت اورشہادت کے عدم قبول کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب وہ اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے اوامر کی پاسداری نہیں کرتا ہے، کذب بیانی سے کام لیتا ہے تو لوگوں کے حقوق میں بدرجہ اولیٰ دروغ گوئی سے کام لے گا:''**أما إذا لم يكن عدلا فإن جانب الكذب يرجح في خبره؛ لأنه إذا لم يكن غير مبال بارتكاب سائر المحظورات مع اعتقاده حرمتها، فالظاهر أنه لا يبالي من الكذب مع اعتقاده حرمته، ولا نطمئن إلى أنه صدق فيما يرويه**'' (اصول السرخسی ۱/ ۳۴۰)۔

اسی لئے فاسق کی بہت سی خبریں ایسی ہیں جن پر تحقیق کے بعد حکم لگایا جاتا ہے، ابن قیمؒ فرماتے ہیں:''**وقال ابن قيم الجوزية الحنبلي: وسر المسألة أن مدار قبول الشهادة وردها على غلبة الصدق وعدمه قال: والصواب المقطوع به أن العدالة تتبعض، فيكون الرجل عدلا في شيء فاسقا في شيء، فإذا تبين للحاكم أنه عدل فيما شهد به قبلت شهادته ولم يضره فسقه في غيره، وأصل هذا ما وقع في المحيط والقنية: إذا كان الرجل يشرب سرا وهو ذو مروئة فللقاضي أن يقبل شهادته**'' (معین الحکام ص ۱۱۶)۔

فاسق کی خبر کہاں معتبر ہے، کہاں معتبر نہیں ہے، اس حوالے سے ائمہ کرام کے مابین اختلاف ہے:

(۱) فاسق کی روایت حدیث کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے:''**ذهب جمهور علماء المسلمين إلى اشتراط السّلامة من الفِسْق فيمن يروى الحديث عن النبيّ صلّى الله عليه وسلّم. وذهب جمهور المحدثين إلى أن من كذب في حديث واحد فسق، وردت روايته وبطل الاحتجاج بها، وإن تاب وحسن توبته** (علوم الحدیث ۱۲۸)،**قال أبو بكر الجصاص رحمه الله تعالى: شهادة الفاسق غير مقبولة في شيء من الحقوق، وكذلك إخباره في الرواية عن النبي صلى الله عليه وسلم**'' (أحکام القرآن: ۵/ ۲۷۸-۲۷۹)۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں:''**فأما هنا في رواية الحديث، فلا ضرورة في المصير إلى روايته، وفي العدول كثرة، وبهم غنية، إذ يمكن الوقوف على معرفة الحديث بالسماع منهم فلا حاجة إلى الاعتماد على خبر الفاسق**'' (اصول البزدوی ۳/ ۷۴۰)۔

(۲) امور دیانت میں: احناف کے نزدیک فاسق کی گواہی تحکیم کے بعد جائز ہے اگر ظن غالب صدق کا ہے تو مانی جائے گی اور ظن غالب کذب کا ہے تو پھر اس کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی (اصول السرخسی ج ۱ ص: ۳۷۰، ردالمحتار ج ۲ ص: ۲۹)۔ کیونکہ فاسق کی خبر کی قبولیت اور عدم قبولیت کے حوالے سے قرآن کریم کی آیت کریمہ:''**يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ**'' (الحجرات: ۶) مدار استدلال ہے، جس

میں تحکیم کا حکم دیا گیا ہے، اور ظن غالب یقین کے درجے میں ہوتا ہے۔ (ردالمحتار ج ۲ ص:۲۹)۔

علامہ شمس الدین لکھتے ہیں کہ دیانات میں تحری لازم ہے: ''**وأما خبر الفاسق فی الدیانات فالأصل الاحتیاط فیه بضم التحری فإذا أخبر بنجاسة الماء إذا وقع صدقه فی القلب تیمم قبل الإراقة والأحوط بعدها**'' (فصول البدائع ۲/ ۲۶۵)۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں: کہ فاسق اگر حلت وحرمت کی خبر دے تو اس کے خبر کی تحکیم کی جائے گی: ''**وقال محمد بن الحسن: ''إن الفاسق إذا أخبر بحل أو حرمة فالسامع علیه أن یحکم رأیه فیه، لأن ذلک أمر خاص لایستقیم طلبه وتلقیه من جهة العدول دائما، فوجب التحری فی خبره**'' (اصول البزدوی ۳/ ۷۴۰)، امام سرخسی کا قول ہے: ''**قال الإمام السرخسی: والأصح عندی أن خبره لا یکون حجة لأنه غیر مقبول الشهادة وفی حل الطعام وحرمته وطهارة الماء ونجاسته إنما اعتبر خبره إذاتأید**'' (اصول السرخسی ۱/ ۳۷۰)۔

اور دیگر ائمہ (امام شافعی امام مالک اور حنابلہ) کے نزدیک مطلقاً ناقابل قبول ہے: (المجموع: ۱/ ۸۶، المغنی: ۸/ ۲۰، شرح مختصر الخلیل: ۱/ ۸۶)، اس لئے کہ فاسق اہل شہادت میں سے نہیں ہے، ابن العربیؒ فرماتے ہیں: ''**قال ابن العربی رحمه الله تعالی: ''من ثبت فسقه بطل قوله فی الأخبار إجماعا؛ لأن الخبر أمانة، والفسق قرینة تبطلها**'' (أحکام القرآن ۴/ ۱۴۷۷، المغنی: ۸/ ۲۰)۔

البتہ: مغنی المحتاج میں تھوڑی تفصیل ہے: ''**ولو اخبر جماعة من الفساق لا یمکن تواطئهم علی الکذب قبل خبرهم، وکذا لو أخبر الفاسق عن فعل نفسه لقوله بلت بی الإناء**'' (مغنی المحتاج ۱/ ۱۳۷)، لیکن اگر وہ اپنے اقرار کی یا فاسقین کی ایسی خبر جس میں چھوٹ کا شائبہ نہ ہو تو خبر مان لی جائے گی۔

لہٰذا: اس اختلاف کی رو سے دیانات کے بہت سے مسائل مثلاً: (۱) فاسق کا پانی کے پاک یا ناپاک ہونے کی خبر دینا (۲) قبلہ کی رہنمائی کرنا (۳) کسی چیز کے حلال اور حرام ہونے کی خبر دینا (۴) رمضان یا غیر رمضان میں رویت ہلال کی خبر دینا (۵) نماز کے وقت کی خبر دینا احناف کے نزدیک تحکیم کے بعد معتبر ہوگی اور جمہور کے نزدیک غیر معتبر ہوگی؛ یہاں تک کہ ایک ایسی بڑی جماعت خبر دے جس کا چھوٹ پر اتفاق کرنا محال ہو (الاحکام المرتبۃ علی الفسق ۱/ ۳۷، احکام الفسق فی الفقہ الاسلامی ص:۳۵)۔

البتہ اگر فاسق اذان دے تو کیا اذان ہوگی یا نہیں؟ اس میں تین قول ہے: (۱) احناف اور شوافع کے نزدیک اذان ہوجائے گی کراہت کے ساتھ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے (البنایۃ فی شرح الہدایہ ۲/ ۹۸، مجمع الانہر ۱/ ۷۸، المجموع ۳/ ۱۰۱، روضۃ الطالبین ۱/ ۲۰۳)۔

دلیل: ''**صلوا کما رأیتمونی اصلی فإذاحضرت الصلاة فلیؤذن لکم أحدکم ولیؤمکم**

أكبر كم" (بخاری ۶۰۲)،اس حدیث میں احدکم کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ اذان دینے والا عادل ہو یا فاسق ہو اذان ہو جائے گی، (۲) حنابلہ عطائ ابن ابی لیلیٰ اور شعبیؒ کے نزدیک بلا کرہت جائز ہے (ابن قدامہ: ۲،ص: ۶۸)، کیوں کہ فاسق اہل عبادت میں سے ہے اور "صلوا كما رأيتموني أصلي فإذا حضرت الصلاة فليؤذن لكم أحدكم وليؤمكم أكبركم" (بخاری ۶۰۲)، میں مؤذن کے لئے ایمان کے علاوہ کی کوئی شرط نہیں ہے، اس لئے یہ "احدکم" کے عموم میں بلا کراہت داخل ہے (سبل السلام: ۱/ ۱۲۸)، (۳) امام مالک اور بعض حنابلہ کے نزدیک فاسق کی اذان جائز نہیں ہے، اس لئے کہ مؤذن میں عدالت کی شرط ہے؛ کیونکہ اذان نماز کے وقت کی خبر دینے کے لئے ہے اور فاسق کی خبر کا اعتبار نہیں ہے دلیل: "لا يؤذن لكم غلام حتىٰ يحتلم وليؤذن لكم خياركم" (سنن ابی داود، ابن ماجہ/ ۷۲۶)۔

(۱) عبادات: فاسق کی نماز:

امام حنیفہ، شافعی، امام احمد کی ایک روایت کے مطابق فاسق امام کی نماز کراہت کے ساتھ جائز ہے اور امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جائز نہیں ہے: "قال ابن تيميه: إن الأئمة متفقون على كراهة الصلاة خلف الفاسق، لكن اختلفوا في صحتها: فقيل: لا تصح. كقول مالك، وأحمد في إحدى الروايتين عنهما. وقيل: بل تصح. كقول أبي حنيفة، والشافعي، والرواية الأخرى عنهما، ولم يتنازعوا أنه لا ينبغي توليته. انتهى. والله أعلم" (مجموع الفتاوی: ۲۳/ ۳۵۸)۔

قول اول کی دلیل: "صلوا خلف بر وفاجر" (سنن دار قطنی: ۱۷۸۸) قول ثانی کی دلیل: "أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا لَّا يَسْتَوُونَ" وفي رواية ولا يؤم فاجر مؤمناً (ابن ماجہ: ۱۰۸) ہے۔

(۲) فاسق کی نماز جنازہ پڑھنا:

جمہور ائمہ کے نزدیک فاسق کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے، خواہ وہ حد کی وجہ سے یا سزا کی بنا پر مر گیا ہو (المحیط البرہانی ۲/ ۱۷۷، المدونۃ الکبری ۱/ ۲۵۴)، "ونقل الشوكاني عن جمهور العلماء إلى أنه يصلىٰ على الفاسق" (نیل الاوطار ۴/ ۸۷)۔

دلیل:

"صلوا على صاحبكم" (شرح صحیح مسلم ۱۱/ ۶۰ باب من ترک مالا فلورثتہ ۱۶۱۹)، البتہ احناف کے نزدیک باغیوں اور ڈاکوؤں کی نماز جنازہ نہیں ہے جب کہ وہ میدان جنگ میں پائے جائیں (بدائع الصنائع ۱/ ۳۱۱)۔

(۳) فاسق مسافر کو قصر کرنا جائز ہے یا نہیں:

احناف امام بعض مالکیہ کے نزدیک قصر کرے گا (شرح معانی الآثار ۱/ ۴۲۸، المنتقی ۱/ ۲۶۱)۔

دلیل:

"و إذا ضربتم فی الأرض فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاة" (النسا:۱۰۱)، اس آیت میں قصر کا تعلق صرف سفر سے بتایا گیا ہے، نہ کہ عدل اور فسق سے (احکام القرآن للجصاص ۲/ ۲۵۵)، جبکہ امام شافعی اور حنابلہ کے نزدیک قصر کرنا جائز نہیں ہے (نہایۃ المحتاج ۲/ ۲۶۳، الاقناع ۱/ ۲۷۴)، کیونکہ یہ سفر معصیت ہے اور رخصت ایک خدائی اعانت ہوتی ہے اور یہ اعانت گنہگار کو حاصل نہیں ہوتی (الاحکام المرتبۃ علی الفسق ۱/ ۹۶)۔

(۱) نکاح

فاسق کا نکاح میں ولی بننا امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک جائز ہے؛ جب کہ شوافع حنابلہ کے نزدیک جائز نہیں ہے: "**ولایة النِّکاح: ذهب فقهاء الحنفیّة والمالکیّة إلی جواز ولایة الشخص الفاسق فی النّکاح علی مولیته، إلّا أنّ فقهاء المالکیّة قالوا فکذلک الإصرار علی المکروه، فقد یصیره صغیرة**" (الاعتصام: ۱/ ۲۹۶)؛ "**وقال الشافعی بکراهة تولیة الفاسق نِکاح مولیته، وقالوا إنّ الولیّ العَدْل أولی بالولایة من الولیّ الفاسق، أمّا فقهاء الشافعیّة والحنابلة فقالوا بعدم انعقاد النِّکاح بولایة الفاسق**" (الحاوی الکبیر باب ماعلی الاولیاء ۹/ ۶۳، روضۃ الطالبین ۷/ ۶۴)۔

معاملات:

فاسق کی معاملاتی مسائل کے حوالے سے قرآن کریم کی آیت کریمہ "**یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِنْ جَائَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوا أَنْ تُصِیبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَی مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِینَ**" (الحجرات:۶) کے بارے میں علامہ ابن تیمیہؒ کا کہنا ہے کہ یہاں اس سے مراد وہ خبریں ہیں جو دوسروں کی مصلحتوں اور ان کے حقوق سے متعلق ہوں؛ تاکہ ان کے حقوق مارے نہ جائیں: "**هذه الآیة بین أهل العلم أنها تتناول خبر الفاسق الذی تتعلق به مصالح الغیر وحقوقهم، حتی لا یلحق بالناس ظلم کما تشیر خاتمة الآیة: (أَنْ تُصِیبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَی**

مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ) قال شيخ الإسلام ابن تيمية: "وقوله: (أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ) فجعل المحذور هو الإصابة لقوم بلا علم" (مجموع الفتاوی:۱۵/ ۳۰۷)۔

ہدایہ میں ہے:"ویُقبل فی المعاملات قول الفاسق مثل البیع والشراء والشهادات ونحوه" (ہدایہ کتاب الکراہیۃ فصل فی الاکل والشرب ۱۲/ ۷۵)، وجہ معاملات کثرت سے ہوتے رہتے ہیں، اور ہر وقت دیانت دار اور عادل آدمی نہیں ملتا، اس لئے معاملات میں فاسق کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، جیسے بیع، شراء میں فاسق کی گواہی قبول کی جائے گی، تاہم عادل کی گواہی زیادہ بہتر ہے (البنایہ ہدایہ کتاب الکراھیۃ فصل فی الاکل والشرب ۱۲/ ۷۵)۔

(۱) مثال: جیسے کہ فلاں نے تم کو یہ ہدیہ دیا ہے یا کہے کہ فلاں نے اس چیز کو بیچنے کا وکیل بنایا ہے تو اس سے خریدنا جائز ہے، اسی طرح تمام معاملات میں اس کی خبر معتبر ہے:"واتفق أهل العلم على جواز قبول خبر الفاسق فی المعاملات يقبل فيها خبر الفاسق وذلک نحو الهدية إذا قال: إن فلانا أهدى إليک هذا يجوز له قبوله وقبضه.ونحو قوله: وكلنی فلان ببيع عبده هذا فيجوز شراؤه منه. ونحو الإذن فی الدخول إذا قال له قائل: ادخل، لا تعتبر فيه العدالة. وكذلک جميع أخبار المعاملات ... يقبل فيها خبر الفاسق وهو مستثنى من جملة قوله تعالى: (إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا) لدلائل قد قامت عليه، فثبت أن مراد الآية فی الشهادات وإلزام الحقوق أو إثبات أحكام الدين" (أحکام القرآن:۵/ ۲۷۸-۲۷۹)۔

(۲) فاسق کے ساتھ خرید وفروخت کرنا جائز ہے: جب کہ معاملہ حلال چیز کا ہو اور منفعت مباح ہو ورنہ نہیں، کیونکہ خود آپ ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ یہود ونصاری اور کفار سے تجارت کرتے تھے باوجود یکہ وہ سود خور تھے،"قالت: عائشة: استاجر رسول الله ﷺ وابوبكر رجلامن بنی الديل، ثم من بنی عبد بن عدی هاديا خريتاً....وهو على دين كفار قريش" (بخاری باب استیجار المشرکین عند الضرورۃ ۲۲۶۳)، اللہ کے رسول ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے بنو دیل کے ایک آدمی کو ہجرت کی رہبری کے واسطے کرایہ پر لیا اور وہ کافر تھا، سیدہ عائشہؓ فرماتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک یہودی سے ادھار کھانا خریدا اور اس کے پاس اپنی زرہ گروی رکھی) (صحیح البخاری الرہن ۲۵۹۰، مسلم: مساقاۃ ۱۶۰۳)، اسی طرح آپ نے خیبر کی زمین اور باغات یہودیوں کو بٹائی پر کاشتکاری کے لئے دیا (مسلم: مساقاۃ ۱۵۵۱)۔

(۳) فاسق کو وکیل بنانا جائز ہے، بنایہ میں ہے:"حقوق العباد الذی ليس فيه إلزام كالوكالة للمضاربات والإذن للعبد والشراء من الوكلاء والملاک ، فخبر الواحد فيها حجة إذا كان مميزاً عدلاً كان أو غير عدل صبياً كان أو بالغا، كافراً كان أو مسلماً" (البنایہ:۱۲/ ۷۵)۔

(۱) حدود وسزا:

اگر فاسق حدود میں گواہی دے تو اس کی عدالت کی توثیق کی جائے گی ''**کل شهادة فی الحدود یجب البحث عن عدالته فیها لکی یطمئن القاضی فی حکمه، فکذالک یجب البحث عن عدالة الشاهد فی غیر الحدود**'' (شرح مختصر الطحاوی ۸/ ۱۳۲)۔

(۱) حد قذف والا فاسق کی گواہی: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ محدود فی القذف کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی، جب کہ دیگر ائمہ کے نزدیک اس کی گواہی معتبر ہے، اور دونوں کی دلیل ہے: ''**والذین یرمون المحصنات ثم لم یأتوا باربعة شهداء فاجلدوهم ثمانین جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا و أولئک هم الفاسقون إلا الذین تابوا من بعد ذلک وأصلحوا فان الله غفور الرحیم**'' (آیت ۴/۵ سورۃ النور ۲۴) (اور جو لوگ (زنا) کی تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو اور پھر چار گواہ (اپنے دعوے پر) نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اسّی درّے لگاؤ اور ان کی کوئی گواہی قبول مت کرو (یہ تو دنیا میں ان کی سزا ہوئی) اور یہ لوگ (آخرت میں بھی مستحق سزا ہیں اس وجہ سے ہے کہ) فاسق ہیں، لیکن جو لوگ اس (تہمت لگانے) کے بعد (خدا کے سامنے) توبہ کرلیں اور (اپنی حالت کی) اصلاح کرلیں سو (اس حالت میں) اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا ہے) (از بیان القرآن)۔

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی بھی بھی قبول نہ کرو نیز حدیث میں ہے: ''**عن عائشة قالت: قال رسول الله لا تجوز شهادة خائن ولا خائنة ولا مجلود حدا ولا مجلودة ولا ذی غمر لاحنة**'' (ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن لاتجوز شہادتہ، ۲۲۹۸)، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد لگے ہوئے کی گواہی مقبول نہیں ہے، اور توبہ کرے، یعنی اپنے آپ کو تہمت لگانے میں جھٹلائے، پھر بھی گواہی مقبول نہیں، اس کی دلیل یہ قول تابعی میں ہے: ''**عن الحسن قال: لا تقبل شهادته ابدا وتوبته فیما بینه وبین ربه**'' (سنن البیہقی، باب من قال لاتقبل شہادتہ ۲۰۵۷۴) اس قول تابعی سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کے بعد بھی اس کی گواہی مقبول نہیں ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کی گواہی معتبر ہوگی، موسوعہ میں ہے: ''**قال الشافعی و تقبل شهادة المحدود ینفی القذف، و فی جمیع المعاصی إذا تابوا**'' (موسوعۃ امام شافعی باب اجازۃ شہادۃ الحدود ۱۳/ ۳۵۱)، اس عبارت میں ہے کہ توبہ کرلے تو محدود فی القذف کی بھی گواہی قبول کرلی جائے گی، وجہ: آیت مذکورہ میں ''**إلا الذین تابوا من بعد ذلک وأصلحوا فإن الله غفور رحیم**'' (آیت ۵ سورۃ النور ۴۲) میں ہے کہ اگر توبہ کرلے تو اللہ معاف فرمادیں گے، یعنی گواہی کے قابل ہوجائے گا، نیز حدیث میں ہے: ''**وجلد عمر ابا بکرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغیرة،**

ثم استنتابهم، وقال من تاب قبلت شهادته، وأجاز عبد الله بن عتبة وعمر بن عبد العزيز ....وقال الشعبي وقتادة إذا أكذب نفسه جلد و قبلت شهادته'' (بخاری شریف، باب شہادۃ القاذف ۲۶۴۸)، اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کرنے کے بعد اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

الحاصل:

نکتہ اختلاف پر بحث کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''مطلب اس استثناء کا یہ ہے کہ جس پر حد قذف جاری ہوئی ہے وہ فاسق ہے، لیکن اگر وہ صدق دل سے توبہ کرے اور اپنی حالت کی اصلاح بھی مقذوف سے معافی لے کر کرے تو پھر وہ فاسق نہیں رہے گا اور آخرت کی سزا اس سے معاف ہوجائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں جو اس پر دو سزاؤں کا ذکر اس آیت کے شروع میں ہے، یعنی اسی کوڑے لگانا اور مردود الشہادت کردیا یہ سزائیں توبہ کے باوجود اپنی جگہ رہیں گی، کیونکہ ان میں ایک بڑی سزا کوڑے لگانے کی وہ تو جاری ہو ہی چکی ہے دوسری سزا بھی چونکہ اُسی حد شرعی کا جزو ہے اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ توبہ سے حد شرعی معاف نہیں ہوتی اگرچہ آخرت کا عذاب گناہ معاف ہوکر مل جاتا ہے۔ تو جب مردود الشہادت ہونا بھی حد شرعی کا جزو ہے تو وہ توبہ سے معاف نہ ہوگا۔ امام شافعی اور بعض دوسرے ائمہ نے استثنا رمذکور کو آیت سابقہ کے سب جملوں کی طرف راجع کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ توبہ کر لینے سے، جیسا کہ وہ فاسق نہیں رہا، اس لئے مردود الشہادت بھی نہیں رہے گا، واللہ اعلم'' (معارف القرآن: ۸/ ۳۴۶)۔

جواب (۳): داڑھی رکھنا ائمہ اربعہ کے نزدیک لازم امر ہے، اکثر ائمہ حضرات اس کے وجوب کے قائل ہیں، علماء عرب کے فتوں سے بھی اسی کا ثبوت ملتا ہے، (جیسا کہ اس کی تفصیل آخری سوال میں آئے گی)، لہٰذا: اگر کوئی شخص داڑھی کاٹتا ہے، لیکن وہ دین دار ہے، نماز روزہ کا پابند ہے، تو کیا اس کو داڑھی کاٹنے کی وجہ سے فاسق کہلائے گا؟ کیا رویت ہلال یا دیگر معاملات میں اس کی گواہی معتبر ہوگی یا پھر مردود الشہادۃ کہلائے گا۔

تو اس حوالے سے قرآن کریم کی آیت: ''**إن جائكم فاسق بنبأ فتبينوا**'' (سورہ حجرات: ۶) میں فاسق کی گواہی کا مطلق انکار نہیں ہے، بلکہ اس کی تحقیق وتبیین کا حکم ہے، لہٰذا اس کی تحقیق کے بعد اس کی خبر وشہادت معتبر ہوگی یا مردود ہوگی: ''**وقال ابن القيم رحمه الله: "والله سبحانه لم يأمر برد خبر الفاسق، بل بالتثبُّت والتبيُّن، فإن ظهرت الأدلة على صدقه قبل خبره، وإن ظهرت الأدلة على كذبه رد خبره، وإن لم يتبين واحد من الأمرين وقف خبره**'' (أعلام الموقعین: ۱/ ۱۰۴)۔

نیز ایک حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سزا یافتہ، پکے جھوٹے، اور ولاء اور قرابت کی غلط نسبت بتانے والے کے علاوہ عادل بتایا ہے: ''**قال النبی ﷺ المسلمون عدول بعضهم على بعض، إلا مجلودا فی حد أو مجربا عليه شهادة الزور أو ظنينا فی ولاء أو قرابة**'' (سنن الصغریٰ للبیہقی کتاب الشہادات باب من لاتجوز شہادتہ ۳۳۴۳) اور ایسے ہی مسجد میں کثرت سے جانے والے کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے ایمان کی گواہی دو: **قال النبی ﷺ إذا رأيتم الرجل يتعاهد المساجد فأشهدوا له بالإيمان**'' (ترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ ۲۶۲۷) تو حدیث کی رو سے مذکورہ صفات کا حامل شخص عادل ہے، لہٰذا: زمانہ کے حالات کے اعتبار سے اگر کوئی مذکورہ بالا عیوب سے پاک ہو، نماز روزہ کا پابند ہو، تو اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دے گا۔

علامہ شامی نے تو فاسق کی خبر کو معتبر بتاتے ہیں، جب کہ قاضی کو اس کی خبر کی صداقت کا غالب گمان ہو: ''**فإن تحری القاضی الصدق فی شهادته تقبل وإلا فلا**'' (ردالمحتار ج ۴ ص ۵۱۶)۔

امام قرافیؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اگر فاسق کی شہادت کی سچائی کا قاضی کو ظن غالب ہو جائے تو اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے، ورنہ تو لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے: ''**قال القرافی فی باب السياسة: نص بعض العلماء على أنا إذا لم نجد فی جهة إلا غير العدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجورا للشهادة عليهم، ويلزم ذلک فی القضاة وغيرهم لئلا تضيع المصالح. قال: وما أظن أحدا يخالف فی هذا، فإن التكليف شرط فی الإمكان، وهذا كله للضرورة لئلا تهدر الأموال وتضيع الحقوق**'' (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام ص ۱۱۸)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں: ''اور جب دنیا میں فسق کی کثرت ہوئی اور عام معاملات میں ایسے ہی لوگ آنے لگے جو شرعی اصطلاح میں فاسق ہیں تو لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور مقدمات کے فیصلہ کے لئے حضرات فقہاء نے یہی صورت اختیار کی کہ جس فاسق کے معاملہ میں قرائن اور حالات سے اس کا اطمینان ہو جائے کہ جھوٹ نہیں بولتا ہے تو اس کی شہادت قبول کر کے اس پر مقدمات کے فیصلے کریں، البتہ ایسے لوگوں میں ان کا انتخاب کریں جو دوسروں کے نسبت زیادہ صلاحیت رکھتا ہو، مثلاً نماز روزہ کا پابند اور عام احکام شرعیہ کا اہتمام کرتا ہو''، آگے لکھتے ہیں: ''اس زمانہ میں جب کہ فسق کی بہت سی صورتیں مثلاً: داڑھی منڈانا وغیرہ ایسی عام ہو گئیں ہیں کہ ان کی وجہ سے مطلقاً شہادت کو رد کر دیا جائے تو بہت سے معاملات کسی طرح بہم نہ پہنچے گا'' (رؤیت ہلال ص: ۱۶)۔

الحاصل: اس تمام بحث کا ماحصل رہ ہے جس کی مفتی نظام الدین نے وضاحت فرمائی کہ ان عبارتوں سے معلوم ہوا

کہ ڈاڑھی منڈوانے والا شخص مثلاً اگر صوم وصلوۃ کا پابند معاملات کا سچا ہے، جھوٹ نہیں بولتا یا ذی وجاہت وذی مروت ہے یا وقار ہے جھوٹ بولنے کو ایسے معاملات میں اپنی تحقیر وتوہین سمجھتا ہے یا اس میں اس کی تحقیر وتوہین لازم آئے گی تو شہادت قبول کی جائے گی (نظام الدین ۲۲۴/)۔

جواب (۴): مسجد اللہ کی عبادت کا گھر ہے، مسجد اسلام کے شعائر میں سے ہے مسجد کا کوئی مالک نہیں ہوتا، مسجد وقف علی اللہ ہوتی ہے، اسی طرح مدرسہ، دینی تنظیمیں اسلام کی نمائندگی کرتے ہیں تو ان کے انتظامی امور کے لئے اس شخص کو ذمہ دار اور متولی بنانا چاہئے جو اسلامی شعائر کا محافظ، شریعت کا پابند ہو، جس کے دل میں خدا کے خوف اور نبی ﷺ کی سنتوں سے محبت ہو، اور جو شعائر اسلام کا محافظ نہ ہو، شریعت کا پابند نہ ہو، فاسق ہو (یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو، اس کو للہ کے گھر کا متولی نہیں بنانا چاہیے: ''**إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ**'' (سورۂ توبہ، آیت:۱۸)، (بے شک مسجد کو آباد کرنے کا کام ان پاک لوگوں کا ہے جو خدا پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے، نماز کی پابندی کرے زکوۃ ادا کرے اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرے)۔

اس لئے متولی کا دین دار، امانت دار ودیانتدار ہونا، قابل اعتماد ہونا ضروری ہے، جو انتظامی امور کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور فاسق وفاجر نہ ہو، فتاویٰ شامی میں ہے کہ جب متولی میں شرعی اعذار اور قباحتیں پیدا ہوجائیں تو اسے عہدہ سے برطرف کردیا جائے، جیسے کہ، عاجز ہو فاسق ہو، فاجر ہو، یا اسے شراب نوشی کی عادت ہوگئی ہو تو اسے تولیت سے ہٹادینا ضروری ہے: ''**قال في الإسعاف: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه ؛لأن الولاية مقيدة بشرط النظر، وليس من النظر تولية الخائن ؛لأنه يخل بالمقصود، وكذا تولية العاجز ؛ لأن المقصود لا يحصل به**'' (ردالمحتار:۶/۵۸۰)، (آگے اس کی تشریح میں ہے: ''**(قوله غير مأمون) أو عاجزا أو ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه**'' (ردالمحتار:۶/۵۸۰)۔

ابن تیمیہ کا فتوی یہ ہے کہ نیک آدمی کی موجودگی میں فاسق کو ذمہ دار بنانا جائز نہیں ہے (مجموعۃ الفتاوی ۱/۱۵۰)، مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رقمطراز ہیں: ''متولی اور مہتمم کا عالم باعمل ہونا ضروری ہے، اگر میسر نہ ہوسکے تو صوم وصلاۃ کا پابند، امانت دار، مسائلِ وقف سے واقف کار، خوش اخلاق، رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہلِ علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ اوصاف زیادہ ہوں اس کو متولی اور مہتمم بنانا چاہیے'' (فتاویٰ رحیمیہ:۹/۲۹۳)۔

اس لئے اس کو ہٹا کر اگر اس واقف کے خاندان میں ایسے لوگ موجود ہوں جو ذمہ دار بننے کے اہل ہوں تو وہی متولی بنیں گے، ان کے ہوتے ہوئے دوسروں کو متولی یا ذمہ دار نہیں بنایا جائے گا، ورنہ پھر تو دوسرے کو بنایا جائے گا: ''**ولا يجعل القيم فيه من الأجانب ما وجد في ولد الواقف وأهل بيته من يصلح لذلك، فإن لم يجد فيهم**

من يصلح لذلک، فجعله إلى أجنبی ،ثم صار فيهم من يصلح له صرفه إليه'' (ردالمحتار مع درالمختار:۶/ ۶۳۷)۔

بہتر یہ ہے کہ اہل محلّہ یا شوریٰ کی مشاورت سے کسی اہل شخص کو ذمہ دار بنا جائے:'' **رجل بنی مسجدا وجعله لله فهو أحق بمرمته وعمارته وبسط البوارى والحصير والقناديل والأذان والإقامة والإمامة فيه، إن كان أهلا لذلک، وإن لم يكن فالرأى فى ذلک اليه۔ وكذلک ولد البانى وعشيرته من بعده أولى من غيره، وإن تنازع البانى فى نصب الإمام والمؤذن مع أهل المحلة، فإن كان من اختاره أهل المحلة أولى من الذى اختاره البانى فاختيار أهل المحلة أولى؛ لأن ضرره ونفعه عائد إليهم**'' (الحلبی الکبیر فصل فی أحکام المسجد،ص:۵۳۰)۔

حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی زبردستی متولی یا مہتمم بننا چاہے تو اس کو متولی اور مہتمم نہیں بنایا جائے گا؛ لیکن اگر فاسق آدمی متولی یا ذمہ دار بن جائے، تو اس کی اتباع کی جائے گی، جب تک کہ خلافِ شریعت کوئی کام نہ کرے، کیونکہ عندالاحناف قضاء کے باب میں قاضی کا عادل ہونا شرط صحت نہیں ہے، بلکہ کمال صحت کے لئے شرط ہے:'' **قال جماعةمن العلماء: رجل طلب التولية فى الأوقاف،قالوا: لايعطى له التولية، وهو كمن طلب القضاء لا يقلد**'' (فتاویٰ ہندیۃ:۳/۲۹۶)، علامہ شامی بھی یہی فرماتے ہیں،لیکن فرماتے ہیں کہ یہ شرط اولویت کے لئے ہے، نہ کہ صحتِ قضاء کے لئے ہے (ردالمحتار مع درالمختار:۵/۳۵۶،وفتح القدیر:۵/۴۵۴)۔

'' بدائع الصنائع میں ہے:''**أن العدالة عندنا ليست بشرط لجواز التقليد لكنها شرط للكمال فيجوز تقليد الفاسق وتنفيذ قضاياه إذا لم يجاوز فيها حد الشرائع**'' (بدائع الصنائع ج۷ ص:۳)،اور حضرت اصمؒ بھی اس کے جواز کے قائل ہیں:'' **وحُكى عن الأصم جواز أن يكون القاضى فاسقاً**'' (الفتاوی الہندیہ:۳/۳۰۷)۔

اور امام شافعی کے نزدیک مجبوری میں جائز ہے، تاکہ لوگوں کے معاملات ضائع نہ ہو:'' **فإن تعذر جمع هذه الشروط فولى سلطان له شوكة فاسقًا أو مقلدًا ...نفذ قضاؤه للضرورة؛ لئلا تتعطل مصالح الناس**'' (النجم الوھاج فی شرح المنہاج:۱۰/۱۵۱)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس تعلق سے امام قرافیؒ تفصیلی کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:'' **نص بعض العلماء على أنا إذا لم نجد فى جهة إلا غير العدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجورا للشهادة عليهم، ويلزم ذلک فى القضاة وغيرهم لئلا تضيع المصالح**''۔آگے فرماتے ہیں یہ حکم صرف مجبوری کی بنا پر ہے۔'' **فإن التكليف شرط فى الإمكان، وهذا كله للضرورة**'' (معین الحکام:۱۱۸)۔

جواب(۵): فسق کے لغوی معنی کسی چیز سے نکل جانا اور شرعی استعمال کے اعتبار سے اللہ کی اطاعت سے نکل جانا اور

یہ نکلنا بسا اوقات کفر کی بنا پر ہوتا ہے اور بسا اوقات معصیت کی وجہ سے ہوتا ہے''یقول ابن عطیة: 'الفسق فی عرف الاستعمال الشرعی: الخروج من طاعة الله ـ عز وجل ـ فقد یقع علی من خرج بکفر، وعلی من خرج بعصیان'' (تفسیر ابن عطیہ:۱/۱۵۵،تفسیر قرطبی ۱/۲۴۵)،علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ عرف میں فاسق مرتکب کبیرہ کے لئے بکثرت استعمال ہوتا ہے، جب کہ دوسرے معنی میں نادر الوجود ہے،اس کے لیئے قرینہ کی ضرورت ہے:''قال الألوسی: الفسق شرعًا: خروج العقلاء عن الطاعة، فیشمل الکفر ودونه من الکبیرة والصغیرة، واختص فی العرف والاستعمال بارتکاب الکبیرة، فلا یطلق علی ارتکاب الآخرین إلا نادرًا بقرینة'' (تفسیر آلوسی:۱/۲۱۰)۔

فسق کی اولاً دو قسمیں ہیں:(۱)وہ فسق جو اسلام سے خارج کردے(۲)جو اسلام سے خارج نہ کرے۔

'' وقد روی عن ابن عباس وطاووس وعطاء وغیر واحد من أهل العلم، قالوا: کفر دون کفر، وفسوق دون فسوق'' (الترمذی کتاب الایمان)۔

(۱)وہ فسق جو اسلام سے خارج کردے اس کی دو قسمیں ہیں:(۱)فسق الکفر اعتقادیاً،(۲)فسق الکفر عملیاً۔

(۱)فسق کفری اعتقادی کی مثال:

آپ ﷺ کے زمانے کے منافقین ہیں ومثال الاعتقادی:''فسق المنافقین زمن النبی صلی الله علیه وسلم۔ قال تعالی: (قُلْ أَنفِقُوا طَوْعاً أَوْ كَرْهاً لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْماً فَاسِقِينَ)'' (التوبۃ:۵۳)۔ فقوله: (إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْماً فَاسِقِينَ) (التوبۃ:۵۳)،''تعلیل لعدم قبول نفقاته'' (فتح القدیر للشوکانی ۲/۳۶۹)۔

(۲)فسق کفری عملی کی مثال:

شیطان کا اللہ کی فرمابرداری اور سجدہ کرنے سے انکار کرنا:''مثال الفسق العملی المخرج عن الملة: فسق إبلیس،: (وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاء مِن دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلاً)'' (الکہف:۵۰)، ''ففسق إبلیس إنما کان بترکه للسجود، وامتناعه عن اتباع أمر ربه – عزّ وجلَّ – وهذا التّرک یعدّ فعلاً وعملاً –'' (روضۃ الناظر لابن قدامۃ ص ۵۲)۔

الحاصل:'قرآن کریم میں کی اکثر آیتوں میں اور نبی کریم ﷺ کے زمانے کے فسق سے مراد منافقین کا فسق الکفر ہے،''وفسق الکفر هو المذکور فی غالب آیات القرآن الکریم، وکما قال ابن الوزیر: قد ورد فی

السمع ما يدل على أن الفاسق فی زمان النبی، صلی الله علیه وسلم، یطلق علی الکافر مثال: إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ'' (سورۃالتوبۃ:٦٧) **''وقوله تعالی: وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ''** (سورۃالبقرۃ:٩٩)، **(إِنَّهُمْ كَفَرُواْ بِاللّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُواْ وَهُمْ فَاسِقُونَ)''، ''وقال أیضاً: (وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ) وذکر آیات کثیرة ثم قال: فهذه الآیات دالة علی أن الفاسق فی العرف الأول یطلق علی الکافر، ویسبق إلی الفهم''** (العواصم والقواصم:٢/١٦٠-١٦١)۔

(٢) دوسری قسم: جو اسلام سے خارج نہ کرے جس کو فسق اصغر بھی کہتے ہیں، اس کی بھی دو قسمیں ہیں: (ا) فسق فی الاعتقاد۔

اس فسق اعتقادی کے بارے میں علامہ ابن القیمؒ رقم طراز ہیں: ''فسق اعتقادی سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، حرام کو حرام، حلال کو حلال سمجھتے ہیں اور اللہ کی فرض کردہ چیزوں کو فرض سمجھتے ہیں؛ لیکن بہت سی ثابت شدہ چیزوں کے جہالت، اندھی تقلید اور بے جا تاویل کی بنا پر منکر ہیں اور بہت سی غیر ثابت شدہ چیزوں کا اقرار کرتے ہیں۔ جیسے: خوارج، روافض، قدریہ، جہمیہ، معتزلہ وغیرہ یہ فسق اعتقادی میں ملوث ہیں۔

اسی وجہ سے حضرت سعد بن وقاصؓ اور شعبہ بن حجاجؒ نے خوارج کو فاسق قرار دیا تھا (الاعتصام:١/٨٤)۔

(٢) فسق عملی: جو گناہ کبیرہ یا صغیرہ پر اصرار کی پر فاسق قرار دیئے جائیں (فتاوی نووی ص١٦٢)، اس کی بہت سی مثالیں ہیں: **(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا)، (وَلاَ يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَلاَ شَهِيدٌ وَإِن تَفْعَلُواْ فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُواْ اللّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّهُ وَاللّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ)''**۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ فسق کبھی فرائض کے چھوڑنے اور کبھی محرمات کی وجہ سے پائی جاتی ہے: **''إن الفسق قد یکون تارةً بترک الفرائض وتارةً بفعل المحرمات''** (مجموع الفتاوی:٧/٢٥١)۔

اعتقادی فاسق کے لئے کیا کیا احکام ہیں؟:

اوپر فاسقِ اعتقادی کی دو صورتیں ذکر کی گئی ہیں: (ا) فسقِ کفری اعتقادی جس کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ اس سے مراد آپ ﷺ کے زمانے کے منافقین ہیں (فتح القدیر للشوکانی:٢/٣٦٩)۔

لہٰذا اگر سوال میں فسق اعتقادی سے نبی کریم ﷺ کے زمانے کے منافقین مراد ہیں تو ظاہر ہے کہ ان پر کفر کا حکم لگے گا'' **(فی قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا ولیهم عذاب الیم بما کابوا یکذبون''** (البقرہ:١٠) **''(ومن الناس من یقول آمنا وبالیوم الآخر وما هم بمؤمنین''** (البقرہ:٨)۔

اور اگر فسق اعتقادی سے مراد: مرتکب کبیرہ ہے تو ان پر مرتکب کبیرہ کا حکم نافذ ہوگا، یعنی اس کے اوپر شریعت کے سارے احکام نافذ ہوں گے، کیونکہ یہ مکلفین میں سے ہے اور وہ بالکلیہ ایمان سے خارج نہیں ہوگا، اس فسق کے ساتھ ایمان کا اجتماع ممکن ہے، اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اگر چاہے معاف کردے اور اگر چاہے تو عذاب میں مبتلا کردے، نیز اہل سنت کے نزدیک اگر یہ فاسق جہنم میں داخل ہوگا تو ایک نہ ایک دن جنت میں داخل ہوگا: ''**فمرتكب الكبيرة عند أهل السنة مع أنه فاسق بكبيرته، إلا أنه لا يخرج من الإيمان بالكلية، فيمكن اجتماع الإيمان مع هذا الفسق الأصغر، كما هو مقرر عند أهل السنة ـ، ومن ثم فهو مؤمن بإيمانه فاسق بكبيرته، وأمره إلى الله تعالى، إن شاء غفر له برحمته، وإن شاء عذبه بعدله، ومآله إلى الجنة فيما بعد؛ فأهل السنة متفقون على أن فساق أهل الملة ـ وإن دخلوا النار، أو استحقوا دخولها ـ فإنهم لابد أن يدخلوا الجنة**'' (المنتدی الشرعی العام ۲۶/ ۳۳۷)۔

جواب (۶): لغت میں توبہ لوٹنے اور رجوع کے معنی میں ہے، علامہ رازیؒ اور علامہ فیروز آبادیؒ نے لکھا ہے: ''**تاب إلى الله**'' اور ''**توبۃ**'' گناہ اور معصیت سے لوٹنے کو کہا جاتا ہے (مختار الصحاح: ۹۵، القاموس المحیط: ۱۵۹)، شریعت میں ''**رجع إلى طاعة ربه**''، یعنی اللہ کی معصیت و نافرمانی کو ترک کرکے اس کی اطاعت اختیار کرنے کو توبہ کہتے ہیں، توبہ کی حقیقت چار چیزوں پر موقوف ہے اول: گناہوں سے اجتناب، دوم: اپنے گناہوں پر ندامت، سوم آئندہ کرنے کا عزم، چہارم: اگر معصیت حقوق اللہ سے متعلق ہو تو اس کی ادائیگی، امام ترمذی فرماتے ہیں: ''**قال أصحابنا و غيرهم من العلماء: للتوبة ثلاثة شروط: أن يقلع عن المعصية و أن يندم على فعلها و أن يعزم عزما جازما أن لايعود إلى مثلها أبدا، فإن كانت المعصية تتعلق بآدمي فلها شرط رابع، و هو رد الظلامة إلى صاحبها أو تحصيل البرائة منه**'' (سنن الترمذی ۱/ ۱۰۹، ط: دار الغرب الإسلامی- بیروت)، نیز ''**الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ**'' میں ہے: ''**ذكر أكثر الفقهاء والمفسرين أن للتوبة أربعة شروط**'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: أرکان وشروط التوبۃ، ۱۴/ ۱۲۰-۱۲۱)۔

لہٰذا اگر فاسق آدمی اپنی توبہ پر عمل نہ کرے تو اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ معصیت سے بچنے کے لئے توبہ کی تھی، اب اگر وہ دوبارہ معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ فسق کا مرتکب ہوگا، عادل نہیں رہے گا، قرآن کریم میں ہے: ''**وأولئك هم الفاسقون إلا اللذين تابو من بعد ذالك و أصلحو**'' (نور ۵)، ''**إلا من تاب وآمن وعمل فأولئك يبدل الله سيئاتهم حسنات**'' (فرقان: ۷۰)۔

ان دونوں آیتوں میں صرف توبہ کا ذکر نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اصلاح حال اور دوسری آیت میں ایمان اور اعمال کی پابندی کا ذکر آیا ہے، اس بنا پر توبہ کے ساتھ استحکام توبہ بھی لازم ہے: ''**فشرط في قبول الشهادة بعد**

التوبة الإصلاح'' (قواعدالاحکام:۱۱۸)۔

دراصل عدالت کی شرط اس لئے لگائی جاتی ہے، تاکہ وہ جھوٹی گواہی نہ دے، کیونکہ جو نبی اکرم ﷺ پر جھوٹ بول سکتا ہے وہ بدرجہ اولیٰ انسانی حقوق کی پامالی میں کذب بیانی کرسکتا ہے (اصول السرخسی ۱/ ۳۴۰)، اسی بنا پر توبہ کی شرط لگائی گئی ہے گویا توبہ اللہ تعالی سے ایک معاہدہ کا نام ہے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء فاسق کی توبہ کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ اس کی توبہ کا یقین پیدا نہ ہوجائے، شیخ عز بن عبدالسلام اس توقف کی دلیل کے بارے میں فرماتے ہیں'' کہ نفسِ توبہ باطنی احکام کے ثبوت کے لئے کافی ہے اور ظاہر میں اس کا امتحان ضروری ہے، تاکہ یہ معلوم ہوسکے وہ کہ اپنے دعوی میں سچا ہے یا نہیں اور شریعت کا یہ قاعدہ'' کہ تائب کا قول توبہ کرنے کے باوجود اس وقت تک قبول نہیں ہوتا، جب تک کہ ہم اس کی عدالت کی تحکیم نہ کرلیں جس کے لئے ایک مدت طویلہ کی ضرورت ہے اور یہ مدت طویلہ بعض کے نزدیک چھ ماہ، بعض کے نزدیک ایک سال ہے مختار یہ ہے کہ یہ تائب کی ندامت اطاعت اور معاصی سے اجتناب پر موقوف ہے (قواعدالأحکام:۱۸۸)۔

جواب(۷): اولاً: داڑھی کے سلسلے میں دو بنیادی باتیں قابل ذکر ہیں: (۱) داڑھی رکھنا، (۲) اس کے مقدار کی تعیین۔

پہلا مقدمہ: آپ ﷺ نے خود داڑھی رکھی اور امت کو رکھنے کا حکم دیا، روایات حسب ذیل ہیں:

(۱)''**عَنْ عَائِشَةَ؛ قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَشْرٌ مِنَ الْفِطْرَةِ: قَصُّ الشَّارِبِ، وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ، وَالسِّوَاكُ، وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ، وَقَصُّ الأَظْفَارِ، وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ، وَنَتْفُ الإِبِطِ، وَحَلْقُ الْعَانَةِ، وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ. قَالَ زَكَرِيَّاءُ: قَالَ مُصْعَبٌ: وَنَسِيتُ الْعَاشِرَةَ. إِلَّا أَنْ تَكُونَ الْمَضْمَضَةَ**'' (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۶۲، صحیح مسلم ۱/ ۲۲۳)، (۲)''**عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: خالفوا المشركين، أحفوا الشوارب، وأعفوا اللحى** (رواہ البخاری:۵۸۹۳)، (۳) ''**عن ابن عمر رضى الله عنهما قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحى**'' (جامع الترمذی، أبواب الأدب، باب ماجاء فی إعفاء اللحیۃ)''**وفی حدیث انهكوا الشواربَ ، وأعفوا اللحى**'' (صحیح البخاری، کتاب اللباس/ باب إعفاء اللحی رقم:۵۸۹۳)۔

ان روایات سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے اور کسی بھی صحابی سے داڑھی حلق کرانے کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔

دوسرا مسئلہ: مقدار کی تعیین:

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''**خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا**

اللِّحَى وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ'' (بخاری، الصحیح، رقم: ۵۵۵۳)، (مشرکین کی مخالفت کرو، مونچھیں باریک کرواور داڑھی بڑھاؤ، حضرت ابن عمر جب حج یا عمرہ کرتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو اضافی ہوتی اس کو کاٹ دیتے)۔ مروان بن سالم مقفع رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ اپنی داڑھی مبارک کو مٹھی میں پکڑ کر جو مٹھی سے زائد ہوتی اسے کاٹ دیتے تھے: ''**يَقْبِضُ عَلَى لِحْيَتِهِ فَيَقْطَعُ مَا زَادَ عَلَى الْكَفِّ**'' (سنن أبی داؤد، رقم: ۲۳۵۷، المستدرک رقم: ۱۵۳۶)۔

حضرت ابوزرعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''**كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ رضى الله عنه يَقْبِضُ عَلَى لِحْيَتِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ مَا فَضَلَ عَنِ الْقُبْضَةِ**'' (ابن أبی شیبۃ، المصنف رقم: ۲۵۴۸۱)، (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی داڑھی مبارک کو مٹھی میں پکڑتے اور مٹھی سے زائد داڑھی کو کاٹ دیتے تھے)۔

''مصنف ابن أبی شیبہ'' میں چند حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ ایک مشت کے بعد کاٹتے تھے (۱) ''**قال: سمعت عطاء بن أبی رباح قال : كانوا يحبون أن يعفوا اللحية إلا فی حج أو عمرة، وكان إبراهيم يأخذ من عارض لحيته**'' (۲) ''**عن الحسن قال: (كانوا) يرخصون فيما زاد على القبضة من اللحية أن يؤخذ منها**'' (۳) ''**عن ابن عمر أنه كان يأخذ ما فوق القبضة، وقال وكيع: ما جاوز القبضة**'' (۴) ''**عن إبراهيم قال: كانوا يطيبون لحاهم ويأخذون من عوارضها**'' (مصنف ابن أبی شیبۃ ۳۵۰۴ (۲۰) ما قالوا فی الأخذ من اللحیۃ)۔

الحاصل: انہی نصوص وآثار کی بناء ہر جمہور ائمہ مجتہدین نے متفقہ طور پر ایک مشت ڈاڑھی رکھنے کو واجب اور اس سے کم مقدار ہونے پر تراشنے کو فسق قرار دیا ہے، صاحبِ منہل علامہ سبکیؒ اور علامہ کشمیریؒ اس پر ائمہ اربعہؒ کا اجماع نقل فرماتے ہیں: ''**وأما تقصيرُ اللحية بحيثُ تصيرُ قصيرةً من القبضةِ، فغيرُ جائزٍ فی المذاهب الأربعة**'' (العرف الشذی، کتاب الآداب، باب ماجاء فی تقلیم الأظفار، ۴/ ۱۶۲، المنہل العذب المورود، کتاب الطہارۃ، أقوال العلماء فی حلق اللحیۃ واتفاقہم علی حرمتہ: ۱/ ۱۸۶)۔

(۱) چنانچہ فقہ حنفی میں داڑھی مونڈنے کو حرام قرار دیا گیا ہے: ''**ويحرم على الرجل قطع لحيته**'' (درمختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء: ۵/ ۵۲) مرد پر داڑھی کٹانا حرام ہے: ''**قال العلائی: إن الأخذ من اللحية، وهی دون القبضة، كما يفعله بعضُ المغاربة ومُخَنَّثة الرجالِ، لَم يُبِحْه أحدٌ، وأَخْذُ كلِّها فعلُ اليهود والهنودِ ومَجوس الأعاجِم**'' (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کتاب الشہادۃ: ج ۱/ ۳۲۹)۔

(۲) مالکیہ کا کہنا ہے: ''**ويحرم على الرجل حلق اللحية والشارب، ويؤدب فاعله**'' (شرح منح الجلیل علی مختصر خلیل، کتاب الطہارۃ، باب فرائض الوضوء وسننہ وفضائلہ: ۱/ ۴۸)، (مرد پر داڑھی اور مونچھ کا مونڈنا حرام ہے، ایسا کرنے والے کو حد لگائی جائے گی)۔

(۳)فقہ شافعی میں: ''**الصواب تحريم حلقها جملة لغير علة بها**'' (اعانۃ الطالبین، باب الحج:۲/۲۸۶)(صحیح نقطۂ نظر یہی ہے کہ بلا عذر پوری داڑھی کا مونڈا لینا حرام ہے)۔

(۴)حنابلہ کے نزدیک بھی: ''**والمعتمد فی المذهب حرمة حلق اللحية قال فی الإقناع: ويحرم حلقها وكذا فی شرح المنتهى وغيرهما قال فی الفروع: ويحرم حلقها، ذكره شيخنا، انتهىٰ وذكره فی الإنصاف، ولم يحك فيه خلافاً**'' (غذاء الألباب شرح منظومۃ الآداب، ۱/۳۳۴)۔

(۵)ابن حزم ظاہری سے تو اس پر اجماع منقول ہے: ''**نقل ابن حزم الإجماع على حرمة حلقها فقال: وَاتَّفَقُوا أَن حلق جَمِيع اللِّحْيَة مُثلَة لَا تجوز**'' (مراتب الإجماع:۱۵۷)۔

(۶)علامہ قرطبی کا قول ہے: ''**قال القرطبی: لايجوزُ حَلْقُها، ولا نَتْفُها، ولا قَصُّ الكثير منها، فأما أخذُ ما تطايَرَ منها وما يُشَوِّهُ ويدعو إلى الشهرةِ طُولاً وعَرْضًا: فحَسَنٌ عند مالک وغيره من السلفِ**''(المفہم:۱/۵۱۲)۔

(۷)علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''**قال ابن تيمية: وأما إعفاء اللحية فإنه يُترک، ولو أخذ ما زاد على القبضة لم يكره**'' (شرح العمدۃ:۱/۳۶)۔

(۸)شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اعفاء اللحیۃ کی احادیث کے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''**فهذه الأحاديث وما جاء فی معناها كلها تدل على وجوب إعفاء اللحىٰ و إرخائها فتوفيرها وعلى تحريم حلقها أو قصها**'' (تحریم حلق اللحی:۲۲)۔

(۹)سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ ابن عثیمین کا فتوی ہے: ''**حلق اللحية محرم؛ لأنه معصية لرسول الله صلى الله عليه وسلم**'' (فتاویٰ نور علی الدرب لابن عثیمین، فتاوی الطہارۃ، باب السواک وسنن الفطر:۲/۷)۔

(۱۰)اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء کے ارکان عبداللہ بن سلیمان، عبداللہ بن عبدالرحمٰن غدیان، عبدالرزاق عفیفی اپنے مشترکہ فتوی میں رقم طراز ہیں: ''**فمن حلق لحيته فقد اساء وخالف مقتضى الفطرة باتفاق المسلمين، وأثم بحلقه**'' (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ رقم:۳۲۷، کتاب تحریم حلق اللحی:۲۷)۔

الحاصل: داڑھی نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، اور اس کا ایک مشت سے زائد رکھنا ائمہ مجتہدین اور محدثین کے نزدیک واجب ہے، گرچہ بعض علماء کے نزدیک واجب نہیں، بلکہ سنت ہے؛ تاہم وہ حضرات بھی اس کو سنت نبویہ میں سے شمار کرتے ہیں، سنن عادیہ تسلیم نہیں کرتے ہیں، کیونکہ حدیث میں اس کو عشر من الفطرۃ میں شمار کیا گیا ہے اور فطرت کی تشریح سنت انبیاء سے کی گئی ہے، یعنی یہ عمل انبیاء کی سنت میں سے ہے، ''**قال الخطَّابی: قوله صلَّى اللهُ عليه وسلَّم: عَشْرٌ**

مِن الفِطرة فسَّر أكثَرُ العُلَماءِ الفِطرةَ فی هذا الحديثِ بالسُّنة، وتأويله: أنَّ هذه الخِصالَ مِن سُنَن الأنبياءِ الذين أُمِرنا أن نقتدیَ بهم" (معالم السنن ۱/ ۳۱، البنایۃ شرح الہدایۃ للعینی ۱/ ۳۱۳)۔

نیز سنت عادت اور سنت عبادت کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ جو عمل سنن عادیہ میں سے ہوتا ہے، اس پر آپ ﷺ کی ترغیب نہیں اور نہ ہی امت کو اس کا حکم دیا جاتا ہے اور جو عمل سنن عبادت میں سے ہوتا ہے اس پر آپ ﷺ کی ترغیب اور حکم ہوتا ہے، داڑھی کی روایات میں نبی کریم ﷺ نے امت کو داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے، بلکہ ایک روایت میں تو نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے: **أمرنی ربی أن أعفی لحیتی وأحفی شاربی**" (رواہ ابن بشران فی أمالیہ عن أبی ہریرۃ، ورواہ أبو نعیم فی الدلائل عن ابن عباس، والحارث بن أبی أسامۃ عن یحیی بن أبی کثیر مرسلا)، اس لئے یہ سنن عادیہ میں سے نہیں ہے، جیسا کہ اللحیۃ عبادۃ ام عادۃ کے مقالہ کے تحت یہ قاعدہ مذکور ہے: "**ومن جملة ذلک إطلاق اللحية، فلو كان الشأن فيها شأن العادات والظواهر الاجتماعية الوراثية لما حكم فيها النبی صلى الله عليه وسلم بأمر ولا نهی، ولكن قد ثبتت عن النبی صلى الله عليه وسلم أحاديث كثيرة فی الأمر بإطلاق اللحية، فصار إطلاقها بهذا الأمر النبوی الكريم عبادة وليس عادة**" (اللحیۃ عبادۃ ام عادۃ۔ الطہارۃ۔ سنن الفطرۃ اسلام ویب ۴۱۴۲۳)۔

اسی طرح بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ حکم یہود کی مخالفت میں اترا تھا، اس زمانے میں یہود داڑھی رکھتے ہیں، اس لئے اب اس کا رکھنا ضروری نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم کی بنیاد مخالفت پر نہیں، بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اتباع پر ہے، لہٰذا اس زمانے میں خواہ مخالفت پائی جائے یا نہ پائی جائے شریعت کا عمل ترک نہیں کیا جائے گا۔

بہر کیف: اگر کوئی داڑھی نہیں رکھتا یا بہت چھوٹی رکھتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا، لیکن کافر نہیں ہوگا، "**أما حكم من فعل ذلک فهو عاص وليس بكافر، ولو اعتقد الحل بناء على فهم خاطء أو تقليد لبعض العلماء...اما الحلق فلا أعلم أحدًا من أهل العلم قال بجوازه، ولكن لا يلزم من ذلک كفر من ظن جوازه لجهل أو تقليد**" (کتاب تحریم حلق اللحیٰ: ص: ۳۷)۔

البتہ فاسق اس وقت کہلائے گا جب کہ اس پر مداومت کرتا ہو: "**إن الأخذ من اللحية، وهی دون القبضة ..... فحيثُ أَدْمَن على فعلِ هذا المحرَّمِ يفسُقُ، وإن لم يكن ممن يستخفونه ولا يعُدُّونَه قادحاً للعدالة والمروة، إلخ**" (تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، کتاب الشہادۃ: ۱/ ۳۲۹) امام ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: "**وأما المكروه فقد قال علماؤنا رحمة الله عليهم: إن المداومة على المكروه يفسق فاعله**" (المدخل: ۳/ ۲۱۱)۔

☆☆☆

فسق کی تعریف وحقیقت اوراس پر مرتب احکام

مفتی راسخ الاسلام قاسمی اررياوی☆

سوال نمبر(۱) کا جواب: فسق کی لغوی اور اصطلاح تعریف:

الموسوعۃ الفقہیہ میں تحریر ہے:''**الفسق لغة: الخروج عن الطاعة وعن الدين وعن الاستقامة.**

واصطلاحا: قال الشوكانى: هوالخروج عن الطاعة وتجاوز الحد بالمعصية'' (الموسوعۃ الفقہیہ مادہ:فسق ۳۲/ ۱۴۰)۔

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اصطلاح شریعت میں ''فسق'' کہتے ہیں اطاعت خداوندی سے نکلنے اور گناہوں کے ذریعے حد سے تجاوز کرنے کو۔

''القاموس الفقہی''میں ہے:''**فسق فلان: عصى وجاوز حدود الشرع، ويقال فسق عن أمر ربه أى خرج عن طاعته، الفاسق اسم فاعل .شرعا: من فعل كبيره أو أكثر من فعل الصغائر**'' (القاموس الفقہی ص:۲۸۶ مکتبہ:ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)۔

(شریعت کی اصطلاح میں فاسق وشخص کہلاتا ہے جو گناہ کبیرہ کرے یا گناہ صغیرہ کرنا ان کی عادت ہو)۔

امام راغب اصفہانی کی'' مفردات القرآن'' میں ہے: '' فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کے التزام و اقرار کے بعد شرعی پابندی سے آزاد ہوکر یا تو تمام ہی احکام شرعیہ کو چھوڑ بیٹھے یا بعض احکام شرعیہ کو پس پشت ڈال دے۔ ''مفردات القرآن''ہی میں ہے کہ'' فاسق'' کا لفظ کافر سے عام ہے اور'' ظالم'' کا لفظ دونوں سے عام ہے۔''**فالفاسق عام من الكافر والظالم عام من الفاسق**'' (مفردات القرآن للاصفہانی ر ۵۰۷ مادہ:فسق)۔

'' قاموس الفقہ''میں حضرت اقدس مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

☆ استاذ حدیث وفقہ ادارہ فیض القرآن اتر دیناج پور، بنگال

''فسق کے مقابلہ میں ''عدالت'' اور ''فاسق'' کے مقابلہ میں ''عادل'' کا لفظ ہے، فسق کے معنی اصل میں نافرمانی کے ہیں، اس اعتبار سے فسق کے معنی میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے اور کبائر ہی نہیں بلکہ کفر بھی فسق میں شامل ہوجاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں بعض مواقع پر کافر کو فاسق سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن فقہاء کی اصطلاح میں فسق کفر سے کمتر درجہ کی نافرمانی ہے، البتہ چونکہ قرآن و حدیث نے فسق کا کوئی قطعی مفہوم متعین نہیں کیا ہے، ہر زمانہ کے احوال اور لوگوں کے اخلاقی کوائف بھی مختلف ہوتے ہیں اور ان میں تفاوت ہوتا ہے، اس لئے فقہاء کے یہاں فسق کا مفہوم اور فاسق کا مصداق متعین کرنے میں اختلاف واقع ہوا ہے''۔

عادل اور فاسق کی تعریفات:

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے: (۱) عادل وہ ہے کہ جس کے کسب اور عفت وعصمت پر انگلی نہ اٹھائی گئی ہو: ''**من لم یطعن علیه فی بطن ولا فرج فهو عدل**'' (یہ تعریف ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے المحیط البرھانی ۱۳/۱۵۱، المجلس العلمی)، (۲) ''دینی امور میں جس کی نسبت سے کوئی جرم معروف نہ ہو'' (یہ تعریف شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے المحیط البرھانی ۱۳/۱۵۱، المجلس العلمی) (۳) ''جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور فرائض کو ادا'' (۴) ان تعریفات کے ساتھ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تعریف اور بھی کی ہے جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے، کہ جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں وہ عادل ہے: ''**من غلبت حسناته سیئاته فهو عادل**'' (یہ تعریف عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے المحیط البرھانی ۱۳/۱۵۱، المجلس العلمی، قاموس الفقہ ۴/ ۴۵۳-۴۵۴، مکتبہ نعیمیہ دیوبند)، ظاہر ہے کہ جو شخص ''عادل'' نہیں ہوگا تو وہ ''فاسق'' کہلائے گا؛ لہٰذا علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ ''عادل'' کی تعریفات میں سے اگر کوئی تعریف کسی شخص پر صادق نہیں آتی ہے تو وہ ''فاسق'' ہوگا۔

عدالت کے بارے میں علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے عدالت کی مختلف تعریفیں کی ہیں، لیکن صرف ایک تعریف کو احادیث مبارکہ سے مؤید کیا ہے جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان اسی تیسری تعریف کی طرف ہے، لیکن تعریفات کی ترتیب ذکری اور خلاصۃ القول کے بیان سے علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کا صریح رجحان چوتھی تعریف کی طرف معلوم ہوتا ہے۔

''**والأصل فی هذا الفصل أن من ارتکب جریمة فإن کانت من الکبائر سقطت عدالته، إلا أن یتوب، فإن لم تکن من الکبائر فإن أصر علیها واعتاد ذلک فکذلک ،لان الصغیرة بالإصرار علیها تصیر کبیرة، قال علیه الصلاة والسلام: لا صغیرة مع الإصرار ولا کبیرة مع الاستغفار، وإن لم یصر**

عليها لا تسقط عدالته إذا غلبت حسناته سيئاته'' (بدائع الصنائع/کتاب الشہادۃ ۵/۴۰۵، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

عدالت کے بارے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان:

علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ تعریفات میں سے چوتھی تعریف: ''**من غلبت حسناته سيئاته فهو عادل**'' کی طرف علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی معلوم ہوتا ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں: ''**وأحسن ما قيل في تفسير العدالة أن يكون مجتنبا للكبائر ولا يكون مصرا على الصغائر ويكون صلاحه أكثر من فساده وصوابه أكثر من خطيئته**'' (ردالمحتار/کتاب الشہادات ۸/۱۷۸، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

فاسق کسے کہتے ہیں؟

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ایسا فسق جس کی وجہ سے عدالت ساقط ہو جاتا ہے، وہ تین باتوں میں سے ایک یا دو کا یا تینوں کا پایا جانا ہے، وہ تین چیزیں یہ ہیں:

(۱) گناہ کبیرہ کا ارتکاب، (۲) گناہ صغیرہ پر اصرار اور (۳) گناہ صغیرہ کا غلبہ، لہٰذا جس شخص میں یہ تینوں باتیں یا دو یا ایک بات بھی موجود ہوگی وہ ''فاسق'' کہلائے گا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں: ''**قال في الفتح، "وما في الفتاوى الصغرى: العدل من يجتنب الكبائر كلها حتى لو ارتكب كبيرة تسقط عدالته، وفي الصغائر العبرة للغلبة لتصيير كبيرة حسن**'' (ردالمحتار/۸/۱۸۹، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

آگے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن الکمال رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں: ''**قال ابن الكمال: لأن الصغيرة تأخذ حكم الكبيرة بالاصرار ،كذا بالغلبة على ما أفصح عنه في الفتاوى الصغرى**'' (ردالمحتار ۸/۱۸۹، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

آگے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ شرائط فی الصغائر کی بحث کرتے ہوئے اخیر میں نتیجہ کے طور پہ ذکر کرتے ہیں کہ ''عادل'' وہ شخص ہے جو مذکورہ تینوں عیوب (اجتناب کبائر، اصرار علی الصغائر، غلبہ کبائر) سے پاک ہو اور ''فاسق'' وہ ہے جو گناہ کبیرہ کرے یا صغیرہ پر اصرار کرے۔

"**فالعدل من اجتنب الثلاثة، والفاسق من فعل كبيرة أو أصر على صغيرة**'' (ردالمحتار ۸/۲۰۴، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

خلاصہ تعریف:

فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ تعالی کی نافرمانیوں میں ملوث رہے، شریعت اسلامیہ کے تمام احکام یا بعض احکام کو پسِ پشت ڈال کر عملی کوتاہی کرتا رہے، اور جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر پر اصرار کرتا ہو یا صغائر کرنا ان کی عادت ہو۔

تعیین فسق احوال زمانہ پر موقوف ہے:

فقہ حنبلی کی کتاب کی ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''عدالت'' کی تعریف زمان ومکان اور اہل زمانہ کے عرف اور احوال وکوائف کے بدلنے سے بدل جائے گی، اور ظاہر ہے جب تبدل زمانہ سے ''عدالت'' کی تعریف بدل جائے گی تو عدالت کے نہ ہونے کا نام ''فسق'' ہے تو تغیر زمانہ اور احوال زمانہ سے ''فسق'' کی تعریف بھی بدلتی رہے گی۔

عبارت ملاحظہ فرمائیں: ''**وقال فی الإختبارات: العدل فی کل زمان ومکان وطائفة بحسبها، ویکون الشهید فی کل قوم من کان ذا عدل فیهم، وإن کان فی غیر قوم لمکان عدله علی وجه آخر، وبهذا یمکن الحکم بین الناس، وإلا لو اعتبر فی شهود کل طائفة أن لا یشهد علیهم، إلا من یکون قائما باداء الواجبات وترک المحرمات، کما کانت الصحابة لبطلت الشهادات کلها او عامها**'' (مطالب اولی النہی للعلامۃ مصطفی السیوطی الحنبلی: ۱۴/ ۱۸۵، مکتبہ وزارۃ الأوقاف قطر)۔

''قاموس الفقہ'' میں حضرت اقدس مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: ''دراصل فسق کا مصداق متعین کرنے میں احوال زمانہ کو بڑا دخل ہے'' (قاموس الفقہ، مکتبہ نعیمیہ دیوبند ۴/ ۴۵۴)۔

سوال نمبر (۲) کا جواب

موجودہ پرفتن حالات میں ایسے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہے جو ایسے منکرات میں ملوث ہیں کہ جن کی وجہ سے قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق وہ عادل نہیں رہتے، بلکہ فاسقین کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں، تو اگر قدیم فقہاء کے بیان کردہ فسق کی تعریف کو موجودہ زمانے میں فیصلے کا معیار قرار دیا جائے گا تو بہت سارے عبادات اور معاملات میں گواہی کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، اس لیے اس زمانے میں اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ جس کا صلاح اس کے فساد سے زیادہ ہو اور اس کی درستگی اس کی غلطی سے زیادہ ہوا، ذی مروت، سلیم القلب انسان ہو اور لوگوں میں اس کا ایک مقام ہو تو پھر عبادات اور

معاملات (شہادت اور قضا وغیرہ) میں ایسے فاسق شخص کی گواہی قبول کی جائے گی۔

جیسا کہ الفتاوی الخانیہ کی درج ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے: ''**وتكلموا في الفسق الذي يمنع الشهادة اتفقوا على أن الإعلان بكبيرة يمنع الشهادة وفي الصغائر: إن كان معلنا نوع فسق مستشنع يسميه الناس بذلك فاسقا مطلقا لا تقبل شهادته، وإن لم يكن كذلك ينظر إن كان صلاحه أكثر من فساده وصوابه أكثر من الخطأ، ويكون سليم القلب يكون عدلا تقبل شهادته؛ لأن غير المعصوم لا يخلو عن قليل ذنب فيعتبر فيه الغالب**'' (خانیۃ علی ہامش الہندیۃ/کتاب الشہادۃ/فصل فیما لاتقبل شہادتہ لفسقہ: ۲/ ۳۳۲، مکتبہ زکریا جدید دیوبند)

حضرت اقدس مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم العالیہ ''قاموس الفقہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے جھوٹ بولنے سے اطمینان نہ ہو، اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اور جس آدمی کے بارے میں توقع ہو کہ وہ زیر تحقیق معاملے میں جھوٹ نہ بولے گا، گواہی اور قضاء وغیرہ کے معاملہ میں اسے ''عادل'' سمجھا جائے گا، کاسانی ہی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک آدھ بار دروغ گوئی میں مبتلا ہوا اور پھر توبہ کر لی، تو شہادت قبول کی جائے گی کیونکہ اگر ایسوں کی گواہی قبول نہ کی جائے تو گواہی کا دروازہ ہی بند ہو جائے، ''**لأنه قل ما يخلو مسلم عن ذالك فلو منع القبول لانسد باب الشهادة**'' (بدائع الصنائع: ۶/ ۲۶۹، قاموس الفقہ: ۴/ ۴۵۴، مکتبہ نعیمیہ دیوبند)۔

فاسق ذی مروت کی شہادت مقبول ہے:

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے شخص کی گواہی کو بھی قابل قبول قرار دیا ہے، جو لوگوں میں صاحب وجاہت ہو اور خیال کیا جاتا ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ ہدایہ کی مشہور و مقبول شرح فتح القدیر میں ہے:

''**وعن أبي يوسف أن الفاسق إذا كان وجيها في الناس كمباشري السلطان والمكسة وغيرهم تقبل شهادته، لأنه لا يستأجر لشهادة الزور لوجاهته، ويمتنع عن الكذب بمروته، والأول أصح؛ لأن هذا تعليل في مقابله النفس فلا يقبل**'' (فتح القدیر: ۷/ ۳۴۹، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

بعض شافعیہ کے نزدیک فاسق کی شہادت مقبول ہے:

بعض شافعیہ کا فتوی یہ ہے کہ جب فسق عام ہو جائے تو احکام شرعیہ کے نفاذ کی خاطر دفعاً للحرج فاسق کی شہادت مقبول ہے یہی امام غزالی، امام اوزاعی اور علامہ ابن عطیف رحمہم اللہ کا پسندیدہ مذہب ہے۔

''**افتى بعضهم بقضاء شهادة الفاسق عند عموم الفسق، واختاره الإمام الغزالي والأوزاعي وابن**

عطيف دفعا للحرج الشديد فی تعطيل الأحكام، لكن يلزم القاضی تقديم الامثل فالأمثل، والبحث عن حال الشاهد ،وتقديم من فسقه أخف او أقل علی غيره"(بغیۃ المسترشدین ۲/ ۷۶۴،مکتبہ دارالمنہاج)۔

"**ومحمل وجوب تحری الأمثل فالأمثل: فی الشهادة الاختيارية كالنكاح ومع هذا قلنا قول أنه لا تشترط فيه العدالة مطلقا، وإذا تأملت عقود أكثر أهل الزمان .....وجدتها لا تصح، إلا علی هذا القول، أما الاصطرارية كالغصب والسرقة .فشرط فيه أن يكون معروفا بالصدق غير مشهور بالكذب فيجيب علی الحاكم كمال البحث، وإذا غلب علی قلبه صدقه قبله، ولو لم نقل هذا لتعطلت الحقوق**"(بغیۃ المسترشدین ۲/ ۷۶۵،مکتبہ دارالمنہاج)۔

بوقت ضرورت "فاسق" کی شہادت مقبول ہے:

چونکہ انسان بقدر امکان ہی تکالیف شرعیہ کا مکلّف ہے،اس لیے اگر کسی معاملے کی تحقیق وتصفیہ کے لیے عادل گواہ موجود نہ ہو اور عادل گواہ کے نہ ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا اندیشہ ہو تو ایسے وقت میں فاسق شخص کی شہادت قبول کر لی جائے گی، بلکہ بعض اوقات فاسق کی شہادت پر فیصلہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

"**وفی الذخيرة :نص فی النوادر علی أنه إذا لم يوجد فی جهة إلا غير العدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجورا للشهادة يلزم مثله فی القضايا وغيره لئلا تضيع المصالح، قال: ولا أظن أحدا يخالفه فی هذا، فإن اشتراط التكليف بالإمكان**"(فتح الجلیل علی مختصر سیدی خلیل ۷/ ۳۸۲،مطبوعہ شرکۃ القدس)۔

سوال نمبر(۳) کا جواب: داڑھی کٹانے والے کی شہادت:

داڑھی رکھنا باتفاق مسلمین واجب اور ضروری ہے اور قبضہ سے کم کاٹنا حرام و ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے اور داڑھی کٹوانے والا فاسق ہے اور فاسق کی شہادت عام حالات میں مقبول نہیں ہوتی ،البتہ ضرورت اور اضطرار کے وقت فاسق کی شہادت قبول کر لی جاتی ہے۔احسن الفتاوی میں ہے:"ڈاڑھی کٹوانا فسق ہے، بلکہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے،اس لئے کہ اس میں کھلم کھلا اور علی الاعلان شریعت کی خلاف ورزی اور استخفاف ہے،اور فاسق کی شہادت قبول نہیں۔ البتہ اگر عادل شاہد نہ ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا اندیشہ ہو اور فاسق شخص ذی وجاہت ہو جس کے صدق کا ظن غالب ہو تو اس کی شہادت کا قبول کرنا جائز ہے"(احسن الفتاوی ۷/ ۲۰۴،مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)۔

شہادت فاسق:

فاسق کی شہادت کے متعلق ایک سوال کے جواب میں مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ احسن الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں: ''شہادت کے لئے متدین گواہوں کے نہ ملنے کی وجہ سے متاخرین فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا فتوی ہے کہ فاسق کی شہادت بھی قابلِ قبول ہے، بلکہ بعض اوقات فاسق کی گواہی پر فیصلہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے، مثلاً ضیاع حقوق کا خطرہ ہو'' (احسن الفتاوی ۷/ ۲۰۴، مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)۔

''قال الإمام علاء الدين أبو الحسن الترابلسی رحمه الله تعالى: (مسألة) قال القرافی فی باب السياسة: نص بعض العلماء على إنا إذا لم نجد فی جهة الاغير عدول اقمنا أصلحهم واقلهم فجورا للشهادة عليهم، ويلزم ذلک فی القضاة وغيرهم لئلا تضيع المصالح، قال: وما أظن احدا يخالف فی هذا، فان التكليف بشرط فی الامكان وهذا كله للضرورة لئلا تهدر الأموال وتضيع الحقوق، قال بعض: وإذا كان الناس فساقا إلا القليل النادر قبلت شهادة بعضهم على بعض ويحكم بشهادة الأمثل فالأمثل من الفساق هذا هو الصواب الذى عليه العمل، وإن أنكره كثير من الفقهاء بألسنتهم كما أن العمل على صحة ولاية الفاسق و نفوذ أحكامه، وإن أنكروه بألسنتهم وكذلک العمل على صحة كون الفاسق وليا فی النكاح ووصيا فی المال، وهذا يؤيد ما نقله القرافی، وإذا غلب على الظن صدق الفاسق قبلت شهادته وحكم بها، والله تعالى لم يأمر برد خبر الفاسق، فلا يجوز رده مطلقا بل يتثبت فيه حتى يتبين صدقه من كذبه فيعمل على ما تبين وفسقه عليه'' (معین الأحکام ص: ۱۳ بحوالہ: احسن الفتاوی ۷/ ۲۰۵، مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)۔

تحمل شہادت اور اداء شہادت کا فرق:

جاننا چاہیے کہ فقہ حنفی میں گواہ کا عادل ہونا وجوب شہادت کے لیے شرط ہے، صحت شہادت کے لیے گواہ کا عادل ہونا شرط نہیں ہے، یعنی قاضی کے سامنے جب گواہ کا عادل ہونا ثابت ہوجائے تو قاضی پر ان کی گواہی کو قبول کرنا واجب وضروری ہے، وہ اسے انکار نہیں کر سکتے، لیکن تحمل شہادت (گواہ بننے) کے لیے گواہ کا عادل ہونا ضروری نہیں ہے، لہٰذا اگر قاضی وقت تحری کر کے فاسق کی گواہی پر فیصلہ کردے تو اس کا یہ فیصلہ نافذ ہوجائے گا۔

"فلو قضى بشهادة فاسق نفذ وأثم، إلا أن يمنع منه أى من القضاء بشهادةالفاسق الإمام فلا ينفذ (الدر المختار) قال فى جامع الفتاوى: وأ ما شهادةالفاسق فإن تحرى القاضى الصدق فى شهادته تقبل وإلا فلا" (ردالمحتار مع درالمختار:۸/ ۱۷۸، بدائع الصنائع:۵/ ۴۰۷، بحوالہ: فقہی ضوابط/کتاب الشہادۃ:۳/ ۳۵، مکتبہ حجاز دیوبند)۔

حضرت اقدس مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم "قاموس الفقہ" میں تحریر فرماتے ہیں: "گواہی کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ فاسق کی گواہی قابل قبول نہیں (بدایۃ المجتہد: ۲/ ۲۶۲، المغنی ۱۰/ ۱۰۸)، البتہ فقہاء حنفیہ نے گواہی کا تحمل یعنی گواہ بنے اور اداء شہادت، یعنی قاضی کے سامنے گواہی پیش کرنے میں فرق کیا کہ تحمل شہادت کے لئے فسق مانع نہیں ہے اور اداء شہادت کے لئے فسق مانع ہے" (بدائع الصنائع ۶/ ۲۶۶، قاموس الفقہ ۴/ ۴۵۴، مکتبہ نعیمیہ دیوبند)۔

رویت ہلال اور اختلافی معاملات میں فاسق کی شہادت:

شہادت کے بارے میں حضرات فقہاء نے یہ اصول بتلایا ہے کہ دینیات کے وہ معاملات جن کی شہادت عادل گواہوں سے حاصل کرنی ممکن ہے، ایسے معاملات میں فاسق گواہ کی شہادت غیر مقبول ہے، اسی طرح حقوق العباد کے وہ معاملات جن میں الزام محض ہوتا ہے، جیسے خرید وفروخت اور املاک کے مسائل تو ان میں بھی شہادت کے لیے عدد، عدالت اور لفظ شہادت تینوں ضروری ہیں، صوم رمضان چونکہ امر دینی ہے اور امور دینیہ میں فاسق کی شہادت غیر معتبر ہے، اسی طرح اختلافی معاملات میں بھی گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے، اس لیے رویت ہلال یا اختلافی معاملات میں مخلوق اللحیہ فاسق غیر عادل کی شہادت غیر مقبول ہوگی، جیسا کہ البحر الرائق اور ردالمحتار وغیرہ میں اس پر مفصل بحث کی گئی ہے (دیکھئے: البحر الرائق ۲/ ۲۶۶، ۲۶۷، ردالمحتار ۳/ ۲۵۲)۔

اگر صدق کا ظن غالب ہو تو فاسق کی شہادت مقبول ہے:

فتاوی شامیہ میں ہے کہ فاسق کی شہادت کے بارے میں قاضی وقت تحری کرے گا، اگر اس کے صدق کا ظن غالب ہے تو اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔

"قال وفى جامع الفتاوى وأما شهادة الفاسق فان تحرى القاضى الصدق فى شهادته تقبل، وإلا فلا، فقال، وفى فتاوى القاعدية هذا إذا غلب على ظنه صدقه وهو مما يحفظ من أول كتاب القضاء" (ردالمحتار ۸/ ۱۷۸، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

مستورالحال شخص کی شہادت رویت ہلال کے باب میں مقبول ہے:

صوم وصلاۃ کا پابند ایسا مستورالحال شخص جس کا فاسق ہونا ظاہر نہ ہو ایسے شخص کی گواہی رویت ہلال کے سلسلے میں مقبول ہے۔

"**عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاء أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي رَأَيْتُ الْهِلَالَ قال الحسن فی حدیثه يَعْنِي رَمَضَانَ فَقَالَ أَتَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَالَ نَعَمْ قَالَ يَا بِلَالُ أَذِّنْ فِي النَّاسِ فليَصُومُوا غَدًا**" (سنن أبی داؤود/الصیام ۱/ ۴۲۰)۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "دریں حدیث دلیل ست برآنکہ یک مرد مستور الحال، یعنی آنکہ فسق او معلوم نہ باشد مقبول ست خبروے در ماہ رمضان وشرط نیست لفظ شہادت" (اشعۃ اللمعات، جلد دوم، ص ۷۹)، یعنی اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ ایک مرد مستورالحال یعنی جس کا فاسق ہونا ظاہر نہ ہو اس کی خبر ماہ رمضان میں مقبول ہے لفظ شہادت کی شرط نہیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا صحیح محمل:

فقہ حنفی کی کتابوں میں رویت ہلال کی شہادت کے سلسلے میں حضرت امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ قول منسوب ہے "**أنه يقبل قول الواحد عدلا كان غير عدل**" کہ رویت ہلال میں غیر عادل کی شہادت بھی معتبر ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا صحیح محمل علامہ ابن عابدین اور علامہ کاسانی وغیرہ حضرات علماء کرام نے مستورالحال کو قرار دیا ہے کہ رویت ہلال کی شہادت دینے والا شخص اگر مستورالحال ہے اور اس کا فسق ظاہر نہیں ہے تو اس کی شہادت اس باب میں قبول کرلی جائے گی، فتاوی شامی میں ہے:

"**وقول الطحاوی "أو غير عدل" محمول على المستور كما هو روايه الحسن؛ لأن المراد بالعدل من ثبتت عدالته، ولا ثبوت فی المستور، أما مع تبيين الفسق فلا قائل به عندنا**" (ردالمحتار: ۳/ ۲۵۲، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

سوال نمبر (۴) کا جواب: فاسق ذمہ داروں کی اطاعت کا حکم:

دینی معاملات ہوں یا دُنیاوی نظامِ حیات، وسیع دائرہ کار ہو یا مختصر، ہر حال میں صاحبِ امر کی کامل اطاعت کرنا ہی

مومن کا شعار ہے، قرآنِ کریم نے امیر کے لیے ''اولی الامر'' کا لفظ اختیار کر کے اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ان کی اطاعت کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اَطِيعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيعُوا الرَّسُولَ وَ اُولِى الاَمرِ مِنكُم" (النساء:٦٠)۔

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے حکام کی بھی اطاعت کرو)۔

جائز اور مباح امور میں فاسق امیر کی اطاعت واجب ہے:

کسی بھی مسجد، مدرسے، یا تنظیم وغیرہ کا ذمہ دار اور متولی حضرات جو اگرچہ خود فاسق و فاجر ہوں، اگر وہ اپنے ماتحت افراد کو معروف اور جائز و مباح کام کا حکم کرے، جس کے کرنے میں اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت لازم نہ آئے تو پھر ایسے ذمہ داران کا حکم واجب الاطاعت ہے یعنی ان کی بات ماننا ضروری ہے، مسلم شریف میں ہے۔

(۱)''عن أبی سلام قال: قال حذيفة بن اليمان ------ فی طويل -------- قال (رسول الله صلى الله عليه): يكون بعدی أئمة لا يهتدون بهدای ولا يستنون بسنتی وسيقوم فيهم رجال قلوبهم قلوب الشياطين فی جثمان إنس قال حذيفة: قلت: كيف أصنع يا رسول الله إن أدركت ذلک؟ قال: تسمع وتطيع وإن ضرب ظهرک وأخذ مالک فاسمع وأطع'' (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن ۲/ ۱۲۷)۔

(۲) ''عن إبن عباس عن رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم قال: من كره من أميره شيئا فليصبر عليه، فإنه ليس من أحد من الناس يخرج من السلطان شبرا فمات عليه إلا مات ميتة جاهلية'' (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، وجوب ملازمۃ جماعۃ المسلمین عند ظہور الفتن ۲/ ۱۲۸)۔

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کا موقف: علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''امام اگر معروف مباح کا حکم دے تو اسکی اطاعت واجب ہوتی ہے چاہے بذات خود امام فاسق و فاجر کیوں نہ ہو'' (التمہید لابن عبد البر القرطبی)۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ: حنفیہ کے خاتم المحققین علامہ ابن عابدین شامی (متوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں:

''وعند الحنفية ليست العدالة شرطا للصحة فيصح تقليد الفاسق للامامة مع الكراهة 'وذا قلد عدلا ثم جار وفسق لا ينعزل' ولكن يستحب العزل ان لم يستلزم فتنة 'ويجب أن يدعى له' ولا يجب الخروج عليه 'كذا عن أبی حنيفة' وكلمتهم قاطبة فی توجيهه هو أن الصحابة صلوا خلف بعض بنی

أمية وقبلوا الولاية عنهم'' (ردالمحتار علی درالمختار/کتاب الصلاۃ/باب الامامۃ جلد ۲ صفحہ ۳۳۴-۳۳۵،مکتبۃ التہانویہ دیوبند)۔

ابوداؤدشریف کی روایت سے استدلال: نمازجیسی اہم العبادات عمل میں گناہ کبیرہ کے مرتکب فاسق وفاجرشخص کی اطاعت واقتداء کاحکم ہےتو دیگرمباح امورمیں بھی فاسق امیرکی اطاعت واجب العمل ہوگی۔

''**عن أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ---- فی طويل --- الصَّلَاةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ مُسْلِمٍ، بَرٍّ أَوْ فَاجِرٍ، وَإِنْ هُوَ عَمِلَ بِالْكَبَائِرِ الخ**'' (سنن ابی داود،کتاب الجہاد، باب فی الغزو مع ائمۃ الجور ۱/ ۳۴۳)۔

معصیت ونافرمانی میں اطاعت جائزنہیں ہے:

کسی بھی ادارے یاتنظیم یاجماعت کاامیروذمہ دارخواہ وہ وقت کاولی کامل کیوں نہ ہواگروہ اپنے ماتحت افرادکو معصیت ونافرمانی کاحکم کرتے ہیں تو پھراس کی بات ماننا ناجائزوحرام ہے،اس لیے کہ اللہ کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائزنہیں،اسی واسطےقرآن کریم اورسنتِ نبوی ﷺ میں ہرجگہ''اطاعت'' کاحکم''معروف'' سےمشروط ہی دکھائی دیتاہے۔جیساکہ ذکرہےکہ''**طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ**'' (النور:۵۴)۔

یعنی معروف کےمطابق اطاعت کرو''**وَلَا يَعْصِينَكَ فِی مَعْرُوفٍ**'' (الممتحنۃ:۱۳)،یعنی معروف امورمیں تیری نافرمانی نہیں کریں گی،اسی طرح حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بیعت لیتے وقت یہ بھی اقرارلیا:''**لا تعصوا فی معروف**'' کہ معروف میں نافرمانی نہیں کروگے (صحیح البخاری/کتاب الایمان،باب علامۃ الایمان حب الانصار ۱/ ۷ رقم الحدیث:۱۸)، بخاری شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا:''**الطاعه فی المعروف**''(صحیح البخاری،کتاب المغازی،باب سریۃ عبداللہ بن حذافۃؓ ۲/ ۶۲۲،رقم الحدیث:۴۳۴۰)،مسلم شریف میں ہے:''**عن إبن عمر عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنه قال: علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما أحب وكره الا أن يؤمر بمعصية، فإن أمر بمعصية فلا سمع ولاطاعة**'' (صحیح مسلم،کتاب الامارۃ،باب وجوب طاعۃ الأمراء فی غیرمعصیۃ ۲/ ۱۲۶)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کسی بھی مسجد یاادارے یاتنظیم کافاسق ذمہ داراگروہ معصیت ونافرمانی کاحکم کرےتواس کی اطاعت جائزنہیں ہےاوراگروہ جائزاورمباح کاموں کاحکم کریں تو پھراس کاحکم اس کے ماتحت افراد کے لیے واجب الاطاعت ہے۔

سوال نمبر (۵) کا جواب

فسق فی العقیدہ سے کیا مراد ہے اور جو لوگ اعتقادی اعتبار سے فاسق ہوں ان کے لیے کیا احکام ہیں؟

فسق کے اقسام: ''کفر'' اور ''فسق'' دو لفظ ہیں، بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کفر کا تعلق عقیدہ سے ہے اور فسق کا تعلق فقط اعمال سے ہے، کوئی آدمی خلافِ شرع کام کرتا ہو تو اُسے فاسق کہا جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فسق کا تعلق عقیدہ اور عمل دونوں سے ہوتا ہے، گویا فسق کی دو قسمیں ہیں: (۱) فسق فی الاعمال (۲) فسق فی العقیدہ۔

فسق فی الاعمال کسے کہتے ہیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت شدہ عقائد حقہ صحیحہ کو بلا کم وکاست مانتے ہوئے عملی کوتاہی (یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب یا گناہ صغیرہ پر اصرار) کرنا فسق فی الاعمال کہلاتا ہے، اور عقائد صحیحہ کا حامل اگر اس طرح کے عملی کوتاہی میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے فاسق فی الاعمال کہا جاتا ہے، عرف عام میں جب ''فاسق'' کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی فاسق فی الاعمال مراد ہوتے ہیں، جس کے احکام اوپر کے سوالات کے جواب میں مفصلا گزر چکے ہیں۔

فسق فی العقیدہ کسے کہتے ہیں؟

عقیدہ کا فسق یہ ہے کہ انسان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے بتلائے ہوئے عقائد حقہ صحیحہ مستمرہ سے ہٹ جائے، جب وہ ان عقائد سے ہٹے گا تو فسق فی العقیدہ، یعنی بدعت اعتقادی میں مبتلا ہو جائے گا، اور اس طرح عقائد باطلہ کے حاملین اور بدعتی حضرات کو فاسق فی العقیدہ کہا جاتا ہے، اور کبھی کبھی یہ فسق فی العقیدہ کفر تک بھی پہنچا دیتا ہے۔

فاسق فی العقیدہ اہلِ بدعت کے ساتھ پانچ قسم کے معاملات کے احکام

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ ''بیان القرآن'' میں کفار کے ساتھ ہونے والے تین قسم کے معاملے کے تفصیلی احکام بیان فرماتے ہوئے اخیر میں ذکر کرتے ہیں: ''اور یہی حکم ہے فساق اور اہل بدعت کا جیسا کہ روایات سے ظاہر ہے'' جن کا خلاصہ درج ذیل ہے: (۱) موالات: یعنی دوستی اور دلی تعلق۔ (۲) مدارات: یعنی ظاہری خوش اخلاقی۔ (۳) مواساۃ: یعنی احسان ونفع رسانی۔ (۴) معاملات: یعنی خرید وفروخت۔ (۵) مناکحت: باہم نکاح کرنا۔ ان

معاملات میں تفصیل یہ ہے: (۱) موالات (یعنی قلبی دوستی) تو کسی حالت میں جائز نہیں۔ (۲) مدارات (یعنی خوش اخلاقی) تین حالتوں میں درست ہے، ایک دفع ضرر (یعنی نقصان سے بچنے) کے واسطے۔ دوسرے اس کی دینی مصلحت یعنی ہدایت کی توقع کے واسطے۔ تیسرے اکرامِ ضیف کے لیے۔ اور اپنی مصلحت یا مالی منفعت یا جاہ کے لیے درست نہیں، خصوصاً جب کہ دینی ضرر (نقصان) کا بھی خوف ہو تو بدرجہ اولیٰ یہ اختلاط حرام ہوگا۔ (۳) مواساۃ (یعنی احسان ونفع رسانی) کا حکم یہ ہے کہ اہلِ حرب کفار کے ساتھ (یعنی جن کفار سے جنگ وقتال ہے ان کے ساتھ) ناجائز ہے، اور غیر اہلِ حرب کفار کے ساتھ جائز ہے۔ اور یہی حکم فساق اور اہلِ بدعت کا ہے۔ (مأخوذ از بیان القرآن ۲۱۷/۱، تفسیر سورۃ آل عمران، مکتبہ فیصل انٹرنیشنل دہلی)، حضرت مفتی شفیع احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ نے معارف القرآن میں ایک چوتھے معاملے کا اضافہ فرمایا ہے (۴) معاملات (خرید و فروخت) کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں عام مسلمانوں کے معاشرے کو نقصان نہ ہوتا ہو تو باہم خرید وفروخت بھی جائز ہے۔ (مستفاد از معارف القرآن ۵۱/۲، تفسیر سورۃ آل عمران، مکتبہ دار الکتب دیوبند) اہل بدعت کے ساتھ ایک اور معاملہ عموماً پیش آتا ہے وہ ہے، مناکحت یعنی نکاح کرنے کا جس کا حکم درج ذیل ہے: (۵) مناکحت کا حکم یہ ہے کہ جو بدعت کفر تک نہ پہنچائے ایسے اہلِ بدعت سے گو نکاح حرام نہیں، بلکہ جائز ہے، لیکن اگر اہلِ بدعت کی اصلاح کی امید نہ ہو تو ان سے نکاح کرنے سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس بات کی امید ہو کہ اچھے سلوک اور اچھے اخلاق کی وجہ سے متاثر ہو کر اہل بدعت آپ سے جڑ جائیں گے اور اپنی بدعت سے توبہ کرلیں گے تو ان سے تعلق رکھنا چاہیے اور ان کا خوب اکرام کرنا چاہیے، لیکن اگر اس بات کی بالکل کوئی امید نہ ہو اور ان سے تعلق رکھنے کی صورت میں اپنے بگڑنے کا اندیشہ ہو اور قطع تعلقی کرنے کی صورت میں ان کو اور دیگر لوگوں کو عبرت ہونے اور توبہ کرنے کی امید ہو تو اس صورت میں ان سے قطع تعلقی کر لینی چاہیے؛ تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں، ایسے لوگ جو علانیہ گناہوں اور بدعات کا ارتکاب کرنے والے ہوں اور اپنے عمل سے باز نہ آتے ہوں ان سے میل جول، بات چیت ترک کردینا شریعت میں ثابت ہے، لہٰذا اس صورت میں ان کے ساتھ اصل ہمدردی یہی ہے کہ انہیں راہِ راست پر لانے اور دیگر لوگوں کی عبرت کے لیے ان سے قطع تعلق کیا جائے، ایسے لوگوں کے ساتھ تعلق قائم رکھ کر ہم دردی کرنا گناہ اور غلط کاموں میں معاونت اور ان کی حوصلہ افزائی ہے۔

فاسق فی العقیدہ کی اقتدا میں نماز:

کسی شخص کی اقتدا میں نماز کے جواز اور عدمِ جواز کا تعلق اس کے عقیدے اور نظریے سے ہے؛ اگر امام کا عقیدہ حدِ کفر وشرک تک نہ پہنچتا ہو، صرف بدعات میں مبتلا ہو تو ایسے بدعتی کی اقتدا میں نماز ادا کرنا کراہت کے ساتھ جائز ہوگی، لہٰذا صحیح العقیدہ امام کی موجودگی میں، بدعتی کی اقتدا میں نماز ادا نہیں کرنی چاہیے، البتہ اگر صحیح العقیدہ امام میسر نہ ہو تو جماعت ترک

کرنے کے بجائے بدعتی کی اقتدا میں نماز ادا کرلی جائے، بشرطیکہ وہ کسی کفریہ عقیدہ کا حامل نہ ہو، اس صورت میں نماز ادا ہوجائے گی، اور جماعت کا ثواب بھی حاصل ہوجائے گا، تاہم صحیح العقیدہ متقی امام کی اقتدا میں پڑھی گئی نماز کا ثواب زیادہ ہے، البتہ کفریہ وشرکیہ عقائد کے حامل شخص کی اقتدا میں نماز ادا کرنا جائز نہیں، ایسے شخص کی امامت میں ادا کردہ نماز واجب الاعادہ ہوگی (دیکھئے: البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ ۱/۳۶۹، ۳۷۰)۔

فاسق فی العقیدہ شخص کی شہادت:

شہادت کے لیے جو ''عدالت'' مطلوب ہے اس سے مراد ''عدالت فی الاعمال'' ہیں نہ کہ ''عدالت فی العقائد''۔ لہٰذا اگر کوئی شخص فاسق فی العقائد ہیں، البتہ فاسق فی الاعمال نہیں ہیں (یعنی عادل فی الاعمال ہیں) یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب نہیں کرتا یا گناہ کبیرہ کے بعد توبہ کرلیتا ہے اور گناہ صغیرہ پر اصرار نہیں کرتا اور نہ ہی گناہ صغیرہ کرنے کی ان کی عادت ہے تو باوجود کے وہ عقائد میں فاسق ہیں، لیکن چونکہ عملا وہ عادل ہیں اس لیے ان کی شہادت مقبول ہوگی، البتہ یہ شرط ہے کہ ان کا عقیدہ کفر اور شرک کی حد تک نہ پہنچے۔ اور اگر فاسق فی العقائد شخص فاسق فی الاعمال بھی ہیں تو پھر ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی۔

''وتقبل من أهل الهواء أی اصحاب بدع لا تكفر كجبر – الخ (الدر المختار) وفی الشامية: إنما تقبل شهادتهم لأن فسقهم من حيث الاعتقاد وما أوقعهم فيه، إلا التعمق والغلو فی الدين والفاسق إنما ترد شهادته بتهمة الكذب ...فمن و جب اكفاره منهم، فالأكثر على عدم قبوله'' (ردالمحتار مع درالمختار ۸/۱۸۸)۔

سوال (۶) کا جواب: فاسق اگر توبہ کرلے تو اس کی شہادت معتبر ہے:

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ فاسق اگر توبہ کرلے تو اس کی عدالت لوٹ آتی ہے اور اس کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔

''سقطت عدالته وتعود إذا تاب لكن قال فی البحر وفی الخانية الفاسق إذا تاب لا تقبل شهادته ما لم يمض زمان يظهر التوبة ثم بعضهم قدره بستة أشهر وبعضهم قدره بسنة والصحيح أن ذلک مفوض إلى رأی القاضی والمعدل ،وفی الخلاصة، ولو كان عدلا فشهد بزور ثم تاب فشهد تقبل من غير مدة'' (ردالمحتار ۸/۱۹۰، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

بخاری شریف کے ایک اثر سے استدلال:

بخاری شریف میں اثر ہے: **''وجلد عمر ابا بكرة وشبل بن معبد ونافعا بقذف المغيرة، ثم استتابهم**

وقال من تاب قبلت شهادته واجازه عبد الله بن عتبة وعمر بن عبد العزيز وسعيد بن جبير وطاؤس ومجاهد والشعبي وعكرمة والزهري ومحاريب بن دثار وشريح ومعاوية بن قرة" (صحیح البخاری، باب شہادۃ القاذف والسارق والزانی ۱/ ۳۶۱)، اس اثر میں ہے کہ حدقذف والا توبہ کرے تو اس کی گواہی مقبول ہے، آیت میں ہے کہ حدقذف والا فاسق ہوتا ہے: "**ولا تقبلوا لهم شهادة أبدا وأولئک هم الفاسقون إلا الذين تابوا من بعد ذلک وأصلحوا**" (آیت ۵۴، سورۃ النور) کہ محدود فی القذف کی گواہی کبھی قبول نہ کرو وہ فاسق ہے، مگر جو توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اس کی گواہی قبول کرو، اس آیت میں ہے کہ حدقذف والا فاسق ہے، اس کے باوجود اس کی گواہی اثر کی بنا پر مقبول ہے تو اور فاسقوں کی گواہی بھی مقبول ہوگی، بخاری شریف کے اندر موجود مذکورہ باب میں ذکر کردہ عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی موقف یہی ہے کہ فاسق اگر توبہ کرلے تو اس کی شہادت معتبر ہے۔

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم العالیہ "قاموس الفقہ" میں تحریر فرماتے ہیں: "لیکن جو شخص لوگوں میں دروغ گو کی حیثیت سے معروف ہو، (جیسا کہ آج کل بعض کرایہ کے گواہ دستیاب ہوتے ہیں) اور وہ جھوٹ سے تائب ہوجائیں تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور جھوٹ ہی پر موقوف نہیں جو بھی سبب فسق ہو، اگر اس سے توبہ کرلے تو توبہ قبول ہوگی" (بدائع الصنائع ۶/ ۲۶۹، قاموس الفقہ ۴/ ۴۵۴، مکتبہ نعیمیہ دیوبند)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر فاسق شخص زبان سے توبہ کرلے تو اگرچہ وہ اپنی توبہ کے مطابق عمل پیرا نہ ہو صحیح قول کے مطابق اس کی توبہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول ہوگی، لہٰذا ایسا فاسق شخص جو فسق سے تائب ہو اس کی شہادت معتبر ہوگی۔

سوال نمبر (۷) کا جواب: داڑھی فطرت اسلام اور تمام انبیاء کی سنت مستمرہ ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "امام مسلم" اور اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "**عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواک، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء قال زكريا: قال مصعب: ونسيت العاشرة، إلا أن تكون المضمضة**" (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ ۱/ ۲۹، رقم الحدیث: ۲۶۱، ابوداؤد شریف، کتاب الطہارۃ، باب السواک من الفطرۃ ۱/ ۸، سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب الفطرۃ ۱/ ۲۵، رقم الحدیث: ۲۹۳)، یعنی مذکورہ دس چیزیں فطرت یعنی انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی ان سنتوں میں سے ہیں جن کی اقتدا کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، ان میں سے ایک داڑھی بھی ہے، یعنی داڑھی اس سنت قدیم میں سے ہے جس کو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام نے اختیار فرمایا اور اس پر تمام شرائع متفق ہیں، گویا کہ وہ امر جبلی ہے جس پر انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کو پیدا کیا گیا ہے (فتاوی رحیمیہ، الحضر والاباحۃ ۱۰/ ۱۰۶، مکتبہ دارالاشاعت کراچی)۔

داڑھی رکھنا واجب اور کٹانا حرام ہے:

داڑھی رکھنا ہر مسلمان پر واجب اور ضروری ہے، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے: ''أَنَّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم أَمَرَ بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ، وَإِعْفَاءِ اللِّحْيَةِ'' (صحیح مسلم ۱/۱۲۹، رقم الحدیث: ۵۳/۲۵۹)، (آپ ﷺ نے مونچھیں کاٹنے اور داڑھیاں بڑھانے کا حکم دیا)۔ اسی طرح بہت سی صحیح احادیث ایسی ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغہ امر کے ساتھ ڈاڑھی رکھنے کا حکم فرمایا ہے اور امر حقیقت میں وجوب کے لیے ہوتا ہے، اور کسی چیز کے وجوب کا حکم اس چیز کے مخالف کی حرمت کو ثابت کرتا ہے، اس لیے داڑھی کا کٹوانا حرام و ناجائز ہے: ''**ذهب عامة العلماء الذين قالوا : بأن موجب الأمر الوجوب من أصحابنا، وأصحاب الشافعي، وأصحاب الحديث إلى أن الأمر بالشيء نهى عن ضده، إن كان له ضد واحد كالأمر بالإيمان نهى عن الكفر، وإن كان له أضداد كالأمر بالقيام، فإن له أضداد من القعود والسجود، والاضطجاع ونحوها يكون الأمر نهيا عن الأضداد كلها**'' (کشف الاسرار علی أصول فخر الإسلام، باب حکم الأمر والنہی، کراچی ج ۲ ص ۳۲۸-۳۲۹) ''**وجوب الشيء يتضمن حرمة ضده، يعني إذا وجب الشيء يفهم في ضمن وجوبه أن ضد هذا الشيء حرام**'' (کشف المبہم ۱۱۱)، ''**وقد قام الدليل على وجوب إعفاء اللحية وقص الشارب**'' (أحکام القرآن للتہانوی ۱/۴۶)۔

داڑھی منڈوانا ائمہ اربعہ سمیت جمہور امت کے نزدیک حرام ہے:

داڑھی منڈوانا ایسا جرم ہے کہ اس کی حرمت پر ائمہ اربعہ سمیت ساری امت کا اجماع ہے، امت کا ایک فرد بھی اس قبیح فعل کے جواز کا قائل نہیں ہے، سنن ابوداود کے شارح صاحب "المنہل العذب المورود علامہ سبکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''**كان حلق اللحية محرّماً عند ائمة المسلمين المجتهدين أبي حنيفة، ومالك، والشافعي، وأحمد وغيرهم –رحمهم الله تعالى**'' (المنہل العذب المورود، کتاب الطہارۃ، أقوال العلماء فی حلق اللحیۃ واتفاقہم علی حرمتہ: ۱/۱۸۶، مکتبہ موسسۃ التاریخ العربی، بیروت، لبنان)۔

ائمہ اربعہ کے نزدیک داڑھی ایک مشت سے کم کرانا بھی حرام ہے:

اسی طرح چاروں فقہاء امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک ایک مٹھی کے برابر داڑھی رکھنا واجب و لازم ہے، ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا یا کاٹ کر مشت سے کم کر دینا حرام و ناجائز ہے (مستفاد از

جواہر الفقہ ۷/ ۱۵۹، مکتبہ زکریا دیوبند، امداد الفتاوی جدید مطول حاشیہ/ الحضر ۹/ ۳۰۹، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

فتاوی شامی میں ہے: ''**وأما الأخذ منها وهی دون ذلک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال، فلم یبحه أحد، وأخذ کلها فعل یهود الهند، ومجوس الأعاجم**'' (درالمختار مع ردالمحتار، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ، مطلب فی الأخذ من اللحیۃ ۳/ ۳۹۸، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

فتح القدیر میں ہے: ''**عن أبی هریرة رضی الله تعالی عنه، عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم: "جزوا الشوارب، وأعفوا اللحی خالفوا المجوس" فهذه الجملة واقعة موقع التعلیل، وأما الأخذ منها وهی دون ذلک – کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال – فلم یبحه أحد**'' (فتح القدیر، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارۃ ۲/ ۳۴۸، مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

داڑھی ایک مشت سے کم کرانے کی حرمت پر بھی امت کا اجماع ہے:

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ بوادر النوادر میں لکھتے ہیں: ''**قلت (الأحقر): قوله: لم یبحه أحد نصٌّ فی الإجماع، فقط**'' (بوادر النوادر، پچپنواں نادرہ در اجماع بر حرمت اخذ لحیہ دون القبضہ، ص: ۴۴۳، ادارہ اسلامیات لاہور)، یعنی صاحب درمختار اور صاحب فتح القدیر کا قول ''**لم یبحه أحد**'' داڑھی منڈانے اور کٹوانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے (فتاوی رحیمیہ ۱۰/ ۱۱۰)، فیض الباری شرح بخاری میں ہے: ''**وأما قطع مادون ذلک فحرام إجماعاً بین الأئمة رحمهم الله**'' (فیض الباری شرح البخاری ج ۴ ص ۳۸۰، باب اعفاء اللحی)، ''العرف الشذی'' میں علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**وأما تقصیرُ اللحیة بحیثُ تصیرُ قصیرة من القبضة، فغیرُ جائزٍ فی المذاهب الأربعة**'' (العرف الشذی، کتاب الآداب، باب ماجاء فی تقلیم الأظفار، ۴/ ۱۶۲، مکتبہ دار الکتب العلمیۃ)۔

''جواہر الفقہ'' میں ہے: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''باجماع امت داڑھی منڈانا حرام ہے، اسی طرح ایک قبضہ (مٹھی) سے کم ہونے کی صورت میں کتروانا بھی حرام ہے، ائمہ اربعہ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے'' (جواہر الفقہ، احکام الخطاب فی بعض أحکام اللحی والخضاب ۷/ ۱۵۹-۱۶۰، مکتبہ دار العلوم کراچی)۔

ایک مشت سے زائد داڑھی کے بڑھے ہوئے بال کو کاٹنے کی گنجائش:

بالوں کی لمبائی کے لحاظ سے داڑھی کی مقدار مسنونہ ایک مشت ہے، اس سے زائد بال ہوں تو ایک مشت کی حد تک رکھ کر اس سے زائد بال کو کاٹ سکتے ہیں، اور ایک مشت سے بہت زائد لمبی داڑھی رکھنا جس سے چہرہ بالکل بدنما لگنے لگے یہ

سنت کے خلاف ہے، مشت سے اتنی زیادہ داڑھی رکھی جائے جس میں خوب صورتی اور وقار ہو، روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ریش مبارک کے طول وعرض سے بڑھے ہوئے زائد بالوں کو کتر لیتے تھے، چنانچہ ترمذی شریف میں ہے:

"عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، أن رسول الله صلى الله عليه كان يأخذ من لحيته من طولها وعرضها" (سنن الترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء فی الأخذ اللحیۃ، ۲/ ۱۰۵، رقم الحدیث: ۲۷۶۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے بڑے فدائی ہیں اور آپ کی سنتوں کے بڑے شیدائی ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے عمل کو بطور معیار پیش کیا ہے۔

"وكان ابن عمر إذا حج، أو اعتمر قبض على لحيته فما فضل أخذه" (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب تقلیم الأظفار ج ۲ ص ۸۷۵، رقم الحدیث: ۵۸۹۲)، شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا یہ عمل ایام حج کے زمانے ہی کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، بلکہ وہ ایام حج کے علاوہ بھی ایک مشت سے زائد بڑھے ہوئے داڑھی کے بال کو کاٹنا مسنون سمجھتے تھے۔ (دیکھئے: فتح الباری، کتاب اللباس، باب تقلیم الأظفار ۱۳/ ۴۲۹، تحت رقم: ۸۹۲۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت)، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ وہ بھی ایک مشت سے زائد بڑھے ہوئے داڑھی کے بال کو کاٹ دیا کرتے تھے (حاشیہ بخاری شریف ۲/ ۸۷۵ حاشیہ نمبر ۷ باب اعفاء اللحیہ الخ)، حضرات صحابہ کرام کے ان اعمال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا عرض اور طول میں داڑھی کترنا اسی مقدار اور کیفیت سے ہوتا تھا، اور یہ ثابت ہوا کہ داڑھی کی مقدار مسنونہ ایک مشت ہے، لہٰذا اس سے کم کرنا اور خشخشی داڑھی رکھنا از روئے شرع جائز نہیں ہے (فتاوی رحیمیہ ۱۰/ ۱۱۰)، مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت حسن سے مروی ہے کہ حضرات صحابہ کرام کے یہاں بھی ایک مشت سے زائد داڑھی کے بال کاٹنے کی اجازت تھی: **"عن الحسن قال: كانوا يرخصون فيمازاد على القبضة من اللحية أن يؤخذ منها"** (مصنف ابن أبی شیبۃ، مؤسسۃ علوم القرآن بیروت ۱۳/ ۱۱۲، رقم الحدیث: ۲۵۹۹۵)، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مشت سے زائد بڑھے ہوئے داڑھی کے بال کو کاٹ کر چہرے کو خوبصورت بنانا یہ پسندیدہ ہے اور از راہ شہرت ایک مشت سے اتنی زیادہ لمبی داڑھی رکھنا جس سے چہرہ بدنما لگنے لگے، یہ مکروہ ہے: **"يكره حلقها وقصها وتحريقها، وأما الأخذ من طولها، وعرضها فحسن و يكره الشهرة فی تعظيمها كما تكره فی قصها"** (شرح النووی علی مسلم ۱/ ۱۲۹، المکتبۃ الأشرفیۃ دیوبند)، فتاوی شامی میں ہے: **"ويحرم على الرجل قطع لحيته"** (درمختار) **"والسنة فيها القبضة وهو أن يقبض الرجل لحيته وما زاد منها على قبضته قطعه، كذا ذكره محمد فی كتاب الآثار عن الإمام قال: وبه نأخذ"** (درمختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ ۹/ ۵۸۳، مکتبہ زکریا دیوبند)، امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب الآثار میں ہے:

''عن ابن عمر أنه كان يقبض على لحيته، ثم يقص ما تحت القبضة قال محمد: و به نأخذ، وهو قول أبی حنيفة'' (کتاب الآثار ۱/ ۱۹۸)۔

داڑھی منڈانے والا یا ایک مشت سے چھوٹی رکھنے والا فاسق ہے:

جب دلائل مذکورہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ بقدر ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ولازم ہے، اور کسی شئ کے وجوب کا ثبوت اس کے خلاف کی حرمت کو ثابت کرتا ہے، جیسا کہ ماقبل کے دلائل سے داڑھی منڈانے یا ایک مشت سے کم کرنے کی حرمت ثابت ہے، اور حرمت کا مرتکب شریعت کی نظر میں "فاسق" شمار ہوتا ہے، تو اگر کوئی شخص داڑھی منڈواتا ہو یا کتروا کر ایک مشت سے کم کرتا ہو، وہ فاسق اور گناہ گار ہے، تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ میں ہے:

''قال العلائی فی کتاب الصوم قبیل فصل العوارض: إن الأخذ من اللحیة، وهی دون القبضة، کما یفعله بعضُ المغارِبة ومُخَنَّثة الرجالِ، لَم یُبِحْه أحدٌ، وأَخْذُ کلِّها فعلُ الیهود والهنودِ ومَجوس الأعاجِم اهـ فحیثُ أَدْمَن علی فعلِ هذا المحرَّمِ یفسُقُ، وإن لم یکن ممن یستخفونه ولا یعُدُّونَه قادحاً للعدالة والمروة، إلخ'' (تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، کتاب الشہادۃ ۴/ ۲۳۸، مکتبۃ رشیدیہ، کوئٹہ)۔

کفایت المفتی میں ہے: ''فقہاء کرام نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو واجب قرار دیا ہے اور اس سے کم رکھنے والے کو تارک الواجب ہونے کی بنا پر فاسق کہا ہے'' (کفایت المفتی ۹/ ۱۷۶، دار الاشاعت، کراچی)۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: ''مردوں کے لیے داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کی مقدار شرعی ایک قبضہ، یعنی ایک مشت ہے.....لہٰذا داڑھی رکھنا واجب اور ضرورت ہے، منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے'' (فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحظر والاباحہ، داڑھی کا وجوب اور ملازمت کی وجہ سے اس کا منڈانا: ۱۰/ ۱۰۶، دار الاشاعت، کراچی) حرام اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے۔ (از مرتب)

خلاصہ تحریر یہ ہے کہ داڑھی منڈانے والا یا ایک مشت سے کم کٹوانے والا اور اس پر اصرار ومداومت کرنے والا شریعت کی نظر میں فاسق سمجھا جائے گا۔

☆☆☆

موجودہ زمانہ میں فسق سے مراد اور اس کے احکام ومسائل

قاضی محمد ریاض ارمان قاسمی☆

فسق کی تعریف

فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں، جب کھجور اپنے چھلکے سے علیحدہ ہوجائے ،تو عرب لوگ کہتے ہیں: ''**قد فسقت الرطبة من قشرها**''۔(کھجور اپنے چھلکے سے علیحدہ ہوگئی)،اور کہا جاتا ہے:''**فسق فلان فی الدنیا فسقا**''،اور کہا جاتا ہے:''**رجل فاسق۔ و فِسُق و فُسَق**'' (ہمیشہ گناہ کرنے والا)،اور کہا جاتا ہے: ''**فُوَیسقَۃ**'' چوہیا اور یہ فاسقہ کی تصغیر ہے۔اس لئے کہ اس کا اپنے بل سے لوگوں کی طرف نکلنا اور فساد برپا کرنا (اس کا کام ہے)، اور ''**تفسیق**'' کا معنی عدل وانصاف کے الٹ ہے۔

فسق کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفر وانکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی، اس لئے لفظ فاسق کافر کے لئے بھی بولا جاتا ہے، قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین کافروں ہی کے لئے استعمال ہوا ہے، اور مؤمن گنہگار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے، ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسیم قرار دیا گیا ہے، جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے اور اس کی عادت بنالے وہ فقہا کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے۔

''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح''میں ہے:''**والفسق لغةً: خروج عن الاستقامة وهو معنى قولهم: خروج الشيء عن الشيء على وجه الفساد، وشرعًا: خروج عن طاعة الله تعالى بارتكاب كبيرة۔ قال**

☆ دارالقضاء ناگپاڑہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ ناگپاڑہ ممبئی

القهستانی: أو إصرار علی صغیرة'' (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۱/ ۳۰۳)۔

لفظ فسق کے تعلق سے مختصر تمہید

فسق کے مقابلہ میں عدالت اور فاسق کے مقابلہ میں عادل کا لفظ استعمال ہوتا ہے، فسق کے معنی اصل میں نافرمانی کے ہیں، اس اعتبار سے فسق کے معنی میں وسعت پیدا ہوجاتی ہے اور کبائر ہی نہیں، بلکہ کفر فسق میں شامل ہوجاتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں بعض مواقع پر کافر کو فاسق سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن فقہاء کی اصطلاح میں فسق کفر سے کمتر درجہ کی نافرمانی ہے (قاموس الفقہ ۴/ ۴۵۳)۔

کیا فسق کی کوئی متعین تعریف ہے؟

قرآن وحدیث نے فسق کا کوئی قطعی تعریف ومفہوم متعین نہیں کیا ہے، کیونکہ ہر زمانہ کے احوال اور لوگوں کے اخلاق کوائف وحالات مختلف ہوتے ہیں، اور ان میں تفاوت ہوتا ہے، اس لیے فقہاء کے یہاں فسق کا مفہوم اور فاسق کا مصداق متعین کرنے میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ علامہ کاسانی نے ان اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

عادل وفاسق سے مراد:

عادل وہ ہے کہ جس کے کسب اور عفت وعصمت پر انگلی نہ اٹھائی گئی ہو: ''**من لم یطعن علیه فی بطن ولا فرج فهو عدل**''۔

عادل وہ ہے کہ جس کی نسبت سے کوئی جرم معروف نہ ہو۔

جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور فرائض کو ادا کرتا ہو۔

ان تعریفات کے ساتھ علامہ کاسانیؒ نے ایک تعریف اور بھی کی ہے، جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں وہ عادل ہے: ''**من غلب حسناته سیاته**''، اب جو عادل نہیں ہوگا وہ فاسق کہلائے گا، دراصل فسق کا مصداق متعین کرنے میں احوال زمانہ کو بڑا دخل ہے؛ مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے جھوٹ بولنے سے اطمینان نہ ہو، اس کی گواہی، قابل قبول نہیں ہوگی، اور جس آدمی کے بارے میں توقع ہو کہ وہ زیر تحقیق معاملہ میں جھوٹ نہ بولے گا، گواہی اور قضاء وغیرہ کے معاملہ میں اسے عادل سمجھا جائے گا، کاسانی ہی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک آدھ بار دروغ گوئی میں مبتلا ہوا اور پھر توبہ کرلی، تو شہادت قبول کی جائے گی، کیوں کہ اگر ایسوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے، تو گواہی کا

دروازہ ہی بند ہوجائے گا:''لأنه قل ما يخلو مسلم عن ذالک فلو منع القبول لا نسد باب الشهادة''، چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے ایسے شخص کی گواہی کو بھی قابل قبول قرار دیا ہے، جو لوگوں میں صاحب وجاہت ہو اور خیال کیا جاتا ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا، لیکن جو شخص لوگوں میں دروغ گو کی حیثیت سے معروف ہو (جیسا کہ آج کل بعض کرایہ کے گواہ دستیاب ہوتے ہیں) اور وہ جھوٹ سے تائب ہوجائیں، تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی، اور جھوٹ ہی پر موقوف نہیں جو بھی سبب فسق ہو، اگر اس سے توبہ کرلے تو توبہ قبول ہوگی، پھر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ظاہری عدالت گواہی کے قبول کرنے کے لیے کافی ہے، سوائے اس کے کہ فریق مخالف گواہ پر جرح کرتا ہو تو اب اس گواہ کے بارے میں خفیہ طریقہ پر تحقیق وتفتیش ضروری ہوگی ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک محض ظاہری عدالت کی بنا پر گواہی قبول نہیں کی جاسکتی (قاموس الفقہ ۴/ ۴۵۳)۔

موجودہ حالات میں عبادات، معاملات میں فسق پر احکام کا مرتب ہونا

فسق سے مراد اگر کفر لیں تو موجودہ حالات میں عبادات، معاملات میں فسق پر احکام کا مرتب ہونا، ایک امر واقعی ہے، لیکن اگر فسق سے مراد کفر سے کمتر درجہ کی نافرمانی ہو، جیسا کہ فقہاء فسق سے مراد لیتے ہیں تو اس سلسلہ میں ہر مسئلہ کی نوعیت الگ ہے، جیسے اندھے، مسافر اور تاریکی میں قید شخص کو نماز کے وقت کی اطلاع فاسق شخص دے، اگر وہ اس کو اس خبر میں سچا سمجھتے ہوں تو ان کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کی خبر کو قبول کریں، ورنہ اس کی خبر کو رد کردیں۔

اسی طرح مسافر کو نماز میں قصر کرنے کا حکم ہے، اگر فاسق مسافر ہو تو یہ حکم اس کے لیے بھی ہے کہ وہ قصر کرے گا، ایسا نہیں ہے کہ اس کو اس کے فسق کی وجہ سے سفر میں قصر سے روک دیا جائے گا:''فإذا ضربتم فی الأرض فليس عليكم جناح أن تقصروا من الصلاة'' (سورہ النساء ۱۰۱)، اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسافر کے لیے قصر کا حکم دیا ہے، اس میں فسق اور غیر فسق کا فرق نہیں فرمایا ہے، اس لیے فاسق اگر مسافر ہو تو وہ بھی اپنی نماز میں قصر کرے گا۔

اسی طرح اگر کوئی فاسق کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے تو کسی بھی صالح آدمی کے لیے درست نہیں ہے کہ وہ اس کے اوپر نکاح کا پیغام دے، اس لیے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے بھائی کے بیع کے اوپر بیع کرنے اور خطبہ کے اوپر خطبہ سے منع فرمایا ہے اور اس میں فاسق وعادل کے درمیان فرق نہیں کیا گیا ہے۔

اسی طرح عورت فاسقہ ہو تو اس کے شوہر کے لیے اس کو طلاق دینا واجب نہیں ہے، بلکہ وہ اس کو اپنے نکاح میں رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے، البتہ مستحب ضرور ہے کہ وہ ایسی عورت کو طلاق دے دے۔

ان تمام نظائر سے پتہ چلتا ہے کہ حنفیہ کے یہاں عبادات کے معاملہ میں فسق کی وجہ سے احکام پر اثر مرتب نہیں

ہوگا، جوحکم عادل کے لیے ہے وہی حکم فاسق کے لیے ہے۔

معاملات میں فسق پر احکام کا مرتب ہونا

اسی طرح معاملات میں فسق کی وجہ سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا، جیسے عادل سے بیع وشراء، اجارہ، اور دوسرے معاملات کیے جاسکتے ہیں، اسی طرح فاسق سے بھی یہ سب معاملات ہو سکتے ہیں، فاسق سے معاملات طے کرنا جائز ہے؛ حتی کہ فاسق کو قاضی بنایا جاسکتا ہے، اس کا فیصلہ شریعت کے مطابق ہوتو وہ نافذ ہوگا، البتہ عادل کا قاضی بنانا پسندیدہ ہے، اور عادل سے معاملات کرنے میں دھوکہ کا اندیشہ نہیں ہوگا لیکن فاسق سے معاملہ کرنے سے وہ معاملہ نافذ ہوگا، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ فسق کی وجہ سے حنفیہ کے یہاں عبادات معاملات وغیرہ میں الگ سے دوسرے احکام مرتب نہیں ہوں گے۔

نماز روزہ کے پابند ڈاڑھی نہ رکھنے والے کی گواہی کا حکم

جولوگ ڈاڑھی نہیں رکھتے ہوں البتہ نماز روزہ کے پابند ہوں، اور جھوٹ بولنے میں مشہور نہ ہوں تو رویت ہلال اور اختلافی معاملات میں ان کی شھادت قبول کی جائے گی، اس لیے کہ ڈاڑھی رکھنے کے وجوب کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، کچھ لوگ ڈاڑھی رکھنے کو سنن عادیہ میں شمار کرتے ہیں، اس لیے اگر کوئی ڈاڑھی نہیں رکھے تو اس کو فاسق معلن نہیں کہہ سکتے ہیں، اور فاسق غیر معلن کو سلام کرسکتے ہیں: "**ویکرہ السلام علی الفاسق لو معلنا وإلا لا**" (مرقاۃ المفاتیح جلد ۹/ ۲۶۲، کتاب الآداب)، نیز اگر ایسے لوگوں کی گواہی قبول نہیں کی گئی تو حقوق ضائع ہوجائیں گے، اور دینی معاملات جس میں گواہی کی ضرورت پڑتی ہے معطل ہوکر رہ جائیں گے، اس لیے فی زماننا رویت ہلال کے سلسلہ میں یا اختلافی معاملات میں ایسے لوگوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔

''احسن الفتاوی'' میں ہے:

ڈاڑھی کٹوانا فسق ہے، بلکہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے، اس لیے کہ اس میں کھلم کھلا اور علی الاعلان شریعت کی خلاف ورزی اور استخفاف ہے، اور فاسق کی شہادت قبول نہیں۔۔۔ البتہ اگر عادل شاہد نہ ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا اندیشہ ہو اور فاسق شخص ذی وجاہت ہو جس کے صدق کا ظن غالب ہوتو اس کی شہادت کا قبول کرنا جائز ہے۔

دوسرے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''شہادت کے لیے متدین گواہوں کے نہ ملنے کی وجہ سے متاخرین فقہاء رحمہم اللہ کا فتوی ہے کہ فاسق کی شہادت بھی قابل قبول ہے، بلکہ بعض اوقات فاسق کی گواہی پر فیصلہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے، مثلاً ضیاع حقوق کا خطرہ ہو'' (احسن الفتاوی جلد ۷/ ۲۰۴)۔

"قال القرافی فی باب السیاسة نص بعض العلماء علی إنا إذا لم نجد فی جهة إلا غیر عدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجور اللشهادةعلیهم، ویلزم ذالک فی القضاة وغیرهم لئلا تضیع المصالح قال وما أظن أحدا یخالف فی هذا، فإن التکلیف شرط فی الإمکان، وهذا کله للضرورة لئلا تهدر الأموال وتضیع الحقوق قال بعض: وإذا کان الناس فاسقا، الا القلیل النادر قبلت شهادة بعضهم علی بعض ویحکم بشهادة الأمثل فلامثل من الفساق هذا هو الصواب الذی علیه العمل، وإن أنکره کثیر من الفقهاء بالسنتهم، کما أن العمل علی صحة ولایة الفاسق ولیا فی النکاح ووصیا فی المال، وهذا یؤید ما نقله القرافی: وإذا غلب علی الظن صدق الفاسق قبلت شهادته، وحکم بها والله تعالیٰ لم یأمر برد خبر الفاسق ولا یجوز رده مطلقا، بل یتثبت فیه حتی یتبین صدقه من کذبه، فیعمل علی ما تبین وفسقه علیه" (معین الحکام ۱۴۵)۔

آداب قضاء میں ہے:

بہر حال اس بنا پر کہ حقوق العباد کی تضییع اور بربادی شرعا اور عرفا دونوں لحاظ سے محظور ہے، علماء متاخرین نے بھی فاسق کی شہادت کو جائز رکھا ہے، اگر قاضی کو اس کی سچائی پر ظن غالب حاصل ہو جائے، تفسیر مظہری میں ہے:

"بل فی زماننا هذا الفاسق إذا کان وجیها ذا مروٴة یغلب علی الظن أنه لا یکذب فی الشهادة أو دلت القرائن علی صدقه یقبل شهادته" (تفسیر مظہری سورۃ البقرہ جلد ۱/ ۴۲۸)۔

علامہ ابن قیمؒ کی بھی یہی رائے ہے، ان کے قول کو قاضی قدس نے اپنی کتاب میں ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"وقال ابن قیم الجوزیة الحنبلی :وسر المسألة ان مدار قبول الشهادة وردها علی غلبة الصدق وعدمه ،قال: والصواب المقطوع به أن العدالة تتبعض، فیکون الرجل عدلا فی شئی فاسقا فی شئی، فإذا تبین للحاکم أنه عدل فیما شهدبه قبلت شهادته ولم یضره فسقه فی غیره" (معین الحکام/ ۱۱۸)۔

ابن قیم جوزی حنبلیؒ نے کہا ہے کہ اس مسئلہ کا راز یہ ہے کہ شہادت کے قبول کرنے اور اس کے رد کرنے کا مدار صدق اور عدم صدق کے غلبہ ظن پر ہے، فرماتے ہیں، یقینی طور پر صحیح بات یہ ہے کہ عدالت کے بہت سے اجزاء ہیں، اس لیے ایک آدمی ایک معاملہ میں عادل اور دوسرے معاملہ میں فاسق ہوسکتا ہے، اس لیے اگر حاکم کے سامنے یہ واضح ہو جائے کہ وہ جس کی شہادت دے رہا ہے، اس میں عادل ہے، تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی، اور کسی دوسرے معاملہ میں اس کا فاسق ہونا اس کے لیے مضر نہیں ہوگا، اس کے بعد قاضی قدسؒ لکھتے ہیں **"وأصل هذا ما وقع فی المحیط والقنیة: إذا کان الرجل**

يشرب سرا وهو ذو مروة فللقاضي أن يقبل شهادته" (معین الحکام ص ۱۱۸) اور اس کی بنیاد وہ ہے جو محیط اور قنیہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص چھپ کر شراب پیتا ہو اور وہ صاحب مروت ہو تو قاضی کے لیے جائز ہے کہ اس کی شہادت قبول کرے (آداب قضا ۴۰۲ء، مزید ملاحظہ ہو کتاب الفسخ والتفریق صفحہ ۲۲۴ تا ۲۲۶ فاسق کی شہادت)۔

کیا مذہبی اداروں اور تنظیموں کے فاسق صدر کی بات ماننا لازم ہے؟

ایسے لوگوں کو مساجد کا یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے، جو قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق وجوہ فسق سے خالی نہیں ہوتے ہیں، تو کیا ان کا حکم ان اداروں کے خادمین یا تنظیم کے افراد کے لیے واجب الاطاعت ہوگا؟

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ایک ہے فاسق آدمی کا ذمہ دار بنانا تو فاسق کا ذمہ دار بنانا درست نہیں ہے، البتہ فاسق ذمہ دار بن جائے تو اس کے بننے کے بعد اس کا حکم ماننا ضروری ہے، اور خادمین کے لیے وہ واجب الاطاعت ہے۔

فتاوی قاسمیہ میں ہے: واجب الطاعۃ کا مصداق، تین ذمہ دار بالکل لگ الگ ہیں۔

(۱) جس کو قوت عسکری حاصل ہوتی ہے، اس کے ہر جائز حکم کی تعمیل ہر فرد پر واجب ہوتی ہے، اور عدم تعمیل میں باغی و عاصی ہوگا، اسی کو واجب الطاعۃ سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور یہ سلطان کی صفت ہوتی ہے۔

(۲) جس کو عسکری قوت حاصل نہ ہو، بلکہ صرف قوت ارادی حاصل ہو، اس کے ہر حکم کی تعمیل عام لوگوں پر واجب نہیں ہوتی ہے، بلکہ اس معاملہ کے فریق پر واجب ہوتی ہے، جو اس کے پاس پیش کیا جائے، فیصلہ سے قبل و بعد ہر حال میں واجب ہے اور یہی قاضی کی صفت ہے۔

(۳) حکم جس کی قوت کا مدار فریقین پر ہے، لیکن فیصلہ کے بعد پھر اس کی تعمیل بھی فریقین پر واجب ہو جاتی ہے (فتاوی قاسمیہ جلد ۱۷/ ۲۳۲ کتاب القضاء)۔

مساجد یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کے ذمہ دار جن کے اندر وجوہ فسق ہو اولا تو ایسے لوگوں کو ذمہ دار نہیں بنانا چاہئے، لیکن جب ایسے لوگوں کو ذمہ دار بنا دیا گیا تو اب خادمین اور تنظیم کے افراد کے لیے واجب ہے کہ وہ صدر کی بات مانیں، اب وہ ان کے لیے واجب الطاعۃ ہو گیا، یہ لوگ حکم کی طرح ہیں، اس لیے اختیار ہے کہ لوگ ان کو ذمہ دار نہ بنائیں، لیکن جب ذمہ دار بنا دیا تو اب حقوق کی حفاظت کے لیے ان کی اطاعت واجب ہوگی۔

فسق فی العقیدہ سے مراد اور اعتقادی اعتبار سے فاسق کے احکام؟

فسق کی دو قسمیں ہیں: فسق عملی و فسق اعتقادی

فسق عملی سے مراد شہوت اور خواہش نفس کی پیروی میں افعال شنیعہ کا ارتکاب ہے۔

فسق اعتقادی سے مراد بر بناء شبہ یا تاویل کے ساتھ کسی خلاف حق امر پر اعتقاد رکھنا ہے۔

عملی فسق کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اہلیت قضاء ختم نہیں ہوتی ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک فسق عملی مانع صحت تقلید ہے، البتہ اس پر اتفاق ہے کہ فاسق کو منصب قضاء پر مقرر نہیں کرنا چاہئے۔

فاسق فی العقیدہ کے احکام

فاسق فی العقیدہ کو قاضی مقرر کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ اس کی شہادت قابل قبول ہے، اور جو شہادت کے لیے اہل ہو وہ منصب قضاء کے لیے بھی اہل ہے، البتہ فقہاء احناف کی تحقیق کے مطابق یہ ضروری ہے کہ وہ خلاف حق عقیدہ ''موجب تکفیر نہ ہو۔

فرقہ خطابیہ کی شھادت قابل قبول نہیں، اس کی وجہ ان کے ایسے عقیدے ہیں جو شہادت کو تہمت کذب کا محل بنا دیتے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ ایسے شخص کے حق میں شہادت دینا درست سمجھتے ہیں، جو ان کے سامنے حلفا یہ کہہ دے کہ وہ حق پر ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک مومن جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا ہے، اور دوسرا عقیدہ یہ کہ اپنے فرقہ کے کسی شخص کے لیے شہادت دینا اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں، چاہے وہ سچا ہو یا جھوٹا۔

اور ظاہر ہے کہ یہی عقیدہ منصب قضاء کی ذمہ داریوں کی اہلیت سے بھی انھیں محروم کر دیتا ہے، اس لیے کہ ایسا شخص ہر مدعی کو اس کے قسم کھا لینے کی وجہ سے صادق سمجھ لے گا، جو ظاہر ہے کہ اس طریقہ کے خلاف ہے، جو کسی مقدمہ میں فیصلہ تک پہونچنے کے لیے امت کے درمیان مجمع علیہ ہے۔

لہٰذا کسی ایسے شخص کو قاضی مقرر کرنا بھی درست نہیں ہوگا، جو اس قسم کے عقائد رکھتا ہو، جن کی وجہ سے ''قضاء'' محل تہمت بن جائے اور اپنی مقصدیت کھو دے (اسلامی عدالت ۱۹۴ تا ۱۹۷)۔

زبانی توبہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول ہوگی؟

توبہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے گناہوں سے باز آجائے، اور اپنے کیے ہوئے پر نادم و پشیماں ہو، اور گناہ سے یہ توبہ اس وجہ سے ہو کہ وہ گناہ ہے؛ اس لیے نہ ہو کہ اس میں کوئی جانی و مالی نقصان ہے اور یہ عزم و ارادہ کرے کہ حتی المقدور دوبارہ یہ گناہ نہیں کرے گا۔

روح المعانی میں ہے:"الـنَّـدَمُ وَالإِقْلاَعُ عَـنِ الْـمَـعْصِيَةِ مِنْ حَيْثُ هِيَ مَعْصِيَةٌ، لا؛ لِأَنَّ فِيْهَا ضَرَرًا لِبَدَنِهٖ وَمَالِهٖ، وَالْعَزْمُ عَلَى عَدَمِ الْعَوْدِ إِلَيْهَا إِذَا قَدَر" (روح المعانی،۲۸/۱۵۸)۔

گناہوں سے معافی اور توبہ کے لیے سچی توبہ ضروری ہے،جس کے تین رکن ہیں:

اول اپنے کیے پر ندامت اور شرم ساری،حدیث میں ہے:"إنما التوبة الندم" یعنی توبہ نام ہی ندامت کا ہے۔

دوسرا رکن توبہ کا یہ ہے کہ جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ اس سے باز رہنے کا پختہ عزم و ارادہ کرے۔

تیسرا رکن یہ ہے کہ تلافی مافات کی فکر کرے،یعنی جو گناہ سرزد ہو چکا ہے اس کا جتنا تدارک اس کے قبضہ میں ہے اس کو پورا کرے،مثلاً نماز روزہ فوت ہوا ہے تو اس کو قضا کرے،فرض زکاۃ ادا نہیں کی تو گزشتہ زمانہ کی زکاۃ بھی یک مشت یا تدریجاً ادا کرے،کسی انسان کا حق لے لیا ہے تو اس کو واپس کرے،کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو اس سے معافی طلب کرے،بندے کا حق اس کے معاف کیے بغیر معاف نہیں ہوسکتا،حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے توبہ کی تکمیل کے لیے یہ ضروری شرط ہے۔

لیکن اگر اپنے کیے پر ندامت نہ ہو،یا ندامت تو ہو،مگر آئندہ کے لیے اس گناہ کو ترک نہ کرے،تو یہ توبہ نہیں ہے، گو ہزار مرتبہ زبان سے توبہ توبہ کہا کرے (معارف القرآن ۲/ ۳۴۲ دار العلوم کراچی)۔

فاسق شخص نے صدق دل سے توبہ کی ہو اور آئندہ نہ کرنے کا پکا عزم ہو،اکثر نمازی اس کی امامت سے راضی ہوں تو ان کی امامت بلا کراہت درست ہے اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے،لیکن اگر بار بار توبہ کرکے،توبہ توڑ دیتا ہے اور گناہ میں مبتلا ہوجاتا ہے تو پھر اس کا امام بننا مکروہ ہے۔

''فتاوی شامی''میں ہے:"(ويكره) تنزيها (إمامة عبد) ..وفاسق وأعمى) ونحوه الأعشى نهر (إلا أن يكون) أى غير الفاسق (أعلم القوم) فهو أولى (ومبتدع) أى صاحب بدعة وهى اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول)...فلا يصح الاقتداء به أصلا) فليحفظ (وولد الزنا) هذا إن وجد غيرهم، وإلا، فلا كراهة بحر، بحثا...وأما الفاسق فقد عللوا كراهة تقديمه، بأنه لا يهتم لأمر دينه، وبأن فى تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا، ولا يخفى أنه إذا كان أعلم من غيره لا تزول العلة، فإنه لا يؤمن أن يصلى بهم بغير طهارة فهو كالمبتدع تكره إمامته بكل حال، بل مشى فى شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم لما ذكرنا قال: ولذا لم تجز الصلاة خلفه أصلا عند مالک

ورواية عن أحمد، فلذا حاول الشارح في عبارة المصنف وحمل الاستثناء على غير الفاسق، والله أعلم" (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الصلوۃ، باب الإمامۃ، ج۱: ص۵۶۰، ط: سعید)۔

اوپر ذکر کردہ تفصیل سے واضح ہے کہ اگر کوئی شخص زبانی توبہ کرتا ہے، لیکن اگر اپنے کیے پر ندامت نہ ہو، یا ندامت تو ہو مگر آئندہ کے لیے اس گناہ کو ترک نہ کرے، تو یہ توبہ نہیں ہے، گو ہزار مرتبہ زبان سے توبہ توبہ کہا کرے، اسی طرح اگر توبہ کے مطابق عمل نہیں کرتا ہے تو اس کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول نہیں ہے، جیسا کہ ذکر ہوا کہ فاسق امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اگر وہ توبہ کرلے تو مکروہ نہیں ہے، لیکن اگر بار بار توبہ توڑ دیتا ہے اور گناہ میں مبتلاء ہوجاتا ہے تو پھر اس کا امام بننا مکروہ ہے، جس پتہ چلتا ہے کہ دنیاوی احکام میں ایسی توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

ڈاڑھی کو سنن عادیہ کہنے والے ڈاڑھی نہ رکھیں تو وہ فاسق ہوں گے؟

ڈاڑھی کو سنن عادیہ کہنے والے اسی طرح ڈاڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھنے والے اگر ڈاڑھی نہ رکھیں یا بہت چھوٹی ڈاڑھی رکھیں تو چوں کہ ان کا یہ مسلک ہے اور ڈاڑھی رکھنے کے سنت ہونے یا واجب ہونے والے دلائل میں تاویل کرتے ہیں، اس لیے اس بنیاد پر ان کو فاسق نہیں کہا جائے گا۔

بوادرالنوادر میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"**قال العلائي في كتاب الصوم قبيل فصل العوارض: إن الأخذ من اللحية، وهي دون القبضة، كما يفعله بعض المغاربة ومُخنثة الرجال، لم يبحه أحد، وأخذ كلّها فعل اليهود والهنود ومجوس الأعاجم. اهـ "فحيث أدُمن على فعل هذا المحرّم يفسق، وإن لم يكن ممن يستخفونه ولا يعدّونه قادحا للعدالة والمروة، إلخ**" (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ، کتاب الشہادۃ، ۴/ ۲۳۸، ۴، ط: مکتبہ رشیدیہ)۔

ردالمحتار علی الدرالمختار میں ہے: "**قوله: فلا يكفر جاحده) لما في التلويح من أن الواجب لا يلزم اعتقاد حقيقته لثبوته بدليل ظني، ومبنى الاعتقاد على اليقين، لكن يلزم العمل بموجبه للدلائل الدالة على وجوب اتباع الظن، فجاحده لا يكفر، وتارك العمل به إن كان مؤولا لا يفسق ولا يضلل؛ لأن التأويل في مظانه من سيرة السلف، وإلا فإن كان مستخفا يضلل؛ لأنه رد خبر الواحد والقياس بدعة، وإن لم يكن مؤولا ولا مستخفا يفسق لخروجه عن الطاعة بترك ما وجب عليه. اهـ**" (ردالمحتار علی الدرالمختار، کتاب الطہارۃ، ارکان الوضوء، ۱/ ۹۵، ط: دارالفکر)۔

شامی کی عبارت سے واضح ہے کہ واجب کا ثبوت دلیل ظنی سے ہوتا ہے، اور واجب پر عمل کو چھوڑنے والے کو فاسق اور گمراہ نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ تاویل سلف کی سیرت سے ہے، ہاں اگر واجب کا استخفاف کرے تو خبر واحد کے رد کرنے کی وجہ سے گمراہ قرار دیا جائے گا، اگر تاویل نہ کرتا ہو اور استخفاف بھی نہ کرتا ہو تو ذمہ میں واجب چیز کے ترک کی وجہ سے فاسق قرار دیا جائے گا، بہر حال جو ڈاڑھی رکھنے کو سنن عادیہ کہتے ہیں یا ان کے نزدیک ڈاڑھی کی خاص مقدار واجب نہیں ہے، اور وہ وجوب کی دلیل میں تاویل کرتے ہیں اور واجب کا استخفاف بھی نہیں کرتے ہیں تو ان کو ڈاڑھی نہ رکھنے یا چھوٹی رکھنے کی وجہ سے فاسق نہیں قرار دیا جائے گا۔

خلاصہ مقالہ

(۱) فسق کی کوئی متعین تعریف اور مفہوم قرآن وحدیث میں بیان نہیں ہوا ہے، ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر فسق کا مفہوم ومصداق موقوف ہے۔

(۲) موجودہ حالات میں عبادات معاملات وغیرہ میں حنفیہ کے یہاں فسق پر کوئی خاص احکام مرتب نہیں ہوتے ہیں۔

(۳) جو لوگ ذی وجاہت اور صاحب مروت ہوں، اور وہ ڈاڑھی نہ رکھتے ہوں، لیکن نماز روزہ کے پابند ہوں تو رویت ہلال کے سلسلہ میں یا اختلافی معاملات میں ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔

(۴) مساجد یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار ایسے شخص کو بنادیا گیا جو قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق وجوہ فسق سے خالی نہ ہوں تو بھی ان ذمہ داروں کا جائز حکم ان کے خادمین یا تنظیم کے افراد کے لیے واجب الاطاعۃ ہوگا۔

(۵) فسق فی العقیدہ سے مراد بر بناء شبہ یا تاویل کے ساتھ کسی خلاف حق امر پر اعتقاد رکھنا ہے۔ جو لوگ اعتقادی اعتبار سے فاسق ہوں اور ان کا فسق درجہ کفر کو پہونچا ہوا نہ ہو تو وہ امامت کبری اور قضاء وغیرہ کے مستحق قرار پائیں گے۔

(۶) فاسق اگر زبانی توبہ کرے، اور اپنے توبہ کے مطابق عمل پیرا نہ ہو تو اس کی توبہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول نہیں ہوگی۔

(۷) ڈاڑھی کو سنن عادیہ سمجھنے والے، یا ڈاڑھی کی کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھنے والے اگر ڈاڑھی نہ رکھیں یا بہت چھوٹی رکھیں، اور ڈاڑھی رکھنے کا مذاق نہ بنائیں تو ایسے لوگوں کو فاسق نہیں سمجھا جائے گا۔

تمت بالخیر

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مفتی محمد سلطان قمر قاسمی☆

جواب(۱): کیا فسق کی ایک متعین تعریف ہے یا ہر زمانہ کے عرف واخلاقی حالات پر موقوف ہے؟

عدالت کی تعریف:

عَدَالَةٌ، عَدَلَ ،یَعْدُلُ کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں درست اور انصاف کرنا، اسی سے عادل آتا ہے جس کے معنی انصاف کرنے والا بادشاہ۔

عدالت نام ہے جھوٹ وکبائر سے اجتناب کرنا، صغائر سے پرہیز کرنا، امانتوں کی ادائیگی اور لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ کرنا۔

''**العدالة هي المحافظة الدينية على اجتناب الكذب والكبائر وتوقي الصغائر وأداء الأمانة وحسن المعاملة ليس معها بدعة**'' (شرح الکوکب المنیر لتقی الدین المعروابن النجار الحنبلی ط:مکتبۃ العبیکان، ۲/ ۳۸۴)۔

علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں فرماتے ہیں:

''**العدل هو من لم يأت بكبيرة ولم يداوم على صغيرة**'' (بدائع الصنائع للکاسانی ط:دار الکتب العلمیہ، ۶/ ۲۶۹)۔

علامہ خطیب بغدادی الکفایہ فی علم الروایہ میں رقم طراز ہیں:

''**إن العدل هو من عرف بأداء فرائضه ولزوم ما أمر به وتلقى ما نهى عنه وتجنب الفواحش المسقطة وتحرى الحق الواجب في أفعاله ومعاملاته وتلقى في لفظه مما يسلم الدين والمروئه، فمن كانت هذه حاله فهو الموصوف بانه عدل في دينه ومعروف بالصدق في حديثه**'' (الکفایۃ فی علم الروایۃ للخطیب البغدادی ط:جمعیۃ دائرۃ المعارف حیدرآباد، ۸۰، ۸۱)۔

☆ مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد پٹکاپور، کانپور، یوپی

(عادل وہ شخص کہلائے گا جو فرائض کی ادائیگی میں معروف ہو، اوامر کا التزام اور نواہی سے پرہیز، فواحش سے مکمل اجتناب ہو، افعال ومعاملات میں واجب حقوق کی ادائیگی اور ان الفاظ سے اپنے آپ کو بچاتا ہو جو دین ومروت کے خلاف ہیں تو جو شخص ان اوصاف کے ساتھ متصف ہو وہ عادل آدمی کہلائے گا دین میں بھی اور وہ اپنی بات میں سچا کہلائے گا)۔

عدالت کی مذکورہ تعریفات کی بنا پر معلوم ہوا وہ صفات جو عدالت کو ثابت کرنے والی ہیں، کبائر سے اجتناب کرنا اور صغائر پر اصرار و مداومت نہ کرنا ہے، نیز گناہ سرزد ہو جانے کی صورت میں توبہ نصوح کر لینا، اس لیے کہ توبہ سے سابقہ گناہ ختم ہو جاتے ہیں، ہاں البتہ اگر کوئی شخص کذب وجھوٹ میں مشہور ہو تو جب تک اس کا صدق معروف ومشہور نہ ہو جائے اور کذب سے مکمل توبہ نہ کر لے تب تک اسے عادل نہ کہا جائے گا اور اس کی گواہی بھی قابل قبول نہ ہوگی۔

چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں: ''وَالْمَعْرُوفُ بِالْكَذِبِ لَا عَدَالَةَ لَهُ، وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ أَبَدًا وَإِنْ تَابَ؛ لِأَنَّ مَنْ صَارَ مَعْرُوفًا بِالْكَذِبِ وَاشْتُهِرَ بِهِ لَا يُعْرَفُ صِدْقُهُ فِي تَوْبَتِهِ ... وَالْأَصْلُ فِي هَذَا الْفَصْلِ أَنَّ مَنْ ارْتَكَبَ جَرِيمَةً فَإِنْ كَانَتْ مِنْ الْكَبَائِرِ سَقَطَتْ عَدَالَتُهُ، إلَّا أَنْ يَتُوبَ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْ الْكَبَائِرِ فَإِنْ أَصَرَّ عَلَيْهَا وَاعْتَادَ ذَلِكَ فَكَذَلِكَ؛ لِأَنَّ الصَّغِيرَةَ بِالْإِصْرَارِ عَلَيْهَا تَصِيرُ كَبِيرَةً، قَالَ عليه الصلوٰة والسلام: لَا صَغِيرَةَ مَعَ الْإِصْرَارِ، وَلَا كَبِيرَةَ مَعَ الِاسْتِغْفَارِ'' (القاصد الحسنۃ للسخاوی ۱/۲۶۶)؛ ''وَإِنْ لَمْ يُصِرَّ عَلَيْهَا لَا تَسْقُطُ عَدَالَتُهُ، إذَا غَلَبَتْ حَسَنَاتُهُ سَيِّئَاتِهِ'' (بدائع الصنائع، ۶/۲۶۹)۔

فسق کی تعریف:

فسق کی تعریف لغوی: فسق ''فَسَقَ، يَفْسُقُ،، کا مصدر ہے بمعنی خروج عن الطاعة، یعنی اطاعت خداوندی سے نکلنا، اسی سے عربی کا مقولہ ''فَسَقَت الرُّطَبَةُ'' بولا جاتا ہے، یعنی جب کھجور اپنے چھلکے سے باہر آجائے تو اہل عرب یہ مقولہ بولتے ہیں لہٰذا فسق کا مطلب ہوا اللہ رب العزت کے اوامر واحکام چھوڑ کر اس کی نافرمانی کرنا اور جادۂ حق سے راہ فرار اختیار کرنا قران کریم کی سورۂ انعام آیت نمبر ۱۲۱ میں ''وإنه لفسق'' اسی معنی میں مستعمل ہے (الصحاح للجوہری ط: دار العلم للملایین، ۴/۱۵۴۳)۔

فسق اصطلاحی:

تعریفات میں لغوی معنی ملحوظ رہتے ہیں، چنانچہ مبسوط میں ہے: جو آدمی اطاعت خداوندی چھوڑ کر گناہ میں مبتلا ہو، گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا چھوٹے گناہوں پر مصر اور مستقل گناہ صغیرہ کرتا رہتا ہو اس کو فاسق کہا جائے گا، چونکہ وہ اللہ کی

اطاعت اور اس کے امر کو چھوڑ کر حدود دین سے تجاوز کرتا ہے، اسی وجہ سے اس کو فاسق کہا جاتا ہے (المبسوط للسرخسی ط: دار العرفۃ بیروت ۱۶/۱۲۱)۔

علامہ جرجانی اپنی معرکۃ الآراء کتاب **التعریفات** میں رقم طراز ہیں:

"**الفاسق من شهد ولم يعمل واعتقد**" (فاسق وہ ہے جو جانتا ہے اعتقاد رکھتا ہے، لیکن عمل نہیں کرتا)۔ (التعریفات للجرجانی ط: دار الکتب العلمیہ ۱/ ۱۶۴)

ان مذکورہ تصریحات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فسق اطاعت خداوندی اور راہ حق سے فرار اختیار کرنا، نیز شارع نے مأمورات ونواہی کے جو حدود متعین کیے ہیں ان سے تجاوز کرنا یعنی کبائر کا ارتکاب اور صغائر پر اصرار کرتے رہنا یہ فسق کہلائے گا۔

صغائر وکبائر کا بیان

اب ذیل میں صغائر وکبائر کی بحث ذکر کی جاتی ہے۔

جمہور اہل علم کا قول ہے کہ معاصی دو طرح کے ہیں: (۱) صغیرہ، (۲) کبیرہ۔

دلائل

"**إن تجتنبوا كبائر ما تنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم**" (سورۂ نساء آیت ۳۱)۔

آیت مذکورہ میں گناہ کی تقسیم صغائر وکبائر کی طرف صراحتاً کی گئی ہے۔

"**وكره اليكم الكفر والفسوق والعصيان**" (سورۂ حجرات آیت ۷)۔

آیت مذکورہ میں معاصی کے تین درجے ذکر کیے گئے ہیں: کفر اور فسوق سے مراد کبائر ہیں اور عصیان سے مراد صغائر ہیں، اس لیے کہ اگر تینوں ایک ہوتے تو الگ الگ لفظ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

"**قال النبي صلى الله عليه وسلم: "الصلوات الخمس والجمعة، إلى الجمعة ورمضان إلى رمضان مكفرات ما بينهن إذا اجتنبت الكبائر**" (رواہ مسلم)۔

حدیث بالا اس بات میں صریح ہے کہ اگر بندہ کبائر سے اجتناب کرے تو اعمال ثلاثہ صغیرہ گناہوں کو مٹا دیتے ہیں اور صغائر کے لیے کفارہ ہو جاتے ہیں۔

کبیرہ کی تحدید: تحدید کبیرہ میں مختلف اقوال ہیں، راجح قول یہ ہے کہ ہر وہ گناہ جس پر نار جہنم یا وعید شدید یا

اللہ ورسول کی لعنت وغضب یا اس گناہ پر دنیا میں حد کے جاری کرنے کا حکم دیا گیا ہو اس گناہ کو کبیرہ گناہ کہا جائے گا (بدائع الصنائع ۶/ ۲۶۸)۔

مثلاً کبیرہ گناہ: چوری، شرب خمر، زنا، نماز چھوڑنا، اکل ربا، اکل مال یتیم، بلا عذر رمضان کا روزہ ترک کرنا، قتل نفس بغیر حق یہ فعلی کبائر ہیں۔

کذب، یمین غموس، قذف، شہادت زور، نمیمہ اور چغل خوری، کذب بالقدر، صحابہ کو گالی دینا وغیرہ یہ قولی کبائر ہیں۔

گناہ صغیرہ پر اصرار کی حقیقت: اصرار کا لغوی مفہوم کسی چیز کو مسلسل کرنا اور اس پر جمے رہنا، پس صغیرہ پر اصرار کا مفہوم یہ ہوا کہ گناہ صغیرہ کا ارتکاب کرنا ساتھ ہی بار بار کرنے کا ارادہ بھی ہونا، لہٰذا اگر ترک کا عزم مصمم کرلے تو مصر نہ کہلائے گا۔ (الفروق لشہاب الدین القرافی ط: عالم الکتب ۴/ ۶۷)۔

"قال العلامة ابن عابدين: حد الإصرار أن تتكرر منه تكررا يشعر بقلة المبالاة بدينه إشعار ارتكاب الكبيرة بذلك"۔

مصر علی الصغیرہ کو فاسق شمار کیا گیا ہے، وجہ یہ ہے کہ بار بار گناہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے احکام وعظمت خداوندی کو پامال کرنا ہے، نیز دین وشریعت سے لاپرواہ ہونا اور حدود خداوندی کی پاسداری نہ کرنا ہے۔

جواب (۲): موجودہ دور میں عبادات ومعاملات پر کیا احکام مرتب ہو سکتے ہیں؟

عدالتِ شاہد کا بیان

اس نقطے کو ذکر کرنے سے پہلے یہ بحث ذکر کی جاتی ہے کہ کیا شاہد کے لیے عدالت شرط ہے؟

حنفیہ کے نزدیک اہلیت شہادت کے لیے عدالت شرط نہیں ہے، ہاں شاہد کی گواہی قبول کرنے کے لیے شاہد کے اندر صفت عدالت کا پایا جانا شرط اور ضروری ہے، پس فاسق شخص گواہ بننے کی صلاحیت واہلیت رکھتا ہے، البتہ قاضی اس کی گواہی اس وقت تک قبول نہ کرے گا جب تک کہ اس کے صادق ہونے کی تحقیق نہ کرلے سورہ حجرات میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا" (سورہ حجرات:۶)، (اے ایمان والوں! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو)، معلوم ہوا کہ فاسق کی خبر وگواہی میں صدق وکذب دونوں کا احتمال ہے، چونکہ فاسق مؤمن وکلمہ گو ہے تو اس کے دین وعقل کے لحاظ سے صدق کا احتمال ہے اس لیے کہ اصل مسلمین میں عدالت ہے، چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا؟ اس نے کہا

یارسول اللہ میں نے چاند دیکھا ہے، حضور نے دریافت کیا، کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے کہا ہاں، پھر حضور نے دریافت کیا، کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول و پیغمبر ہیں؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اے بلال لوگوں میں اعلان کردو کہ کل روزہ رکھیں، تو بحیثیت مسلم وکلمہ گو فاسق شخص میں صدق کا احتمال موجود ہے اور معاصی کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے کذب کا احتمال بھی ہے۔ لہٰذا جب تک جانبین میں سے کوئی ایک جانب راجح نہ ہوجائے اس وقت تک توقف کیا جائے گا، معلوم ہوا کہ قاضی اگر فاسق کی شہادت وخبر پر اس کی گواہی میں صدق کی تحقیق کے بعد فیصلہ کردے تو قاضی کا فیصلہ صحیح اور نافذ ہوگا، ہاں البتہ قاضی گناہ گار ہوگا (اعلاء السنن للشیخ ظفر التہانوی، ط: الاشرفیہ دیوبند ۱۵/ ۱۶۶)۔

یہ ایسا ہی ہے، جیسا کہ قاضی کے لیے عدالت شرط نہیں ہے، حتی کہ اگر امام فاسق کو قاضی بنادے تو اس کا فیصلہ صحیح اور نافذ ہوگا اور اس کا قاضی بننا بھی صحیح ہے کتب تاریخ بتاتی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بہت سے ظالم حکام کے پیچھے نمازیں پڑھی، ان کے ساتھ جہاد کیا، اپنے مسائل میں انہیں حاکم اور قاضی تسلیم کیا، اور ان کے فیصلے کو فیصلہ مانا، اب آج کے اس دور میں جبکہ قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق عادل آدمی کا ملنا بالکل عنقا، جیسا ہے تو فاسق شاہد کی خبر اور قاضی فاسق کے فیصلے کو مطلق رد اور قبول نہ کرنے کی صورت میں بہت سے حقوق کا ضیاع ہے، کیونکہ بہت سے حکام وقضاۃ فاسق ہیں۔ اب اگر ان کے فیصلے وخبر کو تسلیم نہ کیا جائے تو بہت سے احکام ضائع اور باطل ہوجائیں گے، لہٰذا جب فاسق کا قاضی بننا صحیح ہے تو قاضی ایسے فاسق شخص کی خبر پر فیصلہ بھی دے سکتا ہے اور فیصلہ نافذ بھی ہوگا، اگرچہ قاضی عاصی وگناہ گار ہوگا (حوالہ بالا)۔

باب عبادات میں فاسق کی خبر

مذکورہ تفصیل کی بنا پر اگر غالب گمان فاسق شخص کے صدق کا ہے اور ظاہری قرائن اس پر دال ہیں تو باب عبادات میں ایسے فاسق شخص کی خبر قابل قبول ہوگی اور اگر جانبین میں سے سے کوئی جانب راجح نہ ہو تو اس کی خبر پر توقف کیا جائے گا (ردالمحتار للشامی ۲/ ۹۲)۔

باب معاملات میں فاسق کی خبر

باب معاملات میں فاسق کی خبر بالاتفاق مقبول ہے، چنانچہ علامہ جصاص فرماتے ہیں:

"واتفق أهل العلم على جواز قبول خبر الفاسق فی أشياء: منها أمور المعاملات يقبل فيها خبر الفاسق، وذلک نحو الهدية" (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۹۹)۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں: ''**وقد استثنى الإجماع من جملة ذلك ما يتعلق بالدعوة والجحود وإثبات حق مقصود على الغير مثل أن يقول هذا عبدى فإنه يقبل قوله**'' (الجامع لاحکام القرآن ۱۶/ ۳۹۷)۔

علامہ ماوردی فرماتے ہیں:''**فأما أخبار المعاملات فلا تراعى فيها عدالة المخبر وإنما يراعى فيها سكون النفس إلى خبره فتقبل من كل بر وفاجر ومسلم وكافر وصغير وبالغ...**'' (الحاوی الکبیر لابی الحسن الماوردی ط: دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۶/ ۸۶)۔

وجہ: اس میں ضرورت ہے کہ معاملات کا وقوع بین الناس کثیر ہے، اب اگر کسی مزید شے کی شرط لگا دی جائے تو یہ مفضی الی الحرج ہوگا، لہٰذا باب معاملات میں ایک شخص کی بات بھی تسلیم کر لی جائے گی، خواہ وہ عادل ہو یا فاسق ہو۔

جواب (۳): رویئت ہلال کے بارے میں فاسق شخص کی خبر

کسی ماہ کے داخل ہونے کے تین طریقے ہیں: ۱۔ رؤیت ہلال، ۲۔ شہادت وتصدیق، ۳۔ اکمال ثلاثین یوما۔

اگر عادل آدمی نے چاند دیکھا تو اس پر لازم ہے کہ وہ قاضی کے پاس جا کر رؤیت ہلال کی خبر دے، تاکہ لوگ روزہ افطار نہ کریں، لیکن مسئلہ اگر فاسق شخص چاند دیکھے تو مختلف فیہ ہے۔

حنفیہ کے یہاں مستحب ہے کہ ایسے شخص کے لیے کہ قاضی کے پاس جا کر اپنی رؤیت کی خبر دے (ردالمحتار ۳/ ۳۵۲)۔

جواب نمبر ۲ میں مذکور تفصیل کی روشنی میں اگر قاضی کو غالب گمان ہو کہ ایسا شخص صادق ہے اور ظاہری قرائن اس پر دال ہیں، مثلاً نماز روزے کا پابند ہے تو ایسے شخص کے چاند دیکھنے کی خبر قابل قبول ہوگی، چنانچہ حنفیہ میں سے امام طحاوی فرماتے ہیں: ''شاہد کی گواہی مقبول ہوگی، خواہ وہ عادل ہو یا غیر عادل، امام سرخسی امام طحاوی کی اس بات کی صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شاہد کے اندر ظاہری عدالت ہونا شرط ہے، باطن میں عادل ہونا شرط نہیں، کیونکہ رمضان کی خبر ایسی خبر ہے جس میں تہمت منتفی ہے، وجہ یہ ہے کہ دخول رمضان کی خبر دینے کی وجہ سے اس فاسق شخص پر بھی روزہ لازم ہوگا جس طرح اس کی خبر کی وجہ سے دوسرے پر لازم ہوگا (مبسوط سرخسی ۳/ ۱۳۹)۔

امام ابو یوسف کا قول ہے: ''اگر فاسق وجیہ اور صاحب مروت ہو تو اس کی گواہی مقبول ہوگی'' (تبیین الحقائق للزیلعی الحنفی، ط: المطبعۃ الکبریٰ ۱/ ۳۱۹)۔

بعض حنفیہ و مالکیہ کا قول ہے کہ جب فسق کا دور دورہ ہو ایسے زمانے میں اس شخص کی گواہی مقبول ہوگی جس کے اندر فسق کی علامت کم ہو (حوالہ بالا)۔

جواب(۴): فاسق شخص قابل مطاع ہوگا یا نہیں؟

جواب نمبر ا میں مذکورہ تصریحات کی بنا پر جس شخص کے اندر ذکر کردہ اوصاف فسق پائے جائیں، اگر ایسے شخص کو مساجد یا تنظیموں کا ذمہ دار بنا دیا جائے تو اس کا حکم کارکنان وخدام کے لیے واجب الاطاعہ ہوگا، اس لیے کہ فقہاء حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام اگر ظلم کرے تو بھی اسے معزول نہیں کیا جائے گا اور صحابہ کرام کے عمل سے خود ان کے ظالم حکام وامراء کی اطاعت وتابعداری سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے شخص کا حکم واجب الاطاعہ ہوگا۔

"وَاخْتَلَفَتْ الرِّوَايَاتُ فِي تَقْلِيدِ الْفَاسِقِ الْقَضَاءَ، وَالْأَصَحُّ أَنَّهُ يَصِحُّ التَّقْلِيدُ وَلَا يَنْعَزِلُ بِالْفِسْقِ" (تبیین الحقائق ۴/ ۱۷۵)۔

"الصَّالِحُ لِلنَّظَرِ مَنْ لَمْ يَسْأَلْ الْوِلَايَةَ لِلْوَقْفِ، وَلَيْسَ فِيهِ فِسْقٌ يُعْرَفُ هَكَذَا فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ، وَفِي الْإِسْعَافِ لَا يُوَلَّى إلَّا أَمِينٌ قَادِرٌ بِنَفْسِهِ أَوْ بِنَائِبِهِ وَيَسْتَوِي فِيهِ الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى وَكَذَا الْأَعْمَى وَالْبَصِيرُ" (الہندیۃ ط: المطبعۃ الکبریٰ الامیریۃ ۲/ ۴۰۸)۔

"الإمام إذا جار أو فسق لا ينعزل عند أصحاب أبي حنيفه وهو المذهب المرضي وهو قول عامه اهل السنة والجماعة وإجماع الأمة فإنهم رأوا الفساق أئمة، فإن أكثر الصحابة كانوا يرون بني أمية وهم بنو مروان أئمة حتى كانوا يصلون الجمعة والجماعة خلفهم، ويرون قضاياهم نافذة، وكذا الصحابة والتابعون، وكذا من بعدهم يرون خلافة بني العباس، وأكثرهم كانوا فساقا، ولأن القول بانعزال الأئمة بالفسق؛ هو إيقاع الفساد في العالم" (أصول الدین للبزدوی ۱۹۶)۔

جواب(۵): فسق فی العقیدہ کا بیان:

فسق فی العقیدہ سے مراد اہل بدعت کا فسق ہے جو اللہ ورسول پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام مانتے ہیں، اور جن چیزوں کو اللہ نے واجب کیا ہے اسے واجب مانتے ہیں، لیکن جہالت، وآیت قرآنی اور احادیث نبویؐ میں تاویل کر کے اپنے پیروں کے چکر میں بہت سی ایسی چیزیں نہیں کرتے جنہیں اللہ نے کرنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح ایسی بہت سی رسمیں کیا کرتے ہیں جن کا شریعت سے کوئی ثبوت نہیں ہے (مدارج السالکین ۱/ ۲۷۷)۔

فقہاء نے فاسق فی العقیدہ تین طرح کے لوگوں کو شمار کیا ہے:

۱۔ فاسق فی العقیدہ کی مخالفت حد کفر تک پہنچی ہو تو تمام اہل علم کا اتفاق ہے کہ اس کی گواہی نامقبول ومردود ہوگی۔

۲۔ فاسق فی العقیدہ کی اعتقادی مخالفت حد کفر تک نہ پہنچی ہو، لیکن اس کا تعلق فرقہ خطابیہ سے ہو تو اس کی گواہی بھی مقبول نہ ہوگی:

"والخطابية هم أتباع أبي الخطاب محمد بن أبي زينب الأسدي، كان يرى الإمامة في أولاد علي إلى أن انتهت إلى جعفر الصادق لما عرف جعفر أنه الهه تبرأ منه ولعنه وطرده كان يزعم أن الأئمة أنبياء، ثم زعم أنهم آلهة، ويرى الخطابية شهادة الزور لموافقيهم على مخالفيهم" (انظر: الفرق بین الفرق لطاہر البغدادی ط: المکتبۃ المصریہ، ۲۴۷ تا ۲۵۰)۔

۳۔ فرقہ خطابیہ کے علاوہ دیگر اہل ھوی، یعنی معتزلہ، قدریہ، خوارج وغیرہ کی گواہی کے مقبول ومردود ہونے میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

حنفیہ کے یہاں راجح قول یہ ہے کہ ایسے فاسق بدعتی کی گواہی قابل قبول ہوگی۔

چنانچہ صاحب "بدائع الصنائع" فرماتے ہیں: **"وأما شهادة صاحب الهوى إذا كان عدلا في هواه ودينه، نظر في ذلك، إن كان هوى يكفره لا تقبل شهادته؛ لأن شهادة الكافر على المسلم غير مقبولة، وإن كان لا يكفره فإن كان صاحب العصبية وصاحب الدعوة إلى هواه، أو كان فيه مجانة لا تقبل أيضا؛ لأن صاحب العصبية والدعوة لا يبالي من الكذب والتزوير لترويج هواه، فكان فاسقا فيه، وكذا إذا كان فيه مجانة؛ لأن الماجن لا يبالي من الكذب، فإن لم يكن كذلك وهو عدل في هواه تقبل؛ لأن هواه يزجره عن الكذب، إلا صنف من الرافضة يسمون بالخطابية، فإنهم لا شهادة لهم؛ لأن من نحلتهم أنه تحل الشهادة لمن يوافقهم على من يخالفهم"** (بدائع الصنائع ۲۶۹/۶)۔

"وتقبل شهادة أهل الأهواء) كلهم من المعتزلة والقدرية والخوارج --- --- وسائرهم تقبل شهادتهم على مثلهم وعلى أهل السنة، إلا الخطابية وهم طائفة من الروافض لا لخصوص بدعتهم وهو أهم بل لتهمة الكذب، لما نقل عنهم أنهم يشهدون لمن حلف لهم أنه محق أو يرون وجوب الشهادة لمن كان على رأيهم" (فتح القدیر ۴۱۶/۷)۔

جواب (۶): توبہ کی حقیقت:

اگر کسی آدمی سے کبیرہ (بڑا) گناہ ہوجائے، تو اس کی تلافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے۔

فاسق شخص کا محض زبان سے توبہ کر لینا؛ جبکہ توبہ کے مطابق عمل پیرا نہ ہو تو اس سلسلے میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ دنیاوی احکام میں اس کی توبہ قابل قبول نہیں ہوگی، بلکہ ایسے توبہ کرنے والے شخص کے لیے ایسی مدت کا گزرنا ضروری ہے کہ جس میں وہ اپنے عمل کی اصلاح کر سکے؛ تاکہ یہ توبہ توبہ نصوح کہلائے۔

چنانچہ ''فتح القدیر'' میں ہے: ''**وهل يعتبر معه إصلاح العمل؟ فيه قولان: في قول يعتبر لقوله تعالى: إلا الذين تابوا من بعد ذلک وأصلحوا**'' (النور:۵) **وقيل لا**'' (فتح القدیر ۷/۴۰۰)۔

جواب (۷): داڑھی کا وجوب:

داڑھی ہیبت و وقار اور تزئین کا ذریعہ ہے جو صدیوں سے انبیاء کرام، صحابہ عظام، تابعین، تبع تابعین کا عمل رہا ہے؛ حتی کہ بعض فقہاء وقضاۃ قدیم زمانے میں جب کسی کو سزا دینا چاہتے تو اس کی داڑھی مونڈ دیا کرتے تھے، تاکہ یہ اس کی رسوائی اور ذلت کی دلیل ہو۔

داڑھی کے سلسلے میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جس میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کے بڑھانے اور مونچھیں کترنے کا حکم دیا ہے، اسی وجہ سے حنفیہ، حنابلہ، مالکیہ اور بعض شوافع کے یہاں داڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے، البتہ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ کیا ایک مشت سے زائد داڑھی کٹانا درست ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلے میں حنفیہ کا قول یہ ہے کہ ایک مشت سے زائد داڑھی کٹانا درست اور جائز ہے، یہی قول مالکیہ کا ہے اور ایک قول حنابلہ کا ہے۔

دلائل احناف

''**عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ: وَفِّرُوا اللِّحَى، وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ. وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ: إِذَا حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ، فما فضل أخذه**'' (البخاری رقم ۵۵۴۹)۔

''**عن أبي زرعة قال: كان أبو هريرة يقبض على لحيته، ثم يأخذ ما فضل عن القبضة**'' (المصنف لابن أبي شيبة رقم ۲۷۱۲۷)۔

''**ولذا يحرم على الرجل قطع لحيته**'' (الدر المختار مع الشامی ۹/۵۸۳ زکریا دیوبند)۔

''**وأما الأخذ منها أي اللحية، وهي دون ذلک أي دون القُبضة، كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم**'' (الدر المختار مع الشامی ۳/۳۹۸ زکریا دیوبند)۔

دلائل مالکیہ

"ومن تحسين الهيئة قص الشارب وإعفاء اللحية ...وأما حلق اللحية فتشويه ومثلة لا ينبغي لعاقل أن يفعلها بنفسه" (الإعلام للقرطبی ط: دارالتراث العربی ص ۴۴۴)۔

"وحلق اللحية لا يجوز، وكذلك الشارب وهو مثلة وبدعة، ويؤدب من حلق لحيته" (مواہب الجلیل لشمس الدین المعروف بالحطاب المالکی ط: دارالفکر ۱/ ۲۱۶)۔

دلیل حنبلی

شیخ البہوتی الحنبلی شرح منتہی الإرادات میں فرماتے ہیں: **"وَيُعْفِي لِحْيَتَهُ وَيَحْرُمُ حَلْقُهَا، ذَكَرَهُ الشَّيْخُ تَقِيُّ الدِّينِ، وَلَا يُكْرَهُ أَخْذ مَا زَادَ عَلَى الْقَبْضَةِ وَمَا تَحْتَ حَلْقِهِ"** (۱/ ۴۴ ط: عالم الکتب بیروت)

بعض متاخرین شوافع اور موجودہ بلاد عرب کے علماء اس بات کے قائل ہیں کہ داڑھی ایک سنت عمل ہے جس کے رکھنے والے کو ثواب حاصل ہوگا اور نہ رکھنے والے پر کوئی ملامت وسزا نہیں ہے، چنانچہ شوافع میں سے علامہ نووی، رافعی، رملی اور چودھویں صدی کے محقق عالم دین یوسف القرضاوی اسی کے قائل ہیں۔

دلیل شوافع

"قَالَ الشَّيْخَانِ – يعنى النووى والرافعى – يُكْرَهُ حَلْقُ اللِّحْيَةِ" (تحفۃ المحتاج لابن حجر الہیتمی ۹/ ۳۷۶ دار إحیاء التراث العربی)۔

علامہ بکری الدمیاطی الشافعی فرماتے ہیں: **"المعتمد عند الغزالى وشيخ الإسلام وابن حجر فى التحفة والرملى والخطيب وغيرهم: الكراهة"** (إعانۃ الطالبین ۲/ ۳۷۶ دارالفکر)۔

اسی طرح مالکیہ کے قاضی عیاض اپنی کتاب **"اكمال المعلم"** میں نقل فرماتے ہیں: **"ويكره حلقها وقصها – أى اللحية –"** (۲/ ۶۳ دارالوفاء)۔

اسی طرح علامہ شمس الدین ابن قدامہ المقدسی فرماتے ہیں: **"ويستحب إعفاء اللحية"** (الشرح الکبیر ۱/ ۱۰۵ دارالکتاب العربی)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ جمہور کے یہاں داڑھی کاٹنا اور مونڈنا حرام اور ناجائز ہے، لیکن ایک مشت

سے زائد کاٹنے کی اجازت ہے، احادیث میں صیغہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

البتہ شوافع بالخصوص متاخرین شوافع کے یہاں احادیث میں صیغہ امر ندب اور استحباب کے لیے ہے، لہٰذا ان کے یہاں داڑھی مونڈنا مکروہ ہے اور داڑھی رکھنا ثواب کا کام ہے۔

پس اصولی بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جمہور کے قول کو راجح سمجھتا ہے جو کہ یقیناً راجح ہے تو پھر اس شخص کے لیے شوافع کے قول پر فتوی دینا یا عمل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ اتباع ھوی اور خواہشات نفسانی کی پیروی ہے۔

البتہ اگر کوئی شوافع کے قول کو ان کے دلائل کی بنیاد پر راجح سمجھتے ہوے داڑھی کٹا تا یا منڈا تا ہے تو ایسے شخص کو آج کے اس دور میں فاسق کہنا قابل غور ہے، کیوں کی بلاد عرب میں شیوخ ومشائخ، ائمہ مساجد یہاں تک کہ حرمین کے ائمہ کا عمل بھی داڑھی کے سلسلے میں بظاہر شوافع کے قول پر معلوم ہوتا ہے۔

☆☆☆

فسق کی تعریف عصر حاضر میں-احکام ومسائل

مفتی عثمان نوساری☆

جواب نمبر ا: ہر وہ آدمی جو اطاعتِ خداوندی کو چھوڑ کر گناہ میں مبتلا ہو جائے اس کو ''فاسق'' کہتے ہیں، اگر کوئی شخص گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو تو ایسے شخص کو ''فاسق'' کہیں گے اور جو شخص چھوٹے گناہوں پر اصرار کرے اور مستقل کرتا رہے تو ایسے آدمی کو بھی ''فاسق'' کہا جائے گا۔

''قواعد الفقہ'' میں ہیں: "**الفسق: فی اللغة عدم إطاعة أمر الله وفی الشرع ارتكاب المسلم كبيرة قصدا أو صغيرة مع الإصرار عليها بلا تأول**" (قواعد الفقہ: ۱/ ۴۱۲)۔

''الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ'' میں ہے: "**الفسق فی اللغة: الخروج عن الطاعة، وعن الدين، وعن الاستقامة۔ والفسق فی الأصل خروج الشیء من الشیء علی وجه الفساد، ومنه قولهم: فسق الرطب: إذا خرج عن قشره۔ وفی الاصطلاح قال الشوكانی: هو الخروج عن الطاعة وتجاوز الحد بالمعصية۔ والفسق يقع بالقليل من الذنوب إذا كانت كبائر، وبالكثير**" (۳۲/ ۱۴۰)۔

''روح المعانی'' میں ہیں: "**قال الراغب: والفسق أعم من الكفر، ويقع بالقليل من الذنوب وبالكثير، لكن تعورف فيما كانت كثيرة، وأكثر ما يقال الفاسق لمن التزم حكم الشرع و أقر به، ثم أخل بجميع أحكامه أو بعضها۔ وصف الإنسان به علی ما قال ابن الأعرابی لم يسمع فی كلام العرب، والظاهر أن المراد به هنا المسلم المخل بشیء من أحكام الشرع۔ "قاله العلامة الألوسی رحمة الله تعالی تحت قوله تعالی (إن جائكم فاسق بناء) الآية**" (الحجرات: ۶)، (روح المعانی: ۲۶/ ۱۳۵، دار إحیاء التراث العربی بیروت)۔

جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے اس کی عادت بنالے وہ فقہا کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے (مظہری) اور جو شخص یہ فسق کے کام اور گناہ علانیہ جرأت کے ساتھ کرتا پھرے

☆ دارالافتاء نوساری، گجرات

اس کو فاجر کہا جاتا ہے (تفسیر متعارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحب زیر تفسیر سورۃ البقرۃ آیت ۲۶)۔

جواب نمبر ۲: دیانات میں فاسق کا حکم: فاسق کی اذان:

اور اگر کوئی شخص داڑھی منڈواتا ہو یا کتروا کر ایک مشت سے کم کرتا ہو، وہ فاسق اور گناہ گار ہے، اور فاسق کا اذان واقامت کہنا مکروہِ تحریمی ہے، اور لوگوں کا ایسے شخص کو اذان دینے سے منع کرنا شرعاً درست ہے، البتہ منع کرنے میں نرمی اور حکمت کا برتاؤ اختیار کرنا چاہیے، نیز داڑھی والوں کی موجودگی میں فاسق شخص کو اذان واقامت نہیں کہنا چاہیے، البتہ اگر داڑھی منڈے نے اذان یا اقامت دے دی تو اس کو دوبارہ لوٹانا واجب نہیں۔

''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'' میں ہے: "**و منها ـ أی من صفات المؤذن ـ أن یکون تقیاً؛ لقول النبی صلی الله علیه وسلم : الإمام ضامن، و المؤذن مؤتمن، و الأمانة لا یؤدیها إلا التقی (ومنها): أن یکون عالما بالسنة لقوله صلی الله علیه وسلم: یؤمکم أقرؤکم، و یؤذن لکم خیارکم، و خیار الناس العلماء**" (کتاب الصلوۃ، ۱/ ۱۵۰، ط: دار الکتب العلمیۃ)۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے: "**و یکره أذان الفاسق ولا یعاد۔ هکذا فی الذخیرة**" (کتاب الصلوۃ، باب فی الاذان، ۱/ ۵۴، ط: دار الفکر)۔

''الدر المختار'' میں ہے: **وفیه أیضاً: "صلی خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة"**۔

ردالمحتار میں ہے: "**(قوله: نال فضل الجماعة) أفاد أن الصلاة خلفهما أولی من الانفراد، لکن لاینال کما ینال خلف تقی ورع لحدیث: من صلی خلف عالم تقی فکأنما صلی خلف نبی قال فی الحلیة: ولم یجده المخرجون نعم أخرج الحاکم فی مستدرکه مرفوعا إن سرکم أن یقبل الله صلاتکم فلیؤمکم خیارکم، فإنهم وفدکم فیما بینکم وبین ربکم۔ اهـ**" (کتاب الصلوۃ، باب الامامۃ، ۱/ ۵۶۲، ط: سعی)۔

فاسق کی امامت

واضح رہے کہ فاسق وہ شخص کہلاتا ہے جو گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہو یا صغیرہ گناہوں پر اصرار کرتا ہو، ایسے شخص کو امام بنانا مکروہِ تحریمی (ناجائز) ہے، البتہ اگر کوئی متدین امام میسر نہ ہو اور ایسا شخص خود امامت کے لیے آگے بڑھ گیا ہو یا پہلے سے یہ شخص امام ہو اور اس شخص کی اقتدا نہ کرنے کی صورت میں جماعت فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں اس شخص کے پیچھے نماز ادا کرنا انفراداً نماز ادا کرنے سے بہتر ہے، نماز بہر حال ایسے شخص کی اقتدا میں ہو جائے گی، واجب الاعادہ نہیں

ہوگی، البتہ فاسق وفاجر شخص کو مستقل طور پر امام نہ بنایا جائے۔

''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح'' میں ہے:''**کره إمامة الفاسق، ....فتجب إهانته شرعاً فلایعظم بتقدیم الإمامة تبع فیه الزیلعی ومفاده کون الکراهة فی الفاسق تحریمیة**'' (الصلاۃ، باب الامامۃ، ص ۳۰۳، دار الکتب العلمیۃ)۔

''فتاوی شامی'' میں ہے:''**صلی خلف فاسق أو مبتدع (نال فضل الجماعة. قوله: نال فضل الجماعة'' أفاد أن الصلاة خلفهما أولی من الانفراد، لکن لاینال کما ینال خلف تقی ورع**'' (کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ۱/ ۵۶۲، سعی)۔

''حاشیۃ طحطاوی'' میں ہے:''**کره إمامة ''الفاسق'' العالم لعدم اهتمامه بالدین فتجب إهانته شرعا فلا یعظم بتقدیمه للإمامة وإذا تعذر منعه ینتقل عنه إلی غیر مسجده للجمعة وغیرها وإن لم یقم الجمعة إلا هو تصلی معه**'' (کتاب الصلاۃ، فصل فی بیان الأحق بالإمامۃ، ص ۳۰۳، ۳۰۴، ط: دار الکتب العلمیۃ)۔

رؤیت ہلال میں فاسق کی گواہی

رؤیت ہلال میں فاسق کی گواہی کے حوالے سے اسلامی فقہ میں خاص احکام ہیں، عمومی طور پر، فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، کیونکہ وہ غیر معتبر سمجھا جاتا ہے۔

۱- قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''**یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِن جَائَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوا أَن تُصِیبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَیٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِینَ**'' (سورہ الحجرات:۶)۔

(اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کسی قوم کو نقصان پہنچا دو پھر اپنے کیے پر پشیمانی اٹھاؤ)۔

۲- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گواہی دینے والے کا عادل ہونا ضروری ہے (صحیح مسلم)۔

رؤیت ہلال کے معاملے میں فاسق کی گواہی کو قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس کی سچائی مشکوک ہوتی ہے (الفتاوی الہندیۃ، کتاب الصوم، ۱/ ۱۹۷)۔

رؤیت ہلال کے معاملے میں گواہی دینے والے کا عادل ہونا ضروری ہے، فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب الصوم، ۲/ ۸۹)۔

رؤیت ہلال کے لئے گواہی دینے والے شخص کا عادل ہونا شرط ہے اور فاسق کی گواہی کو نا قابل قبول قرار دیا جاتا ہے۔(المغنی لابن قدامہ کتاب الصوم، جلد ۳/ ۸)۔

عام جھگڑوں میں فاسق کی گواہی

عام جھگڑوں میں فاسق کی گواہی کے حوالے سے اسلامی فقہ میں چند مخصوص احکام ہیں، عمومی طور پر، فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی، کیونکہ اس کی سچائی پر شک ہوتا ہے، اس کے دلائل بھی وہی ہیں جو رویت ہلال میں فاسق کی گواہی کے سلسلے میں گزرے۔

معاملات میں فاسق کے احکام:

اسلامی فقہ میں معاملات (مثلاً تجارت، نکاح، وراثت، گواہی وغیرہ) کے حوالے سے فاسق کے احکام اہمیت رکھتے ہیں، یہاں کچھ بنیادی احکام اور ان کے حوالے دیے گئے ہیں:

۱- گواہی کی قبولیت:

فاسق شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔

''**يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ**'' (سورۃ الحجرات:٦)۔

''فتح الباری'' میں ہے: ''فاسق کی گواہی کو قبول نہیں کیا جاتا، کیونکہ اس کی سچائی مشکوک ہوتی ہے'' (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الشہادات، ۵/ ۲۵۹)۔

''البحر الرائق'' میں ہے: ''گواہی کے لیے عدل ہونا شرط ہے، اور فاسق کو عادل نہیں سمجھا جاتا'' (البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الشہادات، ۷/ ۲۲۷)۔

۲- تجارت اور لین دین:

فاسق شخص کے ساتھ تجارت اور لین دین کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے، تاکہ وہ اپنی اصلاح کرے (الفقہ علی المذاہب الأربعۃ، کتاب البیوع)۔

''بدائع الصنائع'' میں ہے: ''فاسق کے ساتھ تجارت کرنا مکروہ ہے، کیونکہ وہ غیر شرعی معاملات میں ملوث ہوسکتا

ہے‘‘(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، کتاب البیوع، ۵/ ۱۴۳)۔

’’الفتاوی الہندیہ‘‘ میں ہے:’’ فاسق کے ساتھ لین دین میں احتیاط کرنی چاہیے، تاکہ شرعی معاملات میں خرابی نہ ہو‘‘(الفتاوی الہندیۃ، کتاب البیوع، ۳/ ۱۷)۔

۳-نکاح

’’بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع‘‘ میں بیان کیا ہے:’’ فاسق مرد اور عورت کے نکاح کو مکروہ سمجھا جاتا ہے، لیکن فاسق ہونا نکاح کو باطل نہیں کرتا‘‘(کتاب النکاح)۔

حاشیۃ ابن عابدین (ردالمحتار) میں ہے:’’ فاسق کے نکاح کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، لیکن یہ باطل نہیں ہوتا‘‘ (حاشیۃ ابن عابدین، کتاب النکاح، ۳/ ۴۷)۔

’’المغنی‘‘ میں ہے:’’ نکاح کے لیے عفت وتقویٰ کو ترجیح دی جاتی ہے، فاسق سے نکاح کرنا مکروہ ہے‘‘(المغنی از ابن قدامہ، کتاب النکاح، ۶/ ۵۶۰)۔

۴-وراثت:

فاسق شخص اپنے وراثتی حقوق سے محروم نہیں ہوتا، لیکن اس کے فاسق اعمال اس کی شخصیت اور معاشرتی مقام پر اثر انداز ہو سکتے ہیں (المغنی ابن قدامہ، کتاب الفرائض)۔

’’الہدایہ‘‘ میں ہے:’’ وراثت کے احکام میں فاسق کے حقوق محفوظ ہیں، مگر اس کی عملی حیثیت کم ہو سکتی ہے‘‘(الہدایہ، کتاب الفرائض، ۴/ ۵۰۳)۔

۵-اجتماعی امور میں شمولیت:

فاسق شخص کو اسلامی معاشرے کے اہم اور حساس عہدوں پر فائز نہیں کیا جاتا، جیسے کہ قاضی یا امام،’’ الأحکام السلطانیۃ‘‘ میں ہے:’’ فاسق کو اسلامی حکومت میں قاضی یا حاکم کے عہدے پر فائز نہیں کیا جا سکتا‘‘ (الأحکام السلطانیۃ امام الماوردی) شرائط الحاکم، صفحہ ۴۵)۔

’’الفتاوی القاضی خان‘‘ میں ہے:’’ فاسق کی عدالت میں شہادت قبول نہیں کی جائے گی اور اسے قاضی مقرر نہیں کیا جا سکتا‘‘(فتاوی القاضی خان، کتاب الأحکام، ۲/ ۳۱۸)۔

اور اگر اصولی اعتبار سے دیکھا جائے تو فاسق شخص کا قاضی بننا درست ہے، کیونکہ فاسق نفس شہادت کا اہل ہے؛

جیسا کہ کتاب الشہادت میں گزر چکا تو قضاء کا بھی اہل ہوگا، اور فاسق خواہ اس کا فسق عملاً ہو یا اعتقاداً حکم میں برابر ہے، پس بدعتی، مودودی غیر مقلد وغیرہ کا بھی قاضی بننا درست ہوگا، بشرطیکہ ان کا عقیدہ موجب کفر نہ ہو، البتہ امیر وسلطان کی ذمہ داری ہے کہ قاضی کو عہدۂ قضا سپرد نہ کرے، ورنہ وہ ماخوذ ہوگا۔

"فلا يجوز تقليد المجنون والصبى والكافر والعبد والأعمى والأخرس والمحدود فى القذف لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليست لهم أهلية أدنى الولايات – وهى الشهادة – فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى۔ وأما الذكورة فليست من شرط جواز التقليد فى الجملة لأن المرأة من أهل الشهادات فى الجملة إلا أنها لا تقضى بالحدود والقصاص لأنه لا شهاد لها فى ذلك، وأهلية القضاء تدور مع أهلية الشهادة" (بدائع الصنائع:۳/۷)۔

"ما اتفقت كلمتهم عليه فى كتبهم المعتمد من أن أهل الشهادة فمن صلح لها صلح له ومن لافلا" (ردالمحتار:۸/۲۸)۔

"وتقبل من أهل الهواء أى أصحاب بد ع لا تكفر كجبر الخ۔ (الدرالمختار)،**وفى الشامية: انما تقبل شهادتهم؛ لأن فسقهم من حيث الاعتقاد وما أوقعهم فيه، إلا التعمق والغلو فى الدين و الفاسق انما ترد شهادته بتهمة الكذب۔ فمن وجب إكفاره منهم فالأكثر على عدم قبوله"** (ردالمحتار:۸/۱۸۸،م: طبع: زکریا دیوبند)۔

فاسق کی توبہ:

اگر فاسق توبہ کرلے اور اللہ سے معافی مانگ لے، تو اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے اور اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

قرآن مجید میں ہیں:

"قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ" (الزمر:۵۳)۔

البتہ فسق اعتقاد کی جہت سے ہو تو وہ قبول شہادت کے لئے مانع نہیں ہے، چنانچہ بدعتی، غیر مقلد، مودودی وغیرہ کی شہادت- باوجود یہ کہ وہ عقائد میں فاسق ہے- جبکہ عملا عادل ہو مقبول ہے، البتہ اس میں شرط ہے کہ وہ خلافِ حق عقیدہ موجبِ کفر نہ ہو۔

"إن الفسق من حيث الاعتقاد غير مانع من قبول الشهادت" (ہدایہ ۳/۱۶۳)۔

جواب نمبر ۳: واضح رہے کہ داڑھی منڈانا کبیرہ گناہ ہے، اور کبیرہ گناہ کا مرتکب فاسق ہوتا ہے، اور فاسق کی گواہی قاضی پر قبول کرنا واجب نہیں ہے، البتہ اگر قاضی کو قرائن سے معلوم ہوجائے کہ یہ شخص فاسق ہونے کے باوجود، بات سچ کہہ رہا ہے، اور اس بنیاد پر قاضی اس کی گواہی کو قبول کرلے، تو اسے یہ حق حاصل ہے۔

شاہد میں عدالت کے شرط ہونے پر اور فاسق کی گواہی قبول نہ کرنے پر فقہاء کا اتفاق ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِّنْكُمْ" (سورہ طلاق:۲)، (اور اپنے میں سے دو معتبر شخصوں کو گواہ ٹھہرالو)، اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "يَـأَيُّهَـا الَّـذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَا فَتَبَيَّنُوا" (سورہ حجرات:٦)، (اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تم تحقیق کرلیا کرو)، لہٰذا اس کے ذریعہ فیصلہ دینا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ اس کے ذریعہ فیصلہ کرنے میں اس کو عادل قرار دینا ہے اور اس لئے بھی کہ گواہ میں عدالت کا اعتبار کرنا اللہ تعالیٰ کا ایک حق ہے۔

"حـدثنا الحكم بن نافع، أخبرنا شعيب، عن الزهرى، قال: حدثنى حميد بن عبد الرحمن بن عـوف، أن عبد الله بن عتبة، قال: سـمـعـت عـمـر بن الخطاب رضى الله عنه، يقول: "إن أناسا كانوا يـؤخذون بالوحى فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم، وإن الوحى قد انقطع، وإنما نأخذكم الآن بـما ظهر لنا من أعمالكم، فمن أظهر لنا خيرا، أمناه، وقربناه، وليس إلينا من سريرته شىء الله يحاسبه فـى سـريـرتـه، ومن أظهر لنا سوئا لم نأمنه، ولم نصدقه، وإن قال: إن سـريرته حسنة" (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۶۴۱، ط: دار طوق النجاۃ)۔

"قـال فـى الـعـلائيـة والـعـدالـة لـوجوبه لا لصحته خلافا للشافعى رحمه الله تعالى فلو قضى بشهـادة فـاسق نفذ واثم۔فتح۔ إلا أن يمنع منه أى من القضاء بشهادة الفاسق الإمام فلا ينفذ (الى قوله) ومـا فـى الـقـنية والمجتبى من قبول ذى المروءة الصادق فقول الثانى بحر وضعفه الكمال بانه تعليل فى مقابلة النص فلا يقبل۔ أقره المصنف۔

وفـى الشـامية (قوله بشهادة فاسق نفذ قال فى جامع الفتاوى، وأما شهادة الفاسق فإن تحرى الـقاضى الصدق فى شهادته تقبل وإلا فلا۔ فقال وفى الفتاوى القاعدية هذا اذا غلب على ظنه صدّقه و هو مما يحفظ درر أول كتاب القضاء و ظاهر قوله وهو مما يحفظ اعتماده أو (قوله (النص) وهو قوله تعالى وَأَشْهِدُوَا ذَوَى عدل منكم وأجبنا عنه أول القضاء" (ردالمحتار ۴/۴۱۶)۔

جصاص نے اپنی کتاب ''احکام القرآن'' میں صراحت کی ہے کہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ چند چیزوں میں

فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز ہے، ان میں سے معاملات کے امور ہیں، پس ان میں فاسق کی خبر قبول کی جائے گی، اور یہ جیسے ہدیہ ہے جب وہ تم سے کہے: فلاں نے تمہیں یہ چیز ہدیہ کے طور پر دی ہے تو اس کو قبول کرنا اور اس پر قبضہ کرنا جائز ہوگا، اور جیسے اس کا قول: فلاں شخص نے مجھے اس چیز کے فروخت کرنے کے لئے وکیل بنایا ہے، تو اس کا قبول کرنا اور اس چیز کو اس سے خریدنا جائز ہوگا، اور اسی طرح معاملات کی تمام خبریں ہیں۔

قرطبی نے اس کی صراحت اپنے اس قول میں کی ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے: دوسرے شخص کی طرف سے کہ کسی قول یا کسی چیز کو پہنچانے یا اجازت کی اطلاع دینے میں، جبکہ وہ مرسل اور مبلغ کے حق سے نہ نکلے تو اس کا پیغامبر ہونا صحیح ہوگا اور پھر اگر اس کے ساتھ ان دونوں کے علاوہ کسی شخص کا حق متعلق ہو جائے تو اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، اور یہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے جائز ہے، اس لئے کہ اگر ان معاملات میں مخلوق کے مابین اگر عادل اشخاص ہی تصرف کریں تو ان میں سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوگی، اس لئے کہ ان معاملات میں ایسے لوگ معدوم ہیں اور مراد: ان کا کم ہونا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ: ۳۲/۱۸۰)۔

جواب نمبر ۴: حنفی فقہ میں، اگر متولی گناہوں کا مرتکب ہو اور شرعی امور میں اس کے احکام اسلامی قوانین کے خلاف ہوں، تو اس کے احکام کی اطاعت واجب نہیں ہے، البتہ اگر متولی کی گناہ کا تعلق ذاتی معاملات سے ہو اور اس کی وجہ سے شرعی احکام متاثر نہ ہوں، تو اس صورت میں اس کے احکام کی اطاعت کی جاسکتی ہے۔

''الدر المختار شرح تنویر الأبصار'' میں بیان کیا ہے:

''**ولمّا كان المتولي بمنزلة الإمام، شرط فيه ما شرط في الإمام من العدالة ونحوها، فإذا فسق عزله الإمام، ولو لم يعزل لا ينفذ تصرفه، إلا في الأصح**'' (ردالمحتار، کتاب الوقف)۔

فتاوی عالمگیری میں متولی کے امور اور اس کے فرائض کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

''**إذا فسد المتولي يُعزَل ويُعَيَّن آخر مكانه، وإذا لم يُعزَل، فإن تصرفاته باطلة إذا كانت خارجة عن الشريعة**'' (۲/۵۳۹)۔

بدائع الصنائع میں ہے: ''**ولا يجوز تولية الفاسق على الوقف'' لأنه يخل بالأمانة**'' (۴/۱۹۰)۔

المبسوط للسرخسی میں موجود ہے: ''**وإذا كان المتولي فاسقًا يجب عزله، لأنه لا يُؤتَمَن على الوقف**'' (۱۲/۱۵۶)۔

جواب نمبر ۵: کفر اور فسق دو لفظ ہیں، بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کفر کا تعلق عقیدہ سے ہے اور فسق کا تعلق فقط اعمال سے

ہے، کوئی آدمی خلافِ شرع کام کرتا ہو تو اُسے فاسق کہا جاتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ فسق کا تعلق عقیدہ اور عمل دونوں سے ہوتا ہے، عقیدہ کا فسق یہ ہے کہ انسان صحابہ کرام کے بتلائے ہوئے عقائد سے ہٹ جائے، جب وہ ان عقائد سے ہٹے گا تو فسق فی العقیدہ میں یعنی بدعت اعتقادی میں مبتلا ہو جائے گا اور کبھی کبھی یہ فسق فی العقیدہ کفر تک بھی پہنچا دیتا ہے، صحابہ کرام کے بتلائے ہوئے عقائد وہی ہیں جو جناب رسول اللہ نے تعلیم فرمائے ہیں اور ان پر ساری اُمت قائم چلی آ رہی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام معیارِ حق ہیں، خوارج، شیعیت، جہمیت، اعتزال اور فرقہائے جبریہ، قدریہ، مُرجیہ، کرامیہ سب اِسی اصول سے ہٹنے سے پیدا ہوئے، اِن فرقوں میں بہت سے فرقے فسق تک گمراہی میں مبتلا ہوئے اور بہت سے حدِ کفر تک آگے چلے گئے جو طبقہ صحابہ سے حدِ فسق تک ہٹے وہ بدعتی بھی کہلاتے ہیں، غرض جس طرح اعمال میں فسق ہوتا ہے اِسی طرح عقائد میں بھی ہوتا ہے۔

''فسق فی العقیدہ'' ایک اسلامی اصطلاح ہے جو عقیدہ (یعنی ایمان اور اعتقاد) میں بگاڑ یا انحراف کو بیان کرتی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کے عقائد یا ایمان میں ایسی غلطیاں یا گمراہیاں پیدا ہو گئی ہیں جو اسلامی اصولوں اور تعلیمات کے خلاف ہیں، مثال کے طور پر، اگر کوئی شخص اللہ کے صفات یا رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں شک یا انکار کرتا ہے، تو یہ فسق فی العقیدہ کے زمرے میں آ سکتا ہے، یہ ایک سنگین مسئلہ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ یہ اسلامی عقیدے کی بنیاد کو متزلزل کر سکتا ہے۔

فسق فی العقیدہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے اور وہ گمراہی کی طرف مائل ہو جاتا ہے، اس لیے علماء اور دینی رہنما ہمیشہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مسلمان اپنے عقائد کو درست اور مضبوط بنائیں، اور ہر قسم کے فتنوں اور گمراہیوں سے بچنے کی کوشش کریں۔

۱- فتاویٰ عالمگیری میں بدعقیدگی اور فسق فی العقیدہ کے موضوعات پر مفصل بحث کی گئی ہے:

''جو شخص اپنے عقائد میں ایسی چیزوں کو شامل کر لیتا ہے جو قرآن وسنت کے خلاف ہوں، وہ فسق فی العقیدہ میں مبتلا ہوتا ہے اور اس کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے'' (فتاویٰ عالمگیری، ۲/۲۷۶-۲۹۰)۔

۲- علامہ شامی نے ردالمحتار میں بدعقیدگی اور فسق فی العقیدہ کی وضاحت کی ہے:

''فسق فی العقیدہ کا مطلب ہے کہ کوئی شخص اپنے ایمان میں ایسی بدعات اور نئی چیزوں کو شامل کر لے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوں، یہ عمل اس کے ایمان کو ضائع کر سکتا ہے'' (فتاویٰ شامی، ۳/۳۴۵-۳۶۰)۔

۳- علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فسق فی العقیدہ پر تفصیلی بحث کی ہے، خاص طور پر بدعات اور ان کے اثرات کے

بارے میں۔ان کا کہنا ہے:

''بدعت وہ عمل ہے جو دین میں نیا ہو اور اس کی کوئی اصل نہ ہو، یہ بدعات اکثر انسان کو کفر اور شرک کی طرف لے جاتی ہیں اور یہ فسق فی العقیدہ میں شمار ہوتی ہیں'' (فتاویٰ ابن تیمیہ، ۷/ ۲۸۴-۳۰۵)۔

''جو شخص قرآن وسنت کے واضح احکام کے برخلاف کسی چیز پر ایمان لاتا ہے، وہ فسق فی العقیدہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے'' (فتاویٰ ابن تیمیہ، ۱۲/ ۴۹۲-۵۱۰)۔

۴-فتاویٰ دار العلوم دیوبند: دار العلوم دیوبند کے مفتیان کرام نے فسق فی العقیدہ کی مختلف صورتوں کا ذکر کیا ہے:

''فسق فی العقیدہ وہ حالت ہے جب کوئی شخص اپنے عقائد میں قرآن وسنت سے ہٹ کر کسی دوسری بات کو ترجیح دے، یہ عمل انسان کو دین سے دور کر دیتا ہے اور اس کا ایمان ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے'' (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ۲/ ۱۵۰-۱۷۰)۔

۵-فتاویٰ محمودیہ میں مفتی محمود حسن گنگوہی نے بدعقیدگی اور فسق فی العقیدہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے:

''بدعقیدگی کا مطلب ہے کہ انسان اپنے عقائد میں ایسی چیزوں کو شامل کر لے جو قرآن وسنت کے خلاف ہوں، یہ فسق فی العقیدہ ہے اور انسان کو دین سے دور کر دیتا ہے'' (فتاویٰ محمودیہ، ۱/ ۳۴۵-۳۶۰)۔

جواب نمبر ۶: اگر کوئی شخص فاسق (جو گناہ کبیرہ یا کھلم کھلا گناہ کرتا ہے) زبانی توبہ کرتا ہے، لیکن اپنے گناہ کو ترک نہیں کرتا، تو فقہ اسلامی کے مطابق اس کی توبہ مکمل نہیں سمجھی جائے گی اور اس کا فسق ختم نہیں ہوگا، توبہ کی قبولیت کے لیے نیت، پچھتاوا اور عملی طور پر گناہ کو ترک کرنا ضروری ہے۔

توبہ کے شرائط:

۱-نیت اور اخلاص: دل سے گناہ پر پچھتاوا ہونا اور اللہ سے معافی مانگنے کی نیت۔

۲-گناہ کا ترک کرنا: توبہ کی قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ شخص گناہ کو فوراً ترک کرے اور دوبارہ نہ کرنے کا عزم کرے۔

۳-آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم: آئندہ اس گناہ کی طرف نہ جانے کا پختہ ارادہ ہو۔

''والتوبة من الذنب أن يندم على ما فعله ويعزم أن لا يعود إليه أبداً، فإن تاب بلسانه ولم يقلع عن الذنب فلا توبة'' (فتاویٰ عالمگیری، کتاب التوبۃ ۵/ ۲۸۵-۲۸۴)۔

''وشرائط التوبة ثلاثة: الندم على ما فات، والإقلاع عن الذنب في الحال، والعزم على أن لايعود إلى مثله .فإذا اختل شرط منها لم يكن توبة'' (۶/ ۳۰۲)۔

احیاء علوم الدین از امام غزالی میں ہے:**''التوبة تقتضي الإقلاع عن الذنب والعزم على عدم العود إليه،**

ومن تاب بلسانه ولم يقلع عن الذنب فلا توبة له ويبقى على فسقه" (احیاء علوم الدین، کتاب التوبۃ ۴/ ۱۰-۱۱)۔

(توبہ کا تقاضا یہ ہے کہ گناہ کو چھوڑ دے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے۔ اگر کوئی زبان سے توبہ کرے اور گناہ کو نہ چھوڑے تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی اور وہ اپنے فسق پر قائم رہے گا)۔

خلاصہ یہ ہے کہ توبہ کی شرائط اور اس کی قبولیت کے بارے میں اسلامی فقہ اور فتاویٰ میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ زبانی توبہ کے ساتھ ساتھ عملی طور پر گناہ کو ترک کرنا ضروری ہے، صرف زبانی توبہ کرنے سے فسق ختم نہیں ہوتا، جب تک کہ گناہ کو عملی طور پر ترک نہ کیا جائے۔

جواب نمبر ۷: داڑھی تمام انبیاء کرام کی سنت، مسلمانوں کا قومی شعار اور مرد کی فطری اور طبعی چیزوں میں سے ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اس شعار کو اپنانے کے لیے اپنی امت کو ہدایات دی ہیں اور اس کے رکھنے کا حکم دیا ہے، اس لیے جمہور علماء امت کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب اور اس کو کتروا کر یا منڈوا کر ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ اور اس کا مرتکب فاسق اور گناہ گار ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "امام مسلم" اور اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں (پیدائشی سنت ہیں): ایک تو مونچھ خوب کتروانا، دوسری داڑھی چھوڑنا، تیسری مسواک کرنا، چوتھی پانی سے ناک صاف کرنا، پانچویں ناخن کاٹنا، چھٹی انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، ساتویں بغل کے بال اُکھاڑنا، آٹھویں زیرِ ناف کے بال مونڈنا، نویں پانی سے استنجا کرنا۔ زکریاؒ راوی کہتے ہیں کہ مصعبؒ نے کہا: میں دسویں چیز بھول گیا، مگر یہ کہ یہ کلی ہوگی:

"**عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحية، والسواك، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء" قال زكريا: قال مصعب: ونسيت العاشرة إلا أن تكون المضمضة**" (صحیح مسلم ۱/ ۲۲۳)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے "بزار" نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجوسیوں کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ:

"**خالفوا على المجوس جزوا الشوارب وأوفوا اللحى**" (مسند البزار، البحر الزخار ۱۳/ ۹۰)۔

مذکورہ بالا احادیث میں صراحت سے داڑھی کے بڑھانے کا حکم ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے صریح حکم کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہے۔

اسی معنی کی مزید احادیث درج ذیل ہیں۔

"عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: أحفوا الشوارب وأعفوا اللحی" (جامع الترمذی، أبواب الأدب، باب ماجاء فی إعفاء اللحیۃ، النسخۃ الہندیۃ ۲/ ۱۰۵، دارالسلام رقم: ۲۷۶۳)۔

نیز داڑھی منڈوانا ایسا جرم ہے کہ اس کی حرمت پر ساری امت کا اجماع ہے، امت کا ایک فرد بھی اس قبیح فعل کے جواز کا قائل نہیں ہے۔

سنن ابوداود کے شارح صاحب "المنہل العذب المورود علامہ سبکی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ داڑھی کا منڈانا سب ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حرام ہے۔

"کان حلق اللحیۃ محرّماً عند ائمۃ المسلمین المجتہدین أبی حنیفۃ، ومالک، والشافعی، وأحمد وغیرھم –رحمھم اللہ تعالیٰ" (المنہل العذب المورود، کتاب الطہارۃ، أقوال العلماء فی حلق اللحیۃ واتفاقہم علی حرمتہ: ۱/ ۱۸۶، موسسۃ التاریخ العربی، بیروت، لبنان)۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ بوادر النوادر میں لکھتے ہیں:

"قال العلائی فی کتاب الصوم قبیل فصل العوارض: إن الأخذ من اللحیۃ، وھی دون القبضۃ، کما یفعلہ بعضُ المغاربۃ ومُخَنَّثۃ الرجالِ، لَم یُبِحْہ أحدٌ، وأَخْذُ کلِّھا فعلُ الیھود والھنودِ ومَجوس الأعاجِم۔ اھ فحیثُ أَدْمَن علی فعلِ ھذا المحرَّمِ یفسُقُ، وإن لم یکن ممن یستخفونہ ولا یعُدُّونَہ قادحاً للعدالۃ والمروۃ، إلخ" (تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، کتاب الشہادۃ: ۴/ ۲۳۸، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)۔

"قلت (الأحقر): قولہ: لم یبحہ أحد نصٌّ فی الإجماع، فقط" (بوادر النوادر، پچپنواں نادرہ در اجماع بر حرمت اخذ لحیہ دون القبضہ، ص: ۴۴۳، ادارہ اسلامیات لاہور)۔

علامہ علائی رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کے آخر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ علامہ حصکفی رحمہ اللہ کا قول: لَمْ یُبِحْہ أحدٌ داڑھی منڈانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے۔

واضح رہے کہ کسی فعل کے حرام ہونے کے لیے قرآنِ مجید یا احادیثِ نبویہ میں لفظِ حرام کہہ کر اس کا حکم "حرام" بیان کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ بعض مرتبہ اشارۃً ایک حکم مذکور ہوتا ہے اور اس کا حکم حرام یا فرض کا درجہ رکھتا ہے، قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں بیان کردہ احکام کے مراتب ودرجات جاننے کا ذریعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے شاگردوں (تابعین رحمہم اللہ) کی تشریحات ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے آثار سے احکامِ اسلام کا مرتبہ متعین ہوجاتا ہے، کیوں کہ وہ آپ ﷺ کے براہِ راست شاگرد، وحی کے نزول کے شاہد اور کمال درجہ شوق کے ساتھ آپ ﷺ سے دین کو سیکھنے سمجھنے

والے ہیں، انہیں کسی فعل میں آپ ﷺ سے رخصت ملی تو بلا کم وکاست پوری امانت داری کے ساتھ امت تک رخصت والا وہ عمل بھی پہنچایا ہے، آپ ﷺ نے خود بھی داڑھی رکھی، تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی داڑھی رکھی، اور آپ ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو داڑھی بڑھانے کا حکم دیا، اور کسی نبی علیہ السلام یا صحابی رضی اللہ عنہ سے داڑھی صاف کرنا ثابت نہیں، ہاں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتنا آتا ہے کہ وہ ایک مشت تک داڑھی کو درست کرتے تھے، اس سے کم داڑھی رکھنا کسی سے منقول نہیں ہے، اور درج بالا احادیث میں آپ نے ملاحظہ کیا کہ آپ ﷺ نے صاف اور دوٹوک حکم دیا ہے کہ داڑھی بڑھاؤ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس سے وجوب ہی سمجھا، تب ہی خود بھی شدت سے عمل کیا اور آنے والی امت کو یہی امانت حوالہ کر کے گئے، ان کے شاگرد اور شاگردوں کے شاگردوں نے وہی امانت امت تک پہنچائی ہے، انہوں نے دین کے مسائل خود سے نہ بنائے ہیں اور نہ ہی خود سے احکام کے مراتب متعین کیے ہیں، فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تب تک کسی چیز کا حکم اور اس حکم کا درجہ متعین نہیں کرتے جب تک کہ ان کے پاس قرآن وحدیث سے دلیل موجود نہ ہو، خواہ صراحتاً ہو یا اشارۃً۔

یہ بات بھی قرآنِ مجید اور احادیثِ نبویہ میں صراحتاً اور اشارۃً موجود ہے کہ مسلمان اہلِ علم کا اجماع واتفاق مستقل حجتِ شرعیہ ہے، یعنی اگر قرآن وحدیث میں کوئی حکم صراحتاً موجود نہ ہو، لیکن صحابہ کرام یا قرونِ اولیٰ کے اہلِ علم کسی آیت یا حدیث کی مراد پر متفق ہو جائیں تو یہ اجماع خود حجتِ شرعیہ ہے، اس اجماع سے ہی حکم کا درجہ متعین ہو جاتا ہے، جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین وتبع تابعین اور فقہاء مجتہدین رحمہم اللہ قرآن وحدیث سے ایک مسئلے (داڑھی صاف کرنے یا ایک مشت سے کم کرنے) کا حکم سمجھ کر اس کے درجے پر متفق ہیں تو ان حضرات کا اجماع ہی اس کی حرمت کی دلیل ہے، خواہ قرآن مجید اور احادیثِ نبویہ میں صراحتاً حرمت نہ بھی موجود ہو، چہ جائے کہ داڑھی بڑھانے کے وجوب پر صراحتاً دلالت کرنے والی احادیث موجود ہیں جن کی جانبِ مخالف (واجب کو ترک کرنا) حرام ہے۔

داڑھی کے شرعی حکم سے متعلق حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے افادات میں ہے:

''داڑھی قبضہ (ایک مشت) سے کم کرانا حرام ہے، بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے؛ اس لیے اس کے اعلانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دینِ اسلام کی کھلی توہین ہے اور اعلانیہ گناہ کرنے والے معافی کے لائق نہیں، اور داڑھی کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے حتی کے نماز وغیرہ عبادات میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہے''

(''داڑھی منڈانا کبیرہ گناہ اور اس کا اس کا مذاق اڑانا کفر ہے''، ص ۱۰، مکتبہ حکیم الامت)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

فسق سے متعلق مسائل

مفتی محمد ذاکر غفرلہ☆

جواب(۱):

قرآن وحدیث میں مختلف جگہوں پر مختلف اعمال کی نشاندہی کی گئی ہے اوران سے روکا گیا ہے، مثلاً مشکوٰۃ شریف باب الکبائر وعلامات النفاق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دس کلمات کی وصیت فرمائی، منجملہ ان کے شرک، عقوق والدین، ترک صلاۃ مکتوبہ، شرب خمر، فرار من الزحف، طاعون کی جگہ سے بھاگنا، ان سب گناہوں سے روکا گیا ہے، اسی طرح حضرت صفوان ابن عسال رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات بینات کے ضمن میں جن کاموں سے روکا ہے، منجملہ ان کے شرک، چوری، زنا، ناحق قتل، بادشاہ کے پاس بے قصور کو قتل کرانا، جادو، اکل ربا، قذف محصنہ، اور فرار من الزحف جیسے گناہوں سے روکا ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں سبع موبقات (**شرک، سحر، ناحق قتل، اکل ربا، اکل مال الیتیم، تولی یوم الزحف اور قذف محصنات**) سے روکا گیا ہے، الغرض قرآن وحدیث میں بہت سی جگہوں پر اعمال فسق کی نشاندہی کی گئی ہے، لیکن اس کی کوئی متعین تعریف نہیں کی گئی۔

چنانچہ حدود وقصاص کے موجب افعال کا مرتکب، اور نصوص شرعیہ کتاب وسنت میں جن اعمال وافعال پر زجر وتوبیخ، وعید شدید وارد ہوئی ہے، ان کا مرتکب فاسق ہے، حالات زمانہ عرف وماحول کو بھی تعریف فسق میں دخل ہے، لہٰذا فسق کی کوئی ایک ہی متعینہ تعریف نہیں ہے۔

تعریف الفسق:

۱ – "الفسق فی اللغة: الخروج عن الطاعة وعن الدین، وعن استقامة. والفسق فی الأصل خروج الشئ من الشئ علی وجه الفساد، ومنه قولهم: فسق الرطب: إذا خرج عن قشره.

☆ مفتی شہر، جے پور

وفی الإصطلاح قال الشوکانی : هو الخروج عن الطاعة وتجاوز الحد بالمعصية والفسق يقع بالقليل من الذنوب إذا كانت كبائر، وبالكثير، لكن تعورف فيما كان كثيراً، وقد يكون الفسق شركاً، وقد يكون إثما، وأكثر ما يقال الفاسق لمن إلتزم حكم الشرع وأقربه ثم أخل بجميع أحكامه أو ببعضه''

(لسان العرب والمصابیح المنیر ،والمفردات للراغب الأصفہانی والتعریفات للجرجانی،والمعجم الوسیط ،والفروق اللغویۃ لأبی ہلال العسکری،وفتح القدیر للشوکانی)۔

''حكم الفسق: الفسق حرام ومنهى عنه بإجماع المسلمين ، لأنه خروج عن أحكام اللّٰه ، ومخالفة لأوامره ونواهيه، ويعاقب صاحبه بالحد أو التعزير'' (التفسیر الکبیر للفخر الرازی ۱۰/ ۴۷،والزواجر لابن حجر ۴،۵)۔

''أنواع الفسق: قال إبن تيمية: إن الفسق تارة يكون بترک الفرائض، وتارة بفعل المحرمات''

(مجموعۃ الفتاوی ۷ / ۶۳۷)۔

''وجاء فی الزواجر عن اقتراف الكبائر لإبن حجر: قال بعض الأئمة: كبائر القلوب اعظم من كبائر الجوارح،لأنها كلها توجب الفسق'' (الزواجر ۱/ ۲۱)۔

''والفسق أنواع كثيرة يذكرها الفقهاء فی كتبهم، كالفسق الملی أو فسق أهل الملة الذين لهم حسنات ولهم سيأت، فهم غير مخلدين فی النار'' (مجموعۃ الفتاوی ۷/ ۶۷۰)۔

''ومن ذلک الفاسق بتأويل، كالذی يشرب الخمر متأولاً فقه العراقيين، فإذا كان تأويله لمقطوع بحرمته فلا يعذر بتأويله، اوكان غير متأول فلا يعذر بذلک'' (بدایۃ المجتہد ۱/ ۱۱۵،والفواکہ الدوانی علی الرسالۃ ۱/ ۲۴۱)۔

''ومنه الفاسق بالجارحة كمن يشرب الخمر أو يزنی'' (شرح میارۃ الکبیر علی ابن عاشر ۲/ ۴۰-۴۵)۔

''ومنه الفاسق بالإعتقاد كالقدوری والجبری'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۲/ ۱۴۲)۔

جواب(۲):

''أثر الفسق فی الشهادة: إتفق الفقهاء على إشتراط العدالة فی الشاهد، وأنه لاتقبل شهادة الفاسق لقوله تعالیٰ: ''واشهدوا ذَوی عَدلٍ منكم'' (سورۃ الطلاق ۲) ولقوله تعالیٰ:'' يا ايها الذين آمنوا إن جاء كم فاسقٌ بنبإٍ فتبيّنوا'' (سورۃ الحجرات ۶) ''فلا يجوز الحكم بها، لأن فی الحكم بها تعديلا له، ولأن اعتبار العدالة فی الشاهد حق للّٰه تعالیٰ'' (الفتاوی الخانیۃ ۲/ ۴۶۰،والتبصرۃ لابن فرحون ۱/ ۱۷۳)۔

''إمامة الفاسق فی الصلوٰة: وعند الشافعية فانهم يجيزون الصلاة وراء الإمام الفاسق وإنما يكره

ذلک خلفه، ومحل کراهة إمامة الفاسق لغیر الفاسق، اما لمثله فلا تکره ما لم یکن فسق الإمام أفحش" (حاشیۃ البجیرمی علی الخطیب ۲/ ۱۱۲)۔

"الفسق والإمامة الکبری: وعند جمهور الفقهاء لا یجوز أن تعقد الإمامة لفاسق،لأن الإمام یقام لإقامة الحدود، واستیفاء الحقوق،وحفظ أموال الأیتام والمجانین، والنظر فی امورهم، إلی غیر ذلک، ومافیه من الفسق یقعد عن القیام بهذا الأمور والنهوض فیها" (تفسیر القرطبی ۱/ ۲۳۲،وأحکام القرآن للجصاص ۱/ ۱۰)۔

"أثر الفسق فی روایة الحدیث: ذهب جماهیر أئمة الحدیث والفقه الی أنه یشترط فیمن یحتج بروایته السلامة من الفسق.

أثر الفسق فی الفتویٰ: ذهب جمهور الفقهاء إلی أن الفسق مانع من قبول الفتویٰ، لأن الإفتاء یتضمن الإخبار عن الحکم الشرعی، وخبر الفاسق لایقبل.

الفسق والمعاملات: نص الجصاص فی کتابه أحکام القرآن علی أن أهل العلم اتفقوا علی جواز قبول خبر الفاسق فی أشیاء، منها: أمور المعاملات فیقبل فیها خبر الفاسق" (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۹۸)۔

"الفاسق وولایة النکاح: ذهب الحنفیة والمالکیة إلی أن الفاسق یکون ولیا فی النکاح علی مولیته"۔

مذکورہ عبارات کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ فاسق کا فسق اس کی عبادات پر اثر انداز ہوتا ہے، جیسے اس کی نماز، شہادت، روایت حدیث، قضا وفتویٰ کے ساتھ امامت کبری پر بھی فسق کا اثر پڑتا ہے، البتہ معاملات میں فاسق کی خبر اور نکاح میں فاسق کی ولایت قابل قبول ہے۔

جواب (۳): حکم شہادۃ الفاسق (حالق اللحیۃ)

"إتفق الفقهاء علی إشتراط العدالة فی الشهادة، وأنه لا تقبل شهادة الفاسق لقوله تعالیٰ: "واشهدوا ذوی عدل منکم" (سورہ طلاق ۲) **ولقوله تعالیٰ"یا أیها الذین آمنوا إن جاءکم فاسق بنباء فتبینوا"** (سورۃ الحجرات ۶۱) **"فلا یجوز الحکم بها، لأن فی الحکم بها تعدیلا له، ولأن اعتبار العدالة فی الشاهد حق للّٰه تعالیٰ"** (الفتاویٰ الخانیۃ ۲/ ۴۶۰، والتبصرۃ لابن فرحون ۱/ ۱۷۳، کذا فی الموسوعۃ الفقہیۃ جلد: ۳۵)۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا یونس صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"قال أبو شامة: قد حدث قوم یحلقون لحاهم وهو اشد ممّا نقل عن المجوس انهم کانوا یقصّونها اهـ وقد امر السید المصطفی صلی اللّٰه علیه وسلم بمخالفة المجوس والمشرکین، وقد صرح اصحاب

المذاهب الأربعة على تحريم الحلق.

قال إبن الهمام فی فتح القدير : أما الأخذ منها وهی دون ذلک أی القدر المسنون وهو القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنّثة الرجال فلم يبحه أحد اهـ وتبعه الزين إبن نجيم صاحب البحر وصاحب الدر المختار وابن عابدين فی در المختار، وقال فی الدر المختار فی الحظر والإباحة عن البزّازية: يحرم على الرجل قطع لحيته اهـ وصرّح ابن الهمام وغيره أن حلق اللحية من فعل مجوس الأعاجم والهنود وبعض الأفرنج.

وهكذا صرّح أصحاب المذهب الثلاثة على التحريم كما ساق عبارتهم صاحب المنهل"

مختصر یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی رکھی، تراش و برید نہیں فرمایا اور یہ عادی طور پر نہیں تھا، بلکہ ایک امر شرعی کی حیثیت سے تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اعفاء اللحیۃ کا امر فرمایا اور امر مقتضی وجوب ہے۔ **الا عند صارف ولا صارف ۔**

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ مخالفت مشرکین کرو اور ان کی مخالفت واجب ہے، کیونکہ ان کی موافقت مخالفت مسلمین ہوگی۔ "**وهو لايجوز**"۔

نیز یہ تشبہ بالکفار ہے، "**وقد قال السيد المصطفى صلى الله عليه وسلم :" من تشبه بقوم فهو منهم**" (رواہ احمد وأبوداؤد)۔

سلف کا عمل بھی اسی پر رہا ہے، کسی سے بھی اس کے خلاف ثابت نہیں ہے، نیز علماء مذاہب بھی اسی پر متفق ہیں؛ بلکہ ابن ہمام کی عبارت "**لم يبحه أحد**" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، شیخ احمد نقرادی کی عبارات میں بھی یہی ہے، فرماتے ہیں: "**لاشک فی حرمته عند جميع الأئمة لمخالفة سنة المصطفى صلى الله عليه وسلم ولموافقة فعل الأعاجم والمجوس**" (کذا فی الیواقیت الغالیۃ ۲/۲۴۹، مطبع مجلس دعوت الحق)۔

رؤیت ہلال کے سلسلہ میں فاسق کی شہادت: مفتی سلمان صاحب منصور پوری تحریر فرماتے ہیں: ایسا شخص جس کا ظاہری حلیہ اور وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہے، لیکن وہ سنجیدہ اور باوقار ہے، جھوٹ بولنے کو خود اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے اور اپنے اندر مروت اور غیرت رکھتا ہے، تو ایسے شخص کی شہادت قبول کرنا جائز، بلکہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق ایسے شخص کی شہادت قبول کرنا بعض حالات میں واجب ہوجاتا ہے، اسی لئے رؤیت ہلال کے مسئلہ میں چاہے ہلال رمضان ہو یا ہلال شوال یا ذی الحجہ، ہر ایک کے بارے میں ایسے شخص کی شہادت قابل قبول ہوگی، اور اس کے مطابق فیصلہ دینا

بلا کراہت اور بلاشبہ جائز ہوگا (کتاب النوازل ۶/ ۲۸۷، مطبع فرید بک ڈپو)۔

"وعن أبی یوسفؒ ان الفاسق إذا کان وجیها فی الناس ذا مروّة تقبل شهادته؛ لأنه لایُستأجر لوجاهته ویمتنع عن الکذب لمروّته" (ہدایۃ آخرین، کتاب الشہادۃ ص:۱۵۶، مطبع دار الکتاب دیوبند)۔

"العدل فی الشهادة؟ أن یکون مجتنباً عن الکبائر ولا یکون مصرا علی الصغائر، ویکون صلاحه أکثر من فساده وصوابه أکثر من خطائه، وأن یستعمل الصدق دیانة ومبرة ویجتنب عن الکذب دیانة ومروءة" (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۱۱/ ۴۲۴، مکتبہ زکریا دیوبند)۔

"قال الفقیه: لا ینبغی للقاضی أن یضیق مثل هذا التضییق إذا لا یوجد أحد من الناس، إلا وفیه عیب، ووجب أن ینظر القاضی إلی غلبة الصلاح وإجتنابه عن الکبائر وترکه إیذاء الناس ولا یکون کسبه من حرام فهو عدل، وعن نصیر عن أبی سلیمان أنه قال: إذا رآه حافظاً للجماعة ولم یر منه ریبة فهو عدل، وسئل إبن المبارک عنه قال: من لا یطعن فی بطن ولا فرج ویعقل کیف یشهد، وفی الفتاویٰ العتابیة، عن ابی یوسف إذا أدی الفرائض بجماعة وسلم عن الکبائر ینظر فی الصغائر فإن کان اخلاصه أکثر فهو عدل وهو المختار۔

ثم إختلفوا فی تفسیر الکبائر: قال بعضهم هی السبع التی ذکرها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فی الحدیث المعروف، وقال بعضهم ما تثبت حرمته بنص القرآن فهو کبیرة، وأصح ما قیل فی هذا الباب ما نقل عن الشیخ الامام شمس الأئمة الحلوانی: أنه قال: ما کان شنیعا بین المسلمین وفیه هتک حرمة اللّٰه تعالیٰ والدین فهو من جملة الکبائر" (الفتاویٰ التاتارخانیۃ ۱۱/ ۴۲۶-۴۲۵۔ مکتبہ زکریا دیوبند)۔

"قال اللّٰه تعالیٰ "یا أیها الذین آمنوا إن جاء کم فاسق بنباءٍ فتبیّنوا" (سورۃ الحجرات ۶) "فتبیّنوا" قرأ حمزه والکسائی بالثاء المثلثة ثم الباء الموحدة ثم التاء المثناة من الفوق من التثبت بمعنی التوقف فی الحکم ما لم یظهر الحال...وتعلیق التثبت والتبین بخبر الفاسق یقتضی جواز قبول خبر الواحد العدل لعدم المانع من قبول خبره" (تفسیر المظہری ۹/ ۱۲، زکریا بکڈپو دیوبند)۔

مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال:

اس زمانے میں جب کہ داڑھی منڈوں کی کثرت ہے، پس اگر کوئی داڑھی منڈانے والا رؤیت کی شہادت دے اور عرفاً

ثقہ اور معتمد سمجھا جاتا ہو، پس آیا شرعا اس کی گواہی مان لی جائے؟ اسی طرح داڑھی والا نمازی جبکہ تہبند یا دھوتی باندھے ہوئے ہو؟

جواب:

داڑھی منڈانے والا اگرچہ عرفا ثقہ اور قابل اعتماد سمجھا جاتا ہو، اس کی گواہی شرعاً غیر مقبول ہے۔(۲) لیکن اگر قاضی قبول کرلے، اور حکم کردے تو حکم صحیح ہوجائے گا۔(۳)''**سئل فی شهادة محلوق اللحية هل تقبل ام لا؟**''

(۲) ''**الجواب: لم أجد، فحيث أدمن على فعل هذا المحرم يفسق الخ**.[**تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، الشهادة إذا بطلت الخ**''۔

(۳) ''**فلو قضى بشهادة فاسق نفذ وأثم**.....'' (کفایۃ المفتی ۶/۳۱۶، زکریا بکڈپو)۔

.....اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں، البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے، وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ آیت قرآن میں اس حکم کی ایک خاص علت منصوص ہے، یعنی ''**أن تصيبوا قوماً بجهالة**'' (سورہ حجرات:۶) تو جن معاملات میں یہ علت موجود نہیں وہ آیت کے حکم میں داخل نہیں یا مستثنیٰ ہیں، مزید تفصیل کتب فقہ معین الحکام وغیرہ میں ہے (معارف القرآن ۸/۱۰۵، ربانی بک ڈپو)۔

علامہ ابن مازہ البخاری فرماتے ہیں:

(۱۴۸۷۹):''**وتكلم العلماء فی تفسير العدل، منهم من ضيّق فيه غاية التضيق.... وعن ابن المبارکؒ أنه قال: من غلبت حسانته على سيأته قبلت شهادته، وقال ابراهيم النخعی: العدل من المسلمين من لم يطعن عليه فی بطن أو فرج... وحكى أن عبد الله بن سليمان وزير المعتضد بالله سأل القاضی أبا حازم عن العدل فی الشهادة، فقال: أحسن ما قيل فی هذا الباب ما نقل عن يوسف القاضی: إن العدل فی الشهادة أن يكون مجتنباً عن الكبائر**''۔

وہ نمازی ہو ایمان دار ہو؛ لیکن داڑھی والا نہ ہو، تو چلے گا یا نہیں؟.....ان گواہوں کا دین دار ہونا ضروری ہے، نمازی شرعاً دیندار کہلاتا ہے، اگر نمازی داڑھی والا نہیں تو وہ سماج میں باعزت ووجاہت ہونا چاہئے، ایسا ہوگا تو اس کی گواہی بھی مسلم ہوگی (فتاویٰ بسم اللہ، رؤیت ہلال ۸/۴۰۴، کفلیتہ)۔

جواب(۴):

موجودہ زمانہ میں عموم بلویٰ کی وجہ سے ایسے لوگوں کو بھی مساجد کا یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار بنادیا جاتا ہے جو

قدیم فقہاء کے مطابق وجوہ فسق سے خالی نہیں ہوتے، کیونکہ تقریباً اسّی فیصد افراد ایسے ہوتے ہیں جو مقطوع اللحیۃ یا دیگر وجوہ فسق کی وجہ سے فسق کی تعریف میں داخل ہوتے ہیں، اگر ان کو فاسق ہونے کی وجہ سے مساجد، مذہبی اداروں اور تنظیموں میں ذمہ داری سے دور رکھا جائے تو ان مقامات پر ذمہ دار افراد کا فقدان ہوجائے گا، اسی لئے فقہاء نے حرج سے بچنے کے لئے فاسق افراد کو ان مقامات پر ذمہ دار بنائے جانے کی گنجائش نکالی ہے، البتہ اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ صدارت اور نظامت کے اعلیٰ مناصب پر ایسے حضرات کو ہی فائز کرنا چاہئے جو صالح، نیک طبیعت اور وجوہ فسق سے خالی ہوں، اور باقی افراد کو دیگر ذمہ داریاں دیدینی چاہئے، رہا مسئلہ ان اداروں کے خدام کا حکم ماننا کیسا ہے؟ تو خدام کی حیثیت مثل اجیر اور ملازم کی ہے، اور ان ذمہ داروں کی حیثیت مثل مستاجر کی ہے، اور مستاجر اگر کافر یا مشرک بھی ہو تو طے شدہ امور میں اس کا حکم ماننا ملازم کے لئے ضروری ہوتا ہے، اسی طرح تنظیم کے دیگر افراد کے لئے بھی ان کا حکم متعلقہ مفوضہ امور میں ماننا ضروری ہے جبکہ کوئی خلاف شرع بات نہ ہو۔

اگر چہ حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ نے احسن الفتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے: مساجد اور مدارس عربیہ کے کارکنوں کا ظاہراً وباطناً متبع شریعت ہونا ضروری ہے، اگر کوئی رکن متبع شریعت نہیں تو وہ واجب العزل ہے (احسن الفتاویٰ ۳/ ۵۱۸) لیکن اس میں ضیق اور تنگی ہے۔

جواب (۵):

حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب معروفی مقدمة ابن الصلاح کی شرح العرف الفیاح (صفحہ ۵۷۶)، میں تحقق عدالت کے شرائط کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''فسق کے اسباب سے محفوظ ہونا بالفاظ دیگر متقی ہونا، بایں طور کہ شرک جلی وخفی اور بدعات سے اجتناب کرتا ہو، اسی طرح کبیرہ گناہوں کے ارتکاب اور صغائر پر اصرار سے اجتناب کرتا ہو، اس میں شبہہ نہیں کہ کبائر کا مرتکب فاسق ہوتا ہے، البتہ صغائر کا مرتکب، اگر چہ فاسق نہیں ہوتا، تاہم صغیرہ پر جمار ہنا اس کو عدالت سے خارج کر دیتا ہے، کیونکہ اصرار کے ساتھ صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا، بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے'' (ظفر الامانی ص: ۴۸۸، منہج النقد فی علوم الحدیث ۷۹)۔

''والفسق: الخروج عن الحدّ، وفی هذا وعید شدید لأن الفسق هو أشد الکفر لا ما وقع علیه اصطلاح قوم من أنه منزلة متوسطة بین الإیمان والکفر، وإذا انتقلنا إلی الفسق الذی لا یخرج من الملة، فیمکن تقسیمه إلی فسق الإعتقاد، وفسق العمل''

(اور فسق حد سے نکل جانا ہے، اور اس میں بہت سخت وعید ہے اس لئے کہ فسق شدید ترین کفر ہے، وہ نہیں جس پر ایک قوم کی اصطلاح واقع ہوئی ہے کہ وہ ایمان اور کفر کے درمیان کی چیز ہے، اور جب ہم منتقل ہوجائیں اس (معنیٰ) فسق کی طرف

جوملت سے باہر نہ کردے،تو وہ ممکن ہے اس کا تقسیم کردینا فسق فی الاعتقاد اور فسق فی العمل کی طرف)۔

''**ومثال فسق الاعتقاد هاهنا: ما قاله ابن القيم: فسق أهل البدع الذين يؤمنون بالله ورسوله واليوم الآخر ويُحرّمون ما حرّم الله،ويوجبون ما أوجب الله، ولكن ينفون كثيراً ممّا أثبت الله ورسوله جهلاً وتأويلاً، وتقليدا للشيوخ، ويثبتون ما لم يثبته الله ورسوله كذالک، وهؤلاء كالخوارج المارقة، وكثير من الروافض، والقدرية، والمعتزلة وكثير من الجهمية الذين ليسوا غُلاة في التجهم**'' (الفسق والتفاق لعبدالعزیز بن محمد العبداللطیف ص:۱۲،مطبع مدار الوطن للنشر الریاض)۔

اور یہاں فسق فی الاعتقاد کی مثال وہ ہے جو علامہ ابن قیم نے بیان کی ہے، اہل بدعت کا فسق جو اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کو حرام مانتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی واجب کردہ چیزوں (واحکام) کو واجب گردانتے ہیں، اور لیکن اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ثابت کردہ بہت سی چیزوں کو بہ سبب جہالت وتاویل وتقلید سرداران نفی کرتے ہیں۔اور جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسول نے ثابت نہیں فرمایا ان کو ثابت کرتے ہیں اور یہ سب مانند دین سے نکل جانے والے خوارج اور بہت سے روافض شیعان اور قدریہ ومعتزلہ اور بہت سے جہمیہ کے ہیں جو کٹّر وغالی نہیں ہیں۔

جواب(٦):

''**ولايجب قبول شهادة الفاسق، ولو قضى به نفذ، وقول الثاني، إذا كان وجيهاً ذا مروّة يقبل، أي يجب القبول، فان تاب ومضى على توبته نصف عام وقيل: عام يقبل**'' (فتاویٰ البزازیہ الجزء الثانی ص:۱۲۱،المکتبۃ فیصل دیوبند)۔

یعنی فاسق کی شہادت کا قبول کرنا واجب نہیں ہے، اور اگر قاضی نے اس کی شہادت پر فیصلہ کردیا تو نافذ ہوجائے گا، اور قاضی ابو یوسفؒ کا قول ہے کہ جب شاہد فاسق ذی وجاہت وشرافت ہو، غیرت ومروت والا ہو تو اس کی شہادت قبول کرلی جائے گی، یعنی قبول کرنا واجب ہے، پس اگر اس نے توبہ کرلی اور اس پر چھ ماہ گذر گئے اور کہا گیا ہے ایک سال گذر گیا تو اس کی شہادت مقبول ہے، اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ فاسق جب تائب ہوجائے تو اس کی شہادت کو قبول نہ کیا جائے گا، تا آنکہ اس پر ایک ایسا زمانہ نہ گذر جائے کہ اس درمیان اس پر آثار توبہ نظر آجائیں، اور صحیح یہ ہے کہ یہ بات قاضی کی صواب دید پر موقوف ہے،''**الفاسق إذا تاب لا تقبل شهادته ما لم يمض عليه زمانٌ يظهر عليه اثر التوبة، والصحيح: أن ذلک مفوّض إلى رأى القاضي**'' (الفتاویٰ العالمگیری ص:۴۰۲،جلد:۳،فیصل)۔

جواب:(۷)

"اللحية لغة: الشعر النابت على الخدين والذقن۔

قال ابن عابدين: المراد باللحية كما هو ظاهر كلامهم الشعر النابت على الخدين من عذار، و عارض، والذقن" (ردالمحتار علی الدرالمختار المشہور بحاشیۃ ابن عابدین ۱/ ۶۸)۔

"الأحكام المتعلقة باللحية: إعفاء اللحية مطلوب شرعا اتفاقاً، للأحاديث الواردة بذلک منها حديث ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما من النبى صلى الله عليه وسلم "خالفوا المشركين، و فروا اللحى وأحفوا الشوارب" و مثله حديث ابى هيريرة رضى الله تعالىٰ عنه بلفظ: "جزوا الشوارب، و أرخوا اللحى، خالفوا المجوس" (اخرجہ مسلم ۱/ ۲۲۲) و منها حديث عائشة رضى الله عنها عن النبى صلى الله عليه وسلم "عشر من الفطرة" (أخرجہ مسلم ۱/ ۲۲۳، فعد منہا، إعفاء اللحیۃ)۔

"قال ابن حجر: المراد بقوله صلى اللّٰه عليه وسلم "خالفو المشركين" مخالفة المجوس فإنهم كانوا يقصون لحاهم، ومنهم من كان يحلقها، وقال ذهب الأكثرون إلى أن "إعفوا" بمعنى كثّروا، أو وفّروا قال ابن عابدين من الحنفية: إعفاء اللحية تركها حتى تكثّ وتكثر" (فتح الباری ۱۰/ ۳۵۱)۔

"قال الحنفية: إنّ أخذ ما زاد عن القبضة سنة، جاء فى الفتوى الهندية: القصّ سنة فيها، وهو أن يقبض الرجل على لحيته، فان زاد منها عن قبضته شئ قطعة كذا ذكره محمد رحمه اللّٰه عن أبى حنيفة قال: وبه تأخذ" (الفتاویٰ الہندیۃ ۵/ ۳۵۸، ابن عابدین ۲/ ۱۱۳)۔

"حلق اللحية: ذهب جمهور الفقهاء الحنفية والمالكية والحنابلة وهو قول عند الشافعية، إلى أنه يحرم حلق اللحية لأنه مناقض للأمر النبوى بإعفائها وتوفيرها، وقول ابن عابدين فى الأخذ منها وهى دون القبضة: لم يبحه أحد، فالحلق أشد من ذلک، وفى حاشية الدسوقى المالكى: يحرم على الرجل حلق لحيته، ويؤدب فاعل ذلک، وقال أبوشامة من الشافعية: قد حدث قوم يحلقون لحهاهم، وهو أشد مما نقل عن المجوس انهم كانوا يقصونها" (حاشیۃ الدسوقی علی الدردیر ۱/ ۴۲۲، ۴۳۳، وفتح الباری ۱۰/ ۳۵۱)۔

"والأصح عند الشافعية: أن حلق اللحية مكروه" (القلیوبی ۴/ ۲۰۵)۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تحریر فرماتے ہیں: داڑھی منڈانا یا کترانا (جب کہ ایک مشت سے کم ہو) حرام اور

گناہ کبیرہ ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی لعنت ہو ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کرتے ہیں، اور اللہ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت کرتی ہیں'' (رواہ البخاری، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۸/ ۳۹۴)۔

اس بنا پر راقم کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ ہمارے نزدیک مقدار لحیہ ایک مشت واجب ہے اور داڑھی کا رکھنا بھی واجب ہے، اور ہمارے مسلک کا کوئی شخص اگر ایک مشت سے کم داڑھی کترواتا ہے تو اس کو ہم فاسق شمار کرتے ہیں، لیکن اس کے باوجود جو اہل علم حضرات (مصر یا عرب میں سے یا عجم میں ان کے ہم مسلک وہم خیال) داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے، اگر وہ ایک مشت سے کم داڑھی رکھتے ہیں، تو ہم ان کو فاسق نہیں کہیں گے، البتہ ہم داڑھی کو سنن عادیہ شمار نہیں کرتے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں جو داڑھی رکھنے کا حکم دیا وہ بطور عادت یا بحیثیت محمد بن عبداللہ نہیں دیا، بلکہ بحیثیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی رکھنے کا اور اس کو بڑھانے کا حکم دیا، اسی طرح سے اگر یہ سنن عادیہ ہوتی تو عشرۃ من الفطرۃ کے ذریعہ داڑھی کو تمام انبیاء علیہ السلام کی مشترکہ سنت میں اس کو شمار نہیں کیا جاتا، اسی وجہ سے محلوق اللحیہ کو تو ہم ہر حال میں گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق شمار کرتے ہیں۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق کا مفہوم اور اس پر مرتب احکام

مولانا احمد مکین☆

الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، أما بعد!

(۱) فسق کی لغوی تعریف:

فسق اور فسوق دونوں مصدر ہیں؛ اہل لغت بولتے ہیں ''فَسَقَ يَفْسُقُ'' اطاعت سے باہر ہونا، نافرمان ہونا، عرب بولتے ہیں: ''فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ'' کھجور کے پک کر چھلکے سے باہر آنے کے وقت، جیسا کہ (مختار الصحاح ص ۴۳۹، لسان العرب ج ۱۰ ص ۳۰۸، البحر المحیط ۱/ ۲۶۳) پر ہے۔

''**الفسق والفسوق: مصدران لقولهم فسق يفسُق يَفسِقُ بمعنى الخروج عن الطاعة، تقول العرب: فسقت الرطبة إذا خرجت عن قشرها**''۔

اور صاحب القاموس المحیط فرماتے ہیں: فسق کے معنی ہیں- اطاعت خداوندی کو چھوڑ دینا، نافرمان ہوجانا، خیر وصلاح کے راستہ سے ہٹ جانا (القاموس المحیط/ ۹۴۰)۔

اصطلاحی تعریف:

جو کسی ایک بھی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہو یا کسی بھی ایک قسم کے صغیرہ گناہ کا عادی ہو یا مختلف قسم کے صغیرہ گناہوں پر جما ہوا ہو وہ فاسق ہے، اس کی عدالت ساقط ہے؛ جیسا کہ مبسوط میں ہے:

'' **فمن قارف كبيرة ولو واحدة أو أصرَّ على صغيرة من نوع واحد أو على صغائر مختلفة فسق وسقطت عدالته**'' (المبسوط ۱۶/ ۱۲۱، فتح القدیر کتاب الشہادات ۷/ ۸۶-۳۸۵)۔

☆ خادم التدریس بالجامعۃ العربیۃ ہتورا، باندہ یوفی

فاسق شرعاً وہ شخص ہے جو گناہ کبیرہ میں ملوث ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جائے؛ جیسا کہ فتح القدیر میں علامہ شوکانی ذکر کرتے ہیں: ''**والفاسق فی الشریعة الخارج عن أمر الله تعالی بارتکاب الکبیرة**'' (فتح القدیر ۱/ ۵۷)۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ شرعاً فسق نام ہے عقل والوں کا اطاعت سے خروج اور باہر نکل جانے کا، لہٰذا یہ کفر اور مادون الکفر یعنی کبیرہ اور صغیرہ دونوں گناہوں کو بھی شامل ہے اور عرف واستعمال میں کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کے ساتھ مخصوص ہے:

''**الفسق شرعاً خروج العقلاء عن الطاعة فیشمل الکفر ودونه من الکبیرة والصغیرة واختص فی العرف والاستعمال بارتکاب الکبیرة**'' (آلوسی ۱/ ۲۱۰)۔

امام راغب مفردات الفاظ القرآن میں لکھتے ہیں کہ فسق کم اور زیادہ دونوں طرح کے گناہوں پر بولا جاتا ہے، لیکن فسق کا اطلاق زیادہ گناہوں پر معروف ہے۔

اور عام طور سے جسے فاسق کہا جاتا ہے وہ ہے جس نے احکام شریعت کا التزام اور اس کا اقرار کرنے کے بعد پھر ان تمام احکام یا بعض احکام کو چھوڑ دے یا اس پر کوتاہی اور غفلت برتے۔

اور آگے فرماتے ہیں کہ فاسق کا اطلاق کافر اور منافق پر بھی ہوتا ہے، ان دونوں کے اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت سے خروج اور عدول کرنے کی وجہ سے اور اعتقاداً دین وملت کے حدود سے نکل جانے کی وجہ سے اور اس لئے کہ کافر نے اس حکم کو ترک کیا اور اس کا حق ادا نہیں کیا جس کو عقل نے لازم اور ضروری قرار دیا تھا اور فطرت جس کی مقتضی ہے (مفردات ألفاظ القرآن للراغب ص ۶۳۶)۔

فسق کے اقسام:

فسق کی مختلف اعتبار سے متعدد قسمیں ہیں: فسق کی پہلی قسم وہ ہے جو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس سے انسان اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے؛ جیسا کہ ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ذکر کیا ہے:

''**کل شیء نسبه الله إلی غیر أهل الإسلام من اسم مثل خاسر و مسرف وظالم وفاسق فإنما یعنی به الکفر**'' (تفسیر ابن جریر ۱/ ۱۴۲)۔

(اللہ رب العزت نے جہاں اہل اسلام کے علاوہ کیلئے خاسر، مسرف، ظالم اور فاسق جیسے الفاظ ذکر فرمائے ہیں اس سے مراد کفر ہے اور جس جگہ اہل اسلام کیلئے اس جیسے الفاظ ذکر فرمائے ہیں اس سے گناہ مراد ہے)

ابن قیم جوزیہ فرماتے ہیں قرآن کریم میں فسوق کی دوقسمیں بیان کی گئیں ہیں: ایک مفرد مطلق، دوسرا نافرمانی کے ساتھ متصف ہے اور پھر فسوق مفرد مطلق کی بھی دوقسم ہے، ایک فسوق کفر ہے جو اسلام سے انسان کو باہر نکال دیتا ہے اور ایک دوسرا فسوق وہ ہے جس سے انسان اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے؛ جیسا کہ مدارک السالکین میں لکھتے ہیں:

"أمّا الفسوق فهو فی کتاب الله نوعان: مفرد مطلق ومقرون بالعصیان والمفرد نوعان أیضاً فسوق کفر یخرج عن الإسلام وفسوق لایخرج عن الإسلام"۔

وہ فسق جو عصیان اور نافرمانی کے ساتھ متصف ہے اس کی مثال اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

"وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ" (سورۂ حجرات آیت ۷)۔

فسوق کفر مفرد کی مثال:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **"يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ١ وَّ يَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ١ وَ مَا يُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ"** (سورۂ بقرہ آیت ۲۶، ۲۷)، **"وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ، كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَاۤ اُعِيْدُوْا فِيْهَا"** (سورۂ سجدہ: ۲۰)، ان تینوں آیات مبارکہ میں فاسق سے مراد فسوق کفر ہے۔

اور جس فسوق سے انسان دائرہ اسلام سے نہیں نکلتا اس کی مثال باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: **"وَ اِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ"** (سورۂ بقرہ آیت ۲۸۲)، اور دوسری آیت سورۂ حجرات کی ہے: **"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ"** (سورۂ حجرات آیت ۶)، (مدارج السالکین ۱/ ۲۷۵)۔

جس طرح ایمان کے متعدد شعبے اور شاخیں ہیں؛ اسی طرح ایمان کا مقابل اور اس کی ضد کفر کی بھی متعدد شاخیں اور مراتب ہیں، ایک تو کفر ہے جو دین وایمان سے خارج کر دیتا ہے اور ایک کفر دون کفر ہے، یعنی اس کی وجہ سے دین وایمان سے بندہ خارج نہیں ہوتا ہے، اسی طرح نفاق، شرک، فسق اور ظلم بھی اس کی شاخیں اور شعبے ہیں، یہ ایک بڑا ضابطہ ہے جس کی وجہ سے اہل سنت کو مبتدعہ، وعیدیہ اور مرجئہ سے تمیز اور امتیاز حاصل ہے؛ جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے ذکر کیا ہے:

"فإن ما یقابله ویضاده وکذالک فالکفر شعب ومراتب، فمنه: مایخرج عن الملة ومنه کفر دون کفر وکذا النفاق والشرک والفسق والظلم وهذا أصل عظیم تمیز به أهل السنة من المبتدعة والوعیدیة والمرجئة" (کتاب الصلاۃ لابن القیم ص ۵۳-۵۸)۔

فسق الکفر کبھی اعتقادی ہوتا ہے اور کبھی عملی:

فسق اعتقادی کی مثال:

نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں منافقین کا فسق، اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد "قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ" (سورۂ توبہ آیت ۵۳) ان کے نفاق کے قبول نہ کئے جانے کی وجہ سے؛ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے (ج ۲ ص ۳۶۹)، سورۂ توبہ میں ہی دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے: "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ" (سورۂ توبہ آیت ۶۷)، اس ترکیب سے یہ فائدہ مل رہا ہے کہ منافقین فسق کے اعلیٰ درجہ میں ہیں، جیسا کہ فتح القدیر میں ہے: "وهذا التركيب يفيد إنهم هم الكاملون في الفسق" (۲/۲۷۹)۔

فسق عملی کی مثال:

جو دین واسلام سے نکال دینے والی ہے، ابلیس کا فسق ہے جس کو قرآن میں خداوند قدوس نے ذکر کیا ہے: "وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا" (سورۂ کہف آیت ۵۰) (ابلیس حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کا سجدہ چھوڑنے کی وجہ سے اور اللہ رب العزت کے امر کی اتباع اور اطاعت سے رکنے اور اکڑ جانے کی وجہ سے فاسق ہوگا)، اس ترک کو فعل وعمل شمار کیا گیا ہے؛ جیسا کہ اصول کی کتابوں میں ثابت ہے: "وهذا الترك يعدُّ فعلاً وعملا" (روضۃ الناظر لابن قدامہ ص ۵۷، ارشاد الفحول للشوکانی ص ۵۲، القواعد الأصولیۃ لابن لحام ص ۶۲)۔

جو فسق دین سے خارج نہیں کرتا اس کی بھی دو قسمیں ہیں:

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ فسق نام ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خروج کرنے کا تو اطاعت خداوندی سے نکالنے والا عمل دو حال سے خالی نہیں یا تو جوارح کے ذریعہ ہوگا یا اعتقاد کے ذریعہ؛ جیسا کہ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے: "و إذا انتقلنا إلى الفسق الذى لايخرج عن الملة فيمكن تقسيمه إلى فسق الاعتقاد وفسق العمل" (مدارک السالکین ۱/ ۳۶۲)، "وقال ابن قدامة: الفسوق نوعان: أحدهما من حيث الأعمال، والثاني: من جهة الاعتقاد" (المغنی ۱۴/ ۱۴۸)، وہ اقوال وافعال جس کے انجام دینے سے آدمی فاسق ہوتا ہے وہ دو طرح کے ہیں: متصف بالکبائر، اصرار علی الصغیرہ۔

معاصی کی تقسیم صغیرہ وکبیرہ کی طرف:

معاصی کی صغائر وکبائر کی طرف تقسیم میں لوگوں کا اختلاف ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ معاصی سب کی سب کبائر ہیں اور جمہور اہل علم کا قول یہ ہے کہ معاصی صغیرہ وکبیرہ کی طرف منقسم ہوتے ہیں؛ جیسا کہ مقالات الاسلامیین میں ہے(۱/۲۳۱،احیاءعلوم الدین ۴/ ۲۳)۔

کبیر گناہ کی تحدید:

اس سلسلہ میں علماء کا بڑا اختلاف ہے؛ جیسا کہ (مسلم للنوی ۲/ ۸۴-۸۷ مجموع فتاوی ابن تیمیہ ۱۱/ ۶۵۰-۶۶۰،شرح الطحاویہ ۲/ ۵۲۵-۵۲۷،مدارج السالکین ۱/ ۳۲۰-۳۲۷) میں ہے۔

اصح قول:

اس مسئلہ میں اصح ترین قول یہ ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس میں دنیا کے اندر کوئی حد نازل کی گئی ہو یا آخرت میں کوئی خاص وعید وارد ہوئی ہو، جیسے آگ کا عذاب، اللہ تبارک وتعالیٰ کا غضب اور لعنت اور صغیرہ گناہ وہ ہے جس میں دنیا کے اندر نہ کوئی حد نازل کی گئی ہو اور نہ آخرت میں کوئی خاص وعید وارد ہوئی ہو، یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور سفیان بن عیینہ، احمد بن حنبل اور ابوعبید قاسم بن سلام سے منقول ہے جیسا کہ (مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ۱۱/ ۶۵۰،شرح للطحاویہ ۲/ ۵۲۶،اضواء البیان للشنقیطی ۷/ ۱۹۹) میں ہے۔

صغیرہ پر اصرار کی حقیقت اور صغیرہ کو کبیرہ بنانے والے تکرار کا ضابطہ:

صغائر: وہ گناہ ہیں جو کبیرہ سے کم تر ہوں، یا جس گناہ کے کرنے پر کوئی وعید، حد یا لعنت نہ وارد ہوئی ہو، جیسے نظر محرمہ اور لمس، البتہ صغیرہ پر اصرار کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے، کیونکہ اصرار کے ساتھ کوئی گناہ صغیرہ نہیں اور توبہ واستغفار کے ساتھ کوئی گناہ کبیرہ نہیں، جیسا کہ (بدائع ۶/ ۲۷۰،الاعتصام للشاطبی ۲/ ۵۵۱) پر ہے، صغیرہ کا مرتکب فاسق نہیں ہوتا؛ مگر جب اس پر اصرار کرنے لگے۔

اصرار کی حقیقت ذکر کرتے ہوئے الفروق میں علامہ قرافی لکھتے ہیں: ''دوبارہ گناہ کی نیت سے اس کی طرف پیش قدمی کرنا سابقہ نیت کے ساتھ گناہ کو مکرر کرنا''۔

"حقيقة الإصرار هي الإقدام على الذنب مع العزم على معاودته ثم تكراره بناءً على هذا العزم السابق" (الفروق ۴/ ۶۷-۶۸)۔

کسی چیز پر اصرار کا معنی ومطلب ہے اس پر مداومت و پابندی کرنا، اس سے وابستہ اور چمٹے رہنا، اس کی نیت و ارادہ رکھنا، جیسا کہ (المصباح المنیر ص ۱۲۹ پر اور القاموس المحیط ۲/ ۱۳۸) پر ہے: **"الإصرار على الشيء هو مداومته وملازمته والعزم عليه"**۔

ضابطہ تکرار میں علماء نے دو وجہ ذکر کیا ہے:

پہلی وجہ: گناہ گار سے گناہ کا بار بار سرزد ہونا دین سے بے توجہی ولا پرواہی اور کبیرہ کے ارتکاب کا پتہ چلتا ہے، اس طرح جب چھوٹے چھوٹے گناہوں کا مجموعہ بن جائے تو وہ اصغر الکبائر گناہ بن جاتے ہیں، جیسا کہ قواعد الاحکام میں ہے: **"هو تكرار الصغيرة من المذنب تكرر يشعر بقلة مبالاته بدينه إشعار ارتكاب الكبيرة بذالك وكذالك إذا اجتمعت صغائر مختلفة بحيث يشعر مجموعها بما يشعر أصغر الكبائر"** (قواعد الأحکام ۱/ ۲۲، الذخیرۃ ۱۰/ ۲۲۳)۔

دوسری وجہ: صغیرہ پر مطلقاً مواظبت اور مداومت کا نام تکرار ہے (احیاء علوم الدین ۴/ ۲۹، البحر المحیط ۶/ ۱۵۶، روضۃ الطالبین ۱۱/ ۲۲۵)۔

بظاہر دونوں ضابطے تقریباً ایک ہی ہیں، اس لئے کہ ایک قسم کے صغیرہ گناہ پر مواظبت یا مختلف قسم کے صغیرہ گناہوں پر مواظبت و مداومت اللہ رب العزت کے محرمات کیساتھ استخفاف و دین سے بے توجہی اور اللہ تعالیٰ کے حدود سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

فسق اعتقادی کی مثال:

جیسے اہل بدعت کا فسق جو اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کے رسول محمد ﷺ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے محرمات کو حرام جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی ثابت کی چیزوں کو ثابت مانتے ہیں، لیکن دیگر بہت سی چیزوں کو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے ثابت ہیں جہالت وفاسد تاویلوں اور اپنے علماء وشیوخ کی اندھ بھگت تقلیدوں کی وجہ سے اس کی نفی اور انکار کرتے ہیں اور (دین) میں نئی نئی چیزیں پیدا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے ثابت نہیں ہیں؛ جیسا کہ علامہ ابن قیم مدارک السالکین میں لکھتے ہیں: **"فسق الاعتقاد كفسق أهل البدع الذين يومنون بالله ورسوله واليوم الاٰخر ويحرمون ماحرّم الله ويوجبون ما أوجب الله ولكن ينفون كثيراً مماأثبت الله ورسوله**

جهلاً وتاويلاً وتقليداً للشيوخ ويثبتون مالم يثبته الله ورسوله كذالک'' (مدارک السالکین ۱/ ۲۷۷)۔

(۲) دیانات میں تو اصلاً غیر عادل کی شہادت وخبر قابل قبول نہیں ہے، جیسا کہ ائمہ ثلاثہ وغیرہ حضرات بھی اسی کے قائل ہیں، لیکن حنفیہ کے یہاں اگر فاسق کا فسق عملی ہو اعتقادی نہ ہو، یعنی اس کا فسق از قبیل افعال واقوال ہو (جس کے متعلق کچھ چیزیں قدرے تفصیل کے ساتھ ابتداء مقالہ میں آ گئی ہیں) تو عبادات میں ایسے فاسق کی شہادت وخبر میں غلبہ ظن کا اعتبار ہوگا، اگر اس کے سچا ہونے کا غالب گمان ہے تو قبول کر لی جائے گی، جیسا کہ شامی میں ہے، مثلاً کوئی فاسق جہت قبلہ، پانی کی طہارت ونجاست اور کسی چیز کی حلت وحرمت کی خبر دے۔

''**وإلا فتحرى وبنى على غالب ظنه، لما صرح به أئمتنا من أنه يقبل قول العدل فى الديانات كالأخبار بجهة القبلة والطهارة والنجاسة والحل والحرمة ولو فاسقاً أو مستورايحكم رأيه فى صدقه أو كذبه ويعمل به لأن غالب الرأى بمنزلة اليقين**'' (شامی کتاب الصلاۃ مطلب یشترط العلم بدخول الوقت ۲/ ۲۹ باب لشروط الصلاۃ ص ۱۱۳، کتاب الشھادات ۱۱/ ۹۹)

اور مبسوط میں ہے کہ فاسق کی خبر میں اس کے عقل ودین کے اعتبار سے صدق کا احتمال ہے اور اعمال مفسّقہ یعنی فاسق بنانے والے اعمال اور گناہ کے اعتبار سے کذب کا احتمال ہے جس کی وجہ سے احتمال میں دونوں جانب برابر ہو گئے تو اس کا حکم جانبین میں سے کسی ایک پہلو کے غالب اور راجح ہونے کے وقت تک توقف ہے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ''فَتَبَيَّنُوْا'' پر عمل کرتے ہوئے (المبسوط للسرخسی ۱۰/ ۳۷۰)۔

جو حضرات عبادات میں مطلقاً فاسق کی خبر کو رد نہیں کرتے ہیں وہ اس میں رائے کو حکم بناتے ہیں، وہ فاسق کی خبر کے قبولیت کے قائل ہیں؛ جب کہ اس کے خبر کے سچا ہونے کا غالب گمان ہو، اسی طرح جب فاسق وقت صلاۃ کے داخل ہونے کی خبر دے تو اگر اس کے سچا ہونے کا غالب گمان ہو تو اس کا قول قبول کر لیا جائے گا اور اس پر عمل کیا جائے گا اور اگر جھوٹ غالب ہو تو اس کا قول رد کر دیا جائے گا، جیسا کہ شامی میں ہے (شامی کتاب الصلاۃ ۲/ ۲۹)۔

فاسق کی اذان بھی درست اور معتبر ہے؛ جیسا کہ (فتح القدیر ۱/ ۲۵۳، ہندیہ ۱/ ۵۴) پر ہے۔

الکافی میں ہے: ''**إن الأذان مشروع للصلاة والفاسق من أهل العبادات فيصح أذا نه**'' (الکافی ۱/ ۲۲۱)، (اذان نماز کیلئے مشروع ہے اور فاسق اہل عبادات میں سے لہٰذا اس کی اذان درست ہے)۔

اور التہذیب میں ہے: ''**القياس على إمامته فكما تصح إمامة الفاسق كذالک يصح أذانه**'' (التہذیب ۲/ ۵۲)، اسی طرح فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے، جیسا کہ روایات میں آیا ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت ہے، وہ

فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے اوپر ایسے امراء اور حاکم مسلط ہوں گے جو نماز کو اپنے وقت سے مؤخر کریں گے؟ حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے لئے کیا حکم فرماتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز کے وقت میں نماز پڑھ لو، پھر اگر تمہیں ان کے ساتھ نماز مل جائے تو پڑھ لینا وہ تمہارے لئے نفل ہوگی'' (صحیح مسلم کتاب المساجد باب کراہیۃ تاخیر الصلاۃ عن وقتھا المختار رقم الحدیث ۶۴۸)۔

حدیث بالا میں وقت مقررہ سے نماز کا مؤخر کرنا فاسقوں کا عمل بتایا گیا ہے، اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ نے ان کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا؛ یہ دلیل ہے فاسقوں کے پیچھے نماز کے صحیح ہونے کی (الحاوی الکبیر ۲/ ۳۵۳، المغنی ۳/ ۲۱)۔

دوسری روایت دار قطنی کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ہر اس شخص کے پیچھے نماز پڑھو جو ''**لَا اِلٰـهَ اِلَّـا للهُ**'' پڑھتا ہو (دار قطنی کتاب العیدین باب صفۃ من تجوز الصلاۃ معہ رقم الحدیث ۱۷۴۳)۔

اس روایت میں صراحت ہے کہ جو کلمہ توحید زبان سے کہتا ہو اس کے پیچھے نماز درست ہے فاسق بھی کلمہ توحید زبان سے کہتا ہے، لہٰذا اس کے پیچھے نماز درست ہے۔

اور بہت سے آثار ایسے ہیں جس میں صحابہ اور تابعین حضرات سے فاسق امراء کے پیچھے نماز پڑھنا منقول ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ وہ حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور انہوں نے حجاج کے ساتھ حج بھی ادا فرمایا ہے اور حجاج ان کا امیر تھا؛ جیسا کہ بخاری میں ہے (بخاری کتاب الحج باب التہجیر بالرواح إلی عرفۃ رقم الحدیث ۱۶۶۰)۔

معاملات وغیرہ میں فاسق کی شہادت وخبر قبول کی جائے گی، عدالت اس میں شرط نہیں ہے؛ جیسا کہ قرۃ عیون الاخیار میں ہے: ''**و أما فی المعاملات فیقبل الخبر ولو من کافر أو فاسق أو عبد أو صبی**'' (قرۃ عیون الأخیار ۱۱/ ۹۹ کتاب الشہادات)، جیسے فاسق کے پاس ودیعت رکھنا درست ہے؛ مودع کا عادل ہونا شرط نہیں (بدائع ۶/ ۲۰۷، الدر المختار ۸/ ۴۵۵) میں ہے۔

اسی طرح نکاح میں فاسق کو ولایت ملنا درست ہے؛ جیسا کہ بدائع میں ہے ''**وَ اَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُمْ**'' کہ تم اپنے میں سے بے نکاحوں کا نکاح کردو، اس آیت کے تحت علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اولیاء کیلئے خطاب عام ہے، عادل اور فاسق کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

اور آپ ﷺ سے لے کر ہمارے اس زمانہ تک لوگ اپنی بیٹیوں کا نکاح بغیر کسی کے کوئی نکیر کئے کرتے چلے آرہے ہیں اور فاسقوں کو اپنی بیٹیوں کا نکاح کرنے سے کسی بھی زمانہ میں نہیں روکا گیا (بدائع ۶/ ۲۳۹)۔

اور الحاوی الکبیر میں ہے کہ کافر جب اپنی کافرہ بیٹی کے نکاح کا مالک ہے، جبکہ مسلمان فاسق تو اس سے بہتر اور اعلیٰ

ہےتو وہ اپنی مولیہ کے نکاح کا بدرجہ اولیٰ مالک ہوگا (الحاوی الکبیر ۹/ ۶۱)۔

(۳) جولوگ داڑھی نہیں رکھتے ،لیکن صوم وصلاۃ کے پابند ہوں تو رؤیت ہلال یا اختلافی معاملات میں ان کی شہادت اس وقت قبول کی جائیگی ،جبکہ قاضی کو فاسق کی گواہی میں سچائی کا پہلو کا غالب نظر آئے ،جیسا کہ (قرۃ عیون الاخیار اور بدائع) میں ہے۔

'' **أما شهادة الفاسق فإن تحرى القاضى الصدق فى شهادته تقبل وإلّا فلا**'' (قرۃ عیون الأخیار ۱۱/ ۱۰۰، بدائع ۵/ ۴۰۷)

تفسیر مظہری میں قاضی ثناءاللہ صاحب نے لکھا ہے:'' بلکہ ہمارے زمانے میں فاسق ؛جبکہ وجیہہ اور بامروت ہو غالب گمان یہی ہو کہ وہ شہادت میں جھوٹ نہیں بولے گا یا قرائن دلالت کریں اس کے صدق پر تو اس کی گواہی قبول کرلی جائیگی'' (تفسیر مظہری سورۂ بقرہ ص ۳۲۷)۔

شاہد اگر ادائے شہادت میں عادل ہو اور اس کے متعلق معلوم ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا ہے،لوگ اس کو سچا جانتے ہیں اگر چہ وہ کذب کے علاوہ دوسری طرح کے فسق میں مبتلاء ہو تو اس کی شہادت رد نہیں کی جائیگی ،جیسا کہ معین الاحکام میں ہے:

''فإذا علم صدق لهجته وأنه من أصدق الناس وأن فسقه بغير الكذب فلاوجه لردّشهادته''

(معین الأحکام الباب الثانی والعشرون فی القضاء بشهادة غیر العدول للضرورة ص ۱۱۷)۔

علامہ ابن قیمؒ کی بھی یہی رائے ہے، وہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ کا راز یہ ہے کہ قبول شہادت اور ردّ شہادت کی بنیاد صدق کے غلبہ ظن اور اس کے عدم پر ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ سچی اور پختہ بات یہی ہے کہ عدالت تقسیم کو قبول کرتی ہے، پس ایک شخص بعض چیزوں میں عادل ہوتا ہے اور بعض میں فاسق ، پس جب حاکم کے لئے یہ بات ظاہر ہوجائے کہ شاہد اپنی شہادت میں عادل ہے تو اس کی شہادت قبول کی جائیگی اور دوسری حیثیات سے اس کا فسق قبول شہادت کیلئے مضر نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں علامہ قرافی کا قول اور زیادہ واضح اور صاف ہے، چنانچہ علامہ قرافی باب السیاست میں لکھتے ہیں:'' بعض علماء نے اس بات پر صراحت کی ہے کہ جب ہم کسی جہت میں صرف غیر عادل ہی گواہ پائیں تو ان میں سے جو صلاح کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہو اور فجور وبدکاری کے اعتبار سے کمتر ہو اسے ان پر گواہی کیلئے مقرر کریں گے اور یہ طریق کار قضاء وغیرہ میں ضروری ہے؛ تاکہ مصالح کا فقدان نہ ہو اور وہ فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں کوئی اس کا مخالف نہیں ہے، اس لئے کہ تکلیف امکان کی شرط کیساتھ ہی ہوگی اور یہ سب بوجہ ضرورت ہے؛ تاکہ مالوں کی تباہی وبربادی اور حقوق کا ضیاع اور فقدان نہ ہو۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ جب عام طور پر تمام لوگ فاسق ہوں بجز تھوڑے لوگوں کے تو ان میں بعض کی شہادت

بعض پر قبول کی جائے گی اوران سے بہتر کی شہادت پر فیصلہ کیا جائے گا، اسی طرح درجہ بدرجہ (یعنی جوان میں سے بہتر ہوگا دوسرے کے مقابلہ میں اس کی شہادت پر فیصلہ کیا جائے گا) یہی وہ درست طریقہ ہے جس پر عمل ہے؛ اگر چہ بہت سے فقہاء نے اپنی زبانوں سے انکار کیا ہے، جیسے کہ ولایت فاسق کی صحت اوراس کے احکام کے نفاذ پر عمل ہے، اگر چہ ان لوگوں نے زبان سے اس کا انکار کیا ہے، اسی طرح فاسق کے نکاح میں ولی اور مال میں وصی ہونے کی صحت پر عمل ہے۔

اس سے تائید ہوتی ہے اسکی جوامام قرافی سے منقول ہے کہ جب فاسق کے سچے ہونے کا غلبہ ظن حاصل ہوجائے تو اس کی شہادت قبول ہوجائے گی اوراس پر فیصلہ کیا جائے گا'' (معین الحکام ۱۱۷/)۔

قاضی یا رؤیت ہلال کمیٹی فاسق کو اگر اس معاملہ میں سچا سمجھے تو گواہی قبول کرسکتی ہے، ورنہ گواہی کو ردّ کرسکتی ہے، چنانچہ ہندیہ میں ہے:'' **والفاسق إذا رأه وحده يشهد لأنّ القاضي ربما يقبل شهادته لكن القاضي يردّه**'' (کذا فی الوجیز للکردری)،'' **ولو شهد فاسق وقبلها الإمام وأمر الناس بالصوم فأفطر هو وواحد من أهل بلده قال عامة المشايخ تلزمه الكفارة كذا في الخلاصة**'' (کتاب الصوم الباب الثانی فی رؤیۃ الہلال ۱۹۷/۱-۱۹۸)۔

(۴) مسجد یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار ایسے لوگوں کو بنانا جو وجوہ فسق سے خالی نہیں ہوتے درست نہیں ہے، بلکہ ان اداروں اور تنظیموں کی تولیت کا مستحق ایسا شخص ہوگا جو فاسق نہ ہو، امین ہو اوران ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی انجام دینے والا ہو، اس لئے کہ ولایت نظر وشفقت کی شرط کے ساتھ مقید ہے اور کسی خائن اور فاسق کو متولی بنانا یہ نظر وخیر خواہی نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی وجہ سے اصل اور مقصود میں خلل اور فساد پیدا ہوگا، جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

'' **و في الإسعاف: لايولى إلّا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدةبشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود**'' (البحر الرائق کتاب الوقت ۲۴۴/۵، شامی ۵۷۸/۶)۔

ہندیہ میں ہے: نظر وخیر خواہی کی صلاحیت اور لیاقت اس شخص میں ہے جو وقف کی ولایت کا نہ طالب ہو اور نہ اس میں معروف فسق ہو:'' **الصالح للنظر من لم يسأل الولاية للوقف وليس فيه فسق يعرف**'' (ہندیۃ کتاب الوقف الباب الخامس فی ولایۃ الوقف ۳۸۰/۲)۔

علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:'' **وينزع وجوباً لوالواقف فغيره بالأولى غيرمامون أو عاجزاً أو ظهر به فسق كشرب الخمر ونحوه**'' (ردالمحتار مطلب فی الوقف إذا خرب ولم یکن عمارتہ ۵۷۸/۶)، یعنی اگر کسی شخص کے متولی بن جانے کے بعد اس کا فسق ظاہر ہوجائے، جیسے شراب پینا یا اس کی خیانت پکڑی گئی یا وقف کے کاموں کو بخوبی انجام دینے سے عاجز ہو تو اس سے ولایت سلب کرلی جائے گی؛ اگر چہ واقف ہی کیوں نہ ہو اور اس کے علاوہ سے تو بدرجہ اولیٰ ولایت سلب کرلی

جائے گی، لہٰذا جب ایسے لوگوں کو جو کسی فسق میں مبتلاء ہیں متولی بنانا درست نہیں تو ان کی اطاعت بھی درست نہ ہوگی۔

(۵) فسق فی العقیدہ کی مراد:

فسق فی العقیدہ سے مراد اعتقاد بدعت ہے، جیسا کہ مغنی میں ہے (المغنی ۸/ ۱۴۱۴۸)۔

علامہ ابن قیم جوزیہ فرماتے ہیں کہ فسق الاعتقاد جیسے بدعتی کا فسق جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ثابت کی ہوئی چیزوں کو ثابت مانتے ہیں، لیکن اللہ اور اس کے رسول کی بہت سے ثابت کی ہوئی چیزوں کی بر بنائے جہالت وتاویل اور علماء اور شیوخ کی اتباع وتقلید کی وجہ سے نفی اور انکار کرتے ہیں اور ایسی چیزوں کو وجود میں لاتے ہیں کہ جن کا اللہ اور اس کے رسول سے ثبوت نہیں (مدارج السالکین ۱/ ۲۷۷)۔

بدعت کی لغوی واصطلاحی تعریف:

بدعت: ابتداع کا اسم ہے؛ بولا جاتا ہے: ''اِبْتَدَعَ الشَیْءُ وَ أَبْدَعَهُ'' جب کسی چیز کو بغیر نمونے اور مثال کے نکالا اور وجود میں لایا جائے، پھر اس کا استعمال غالب ہوگیا دین کے اندر کمی اور زیادتی پیدا کرنے میں، سنت کی مخالفت کرنے والے کو مبتدع کہا جاتا ہے، اس لئے کہ دین میں ایسی نئی چیزیں پیدا کردی جو سلف سے ثابت نہیں (تہذیب اللغۃ ۲/ ۲۴۰، الصحاح ۳/ ۱۱۸۳، المصباح المنیر ص ۱۵، القاموس المحیط ۳/ ۵)۔

اصطلاحی تعریف:

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں: ''**البدعة فی الدین هی مالم یشرعه الله ورسوله ولم یأمر به أمر یجاب ولا استحباب**'' (مجموع الفتاوی ۴/ ۱۰۷) (بدعت فی الدین نام ہے اس چیز کا کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے نہ شروع فرمایا اور نہ اسے وجوباً اور استحباباً کرنے کا حکم فرمایا کہ اس چیز کو کرنا ضروری اور واجب یا اس کا کرنا مستحب ہے)۔

بدعت کے اقسام:

بدعت کی تفسیق وتکفیر کی حیثیت سے دو قسمیں ہیں:

ایک بدعت مکفرہ اور دوسری بدعت مفسقہ غیر مکفرہ، جیسا کہ الاعتصام میں ہے: ''**أنواع البدع من حیث**

التفسيق والتكفير تنقسم إلى قسمين: بدع مكفرة ، بدع مفسقة غير مكفرة''۔

ابوالوفاءعلی بن عقیل لکھتے ہیں:''**أهل البدع على ضربين من يحكم بفسقه ولايحكم بكفره وهم العامة الذين يعتقدون البدع تقليدًاأو مهاواة بغير علم ولايستدلون عليها ولايدعون إليها ومن خالف في أصل ليس فيه دليل مقطوع به مثل إن يثبت بخبر واحد أو قول صحابي ونحو ذلك** (اہل بدعت کی دوقسمیں ہیں ایک وہ جس پر فسق کا حکم لگے گا، کافر نہیں قرار دیا جائے گا، یہ وہ عام لوگ ہیں جو جہالت ونادانی میں تقلید واتباع کی وجہ سے یا متأثر ہوکر بدعت کا اعتقاد رکھتے ہیں، اس پر دلیل قائم نہیں کرتے اور نہ اس کی دعوت دیتے ہیں اور جو کسی ایسے اصل کی مخالفت کرے جس میں کوئی قطعی دلیل نہ ہو مثلاً اس کا ثبوت خبر واحد سے ہو یا کسی صحابی کے قول سے ہو اور اس کے مثل)، بدعت کی دوسری قسم کے بارے میں لکھتے ہیں:''**من يحكم بكفره وهم كل من خالف في أصل فيه دليل مقطوع به مثل نص الكتاب والسنة المتواترة وأدلة العقول كالمشبهة والمجسمة والقائلين بخلق القرآن وينفي القدر والرؤية وقد نص أحمد في عدة مواضع على الحكم بكفر القائلين بخلق القرآن أو نفي القدر أو نفي الرؤية**'' (مسائل الامام احمد بروایۃ أبی داؤد ص ۲۶۳-۲۶۲، طبقات الحنابلہ ۱/ ۱۴۵، ۱۷۳، ۴۱۴، المستوعب ۲/ ۴۵-۳۴۴)، (یعنی بدعتی کی دوسری قسم وہ ہے جس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا وہ لوگ ہیں جو کسی ایسے اصل میں مخالفت کریں جس میں کوئی قطعی دلیل ہو، جیسے کتاب اللہ اور سنت متواترہ کی تصریحات اور عقلی دلائل جیسے مشبہ اور مجسمہ اور خلق القرآن کے قائلین اور تقدیر اور رؤیت باری تعالیٰ کے منکرین اور امام احمدؒ نے متعدد مقامات پر قائلین خلق قرآن اور رؤیت باری تعالیٰ اور تقدیر کے منکرین پر کفر کے حکم کی صراحت فرمائی ہے)۔

بدعت مکفرہ کا ضابطہ:

جو شریعت کے متواتر متفق علیہ امر دین کی بدیہی معلومات کا انکار کرے، مثلاً فرض کی ہوئی چیزوں کا انکار یا اس چیز کو فرض قرار دینا جسے شریعت نے فرض نہیں قرار دیا یا حرام کو حلال قرار دینا یا حلال کو حرام قرار دینا یا اس نفی یا اثبات کا اعتقاد رکھنا جس اعتقاد سے اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتاب نے محفوظ اور دور رکھا ہے۔

اس لئے کہ یہ کتاب اللہ اور ان احکامات کو جھٹلانا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کی صفات کے انکار میں اور قرآن کے مخلوق ہونے یا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کے مخلوق ہونے کے قائل ہونے میں جہمیہ کی بدعت، اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اللہ کے دوست ہونے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ

سے ہم کلامی کے انکار میں اور جیسے اللہ تعالیٰ کے علم وافعال اور اس کے فیصلے اور تقدیر کے انکار میں قدریہ کی بدعت اور جیسے مجسمہ کی بدعت جو اللہ رب العزت کو اس کے مخلوق کے ساتھ تشبیہ اور مشابہ قرار دیتے ہیں اور اس کے علاوہ ہوا پرست فرقے جیسا کہ فوفانا آدم نے اپنی "**الأحكام المرتبة على الفسق فى الفقه الإسلامى**" نامی کتاب میں ذکر کیا ہے: "**إن من أنكر أمراً مجمعاً عليه متواتراً من الشرع معلوماً من الدين بالضرورة من جحود مفروض أو فرض مالم يفرض أو إحلال محرم أو تحريم حلال أو اعتقاد ماينزه الله ورسوله وكتابه عنه من نفى أو إثبات لأن ذلك تكذيب بالكتاب وبما أرسل الله به رسوله ﷺ كبدعة الجهمية فى إنكار صفات الله عز وجلّ والقول بخلق القرآن أو خلق أى صفةمن صفات الله عزوجل وإنكار أن يكون الله تعالى اتخذإبراهيم خليلاً وكلم موسى تكليماً وغير ذلك وكبدعة القدرية فى إنكار علم الله عز وجل وأفعاله وقضائه وقدره، وكبدعة المجسمة الذين يشبهون الله تعالى بخلقه وغير ذالك من الأهواء**" (ص۱۶-۶۰)۔

اعتقادی فاسق کے احکام:

بدعت مکفرہ اور بدعت غیر مکفرہ کی تحدید وتعیین میں جو ضابطہ اہل علم نے ذکر کیا اور ان کے کلام سے جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسے اصل میں مخالفت کرے جس میں کتاب اللہ یا سنت متواترہ کی کوئی قطعی دلیل موجود ہو یا شریعت کے کسی ایسے متفق علیہ مسئلہ کا انکار کرے جس کا بدیہی طور پر دین سے ہونا معلوم ہے اس کی تکفیر کی جائے گی اور جو اس طریقہ پر نہ ہو یا لاعلمی وجہالت کے وجہ سے محض اتباع وتقلید میں بدعت کا اعتقاد رکھے تو اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

لہٰذا اس سے اعتقادی فاسق کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ جس اعتقادی فاسق کی بدعت نوع مکفرہ میں سے ہوگی تو اس کا حکم کفار کا حکم ہوگا تمام احکام میں اور جس کی بدعت نوع مکفرہ میں سے نہ ہو تو اسے فاسق قرار دیا جائے گا اور اس کا حکم مسلمانوں کے احکام جیسا ہوگا۔

(۶) فاسق شخص زبان سے توبہ کرے، لیکن توبہ کے مطابق عمل پیرا نہ ہو، یعنی اپنے آپ کو دین وشریعت کے راستہ پر نہ ڈھالے؛ بلکہ محض زبان سے ہی توبہ کا مدعی ہو تو ایسے شخص کی توبہ کا دنیاوی احکام میں کوئی اعتبار نہیں، یعنی نہ اسے عادل سمجھا جائے گا اور نہ ہی اس کی شہادت وگواہی کا کوئی اعتبار ہوگا، اس کی توبہ کے دنیوی احکام میں معتبر ہونے کیلئے ضروری ہے کہ کچھ زمانہ گذر جائے، مثلاً چھ ماہ یا سال بھر جیسا کہ امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے اور اس کے اندر توبہ کے اثرات ظاہر ہونے لگے، یعنی زندگی توبہ کے مطابق، دین وشریعت کے مطابق بسر ہونے لگے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کی صداقت توبہ

کا یقین اور اس پر اعتماد و وثوق پیدا ہو جائے، جیسا کہ امام محمدؒ نے مرور زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیا؛ بلکہ صرف اس کے تئیں دلوں میں اعتماد اور وثوق پیدا ہو جائے اور اسی پر فتوی ہے۔

یا اگر قاضی و معدّل موجود ہوں تو ان کی رائے کے سپرد کر دیا جائے گا، وہ جو فیصلہ کریں؛ اگر وہ تعدیل کریں اور شہادت قبول کریں تو وہ قابل شہادت اور عادل سمجھا جائے گا، یعنی دنیوی احکام میں اس کی توبہ معتبر ہوگی، جیسا کہ شامی میں ہے:

"تاب الفاسق لایعدله کما تاب بل لابد من مضی زمان یقع فی القلب صدقه فی التوبة و کان الإمام الثانی یقول: إن المدة ستة أشهر ثم رجع إلی سنة ومحمد لم یقدره بل علی مایقع فی القلوب الوثوق وعلیه الفتوی" (قرۃ عیون الأخیار ۱۱/ ۵-۱۰۴، کتاب الشہادات ص ۸) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"إ ن الفاسق إذا تاب لاتقبل شهادته مالم یمض علیه زمان یظهر أثر التوبة علیه وإن بعضهم قدر ذلک بستة أشهر وبعض قدر بسنة وإن الصحیح أنّه مفوض إلی رأی القاضی والمعدّل" (بحوالہ مذکورہ بالا ۵/ ۱۷۰)۔

(۷) داڑھی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی سنت، مسلمانوں کا قومی شعار اور مرد کی فطری اور طبعی چیزوں میں سے ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اس شعار کو اپنانے کیلئے اپنی امت کو ہدایات دی ہیں اور اس کے رکھنے کا حکم دیا ہے؛ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"احفوا الشوارب واعفوا اللحی" (ترمذی أبواب الأدب باب ماجاء فی اعفاء اللحیۃ ۲/ ۱۰۵)۔ (مونچھیں کٹاؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ)۔

انہیں سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"خالفوا المشرکین وفّروا اللحی واحفوا الشوارب"** (بخاری کتاب اللباس باب اعفاء اللحی ۲/ ۸۷۵، رقم الحدیث ۵۸۹۳)، (مشرکین کی مخالفت کرو؛ داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کاٹو)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"جزوا الشوارب وارخوا اللحی خالفوا المجوس"** (مسلم کتاب الطہارۃ باب خصال الفطرۃ ۱/ ۱۲۹ رقم الحدیث ۲۶۰)، (مونچھیں کاٹو، داڑھیاں لٹکاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو)۔

مذکورہ بالا احادیث میں پیغمبر رسول ﷺ نے داڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے جس کے لئے صیغہ امر کا استعمال فرمایا

ہے اور امر میں اصل وجوب ہے جس سے داڑھی کا وجوب ثابت ہوتا ہے، اسی وجہ سے جمہور علماء امت نے داڑھی رکھنے کو واجب فرمایا اور اس کا حلق کرانے، منڈوانے، ایک مشت سے کم کتروانے کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے مرتکب کو فاسق کہا ہے۔

اور یہ ایسا جرم ہے کہ اس کی حرمت پر ساری امت کا اجماع ہے، علامہ سبکیؒ اور ابوداؤد کی شرح المنہل العذب المورود میں لکھتے ہیں کہ داڑھی کا منڈانا تمام ائمہ مجتہدین امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک حرام ہے: ''**كان حلق اللحية محرما عند أئمة المسلمين المجتهدين أبي حنيفة ومالك والشافعي وأحمد رحمهم الله تعالى**'' (المنہل العذب المورود کتاب الطہارۃ، أقوال العلماء فی حلق اللحیۃ واتفاقہم علی حرمتہ ۱/۱۸۶)۔

فتاویٰ حامدیہ میں علامہ علائی لکھتے ہیں: ''**إن الأخذ من اللحية وهي دون القبضة كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم يحبه أحدوأخذ كلها فعل اليهود والهنود ومجوس الأعاجم فحيث أدمن على فعل هذا المحرم يفسق**'' (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الشہادۃ ۴/۲۳۸)۔

قبضہ سے کم داڑھی کاٹنا جیسا کہ بعض اہل مغرب اور ہیجڑے کرتے ہیں اس کو کسی نے مباح اور جائز نہیں قرار دیا ہے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے علامہ علائی کی اس عبارت کے آخری ٹکڑے ''**لم يحبه أحد**'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ داڑھی منڈانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے (بوادر النوادر، پچپنواں نادرہ اجماع برحرمت اخذ لحیہ دون القبضہ ص ۴۴۳)۔

دوسری جگہ حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں کہ داڑھی قبضہ (ایک مشت) سے کم کرانا حرام ہے بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ اعلانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دین اسلام کی کھلی توہین ہے اور علانیہ گناہ کرنے والا لائق معافی نہیں اور داڑھی کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے؛ حتی کہ نماز وغیرہ عبادات میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہے (داڑھی منڈانا کبیرہ گناہ اور اس کا مذاق اڑانا کفر ہے ص ۱۰)۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ داڑھی صغیرہ کبیرہ گناہوں کے درمیان فارق ہے اور داڑھی رکھنے میں جوانوں کا حسن و جمال ہے، جسمانی ساخت و بناوٹ کا تتمہ و تکملہ ہے، داڑھی بڑھانا ضروری ہے اور اس کا کاٹنا مجوس کا طریقہ ہے، نیز اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی ہے اور سرداروں اور اہل کتاب سے مشابہت ہے۔

''**اللحية هي الفارقة الصغير والكبير وهي جمال الفحول وتمام هيأتهم فلابد من إعفائها وقصّها سنة المجوس وفيه تغيير خلق الله ولحوق أهل السودد والكبرياء بالرعاع**'' (حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۳۰۹)۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ داڑھی کٹوا کر ایک مشت سے کم کر دینا ائمہ اربعہ کے یہاں درست نہیں: ''**أما تقصير اللحية بحيث تصير قصيرة من القبضة فغير جائز فی المذاهب الأربعة**'' (العرف الشذی کتاب الأداب باب ماجاء فی تقلیم الأظفار ۴/ ۱۶۲)۔

اور روایتوں میں حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے داڑھی کا حلق کرانا کہیں منقول نہیں، اسی طرح ایک مشت سے کم رکھنا بھی کہیں منقول نہیں، البتہ بعض صحابہ مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک مشت تک داڑھی درست کرنا اور زائد بالوں کا کاٹنا منقول ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

'' **كان أبو هريرةؓ يقبض على لحيته ثم يأخذ ما فضل من القبضة**'' (مصنف ابن أبی شیبہ رقم الحدیث ۲۵۴۸۱)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور مٹھی سے زائد داڑھی کے بال کاٹ دیتے تھے)۔

اس لئے داڑھی کو شعار عرب کہہ کر اسے آپ ﷺ کی سنت عادیہ قرار دینا درست نہیں معلوم ہوتا؛ جبکہ بکثرت روایتوں میں داڑھی بڑھانے کا حکم بصیغہ امر ہے جس کا تقاضا اصلاً وجوب کا ہے، جیسا کہ پچھلی روایات ذکر کی گئی ہیں۔

آپ ﷺ کے صاف طور پر داڑھی بڑھانے کے حکم کو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے وجوب ہی سمجھا تب ہی تو اس پر شد و مد کے ساتھ عمل پیرا رہے، نیز عبارات فقہاء سے بھی داڑھی کا وجوب ثابت ہوتا ہے اور اس کے حلق کرانے اور ایک مشت سے کم رکھنے کی حرمت پر اجماع کا ثبوت ہوا، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا اور وجوب کا حکم ہے کہ اس پر عمل لازم اور ضروری ہے۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مفتی محمد برکت علی قاسمی☆

الحمدلله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد و آله وأصحابه أجمعين أما بعد.

جواب ا: فسق فقہاء کی اصطلاح میں کفر سے کمتر درجہ کی نافرمانی ہے، قرآن وحدیث نے فسق کا کوئی قطعی مفہوم متعین نہیں کیا، اس لیے فقہاء کے یہاں فسق اور فاسق کے مفہوم میں اختلاف واقع ہوا ہے، صاحب فتاوی تاتارخانیہ شیخ امام فریدالدین دہلوی متوفی ۷۸۶ھ نے اپنے فتاوی میں عدل کی مختلف تعریفیں بیان کی ہیں:

الف۔ بعض حضرات نے عدل کی تعریف میں بڑی سختی کی ہے، انہوں نے تمام ممنوعات شرعیہ سے اجتناب کی شرط لگائی ہے، یہاں تک کہہ دیا کہ جو اذان سنے اور اقامت کا انتظار کرے اس کی عدالت ساقط ہوجائے گی وغیرہ وغیرہ۔

ب۔ حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: ''**العدل من المسلمين من لم يطعن عليه فى بطن أو فرج**'' (عادل وہ ہے کہ جس کے کسب اور عفت وعصمت پر انگلی نہ اٹھائی گئی ہو)، (ہکذا فی مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱/۲۴۶)۔

ج۔ امام شعبیؒ کا قول ہے: ''**من لم يعلم منه خربة أو فساد فى دينه**'' (ہکذا فی مصنف ابن ابی شیبہ ۱۱/۲۴۶)۔

د۔ فقیہ ابوجعفر ہندوانیؒ کہتے ہیں: ''**من كان منتزها عن الكبيرة متبريا متيقظا تغلب حسناته على سيئاته**'' (کبائر سے پرہیز عفیف بیدار جس کے حسنات کا پلہ بھاری ہو اسے عادل کہتے ہیں)۔

آگے صاحب فتاوی تاتارخانیہ لکھتے ہیں:

خلاصہ کلام: ''ہمارے اصحاب کے نزدیک کبائر کا ارتکاب عدالت ساقط کردیتا ہے، البتہ اگر صغائر پر اصرار نہ ہو تو عدالت ساقط نہ ہوگی''۔

ان تمام تعریفات کے ساتھ ایک تعریف اور بھی کی ہے جو اس گئے گزرے زمانے کے حساب سے زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ سے منقول ہے، فرماتے ہیں: ''**من غلبت حسناته على سيئاته قبلت**

☆ مظاہر العلوم، سلیم تامل ناڈو

شهادته'' (کذافی البدائع ۶/ ۹۶۹)۔

حاصل کلام: جو عادل نہیں ہوگا فاسق کہلائے گا، لہٰذا فی زماننا بندہ کی رائے میں فاسق اس شخص کو کہا جائے جس کے حسنات کا پلہ بھاری نہ ہو اور دھڑلے سے گناہ کرتا ہو، جس کو فقہ کی اصطلاح میں داعر کہا جاتا ہے، جیسا کہ صاحب فتاوی تاتار خانیہ نے لکھا ہے:

''**وإذا كان الرجل معروفا بالكذب الفاحش لم تقبل شهادته وكذلك لا تقبل شهادة الداعر وهو الفاسق المتهتك الذى لا يبالى بما يصنع**'' (کذافی التاتارخانیۃ کتاب الشہادۃ ۱۱/ ۴۳۰)۔

''**وأيضا فى التاتار خانيه اتفقوا على أن الإعلان بكبيرة يمنع الشهاد' وفى الصغائر إن كان معلنا بنوع فسق مستشنع يسميه الناس بذلك فاسق مطلق لا تقبل شهادته وإن لم يكن كذلك فإن كان صلاحه أكثر من فساده وصوابه أغلب من خطئه ولا يكون سليم القلب يكون عدلا لا تقبل شهادته**'' (کذافی فتاوی قاضی خان والفتاوی الہندیہ ۳/ ۴۶۶)۔

ہاں البتہ اگر فاسق لوگوں میں صاحب وجاہت ہو اور خیال کیا جاتا ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا، بقول امام ابو یوسف اس کی گواہی قبول کی جائے گی (کذافی الہندیہ ۳/ ۴۶۶ وفی الہدایۃ ۳/ ۱۲۴)۔

اعلاء السنن میں علامہ ظفر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے عادل اور فاسق کی تعریف میں مروت اور وجاہت کے لحاظ کو ضروری لکھا ہے، اس لیے کہ بسا اوقات آدمی بے دین ہوتا ہے، لیکن صاحب مروت ہوتا ہے، اس لیے جھوٹ نہیں بولتا اور استدلال کیا ہے ابوسفیان کے (اسلام لانے سے پہلے) کے قول سے، جس وقت قیصر نے ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا، وہ کہتے ہیں: ''**لو لا أنى كرهت أن يوثر عنى الكذب لكذبته**''، (اعلاء السنن ۱۱/ ۲۳۷)، یعنی اگر میرا شریف نفس مجھے جھوٹ بولنے کی اجازت دیتا تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جھوٹ بولتا۔

اسی بات کی طرف علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں توجہ دلائی ہے، عبارت پیش خدمت ہے: ''**ثم إعلم أنهم اشترطوا فى الصغيرة الأدمان وما شرطوه فى فعل ما يخل بالمروئة فيما رايت وينبغى اشتراطه بالأول وإذا فعل ما يخل بها فقد سقطت عدالته وإن لم يكن فاسقا به حيث كان مباح ففاعل المخل بها ليس بعدل ولا فاسق**'' (البحر الرائق ۷/ ۹۴) یہ قول زیادہ قرین قیاس ہے۔

مذکورہ تمام تعریفات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے، ہر زمانہ کے عرف پر فسق کی تعریف وتحدید کی جائے، ورنہ گواہی کا دروازہ بند ہوجائے گا (کذافی البدائع ۶/ ۲۶۹)۔

جواب ۲: فاسق کی امامت

اگر فاسق امامت کرے تو نماز ادا ہو جائے گی، لیکن کراہتِ تحریمی کے ساتھ: ''**فیری الحنفیة أنه یصلح للإمامة فی الجملة کل عاقل مسلم حتی تجوز إمامة العبد والأعرابی والأعمی و ولد الزنی والفاسق وإن کانت مکروهة**'' (بدائع والصنائع ۱/۱۵۱ احکام القرآن للجصاص، مراقی الفلاح، الفتاوی ہندیہ)، ''**اذا کان یؤم یوم الجمعة وعجز القوم عن منعه قال بعضهم یقتدی به فی الجمعة ولا تترک الجمعة بإمامته وفی غیر الجمعة یجوز أن یتحول إلی مسجد اٰخر ولایأثم به**'' (ہکذا فی الظہریہ الفصل الثالث فی بیان من یصلح إماما لغیرہ ۱/۸۶)۔

فاسق کی امامت کبریٰ

جمہور کے نزدیک فاسق کو امیر المؤمنین بنانا جائز نہیں ہے۔

''**عند الجمهور لایجوز أن تعقد الإمامة لفاسق لأن الإمام یقام لإقامة الحدود و استیفاء الحقوق و حفظ الأیتام و المجانین و النظر فی أمورهم إلٰی غیر ذٰلک**'' (تفسیر قرطبی: ۱/۲۳۲، واحکام القرآن للجصاص ۱/۱۰)۔

فاسق کی گواہی

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فاسق کی گواہی تحمل شہادت کی صورت میں قابل قبول ہے ادائے شہادت کی صورت میں قابل قبول نہیں ہے: ''**اتفق الفقهاء علی اشتراط العدالة فی الشاهد وأنه لایقبل شهادة الفاسق لقوله تعالٰی "واشهدوا ذوی عدل منکم**'' (سورۃ الطلاق)، **ولقوله تعالٰی "یاأیها الذین اٰمنوا إن جآئکم فاسق بنبا الخ**'' (سورۃ الحجرات ۶)، **لأن فی الحکم بها تعدیلا له ولأن اعتبار العدالة فی الشاهد حق لله تعالٰی، والمعروف بالعدالة إذا شهد بزور و تاب تقبل شهادته وعلیه الاعتماد**'' (ہندیہ: ۳/۴۶۶) تحمل شہادت کے متعلق عبارت درج ذیل ہے:

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں: ''**ولأن الفسق لایقدح فی ولایة النکاح بنفسه لما ذکرنا فی شرائط الولایة**''۔

اور آگے فرماتے ہیں: ''**والفسق لایقدح فی أهلیة التحمل وإنما یقدح فی الأداء**''۔

فاسق کی روایتِ حدیث

فن حدیث میں اصولی طور پر فاسق کی روایت معتبر نہیں ہے: ''**ذهب جماهیر أئمة الحدیث واتفقوا إلی**

أنـه يشتـرط فيمن يحتج بروايته السلامة من الفسق۔ وذكر الزين العراقى أن الفاسق المبتدع الذى لم يـكـفر ببدروعته إذا كان داعية إلى بدعته لم تقبل توايته وإن لم يكن داعية قبل، ذ هب أحمد كما قال الخطيب وقال ابن الصلاح وهذا مذهب الكثير'' (شرح مقدمۃ ابن الصلاح ۱۱۴ وشرح الزین العراقی:۴۹)۔

فاسق اورفتوی

جمہورفقہاء فاسق کے فتوی دینے کو صحیح نہیں مانتے ہیں، البتہ حنفیہ کے نزدیک فاسق مفتی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے:

''**ذهـب جـمهـور الـفـقهاء إلٰى أن الفسق مانع من قبول الفتوى لأن الإفتاء يتضمن الإخبار عن الحكم الشـرعى وخبر الفاسق لايقبل، وذهب بعض الحنفية إلٰى أن الفاسق تقبل**'' (فتواہ مجمع الانہر ۲/۱۵۴ وھکذا قال ابن القیم فی إعلام الموقعین ۴/۲۲۰)۔

فاسق اورحقِ حضانت

فقہاء کا اتفاق ہے کہ فاسق کو حقِ حضانت حاصل نہیں ہے، لیکن حنفیہ کے نزدیک کٹر فاسق کو حقِ حضانت حاصل نہیں ہوگی:''**اتفق الفقهاء علٰى أنه لاحضانة لفاسق لأن الفاسق لايلى ولايؤتمن ولأن المحضون لا حظ له فـى حـضـانتـه لأنـه يـنشا علٰى طريقته، وقيد الحنفية الفسق المسقط للحضانة بانه المضيع للولد**'' (الفتاوی الخانیہ ۲/۴۶۰۔ حاشیہ ابن عابدین ۲/ ۶۳۳)۔

فاسق اورمعاملات

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ فاسق کی خبر چند صورتوں میں قبول کی جاسکتی ہے:

۱۔ معاملات میں جیسے ھدیہ کے لینے اور قبضہ کرنے میں، اسی طرح تمام معاملات میں، لیکن دیانات وہ معاملات و عبادات جورب اور عبد کے درمیان ہیں ان میں عدالت کی شرط لگائی ہے:''**نـص الـجصاص فى كتابه أحكام القرآن عـلٰى أن أهل العلم اتفقوا علٰى جواز قبول خبر الفاسق فى أشياء: منها أمور المعاملات فيقبل منها خبر الفاسق وذٰلك نـحو الهدية إذا قال لك إن فلانا أهدى إليك هذا فيجوز قبوله و قبضه و كذٰلك فى جميع المعاملات**'' (احکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۹۸)۔

''**وتـقبـل قول الفاسق والكافر والعبد فى المعاملات لكثرة وقوعها كما إذا أخبر أنه وكيل فلان فـى بيـع كذا فيجوز الشراء منه إن غلب علٰى الرأى صدقه كما مر وسيجىء آخر الحظر، وشرط العدالة**

فی الدیانات هی التی بین العبد والرب کالخبر عن نجاسة الماء فیتیمم ولایتوضا إن أخبر بها مسلم عدل منزجر عما یعتقد حرمته ولو عبدا أو أمة ویتحری فی خبر الفاسق بنجاسة الماء"۔

فاسق اور ولایت نکاح

حنفیہ اور مالکیہ فاسق کی ولایتِ نکاح کو مانتے ہیں، شافعیہ اور حنابلہ فاسق کی ولایتِ نکاح کو نہیں مانتے ہیں۔

" ذهب الحنفیة والمالکیة إلی أن الفاسق یکون ولیا فی النکاح علی مولیته لأنه یلی مالها فیلی بضعها کالعدل فهو و إن کان فاسق فی دینه إلا أن غیرته متوفرة وبهایحمی الحریم إلا أن المالکیة کرهوا للولی الفاسق ای یلی رواج من یلی علیها وقدموا علیه الولی العدل المساوی له فی الدرجة" (حاشیہ ابن عابد ۲ ص ۲۹۵)، **وذهب الشافعیة والحنابلة إلی أن النکاح لاینعقد بولی فاسق علی المذهب غیر الإمام الأعظم، مجیزا کان أم لا أعلن بفسقه أم لا فلا یزوج الولی الفاسق إلا للضرورة"** (البجیرمی علی الخطیب ۳/ ۳۰۹ مغنی المحتاج ۳/ ۱۵۵)۔

فاسق کے ساتھ برتاؤ

علماء کا اتفاق ہے کہ فاسق کے ساتھ نرمی اور دوستانہ تعلق نہ رکھا جائے: **"اتفق الفقهاء علٰی أنه لایجوز التودد للفاسق لأجل فسقه ولاالجلوس معه وهو یمارس شئا من المعاصی ایناساومجاراة له بقوله تعالی: "ولاتَرکنُوا إلاَ الَّذِینَ ظَلَمُوافَتمسَّکمُ النَّارُ"** (سورۃ ہود۔ ۱۱۳)، **ولقول النبی ﷺ: "لاتصاحب إلا مؤمنا ولایأخذ طعامک إلا تقیّ** (الترمذی ۴/ ۱۰۶)، **ولقوله: "الرّجل علی دین خلیله فلینظر إلی أحدکم من یخالل"** (الترمذی ۴/ ۵۸۹)۔

فاسق اور قضاء قاضی

قاضی بننے اور فیصلہ کے نفاذ کے واسطے عدالت وجوبی شرط نہیں ہے، بلکہ شرطِ کمال ہے، لہٰذا اگر امیر المؤمنین یا جماعت المسلمین نے فاسق کو قاضی بنادے اور حدودِ شرع سے تجاوز نہ کرے، اس کا فیصلہ نافذ العمل ہوگا: **"کذا فی الهندیة ما نصه قال فی الهندیة: کذٰلک العدالة عندنا لیست بشرط فی جواز التقلید لکنه شرط الکمال فیجوز تقلید الفاسق و تنفذ قضایاه إذا لم یجاوز فیها حد الشرع لکن لاینبغی أن یقلد الفاسق "** (کذا فی

البدائع والہندیۃ:۳/۳۰۷)، ''ثم قال والفاسق یصلح قاضیًا علٰی أصح'' (الاقاویل ۳/۷۰۳)،آگے لکھتے ہیں: فقہاء نے کہا ہے کہ امام کے لئے مستحب ہے کہ وہ ایسے شخص کو قاضی بنائے جس کے پاس بے نیازی اور جائداد ہو، تاکہ وہ لوگوں کے مال میں لالچ نہ کرے، اسی طرح قاضی ابوجعفرؒ مفتی کے متعلق اولا فرماتے ہیں، اسی طرح آگے لکھتے ہیں: ''ویرید أن المفتی أن یکون عدلاً عالمابالکتاب والسنة واجتهاد الرئی إلا أن یفتی بشیء قدسمعه فإنه یجوز (۳/۳۷)، وإن لم یکن عالمابماذکر نامن الأدلة لأنه حاک بماسمع من غیر ه''۔

جواب: ۳

داڑھی رکھنا واجب اور اس کو منڈوانا یا کتروا کر ایک مشت سے کم کرنا ناجائز اور دائمی گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق اور گنہگار ہے، جمہور ائمہ کا اس کی حرمت پر اجماع ہے، جیسا کہ ابن حزم نے اجماع نقل کیا ہے اور اس کی حرمت پر دلائل ظاہر و باہر ہیں۔

البتہ قاضی کو قرائن سے معلوم ہو جائے کہ یہ شخص فاسق ہونے کے باوجود بات سچ کہہ رہا ہے اور اس بنیاد پر اس کی گواہی کو قبول کرلے تو اسے یہ حق حاصل ہے: إلا کما فی رد المحتار وأما شهادة الفاسق فإن تحری القاضی الصدق فی شهادته تقبل وإلا فلا، قال فی الفتاوی القاعدة هذا إذا غلب علی ظنه صدقه وهو مما یحفظ الخ'' (۴/۴۱۴)،وکذا فی تحفة الفقهاء ۔وفی البدائع ما نصه لأن غیر العدل وهو الفاسق تجوز شهادته إذا تحری القاضی الصدق فی شهادته ولو قضی به القاضی ینفذ'' (فی بیان آداب القضا ۷/۱۱)۔

جواب: ۴

ایسے ذمہ دار حضرات جو وجوہ فسق سے خالی نہیں ہیں برطرف کئے جانے کے لائق ہیں، اگر انہیں برطرف نہیں کیا گیا اور وہ ماتحتوں کو کسی بات کا حکم دیں، ان کی اطاعت واجب ہوگی، جس طرح فاسق قاضی کوئی فیصلہ کردے، لیکن خیال رہے، ان کا حکم خلاف شرع نہ ہو۔

شامی میں مطلب فی شروط المتولی، متولی اور ذمہ دار کی شرائط کے متعلق لکھتے ہیں: ''والظاهر أنها شرائط الأولویة لا شرائط الصحة وإن الناظر إذا فسق لاینعزل کالقاضی إذا فسق لاینعزل علی الصحیح المفتی به'' (کتاب الوقف ۶/۵۷۸)۔

علامہ شامیؒ نے متولیان کے مسئلہ کو فاسق قاضی پر قیاس کیا ہے، فاسق قاضی اگر فیصلہ کردے تو وہ نافذ العمل ہوگا۔

لہٰذا قضائے فاسق قاضی کے متعلق عبارت پیشِ خدمت ہے، بدایع میں ہے:''**وكذا العدالة عندنا ليست بشرط لجواز التقليد لكنها بشرط الكمال فيجوز تقليد الفاسق وتنفذ قضاياه إذا لم يجاوز حد الشرع**'' (۷/ ۳)، اسی طرح ہندیہ میں ہے:''**ولو قلد وهو عدل ثم فسق يستحق العدل ولكن لا ينعزل به وبه أخذ عامة المشائخ ويجب على السلطان أن يعزله، كذا في الفصول العمادية**'' (ہندیہ ۳/ ۳۰۷)۔

جواب:۵

فسق فی العقیدۃ سے مراد وہ گمراہ کن عقائد ہیں جو عقائدِ اہل السنۃ والجماعت کے خلاف ہوں، جب تک کہ وہ عقائد کفر تک نہ لے جائیں (کذا فی الدر المختار کتاب الشہادات ۸/ ۱۸۸، وفی المبسوط للسرخسی ۱۶/ ۱۳۲)۔

(الف) جو لوگ اعتقادی اعتبار سے فاسق ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، کذا فی فتاوی محمودیہ، لیکن صاحب احسن الفتاوی نے اس سلسلے میں علامہ ظفر احمد عثمانی کی تحقیق نقل فرمائی ہے:'' حضرت عثمانؓ، اور دیگر صحابہ کے عمل سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ کراہت قادر علی العزل اور عدم ترتبِ فتنہ کے ساتھ مقید ہے، عجز وخوفِ فتنہ کی صورت میں اقتدا بالفاسق کی کراہت باقی نہیں رہے گی، لہٰذا اگر فاسق کو ہٹانے پر قدرت نہ ہو اور قریب میں کوئی صالح امام میسر نہ ہو تو اقتداء فاسق میں کراہت نہ ہوگی'' (کذا فی اعلاء السنن ۴/ ۲۳۱، والکفایۃ مع فتح القدیر: ۱/ ۳۰۴)۔

(ب) فقہاء کا اتفاق ہے کہ مطلقا فاسق کو حقِ حضانت (پرورش کا حق) حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ فاسق کی تربیت سے بچے میں فسق کے اثرات پیدا ہوں گے، لیکن اس مسئلے میں حنفیہ نے کہا ہے کہ یہ حق اس وقت نہیں ملے گا، جبکہ وہ کٹر فاسق ہو (کذا فی الفتاوی الخانیۃ ۲/ ۴۶۰، ورد المحتار: ۲/ ۶۳۲)۔

(ج) ہاں البتہ اصحابِ ہوی اگر گواہی دیں تو حنفیہ کے نزدیک ان کی گواہی قبول کی جائے گی:''**كذا في التاتار خانية ما نصه قال محمد في الأصل وقال أبو حنيفة وابن أبي ليلىٰ شهادة أهل الهوى جائزة قال وهو قول أصحابنا**'' (۱۱/ ۴۳۱، وہکذا فی تبیین الحقائق ۵/ ۱۹۳)۔

جواب:۶

فاسق اگر توبہ کرلے اور اسکے مطابق عمل پیرا نہ ہو اور اگر عمل پیرا بھی ہو تب بھی فوراً اسکی توبہ قبول نہیں کی جائے گی جب تک کہ اس پر ایک زمانہ نہ گذر جائے اور اطمنان ہو جائے کہ اس نے توبہ کرلی، بعض حضرات نے زمانے کی تحدید چھ مہینے سے اور بعض نے ایک سال سے کی ہے، لیکن صحیح قول قاضی صاحب کے رائے پر موقوف رکھا جائے، اگر قاضی صاحب کو

اطمینان ہوجائے تو اس کے عادل ہونے کا حکم لگادے: ''**قال قاضی خان فی فتاواہ فی أوائل کتاب الشهادة الفاسق إذا تاب لاتقبل شهادته مالم یمض علیه زمان تظهر فیه التوبة ثم بعضهم قدر ذلک بستة أشهر وبعضهم قدر بسنة والصحیح أن ذلک مفوض إلی رای القاضی، وکذا فی تبیین الحقائق**'' (۴/۲۱۱)۔

جواب:۷

مرد کے لئے ڈاڑھی رکھنا واجب ہے، بلاشرعی عذر کے منڈانا حرام ہے، اس کا مرتکب فاسق ہے اور یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**انهکوا الشوارب واعفوا اللحی**'' (رواہ الائمۃ الستۃ)، **وفی روایة: ''خالفوا المشرکین احفوا الشوارب واوفوا اللحی''**، ان دونوں روایتوں میں ڈاڑھی بڑھانے اور مکمل کرنے کا حکم ہے۔

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**جزوا الشوارب وارخوا اللحی وخالفوا المجوس**'' (رواہ الائمۃ الستۃ)، اس روایت میں ڈاڑھی لٹکانے کا حکم ہے، اس حدیث کی تشریح میں علامہ محمود بن خطاب سبکی کہتے ہیں: ''**أصل الأمر الوجوب ولایصرف عنه إلا بدلیل کما هو تقرر فی علم الأصول**'' (المنہل العذب المورود ۱/۱۸۶)۔

ابن حزم ظاہری لکھتے ہیں: ''**فرض قص الشارب واعفاء اللحیة**'' (شرح رسالہ ۴۱)، شارح مشکوۃ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''وگذاشتنِ آں بقدرِ قبضہ واجب است'' (اشعۃ اللمعات ۱/۲۸۸)۔

ڈاڑھی کے متعلق احادیث میں چھ لفظ وارد ہوتے ہیں اور تمام امر کے صیغے ہیں:

(۱) **اعفوا** (بڑھاؤ)، (۲) **اوفوا** (کامل کرو)، (۳) **ارخوا** (لٹکاؤ)، (۴) **ارجوا** (پورا باقی رہنے دو)، (۵) **وفروا** (زیادہ کرو)، (۶) **دعوا** (چھوڑ دو)۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بوادر النوادر میں تحریر فرماتے ہیں: درمختار کا قول ''**لم یبحه أحد**'' (ڈاڑھی منڈانے کی حرمت پر) اجماع کی صریح دلیل ہے (بوادر النوادر ص ۴۴۳)۔

بعض حضرات نے رافعیؒ اور نوویؒ کے حوالے سے ڈاڑھی منڈانے کو شافعیہ کے یہاں مکروہ لکھا ہے، اس پر ابن رافعہ نے الکفایۃ میں اعتراض کیا ہے کہ خود امام شافعیؒ نے کتاب الام میں صراحتًا حرام فرمایا ہے، لہٰذا مکروہ کہنا صحیح نہیں ہے (تحفۃ المحتاج فصل عقیقہ)۔

سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی سعید پالنپوریؒ نے اپنی کتاب ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں میں چاروں مذاہب کے ائمہ کی عبارتوں سے اس مسئلہ کا متفق علیہ ہونا ثابت کیا ہے۔

عرب علماء میں جو صلاح وتقوی اور احتیاط میں جانے جاتے ہیں وہ حلق لحیہ کو حرام سمجھتے ہیں:

۱۔عبدالعزیز ابن بازؒ اپنے فتاوی میں حلق اللحیۃ حرام لکھا ہے۔

۲۔شیخ محمد ناصر الدین البانی اپنی کتاب آداب الزفاف میں لکھا ہے:''**إن حَلَقَ اللحية يعتبر مخالفة صريحة للأوامر النبوية**''۔

۳۔شیخ محمد بن صالح عثیمین نے اپنے فتاوی میں لکھا:''**لايجوز حلق اللحية**'' (۲۸/۳)۔

اب آتے ہیں آزاد خیال علماء کی طرف، وہ کہتے ہیں کہ احادیث میں امر کے صیغے ممکن ہے کہ وجوب کے لیے نہ ہو؛ بلکہ استحباب وسنت کیلئے ہوں، جیسا کہ خیال ظاہر کیا ہے ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے، شیخ عبداللہ بن زید آل محمود، ڈاکٹر علی جمعہ، شیخ محمد متولی شعرابی، شیخ محمد شلتوت وغیرہ نے، ان کے جواب میں وہی حدیث کافی ہے، جس کی عبارت یہ ہے:''**جاء رجل رسول من طرف كسرى حليق اللحية قال له من أمرك بهذاقال ربى، قال رسول الله ﷺ اماربى فامرنى بقص الشارب وإيفاء الحية هكذافى جمع الجوامع للسيوطى** (۵۵۹/۶)۔یہ حدیث واضح ہے کہ ڈاڑھی سنن عادیہ میں سے نہیں ہے، بلکہ شرعی حکم ہے، اور امور بالا ڈاڑھی کے سنت ہونے پر واضح دلیل ہیں، اسی وجہ سے علامہ محمد بن صالح نے یہ جملہ کہا ہے: ''**فهذا لااتصور مسلما فقيها ينكره**'' (۲۸/۱۳)۔

خاتمہ

بہت سے غیر منصوص احکام زمانہ کی تبدیلی سے تبدیل ہوجاتے ہیں، کیوں کہ لوگوں کا عرف بدل جاتا ہے، نئی ضرورتیں پیدا ہوتی ہیں، اخلاقی فساد در آتے ہیں، ان حالات میں اگر پہلے ہی حکم کو باقی رکھا جائے تو یہ لوگوں کے لئے مشقت اور ضرر کا باعث ہوگا، اخلاقی زوال دن بدن بڑھتا جارہا ہے، یہاں تک کہ آج اباحیت پسندی کا جیسا رجحان آنکھوں کے سامنے ہے ان حالات میں ظاہر ہے کہ وہ احکام جن میں اُس زمانہ کی اخلاقی سطح پر اعتماد کیا گیا ہوگا یا اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے شرطیں لگائی گئی ہوں گی بدل جائیں گی، اور ان میں تغیر ناگزیر ہوجائے گا۔

انہی احکام میں سے دینی امور میں عدالت کی شرط ہے، لیکن یہ عدالت اور اس کی تعریف زمانہ کے چلتے خال خال نظر آنے لگی ہے، اسی وجہ سے امام یوسفؒ مطلقاً فاسق کی شہادت کو ناقابل قبول اور واجب الرد قرار نہیں دیتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ یہی رائے جمہور احناف کا مسلک بن گئی؛ بلکہ مزید اس میں نرمی پیدا کی جاتی رہی، اس لئے کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو بہت سے لوگوں پر انصاف کا دروازہ ہی بند ہوجاتا، اسی لیے فاسق کی شریعت میں کوئی محدود تعریف نہیں کی گئی، زمانہ کے تغیر سے

اس کی تعریف بدل سکتی ہے، لہٰذا رویت ہلال میں اگر قاضی فاسق کے صادق ہونے پر اعتماد کرے تو گواہی قبول کرسکتا ہے، مساجد یا دینی اداروں کے ذمہ دار وجوہ فسق سے خالی ہوں، اگر اس کے باوجود ذمہ دار بن جائیں تو ان کی اطاعت کی جاسکتی ہے، فسق فی العقیدہ سے مراد اعتقادی فسق ہے، بشرطیکہ وہ کفر تک نہ پہنچے، اگر فسق فی العقیدہ ملوث شخص امامت کرے تو قادر علی العزل اور عدم ترتب فتنہ کی صورت میں مکروہ ہوگی، ورنہ نہیں، فاسق کی زبانی توبہ قابل قبول نہیں جب تک قاضی یا حکام کو اس کی توبہ پر یقین نہ آجائے، ڈاڑھی شعار اسلام ہے اور انبیاء کی سنت ہے، اس کو سنن عادیہ میں گردانا محض اباحت پسندی اور مغربی تہذیب کی تقلید اور مرعوبیت کی دلیل ہے، ڈاڑھی منڈھانے والا فاسق ہے۔

☆☆☆

فسق کی حقیقت اور اس کے احکام

مولانا محمد عباس یوسف سعادتی ☆

جواب(۱):

فسق کی کوئی ایک تعریف متعین نہیں ہے، بلکہ زمانے کے عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف ہے، اس لیے کہ نصوص (قرآن مجید اور احادیث نبویہ) میں فسق کا کوئی قطعی مفہوم متعین نہیں کیا گیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں مادۂ ''فسق'' تقریباً ۴۵/مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، اور چار معانی میں استعمال ہوا ہے:

(۱) کفر، (۲) شرک، (۳) نفاق، (۴) معاصی (تفصیل کے لیے دیکھیے! علی یوسف عوض الرواشدہ کا مقالہ ''دلالات مصطلح ''الفسق'' ومشتقاتہ فی اللغۃ واستعمالاتہا فی القرآن الکریم'')۔

نیز یہ مادّہ مختلف احادیث میں بھی بہ کثرت مستعمل ہوا ہے، بعض مواقع میں ان افعال سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، اور کچھ مواقع پر ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن یہاں پر بھی کوئی حتمی مفہوم متعین نہیں کیا گیا ہے (تفصیل کے لیے دیکھیے! فونانا آدم کا محقق ومفصل مقالہ ''**الأحكام المترتبة على الفسق فى الفقه الإسلامى**'' (۴۶/۲)۔

لغات میں یہ مادّہ مختلف ابواب سے متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے:

۱ – ''**الخروج عن الشيء ومنه**'' (لسان العرب: ۳۴۱۴/۵، تہذیب اللغۃ: ۴۱۴/۸)۔

۲ – ''**الترک**'' (تہذیب اللغۃ: ۴۱۴/۸)۔

۳ – ''**الإنفاق والتوسع فى الشيء**'' (لسان العرب: ۳۴۱۴/۵)۔

۴ – ''**الفجور والخبث وردیء الأفعال**'' (لسان العرب: ۳۴۱۴/۵)۔

۵ – ''**الميل والانحراف**'' (لسان العرب: ۳۴۱۴/۵)۔

☆ استاذ جامعہ مظہر سعادت، ہانسوٹ، ضلع بھروچ، گجرات

ان تمام معانی میں جو امر مشترک ہے وہ "**الخروج عن الطاعة**" ہے، یعنی نافرمانی، اس اعتبار سے فسق کے معنی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا گفتگو سے معلوم ہوا کہ فسق کی کوئی ایک تعریف متعین نہیں ہے، اس کے علاوہ فقہاء کرام کے مابین تعریفات کا اختلاف بھی یہی بتلاتا ہے کہ فسق کا کوئی ایک مفہوم متعین نہیں ہے، اور فقہاء کرام نے اپنے زمانے کے احوال کو سامنے رکھ کر اس کا مفہوم ومصداق بیان کیا ہے۔

کچھ تعریفات ذیل میں نقل کی جارہی ہیں، جس سے بہ خوبی معلوم ہو جائے گا:

۱-"**الخروج عن طاعة الله عز وجل، فقد يقع على من خرج بكفر وعلى من خرج بعصيان**" (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی-ت:۶۷۱-:۱/۲۸۳، تفسیر ابن عطیہ-ت:۵۴۲-:۱/۱۵۵)۔

۲-**العصيان والترك لأمر الله تعالى والخروج عن طريق الحق** (المحکم والمحیط الأعظم لابن سیدہ-ت: ۴۵۸-:۶/۲۴۲)۔

۳-"**الخروج عن الأمر المحمود إلى الأمر المذموم**" (معتصر المختصر من مشکل الآثار لابن محاسن-ت:۸۰۳: ۲/۲۷۱)۔

۴-"**خروج العقلاء عن الطاعة**" (روح المعانی للآلوسی-ت:۱۲۷۰-:۱/۲۱۰)۔

۵-"**الفاسق الخارج عن أمر الله بارتكاب الكبيرة**" (تفسیر البیضاوی-ت:۶۸۵ -:۱/۱۴)۔

۶-"**فسق فلانٌ: خرج عن حجر الشرع، وهو أعم من الكفر، والفسق يقع بالقليل من الذنوب وبالكثير**".

فسق کے مقابلے میں "عدالت" اور فاسق کے مقابلے میں "عادل" کا لفظ ہے، گویا دونوں میں تضاد کا علاقہ ہے، اور مشہور ہے: "**تعرف الأشياء بأضدادها**"، اس لیے عدل وعدالت کا مفہوم سمجھنے سے فسق وفاسق کے معنی کی تعیین میں معاونت ہوگی۔

علامہ کاسانیؒ نے مختلف اقوال جمع کیے ہیں:

۱-"**من لم يطعن عليه فى بطن ولا فرج فهو عدل**" (عادل وہ ہے کہ جس کے کسب اور عفت وعصمت پر انگلی نہ اٹھائی گئی ہو)۔

۲-دینی امور میں جس کی نسبت کوئی جرم معروف نہ ہو۔

۳- جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور فرائض کو ادا کرتا ہو۔

ان تعریفات کے ساتھ علامہ کاسانیؒ نے ایک تعریف اور بھی کی ہے، جو زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں وہ عادل ہے: "**من غلبت حسناته سيئاته**" (دیکھیے! أصول الفقہ للزحیلی: ۱/ ۷، نظریۃ الحکم ومصادر التشریع فی أصول الفقہ للدکتور أحمد الحصری: ۶/ ۲۶۹، قاموس الفقہ: ۴/ ۴۵۴)۔

حاصل یہ کہ عدل میں بھی علماء کا اختلاف ہے، لہٰذا اس کی ضد فسق کا مفہوم بھی متعین ومقرر نہیں ہے۔

مذکورہ بالا گفتگو سے جو باتیں معلوم ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) فسق کا کوئی ایک مفہوم متعین نہیں ہے۔

(۲) ارتکاب معاصی اور اطاعت سے خروج وانحراف؛ یہ فسق ہے۔

(۳) "**من غلبت حسناته سيئاته**" جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں وہ عادل ہے۔

جواب کا حاصل یہ کہ فسق کا کوئی قطعی مفہوم مقرر نہیں ہے، اس لیے زمانے کے حالات کے پیشِ نظر اور لوگوں کے حقوق کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے، نیز معاملات میں تنگی واقع نہ ہو؛ آخری بات جو علامہ کاسانیؒ نے ذکر کی ہے: "**من غلبت حسناته سيئاته**" کو سامنے رکھنا چاہیے، واللہ أعلم۔

جواب (۲):

(الف) نماز اور متعلقات نماز کے احکام:

(۱) اگر کوئی فاسق شخص پانی کی پاکی یا ناپاکی کی خبر دے تو فقہا کی دو رائے ہیں: (الف) خبر قبول نہ کی جائے (احکام القرآن للجصاص رازی: ۳؛ ۳۹۸، شرح.....: ۳/ ۸۱۔ المہذب: ۱/ ۵۳، الکافی: ۱/ ۲۳)، (ب) خبر رد نہیں کی جائے گی، البتہ مبتلا بہ کی رائے پر عمل کیا جائے گا، اگر وہ اُسے صادق مانتا ہے تو فبہا، ورنہ عمل نہیں کیا جائے گا (المبسوط ۱۰/ ۱۶۳)۔

(۲) اگر کوئی فاسقہ عورت وضو کرنا چاہتی ہے، اور پانی ایسی جگہ ہے جہاں اُسے اپنی عزت کا خطرہ ہے، تو پھر اس کے لیے حنفیہ وحنابلہ کے یہاں تیمّم جائز ہے، اور ابن قدامہؒ نے لکھا ہے کہ اعادہ بھی واجب نہیں ہے (البحر الرائق: ۱/ ۱۷۹، الارشاد: ص ۳۶، المغنی: ۱/ ۳۱۶)۔

(۳) اگر نماز کے وقت کے دخول کے بارے میں کوئی فاسق گواہی دے تو فقہا کی دو رائے ہیں: (الف) قبول نہ کی جائے (احکام القرآن للجصاص رازی: ۳/ ۳۹۸، شرح.....: ۳/ ۸۱۔ المہذب: ۱/ ۵۳، الکافی: ۱/ ۲۳)، (ب) رد نہیں کی جائے گی، البتہ

مبتلا بہ کی رائے پر عمل کیا جائے گا، اگر وہ اُسے صادق مانتا ہے تو فبہا، ورنہ عمل نہیں کیا جائے گا (المبسوط ۱۰/ ۱۶۳)۔

(۴) اگر فاسق شخص اذان دے تو جمہور فقہاء اس کی صحت کے قائل ہیں (فتح القدیر: ۱/ ۲۵۳، المجموع: ۳/ ۱۱۰، الفروع: ۱/ ۲۷۸)۔ یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

(۵) اگر کوئی فاسق شخص کسی کو قبلے کی سمت کے بارے میں رہبری کرے تو فقہا کی دو رائے ہیں: (الف) قبول نہ کی جائے (احکام القرآن للجصاص رازی: ۳/ ۳۹۸، شرح.....: ۳/ ۸۱۔ المہذب: ۱/ ۵۳، الکافی: ۱/ ۲۳)، (ب) رد نہیں کی جائے گی، البتہ مبتلا بہ کی رائے پر عمل کیا جائے گا، اگر وہ اُسے صادق مانتا ہے تو فبہا، ورنہ عمل نہیں کیا جائے گا (المبسوط ۱۰/ ۱۶۳)۔

(۶) اگر کوئی فاسق شخص امامت کرے، خواہ فرائض خمسہ ہوں یا جمعہ؛ اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے حنفیہ کے نزدیک (بدائع: ۱/ ۱۵۶، المدونۃ الکبریٰ: ۱/ ۱۷۶، نہایۃ المحتاج: ۳/ ۱۷۶)۔

(۷) اگر فاسق کو رجم کیا گیا یا اُس نے خودکشی کی، تو جمہور کے یہاں عام لوگ اس کی نمازِ جنازہ پڑھ سکتے ہیں، یہی جمہور کا مسلک ہے (تنویر الابصار: ۶/ ۱۶، عقد الجواہر الثمینۃ: ۳/ ۳۱۱، الکافی: ۲/ ۵۱)۔

(۸) فاسق کی نمازِ جنازہ اہل فضل وائمہ کو بھی پڑھنی چاہیے، یہی احناف کا مذہب ہے (ردالمحتار ۳/ ۱۰۷)۔

(ب) زکوٰۃ، صوم کے تعلق سے احکام:

(۱) زکوٰۃ کا عامل فاسق کو نہیں بنا سکتے ہیں، اس لیے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ عامل عادل وامین ہونا چاہیے (الاحکام السلطانیۃ للماوردی: ص ۱۴۵، الخراج لابی یوسف: ص ۸۰)۔

(۲) مقروض اور مسافر کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جب کہ اُس کا قرض کسی فساد ومعصیت کی بنیاد پر نہ ہو، ورنہ علماء کا اختلاف ہے (سورہ توبہ: ۶۰)۔

(۳) رمضان المبارک اور شوال کی رویت میں فاسق کی خبر کا اعتبار نہ ہوگا، "**إن خبر الفاسق فی الدیانات غیر مقبول**" (الہدایۃ: ۱/ ۱۱۹، المبسوط: ۳/ ۱۳۹، التہذیب: ۳/ ۱۴۹، المنتقی: ۲/ ۳۶)۔

(ج) نکاح ومتعلقات نکاح:

(۱) فاسق نے کسی جگہ پیغامِ نکاح دے رکھا ہے، تو وہاں نیک آدمی کو پیغام نہیں ڈالنا چاہیے (عمدۃ القاری: ۲۰/ ۱۳۲، فتح الباری: ۱۰/ ۲۵۲، نیل الاوطار: ۶/ ۱۰۱)۔

(۲) نکاح میں اگر کوئی فاسق شخص بطریق نسب ولی بنتا ہے تو اس کی ولایت درست ہے (فتح القدیر: ۳/ ۲۸۵، الشرح

الصغیر:۲/۱۷۳،الوسیط:۵/۷۲)۔

(۳)کسی فاسق کوحضانت کاحق نہیں ہے،البتہ حنفیہ نے حضانت کوساقط کرنے والے فسق کے لیے یہ قید لگائی ہے کہ وہ بچے کوضائع کرنے والا ہو(حاشیہ ابن عابدین:۲/۶۳۳،حاشیۂ دسوقی:۲/۵۲۸،کشاف القناع:۵/۴۹۸،مغنی المحتاج:۳/۲۸۵)۔

(د)مختلف معاملات:

(۱)جمہورفقہا کا مذہب ہے کہ فسق فتویٰ کی قبولیت سے مانع ہے،کیوں کہ افتاءِ حکم شرعی کی خبر دینے کوشامل ہے،اور فاسق کی خبر قبول نہیں کی جاتی ہے(الموسوعہ/۱۸۴)۔

(۲)والی کی ولایت کے منعقد ہونے کے بعد اُس کومعزول کیے جانے میں فسق مؤثر ہے،حنفیہ ومالکیہ کے یہاں، البتہ معزول نہیں کیا جائے گا(الموسوعہ/۱۸۵)۔

جواب(۳):

جواب:جی،ان کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے،بشرطیکہ وہ شہادت میں جھوٹا نہ ہو،یا قرائن اس کی سچائی پر دلالت کرتے ہوں۔

اس تعلق سے عبارات ملاحظہ فرمائیں:

۱-''**بل فی زماننا هذا الفاسق إذا كان وجيهًا يغلب على الظن أنه لا يكذب فی الشهادة، أو دلت القرائن على صدقه، تقبل شهادته**'' (تفسیر مظہری:۱/۳۲۷)۔

۲-''**وعن أبی يوسفؒ إن كان الفاسق وجيهًا ذا مروئةٍ جازت شهادته، لأن مثله لا يكذب**'' (فتاویٰ قاضی خان:۳/۴۳۷،کتاب الشہادات)۔

۳-علامہ قرافیؒ نے باب السیاسۃ میں بیان کیا ہے کہ بعض علما نے اس کی تصریح کی ہے کہ جب کسی جگہ شاہد عدل نہ ملیں تو ہم غیر عادل لوگوں میں جو دین کے اعتبار سے بہتر اور فسق میں کم ہو؛تو اُس کوشہادت کے لیے منتخب کریں گے،اور ایسا کرنا اِس زمانے کے قاضیوں پر لازم ہے،تاکہ لوگوں کے حقوق اور مصالح ضائع نہ ہوجائیں (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام:۲/۵۷)۔

میں نہیں سمجھتا کہ کوئی عالم وفقیہ اس بات سے اختلاف کرے گا،کیوں کہ وجوب بقدرِ استطاعت ہوتا ہے،اور یہ ضرورت کی بنا پر ہے،تاکہ لوگوں کے مال ضائع اور حقوق تلف نہ ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں عدالت کے معیار اور شرائط میں تسامح سے کام لینے کو درست قرار دیا گیا ہے، کیوں کہ اگر عدالت کا مطلوبہ معیار باقی رکھا جائے تو لوگوں کے حقوق ضائع ہوں گے، اس لیے فقہائے متأخرین نے شاہد کے لیے اِس بات کو کافی سمجھا ہے کہ وہ شخص معاشرے میں سچا مانا جاتا ہو، اور یہ گمان غالب ہو کہ جو بات وہ کہہ رہا ہے صحیح کہہ رہا ہے، اسی طرح ظاہری طور پر صوم وصلاۃ کا پابند ہو۔

۲۹ رویں فقہی سمینار کی تجویز نمبر ۷ ملاحظہ فرمائیں:

''ثبوت ہلال کے لیے موجودہ دور میں اتنا کافی ہے کہ چاند دیکھنے والا معاشرے میں جھوٹا نہ سمجھا جاتا ہو، نیز فسق وفجور میں بدنام نہ ہو''۔

خلاصۂ کلام یہ کہ محلوق اللحیۃ شخص اگر نماز وروزے کا پابند ہو، تو رویت ہلال ودیگر معاملات میں اس کی بات وشہادت قبول کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ وہ شہادت میں جھوٹا نہ ہو، یا قرائن اُس کی سچائی پر دلالت کرتے ہوں۔

جواب (۴):

اس جزء کے حل کے لیے قرآن مجید کی آیت کریمہ ''**يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا**'' (النساء:۵۹)، اور حدیث پاک: ''**ألا كلكم راعٍ، وكلكم مسؤول عن رعيته**'' کی تفسیر وتشریح سے استفادہ کرتے ہیں۔

آیت کریمہ کی تفسیر: ''**أولوا الأمر**'' کے مصداق میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں علامہ قرطبیؒ نے ''**أولوا الأمر**'' کے مصداق میں پانچ احتمالات کا ذکر کیا ہے، ان میں آخری قول یہ لکھا ہے: ''**أولوا العقل والرأي الذي يدبّرون أمر الناس**'' یعنی وہ اربابِ عقل ودانش اور اصحابِ رائے جو لوگوں کے معاملات کی گرہیں اپنے ناخن تدبیر سے کھولتے ہیں۔

(۲) ملاجیونؒ فرماتے ہیں: ''**والحق أن المراد به كل أولي الحكم إمامًا كان أو أميرًا، سلطانًا كان أو حاكمًا، عالمًا كان أو مجتهدًا، قاضيًا كان أو مفتيًا؛ على حسب مراتب التابع والمتبوع، لأن النص مطلق، فلا يقيد من غير دليل الخصوص**'' (التفسیرات الأحمدیۃ: ص۱۶۹)۔

حق یہ ہے کہ اولی الامر سے تمام اربابِ حکم کو مراد لیا جاسکتا ہے، امام ہو یا اس کے ماتحت امیر، سلطان ہو یا اُس کے

ماتحت حکام، عالم ہو یا مجتہد، قاضی ہو یا مفتی؛ تابع اور متبوع میں فرقِ مراتب کی رعایت کرتے ہوئے سب مراد میں شامل ہیں، اس لیے کہ قرآنِ مجید کے الفاظ مطلق ہیں، اس لیے تخصیص کی معتبر دلیل کے بغیر ان میں قید کا اضافہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔

گویا اپنے مفہومِ لغوی کے اعتبار سے یہ لفظ "أولی الأمر" جہاں جہاں منطبق ہے اُس کو مراد لینے میں کوئی تنگی نہیں، اب اگر کسی ادارے میں یہ طے کرلیا جائے کہ یہاں کسی جماعت کی ہیئت اجتماعی کا حکم نافذ ہوگا تو اس میں کوئی مانع نہیں۔

حاصل یہ کہ مسجد کمیٹی یا اداروں اور تنظیموں کے ذمے داران "أولوا الأمر" کے وسیع مفہوم میں شامل ہیں، انہیں نہ از روئے لغت غلط کہا جاسکتا ہے نہ از روئے شرع، کیوں کہ لغۃً ان معانی کی گنجائش ہے، البتہ اس میں فرقِ مراتب ہے، یعنی جس انسان کا جو دائرۂ کار ہے وہ اس سلسلے میں "أولوا الأمر" ہے، اور ماتحتوں کے لیے اس کے احکام کا ماننا واجب ہے، جیسا کہ حدیث پاک "كلكم راعٍ وكلكم مسؤول عن رعيته إلخ" کی شرح کرتے ہوئے صاحب فتح الباری حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے علامہ خطابیؒ کے حوالے سے لکھا ہے:

"قال الخطابي: اشتركوا أي الإمام الأعظم والرجل ومن في التسمية أي في الوصف بالراعي، ومعانيهم مختلفة، فرعاية الإمام الأعظم حياطة الشريعة بإقامة الحدود والعدل في الحكم، ورعاية الرجل أهله سياسته لأمرهم وإيصالهم حقوقهم، ورعاية المرأة تدبير أمر البيت والأولاد والخدم والنصيحة للزوج في كل ذلك، ورعاية الخادم حفظ ما تحت يده والقيام بما يجب عليه من خدمته" (فتح الباری: ۱۳/۱۰۰)۔

سابقہ گفتگو سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱- کمیٹیاں، ادارے اور تنظیمیں "أولوا الأمر" کے وسیع مفہوم میں داخل ہیں۔

۲- جن امور کے ذمے دار ہیں اُس میں اُن کی اطاعت ضروری ہے۔

شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ لکھتے ہیں:

"أن المسلم يجب عليه أن يطيع أميره في الأمور المباحة، فإن أمر الأمير بفعل مباح وجبت مباشرته، وإن نهى عن أمر مباح حرم ارتكابه، لأن الله سبحانه وتعالى قال: "أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم"، فلو كان المراد من إطاعة أولي الأمر إطاعتهم في الواجبات الشرعية فحسب؛ لما كان هناك داعٍ لاستقلالهم بالذكر في هذه الآية، لأن إطاعتهم في الواجبات الشرعية ليست إطاعة لأولي الأمر، وإنما هو إطاعة الله ورسوله، فلما أفردهم الله سبحانه وتعالى بالذكر ظهر

أن المراد إطاعتهم فی الأمور المباحة"۔

حاصل یہ کہ مباح امور میں اطاعت واجب ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں کہ یہ اطاعت اُس وقت ہے جب کہ وہ معصیت نہ ہو،"**لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق**"،اسی طرح فرماتے ہیں:"**أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع وإلا فلا (الأشباه من القاعدة الخامسة وقواعد شتى)**"، "**لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض**" (البحرالرائق،کتاب السیر،باب البغاۃ:۵/۲۳۶،رشیدیہ)۔

اس سلسلے میں آخری بات یہ ہے کہ ذمے دار کی طرف سے یہ حکم جو مباح ہے اور معصیت کے قبیل سے نہیں ہے؛ وہ مصالح عامہ سے متعلق ہو، نہ یہ کہ اپنی نفسانی خواہش کا اتباع یا ظلم کی وجہ سے، اس لیے کہ حاکم کی اطاعت کا وجوب اس کی ذات کے پیشِ نظر نہیں ہے، بلکہ وہ عام امور کی مصالح کے ذمے دار ہیں، اس لیے ان کی اطاعت ہے، اسی وجہ سے فقہا نے یہ اصول مقرر کیا ہے:"**تصرف الإمام على الرعية منوط بالمصلحة**" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم:۱/۱۵۷،بحوالہ:تکملۃ فتح الملہم:۳/۱۸۳)۔

جواب(۵):

"**فسق فی العقيدة**" سے مراد بدعت کا اعتقاد رکھنا ہے، جیسا کہ "المغنی" میں مرقوم ہے:"**يقصد بفسق الاعتقاد اعتقاد البدعة**" (المغنی:۱۷/۱۴۸)،اسی طرح ابن قیم جوزیہؒ لکھتے ہیں:"**وفسق الاعتقاد: كفسق أهل البدع الذين يؤمنون بالله ورسوله واليوم الآخر، ويحرّمون ما حرّم الله، ويوجبون ما أوجب الله، ولكن ينفون كثيرًا مما أثبت الله ورسوله جهلًا وتأويلًا وتقليدًا للشيوخ، ويثبتون ما لم يثبته الله ورسوله كذلك**" (مدارج السالکین:۱/۲۷۷)۔

مطلب یہ ہے کہ فسق فی العقیدہ سے مراد اہل بدعت جیسا فسق ہے، جو عقائد ثلاثہ پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو چیزیں حلال ہیں اُسے حلال اور جو چیزیں حرام ہیں اُسے حرام سمجھتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے دیگر بہت سی چیزیں ثابت ہیں، اُن کی نفی کرتے ہیں، اور جو چیزیں ثابت نہیں اُنہیں ثابت مانتے ہیں جہالت، تاویل اور آباء واجداد کی تقلید کی بنیاد پر۔

پھر ابن قیمؒ نے اس کا مصداق ذکر فرمایا ہے:"**وهؤلاء كالخوارج المارقة وكثير من الروافض والقدرية والمعتزلة وكثير من الجهمية الذين ليسوا غُلاةً فی التَهجّ**" (مدارج السالکین:۱/۳۶۲)۔

یعنی خوارج، روافض، قدریہ، معتزلہ اور جہمیہ کی ایک بڑی تعداد جو غالی نہیں ہے؛ یہ مصداق ہیں۔

پھر علی بن عقیل بغدادی نے اور حافظ بن احمد بن علی الحکمی نے بدعت کی دو قسمیں بیان کی ہیں: (۱) بدعت مکفرہ (۲) بدعت مفسقہ۔

"**أهل البدع على ضربين: من يحكم بفسقه ولا يحكم بكفره، وهم العامة الذين يعتقدون البدع تقليدًا أو مهاواةً بغير علم، ولا يستدلون عليها ولا يدعون إليها، ومن خالف في أصل ليس فيه دليل مقطوع به، مثل أن يثبت بخبر واحد أو قول صحابي ونحو ذلك**" (الأحکام المترتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی: ۱/۵۹-۶۰)۔

اسی طرح بعض علماء نے یہ تحریر کیا ہے:

"**والضابط الذي يظهر من كلام العلماء –رحمهم الله– في تحديد من يكفر بالبدعة ومن لايكفر بها: أن من خالف في أصلٍ فيه دليل مقطوع به من كتاب أو سنة متواترة، أو أنكر أمرًا مُجمعًا عليه، معلومًا من الدين بالضرورة من المبتدعة كفر، ومن لم يكن كذلك أو اعتقد البدعة تقليدًا من غير علم لم يكفر**" (الأحکام المترتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی: ۱/۵۹)۔

دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی اصل وغیرہ کی مخالفت کرتا ہے جو دلیل قطعی سے ثابت ہے، یا علماء کا اجماع ہے، تو پھر اس بدعت میں اس کی تکفیر کی جائے گی، اور کوئی شخص بلا کسی علم فقط تقلید کی وجہ سے غیر قطعی امر کی مخالفت کرتا ہے، تو پھر تکفیر نہ کی جائے گی، واللہ أعلم۔

جواب (۶):

اس سلسلے میں علماء کے دو قول ملتے ہیں:

قول اول: زبانی توبہ کافی نہیں، بلکہ اصلاح حال بھی ضروری ہے، یہ قول حضرات احناف (فتح القدیر: ۷/۴۰۰، ردالمحتار: ۸/۱۹۵، الفتاوی الہندیۃ: ۳/۴۳۸)، مالکیہ (عقد الجواہر الثمینۃ: ۳/۱۵۱، جامع الامہات: ص ۴۷۳)، شافعیہ (الحاوی الکبیر: ۱۷/۳۱۱، المہذب: ۵/۶۲۳، المنہاج: ۳/۴۳۸) کا ہے اور حنابلہ کا ایک قول (المغنی: ۱۴/۱۹۷، الفروع: ۶/۴۹۰، الانصاف: ۱۲/۵۸) ہے۔

ان حضرات کی تائید میں قرآن کریم کی کئی آیات ہیں:

(اَلف) "**اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا**" (البقرہ: ۱۶۰)۔

(ب)"اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا" (آل عمران:۸۹)،"فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا" (النساء:۱۶)۔

(ج)"اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ" (النساء:۱۴۶)۔

(د)"ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا" (النحل:۱۱۹)۔

(ھ)"اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْا" (النور:۵)۔

(و)"اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا" (الفرقان:۷۰)۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کو اصلاح اور عمل صالح کے ساتھ ملایا ہے، یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ توبہ کی تمامیت کے لیے اصلاحِ حال اور مطابق توبہ زندگی کا ہونا بھی شرط ہے، چنانچہ صاحب المغنی سورۂ نور کی آیت نمبر ۵ کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

"**هذا النص فی محل النزاع، فإن الله تعالی نهی عن قبول شهادتهم ثم استثنی التائب المصلح**" (المغنی:۱۴/ ۱۹۴، المبدع:۱۰/ ۱۳۴)۔

یعنی اس آیت کی بنیاد پر علماء میں اختلاف واقع ہوا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فاسقوں کی گواہی قبول کرنے سے منع فرمایا، پھر وہ توبہ کرنے والا جس نے اپنے حال کی اصلاح کر لی ہو؛ اُس کا استثنا فرمایا ہے۔

"**ولأن شهادته سقطت بالنص تلزم إصلاح العمل بالنص**" جب شہادت کا ساقط ہونا نص کی بنیاد پر ہے تو اصلاحِ عمل کا لزوم بھی نص کی بنیاد پر ہی ہے۔

اسی طرح بعض کتب فقہ میں معصیت کی نوعیت کے پیش نظر تفصیل سے کلام کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے:

(الف) اگر معصیت فعلی ہے تو اس کا بری حالت سے اچھی حالت کی طرف منتقل ہونا اور معصیت سے بالکل علیحدگی اور برے راستے کا ترک ضروری ہے، اور اپنے عمل کی اصلاح بھی ضروری ہے (روضۃ القضاء:۱/ ۱۶، المنتقی:۵/ ۲۰۸)۔

(ب) اور اگر معصیت قولی ہے، جیسے: قذف وغیرہ، تو دیکھا جائے گا کہ قبل القذف وہ شخص عادل تھا یا فاسق؟

اگر عادل تھا تو اس کا استبراء بھلائی وخیر میں اضافے وبڑھوتری کا ہونا ہے، یہاں تک کہ اس کی صالحیت میں زیادتی معروف ہونے لگے (المدونۃ الکبریٰ:۴/ ۲۳، النوادر والزیادات:۸/ ۳۳۹)۔

اور اگر قبل القذف فاسق تھا تو اس کی برائت کا مدار اس کی حالت کی درستگی اور اس کے فسق سے اصلاح حال کی طرف انتقال ہوجانے سے ہوگی (الام:۶/ ۳۰۰)۔

موسوعہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"أما التوبة في الظاهر، وهي التي تعود بها العدالة والولاية وقبول الشهادة، فإن كانت المعصية فعلا، كالزنا والسرقة، لم يحكم بصحة التوبة عند الشافعية حتى يصلح عمله، وقدروها بسنة أو ستة أشهر أو حتى ظهور علامات الصلاح على اختلاف أقوالهم" (۱۴/ ۱۳۴)۔

قول ثانی: صرف توبہ کافی ہے، اصلاحِ حال ضروری نہیں، یہ حنابلہ کا مذہب (الکافی: ۶/ ۲۱۳، المبدع: ۱۰/ ۲۲۴، الاقناع: ۴/ ۵۱۰، منتہی الارادات: ۵/ ۳۶۴) اور حنفیہ و مالکیہ کا ایک قول (فتح القدیر: ۷/ ۴۰۰، شرح ابن ناجی علی الرسالہ: ۲/ ۲۸۴) ہے۔

اس سلسلے میں "الموسوعۃ" اور دیگر کتب کی عبارات ملاحظہ فرمائیں:

لا يشترط في التوبة عدم العود إلى الذنب الذي تاب منه عند أكثر الفقهاء، وإنما تتوقف التوبة على الإقلاع عن الذنب والندم عليه والعزم الجازم على ترك معاودته، فإن عاوده مع عزمه حال التوبة على أن لا يعاوده صار كمن ابتدأ المعصية، ولم تبطل توبته المتقدمة، ولا يعود إليه إثم الذنب الذي ارتفع بالتوبة، وصار كأن لم يكن وذلك بنص الحديث:" التائب من الذنب كمن لاذنب له" (سنن ابن ماجہ: ۲/ ۱۴۱۸، ط: عیسیٰ الحلبی)، ....."**والحق أن عدم معاودة الذنب واستمرار التوبة شرط في كمال التوبة ونفعها الكامل، لا في صحة ما مضى منها"** (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ: ۱۴/ ۱۲۳)۔

نیز قولِ حضرت عمرؓ **"تُبْ! قُبِل شهادتك"** (**رواه البخاري تعليقًا بالجزم في كتاب الشهادات**)، **"أن عمر اشترط في قبول شهادة أبي بكرة مجرد التوبة، ولم يعتبر أمرًا آخر"** (المغنی: ۱۴/ ۱۹۵)۔

"ولأن التوبة من الشرك بالإسلام لا تحتاج إلى اعتبار ما بعده، وهو أعظم الذنوب كلها، فما دونه أولى" (المغنی: ۱۴/ ۱۹۴)۔

"وقال البهوتي: ولأن شهادة الكافر تقبل بمجرد الإسلام فلأن تقبل شهادة الفاسق بمجرد التوبة بطريق الأولى" (کشاف القناع: ۹/ ۳۳۱۴)۔

قرآن مجید کی بہت سی آیات میں صرف توبہ پر مغفرت و رحمت کے وعدے مذکور ہیں، جیسے:

۱- **"وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا"** (النساء: ۱۱۰)۔

۲- **"قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ"** (الزمر: ۵۳)۔

اس آیت کے ضمن میں ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ''یہ آیت کریمہ انتہائی جامع وعظیم ہے باعتبار نفع کے، اور اس میں ان حضرات کا ردّ ہے جو بدعتی کی توبہ کے مردود ہونے کے قائل ہیں'' (مجموع الفتاویٰ:۱۶/ ۲۳)۔

حاصل یہ کہ مذکورہ بالا آیات واحادیث وآثار اور فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ صرف توبہ کافی ہے، اصلاحِ حال شرط نہیں ہے۔

قول راجح:

بندہ کو قولِ اول راجح معلوم ہوتا ہے، دلائل کی کثرت، قوت اور اپنے مدّعیٰ پر صریح اور واضح ہونے کی وجہ سے، لہٰذا فاسق شخص زبانی توبہ کے ساتھ ساتھ جب تک اپنے ظاہری احوال کو درست نہ کرے؛ دنیوی احکام میں اُس کی توبہ قابل قبول نہ ہوگی، واللہ تعالیٰ اَعلم۔

جواب (۷):

(۱) حلق لحیہ: ڈاڑھی حلق کرانا یا بہت زیادہ تراشنا؛ یہ جمہور فقہا حنفیہ، مالکیہ، حنابلہ، اسی طرح شوافع کا ایک قول احادیث صریحہ کی بنا پر حرام ہے (دیکھیے: الموسوعۃ:۳۵/ ۲۲۵)، اسی طرح علماء نے اجماع نقل کیا ہے۔

ابن حزم نے 'مراتب الإجماع'' میں، ابوالحسن ابن القطان المالکی نے ''الإقناع فی مسائل الإجماع'' میں اور ابن عبدالبر المالکی نے ''التمہید'' میں، اسی طرح شیخ علی محفوظ ازہری نے ''الإبداع فی مضار الابتداع'' میں حلق لحیہ کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے (دیکھیے: islamweb.net القول الراجح فی حکم حلق اللحیۃ، فتویٰ نمبر:۵۶۰۸، ۵۴۸۴، ۱۴۰۵۵، ۲۷۱۱)۔

نیز کتاب وسنت میں کفار ومشرکین، مجوس، یہود ونصاریٰ سے مشابہت اختیار کرنے کو بھی منع فرمایا ہے، اور حلق لحیہ بھی ان ہی اقوام کا شعار وعلامت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ حلق لحیہ حرام ہے، سنت اور اجماع کی وجہ سے۔

(۲) حضرات شوافع کا اصح قول کراہت کا ہے، اور متأخرین شافعیہ کا معتمد قول بھی یہی ہے (الاعلام:۱/ ۱۱۷)، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: **"یکرہ حلقها"** (إکمال المعلم بفوائد مسلم:۲/ ۶۳)، حنابلہ کی بھی ایک روایت کراہت کی ہے (المغنی:۱/ ۶۶)۔

ان دونوں اقوال کا حاصل یہ ہے کہ حلق لحیہ حرام یا مکروہ ہے۔

(۳) کچھ حضرات ڈاڑھی رکھنے کو مندوب، مستحب، مباح اور فطری وطبعی امور یا سنن عادیہ میں شمار کرتے ہیں، اگر آدمی اسے رکھتا ہے تو موجب اجر وقابل ستائش ہے، ورنہ قابل عتاب ومؤاخذہ نہیں ہے، چنانچہ شیخ محمد ابوزہرہ فرماتے ہیں:

نبی کریم ﷺ کے جمیع افعال تین قسم کے ہین: (۱) امر تعبدی، جس کی اتباع ضروری ہے، (۲) بعض افعال آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، جیسے: چار سے زائد شادیاں، (۳) وہ کام جو آپ ﷺ نے بشری وطبعی یا عرف وعادت کے تقاضے سے کیے ہیں، ان ہی میں سے ڈاڑھی رکھنا بھی ہے، اور ہم اس کو اختیار کرتے ہیں (أصول الفقہ للشیخ أبوزہرہ: ص ۳۱۱۵، ط: دار الفکر العربی، بیروت)۔

حاصل یہ کہ اگر ہم دیگر اقوام سے مشابہت رکھنے والے ہر کام کو حرمت کا درجہ دینے لگ جائیں، خاص طور پر وہ امور جو عادت کے قبیل سے ہیں، تو پھر ڈاڑھی بڑھانا بھی حرام ہوگا، اس لیے کہ یہ عمل دیگر غیر اسلامی مذاہب کے پیشواؤں کا شعار وعلامت ہے، اس لیے صحیح بات یہ ہے کہ حلق لحیہ یہ امور عادیہ میں سے ہے، جس کا اچھا بُرا ہونا عرف وعادت پر ہے۔

تیسرے قول کا حاصل یہ ہے کہ یہ حضرات اسے سنن عادیہ قرار دیتے ہیں، اگر انسان عمل کرتا ہے تو مستحق ثواب ہے، ورنہ موجب عقاب ومؤاخذہ نہیں۔

نیز یہ حضرات قولِ اول وثانی کے دلائل میں تاویلات وتوجیہات کرتے ہیں، اور بعض حضرات نے ان تاویلات کو ضعیف ومرجوح قرار دیا ہے، جیسا کہ ابن قیم جوزیہؒ "**إعلام الموقعین**" (۱/۳۹) میں لکھتے ہیں:

"بعض ائمہ کرام کے متأخرین متبعین نے بہت بڑی غلطی کی کہ ائمہ نے لفظ "تحریم" کا استعمال جہاں کیا تھا وہاں کراہت کا لفظ، پھر بعض نے کراہت تنزیہی اور کچھ حضرات نے آگے بڑھ کر اسے خلاف اولیٰ پر محمول کر دیا، اور شریعت اور ائمہ کی طرف اس تساہل کی وجہ سے غلط نسبتیں ہونے لگیں۔

خلاصۂ جواب یہ ہے کہ یہ حضرات نصوص میں تاویل کرتے ہیں، اور صراحتاً نصوص کی مخالفت نہیں کرتے ہیں، اگرچہ ان کی تاویلات کمزور ہیں، لیکن ان کو اس بنیاد پر فاسق نہ کہا جائے، واللہ أعلم بالصواب۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مفتی محمد واصف قاسمی☆

شریعت مطہرہ میں جہاں ایک طرف عدل بمعنی دینداری کی اہمیت اور اس کے اجر وثواب کو بیان کیا گیا ہے وہیں دوسری طرف اس کے مقابلہ میں فسق کی قباحت اور شناعت کی بھرپور طریقہ پر مذمت بیان کی گئی ہے، لیکن آج کے معاشرے میں فسق اتنا عام ہوگیا ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ ہر خاص وعام کسی نہ کسی درجہ میں فسق میں مبتلاء ہے، کیونکہ باوجود دین کے آسان ہونے کے پھر بھی آج کے معاشرے میں دین پر مکمل عمل کرنا بہت ہی مشکل نظر آتا ہے، جیسا کہ ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے کہ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرب قیامت ایسا وقت آئے گا جس میں دین پر عمل کرنا اتنا ہی مشکل ہوگا جتنا کہ ہاتھ میں آگ کا انگارہ لینا اور یقیناً ایسا ہی ہے، ہر جگہ ہر مقام پر فسق وفجور کا بول بالا ہے، صفت عدل سے متصف لوگ خال خال نظر آتے ہیں، جبکہ فسق میں مبتلاء ہر شخص کہیں نا کہیں نظر آجاتا ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں بہت سے ایسے گناہوں نے جنم لے لیا ہے جن کو آدمی گناہ ہی نہیں سمجھ رہا ہے، بلکہ اس کو اپنا حق سمجھتا ہے، مثلاً بہنوں کی شادی کرادی تو اب بہن کو باپ کی وراثت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا، مکمل داڑھی نہ رکھنا یا رکھنا تو شریعت کے مقررہ کردہ معیار پر نہ رکھنا، ہر کس وناکس کا اپنے کو لائق امامت سمجھنا، ہر موقع پر بالخصوص تجارت میں جھوٹ اور فریب سے کام لینا، استقلال کے ساتھ گالی بکنا، بدنظری کرنا، نیز نمازوں کا اہتمام نہ ہونا تو ان تمام فسوق میں سب سے اول ہے پھر مستزاد یہ کہ ایسے بہت سے لوگ جو نا تو متبع سنت ہیں اور نہ ہی ان کو شریعت سے کوئی خاصہ لگاؤ پھر بھی ہر دینی تنظیم اور ادارہ کی ذمہ داری کے خواہاں، نیز دیگر اصحاب تنظیم وادارہ سے اپنے کو واجب الطاعہ سمجھنا وغیرہ ایسی صورت حال میں جبکہ ہر شخص کسی نہ کسی درجہ میں فسق میں مبتلاء نظر آتا ہے تو ضروری ہوجاتا ہے کہ فسق کی کوئی متعینہ تعریف کی جائے اور عوام الناس کو باخبر کیا جائے کہ موجود دور میں ان کی عبادات اور معاملات پر باعتبار فسق کیا احکام مرتب ہوں گے، ان ہی تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہ اکیڈمی انڈیا نے یہ سوالنامہ تیار کرا کر ملت اسلامیہ کے فقہاء اور علماء سے اس بابت ان کی رائے

☆ خادم التدریس جامعہ محمودیہ اشرف العلوم جاجمؤ، کانپور

شریعت کی روشنی میں طلب کی ہے، چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولا فسق کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور اس کے حکم کے متعلق کچھ تحریر کر دیا جائے، بعدہ نمبر وار تمام سوالات کے جوابات مدلل طور پر دینے کی ادنی سی کوشش کی جائے گی، ان شاء اللہ... اللہ پاک ہم سب کا حامی و ناصر ہو (آمین)۔

فسق کے لغوی معنی:

"**فسق یفسق فسقا و فسوقا**" بمعنی نکلنا، اسی طرح اہل عرب استعمال کرتے ہیں "**فسق کل ذی قشر**" ہر چھلکے والی چیز کا چھلکے سے باہر نکلنا، فسق فلان، یعنی کسی کا نافرمان ہونا، جیسے شیطان کے بارے میں ہے "**ففسق عنه أمر ربه**" یعنی وہ اپنے رب کا نافرمان ہوا (القاموس الوحید/ ۱۲۳۱)۔

فسق کے اصطلاحی معنی:

فسق کے اصطلاحی اور شرعی معنی میں علماء کرام کی تعبیرات اگرچہ مختلف ہیں، البتہ نتیجہ سب کا ایک ہی ہے، چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ نے فسق کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ: فسق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طاعت و فرمانبرداری سے نکل جانا جس کا اطلاق کبھی کفر کے ذریعہ اطاعت خداوندی سے نکلنے پر ہوتا ہے تو کبھی گناہ اور معصیت کے ذریعے اطاعت خداوندی سے نکلنے پر ہوتا ہے، جیسا کہ حسب ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

"**وَالْفِسْقُ فِي عُرْفِ الِاسْتِعْمَالِ الشَّرْعِيِّ: الْخُرُوجُ مِنْ طَاعَةِ اللَّهِ، فَقَدْ يَقَعُ عَلَى مَنْ خَرَجَ بِكُفْرٍ وَعَلَى من خرج بعصيان**" (تفسیر قرطبی جلد ۱/ ۲۴۶، مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فسق کے اصطلاحی معنی ہیں عقلمندوں کا (اللہ اور اس کے رسول کی) اطاعت سے نکل جانا اس کا اطلاق کفر اور اس سے چھوٹی چیز یعنی کبائر صغائر ہر دو پر بھی ہوتا ہے۔

"**وهو شرعا خروج العقلاء عن الطاعة فيشمل الكفر ودونه من الكبيرة والصغيرة**" (روح المعانی ۱/ ۲۱۲، مکتبہ دار الکتب العلمیہ بیروت)۔

الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ میں فسق کی مذکورہ بالا لغوی تعریف کے بعد فسق کی اصطلاحی تعریف علامہ شوکانی رحمہ اللہ کے حوالہ سے کچھ اس طرح کی ہے کہ فسق کہتے ہیں اللہ کی طاعت سے نکل کر معصیت کی حد کو پار کر جانا، جیسا درج ذیل موسوعہ فقہیہ کی عبارت سے واضح ہے۔

''الْفِسْقُ فِي اللُّغَةِ: الْخُرُوجُ عَنِ الطَّاعَةِ، وَعَنِ الدِّينِ، وَعَنِ الاِسْتِقَامَةِ.وَالْفِسْقُ فِي الأَصْل خُرُوجُ الشَّيْءِ مِنَ الشَّيْءِ عَلَى وَجْهِ الْفَسَادِ، وَمِنْهُ قَوْلُهُمْ: فَسَقَ الرُّطَب: إِذَا خَرَجَ عَنْ قِشْرِهِ .وَفِي الاِصْطِلاَحِ قَال الشَّوْكَانِيُّ: هُوَ الْخُرُوجُ عَنِ الطَّاعَةِ وَتَجَاوُزُ الْحَدِّ بِالْمَعْصِيَةِ''(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳۲/۱۴۰، وزارت الاوقاف والشئون الاسلامیہ کویت)۔

مذکورہ بالا فسق کی تمام تر اصطلاحی معنی کا خلاصہ یہ کہ فسق کہتے ہیں اطاعت خداوندی سے نکل جانا؛ خواہ یہ خروج بارتکاب کبائر یا اصرار علی الصغائر کی صورت میں ہو،اسی سے فاسق کی تعریف بھی سمجھ آجاتی ہے کہ ہر وہ آدمی جو اطاعتِ خداوندی کو چھوڑ کر گناہ میں مبتلا ہوجائے اس کو'' فاسق'' کہتے ہیں،اگر کوئی شخص گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو تو ایسے شخص کو'' فاسق'' کہیں گے اور جو شخص چھوٹے گناہوں پر اصرار کرے اور مستقل کرتا رہے تو ایسے آدمی کو بھی'' فاسق'' کہا جائے گا،جیسا کہ اوپر موسوعہ کی عبارت گزری۔

جواب(۱):

فسق کے لفظی معنی خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں،اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو فسق کہتے ہیں اور اطاعت الٰہیہ سے نکل جانا کفر وانکار کے ذریعہ بھی ہوتا ہے اور عملی نافرمانی کے ذریعہ بھی،اس لئے لفظ فاسق کافر کے لئے بھی بولا جاتا ہے،قرآن کریم میں بیشتر لفظ فاسقین کافروں ہی کے لئے استعمال ہوا ہے اور مومن گنہگار کو بھی فاسق کہا جاتا ہے۔فقہاء کی اصطلاح میں عموماً لفظ فاسق اسی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے،ان کی اصطلاح میں فاسق کو کافر کے بالمقابل اس کی قسیم قرار دیا گیا ہے جو شخص کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے اور پھر اس سے توبہ بھی نہ کرے یا صغیرہ گناہ پر اصرار کرے اور اس کی عادت بنالے،وہ فقہا کی اصطلاح میں فاسق کہلاتا ہے،لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے کوئی واضح تعریف تو فسق کی نہیں کی،البتہ حدود کو طے کرتے ہوئے بتلایا کہ فسق کی علامت یہ ہے کہ آدمی گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے یا پھر صغیرہ گناہوں پر اصرار کرے،اس لئے عرف وحالات کے پیش نظر فسق کی تعریف اور اس کا حکم متعین کیا جائے گا۔

جواب(۲):

فاسق شخص کیونکہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا،لہٰذا اس کی عبادات اور معاملات پر کیا حکم شرعی مرتب ہوگا؟ اس کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اللہ کے یہاں اعمال صالحہ کے

قبولیت کی شرط ایمان ہے، بریں بناء ایمان کے بغیر اللہ کے یہاں کوئی بھی عمل خواہ کتنا ہی صالح ہو قابل قبول نہیں ہوگا، اسی طرح آخرت کے اعتبار سے اعمال کا قبول ہونا یا نا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہوگا، نیز فقہاء ظاہر پر حکم لگانے کے مکلّف ہیں، ان بنیادی باتوں کی روشنی میں جواب یہ ہوگا کہ جب فاسق آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہے تو ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ اس کی عبادت بایں معنی قبول ہے کہ اس کا ذمہ ساقط ہو جائے گا، البتہ آخرت میں اس پر ثواب ملے گا یا نہیں تو یہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہوگا؛ چاہیں تو اپنے فضل سے قبول فرمائیں، چاہیں تو رد فرمادیں، خلاصہ یہ کہ فاسق کی عبادت دنیاوی اعتبار سے اس معنی کر قبول ہوگی کہ اس کا ذمہ ساقط ہو جائے گا، جہاں تک فاسق کے معاملات کی بات ہے کہ اس کے ساتھ معاملات کرنے پر شریعت کیا حکم نافذ کرتی ہے تو اس سلسلہ میں وضاحت یہ ہے کہ جب کافر کے ساتھ دنیاوی معاملات تجارت وغیرہ کی شرعاً گنجائش ہے تو فسق سے متصف شخص کے ساتھ تو بدرجہ اولی معاملات کی گنجائش ہوگی جس کی نظیریں خیر القرون کے زمانہ میں بھی ملتی ہیں، لہٰذا فاسق کے ساتھ معاملہ کرنے پر شرعی کوئی قباحت نہیں ہے۔

"كُنَّا مع النبيِّ صلى اللهُ عليه وسلَّمَ، ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ مُشْعَانٌّ طَوِيلٌ بغَنَمٍ يَسُوقُهَا، فَقالَ النبيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ: بَيْعًا أَمْ عَطِيَّةً؟ - أوْ قالَ: - أَمْ هِبَةً، قالَ: لَا، بَلْ بَيْعٌ، فَاشْتَرَى منه شَاةً" (بخاری شریف ۱/ ۲۹۵)۔

"عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى طَعَامًا مِنْ يَهُودِيٍّ إِلَى أَجَلٍ، وَرَهَنَهُ دِرْعًا مِنْ حَدِيدٍ" (صحیح البخاری، باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنسیئۃ، رقم الحدیث: ۲۰۶۸، ۳/ ۵۶)۔

"عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم عامل أهل خيبر بشطر ما يخرج منها من ثمر أو زرع" (باب المساقاۃ والمزارعۃ، ۳/ ۱۱۸۶، ط: دار إحیاء التراث العربی)۔

جواب (۳):

سوال مذکور کے جواب سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصراً داڑھی کی حیثیت شرعیہ کو ذکر کر دیا جائے، لہٰذا معلوم ہونا چاہئے کہ داڑھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی سنت، مسلمانوں کا قومی شعار اور مرد کی فطری اور طبعی چیزوں میں سے ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس شعار کو اپنانے کے لیے اپنی امت کو ہدایات دی ہیں اور اس کے رکھنے کا حکم دیا ہے، اس لیے جمہور علماء امت کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب اور اس کو کتروا کر یا منڈوا کر ایک مشت سے کم کرنا حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، اور اس کا مرتکب فاسق اور گناہ گار ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے "امام مسلم" اور اصحاب سنن نے

روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دس چیزیں فطرت میں سے ہیں (پیدائشی سنت ہیں): ایک تو مونچھ خوب کتروانا، دوسری داڑھی چھوڑنا، تیسری مسواک کرنا، چوتھی پانی سے ناک صاف کرنا، پانچویں ناخن کاٹنا، چھٹی انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا، ساتویں بغل کے بال اُکھاڑنا، آٹھویں زیرِ ناف بال مونڈنا، نویں پانی سے استنجا کرنا، زکریاؒ روای کہتے ہیں کہ مصعبؒ نے کہا: میں دسویں چیز بھول گیا، مگر یہ کہ یہ کلی ہوگی'' (صحیح مسلم ۱/ ۲۲۳)، اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ''بزار'' نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''مجوسیوں کی مخالفت کرتے ہوئے اپنی مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ'' (مسند البزار ۱۳/ ۹۰)، نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مونچھیں کاٹو اور داڑھیاں بڑھاؤ، مجوسیوں کی مخالفت کرو'' (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ ۱/ ۱۲۹، حدیث نمبر ۲۶۰)۔

مذکورہ بالا تمام احادیث میں صراحت سے داڑھی کو بڑھانے کا حکم موجود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح حکم کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہے، نیز تمام مجتہدین کے نزدیک بھی داڑھی منڈوانا حرام ہے؛ جیسا کہ علامہ سبکی رحمہ اللہ کی درج ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

''**كان حلق اللحية محرّماً عند أئمة المسلمين المجتهدين أبي حنيفة، ومالك، والشافعي، وأحمد وغيرهم -رحمهم الله تعالىٰ-**'' (المنہل العذب المورود، کتاب الطہارۃ، أقوال العلماء فی حلق اللحیۃ واتفاقہم علی حرمتہ: ۱/ ۱۸۶، مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت، لبنان)

''الموسوعۃ الفقہیہ کویتیہ'' میں ہے:

''**ذَهَبَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ: الْحَنَفِيَّةُ وَالْمَالِكِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ، وَهُوَ قَوْلٌ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ، إِلَى أَنَّهُ يَحْرُمُ حَلْقُ اللِّحْيَةِ لِأَنَّهُ مُنَاقِضٌ لِلأَمْرِ النَّبَوِيِّ بِإِعْفَائِهَا وَتَوْفِيرِهَا، وَتَقَدَّمَ قَوْل ابْنِ عَابِدِينَ فِي الأَخْذِ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ الْقَبْضَةِ: لَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ، فَالْحَلْقُ أَشَدُّ مِنْ ذَلِكَ. وَفِي حَاشِيَةِ الدُّسُوقِيِّ الْمَالِكِيِّ: يَحْرُمُ عَلَى الرَّجُل حَلْقُ لِحْيَتِهِ، وَيُؤَدَّبُ فَاعِل ذَلِكَ، وَقَال أَبُو شَامَةَ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ: قَدْ حَدَثَ قَوْمٌ يَحْلِقُونَ لِحَاهُمْ، وَهُوَ أَشَدُّ مِمَّا نُقِل عَنِ الْمَجُوسِ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُصُّونَهَا. ثُمَّ قَدْ جَاءَ فِي الْفَتَاوَى الْهِنْدِيَّةِ: وَلاَ يَحْلِقُ شَعْرَ حَلْقِهِ، وَنَصَّ الْحَنَابِلَةُ كَمَا فِي شَرْحِ الْمُنْتَهَى عَلَى أَنَّهُ لاَ يُكْرَهُ أَخْذُ الرَّجُل مَا تَحْتَ حَلْقِهِ مِنَ الشَّعْرِ أَيْ لِأَنَّهُ لَيْسَ مِنَ اللِّحْيَةِ. وَالأَصَحُّ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ: أَنَّ حَلْقَ اللِّحْيَةِ مَكْرُوه**'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳۵/ ۲۲۵ وزارت الاوقاف والشؤن الاسلامیہ کویت)۔

اسی طرح اس بات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ باتفاق ائمہ اربعہ داڑھی کی شرعی حد ایک قبضہ (مشت) ہے اس سے کم

مقدار پر بھی داڑھی رکھنے والا مذکورہ بالا حکم میں ہی داخل ہوگا، جیسا کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ العرف الشذی میں رقم طراز ہیں:

''وأما تقصيرُ اللحية بحيثُ تصيرُ قصيرة من القبضة، فغيرُ جائزٍ فی المذاهب الأربعة'' (العرف الشذی، کتاب الآداب، باب ماجاء فی تقلیم الأظفار، ۴/ ۱۶۲، دار الکتب العلمیۃ)۔

اسی طرح شامی وغیرہ میں ہے:

''وأما الأخذ منها وهی دون ذلک كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه أحد وأخذ كلها فعل يهود الهند و مجوس الأعاجم'' (شامی زکریا ۳/ ۳۹۸)۔

ذکر کردہ تمام تر تفصیلات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ جو شخص مکمل داڑھی نہ رکھے یا رکھے، لیکن شرعی حد کے مطابق نہ ہو تو ایسا شخص باتفاق جمہور علماء فاسق ہے، اب اصل جواب مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق یہ ہوگا کہ جو شخص نماز روزہ کی پابندی کے ساتھ داڑھی نہ رکھنے کی وجہ سے فسق میں مبتلاء ہو تو ایسے شخص کی شہادت رویت ہلال کے سلسلہ میں، اسی طرح دیگر اختلافی معاملات میں اس وقت قابل قبول ہوگی، جبکہ اس کی خبر کے مطابق کوئی عادل شخص بھی گواہی دے یا قرائن سے فیصل (قاضی وغیرہ) کو اس کا صادق ہونا معلوم ہو جائے (مستفاد: احسن الفتاوی جلد ۷/ ۲۰۴، دار الاشاعت دیوبند)۔

''ومنها العدالة لقبول الشهادة على الاطلاق، فانها لاتقبل على الاطلاق دونها لقوله تعالىٰ: مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ وَالشَّاهِدَ المرضى هُوَ الشَّاهد العدل'' (بدائع الصنائع ۵/ ۴۰۲، دار الکتاب دیوبند)۔

''وَالْعَدَالَةُ شَرْطُ وُجُوبِ الْقَبُول عَلَى الْقَاضِى لاَ جَوَازِهِ .فَإِذَا تَوَفَّرَتْ فِى الشَّاهِدِ وَجَبَ عَلَى الْقَاضِى أَنْ يَأْخُذَ بِشَهَادَتِهِ.وَقَال الشَّافِعِىُّ: إِذَا كَانَ الأَغْلَبُ عَلَى الرَّجُل وَالأَظْهَرُ مِنْ أَمْرِهِ الطَّاعَةُ وَالْمُرُوئَةُ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ، وَإِنْ كَانَ الأَغْلَبُ عَلَى الرَّجُل وَالأَظْهَرُ مِنْ أَمْرِهِ الْمَعْصِيَةَ وَخِلاَفَ الْمُرُوئَةِ رُدَّتْ شَهَادَتُهُ'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۲۶/ ۲۲۴، وزارت الاوقاف والشؤن الاسلامیہ کویت)۔

''أن الركن فی الشهادة هو صدق الشاهد، والصدق لا يقف على العدالة فقط، فإن من الفسقة من لايبالی بارتكابه أنواعا من الفسق، ولكنه مع ذلک يترفع عن الكذب، فإذا تحرى القاضی الصدق فی شهادة الشاهد الفاسق، و غلب على ظنه أنه صادق، فله أن يقضی بها'' (الفسق واحکامہ فی الفقہ الاسلامی/ ۴۱۲، بیروت)۔

جواب (۴):

واضح رہنا چاہئے کہ مساجد ہوں یا مذہبی ادارے یا تنظیمیں ان کی تولیت اور ذمہ داری ایسے اشخاص کے ہاتھوں ہونی

چاہئے جو دیندار، امانت دار اور متبع سنت ہوں، کیونکہ تولیت کا مقصد شرعی اعتبار سے مکمل انتظام وانصرام کو پائے تکمیل تک پہونچانا ہوتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مساجد اور مذہبی اداروں اور تنظیموں کی ذمہ داری فسق سے متصف کسی شخص کے بجائے دیندار اور متبع سنت اشخاص کے سپرد کرنی چاہئے، لیکن چونکہ آج معاشرہ میں فسق وفجور کا بول بالا ہے کامل متبع سنت اور دیندار اشخاص کا ڈھونڈنا ناگزیر ہوگیا ہے، بریں بناء مساجد اور مذہبی اداروں اور تنظیموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کردی جاتی ہے جو کسی درجہ میں وجوہ فسق سے متصف ہوتے ہیں، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وجوہ فسق سے متصف اشخاص مساجد یا دیگر مذہبی تنظیموں کے ذمہ دار بن جائیں تو دوسرے اراکین ومنتظمین ادارہ پر ان کی اطاعت واجب ہوگی یا نہیں تو جواباً عرض اینکہ اگر ایسے لوگ ذمہ دار بن جائیں تو جب تک وہ کوئی ایسا حکم نہ دیں جس میں شرعی حدود پامال ہوتی ہوں تو دیگر اراکین ومنتظمین پر ان کے حکم کی بجا آوری تنظیم وادارہ کی مصالح کی بنیاد پر واجب ہوگی، جیسے اگر کوئی فاسق شخص قاضی ہوجائے تو اس کا قاضی بننا درست ہے اور اس کے احکام کا نفاذ بھی ہوگا اور اس کی اطاعت بھی ضروری ہوگی، کیونکہ احناف کے یہاں شرائط قاضی میں عدالت شرط نہیں ہے، بلکہ عدالت کمال قاضی کی شرط ہے؛ جیسا کہ درج ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے۔

"**أما العدالة فليست بشرط لجواز التقليد لكنها شرط كمال فيجوز تقليد الفاسق، و تنفذ قضاياه إذا لم يجاوز فيها حد الشرع، لأنه من أهل الشهادة فيكون من أهل القضاء**"(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳۳/ ۲۹۲، وزارت الاوقاف والشئون الاسلامیہ کویت)۔

"**وَكَذَا الْعَدَالَةُ عِنْدَنَا، لَيْسَتْ بِشَرْطٍ لِجَوَازِ التَّقْلِيدِ، لَكِنَّهَا شَرْطُ الْكَمَالِ، فَيَجُوزُ تَقْلِيدُ الْفَاسِقِ وَتَنْفُذُ قَضَايَاهُ؛ إذَا لَمْ يُجَاوِزْ فِيهَا حَدَّ الشَّرْعِ**" (بدائع الصنائع، کتاب آداب القاضی ۷/ ۳، بیروت)۔

"**عن عمران بن حصين قال: قال رسول الله ﷺ: "لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق**" (المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۸/ ۱۷۰، رقم: ۳۸۱)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہوا کہ اگر کوئی فاسق شخص کسی مسجد یا مذہبی ادارہ کا ذمہ دار بن جائے تو جب تک اس کے حکم سے شرعی حدود پامال نہ ہوتی ہوں تو دوسرے اراکین پر اس کی اطاعت ضروری ہوگی۔

"**جواز تولية الفاسق الوقف: وهم الحنفية في الراجح عندهم: جاء في البحر الرائق بشأن ولاية الوقف" والظاهر أنها –أي العدالة – شرائط الأولوية لا شرائط الصحة، وأن الناظر إذا فسق يستحق العزل ولاينعزل؛ لأن القضاء أشرف من التولية و يحتاط فيه أكثر من التولية والعدالة فيه شرط**

الأولـويـة حتى يصح تقليد الفاسق، وإذا فسق القاضى لاينعزل على الصحيح المفتى به، فكذا الناظر" (الفسق واحکامہ فی الفقہ الاسلامی/ ۳۹۶، بیروت)۔

جواب (۵):

فسق فی العقیدہ کو سمجھنا دراصل بدعت کو سمجھنے پر موقوف ہے، یا یوں سمجھ لیا جائے کہ فسق فی العقیدہ کا دوسرا نام بدعت ہی ہے، لہٰذا اگر بدعت کی تعریف اور اس کے اقسام واحکام کو سمجھ لیا جائے تو فسق فی العقیدہ کی مراد اور اس کا حکم خود بخود سمجھ آجائے گا، اس لیے اولا بدعت کی تعریف اور اس کی اقسام واحکام کو ذکر کیا جاتا ہے:

بدعت کی لغوی تعریف:

بدعت (بدع یبدع کا) مصدر ہے جس کے معنی بغیر نمونہ کے کوئی چیز پیدا کرنا ہے (القاموس الوحید/ ۱۵۳)۔

بدعت کی اصطلاحی تعریف:

اصطلاح شرع میں ہر ایسے نو ایجاد طریقۂ عبادت کو بدعت کہتے ہیں، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں جس کا داعیہ اور سبب موجود ہونے کے باوجود وہ طریقۂ عبادت نہ قولاً ثابت ہو اور نہ ہی فعلاً، نہ صراحتاً ثابت ہو اور نہ ہی اشارتاً، ایسی چیز کو اجر وثواب کی نیت سے عبادت سمجھ کر کرنے کو بدعت کہا جاتا ہے، جو شریعت کے اندر جائز نہیں ہے (مستفاد: قاموس الفقہ ۲/ ۲۹۱)۔

علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ: بدعت دراصل کسی ایسی چیز کو وجود میں لانا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھی:

"**البـدعـة فى الأصل احداث أمر لم يكن فى زمن رسول الله صلى الله عليه وسلم**" (عمدۃ القاری ۵/ ۳۵۶)۔

اسی طرح علامہ سید شریف جرجانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"**الأمـر المحـدث الذى لم يكن عليه الصحابة والتابعون ولم يكن مما اقتضاه الدليل الشرعى**" (جامع العلوم والحکم/ ۱۹۳)۔

"الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ" میں ہے کہ بدعت کی اصطلاحی تعریف کے متعلق دو رائے ہیں:

الف:- پہلی رائے یہ ہے کہ بدعت کا اطلاق ہر ایسی نو ایجاد چیز پر ہوتا ہے جو کتاب وسنت میں موجود نہ ہو، خواہ از قبیل عبادات ہو، یا عادات اسی طرح اس پر مذمت کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو، چنانچہ اس رائے کے قائلین امام شافعی اور ان کے شاگردوں میں سے عز ابن سلام، امام نووی اور ابو شامہ ہیں، اسی طرح مالکیہ میں سے قرافی اور زرقانی بھی اسی رائے کے قائل ہیں، حنفیہ میں سے ابن عابدین نے بھی بدعت کی اسی تعریف کو اختیار کیا ہے، نیز حنابلہ میں سے ابن جوزی کی بھی یہی رائے ہے۔

ب:- دوسری رائے میں مذکورہ بالا تعریف کے ساتھ بس اتنی قید کا اضافہ ہے کہ اس امر کی مذمت بھی کی گئی ہو، اب چاہے وہ عمل از قبیل عادات ہو یا عبادات، اس رائے کے قائلین میں بھی چاروں مسلک حقہ کے لوگ ہیں، چنانچہ امام مالک خود اور شاطبی اور طرطوشی بھی اسی کے قائل ہیں، نیز احناف میں سے امام شمنی، علامہ عینی، شوافع میں سے علامہ بیہقی اور ابن حجر عسقلانی، حنابلہ میں سے ابن رجب اور ابن تیمیہ بھی اسی رائے کے قائل ہیں (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۸/۲۱ تا ۲۳)۔

علامہ شامی بدعت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بدعت وہ امر ہے جس کو ایک قسم کے شبہ اور استحسان کے ساتھ اس حق کے خلاف ایجاد کیا جائے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ماخوذ ہے، خواہ از قسم علم ہو یا عمل یا حال اور اس کو دین قویم اور صراط مستقیم قرار دیا جائے، تقریباً یہی بات علامہ ابن نجیم مصری نے بھی بدعت کی تعریف کے بابت کہی ہے۔ (شامی سعیدیہ ۱/۵۶۰، البحر الرائق ۱/۷۰ ۳، کتاب الصلاۃ، باب الإمامۃ، ط: دار الکتاب الإسلامی)۔

نیز اس بات کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ شریعت نے جس عبادت اور جس امر کو جو حیثیت دی ہے اسی حیثیت میں اس کو نہ رکھ کر کے کوئی دوسری حیثیت اس کو دینا بھی از قبیل بدعت ہے، مثلاً مستحبات کو واجب کا درجہ دے دینا اور واجب کو فرض کا درجہ دے دینا، اس معنی کر کے اگر کوئی مستحب پر عمل پیرا نہ ہو تو اس کو عدم عمل علی المستحب کی بنیاد پر طعن کرنا اور ملامت کرنا وغیرہ، جیسا کہ درج ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

"قال الطیبی: وفیه أن من أصر علی أمر مندوب، وجعله عزما، ولم یعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشیطان من الإضلال فکیف من أصر علی بدعة أو منکر؟" (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح کتاب الصلوۃ باب الدعاء فی التشہد ۳/۳۱، مکتبہ التجاریہ مکہ مکرمہ)۔

"ومنها: التزام الکیفیات والهیئات المعینة، کالذکر بهیئة الإجتماع علی صوت واحد، واتخاذ یوم ولادة النبی صلی الله علیه وسلم عیدا، وما أشبه ذلک، ومنها: التزام العبادات المعینة فی أوقات معینة لم یوجد لها ذلک التعیین فی الشریعة، کالتزام صیام یوم النصف من شعبان وقیام لیلته"

(الاعتصام الباب الاول فی تعریف البدع وبیان معناہا، ۱/۵۱، ط: دار ابن الجوزی السعودیہ)۔

مذکورہ بالا بدعت کی تمام تر تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ بدعت کہتے ہیں کسی چیز کو بطور عبادت کے ایجاد کرنا جس کی نظیر خیر القرون میں نہ ملتی ہو، اب بنیادی طور سمجھنا چاہیے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں (1) بدعت مکفرہ (2) بدعت مفسقہ۔

بدعت مکفرہ:

یہ وہ بدعت ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے؛ جیسے ایسا اعتقاد بنالینا جو کفر کو مستلزم ہو۔

بدعت مفسقہ:

یعنی اس کے مرتکب کو فاسق تو کہا جائے، مگر کافر یا دائرۂ اسلام سے خارج نہ کہا جائے اور یہ بدعتی وہ شخص ہوتا جس کی بدعت اپنی اصل کے اعتبار سے کفر کو مقتضی نہیں ہوتی۔

بدعت مکفرہ کا حکم:

اس میں مبتلاء شخص دائرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے، کیونکہ یہ ایسے عقائد پر مشتمل ہوتا ہے جو قرآن وسنت کے صریح مخالف ہوتے ہیں، جیسے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی روح اشخاص میں حلول کر گئی ہے۔

بدعت مفسقہ کا حکم:

اس میں مبتلاء شخص دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا ہے، البتہ گمراہ ہوتا ہے، ایسی بدعت میں اگر کوئی شخص مبتلاء تو اس پر وہی احکام جاری ہونگے جو فاسق مسلمانوں پر ہوتے ہیں۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ۱۷۵ تا ۱۷۸)۔

مذکورہ بالا تمام تر صراحت کے بعد سمجھنا چاہئے کہ جس طرح بدعت کی دو قسمیں ہیں، اسی طرح فسق فی العقیدہ کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) فسق فی العقیدہ مفضی الی الکفر، (۲) فسق فی العقیدہ غیر مفضی الی الکفر۔

اب اصل جواب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص فسق فی العقیدہ مفضی الی الکفر میں مبتلاء ہے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگا، تو اس کی عبادات ومعاملات پر وہی احکامات جاری ہوں گے جو ایک کافر اور غیر مسلم پر لاگو ہوتے ہیں، البتہ اگر کوئی شخص فسق فی العقیدہ غیر مفضی الی الکفر میں مبتلاء ہے تو ایسا شخص فاسق مسلمان کہلائے گا، نیز اس کی عبادات اور معاملات پر (اس کے فسق پر تنبیہ کے ساتھ) بھی عام فاسق مسلمان والے احکامات جاری ہونگے، بس شرط یہ ہے کہ فسق فی العقیدہ غیر مفضی الی الکفر میں مبتلاء شخص اپنے فسق کا داعی نہ ہو۔

"هـذا هـو الـضابط الذى ذكره أهل العلم –رحمهم الله– فى البدعة المكفرة و غير المكفرة، فـمن كانت بدعته من النوع المكفر كان حكمه حكم الكفار فى جميع الأحكام عند من يكفره .....ومن لم تكن بدعته من النوع المكفر كان حكمه حكم المسلمين" (الاحکام المترتبۃ علی الفسق فی الفقہ الاسلامی ۱/ ۶۳)۔

"والبـدعـة تـنـقـسـم إلـى قـسـمـيـن: بـدعـة مكفرة وبدعة غير مكفرة، أى: قد توصل البدعة صاحبها إلى الكفر، والمبتدع الذى وصلت بدعته إلى الكفر حكمه حكم الكافر كما سبق.

وأمـا البـدعـة التـى لـا تـوصـل إلـى الكفر فهذه حكم صاحبها حكم أهل الكبائر، فهو تحت مشيـئـة الله، فهو مؤمن ضعيف الإيمان، وناقص الإيمان، لكن البدعة أشد من الكبيرة، وهى أحب إلى الشيـطـان مـن الكبيرة؛ لأن صاحب الكبيرة معترف بخطئه، فقد يوفق إلى التوبة، وهو حرى بأن يوفق لـلتـوبـة، أما صاحب البدعة فلا يعترف بأنه مخطء، بل يظن أنه على صواب، ولذلك كان الغالب أنه لايتوب (دروس فی العقیدہ ۱۶/ ۳)۔

جواب(۶):

معلوم ہونا چاہیے کہ انسان سے گناہ ہوجانا یہ کوئی بہت حیرت کی بات نہیں ہے، کیونکہ انسان بھول چوک سے ہی بنا ہے، اس لئے اس سے غلطی اور گناہ کا ہوجانا ایک ممکن سی بات، لیکن اس گناہ پر اصرار کرنا یا جمع رہنا یا گناہ کو گناہ نہ سمجھنا یہ حیرت وافسوس کی بات ہے، اسی لیے اللہ تعالٰی نے انسانوں کو توبہ کی نعمت عطا فرمائی کہ اگر کسی وقت کوئی گناہ سرزد ہوجائے تو فوراتوبہ کرلی جائے تو اللہ تعالٰی گناہ ایسے معاف فرمادیتے ہیں جیسے بندہ نے گناہ کیا ہی نہ ہو، نیز اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر انسان گنہگار ہے، البتہ بہترین گنہگار وہ ہے جس کو توبہ کی توفیق ہوجائے، احادیث ملاحظہ ہوں:

عَـنْ أَبِـى عُبَيْـدَةَ بْـنِ عَبْـدِ الـلَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: التَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، كَمَنْ لَاذَنْبَ لَه" (ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۲۵۰، دار احیاء الکتب العربیہ بیروت)۔

عَـنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُون" (سنن ترمذی رقم الحدیث: ۲۴۹۹، دار الغرب الاسلامی بیروت)۔

لہٰذا بندہ کو گناہ کرنے کے بعد جلد از جلد توبہ کرلینا چاہیے، کیونکہ گناہ پر اصرار ہی بندہ کو فسق تک پہونچادیتا ہے، اب یہ بات سمجھنا چاہیے کہ توبہ کی بھی دو قسمیں ہیں: (۱) باطنی توبہ (۲) ظاہری توبہ۔

باطنی توبہ:

یہ اللہ اور بندے کے درمیان ایک راز کی طرح ہے، اس توبہ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ بندہ کا گناہ ساقط ہوجاتا ہے، اسی بناء پر اس توبہ کا تعلق آخرت سے ہے۔

ظاہری توبہ:

یہ توبہ بھی درحقیقت اللہ اور بندہ کے درمیان کی ہی بات ہے، البتہ اس توبہ کی وجہ سے اگر بندہ مردود الشہادت ہوتا ہے تو اس کو دوبارہ شہادت کا حق حاصل ہوجاتا ہے، اسی طرح ولایت وغیرہ کا بھی حق اس کو مل جاتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ ظاہری توبہ کے نتیجہ میں بندہ کے ساتھ دنیاوی احکامات متعلق ہوجاتے ہیں، جیسا کہ درج ذیل عبارات سے واضح ہوتا ہے:

"المطلب الثانی – أنواع التوبة:

أولاً – تنقسم التوبة إلى نوعين: باطنة، وحكمية (ظاهرة)

أ – فالتوبة الباطنة: هى توبة العبد بينه وبين ربه، وهى التى يسقط بها الإثم أى تعلقها بالآخرة، فإن كانت المعصية لا توجب حقاً عليه فى الحكم كالكذب أو شرب المسكر أو الخلوة بالأجنبية فالتوبة منها: الندم عليها والإقلاع عنها والعزم على عدم العود إليها....."

ب- "التوبة الظاهرة: وهى التى يتعلق بها عود الشهادة والولايات وغيرها، أى أن تعلقها بالأحكام الدنيوية، فإن كانت توجب حقاً لله تعالى أو الآدميين كمنع الزكاة والغصب، فالتوبة منها بالندم والإقلاع عنها والعزم فى عدم العود، كما تقدم بالإضافة إلى رد هذه المظالم: كرد المغصوب ودفع الزكاة" (الفسق وأحكامہ فی الفقہ الاسلامی ۱۸۲/ ۱۸۳-)۔

" لِـجُـمْهُورِ الْفُقَهَاءِ فَإِنَّهُمْ لَمْ يَشْتَرِطُوا إِصْلاَحَ الْعَمَل بَعْدَ التَّوْبَةِ، وَإِنْ كَانَتِ الْمَعْصِيَةُ قَذْفًا أَوْ شَهَادَةَ زُورٍ فَلاَ بُدَّ مِنْ إِكْذَابِ نَفْسِهِ كَمَا سَيَأْتِى" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۱۴/ ۱۲۴-۱۲۵)۔

جواب (۷):

اصولی طور پر فقہاء کرام نے سنن کی دو قسمیں کی ہیں: (۱) سنن ہدی، (۲) سنن عادیہ۔

(۱)سنن ہدی:

یہ ایسی سنتیں کہلاتی ہیں جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام نے بطور عبادت کے انجام دی ہوں اور ایسی سنتیں واجب کے قریب کا درجہ رکھتی ہیں، جیسے نماز باجماعت، اذان اور اقامت وغیرہ۔

(۲)سنن عادیہ:

یہ ایسی سنتیں کہلاتی ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت انجام نہ دیا ہو، بلکہ بطور عادت کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہوئی ہوں، جیسے خوشبو لگانا، تہبند باندھنا، عمامہ باندھنا وغیرہ، یہ سب اعمال ایسے ہیں جو سنن عادیہ کہلاتے ہیں۔

سنن ہدی کا حکم:

سنن ہدی کا حکم یہ ہے کہ بغیر عذر کے ان سنتوں کو چھوڑنے والا یا چھوڑنے کی عادت بنا لینے والا گمراہ اور قابل ملامت ہے۔

سنن عادیہ کا حکم:

سنن عادیہ کا حکم یہ ہے کہ ان کا درجہ شریعت میں استحباب کا ہے، یعنی ان کے کرنے میں ثواب اور نہ کرنے کی صورت میں کسی طرح کا کوئی عتاب اور ملامت نہیں ہے، البتہ ان کا انجام دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ محبت کی علامت ہے، ایسی سنتوں کو سنن زوائد بھی کہا جاتا ہے۔

ایک ضروری تنبیہ:

واضح رہنا چاہیے کہ سنن عادیہ/ زوائد کے حکم سے یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے کہ ان کو انجام دینا عبادت نہیں ہے، جبکہ ایسا ہرگز نہیں ہے، بلکہ سنن عادیہ بھی عبادت ہی کی قبیل سے ہیں، کیونکہ سنت کہتے ہی ہیں ہر ایسے عمل کو جو از قبیل عبادت ہو؛ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ایسے امور کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور عبادت کے انجام نہیں دیا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کے متعلق عبارات ملاحظہ ہوں:

"قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: والسنة نوعان: سنة الهدى، وتركها يوجب إسائة وكراهية، كالجماعة والأذان والإقامة ونحوها .وسنة الزوائد، وتركها لا يوجب ذلك، كسير النبى

علیه الصلاة والسلام فی لباسه وقیامه وقعوده .والنفل ومنه المندوب یثاب فاعله ولا یسیء تارکه، قیل: وهو دون سنن الزوائد...وحینئذ فمعنی کون سنة الزوائد عادة أن النبی صلی الله علیه وسلم واظب علیها حتی صارت عادة له، ولم یترکها، إلا أحیانا؛ لأن السنة هی الطریقة المسلوکة فی الدین، فهی فی نفسها عبادة وسمیت عادة لما ذکرنا .ولما لم تکن من مکملات الدین وشعائره سمیت سنة الزوائد، بخلاف سنة الهدی، وهی السنن المؤکدة القریبة من الواجب التی یضلل تارکها؛ لأن ترکها استخفاف بالدین" (ردالمحتار:۱/ ۱۰۳)۔

"قال العلامة محمود محمد السبکی رحمه الله:وسنة الهدی ما تکون إقامتها تکمیلا للدین،تارکها بلا عذر علی سبیل الإصرار ملوم، فهی من العبادات، بخلاف سنن الزوائد،کقیامه صلی الله تعالی علیه وعلی آله وسلم وقعوده ونومه ولباسه، أخذها حسن یثاب علیه وترکها لایساء علیه۔ قال ابن عابدین فی حاشیته علی الدر المختار ما نصه: المشروعات أربعة أقسام فرض وواجب وسنة ...." (المنهل العذب المورود:۴/ ۲۳۸)۔

"فالسنة عند الحنفیة بالمعنی الفقهی نوعان:

أ – سنة الهدی:

وهی ما تکون إقامتها تکمیلا للدین، وتتعلق بترکها کراهة أو إسائة، کصلاة الجماعة، والأذان، والإقامة، ونحوها، وذلک لأن النبی صلی الله علیه وسلم واظب علیها علی سبیل العبادة، وتسمی أیضا السنة المؤکدة"۔

ب – "سنن الزوائد:

وهی التی لا یتعلق بترکها کراهة ولا إسائة، لأن النبی صلی الله علیه وسلم فعلها علی سبیل العادة، فإقامتها حسنة، کسیر النبی صلی الله علیه وسلم فی لباسه وقیامه، وقعوده وأکله، ونحو ذلک" (الموسوعة الفقهیة الکویتیة ۲۵/ ۲۶۵)۔

مذکورہ بالا صراحت کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ داڑھی رکھنے کے بارے میں شریعت مطہرہ میں کافی تاکید آئی ہے، نیز داڑھی تمام انبیاء علیہم السلام کا متفقہ عمل اور مستقل معمول اور خود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام وتابعین عظام اور محدثین وفقہاء کرام، بلکہ تمام اولیاء کرام کا دائمی عمل ہے۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے اور آپ نے اپنی امت کو داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹوانے کا تاکیدی حکم دیا ہے، لہٰذا داڑھی قابل احترام چیز ہے جس کا رکھنا واجب اور ضروری ہے اور اس کو منڈانا سخت گناہ ہے اور اس گناہ پر اصرار اس کی سنگینی میں اضافہ کرتا ہے، پھر اس بات کو بھی سمجھنا چاہئے کہ دلائل کی رو سے راجح یہ ہے کہ داڑھی کی لمبائی میں ایک مقدار شریعت کی طرف سے متعین ہے، اس سے کم داڑھی رکھنا جائز نہیں اور وہ مقدار ایک مٹھی ہے، اس لئے داڑھی کو منڈانا یا ایک کم مشت سے کم کرانا جائز نہیں ہے۔

"عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: خالفوا المشرکین، وفروا اللحی وأحفوا الشوارب" (بخاری ۲/ ۸۷۵، مکتبہ فیصل)۔

"عن عائشة، قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "عشر من الفطرة: قص الشارب، وإعفاء اللحیة، والسواک، واستنشاق الماء، وقص الأظفار، وغسل البراجم، ونتف الإبط، وحلق العانة، وانتقاص الماء" قال زکریا: قال مصعب: ونسیت العاشرة إلا أن تکون المضمضة" (صحیح مسلم ۱/ ۲۲۳)۔

"عن أنس أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: خالفوا علی المجوس جزوا الشوارب وأوفوا اللحی" (مسند البزار = البحر الزخار ۱۳/ ۹۰)۔

ذکر کردہ احادیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے، اسی طرح اس بات کو بھی سمجھنا چاہیے کہ اس بارے میں جمہور فقہائے امت کا اتفاق ہے کہ داڑھی ایک مٹھی سے کم کرنا جائز نہیں ہے اور ایک مٹھی کی مقدار سے زائد کاٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب حج یا عمرہ سے فارغ ہوتے تو اپنی داڑھی کو مٹھی میں پکڑتے اور جو مٹھی سے زائد ہوتی اس کو کاٹ دیا کرتے تھے۔

"وکان ابن عمر إذا حج أو اعتمر قبض علی لحیته فما فضل أخذه" (بخاری رقم الحدیث ۵۸۹۲)۔

فقہاء کرام اور محدثین عظام کی عبارات سے بھی داڑھی کی شرعی حد ایک قبضہ (مٹھی) معلوم ہوتی ہے، چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"فَقَدْ یُحْتَمَلُ أَنْ یَکُونَ لِعَفْوِ اللِّحَی حَدٌّ وَهُوَ مَا جَاءَ عَنِ الصَّحَابَةِ فِی ذٰلِکَ فَرُوِیَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ کَانَ یَقْبِضُ عَلَی لِحْیَتِهِ فَمَا فَضَلَ عَنْ کَفِّهِ أَمَرَ بِأَخْذِهِ، وَکَانَ الَّذِی یَحْلِقُ رَأْسَهُ یَفْعَلُ ذٰلِکَ بِأَمْرِهِ، وَیَأْخُذُ عَارِضَیْهِ وَیُسَوِّی أَطْرَافَ لِحْیَتِهِ وَکَانَ أَبُو هُرَیْرَةَ یَأْخُذُ بِلِحْیَتِهِ، ثُمَّ یَأْخُذُ مَا یُجَاوِزُ الْقُبْضَةَ" (شعب الایمان ۸/ ۱۱۴ رقم الحدیث ۶۰۱۲)۔

"قَالَ مُحَمَّدٌ عَنْ أَبِی حَنِیفَةَ: تَرْکُهَا حَتَّی تَکَفَّ وَتَکْثُرَ وَالتَّقْصِیرُ فِیهَا سُنَّةٌ، وَهُوَ أَنْ یَقْبِضَ الرَّجُلُ لِحْیَتَهُ فَمَا زَادَ عَلَی قَبْضَتِهِ قَطَعَهُ لِأَنَّ اللحْیَةَ زِینَةٌ وَکَثْرَتَهَا مِنْ کَمَالِ الزِّینَةِ وَطُولَهَا الْفَاحِشَ خِلافُ السُّنَّةِ" (الاختیار لتعلیل المختار ۴/ ۱۶۷)۔

''فتاوی ہندیہ'' میں ہے: "وَالْقَصُّ سُنَّةٌ فِیهَا وَهُوَ أَنْ یَقْبِضَ الرَّجُلُ لِحْیَتَهُ فَإِنْ زَادَ مِنْهَا عَلَی قُبْضَتِهِ قَطَعَهُ کَذَا ذَکَرَ مُحَمَّدٌ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَی فِی کِتَابِ الْآثَارِ عَنْ أَبِی حَنِیفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَی قَالَ وَبِهِ نَأْخُذُ، کَذَا فِی مُحِیطِ السَّرَخْسِیِّ'' (الفتاوی الہندیۃ، ۵/ ۸۵۳، کتاب الکراہیۃ، الباب التاسع عشر)۔

''درمختار'' میں داڑھی کی شرعی حد کچھ اس طرح بیان کی گئی ہے:

"بِقَدْرِ الْمَسْنُونِ وَهُوَ الْقَبْضَةُ وَصَرَّحَ فِی النِّهَایَةِ بِوُجُوبِ قَطْعِ مَا زَادَ عَلَی الْقُبْضَةِ بِالضَّمِّ، وَمُقْتَضَاهُ الْإِثْمُ بِتَرْکِهِ إِلَّا أَنْ یُحْمَلَ الْوُجُوبُ عَلَی النُّبُوتِ، وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِیَ دُونَ ذَلِکَ کَمَا یَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ، وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ یُبِحْهُ أَحَدٌ، وَأَخْذُ کُلِّهَا فِعْلُ یَهُودِ الْهِنْدِ وَمَجُوسِ الْأَعَاجِمِ" (الدر المختار مع رد المحتار ۲/ ۸۱۲، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم وما لا یفسدہ)۔

اسی طرح حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر داڑھی کے بال ایک مشت سے زائد ہو جائیں تو ان کا کاٹنا واجب ہے، جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے:

"وَفِی النِّهَایَةِ شَرْحِ الْهِدَایَةِ وَاللِّحْیَةُ عِندَنَا طُولُهَا بِقَدْرِ الْقُبْضَةِ بِضَمِّ الْقَافِ وَمَا وَرَاءَ ذَلِکَ یَجِبُ قَطْعُهُ، رُوِیَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ أَنَّهُ کَانَ یَأْخُذُ مِنَ اللِّحْیَةِ مِنْ طُولِهَا وَعَرْضِهَا أَوْرَدَهُ أَبُو عِیسَی فِی جَامِعِهِ، وَقَالَ مِنْ سَعَادَةِ الرَّجُلِ خِفَّةُ لِحْیَتِهِ اه وَقَوْلُهُ یَجِبُ بِمَعْنَی یَنْبَغِی أَوِ الْمُرَادُ بِهِ أَنَّهُ سُنَّةٌ مُؤَکَّدَةٌ قَرِیبَةٌ إِلَی الْوُجُوبِ، وَإِلَّا فَلَا یَصِحُّ عَلَی إطلاقِهِ، وَقَالَ ابْنُ الْمَلِکِ تَسْوِیَةُ شَعْرِ اللِّحْیَةِ سُنَّةٌ وَهِیَ أَنْ یُقَصَّ کُلُّ شَعْرَةٍ أَطْوَلُ مِنْ غَیْرِهَا لِیَسْتَوِیَ جَمِیعُهَا، وَفِی الْإِحْیَاءِ قَدْ اخْتَلَفُوا فِیمَا طَالَ مِنَ اللِّحْیَةِ فَقِیلَ إِنْ قَبَضَ الرَّجُلُ عَلَی لِحْیَتِهِ وَأَخَذَ مَا تَحْتَ الْقُبْضَةِ فَلَا بَأْسَ بِهِ وَقَدْ فَعَلَهُ ابْنُ عُمَرَ وَجَمَاعَةٌ مِّنَ التَّابِعِینَ وَاسْتَحْسَنَهُ الشَّعْبِیُّ وَابْنُ سِیرِیْنَ وَکَرِهَهُ الْحَسَنُ وَقَتَادَةُ وَمَنْ تَبِعَهُمَا، وَقَالُوا تَرْکُهَا عَافِیَةٌ أُحِبُّ لِقَوْلِهِ عَلَیْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ اعْفُوا اللِّحَی لَکِنَّ الظَّاهِرَ هُوَ الْقَوْلُ الْأَوَّلُ، فَإِنَّ الطُّولَ الْمُفْرِطَ یُشَوِّهُ الْخِلْقَةَ وَیَطْلُقُ الْأَلْسِنَةَ الْمُغْتَابِینَ بِالنِّسْبَةِ إِلَیْهِ، فَلَا بَأْسَ لِلاحْتِرَازِ عَنْهُ عَلَی هَذِهِ النِّیَّةِ قَالَ النَّخْعِیُّ: عَجِبْتُ لِرَجُلٍ عَاقِلٍ طَوِیلِ اللِّحْیَةِ کَیْفَ لَا یَأْخُذُ مِنْ لِحْیَتِهِ فَیَجْعَلُهَا بَیْنَ لِحْیَتَیْنِ أَی طَوِیلٍ وَقَصِیرٍ فَإِنَّ التَّوَسُّطَ

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ أَحْسَنُ وَمِنْهُ قِيلَ خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا وَمِنْ ثَمَّ قِيلَ كُلَّمَا طَالَتِ اللِّحْيَةُ نَقَصَ الْعَقْلُ اه"
(مرقاۃ المفاتیح ۷/ ۲۲۸۲ کتاب اللباس، باب الترجل الفصل الثانی)۔

مذکورہ بالا مکمل تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی رکھنا اور شرعی حد کے مطابق رکھنا ہر مسلمان پر ضروری ہے، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور محدثین عظام وفقہاء کرام سے اس بابت اتنی تاکید نہ ہوتی، نیز آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھی کو تمام انبیاء کی سنت قرار دیتے ہوئے فطرت کے لفظ سے تعبیر فرمایا، جس سے داڑھی کی اہمیت معلوم چلتی ہے، داڑھی تمام انبیاء کرام کی مشترک سنت ہے، اسی طرح جمہور فقہاء امت کا اس بات پر متفق ہیں کہ داڑھی کی شرعی حد ایک قبضہ (مشت) ہے، مذکورہ بالا فقہی کی عبارت سے یہ مفہوم نہیں ہونا چاہئے کہ ایک مشت داڑھی کی مقدار سنت ہے، نہ کہ واجب، کیونکہ فقہاء کرام کی اکثر عبارت میں سنت کا لفظ آیا ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یہاں سنت ایسے ہی کہہ دیا گیا ہے، جیسے عید، تراویح، اور وتر وغیرہ بہت سی چیزوں کو سنت کہہ دیا جاتا ہے

جب شریعت کی طرف سے داڑھی رکھنے اور شرعی مقدار پر رکھنے کی اتنی تاکید ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو حضرات سرے سے داڑھی نہ رکھیں یا رکھیں مگر شرعی حد پر نہ رکھیں تو ان پر تو بالاتفاق حکم شرعی کی صریح خلاف ورزی کی وجہ سے فسق کا حکم لگے گا، البتہ جو حضرات بعد از تاویل داڑھی کو سنن ہدی میں شمار نہ کر کے سنن عادیہ میں شمار کرتے ہیں، جیسا کہ بعض اہل عرب کا یہی مسلک ہے تو براہ راست ان پر فسق کا حکم نہیں لگنا چاہیے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆

تیسرا باب

مختصر تحریریں

عصر حاضر میں فسق کا معنی ومراد اور اس سے متعلق احکام

ڈاکٹر قاری ظفر الاسلام صدیقی ☆

جواب:ا

حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ۱/ ۳۰۳ سے ایک تحریر پیش ہے:

" والفسق لغة خروج عن الاستقامة وهو معنى قولهم خروج الشئ عن الشئ على وجه الفساد و شرعا خروج عن طاعة الله تعالىٰ بارتكاب كبيره، قال القهستانى: أى أو إصرار على كبيرة و ينبغى أن يراد بلا تأويل ..... فتجب إهانته شرعا فلا يعظم تتقديمه للامامة"۔

''تنقیح شرح التلویح علی التوضیح'' (۲/ ۶) پر یہ تحریر ہے:

"و فسر العدالة بمحافظة دينه يحمل على ملازمة التقوى والمروء ة من غير بدعة و جعل علامتها اجتناب الكبائر وترك الإصرار على الصغائر و ترك بعض الصغاير والمباحات التى مما يدل على خسة النفس و دناء ة الهمة كسرقة لقمة والتطفيف فى الوزن بحبة والاجتماع مع الأرذال والأشغال بالحرف الدنيئة ..... فيخرج بقيد العدالة الكافر، كما يخرج المبتدع والفاسق"۔

خلیل بن اسحاق المالکی مختصر خلیل میں لکھتے ہیں: **''العدل حر مسلم عاقل بالغ بلا فسق و حجر و بدعة و إن تأول كخارجى و قدرى لم يباشر كبيرة أو كثير كذب أو صغيرة خسة و سفاهة و لعب نرد ذومروة بترك غير لائق"** (۲۶۶ مکتبہ القدس قاہرہ)۔

صالح بن فوزان اپنی کتاب ''الملخص الفقہی'' کے (۱/ ۲۲۰) پر تحریر فرماتے ہیں: **''فالفسق العملى بارتكاب فاحشة الزنا و السرقة و شرب الخمر و نحو ذلك"۔**

☆ سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم مئو

جواب: ۲و۳

فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم کا ایک مقالہ ص: (۲۷۵) سے (۳۰۲) تک پھیلا ہوا ہے، حضرت امام غزالی کا ایک قول نقل فرماتے ہیں: ''**اجتماع هذه الشروط من العدالة والاجتهاد وغيرهما تتقدر في عصرنا**''۔

اسی طرح علاؤالدین طرابلسی کا قول: ''**لاتجد عندهم من آثار الصحابة والتابعين كبير شئ**'' اگر آپ صحابہ وتابعین کے معیار کے علوم کے حامل تلاش کرنا چاہیں تو بہت مشکل ہے، حضرت امام ابو یوسفؒ جب خود منصب قضاء پر آئے اور لوگوں کے احوال کو دیکھا تو ان کی رائے ہوئی کہ فاسق کی شہادت مطلقاً رد نہیں کی جاسکتی، بلکہ بعض فاسقوں کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے: ''**إن الفاسق إذا كان وجيها في الناس ذا مروئة تقبل شهادته؛ لأنه لايتجاسر لوجاهته و يمتنع عن الكذب لمروءة**''۔

بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: ''**بل في زماننا هذاالفسق إذا كان وجيها ذا مروءة يغلب على الظن أنه لا يكذب في الشهادة أو دلت القرائن على صدقه تقبل شهادته**'' (مقاصد شریعت: تعارف وتطبیق ۲۷۸/-۲۸)۔

ذو مروءۃ کے تعلق سے ملا علی القاری الہروی لکھتے ہیں: ''**أي و على ملازمة المروءة ..... وهو كمال الانسان من صدق اللسان و احتمال عثرات الإخوان و بذل الإحسان إلى أهل الزمان و كف الأذى عن الجيران، و قيل المروءة التخلق بأخلاق أمثاله و أقرانه، ولدانه في لبسه و مشيه و حركاته و سكناته و سائر صفاته، و في المفاتيح: خوارم المروئة كالدباغة والحجامة والحياكة ممن لايليق به من غير ضرورة، و كالبول في الطريق و صحبة الأراذل و اللعب بالحمام أو أمثال ذلك و مجملها الإحترار عما يذم عرفا، (و المراد بالتقوى) أي ههنا (اجتناب الأعمال السيئة من شرك) أي جلي أو خفي (أو فسق) أي بترك واجب أو بفعل حرام**'' (شرح نخبۃ الفکر لعلی بن سلطان محمد الہروی القاری ۲۴۷-۲۴۸، اتحاد بکڈپو دیوبند)۔

''**وما في القينة والمجتبى من قبول ذي المروءة الصادق**'' (الدر المختار مع الرد ۱۷۸/۸-۱۷۹، زکریا)۔

ماقبل کی تحریروں سے معلوم ہوا کہ احوال وظروف کے اعتبار سے فقہاء نے فاسق کی تعریف میں لچک رکھی ہے، اگر آدمی سماج اور معاشرہ میں باوقار اور اچھا سمجھا جاتا ہو تو اس کی بھی گواہی وشہادت اور خبر معتبر ہے، فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوگی، لیکن اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ نہ ہوگا، آئندہ اسکے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے گی، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**صلوا خلف كل بر و فاجر قد صلى الصحابة والتابعون خلف الحجاج وغيره**''،

حضرت عثمان غنیؓ نے لوگوں کو اپنے باغیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا: ''**عن عبيد الله بن عدى الخيار أنه دخل على عثمان بن عفان وهو محصور فقال: إنک إمام عامة ونزل بک ما ترى و يصلى لنا إمام فتنة، و نتحرج فقال الصلواة أحسن ما يعمل الناس، فإذا أحسن الناس فاحسن معهم، و إذا أساء و افاجتنب اساء تهم**'' (رواہ البخاری باب امامۃ المفتون والمبتدع ۱/۹۶، رقم الحدیث ۶۹۵)۔

شیخ فرید الدین عالم بن العلاء اندرپتی نے بھی فتاوی تاتارخانیہ میں مجبوری کی صورت میں نماز پڑھ لینے کا حکم بیان کیا ہے، ''**الفاسق إذا كان يؤم و يعجز القوم عن منعه تكلموا قال بعضهم فى صلاة الجمعة يقتدى به ولايترک الجمعة بإمامته، وأما فى غير الجمعة من المكتوبات لا بأس، بأن يتحول إلى مسجد آخر و لايصيل خلفه ولا يأثم بذلک**'' (۲/۲۵۲ ملتان، پاکستان)۔

صالح بن فوزان لکھتے ہیں: ''**و قد قال النبى عليه السلام: لا تؤمن امراء ة، رجلا و يؤم اعرابى مهاجر أو لا يؤم فاجر مؤمنا، إلا أن يقهره بسلطان يخاف سيفه و سوطه**'' (الملخص الفقہی ۱/۲۲۱)۔

علامہ شامی ''البحر الرائق'' کے حاشیہ پر فاسق کے پیچھے نماز پڑھنے کو مکروہ تحریمی لکھتے ہیں (۲/۶/۳۲)، نیز دیکھئے: (الاختیار لتعلیل المختار ۱/۸۵، فتاوی عالمگیری ۱/۸۴، دار الکتاب دیوبند، اشعۃ اللمعات ۱/۲۸۸، کفایت المفتی ۳/۱۳۱ مالابد منہ/۱۳۰، فتاوی رحیمیہ ۴/۱۷۰ تا ۱۷۲، احسن الفتاوی ۲/۲۸۸، خیر الفتاوی ۲/۳۲۵-۳۲۶ ملتان، فتاوی عثمانی ۱/۴۲۸، فتاوی دار العلوم وقف ۵/۱۱۲) وغیرہ جملہ کتب میں منقول کراہت بکراہت تحریمی ہے۔

فقیہ عصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی زید مجدہ تو یہاں تک لکھتے ہیں کہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری تک اس کا کوئی تصور نہیں تھا کہ کوئی شخص مسلمان ہو اور داڑھی نہ رکھے (کتاب الفتاوی ۲/۲۵۰)۔

جواب: ۴

ان حضرات کا حکم واجب الاطاعۃ ہوگا، انہیں وجوہ کے سبب جو ماقبل میں بیان ہوئیں، یعنی ذی مروءۃ و ذی وجاہت وغیرہ۔

جواب: ۵

صالح بن فوزان لکھتے ہیں: ''**والفسق نوعان ..... و الفسق الاعتقادى كالرفض والاعتزال والتجهم**'' (الملخص الفقہی ۱/۲۲۰)۔

"ثم البدعة و هی (إما) أن تکون بمکفر کأن یعتقد ما یستلزم الکفر، أقول فی شرحه کالقول بحلول الٰهیة فی علی و نحوه۔ و قد قال الشیخ محی الدین فی التقریب والتیسیر: من کفر ببدعة لم یحتج به بالاتفاق ..... و هکذا عن الشافعیؒ (فالمعتمد أن الذی ترد روایته من أنکر امرا متواترا من الشرع و معلوما من الدین بالضرورة" (شرح شرح النخبۃ ۵۲۱ تا ۵۲۴، اتحاد بکڈپو، دیوبند)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فاسق اعتقادی ومبتدع اگر ضروریات دین جیسے پنج وقتہ نمازیں وحج وغیرہ کا منکر ہو یا داعی الی البدع المکفرہ ہوتو اس کی خبر، گواہی اور شہادت کا اعتبار نہ ہوگا، بخاری فرق ضالہ کے خوارج ومعتزلہ حتی کہ ناصبیہ جن کے عقائد عجیب وغریب ہیں، یہ لوگ اپنے کو خارجیہ اور حرورییہ بھی کہتے ہیں، ان میں سے بعض کا عقیدہ یہ ہے: **"ومنهم من قال بأن النساء کالریاحین فإنه یجوز لکل واحد أن یشمهن و یجوز وطیهن من غیر نکاح ولا ملک، و منهم من قال بأن بعض الناس و لدوا من بنات آدم، و بعضهم و لدوا من الحور العین، لأن شیث علیه السلام تزوج بحور العین، وأصل العرب منهم ومنهم من قال بأن علیا صار کافرا حین ترک الخلافة والإمارة"** (۱۹۷-۱۹۸)۔

علامہ ابن تیمیہ نے فرمایا، ناصبی وہ ہے جو اہل بیت کو اپنے قول یا فعل سے تکلیف پہونچانے کا کام انجام دے۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے سند میں ایسے رواۃ کو اس لئے لیا کہ متن میں ان کے عقیدہ سے متعلق کوئی بات نہیں تھی۔

جواب:۶

"إذا کانت بشروطها المصحة لها و هی أربعة الندم بالقلب وترک المعصیة فی الحال و الفساد لایعود إلی مثلها ..... فإذا اختل شرط من هذه الشروط لم تصح توبة" (تفسیر الجامع لاحکام القرآن قرطبی ۳/ ۲۸۸ دار البیان العربی)۔

توبہ انہیں گناہوں سے متعلق ہوگا جن کا تائب ارتکاب کرتا تھا، نہ کہ مطلقاً (عدم ارتکاب سے) اول توبہ ہے، ثانی تقوی ہے۔

"لأن التوبة کما قال العلماء تصح من بعض الذنوب دون بعض" (حاشیہ العدوی المالکی ۱/ ۱۴۴)۔

علامہ بن عابدینؒ لکھتے ہیں: **"و فی الخانیة الفاسق إذا تاب لاتقبل شهادته مالم یمض علیه زمان یظهر التوبة ثم بعضهم قدره بستة أشهر و بعضهم قدره بسنة و الصحیح أن ذالک مفوض إلی**

القاضی و المعدل'' (ردالمحتار علی الدر ۸/ ۱۹۰، زکریا)۔

کسی فاسق کے توبہ کر لینے کے بعد اس پر عادل کا اطلاق اس وقت ہوگا جبکہ چھ ماہ یا سال بھر نہ گزر جائے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ توقیت قاضی اور معدل کی صوابدید پر محمول ہوگی۔

توبہ کا تعلق پانچ چیزوں سے ہے: ماضی سے اپنے کئے پر دل سے پشیمان ہونا، حال سے فوراً گناہ چھوڑ دینا، مستقبل سے آئندہ نہ کرنے کا عزم کرنا، حقوق اللہ چھوٹی ہوئی نماز وروزہ ادا کرنا، حقوق العباد قرض وغیرہ ادا کرنا، یہ حدیث متعدد کتابوں میں تقریباً سات صحابۂ کرام سے مروی ہے (الدرۃ الفردہ شرح مفیدۃ البردۃ ۱/ ۳۲۰-۳۲۱، دارالعلوم زکریا، ساؤتھ افریقہ)۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہے اور اس کو اس پر ندامت بھی نہیں اور اس کو چھوڑا بھی نہیں یا آئندہ کے لئے چھوڑنے کا عزم بھی نہیں کیا اور پھر اس حالت میں صرف زبان سے استغفر اللہ واتوب اللہ کہتا ہے تو یہ توبہ اور استغفار کیساتھ مذاق ہے، اور توبہ کی شرط میں سے یہ بھی ہے کہ حقوق العباد یا معاف کروائے یا ادا کرے (فیوض الباری مقدمہ صحیح بخاری ۱/ ۳۷، للشیخ مولانا اسلام الحق صاحب تلمذ حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب ہولکمب بری انگلینڈ)۔

احقر کہتا ہے کہ اگر تائب داعی الی البدعۃ المکفرہ یا مرتکب بدعۃ مکفرہ نہیں ہے، نیز توبہ ان گناہوں سے کیا تھا جس کا وہ مرتکب تھا پھر بھی بعض صغائر کا ارتکاب کر بیٹھا اور اس میں اصرار نہیں ہے تو اس کی خبر وگواہی وشہادت معتبر ہوگی، کبائر گناہ کی تفصیل الکبائر لشمس الدین الزہبی واعلام الموقعین لابن القیم الجوزیہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

جواب: ۷

اولاً شامی کی ایک عبارت پیش کر رہا ہوں: '' **(و أما الأخذ منها)..... و عن النبی صلی الله علیه وسلم یحمل الإعفاء علی إعفائها عن أن یأخذ غالبها أو کلها کما هو فعل مجوس الأعاجم من حلق لحاهم و یؤیده ما فی مسلم عن أبی هریرة: جزوا الشوارب و اعفوا اللحی خالفوا المجوس فهذه الجملة واقعة موقع التعلیل، و أما الأخذ منها و هی دون ذالک، کما یفعله المغاربة و مخنثة الرجال فلم یبحه أحد**''

(ردالمحتار علی الدر ۳/ ۳۹۸، کتاب الصوم باب مایفسد الصوم ومالا یفسدہ زکریا)۔

داڑھی کی کیا حیثیت ہے اور داڑھی کتنی رکھنی چاہئے، ماقبل میں تفصیل سے فتاوی ونصوص کی روشنی میں بیان کیا جاچکا ہے، اوپر کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سنن عادیہ نہیں، بلکہ یہ ایک امر شرعی ہے۔

بندہ کہتا ہے کہ یہ عجیب بات ہے کہ اپنے عمل کو وجہ جواز دینے کے لئے لچر پوچ باتیں کہی جائیں جو غباوت وحماقت کے سوا کچھ نہیں، حضرت شیخ محمد یونس جونپوریؒ الیواقیت الغالیۃ فی تحقیق وتخریج الاحادیث العالیۃ ۲/ ۲۵۰ پر تحریر فرماتے

ہیں: مختصر یہ کہ حضور اقدس نے داڑھی رکھی، تراش و برید نہیں فرمایا اور یہ عادی طور پر نہیں تھا، یہ ایک امر شرعی کی حیثیت سے تھا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اعفاء اللحیۃ کا امر فرمایا تھا اور امر مقتضی ہے وجوب پر، یہی شیخ احمد نقراوی کی عبارت میں بھی ہے: ''**لا شک فی حرمته عند جمیع الأئمة لمخالفة سنة المصطفی صلی الله علیه وسلم ولموافقته فعل الأعاجم والمجوس**'' اور ردحدیث جو ترمذی میں ''**فی الأخذ من اللحیته من طولها وعرضه**'' ہے، یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کے طول وعرض سے کتر لیا کرتے تھے موضوع اور من گھڑت حدیث ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی عمر بن ہارون البلخی ہے، یہ کذاب ہے، جیسا کہ ابن معین وغیرہ نے کہا ہے (غایۃ المرام فی تخریج احادیث الحلال و الحرام/ ۱۵۰، حدیث نمبر ۱۱۰)۔

مشرکین عرب و یہود اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت ملنے سے پہلے داڑھی رکھتے تھے، لیکن بعد از نبوت جاہلیت کے بعض امور باقی رکھے گئے تو اب یہ شرعی حکم ہو گیا، آپ تفسیر معالم التنزیل ۲/ ۶-۷، اٹھا کر آیت ''**یا أیها الذین آمنوا لاتحلوا شعائر الله ولا الشهر الحرام ولا الهدی ولا القلائد**'' کا شان نزول..... حطم جس کا نام شریح بن ضبیعۃ البکری تھا دیکھیں، یعنی ہدی اور ہدی لے جانے والے دونوں سے تعرض زمانۂ جاہلیت میں بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، اسلام میں بھی اس کو باقی رکھا گیا، مصنف بن عبد الرزاق ۵/ ۷۹ پر ہے: ''**کنا نفعله فی الجاهلیة یا رسول الله فنسمیه العترة و کنا نذبحها عن أهل کل بیت فی رجب أفنفعله فی الإسلام؛ قال: نعم و سموها الرجبیة**'' **وکان من أمور الجاهلیة القسامة و أقرها الإسلام، والدیة مأة من الإبل وأقرها الإسلام، و کذالک تقبیل الحجر واستلام الرکن الیمانی ..... کما کان من أمر الجاهلیة إکرام الضیف، و بقی فی الإسلام إکرام الضیف، و کل هذا وغیره من مکارم الأخلاق التی یحبها الله و حث علیها الرسول صلی الله علیه وسلم و جمیع الخصال الطیبة من أمر الجاهلیة قد بقیت فی الإسلام و أقرها الإسلام)**'' (مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ لعبد اللہ بن باز ۲۸/ ۲۷۵/ ۲/ ۲۷۶)، اس سلسلہ میں خطبات بھاولپور از پروفیسر حمید اللہ/ ۱۲۲ کا مطالعہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مفتی حبیب اللہ قاسمیؔ☆

جواب:۱

فسق کی متعین تعریف ہے، فسق کے معنی لغت میں اللہ کے احکام کی نافرمانی اور شریعت کی اصطلاح میں فسق کی تعریف ہے کہ کسی مسلمان کا قصداً گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرنا یا گناہ صغیرہ پر بلا تاویل کے اصرار کرنا: ''**الفسق، فی اللغة عدم إطاعة أمر الله و فی الشرع ارتكاب المسلم كبيرة قصدا أو صغيرة مع الإصرار عليها بلا تأويل**'' (التعریفات الفقہیۃ ۴۱۲)

جواب:۲

عبادات و معاملات میں فسق کی وجہ سے مرتب ہونے والے احکام بہت سے ہیں، جن کا اختصاراً تذکرہ کیا جاتا ہے، فاسق کی امامت مکروہ ہے، جیسا کہ ہدایہ و دیگر فقہی کتابوں میں مذکور ہے: ''**ويكره تقديم العبد والأعرابی والفاسق لأنه لايهتم لأمر دينه**'' (ہدایہ ۱/۱۰۱، باب الامامت)، اسی طرح فاسق احناف کے نزدیک نکاح کا گواہ بن سکتا ہے، جیسا کہ ہدایہ کی عبارت سے ظاہر ہے، ملاحظہ فرمائیں: ''**ولا تشترط العدالة حتى ينعقد بحضرة الفاسقين عندنا خلافا للشافعی – و لنا أنه من أهل الولاية فيكون من أهل الشهادة**'' (ہدایہ ۲/۲۸۶، کتاب النکاح)، دینی چیزوں میں فاسق کی خبر معتبر نہیں ہے، البتہ وہ معاملات جن میں الزام کا معنی نہیں پایا جاتا ہے، جیسے وکالات، مضاربات، اذن فی التجارۃ، ان چیزوں میں ہر ممیّز کی خبر معتبر ہوگی؛ چاہے عادل ہو یا فاسق، بچہ ہو یا بالغ، ''**و فی المعاملات التی تنفک عن معنی الإلزام كالوكالات والمضاربات والإذن فی التجارة يعتبر خبر كل مميز**'' (حسامی ۷۲)۔

''**فشرطنا ما فی أمور الدين دون ما لا يتعلق به اللزوم من المعاملات**''۔

☆ صدر مفتی جامعہ اسلامیہ دار العلوم، مہذب پور، اعظم گڈھ

قرآن کریم میں ارشاد ہے:''**یا أیھا الذین آمنوا إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا أن تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین**'' (حجرات:٦)،(اے ایمان والو اگر کوئی شریر آدمی تمہارے پاس خبر لائے جس میں کسی کی شکایت ہو تو بدون تحقیق کے اس پر عمل نہ کیا کرو؛ بلکہ اگر عمل کرنا مقصود ہو تو خوب تحقیق کر لیا کرو، کبھی کسی قوم کو نادانی سے ضرر نہ پہنچا دو، پھر اپنے کئے پر پچھتانا پڑے)، امام جصاصؒ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ظاہر نہ ہو جائے، کیونکہ اس آیت میں ایک قرأت ''**فتثبتوا**'' کی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس پر عمل کرنے اور اقدام میں جلدی نہ کرو؛ بلکہ ثابت قدم رہو جب تک دوسرے ذرائع سے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے اور جب فاسق کی خبر کو قبول کرنا جائز نہ ہوا تو شہادت کو قبول کرنا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا، کیونکہ ہر شہادت ایک خبر ہوتی ہے جو حلف وقسم کے ساتھ موکد کی جاتی ہے، اسی لئے جمہور علماء کے نزدیک فاسق کی خبر یا شہادت شرعاً مقبول نہیں، البتہ بعض معاملات اور حالات میں فاسق کی خبر اور شہادت کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے، مثلاً کوئی فاسق بلکہ کافر بھی کوئی چیز لائے اور یہ کہے کہ فلاں شخص نے آپ کو ہدیہ بھیجا ہے تو اس کی خبر پر عمل جائز ہے (معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحب ۸/ ۱۰۵، سورہ حجرات)۔

جواب: ۳

ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے وہ فاسق ہیں؛ اگرچہ وہ نماز وروزہ کے پابند ہوں، لہٰذا چاند کی خبر میں فاسق کی شہادت نہیں قبول کی جائے گی، البتہ اختلافی معاملات میں تحقیق کے بعد اگر اس کا صدق ظاہر ہو جائے تو فاسق کی شہادت قبول کی جائے گی، دلائل ماقبل میں مذکور ہیں۔

جواب: ۴

مساجد یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ان حضرات کو ذمہ دار بنانا جو وجوہ فسق سے خالی نہ ہوں درست نہیں، باشرع اور متدین حضرات کو ان مذہبی اداروں کا ذمہ دار بنانا چاہئے، تاہم اگر فاسق کو ذمہ دار بنا دیا گیا ہو تو ان کا حکم ان اداروں کے خادمین یا تنظیم کے افراد کے لئے واجب الاطاعت ہے، بشرطیکہ ان کا حکم شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''**إن أولیاء ہ إلا المتقون**'' (سورہ انفال:۳۴)،(مسجد کے متولی اور ذمہ دار تو اللہ سے ڈرنے والے ہی ہوتے ہیں)،

حدیث شریف میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''**لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**'' (اخرجہ البغوی فی شرح السنۃ)۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:''**یا أیها الذین آمنوا اطیعوا الله و أطیعوا الرسول و أولی الأمر منکم**'' (سورہ نساء: ۵۹)،''**ولا ینعزل الإمام بالفسق والجور لأنه قد ظهر الفسق وانتشر الجور من الائمة والأمراء بعد الخلفاء الراشدین والسلف کانوا ینقادوا لهم و یقیمون الجمع والأعیاد بإذنهم ولایرون الخروج علیهم**'' (شرح عقائد نسفیہ، ۱۵۸)۔

جواب:۵

فسق فی العقیدہ سے مراد یہ ہے کہ ان کے اعتقادات ایسے ہوں جن کی وجہ سے ان کو فاسق قرار دیا جائے، جیسے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء کے کرامات برحق ہیں، اگر کوئی اس کو نہیں مانتا تو وہ فاسق فی العقیدہ ہے، جیسے معتزلہ فرقہ اور اہل بدعت کرامات کا انکار کرتے ہیں، فاسق فی الاعتقاد کا بھی وہی حکم ہے جو فاسق فی العمل کا ہے؛ بلکہ یہ اس کے مقابلہ میں بدتر ہے۔

جواب:۶

اگر فاسق شخص زبان سے توبہ کرلے، لیکن ابھی توبہ کے مطابق عمل نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ زبانی توبہ ہے حقیقی توبہ نہیں ہے، لہٰذا دنیوی احکام کے اعتبار سے وہ توبہ قابل قبول نہیں مانی جائے گی۔

حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں: (۱) گذشتہ برے عمل پر ندامت، (۲) جو فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں ان کی قضا، (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلما لیا تھا تو اس کی واپسی، (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان وغیرہ سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اس کی معافی، (۵) آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم وارادہ، (۶) وہ یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے، اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے (معارف القرآن بحوالہ مظہری ۵۰۶)،'' **یا أیها الذین آمنوا توبوا إلی الله توبة نصوحا**'' (سورہ تحریم:۸)۔

جواب:۷

ایک مشت داڑھی رکھنا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واجب ہے اور ایک مشت سے کم کروانا یا بالکل منڈوانا دونوں حرام ہیں، اور اس کو سنت کہنا اس اعتبار سے ہے کہ یہ تمام انبیاء کرام کی سنت ہے، اسلامی اور قومی شعار ہے،

شرافت و بزرگی کی علامت ہے، مردانہ شکل کی تکمیل ہے، اور اس سے صورت نورانی ہوتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی عمل ہے، آپ نے اسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے اور امت کو تاکیدی حکم دیا ہے، لہٰذا جو داڑھی نہ رکھیں یا بالکل چھوٹی ایک مشت سے کم رکھیں یہ دونوں عمل حرام ہیں اور اس کے مرتکب فاسق ہیں، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**عشر من الفطرة ..... قص الشارب واعفاء اللحية**.....'' (ابوداؤد شریف:۱/۸)، ''**خالفوا المشركين أوفروا اللحى واحفوا الشوارب**'' (مشکوٰۃ:۳۸۰)، ''**أنهكوا الشوارب واعفوا اللحى**'' (بخاری شریف:۲/۸۷۵)۔

☆☆☆

فسق کی حقیقت اوراس پرمرتب ہونے والے احکام

مولانا خورشیدانوراعظمی☆

جواب:۱-فسق کی تعریف:

علماءکرام نےفسق کی مختلف تعریفات کی ہیں،علامہ محمدعلی تھانوی لکھتے ہیں:

"الفسق فی اللغة عدم إطاعة أمر الله تعالى فيشمل الكافر والمسلم العاصى، وفى الشرع ارتكاب المسلم كبيرة أو صغيرة مع الإصرار عليها" (کشاف اصطلاحات الفنون:۳/۴۴۶،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

''حاشیۃ الطحطاوی''میں ہے:

"الفسق لغة خروج عن الاستقامة" وهو معنى قولهم خروج الشيء عن الشئ على وجه الفساد، وشرعا خروج عن طاعة الله تعالى بارتكاب كبيرة، قال القهستانى: أى أو إصرار على الصغيرة، وينبغى أن يراد بلاتأويل" (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص:۳۰۳،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

جوشخص امورفسق کامرتکب ہوتاہےوہ فاسق کہلاتاہے،موسوعہ فقہیہ میں فاسق کی تعریف کی گئی ہے:

"الفاسق هو المسلم الذى ارتكب كبيرة قصدا، أو صغيرة مع الإصرار عليها،بلا تأويل" (الموسوعۃ الفقہیہ:۳۶/۲۶۵)۔

علامہ منصور بہوتی لکھتے ہیں:''**والفاسق من أتى كبيرة، وهى مافيه حد فى الدنيا أو وعيد فى الآخرة أو داوم على صغيرة**'' (کشاف القناع:۱/۵۷۷،دارالکتب العلمیۃ)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:"**والأصل فى هذا الفصل أن من ارتكب جريمة، فإن كانت من الكبائر سقطت عدالته إلا أن يتوب، فإن لم تكن من الكبائر، فان أصر عليها واعتاد ذلك فكذلك، لأن الصغيرة بالإصرار عليها تصير كبيرة، قال عليه الصلاة والسلام: لا صغيرة مع الإصرار ولا كبيرة مع**

☆ صدرمدرس وشیخ الحدیث جامعہ مظہرالعلوم بنارس

الاستغفار، وإن لم يصر عليها لا تسقط عدالته إذا غلبت حسناته سيئاته" (بدائع الصنائع:۲۴/۹-۲۵،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

مذکورہ تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر فسق کا مدار ارتکاب کبیرہ اور اصرار علی الصغیرہ پر ہے، پھر یہ کہ کبیرہ سے کیا مراد ہے؟ تو اس کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، علامہ ذہبی نے "کتاب الکبائر" کے اندر لکھا ہے کہ "کبیرہ" سے مراد وہ عمل ہے جس پر دنیا میں حد نافذ ہوتی ہو، جیسے قتل، زنا، چوری وغیرہ یا آخرت میں اس پر عذاب، غصہ اور تہدید آئی ہوئی ہو، یا اس کے کرنے والے پر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی لعنت کی گئی ہو (کتاب الکبائر،ص:۶،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

علامہ ابن تیمیہ نے "کبیرہ" کی اسی تعریف کو ترجیح دی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"**أمثل الأقوال فی هذه المسألة القول المأثور عن ابن عباس، وذكره أبو عبيد، وأحمد بن حنبل وغيرهما وهو: أن الصغيرة ما دون الحدين: حد الدنيا وحد الآخرة، وهو معنى قول من قال: ماليس فيها حد فی الدنيا، وهو معنى قول القائل: كل ذنب ختم بلعنة أو غضب أو نار فهو من الكبائر**" (مجموع فتاوی ابن تیمیۃ:۱۱/۳۵)۔

اس بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ فسق کی تعریف متعین ہے، اس پر زمانے کے عرف اور اخلاقی حالات کا اثر نہیں ہوگا۔

جواب:۲-عبادات ومعاملات وغیرہ میں فسق کا اثر:

علماء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ معاملات میں فاسق کی بات مان لی جاتی ہے، اور دیانات میں صرف عادل کی بات مانی جاتی ہے، ہدایہ میں ہے:

"**ويقبل فی المعاملات قول الفاسق، ولا يقبل فی الديانات إلا قول العدل**" (الہدایۃ مع شرحہ البنایۃ:۱۲/۷۵،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

علامہ ابوبکر جصاص رازی جہاں اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ معاملات کے سلسلے میں فاسق کی خبر کے قبول کئے جانے پر اہل علم کا اتفاق ہے وہیں اس بات کی بھی صراحت کرتے ہیں کہ حقوق کے سلسلے میں اس کی شہادت نہیں مانی جاتی، اور نہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کے تعلق سے اس کی خبر کا اعتبار ہوتا ہے، نیز ان تمام دینی امور کے بارے میں بھی اس کی خبر تسلیم نہیں کی جاتی جن سے کسی شریعت کا یا کسی انسان پر کسی حق کا اثبات ہوتا ہو، لکھتے ہیں:

"**شهادة الفاسق غير مقبولة فی شی من الحقوق، وكذلك إخباره فی الرواية عن النبی صلی**

اللہ علیہ وسلم: وکل ماکان من أمر الدین یتعلق به من إثبات شرع أو إثبات حق علی إنسان واتفق أهل العلم علی جواز قبول خبر الفاسق فی أشیاء فمنها أمور المعاملات، یقبل فیها خبر الفاسق" (احکام القرآن: ۲۷۹/۵، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت)۔

اسی طرح فسق کا اثر عبادت پر بھی پڑتا ہے کہ فاسق کی امامت کو مکروہ قرار دیا گیا ہے، علامہ شامی وجہ کراہیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"**و أما الفاسق فقد عللوا کراهة تقدیمه بأنه لایهتم لأمر دینه وفی تقدیمه للامامة تعظیمه وقد وجب علیهم اهانته شرعا**" (ردالمحتار: ۲۹۹/۲، زکریا دیوبند)۔

اسی طرح فاسق کی اذان بھی مکروہ ہے، تبیین الحقائق میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے:

"**وأما الفاسق فلأن قوله: لا یوثق به، ولا یقبل فی الأمور الدینیة ولا یلزم أحداً فلم یوجد الإعلام**" (تبیین الحقائق: ۲۵۰/۱، دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

جواب: ۳- نماز روزہ کے پابند بے ریش شخص کی شہادت کا مسئلہ:

فقہاء کرام نے چاند دیکھنے والوں کے لئے عادل ہونے کی شرط لگائی ہے، "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں ہے:

"**اتفق العلماء علی اشتراط العدالة فی الشهود**" (الفقہ الإسلامی وادلتہ: ۵۶۴/۶، دار الفکر)۔

عدالت سے مراد آدمی کی وہ صفت ہے جس سے وہ کبائر سے اجتناب کرے اور صغائر پر اصرار نہ کرے اور ہر اس بات سے دور رہے جس میں رذالت وخساست پائی جاتی ہو۔

علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں: "**حقیقة العدالة ملکة تحمل علی ملازمة التقوی والمروءة والشرط أدناها وهو ترک الکبائر والإصرار علی الصغائر ومایخل بالمروءة**" (البحر الرائق: ۴۶۵/۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

موجودہ دور میں بھی عدالت کا یہی معیار ہے کہ اگر دینی امور میں شہادت کے لئے عادل شخص ملتا ہو تو فاسق کی گواہی نہیں مانی جائے گی، "البحر الرائق" میں ہے:

"**قول الفاسق فی الدیانات التی یمکن تلقیهامن العدول غیر مقبول کالهلال وروایة الأخبار**" (البحر الرائق: ۴۶۵/۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

البتہ اگر قاضی کو ظن غالب ہو جائے کہ وہ اپنی شہادت میں سچا ہے تو اس کی گواہی قبول کر سکتا ہے، تکملہ ردالمحتار میں

ہے:''**وأما شهادة الفاسق: أن تحرى القاضى الصدق فى شهادته تقبل، وإلالا**'' (تکملہ ردالمحتار:۱۱/۱۰۰،دارالکتب العلمیۃ،بیروت)۔

اسی وجہ سے امام ابو یوسف نے باحیثیت وبامروت فاسق کی شہادت کو تسلیم کیا ہے،اس لئے کہ اس میں کذب بیانی کے امکانات کم ہیں۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں:''**روى عن أبى يوسف إذا كان وجيها فى الناس ذامروٴة تقبل شهادته، لأنه لايستاجر لشهادة الزور لوجاهته ويمتنع عن الكذب لمروء ته**'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ:۶/۵۶۵،دارالفکر)۔

بحرالعلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی نے بھی موجودہ حالات کے تناظر میں اسی موقف کی تائید کی ہے،لکھتے ہیں:

''**نحن نقول إن شرط العدالة يخل فى أمثال زماننا يخل بأكثر الأعمال لاسيما الصيام فالأحرى أن يفتى بماعن الإمام أبى يوسف إن كان شاهدا ذا مروة يغلب على الظن صدقه يقبل قوله لئلايختل أمر الصيام**'' (رسائل الارکان:۶۰۲)۔

ہمارے اکابر میں مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب کا بھی ''معین الحکام'' کے حوالے سے یہی موقف ہے(رویت ہلال:۱۹)۔

نیز مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نے بھی یہی فتوی دیا ہے(فتاوی محمودیہ:۲۵/۸۵)۔

مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ اگر رویت ھلال یا کسی معاملے میں عادل گواہ موجود نہ ہو صرف نماز روزہ کا پابند بے ریش گواہ ہی دستیاب ہو اور معاشرے میں وہ باحیثیت وبامروت ہو اور اس کی راست گوئی معروف ہو تو اس کی گواہی معتبر ہوگی،البتہ عیدین میں مزید احتیاط کی ضرورت ہے۔

جواب:۴-فاسق کے واجب الاطاعت ہونے کا مسئلہ:

آج کل بہت سے دینی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار فاسق کو بنایا جاتا ہے،ایسا کرنا گرچہ پسندیدہ عمل نہیں ہے، تاہم بوقت ضرورت اس کو ذمہ دار بنایا جاسکتا ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:''**أما العدالة عندنا ليست بشرط لجواز التقليد، لكنها شرط الكمال، فيجوز تقليد الفاسق وتنفذ قضاياه إذا لم يجاوز فيها حد الشرع**'' (بدائع الصنائع:۹/۹۱،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

مذکورہ عبارت سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر ذمہ دار خلاف شرع بات کا حکم کرتا ہے تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''**لاطاعة لمخلوق فى معصية الخالق**''(شرح السنۃ للبغوی،رقم:۵۵۴۲)۔

رہا جائز امور میں اس کی اطاعت کرنا تو نظام کی درستگی کے لئے لازم اور ضروری ہوگا، امام غزالی نے بیان کیا ہے:

"لابد من تنفيذ أحكامه للضرورة لئلاتتعطل مصالح الناس" (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۳/ ۲۹۳)۔

جواب: ۵-فسق فی العقیدہ کیا ہے اور جو لوگ فاسق فی العقیدہ ہوں ان کا کیا حکم ہے؟

فسق فی العقیدہ سے مراد اہل بدع کا فسق ہے، جو اللہ، رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جس کو حرام کیا ہے اس کو حرام اور جس کو واجب کیا ہے اس کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن بہت سی ان باتوں کا جہالت، تاویل اور تقلید کی بنا پر انکار کرتے ہیں جن کو اللہ اور رسول نے ثابت کیا ہے اور ان باتوں کا اثبات کرتے ہیں جن کو اللہ اور رسول نے ثابت نہیں کیا ہے۔

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں: "فسق الاعتقاد، وقال: إنه فسق أهل البدع يومنون بالله ورسوله واليوم الآخر ويحرمون ما حرم الله تعالى، ويوجبون ما أوجب الله تعالى، لكن ينفون كثيرا مما أثبت الله ورسوله جهلا وتأويلا وتقليدا، ويثبتون مالم يثبته الله ورسوله" (مدارج السالکین: ۱/ ۲۷۲، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)۔

چوں کہ فسق فی العقیدہ سے مراد اہل بدع ہیں اور بدعت دو طرح کی ہوتی ہے: ایک بدعت مفسقہ اور دوسری بدعت مکفرہ، بدعت مفسقہ کی وجہ سے آدمی کافر نہیں ہوتا ہے؛ لیکن بدعت مکفرہ کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے، علامہ حافظ حکمی فرماتے ہیں:

" ضابط البدعة المكفرة: من أنكر أمراً مجمعاً عليه، متواتراً من الشرع معلوماً من الدين بالضرورة من جحود مفروض، أو فرض ما لم يُفرض، أو إحلال محرم أو تحريم حلال، أو اعتقاد ما ينزه الله ورسوله وكتابه عنه، من نفي أو إثبات؛ لأن ذلك تكذيب بالكتاب وبما أرسل الله به رسوله صلى الله عليه وسلم.....والقسم الثاني: البدع التي ليست بمكفرة – وضابطها –: ما لم يلزم منه تكذيب بالكتاب ولا بشيءٍ مما أرسل الله به رسله" (معارج القبول بشرح سلم الوصول إلی علم الاصول للشیخ حافظ ابن أحمد الحکمی: ۱/ ۱۲۲۸-۱۲۲۹، ط: دار ابن القیم، الدمام)۔

بدعت مکفرہ کی تعریف یہ ہے کہ جس کسی نے بھی کسی ایسے امر کا انکار کیا جو متفق علیہ ہے، شریعت سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور دین میں اس کا معلوم ہونا ضروری ہے، چاہے وہ کسی فرض کا انکار ہو، یا پھر کسی ایسی چیز کو فرض کرنا ہو جو فرض نہ تھی یا حرام کو حلال کرنا یا حلال کو حرام کرنا ہو، یا پھر اللہ کی ایسی صفت بیان کرنا جس سے وہ پاک ہے، یا ان صفات مذمومہ کو اللہ کی طرف منسوب کرنے کا اعتقاد رکھنا جن صفات سے پاک ہونا کتاب اللہ میں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بیان کیا گیا ہے، چاہے وہ اثبات ہو یا نفی، کیونکہ اس میں کتاب اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔۔ دوسری

قسم بدعت غیر مکفرہ ہے، اس کی تعریف یہ ہے کہ جس سے کتاب اللہ کی تکذیب لازم نہ آئے اور نہ ہی اللہ کے رسولوں کے لائے ہوئے دین کی تکذیب لازم آتی ہو۔

جواب:٦- فاسق کی توبہ کا مسئلہ:

اگر فاسق شخص اپنے کئے پر نادم ہو اور اس کے نہ کرنے کا عزم مصمم کئے ہو تو شریعت کی نگاہ میں اس کی توبہ قبول ہوگی ،موسوعہ فقہیہ میں ہے:

"تقبل توبة الفاسق إذا استجمعت شروطها، إلا ثلاثة اختلف الفقهاء فی قبول توبته هم الزندیق و الساحر ومن تکررت ردته" (الموسوعۃ الفقہیۃ:۳۲/۱۴۵)۔

لیکن اگر فاسق اپنی توبہ کے مطابق عمل پیرا نہ ہو تو دنیوی احکام کے اعتبار سے اس توبہ کا اعتبار نہیں ہوگا، اسی وجہ سے فاسق کی توبہ کے بعد اس کی شہادت فوراً قبول نہیں کی جائے گی، بلکہ کچھ زمانہ گذرنے دیا جائے گا کہ اس میں توبہ کا اثر معلوم ہو سکے، فتاوی قاضی خاں میں ہے:

"إذا تاب لاتقبل شهادته مالم یمض علیه زمان یظهر أثر التوبة ،ثم بعضهم قدرذلک بستة أشهر وبعضهم قدره بسنة والصحیح أنه مفوض إلی راء القاضی والمعدل" (فتاوی قاضی خان:۲/۴۴۰، دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

فتاوی بزازیہ میں ہے:**"تاب الفاسق لایعدله کماتاب، بل لابد من مضی زمان یقع فی القلب صدقه فی التوبة"** (فتاوی بزازیۃ:۱/۵۰۰، دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

جواب:۷- داڑھی کو سنن عادیہ ماننے والا اگر داڑھی نہ رکھے تو کیا وہ فاسق ہے؟

جمہور فقہاء کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب اور اس کا کاٹنا حرام ہے، اس لئے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اعفاء، توفیر اور مخالفت مشرکین کے صریح مخالف ہے، ''موسوعہ فقہیہ'' میں ہے:

"ذهب جمهور الفقهاء الحنفیة والمالکیة والحنابلة وهو قول الشافعی إلی أنه یحرم حلق اللحیة؛ لأنه مناقض للأمر النبوی باعفائها وتوفیرها" (الموسوعۃ الفقہیہ:۳۵/۲۲۶)۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری علیہ الرحمہ نے ''بذل المجہود'' میں اعفاء اللحیہ کی تشریح کرتے ہوئے اس کو عجمیوں کا شعار قرار دیا ہے، لکھتے ہیں:

"إعفاء اللحية هو إرسالها وتوفيرها،وكره قصها ،وقص اللحية من سنن الأعاجم وهو اليوم شعار كثير من المشركين والأفرنج والهنود ومن لاخلاق له فی الدين ممن يتبعونهم ويحبونهم أن يتزيوا بزيهم" (بذل المجہود:۱/ ۱۲۲،دارالکتب العلمیۃ، بیروت)۔

صاحب ''عون المعبود'' مولانا شمس الحق عظیم آبادی لکھتے ہیں:**"كان من عادة الفرس قص اللحية فنهى الشارع عن ذلک وأمر بإعفائها"** (عون المعبود:۱/ ۴۶،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:**"يحرم على الرجل قطع اللحية"** (ردالمحتار:۹ ص:۵۸۳،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

احادیث نبویہ اور عبارات فقہاء کی صراحتوں سے واضح ہوتا ہے کہ داڑھی کا ٹنا حرام ہے،اور عرب وعجم کے محتاط اکابر علماء اسی موقف کے قائل ہیں اور اسی پر ان کا عمل ہے،اور ڈاڑھی کاٹنے والے کو فاسق قرار دیتے ہیں،لیکن کچھ علماء داڑھی کو سنن عادیہ میں شمار کرتے ہیں،اور اس کے نہ رکھنے کو صحیح اور درست قرار دیتے ہیں،اگر یہ لوگ اپنی علمی تحقیق کی بنا پر ایسا کرتے ہیں تو ان کو فاسق کہنا درست نہیں ہوگا،اس لئے کہ ان کا یہ موقف بر بنائے تاویل ہے،جس کی وجہ سے اس کی گنجائش نکلتی ہے کہ ایسے لوگوں کو فاسق نہ کہا جائے،علامہ خطابی اپنی کتاب ''معالم السنن'' میں حاطب ابن بلتعہ کے واقعہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وفيه أنه إذا تعاطى شيئا من المحظور وادعى أمرا مما يحتمله التأويل كان القول قوله فی ذلک، وإن كان غالب الظن بخلافه" (معالم السنن ۲/ ۲۷۴،الطبعۃ الاولی سنۃ ۱۳۵۲ھ)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:**"قال العلماء كل متاؤل معذور بتأويله ليس بآثم إذا كان تأويله سائغا فی أيام العرب وكان له وجه فی العلم"** (فتح الباری:۱۲/ ۱۹۸،دارطیبۃ)۔

علامہ بدرالدین عینی تحریر فرماتے ہیں:

"لاخلاف بين العلماء: إن كل متاؤل معذور بتأويله غيرملوم فيه إذاكان تأويله ذلک سائغا فی لسان العرب أو كان له وجه فی العلم" (عمدۃ القاری:۲۴/ ۱۳۶،دارالکتب العلمیۃ بیروت)۔

لیکن وہ لوگ جو تحقیق وتاویل سے نہیں، بلکہ دوسرے کی دیکھا دیکھی محض اپنے شوق کی تکمیل کے لئے ایسا کرتے ہیں وہ عمل فسق کے مرتکب قرار پائیں گے۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق اور فاسق کے کچھ احکام

مولانا خورشید احمد اعظمی مدنی ☆

۱-فسق کا معنی لغت میں کسی شئ کا ضرر اور فساد کے طور پر نکلنا ہے'' **والفِسْق .والفُسوقُ: الخُروجُ على وَجْه يَضُرُّ**'' (المجموع المغیث فی غریبی القرآن والحدیث، المصباح المنیر)، **فَسَقَتِ "الرطبة، إذا خرجت عن قشرها**'' (کھجور اپنے چھلکے سے باہر آ گئی) (الصحاح ودیگر)، قرآن میں بھی یہ لفظ متعدد مواقع پر استعمال ہوا ہے، کبھی کافر، کبھی ظالم اور کبھی مومن عاصی کے معانی میں، ان سب میں معنی مشترک رب کی طاعت سے خروج ہے۔

شرعی اصطلاح میں اس کا استعمال اللہ تعالی کی اطاعت سے اس خروج پر ہوتا ہے جو اللہ پر ایمان کے ساتھ بطور معصیت ہو، اور غالبا اسی معنی میں ابن الاعرابی کا قول کتب لغت میں منقول ہے:'' **لم يُسْمع بالفَاسِق فی كلام الجاهلية**'' (کلام جاہلیت میں فاسق نہیں سنا گیا)، یعنی کلام جاہلیت میں اس کا استعمال انسان کے لئے نہیں کیا گیا ہے، اس لحاظ سے یہ خالص اسلامی اصطلاح ہے،'' **وأكثرُ مَا يُقالُ الفاسِقُ لمَنْ التزَم حُكمَ الشّرع وأقرّ بهِ ثمَّ أخلّ بجَميعِ أحكامِه، أَو ببَعْضِها**'' (اور اکثر فاسق اس کو کہا جاتا ہے جس نے احکام شریعت کا اقرار کیا اور اپنے کو اس کا پابند کیا ہو، پھر اس کے تمام یا بعض احکام میں خلل ڈالا ہو، تعمیل میں کوتاہی برتی ہو) (المفردات للراغب الاصبہانی)۔

اس لحاظ سے فاسق کسی مسلمان سے معصیت کے ارتکاب کا نام ہے، اس کی تعریف متعین ہے، کچھ امور عرفی اور علاقائی ہیں جس کا لحاظ عموماً اس علاقہ یا زمانہ کے شرفاء کرتے ہیں، اس کا تعلق عدل ومروءت اور وجاہت ووقار سے ہے، یہ ہر زمانہ اور علاقہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف ہے، ان کی خلاف ورزی پر گو شریعت میں کوئی وعید یا سزا نہ ہو، مگر اس کا لحاظ آدمی کی حیثیت واعتبار میں اضافہ کا سبب بنتا ہے، بعض ائمہ حدیث نے روایت حدیث کے باب میں اس کا بھی لحاظ کیا ہے، اور معاملات میں بھی ہر دور میں اس کا لحاظ رکھنا اقرب الی الصواب ہے، ابن قیمؒ کا قول ہے:'' **وَالصَّوَابُ الْمَقْطُوعُ بِهِ أَنَّ الْعَدَالَةَ تَتَبَعَّضُ، فَيَكُونُ الرَّجُلُ عَدْلًا فِي شَيْءٍ فَاسِقًا فِي شَيْءٍ، فَإِذَا تَبَيَّنَ لِلْحَاكِمِ أَنَّهُ عَدْلٌ فيمَا شَهِدَ**

☆ رگھوناتھ پورہ مئوناتھ بھنجن، یوپی

بِهِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَلَمْ يَضُرَّهُ فِسْقُهُ فِي غَيْرِهِ، وَأَصْلُ هَذَا مَا وَقَعَ فِي الْمُحِيطِ وَالْقِنْيَةِ: إِذَا كَانَ الرَّجُلُ يَشْرَبُ سِرًّا وَهُوَ ذُو مُرُوئَةٍ فَلِلْقَاضِي أَنْ يَقْبَلَ شَهَادَتَهُ'' (معین الحکام:۱/۱۱۸) (اور وہ درست قول فیصل یہ ہے کہ عدالت میں بھی تجزی پائی جاتی ہے، تو آدمی کچھ چیز میں عادل ہوتا ہے اور کسی چیز میں فاسق، تو جب حاکم کے نزدیک یہ واضح ہوجائے کہ وہ جس معاملہ میں گواہی دے رہا ہے اس چیز میں وہ عادل ہے تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی اور اس چیز کے غیر میں اس کا فاسق ہونا مضر نہیں ہوگا، اور اس کی اصل وہ ہے جو محیط اور قنیہ میں مذکور ہے کہ جب آدمی خفیہ طور پر شراب نوشی کرتا ہو، اور انسانیت کا پاس ولحاظ رکھنے والا ہو تو قاضی کو اجازت ہے کہ اس کی گواہی قبول کرلے)، ابن القیمؒ کا یہ قول ان کی کتاب (الطرق الحکمیۃ:۱/۱۴۸، فصل فی الحکم بشہادۃ الفساق) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے: ''وَالشَّاهِدُ الْمَرْضِيُّ هُوَ الشَّاهِدُ الْعَدْلُ'' (وہ گواہ (جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ) جس پر لوگ راضی ہوں (یعنی فاسق نہ ہو) وہ شاہد عدل ہے)، پھر عدالت کی ماہیت کے بارے میں مشائخ کے اقوال ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قَالَ بَعْضُهُمْ: مَنْ لَمْ يُطْعَنْ عَلَيْهِ فِي بَطْنٍ وَلَا فَرْجٍ فَهُوَ عَدْلٌ؛ لِأَنَّ أَكْثَرَ أَنْوَاعِ الْفَسَادِ وَالشَّرِّ يَرْجِعُ إلَى هَذَيْنِ الْعُضْوَيْنِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: مَنْ لَمْ يُعْرَفْ عَلَيْهِ جَرِيمَةٌ فِي دِينِهِ فَهُوَ عَدْلٌ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: مَنْ غَلَبَتْ حَسَنَاتُهُ سَيِّئَاتِهِ فَهُوَ عَدْلٌ'' (بدائع الصنائع:۵/۴۰۲)۔ (بعض نے کہا کہ وہ شخص جس پر پیٹ یا شرمگاہ کے بارے میں طعن وتشنیع نہ کی گئی ہو (یعنی اس کا کسب حلال ہو اور پعفت وعصمت محفوظ ہو)، تو وہ عدل ہے، بعض نے کہا کہ وہ شخص جس کے دین میں اس کے کسی گناہ کا علم نہ ہو (یعنی ظاہر میں کبائر وصغائر سے بچتا ہو)، تو وہ عدل ہے، اور بعض نے کہا کہ وہ شخص جس کی اچھائیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں تو وہ عدل ہے)، اور اس اخیر کے بارے میں انہوں نے فرمایا کہ یہ ہمارے استاذ کے استاذ امام فخر الدین علی بزدوی کا پسند کردہ قول ہے۔

ابن قیم، اور امام بزدوی کے قول اور محیط وقنیہ کی عبارت سے یہ مفہوم اخذ ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان امور دینیہ کا اہتمام اور پابندی کرنے کے باوجود معصوم عن الخطاء نہیں ہوسکتا، اور دینداری اور دین میں سستی دونوں میں فرق مراتب اور تفاوت بین الناس پایا جاتا ہے، اور یہ ہر ایک دور کی حقیقت ہے اور اس میں اس قدر توسع ہے کہ اس کا لحاظ ہر دور میں کارآمد ہوسکتا ہے کہ آدمی اپنی شرافت ووجاہت کا پاس ولحاظ رکھتا ہو اور حتی الوسع گناہوں سے بچتا ہو تو یہ بھی عدل قرار پائے گا، اس کا شمار فساق میں نہیں کیا جائے گا۔

۲-فسق پر مرتب ہونے والے احکام:

فسق احکام الٰہی (شریعت) میں کوتاہی کا نام ہے، اس پر ایک حکم تو جزا وسزا کا ہے، اس کا تعلق اللہ تعالی کی صفت

انعام وانتقام سے ہے، دوسرا حکم بندوں سے تعلق رکھتا ہے کہ اس کی خبر یا شہادت قبول کی جائے یا نہیں، اس بارے میں کتاب اللہ نے ہماری رہنمائی فرمائی ہے، خبر کے بارے میں ارشاد ہے: ''يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ''(الحجرات:٦)۔ اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے، تو اس کی چھان بین کرلو، تحقیق کرلو، ایسا نہ ہو کہ نادانی میں تم کسی قوم کو مصیبت میں ڈال دو، پھر اپنے کئے پر نادم ہو)

اور شہادت وگواہی کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ'' (البقرۃ:۲۸۲)، مرد یا عورتوں سے ان کو گواہ بناؤ جن سے تم راضی ہو قبول کرتے ہو، نیز ''وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ'' (الطلاق:2)، اپنے میں سے عدل والوں کو گواہ بناؤ، مطلب یہ کہ خبر یا گواہی دینے والے فاسق نہ ہوں۔

قرطبیؒ نے لکھا ہے: ''وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ: كُلُّ مُسْلِمٍ ظَاهِرُ الْإِسْلَامِ مَعَ السَّلَامَةِ مِنْ فِسْقٍ ظَاهِرٍ فَهُوَ عَدْلٌ وَإِنْ كَانَ مَجْهُولَ الْحَالِ''(تفسیر قرطبی:۳/۳۹۵)، امام ابوحنیفہؒ نے کہا ہے کہ: بظاہر فسق سے محفوظ ہونے کے ساتھ ہر مسلمان جس کا مسلمان ہونا ظاہر ہو عدل ہے)۔

اور امام سرخسیؒ نے عدالت کو ظاہری اور باطنی میں تقسیم کیا ہے، اور عدالت باطنہ کے بارے میں کہا ہے: ''وَلَكِن كل من كَانَ مُمْتَنعا من ارْتِكَاب مَا يعْتَقد الْحُرْمَة فِيهِ فَهُوَ على طَرِيق الاسْتِقَامَة فِي حُدُود الدّين'' (اصول السرخسی ۱/۳۱۵)، اس کا علم نہیں ہو پاتا ہے مگر آدمی کے معاملات پر نظر رکھنے سے، اور اس میں تفاوت کی وجہ سے مکمل طور پر اس کی واقفیت ممکن نہیں، لیکن جو مسلمان پرہیز کرنے والا ہو اس فعل کے ارتکاب سے جس کی حرمت کا وہ اعتقاد رکھتا ہے تو وہ حدود دین میں استقامت کے راستہ پر ہے: ''وعَلى هَذِه الْعَدَالَة نَبْنِى حكم رِوَايَة الْخَبَر فِي كَونه حجَّة'' (حوالہ سابق)، اور ہم خبر کے حجت ہونے میں اس کی روایت کے حکم میں اسی عدالت پر بنیاد رکھتے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں: ''تو ہم نے جان لیا کہ علی الاطلاق عادل وہ شخص ہے جس کی دینداری اس کی نفسانی خواہشات پر راجح وغالب ہو اور جس امر کی حرمت کا وہ عقیدہ رکھتا ہے اپنے دین کی قوت سے وہ اس سے بچنے والا ہو'' (حوالہ سابق)، ''وَلِهَذَا قَالَ فِي كتاب الشَّهَادَات إِن من ارْتكب كَبِيرَة فَإِنَّهُ لَا يكون عدلا فِي الشَّهَادَة وَفِيمَا دون الْكَبِيرَة من الْمعاصِي إِن أصر على ارْتِكَاب شَيْء لم يكن مَقْبُول الشَّهَادَة'' (حوالہ سابق)، اور اسی لئے کتاب الشہادات میں کہا ہے کہ جس شخص نے کسی کبیرہ کا ارتکاب کیا تو وہ شادت و گواہی میں عدل نہیں قرار پائے گا، اور کبیرہ سے کمتر معاصی میں اگر کسی معصیت کے ارتکاب پر اصرار کرے گا تو اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

کسی عمل کا عبادت ہونا کتاب وسنت کے بیان پر موقوف ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''صَلُّوا كَمَا

رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي" (مسند شافعی:۱/۱۰۸)، نیز فرمایا: "خذوا عنی مناسککم" (ایضاً:۱/۳۵۰)، اسی لئے کہا گیا ہے کہ عبادات میں اصل حرمت ہے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ساتھ نزول احکام کا سلسلہ بند ہو گیا، اور شریعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث معتبر عدل وثقہ رواۃ کی صحیح روایات سے محفوظ ہو چکی ہیں، اور اس کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ کسی حکم کے اثبات کے لئے کسی فاسق کی روایت کا محتاج ہوا جائے، "فَإِن فِی الْعُدُول كَثْرَة يُمكن الْوُقُوف على معرفَة الحَدِيث بِالسَّمَاعِ مِنْهُم فَلَا حَاجَة إِلَى الِاعْتِمَاد على رِوَايَة الْفَاسِق فِيهِ" (اصول السرخسی:۱/۳۷۱)، اس لئے عبادات میں فاسق کی روایت قبول نہیں کی گئی، اور موجودہ حالات میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔

اور فاسق چونکہ مسلمان ہے، شریعت کا مکلّف ہے، اس کا عمل کرنا صحیح ہوگا، اسی لئے اگر اس کی اقتدا میں کسی نے نماز ادا کر لی تو مقتدی کی نماز بھی صحیح ہوگی، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ, وَصَلُّوا عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ" (سنن بیہقی ح ۶۸۳۲)، ہر نیک وبد کے پیچھے نماز ادا کر لو، اور ہر نیک وبد کی نماز جنازہ پڑھ لو)، گو کہ فاسق کو امام یا متولی مقرر کرنے سے احتراز کیا جائے گا، اس لئے کہ اس میں اس کا اکرام اور ایک طرح سے اس کی تشجیع لازم آتی ہے۔

روایت حدیث یا اثبات حکم شرعی کے علاوہ دیگر امور میں چونکہ وہ مسلمان ہے تحمل شہادت کی اہلیت بھی رکھتا ہے، لہذا اگر کسی موقع پر اس نے شہادت یا خبر دی، اور تحقیق کے بعد اس کی شہادت یا خبر کی صداقت پر احوال وقرائن کے پیش نظر ظن غالب اور اطمینان ہو تو اس کی شہادت یا خبر کو قبول بھی کیا جا سکتا ہے، یہ مبتلی بہ کی رائے پر مبنی ہے، جیسا کہ کشف الاسرار میں ہے: "لقوله تعالى: فتبينو، وَذَكَرَ فِي الْمَبْسُوطِ بَعْدَ بَيَانِ مَسْأَلَةِ إِخْبَارِ الْفَاسِقِ بِنَجَاسَةِ الْمَاءِ ثُمَّ بَيَّنَ أَنَّ مُحَمَّدٌ فِي الْفَاسِقِ وَالْمَسْتُورِ أَنَّهُ يُحَكَّمُ رَأْيُهُ فَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ صَادِقٌ يَتَيَمَّمُ وَلَا يَتَوَضَّأُ بِهِ؛ لِأَنَّ أَكْبَرَ الرَّأْيِ فِيمَا بُنِيَ عَلَى الِاحْتِيَاطِ كَالْيَقِينِ، وَإِنْ أَرَاقَهُ ثُمَّ تَيَمَّمَ كَانَ أَحْوَطَ وَإِنْ كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِهِ أَنَّهُ كَاذِبٌ تَوَضَّأَ بِهِ وَلَا يَتَيَمَّمُ..... حُكْمُ التَّوَقُّفِ فِي خَبَرِ الْفَاسِقِ مَعْلُومٌ بِالنَّصِّ وَفِي الْأَمْرِ بِالتَّيَمُّمِ هَاهُنَا عَمَلٌ بِخَبَرِهِ مِنْ وَجْهٍ فَكَانَ بِخِلَافِ النَّصِّ" (کشف الاسرار شرح اُصول بزدوی ۳/۲۱) (اور پانی کی نجاست کے بارے میں فاسق کی خبر کے مسئلہ کے بعد مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ پھر امام محمدؒ نے فاسق اور مستور کے بارے میں وضاحت فرمائی کہ وہ (مبتلیٰ بہ) اپنی رائے کو حاکم بنائے گا، اگر اس کی رائے کا رجحان اس جانب ہے کہ وہ سچا ہے تو تیمّم کرے گا اور اس سے وضو نہیں کرے گا، کیونکہ غالب رائے جو احتیاط پر مبنی ہو یقین کے مثل ہے، اور اگر اس (پانی) کو (پہلے) بہا دے پھر تیمّم کرے تو یہ احوط ہوگا، اور اگر اس کی غالب رائے یہ ہے کہ (پانی کی نجاست کی خبر دینے میں) وہ جھوٹا ہے تو وضو کرے گا تیمّم نہیں کرے گا ۔۔۔۔۔(وضو اور تیمّم دونوں کرنا اس لئے درست نہیں کہ) فاسق کی خبر کے بارے میں توقف کا حکم نص سے معلوم ہے، اور

یہاں تیمّم کا حکم دینے میں من وجہ اس کی خبر پر عمل کرنا ہے، اور یہ نص کے خلاف ہوگا)۔

معاملات میں فاسق کی خبر کو ضرورۃً قبول کیا گیا ہے، کیونکہ حوادث کا وقوع متجدد ہے، ہر موقع پر غیر فاسق موجود رہے لازم نہیں، لہٰذا اگر اس کی خبر کے ساتھ قرائن، اور ظن غالب سے اس کی تقویت ہو رہی ہو تو اسے قبول کر لیا جائے: ''**ثُمَّ فِي الْمُعَامَلَات جعل خبر الْفَاسِق مَقْبُولًا لأجل الضَّرُورَة أَيْضا فَإِن الْمُعَامَلَة تكْثر بَين النَّاس وَلَا يُوجد عدل يرجع إِلَيْهِ فِي كل خبر**'' (اصول السرخسی:۱/۳۷۱)۔

''**وَاتَّفَقَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلَى جَوَازِ قَبُولِ خَبَرِ الْفَاسِقِ فِي أَشْيَاءَ فَمِنْهَا أُمُورُ الْمُعَامَلَاتِ يُقْبَلُ فِيهَا خَبَرُ الْفَاسِقِ وَذَلِكَ نَحْوُ الْهَدِيَّةِ إذَا قَالَ إنَّ فُلَانًا أَهْدَى إلَيْك هَذَا يَجُوزُ لَهُ قَبُولُهُ وَقَبْضُهُ وَنَحْوُ قَوْلِهِ وَكَّلَنِي فُلَانٌ بِبَيْعِ عَبْدِهِ هَذَا فَيَجُوزُ شِرَاؤُهُ مِنْهُ**'' (احکام القرآن للجصاص:۵/۲۷۹)۔

''**(وَ) قُبِلَ (قَوْلُ فَرْدٍ، وَلَوْ كَافِرًا أَوْ أُنْثَى أَوْ فَاسِقًا أَوْ عَبْدًا فِي الْمُعَامَلَاتِ) لِأَنَّهَا تَكْثُرُ بَيْنَ أَجْنَاسِ النَّاسِ فَلَوْ شُرِطَ شَرْطٌ زَائِدٌ أَدَّى إلَى الْحَرَجِ فَقُبِلَ قَوْلُهُ مُطْلَقًا دَفْعًا لِلْحَرَجِ**'' (دررالحکام:۱۱/۱۳)۔

''**أَنْ يُقْبَلَ فِي الْمُعَامَلَاتِ خَبَرُ الْفَاسِقِ مُطْلَقًا وَلَا يُقْبَلُ فِي الدِّيَانَاتِ قَوْلُ الْفَاسِقِ وَلَا الْمَسْتُورِ إلَّا إذَا كَانَ أَكْبَرُ رَأْيِ السَّامِعِ أَنَّهُ صَادِقٌ**'' (البحرالرائق:۸/۲۲۷)۔

''قرافی نے سیاست کے باب میں کہا ہے کہ: بعض علماء نے یہ صراحت کی ہے کہ جب ہم کسی جہت میں نہیں پائیں گے مگر غیر عدول کو ہی تو ہم انھیں میں سے جو زیادہ صالح اور کم فجور والا ہوگا، اسی کو ان پر گواہی کے لئے کھڑا کریں گے، ۔۔۔۔۔ان کے بعض نے کہا: جب لوگ فاسق ہی ہوں گے مگر قلیل و نادر لوگ ہی، تو ان میں بعض کی شہادت بعض پر قبول کی جائے گی، اور فساق میں درجہ بدرجہ جو صالح ہوگا اس کی گواہی کا حکم کیا جائے گا، یہی وہ صحیح قول ہے جس پر عمل ہے ۔۔۔۔۔اور ائمہ مالکیہ میں سے اصبغ بن الفرج نے کہا ہے کہ جب حاکم کے سامنے فاسق آدمی گواہی دے گا تو فیصلہ کرنے میں توقف واجب ہوگا۔۔۔۔۔اور ابن قیم الجوزیہ حنبلی نے کہا ہے کہ مسئلہ کا راز یہ ہے کہ گواہی کی قبولیت اور اس کے رد کا مدار صدق کے غلبہ اور عدم غلبہ پر ہے'' (معین الحکام:۱/۱۱۷)۔

۳- رویت ہلال یا اختلافی معاملات میں ڈاڑھی نہ رکھنے والے کی شہادت:

مذکورہ بالا اقوال کی روشنی میں یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے، لیکن نماز روزہ کے پابند ہیں تو رویت ہلال کے سلسلہ میں یا اختلافی معاملات میں ان کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے، موجودہ دور کے حالات میں جب کہ

معاشرہ میں فسق عام ہے، امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ''وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْفَاسِقَ (إِذَا كَانَ وَجِيهًا) أَيْ ذَا قَدْرٍ وَشَرَفٍ (فِي النَّاسِ ذَا مُرُوءَةٍ) أَيْ إنْسَانِيَّةٍ .... (تُقْبَلُ) شَهَادَتُهُ؛ لِأَنَّهُ لَايُسْتَأْجَرُ لِوَجَاهَتِهِ وَيَمْتَنِعُ عَنْ الْكَذِبِ لِمُرُوءَتِهِ'' (العنایہ شرح ہدایہ ۷/ ۳۷۵، کتاب الشہادات)، یہ حقیقت واقعہ ہے، بہت سے لوگ جو داڑھی تو مونڈتے ہیں مگر نماز روزہ کی پابندی کرتے ہیں، جھوٹ بولنے سے یا معاملات میں ظلم وخیانت سے بچتے ہیں، اور اس کے برخلاف بھی ہوتا ہے کہ آدمی داڑھی تو پوری رکھتا ہے، مگر جھوٹ اور فریب سے کوئی پرہیز نہیں کرتا، ایسے حالات میں اگر کوئی اپنی شرافت اور وقار کا خیال رکھتا ہے، اس سے بعید ہے کہ چند سکوں کی اجرت پر جھوٹی گواہی دے کر اپنی شان وشرافت پر داغ لگائے گا، تو وہ اس قابل ہے کہ اس کی گواہی قبول کرلی جائے، ہلال رمضان کے بارے میں ہمارے مفتیان کرام کے فتاوی بھی موجود ہیں۔

۴- فاسق کو مسجد ومدرسہ کا متولی بنانا:

فاسق شخص کو مساجد، مذہبی ادارے یا تنظیموں کا ذمہ دار بنانے سے اجتناب اولی ہے، اگر اس کے ساتھ غیر فاسق اہلیت رکھتا ہو تو اس کی موجودگی میں فاسق کو ذمہ دار بنانا خلاف اولی ہے، لیکن اگر فاسق کو بنا ہی دیا گیا تو پھر اس کی اطاعت واجب ہوگی، شریعت میں انتشار وبغاوت کو پسند نہیں کیا گیا ہے، بلکہ ہر ممکن وحدت واجتماعیت کی تعلیم دی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**إن أُمّر عليكم عبد مجدع – حسبتها قالت: أسود – يقودكم بكتاب الله، فاسمعوا له وأطيعوا**'' (صحیح مسلم: باب وجوب طاعۃ الأمراء)، اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ اس کا بنانا مناسب نہیں، لیکن اگر بنا دیا جائے تو اس کی امارت محقق ہوگئی، اب اس کی اطاعت لازم ہے۔

۵- فسق فی العقیدہ اور اس کے احکام:

وہ امور جن کا تعلق عقیدہ سے ہے، مثلاً صفات ورویت باری، مرتکب کبیرہ کا مومن ہونا، شفاعت وغیرہ کے عقائد، ان امور میں اہل سنت والجماعت کے مذہب سے خروج کو فسق فی العقیدہ سے تعبیر کیا جائے گا، اس قبیل سے کئی ایک فرقے وجود میں آئے، جن میں بعض امور قطعیہ کے انکار کے باعث اسلام سے خارج قرار دیئے گئے، ان کو فرق باطلہ سے تعبیر کرتے ہیں، ان کی روایت حدیث کو قبول نہیں کیا گیا ہے، اور دیگر فرقوں کو اسلام سے خارج نہیں مانا گیا ہے، انھوں نے عقائد کے باب میں ثابت امور میں توجیہات وتاویلات سے کام لیا ہے، ان کو فرق ضالہ سے تعبیر کرتے ہیں، ان کی روایت حدیث کو قبول کیا گیا ہے، اور جب روایت حدیث کو قبول کیا گیا ہے تو معاملات میں بدرجہ اولی ان کی خبر وشہادت کو قبول

کیا جائے گا، لکونهم عدولاً۔

"وَلِهَذَا قُلْنَا صَاحب الْهوى إِذا كَانَ مُمْتَنعا عَمَّا يعْتَقد الْحُرْمَة فِيهِ فَهُوَ مَقْبُول الشَّهَادَة وَإِن كَانَ فَاسِقًا فِي اعْتِقَاده ضَالًّا لِأَنَّهُ بِسَبَب الغلو فِي طلب الْحجَّة والتعمق فِي اتِّبَاعه أَخطَأ الطَّرِيق فضل عَن سَوَاء السَّبِيل وَشدَّة اتِّبَاع الْحجَّة لَا تمكن تُهْمَة الْكَذِب فِي شَهَادَته وَإِن أَخطَأ الطَّرِيق وَكَذَلِكَ الْكَافِر من أهل الشَّهَادَة إِذا كَانَ عدلا فِي تعاطيه بِأَن كَانَ منزجرا عَمَّا يعْتَقد الْحُرْمَة فِيهِ إِلَّا أَنه غير مَقْبُول الشَّهَادَة على الْمُسلمين" (اصول السرخسی:۱/۳۵۱)، (اور اسی سبب سے ہم نے کہا کہ صاحب بدعت جبکہ بچنے والا ہو ان امور سے جن کی حرمت کا وہ اعتقاد رکھتا ہے، تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اگرچہ وہ اپنے اعتقاد کے سبب فاسق اور گمراہ ہو، اس لئے کہ وہ حجت کی طلب میں غلو اور اس کی اتباع میں (مبالغہ) گہرائی تک جانے کے سبب غلط راستہ پر چلا گیا اور سیدھے راستہ سے بہک گیا، اور حجت (دلیل) کی اتباع میں شدت اس کی گواہی میں کذب کی تہمت کو جگہ نہیں دے گی؛ اگرچہ اس نے راستہ اپنانے میں غلطی کی اور ایسے ہی کافر بھی شہادت کا اہل ہے، جبکہ وہ اپنے معاملات میں عادل و محتاط ہو، بایں طور کہ باز رہنے والا ہو ان امور سے جن کے حرام ہونے کا وہ اعتقاد رکھتا ہے، لیکن مسلمان کے خلاف گواہی میں وہ غیر مقبول ہے)۔

اسی کے مثل ابوبکر جصاصؒ نے لکھا ہے: "وَيُقْبَلُ قَوْلُ الْفَاسِقِ وَشَهَادَتُهُ مِنْ وَجْهٍ آخِرَ وَهُوَ مَنْ كَانَ فِسْقُهُ مِنْ جِهَةِ الدِّينِ بِاعْتِقَادِ مَذْهَبٍ وَهُمْ أَهْلُ الْأَهْوَاءِ فُسَّاقٌ وَشَهَادَتُهُمْ مَقْبُولَةٌ وَعَلَى ذَلِكَ جَرَى أَمْرُ السَّلَفِ فِي قَبُولِ أَخْبَارِ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ فِي رِوَايَةِ الْأَحَادِيثِ وَشَهَادَتِهِمْ وَلَمْ يَكُنْ فِسْقُهُمْ مِنْ جِهَةِ التَّدَيُّنِ مَانِعًا مِنْ قَبُولِ شَهَادَتِهِمْ" (احکام القرآن للجصاص:۵/۲۷۹)۔

بات سمجھ میں بھی آتی ہے کہ علی سبیل المثال معتزلہ و خوارج جو کبیرہ کے ارتکاب کو ایمان سے خروج کے مرادف مانتے ہیں، خبر یا گواہی دینے میں کذب بیانی یا کسی کبیرہ کا ارتکاب کیسے گوارا کریں گے۔

۶- فاسق کی توبہ اور اس کا حکم:

توبہ کا ایک حکم تو فیما بین العبد و بین اللہ ہے، اور اللہ سے امید و رجا تو عفو و درگزر کی ہی ہے، دنیوی معاملات میں فاسق کی توبہ کا یہ حکم ہے کہ محض توبہ کرتے ہی عادل قرار نہیں پائے گا، بلکہ انتظار کیا جائے گا کہ وہ توبہ کے موافق عمل بھی کرنے لگے، اور بستی والوں اور اصحاب امور کو اس پر اطمینان ہو جائے کہ وہ اپنے فسق سے باز آ چکا ہے، بعض علماء نے اس کے لئے ایک مدت کا

بھی ذکر کیا ہے، کسی نے چھ ماہ کسی نے ایک سال، مگر صحیح قول یہی ہے کہ وہ قاضی یا ذمہ داران کی صوابدید پر ہے: ''فِی الْجَوَاهِرِ إِذَا تَابَ الْفَاسِقُ قُبِلَ وَلَا يَكْفِي قَوْلُهُ تُبْتُ وَلَا إِقْرَارُ الْقَاذِفِ بِالْكَذِبِ بل لابد فِي كُلِّ فَاسِقٍ أَنْ يُسْتَبْرَأَ حَالُهُ مُدَّةً بِقَرَائِنِ الْأَحْوَالِ حَتَّى يَغْلِبَ عَلَى الظَّنِّ اسْتِقَامَتُهُ بِالْأَعْمَالِ الصَّالِحَاتِ وَحَدَّهَا بَعْضُ الْعُلَمَاءِ بِسَنَةٍ مِنْ حِين اظهار التَّوْبَة''، (الذخیرہ للقرافی المالکی: ۱۰/ ۲۲۴)، (جواہر میں مذکور ہے جب فاسق توبہ کرلے تو اس کی توبہ مان لی جائے گی، اور محض اس کا یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ میں نے توبہ کیا، اور نہ قاذف کا محض اقرار بالکذب کافی ہے، بلکہ ہر فاسق کے بارے میں لازم ہے کہ قرائن واحوال سے ایک مدت تک اس کے فسق سے بری ہونے کی معلومات حاصل کی جائے یہاں تک کہ اعمال صالحہ پر اس کی استقامت کا ظن غالب ہوجائے، اور بعض علماء نے اس کی حد اظہار توبہ سے ایک سال مقرر کی ہے)۔

۷-موجودہ دور میں قاطع یا حالق لحیہ کا حکم:

داڑھی کو بڑھانا امور فطرت سے ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے مجوس کے ساتھ تشبہ سے بچنے کے لئے بھی داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کترنے کا حکم دیا ہے، قرون ثلاثہ کے بعد بھی کسی اہل علم کے بارے میں یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے داڑھی مونڈی یا چھوٹی رکھی ہو، اس کے مونڈنے یا چھوٹی رکھنے پر کسی وعید کا ذکر تو نہیں ملتا، مگر مذکورہ بالا امور کی بنیاد پر اس کے سنت رسول ہونے سے تو انکار نہیں کیا جاسکتا، اور رسول کا طریقہ بھی دین کا ایک حصہ ہے جس کی خلاف ورزی علی الاقل گناہ صغیرہ قرار پاتی ہے، اور صغیرہ پر اصرار فسق کی ایک صورت ہے، دور جدید کے عرب ممالک کے اشتراکی نظام نے داڑھی پر پابندی لگائی، اس کے نتیجہ میں ابتداء وہاں کے علماء نے اپنی داڑھیاں چھوٹی کیں، اور بعد میں یہی رواج پا گئی، اور وجہ جواز کے لئے داڑھی کے سنن عادیہ ہونے کا قول کیا گیا، ہم ان کے اس قول کو لائق اعتناء سمجھ کر ان کے طریقہ کی ترویج کا سبب بنیں، اس سے آسان یہ ہے کہ ہم ان کے داڑھی کاٹنے یا مونڈنے کو فسق سے تعبیر کریں، ہاں اس فسق کی وجہ سے ہم ان کے غیر مقبول الشہادۃ ہونے کا قول نہیں کریں گے، اور نہ علی الاطلاق ان کو فاسق کہیں گے، اس کی تفصیلات اوپر گزر چکی ہیں۔

☆☆☆

موجودہ زمانہ میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری☆

اس سوالنامہ کے جوابات، درج ذیل اصطلاحوں کی تشریح وتوضیح پر منحصر ہیں:
فسق، عدالت، شہادت، لحیہ، لہٰذا ہر ایک کے بارے میں الگ الگ مختصراً لکھا جارہا ہے۔

فسق کی تعریف:

فسق لغۃً، طاعت وفرمانبرداری، دینداری اور راہِ مستقیم سے ہٹ جانے کا نام ہے، اور یہ ہٹ جانا اس درجہ میں پہنچ جائے کہ معصیت میں داخل ہوجائے، فسق گناہِ کبیرہ کے ارتکاب سے ہوتا ہے، ایسا گناہِ کبیرہ جو کفر وشرک تک نہ پہونچے، ورنہ آدمی کافر ومشرک ہوجائے گا، یعنی ایسا گناہِ کبیرہ، جو کفر وشرک کی حد سے باہر ہو، وہ فسق ہے (الموسوعۃ الفقہیہ: ۳۲/ ۱۴۰)۔

بالاجماع، فسق، حرام اور منہی عنہ ہے، کیونکہ وہ احکامِ الٰہی سے بغاوت ہے، اَوامر ونواہی کی مخالفت ہے، غضبِ الٰہی کو دعوت دینا ہے، رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے، کبھی کبھی ایسا شخص حد وتعزیر کا بھی مستحق ہوجاتا ہے (التفسیر الکبیر للفخر الرازی ۱۰/ ۷۴، الزواجر لابن حجر ۱/ ۵۰۴)۔

عدالت کی تعریف:

کبائر سے مستقلاً بچنا اور صغائر پر اصرار سے بچنا، ساتھ ہی ساتھ اداء فرائض وواجبات وسنن بھی ہو، اس کی نیکیاں، اس کے معاصی پر غالب ہوں، ''عدالت'' کی ضد ''فسق'' ہے اور ''فسق'' کی ضد ''عدالت'' ہے، جو ''فاسق'' ہو، وہ ''عادل'' نہیں ہوسکتا، جو ''عادل'' ہو، وہ ''فاسق'' نہیں ہوسکتا، فاسق کے احکام الگ ہیں، عادل کے احکام الگ ہیں۔

بدائع الصنائع میں ہے: ''**ومنها العدالة لقبول الشهادة على الاطلاق فإنها لا تقبل على الاطلاق دونها لقوله تعالىٰ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ والشاهد المرضى هو الشاهد العدل**'' (بدائع الصنائع ۶/ ۲۶۸)۔

☆ مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام مبارک پور، اعظم گڑھ

قبولِ شہادت کے احکام میں سے علی الاطلاق عدالت بھی ہے، اس لئے کہ بغیر عدالت کے شہادت مطلقاً قبول نہیں، اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ'' (جن شاہدوں سے تم راضی ہو) کی وجہ سے اور آدمی اسی شاہد سے راضی ہوگا جو عادل ہو۔

آگے لکھتے ہیں:

''**فقد اختلف عبارات مشائخنا رحمهم الله فی ماهية العدالة المتعارفة، قال بعضهم من لم يطعن عليه فی بطن ولا فرج فهو عدل لأن أكثر أنواع الفساد والشر يرجع إلىٰ هٰذين العضوين وقال بعضهم من لم يعرف عليه جريمة فی دينه فهو عدل وقال بعضهم من غلبت حسناته سيئاته فهو عدل..... وقال بعضهم من يجتنب الكبائر وأدّى الفرائض وغلبت حسناته سيئاته الخ**'' (بدائع الصنائع ۲۶۸/۶)۔

عدالتِ متعارفہ کی ماہیت وحقیقت کے بارے میں ہمارے مشائخ رحمہم اللہ کی عبارتیں مختلف ہیں، ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ عادل وہ ہے جس کے پیٹ اور شرمگاہ کے تعلق سے کوئی طعن نہ ہو، کیونکہ شر وفساد کے اکثر انواع انہی دونوں اعضاء کے تعلق سے ظہور پذیر ہوتے ہیں، بعض نے کہا کہ جس کے گناہ جانے نہ جائیں وہ عادل ہے، بعض نے کہا کہ جس کی نیکیاں، اس کی برائیوں پر غالب ہوں وہ عادل ہے، ۔۔۔۔۔ بعض نے کہا کہ جو کبائر سے پرہیز کرے، فرائض کو ادا کرے اور جس کی اچھائیاں، اس کی برائیوں پر غالب ہوں وہ عادل ہے۔

شہادت (گواہی):

شہادت یعنی گواہی لغۃً کسی چیز کی خبر دینا ہے مشاہدہ اور دیکھنے کی بنیاد پر، اور اصطلاحاً:

''**عبارة عن إخبار صادق فی مجلس الحكم بلفظ الشهادة**'' (عنایہ شرح ہدایہ علی ہامش فتح القدیر ۴۴۶/۶)۔

(مجلسِ حاکم میں، الفاظِ شہادت کے ذریعہ سچی خبر دینے کا نام شہادت ہے)۔

قبولِ شہادت کے لئے شاہد کا عادل ہونا شرط ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع کی عبارت گزر چکی، لیکن کیا کبھی کسی معاملے میں کسی غیر عادل کی بھی شہادت قبول کی جاسکتی ہے؟

ہدایہ میں ہے: ''**ولأن العدالة هی المعينة للصدق لأن من يتعاطى غير الكذب قد يتعاطاه وعن أبی يوسف أن الفاسق إذا كان وجيها فی الناس ذومروة تقبل شهادته لأنه لا يُستاجر لوجاهته ويمنع عن الكذب لمروته والأول أصح إلا أن القاضی لوقضیٰ بشهادة الفاسق يصح عندنا والمسئلة**

معروفة''(ہدایہ ۱۵۶/۳، کتاب الشہادۃ)۔

(کیونکہ عدالت، صدق کو متعین کر دیتی ہے، اس لئے کہ جو شخص کذب کے علاوہ کا مرتکب ہوگا، وہ کبھی کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوسکتا ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ ایسا فاسق جو لوگوں میں وجیہ ہو، مروت وانسانیت والا ہو، اس کی شہادت قبول کی جائے گی، کیونکہ وہ اپنی وجاہت کی وجہ سے پیسہ سے خریدا نہیں جاسکتا، اور اپنی مروت وانسانیت کی وجہ سے وہ جھوٹ سے بھی باز رہے گا، پہلا قول زیادہ صحیح ہے (کہ کسی بھی فاسق کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی)، البتہ اگر قاضی فاسق کی شہادت کے مطابق فیصلہ کردے تو ہمارے نزدیک فیصلہ صحیح ہوجائے گا، اور مسئلہ معروف ہے)۔

عنایہ میں ہے:''(**وإذا كان وجيهاً**) أى **ذا قدر وشرف** (**فى الناس ذامروءة**) أى **إنسانية**''(عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۴۵۵/۶)، (وجیہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو، شرف والا مانا جاتا ہو، اور مروت کا مطلب یہ ہے کہ انسانیت واخلاق والا ہو)۔

البحرالرائق میں ہے:''**وعن أبى يوسف أن الفاسق إذا كان وجيهاً فى الناس كمباشرى السلطان والمكسة وغيرهم تقبل شهادته لأنه لا يستاجر لشهادة الزور لوجاهته ويمتنع عن الكذب لمروته والأول أصح لأن هٰذا تعليل لمقابلة النص فلا يقبل**''(البحرالرائق ۶۳/۷)۔

(امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ فاسق جب لوگوں میں وجیہ ہو، جیسے بادشاہ کے مصاحبین اور ٹیکس وصول کرنے والوں وغیرہ میں سے ہو، تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی، کیونکہ جھوٹی شہادت کے لئے اسے کرایہ پر نہیں لیا جاسکتا، اور اپنی مروت وانسانیت کی وجہ سے وہ خود جھوٹ سے بچے گا، اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ یہ نص کے مقابلے میں علت تلاش کرنا ہے، لہٰذا قبول نہیں کی جائے گی)۔

بدائع الصنائع میں ہے:''**لكن الصدق لا يقف على العدالة لامحالة فإن من الفسقة من لايبالى بارتكابه أنواعاً من الفسق ويستنكف عن الكذب**''(بدائع الصنائع ۲۷۱/۶، کتاب الشہادۃ)۔

(لیکن صدق لامحالہ، عدالت پر ہی موقوف نہیں ہوتا، بعض فساق ایسے ہوتے ہیں، جو فسق کی مختلف انواع کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں، لیکن جھوٹ سے بچتے ہیں)۔

لحیہ (داڑھی):

داڑھی خصالِ فطرت میں سے ہے، اور اعفاءِ لحیہ (داڑھی کو بڑھانا) بالاتفاق شرعاً مطلوب ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۲۲۲/۳۵)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلیؒ لکھتے ہیں:"**وأما إعفاء اللحية فلا شک بأنه سنة مطلوبة لقوله صلى الله عليه وسلم خالفوا المشركين احفوا الشوارب وأوفوا اللحىٰ، جزوا الشوارب وارخوا اللحىٰ، خالفواالمجوس وروت عائشة عشر من الفطرة: قص الشارب وإعفاء اللحية والسواک۔۔۔۔** (الحدیث)۔

وعن ابن عمر عن النبی صلى الله عليه وسلم أنه أمر بإحفاء الشوارب وإعفاء اللحية"(الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/ ۵۶۸)۔

(بہرحال داڑھی کا بڑھانا،تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سنتِ مطلوبہ ہے،رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی وجہ سے کہ مشرکین کی مخالفت کرو،مونچھوں کو کتر واؤ، داڑھیاں بڑھاؤ، اور مونچھیں کٹواؤ اور داڑھیاں (بڑھنے کے لئے) چھوڑے رکھو، اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: مونچھ کاٹنا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا۔۔۔ الحدیث، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مونچھیں چھوٹی کرانے اور داڑھیاں بڑھانے کا حکم دیا ہے)۔

موچھیں کتروانے اور داڑھیاں بڑھانے کی یہ اور اس کے علاوہ متعدد احادیث صحیح مسلم کتاب الطہارت باب خصال الفطرۃ، بخاری کتاب اللباس باب تقلیم الأظفار، مسند بزار، شرح معانی الآثار، مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں موجود ہیں، اس مسئلہ پر بہت تفصیل کی ضرورت نہیں، بالکل معروف ومشہور مسئلہ ہے، یہاں ہم نے جان بوجھ کر علماء احناف کی کتابوں کا حوالہ نہیں دیا، بلکہ علماء عرب کا حوالہ دیا ہے، تاکہ داڑھی کے معاملے میں ان کی چوک بلکہ لاپروائی کو واضح کرسکیں، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب داڑھی اور انبیاءؑ کی سنتیں میں ائمہ اربعہ واصحابِ ظواہر کی تصریحات نقل کی ہیں کہ داڑھی کٹوانا حرام ہے، راقم سطور عرض کرتا ہے کہ داڑھی کو بڑھانے کے متعلق وارد احادیث، اس کے حَلق کی حرمت اور ائمہ اربعہ کی فقہ میں اس کی صراحت، یہاں تک کہ اصحابِ ظواہر کا بھی اسی کا قائل ہونا، داڑھی کو سنتِ ہدیٰ قرار دینے کی کافی ووافی دلیل ہے، اسے سنتِ زوائد، یا اہلِ عرب کی اصطلاح میں اسے سنتِ عادیہ قرار دینے کی ذرا بھی گنجائش نہیں ہے۔

سوالنامہ کے جوابات:

۱۔فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں ہے، البتہ راقم سطور کا خیال ہے کہ شوکانیؒ کی یہ تعریف ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر صادق آئے گی۔

۲۔موجودہ حالات میں بھی عبادات اور معاملات وغیرہ میں فسق پر وہی احکام مرتب ہوں گے، جو اس سے قبل مرتب ہوتے رہے ہیں، فاسق تحملِ شہادت کرسکتا ہے، ادائے شہادت نہیں کرسکتا (ہدایہ ۲/۳۰۶ کتاب النکاح)۔

۳۔جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے، لیکن نماز وروزہ کے پابند ہوں، اسی کے ساتھ ساتھ سماج میں ذی وجاہت، معزز، باوقار، انسانیت دوست، جھوٹ وفساد سے دور رہنے والے مانے اور سمجھے جاتے ہوں، رویتِ ہلال کے سلسلے میں ان کی شہادت قبول کرنے کی گنجائش، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق ملتی ہے، امام ابو یوسفؒ کا قول ہدایہ والبحر الرائق کی عبارات میں گزر چکا ہے۔

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند نے اپنے فقہی اجتماع منعقدہ ۲۵ تا ۲۶/اکتوبر ۲۰۰۰ء میں رویتِ ہلال کے ثبوت میں اسے قبول کرکے اسی کے مطابق تجویز وفیصلہ بھی لکھا ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

''قابلِ اعتماد، شہادت دینے والے ایسے مسلمان ہونے چاہئیں جو دیندار معلوم ہوں، ان کی بددینی معلوم نہ ہو، اور ایسا شخص جس کی شکل وصورت، وضع وقطع شریعت کے مطابق نہ ہو، لیکن وہ سنجیدہ اور باوقار ہو، جھوٹ بولنے کو خود اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہو، اس کی شہادت بھی تسلیم کی جاسکتی ہے'' (فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے اور تجاویز ص: ۶۴)۔

صرف نماز وروزہ کی پابندی یا حج وعمرہ سے کام نہیں چلے گا، امام ابو یوسفؒ کے قول میں جو ذی وجاہت اور ذی مروت کی قید ہے، اس کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہوگا، بہت سے نماز وروزہ وحج وعمرہ کرنے والے، وضع قطع اور شکل وصورت سے دیندار لگنے والے اس قدر جھوٹ وفساد میں ڈوبے رہتے ہیں کہ خدا کی پناہ، ہر کوئی اپنے آس پاس یا دور ونزدیک دیکھ سکتا ہے، مشاہدہ کرسکتا ہے۔

فاسق کی شہادت، تہمتِ کذب کی ہی وجہ سے رد کی جاتی ہے، لہٰذا تہمتِ کذب سے بری ہونا، اور اس کا اطمینان کرلینا، ضروری ہے۔

''**والفاسق إنما ترد شهادته بتهمة الكذب**'' (ردالمحتار علی الدر المختار ۸/۱۸۸ کتاب الشہادۃ، مطبوعہ عالم الکتب ریاض)۔

۴۔مساجد، مدارس، دینی تنظیموں واداروں کے ایسے منتظمین، جو قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق وجوہِ فسق سے خالی نہ ہوں، ان کا حکم، ان اداروں وتنظیموں کے خادمین یا تنظیم کے افراد کے لئے واجب الاطاعت ہوگا، بشرطیکہ کسی معصیت کا حکم نہ دیں، اگر معصیت کا حکم دیں گے تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''**لا طاعة فی معصية انما الطاعة فی المعروف**'' (مشکوۃ المصابیح ۲/۳۱۹، بحوالہ بخاری ومسلم)۔

جب امامتِ کبریٰ یعنی مسلمانوں کے امیر اور خلیفہ کے لئے عادل ہونا شرط نہیں، تو مذکورہ اداروں وتنظیموں کے

منتظمین کے لئے یہ شرط کیسے ہوجائے گی، اولیٰ اور بہتر ہونا الگ بات ہے، جائز ہونا الگ ہے، اور جب مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ، فاسق ہونے کے باوجود، واجب الطاعت ہوتا ہے، جب تک وہ معصیت کا حکم نہ دے، یہی معاملہ یہاں بھی ہوگا۔

ردالمحتار میں ہے:''**وعند الحنفية ليست العدالة شرطاً للصحة فيصح تقليد الفاسق الإمامة مع الكراهة وإذا قلد عدلاً ثم جار وفسق لا ينعزل ولكن يستحق العزل إن لم يستلزم فتنة**''(ردالمحتار علی الدرالمختار ۲/ ۲۸۲، ۲۸۳)۔

(حنفیہ کے نزدیک، صحتِ (امامتِ کبریٰ) کے لئے عدالت شرط نہیں ہے، پس کراہت کے ساتھ، فاسق کو امامتِ کبریٰ تفویض کی جاسکتی ہے، اور جب امام بنایا تھا تو عادل تھا، پھر ظلم وفسق میں مبتلا ہوگیا تو معزول نہیں ہوگا، لیکن مستحقِ معزولی ہوجائے گا، اگر ایسا کرنے میں فتنہ پیدا نہ ہو)۔

۵۔فسق فی العقیدہ سے مراد اہلِ بدعت اور اہلِ ہوا ہیں۔

درمختار میں ہے:''**(ومبتدع) أى صاحب بدعة وهى اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول لابمعاندة بل بنوع شبهة**''(الدرالمختار علی ردالمحتار ۲/ ۲۹۹)۔

(اور مبتدع یعنی صاحبِ بدعت (کی امامت مکروہ ہے)، مبتدع کا مطلب یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے منقول نیکیوں کے خلاف کا عقیدہ رکھتا ہو، لیکن عداوت کی وجہ سے نہیں، بلکہ کسی نوع کا شبہ ہونے کی وجہ سے)۔

اور ردالمحتار میں ہے:''**قوله (لابمعاندة) أما لو كان معانداً للأدلة القطعية التى لا شبهة له فيها أصلاً كإنكار الحشر أو حدوث العالم ونحو ذالک فهو كافر قطعاً**''(حوالۂ مذکورہ)۔

صاحبِ درمختار کا قول لابمعاندۃ سے مراد یہ ہے کہ اگر ادلۂ قطعیہ، جن میں بالکل ہی کوئی شبہ نہیں، ان سے عناد کی وجہ سے اگر مخالف اعتقاد رکھے گا، جیسے حشر یا حدوثِ عالم وغیرہ کا انکار، تو وہ قطعی طور پر کافر ہوجائے گا۔

جو لوگ اعتقادی اعتبار سے فاسق ہوں، اگر یہ اطمینان ہو کہ وہ جھوٹ سے بچتے ہیں، تو ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔

درمختار میں ہے:''**(تقبل من أهل الهواء) أى أصحاب بدع لاتكفر كجبر وقدر ورفض وخروج وتشبيه وتعطيل الخ**''(الدرالمختار علی ردالمحتار ۸/ ۱۸۸)۔

(اہلِ ہَوا کی شہادت قبول کی جائے گی، یعنی ایسے اہلِ بدعت کی شہادت، جو کافر نہ ہوگئے ہوں، جیسے جبریہ، قدریہ، رافضی، خارجی، اہلِ تشبیہ واہلِ تعطیل وغیرہ)۔

۶۔اگر فاسق زبان سے توبہ کرلے، لیکن وہ ابھی اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے، تو اس کی دو صورتیں بنیں گی:

الف: ابھی عمل پیرا ہونے کی نوبت ہی نہیں آئی، تو یقیناً اس کی توبہ، اخروی اعتبار سے بھی قابلِ قبول مانی جائے گی اور دنیاوی احکام میں بھی قابلِ قبول ہوگی، دل کا حال جاننے کے ہم مکلّف نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''**التائب من الذنب كمن لا ذنب له**'' (مشکوۃ المصابیح ۱/ ۲۰۶ بحوالہ ترمذی وبیہقی) (گناہ سے توبہ کرنے والا، ایسا ہے جیسے اس نے گناہ ہی نہیں کیا)۔

ب: عمل پیرا ہونے کی نوبت آئی، لیکن توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا، تو یہ توبہ ہی نہیں، صرف زبانی جمع خرچ ہے۔

۷۔ جو عرب علماء، داڑھی کو سنتِ عادیہ یا سنتِ زوائد میں شمار کرتے ہیں اور ان میں کے بہت سے اہلِ علم بھی اسی کے قائل ہیں، اسی طرح جو اہلِ علم داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے، اور ان کا یہی مسلک ہے، اگر وہ داڑھی نہ رکھیں یا بہت چھوٹی رکھیں، تو ہم ان پر اپنا مسلک وعرف مسلط نہیں کریں گے، بلکہ وہ اپنے علاقے اور اپنے حلقۂ اثر میں جو سمجھے جاتے ہوں، اسی کے مطابق ہم بھی، ان کے متعلق فیصلہ کریں گے، مسلک اور مذہب، دوسرے پر مسلط کرنے کے لئے نہیں ہوتا، زیادہ سے زیادہ ہم اپنی بات ان سے کہہ سکتے ہیں، اپنے دلائل ان کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔

انہیں ہم اہلِ ہَوا اور اہلِ بدعت کی طرح بنوعِ شبہۃ ہمارے مسلک کے خلاف سوچ رکھنے والے شمار کریں گے۔

احناف کے نزدیک ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے، اس سے بڑھ جانے پر کتروانے کی گنجائش ہے، یہ بات داڑھی سے متعلق مسائل کی ساری کتابوں میں درج ہے، لیکن درمختار میں ہے:

''**ولابأس بنتف الشيب وأخذ أطراف اللحية والسنة فيه القبضة**'' (الدرالمختار علی ردالمحتار ۹/ ۵۸۳)۔

(سفید بالوں کے نوچنے اور داڑھی کے اَطراف کو لینے میں کوئی حرج نہیں، اور سنت داڑھی میں ایک مشت ہے)۔

ردالمحتار میں ہے: (**قوله (والسنة فيه القبضة) وهو أن يقبض الرجل لحيته ومازاد منها علىٰ قبضة قطعهٗ كذا ذكره محمد فی كتاب الآثار عن الإمام قال وبه نأخذ محيط**'' (حوالۂ مذکورہ)۔

(صاحبِ درمختار کا قول سنت داڑھی میں ایک مشت ہے اور وہ یہ کہ آدمی اپنی داڑھی کو پکڑے اور ایک مشت سے جتنا زائد ہو، اسے کاٹ دے، ایسے ہی امام محمدؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی کتاب الآثار سے ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں)۔

کیا اِن عبارات کی روشنی میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے اور داڑھی کی ایک مشت کی مقدار سنت ہے؟ نہ اس سے بڑی داڑھی سنت ہے، نہ اس سے چھوٹی سنت ہے؟ لیکن فی نفسہٖ داڑھی واجب ہے، ایک مشت کی داڑھی واجب نہیں، سنت ہے۔

درمختار کتاب الصوم میں ہے:"**لایکرہ.... أو تطویل اللحیة إذا کانت بقدر المسنون هو القبضة ..... وأما الأخذ منها وهی دون ذالک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه أحد و أخذ کلها فعل یهود الهند ومجوس الأعاجم**"(درمختار ۳/۳۹۷)۔

(مکروہ نہیں ہے۔۔۔۔داڑھی کو لمبا کرنا جب کہ مقدارِ مسنون کے برابر ہو، جو کہ وہ ایک مشت ہے۔۔۔بہر حال ایک مشت سے کم ہونے کی صورت میں داڑھی کٹوانا، جیسا کہ بعض مغربی لوگ اور مخنث قسم کے لوگ کرتے ہیں، اس کو کسی نے بھی مباح نہیں کہا، اور پوری داڑھی کٹوانا، ہندوستان کے یہود (ہنود)، اور عجم کے مجوسیوں کا فعل ہے)۔

اس سلسلے میں مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بوادر النوادر حصہ دوم کا ایک عنوان ہے:

"**نادره در إجماع بر حرمت أخذ لحیه دون القبضه**"۔

اس میں تنقیح فتاویٰ حامدیہ کی اسی سے ملتی جلتی عبارت نقل کرنے کے بعد حضرت تھانویؒ لکھے ہیں:

"**قلت (الأحقر) قوله لم یبحه أحد نص فی الإجماع**" (بوادر النوادر ۲/ ۴۴۳، مطبوعہ مکتبہ جاوید دیوبند)۔

(میں کہتا ہوں مذکورہ قول **لم یبحه أحد** (اسے کسی نے بھی مباح نہیں کہا) اجماع ہونے میں صریح ہے)۔

گویا ایک مشت داڑھی واجب ہونے کا ثبوت اجماع سے ہے۔

واللہ أعلم بالصواب

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب احکام

مولانا حفیظ الرحمٰن اعظمی مدنی ☆

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين، والصلوة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وأصحابه، ومن تبعهم بإحسان واقتدى بقدوتهم واتبع آرائهم إلى يوم الدين۔أما بعد:

تمہید:

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور ہمہ گیر بھی ہے، تا قیامت باقی رہنے کے لیے اس کو دنیا میں بھیجا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ'' (آل عمران)، ''وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ'' (آل عمران)، اور باری تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دین اسلام کو بھیجا تو ان کی شان اقدس میں ارشاد فرمایا: ''قُلْ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ'' (سورۃ الاعراف)، اس میں الناس اور جمیعا دونوں کلمات خصوصاً قابل توجہ اور اہم ہیں، دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا'' (سورہ سبا)، چناں چہ اس کے شرعی احکام بھی عدل واستحکام پر مبنی ہیں، نہ تو اس میں کسی کے ساتھ حق تلفی اور زیادتی ہے اور نہ ہی اس کے احکام معیار اخلاق سے کسی طرح ساقط ہیں۔

اسی لیے احکام شرعیہ میں عادل ہونے اور فاسق نہ ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے، چاہے وہ عبادات سے متعلق ہوں، معاملات میں سے ہوں، یا اخلاق ومعاشرت سے تعلق رکھتے ہوں، اگرچہ فقہاء کرام کے درمیان اس میں اشدیت واضعفیت کا اختلاف ہو؛ لیکن بہر حال لحاظ ضرور کیا گیا ہے، اگر ایک طرف سدّ ذرائع کے طور پر اسلام میں بہت سے احکامات مشروع ہیں، جیسے تصویر سازی کی حرمت اور متعلقات شراب کی حرمت وغیرہ، تو دوسری طرف اضطرار کے وقت حرام چیزوں کی حلت اور اسی طرح فقہاء کا اصول ہے: ''الضرورات تبیح المحظورات'' وغیر ذلک، اسی طرح عموم بلویٰ کی

☆ استاذ: مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد، مئو (یوپی)

وجہ سے بہت سی چیزوں میں رخصت دی گئی ہے۔

ان ہی تمہیدی وجوہات کی بنا پر علماء متقدمین اور اصولیین نے فسق وفجور کی جو حدود متعین کی ہیں، حالات وکوائف کی روشنی میں اس میں تخفیف ہوسکتی ہے، ورنہ بسا اوقات اس سے بچنا مشکل ہوگا۔

فسق کا معنی اور اس کی تعریف:

فسق کا لغوی معنی نکلنا، جیسے کلام عرب میں بولا جاتا ہے: ''**فسقت الرطبة عن قشرها**'' (کھجور اپنے چھلکے سے باہر نکل گئی)، اور اسی طرح بولا جاتا ہے: ''**فسقت الفأرة عن جحرها**'' (چوہیا بل سے باہر نکل گئی)، اور شریعت میں اطاعت خداوندی سے باہر نکلنے کے معنی میں ہوتا ہے، جیسے: اللہ تعالیٰ کا قول: ''**ففسق عن أمر ربه**''، گویا فاسق کے معنی رب کا نافرمان وگنہگار ہونا ہے۔

شریعت میں فاسق اس شخص کو کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں ملوث رہے، شریعت کے بعض یا تمام احکامات کو پس پشت ڈال کر عملی کوتاہی کرے، اور جو کبائر کا مرتکب ہو یا صغائر پر اصرار کرتا ہو، اور فاجر سے مراد یہ ہے کہ وہ خلاف شرع کاموں میں مبتلا ہوکر توبہ کا ارادہ کرتے ہوئے بھی توبہ نہ کرے، انجام کے اعتبار سے فاسق وفاجر معنی میں قریب قریب ہیں (المفردات فی غریب القرآن ج:۱،ص:۶۲۶)، قولہ تعالیٰ: ''**بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ**'' (سورہ قیامہ)، ''**أی يريد الحياة ليتعاطى الفجور فيها، وقيل معناه ليذنب فيها، وقيل معناه يذنب ويقول غدا أتوب ثم لايفعل فيكون ذلك فجورا، لبذله عهدا لايفى به، وسمى الكاذب فاجرا لكون الكذب بعض الفجور**'' (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۱/ ۳۰۳)۔

فسق کا حکم مکلّف کے اعتبار سے:

''**الفسق حرام ومنهى عنه بإجماع المسلمين؛ لأنه خروج عن أحكام الله ومخالفةلأوامره ونواهيه، ويعاقب صاحبه بالحد أو التعزير**'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳۲/ ۱۴۱)۔

قرآن وحدیث میں فسق کا کوئی قطعی مفہوم نہیں متعین کیا گیا ہے، ہر زمانے کے احوال واخلاق مختلف ہوتے ہیں اور ان میں تفاوت ہوتا ہے؛ اس لیے فقہاء کے نزدیک فسق کا مفہوم اور فاسق کا مصداق متعین کرنے میں اختلاف ہے، علامہ کاسانیؒ نے ان اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے:

(الف) عادل وہ ہے کہ جس کے کسب اور عفت وعصمت پر انگلی نہ اٹھائی گئی ہو، (ب) دینی امور میں جس کی نسبت

سے کوئی جرم معروف نہ ہو، (ج) جو کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتا ہو اور فرائض کو ادا کرتا ہو، (د) جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں، وہ عادل ہے" **من غلبت حسناته سيئاته**" (أصول الفقہ للزحیلی ۱/ ۱۰۷، بحوالہ قاموس الفقہ ۴/ ۴۵۳، ۴۵۴)۔

اسی طرح بعض ائمہ سے یہ بھی منقول ہے: عادل وہ ہے جو فرائض وواجبات کی ادائیگی کے ساتھ کبائر سے اور صغائر پر اصرار سے اجتناب کرتا ہو اور ایسا کوئی کام نہ کرے جو اس کی ثقاہت کو مجروح کرے، مثلاً عام گزرگاہ پر بیٹھ کر پیشاب کرنا اور بازار میں چلتے پھرتے کوئی چیز کھانا، اب جو عادل نہیں ہوگا وہ فاسق کہلائے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے اور حدود شرعی کو توڑنے والا بھی فاسق کہلاتا ہے، اللہ کی نافرمانی دو طرح کی ہے: ایک کلی اور دوسری جزوی، کلی اور واضح نافرمانی کفر ہے، جس میں کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کو درست جانتا ہے، جب کہ جزوی نافرمانی فسق ہے، جس میں ایک شخص دین الٰہی اور شریعت محمدی کی تصدیق بھی کرتا ہے؛ مگر خواہشات نفس میں پڑ کر شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی بھی کر دیتا ہے؛ مگر اس کے دل میں یہ یقین ہوتا ہے کہ یہ حکم عدولی غلط اور ناجائز ہے، ایسا کرنے والے کو فاسق کہتے ہیں۔

قواعد الفقہ میں ہے: "**الفسق في اللغة عدم إطاعة أمر الله، وفي الشرع ارتكاب المسلم كبيرة قصدا أو صغيرة مع الإصرار عليها بلا تأويل**" (قواعد الفقہ ۱/ ۴۱۲)۔

قرآن مجید نے بسا اوقات کفر کو بھی فسق کہا ہے اور کئی مقامات پر الگ نافرمانی کے معنی میں بھی بیان فرمایا ہے، سورۂ حجرات میں ہے:

"**وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ**"

دوسری جگہ سورۂ سجدہ آیت نمبر ۲۰ میں فسق کفر کے معنی میں ہے: "**وَ اَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ**"۔

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں سمجھ میں آتا ہے کہ فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں کی جاسکتی؛ اسی لیے قرآن وحدیث کی روشنی میں مختلف تعریفیں کی گئیں ہیں؛ کیوں کہ یہ عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف ہیں، ورنہ بسا اوقات اعمال شرعیہ کی ادائیگی میں خلل واقع ہوگا، خاص کر آج کے ماڈرن دور میں اور مغربیت زدہ خطوں میں، جہاں بہت لوگوں کے دلوں میں عشق الٰہی اور نبوی موجزن ہوتا اور اعمال شرعیہ کی پابندی بھی ان کے اندر پائی جاتی ہے؛ لیکن ماحول میں آزادی کی وجہ سے ظاہری شکل وصورت میں فرق ہوتا، جیسے لباس اور داڑھی، تہذیب وتمدن وغیرہ۔

عبادات میں فسق پر مرتب ہونے والے احکام:

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دینی امور میں کھلم کھلا مخالفت کی وجہ سے فاسق کا اعتبار کم ہوجاتا ہے اور دین میں اس کی

اہمیت ووقعت کم ہوجاتی ہے؛ اسی لیے فاسق کے پیچھے نماز تو ہوجاتی ہے؛ لیکن مکروہ ہوتی ہے، اور حنابلہ کے نزدیک تو فاسق کے پیچھے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے؛ اس لیے کہ ان کے نزدیک عادل ہونا شرط ہے، سوائے جمعہ وعیدین کے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۲۰۰، للدکتور وہبۃ الزحیلی، دارالفکر دمشق) اور احناف کے نزدیک مکروہ ہے: ''**تكره إمامة بعض الأشخاص الآتية وهم: الفاسق العالم، ولو لمثله عند المالكية والشافعية والحنابلة، لعدم اهتمامه بالدين، واستثنى الحنابلة صلاة الجمعة والعيد، فتصح إمامته للضرورة، وأجاز الحنفية إمامته لمثله، ودليل الكراهة ما روى ابن ماجة عن جابر عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: لاتؤمَّنَّ امرأة رجلاً، ولاأعرابى مهاجراً، ولا يؤمن فاجر مؤمناً إلا أن يقهره بسلطان يخاف سيفه أو سوطه، وإنما صحت إمامته، لما روى الشيخان: أن ابن عمر كان يصلى خلف الحجاج، وروى صلوا خلف كل بر وفاجر .بحوالة على الحاشية: أخرجه الدارقطنى عن أبى هريرة، وهو حديث منقطع**'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۲/ ۱۲۰۶، الموسوعۃ الفقہیۃ ۶/ ۳۶، بحوالۃ حدیث صلوا خلف کل بر وفاجر، أخرجہ أبوداؤد ۱/ ۳۹۸، ط: عزت عبید دعاس، والدارقطنی ۲/ ۵۶ دارالمحاسن)۔

حکومت وسیاست میں فسق پر مرتب ہونے والا حکم:

''**وعند جمهور الفقهاء لا يجوز أن تعقد الإمامة لفاسق، لأن الإمام يقام لإقامة الحدود واستيفاء الحقوق، وحفظ أموال الأيتام والمجانين، والنظر فى أمورهم، إلى غير ذلك، وما فيه من الفسق يقعده عن القيام بهذه الأمور والنهوض فيها**'' (بحوالۃ تفسیر القرطبی ۱/ ۲۳۲، أحکام القرآن للجصاص ۱/ ۱۰، الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۲/ ۱۴۲)۔

''**أثر الفسق فى الشهادة: اتفق الفقهاء على اشتراط العدالة فى الشاهد، وأنه لا تقبل شهادة الفاسق، لقوله تعالى: (وأشهدوا ذوى عدل منكم) ولقوله تعالى: (يا أيها الذين آمنوا إن جائكم فاسق بنبإ فتبينوا) ، فلا يجوز الحكم بها لأن فى الحكم بها تعديلا له، ولأن اعتبار العدالة فى الشاهد حق لله**'' (الفتاوی الخانیۃ ۲/ ۴۶۰)۔

''**أثر الفسق فى المعاملة: نص الجصاص فى كتابه أحكام القرآن على أن أهل العلم اتفقوا على جواز قبول خبر الفاسق فى أشياء، منها: أمور المعاملات، فيقبل فيها خبر الفاسق، وذلك نحو الهدية إذا قال لك: إن فلانا أهدى إليك هذا، فيجوز قبوله وقبضه، ونحو قوله: وكلنى فلان ببيع كذا، فيجوز قبوله وشراؤه منه، وكذلك جميع أخبار المعاملات**'' (بحوالۃ أحکام القرآن للجصاص ۳/ ۳۹۸۔ ط:

الآستانۃ، الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۲/ ۱۴۳، ۱۴۴)، **وذهب الحنفية والمالكية إلى أن الفاسق يكون وليا فى النكاح على موليته**" (الموسوعۃ ۳۲/ ۱۴۴)۔

داڑھی نہ رکھنے والوں کی گواہی:

جولوگ داڑھی نہیں رکھتے ،لیکن نماز، روزہ اور دیگر عبادات کے پابند ہیں،تو رؤیت ہلال میں یا اختلافی معاملات میں ان کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ ان کا کذب مشہور نہ ہو، یا کذب سے توبہ کرلیا ہو؛ اس لیے کہ موجودہ دور میں ساری چیزوں کی پابندی کے باوجود ماحول اور معاشرت کے اثر سے بہت لوگ داڑھی نہیں رکھتے ،گویا عموم بلویٰ پایا جاتا ہے؛ لہٰذا ان کا داڑھی نہ رکھنا قبول شہادت سے مانع نہیں بنے گا، ورنہ بسا اوقات آج کے حالات میں مسئلے کا حل مشکل ہوجائے گا۔

ایسے لوگ جو فقہاء کے نزدیک وجوہ فسق سے خالی نہیں ہیں،ان کو مساجد یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار نہیں بنانا چاہیے؛اس لیے کہ یہ امامت کبریٰ یعنی بادشاہت کی ایک ذیلی صورت ہے،جس کی دلیل حکومت سے متعلق فسق پر مرتب حکم کے ذیل میں گزری ہے؛لیکن اگر معاشرہ کے اندر ایسے لوگوں کے علاوہ کوئی ذمہ دار بنانے کے لائق نہ ہو اور اخلاق ووقار اور اثر ورسوخ کی بنا پر بنادیا گیا تو پھر اس کی اطاعت واجب ہوگی، بشرطیکہ شرعاً ناجائز چیز کا حکم نہ دیں، ارشاد باری ہے:

"**يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ**" (سورۃ النساء آیت نمبر ۵۹)۔

(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحب اختیار ہوں ان کی بھی)، اولوالامر سے مفسرین کے مطابق مسلمان حکام، امراء، علماء وفقہاء مراد ہیں، جائز امور میں ان کے احکام کی اطاعت اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ کسی ایسی بات کا حکم نہ دیں جو شرعاً جائز نہ ہو، مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ میں اولوالامر سے علماء اور حکام دونوں کی اطاعت مراد ہے؛ اس لیے اس آیت کی رو سے فقہی تحقیقات میں فقہاء کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام وامراء کی اطاعت واجب ہوگی (معارف القرآن مفتی محمد شفیع صاحب ۲/ ۴۵۲، مکتبہ مصطفائیہ دیوبند)۔

فسق فی العقیدہ کا بیان:

فسق فی العقیدہ سے مراد اعتقاد کے اندر گمراہ فرقوں (خوارج، قدریہ اور مرجئہ وغیرہ) کے وہ بدعتی اقوال ہیں جو شرعی دلائل کے بالکل خلاف ہیں اور اعتقاد کو کمزور اور خراب کرتے ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں تاویل، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "**وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا**

يَعْمَلُوْنَ'' (سورۃ الاعراف)، (اللہ ہی کے لیے ہیں اچھے نام تو تم پکارو اس کو ان ہی ناموں سے اور چھوڑ دیجیے ان لوگوں کو جو اللہ کے اسمائے حسنی میں الحاد یعنی کج روی کرتے ہیں، ان کو ان کی کج روی کا بدلہ مل جائے)، دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وَ لَاتَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ'' (سورۃ ہود)، تفسیر قرطبی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کفر اور اہل معصیت اور اہل بدعت کی صحبت سے اجتناب و پرہیز واجب ہے، بجز اس کے کہ کسی مجبوری میں ملنا پڑے (معارف القرآن ۴/ ۶۷۳)۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے صفات میں جو لوگ تاویل کرتے ہیں، وہ فسق اعتقادی میں مبتلا ہیں، جیسے اللہ کے لیے ہاتھ، آنکھ، چہرہ کا ذکر ہے، تو اہل ایمان ان کو بغیر تاویل کے تسلیم کرتے ہیں اور اس کے برعکس فسق عقیدہ کے حاملین گمراہ فرقہ والے اس میں تاویلیں کرتے ہیں اور مخلوق کے اعضاء سے تشبیہ دیتے ہیں؛ لہذا ان سے علاحدہ رہنا اور ان کی ادنی سا میلان بھی نہ رکھنا ضروری ہے، ورنہ اختلاط کے اثر سے آدمی فکری طور پر متأثر ہونے لگتا ہے اور اگر ذرا سا آزاد ذہن کا آدمی ہے تو عقیدہ کی کمزوری تک متعدی ہو جاتا ہے۔

فاسق کی زبانی توبہ بغیر عملی اصلاح کے قابل قبول نہیں، ارشاد باری ہے: ''وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' (سورۃ النور)، اس آیت میں فاسقون سے استثناء میں توبہ اور اصلاح عمل دونوں کو بیان کیا گیا ہے، امام کاسانی نے لکھا ہے کہ اگر ایک آدھ بار دروغ گوئی میں مبتلا ہوا اور پھر توبہ کر لی تو شہادت قبول کی جائے گی، کیوں کہ اگر ایسوں کی گواہی قبول نہ کی جائے تو گواہی کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا: ''لأنه قل ما يخلو مسلم عن ذلك، فلو منع القبول لانسد باب الشهادة'' (قاموس الفقہ ۴/ ۴۵۴، بحوالہ اصول فقہ للزحیلی ۱/ ۱۰۷)۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہری عدالت قبول شہادت کے لیے کافی ہے، صاحبین کے نزدیک محض ظاہری عدالت کی بنا پر گواہی قبول نہیں کی جا سکتی (قاموس الفقہ ۴/ ۴۵۴، بحوالہ بدائع ۶/ ۲۷۰)۔

گواہی کے بارے میں فقہاء کا اتفاق ہے کہ فاسق کی گواہی قابل قبول نہیں، البتہ فقہاء حنفیہ نے تحمل شہادت اور ادائے شہادت میں فرق کیا ہے کہ تحمل شہادت کے لیے فسق مانع نہیں ہے، جیسے نکاح میں شہادت اور ادائے شہادت کے لیے فسق مانع ہے (قاموس الفقہ ۴/ ۴۵۴، بحوالہ بدائع ۶/ ۲۶۶)۔

داڑھی نہ رکھنے یا چھوٹی رکھنے کا حکم:

عرب ملکوں میں دینی مسلک کے سلسلے میں بہت آزادی اور مغربیت سے متأثر ہونے کا ماحول پایا جاتا ہے، اس تناظر

میں داڑھی رکھنے کا مسئلہ بڑا اہم ہے، کیوں کہ وہاں بہت سے علماء داڑھی سنن عادیہ میں سے مان کر نہیں رکھتے ہیں یا چھوٹی رکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعمال جن کا اختیار کرنا بطور عادت تھا ان کو سنن زوائد، سنن عادیہ اور امور عادیہ کہا جاتا ہے، مثلاً کپڑا پہننے اور کھانا کھانے کا طریقہ وغیرہ اور وہ اعمال جو عبادات کی قبیل سے ہیں ان کو سنن غیر عادیہ اور سنن ہدیٰ کہا جاتا ہے، سنن عادیہ کا تارک قابل ملامت نہیں ہوتا؛ لیکن سنن ہدیٰ کا تارک قابل ملامت ہوتا ہے (درمختار ۱/ ۱۰۳)۔

یہاں یہ بات محل نظر ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کے ساتھ امر کے صیغہ کے ساتھ داڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے تو اس میں تعبدیت کی شان پائی جاتی ہے، پھر یہ سنن عادیہ میں سے کیسے ہوسکتا ہے؟ داڑھی اسلام کا شعار ہے، انبیاء کی سنت ہے، مرد کا وقار ہے، مردانہ شکل کی تکمیل ہے، ایک مشت داڑھی رکھنا اہل سنت والجماعت کا متفقہ فتویٰ ہے، جن کتابوں میں سنت کہا گیا ہے وہ اس لیے کہ حدیث سے ثابت ہے، ورنہ ایک مشت داڑھی رکھنا واجب ہے اور ایک مشت سے کم رکھنا حرام اور ناجائز ہے۔

حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغۂ امر کے ساتھ مونچھ کاٹنے اور داڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا ہے اور صیغۂ امر سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔

"**أنه أمر بإحفاء الشوارب وإعفاء اللحية**" (مسلم شریف کتاب الطہارۃ نسخہ ہندیہ ۱/ ۱۲۹، بیت الافکار)۔

"**وأما الأخذ منها وهي دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنثة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الأعاجم**" (درمختار مع الشامی کتاب الصوم مطلب باب الاخذ من اللحیۃ زکریا، ۳/ ۳۹۸)۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**جزوا الشوارب وأرخوا اللحى وخالفوا المجوس**" (مسلم شریف ۱/ ۱۲۹)، ایک مشت داڑھی کا وجوب حدیث سے ثابت ہے جو دلیل ظنی ہے، اس لیے اس کے خلاف کرنے والے کو فاسق کہا جاتا ہے۔

داڑھی کی اتنی مقدار جو صالحین کے عرف میں داڑھی کہلاتی ہے واجب ہے اور اس سے کم مقدار موجب فسق ہے، فقہاء کے اصول اور احادیث کی روشنی میں داڑھی منڈانے یا چھوٹی رکھنے والے پر فسق کا حکم لگتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ بڑے بڑے علماء صلحاء کی اخلاقی حالت اور اعمال صالحہ کی پابندی کی وجہ سے ان کے متعلق فسق کے بارے میں نرم پہلو اختیار کیا جائے اور فاسق نہ کہا جائے۔

☆☆☆

عصر حاضر میں فسق اور فاسق کی تشریح وتطبیق

ڈاکٹر حافظ کلیم اللہ عمری مدنی ☆

جواب(۱): لغت میں فسق کے معنی ہیں: ''**هو الخروج عن الطاعة**'' (اطاعت نہ کرنا)، ''**و هو الخروج عن شیء إلی غیره**''۔

''**الفاسق ۔ الخارج ،فسقت الرطبة ، خرجت عن قشرها، خمس فواسق ، معناه خروجها عن حکم غیرها من الحیوان فی تحریم قتله، قوله تعالی: ''ففسق عن أمر ربه**'' (الکہف:۵)،**خرج و سمی الرجل فاسقا لخروجه عن طاعة ربه**'' (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:۱۶/۵۶، مقاییس اللغۃ:۴/۴۰۱)۔

''**الفسق فی القرآن علی نوعین: فسق بمعنی الکفر و هو مخرج من الملة، کقوله تعالی: ''أفمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا**'' (السجدۃ)۔

''**فسق بمعنی الکبیرة أو العصیان الذی لایخرج من الملة، کقوله تعالی: ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآئَکُمْ فَاسِقٌ''، وأصل الفسق الخروج ، وکل من خرج عن طاعة الله فهو فاسق، والناس فی هذا درجات عدة**'' (تأملات قرآنیۃ للمغامسی:۱/۱۸)۔

''**قال الإمام الشنقیطی فی أضواء البیان: الفسق بمعنی الکفر، قوله تعالی: و أما الذین فسقوا فمأواهم النار و فسق بمعنی المعصیة: ''ولاتقبلوا لهم ةشهادة أبدا و أولئک هم الفاسقون**'' (النور:۴)۔

''**فمن کان امتناعه من الحکم بما أنزل الله لقصد معارضته و رده والامتناع من التزامه فهو کافر ظالم و فاسق کلها بمعنی المخرج من الملة و من کان امتناعه من الحکم لهوی و هو یعتقد قبح فعله فکفره و ظلمه وفسقه غیر المخرج من الملة**'' (اضواء البیان:۱/۴۱۱)۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں:''**الفسق شرعا: خروج العقلاء عن الطاعة، فیشمل الکفر و دونه من الکبیرة**

☆ استاذ ومفتی وپرنسپل جامعہ دارالسلام عمرآباد

والصغيرة واختص بالعرف و الاستعمال بارتكاب الكبيرة فلايطلق على ارتكاب الآخرين إلا نادرا" (۱/۲۱۰)۔

علامہ ابن حجرؒ نے لکھا ہے:"**الفسق لغة: الخروج، و فی الشرع: الخروج عن طاعة الله ورسوله، و هو فی عرف الشرع أشد من العصيان، قال الله تعالى: "وكره إليكم الكفر و الفسوق و العصيان"** (الحجرات)، **ففی الحديث تعظيم حق المسلم و الحكم على من سبه بغير حق بالفسق كقوله عليه السلام و قتاله كفر"** (فتح الباری لابن حجر:۱/۷۷)۔

"يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآئَكُمْ فَاسِق" بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ" (الحجرات:٦)۔

خلاصہ کلام: فسق کی ایک متعین تعریف ہے، اس کے حدود اور فرق مراتب و درجات ہیں، جیسا کہ مفسرین اور شارحین حدیث نے بیان کی ہے، فسق کی تعریف زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف نہیں ہے۔

جواب(۲): فسق کا تعلق اگر ایمان سے متعلق ہو تو کفر یا مخرج عن الملۃ کا حکم متحقق ہوگا، ورنہ فسق اصغر معصیت کے باب میں شمار ہوگا، جیسا کہ سوال نمبر ا پر وضاحت کی گئی ہے۔

فسق شریعت میں دو طرح کے ہیں: ا۔ فسق اکبر جو کفر اکبر، شرک اکبر کے مترادف ہے، یہ فاسق مخرج من الملۃ ہے، اس سے ایمان مطلق کی نفی کی گئی ہے، اور یہ فاسق اگر توبہ کے بغیر مرجائے تو دوزخ میں ہمیشہ رہے گا، ارشاد باری تعالی ہے:"**إنهم كفروا بالله ورسوله و ماتوا وهم فاسقون"** (توبہ:۸۴)۔

۲۔ فسق اصغر جو کفر اصغر یا شرک اصغر کے مترادف ہے، فسق دون فسق، یہ صرف معصیت کا مرتکب ہے، اس سے ایمان کی نفی نہیں کی گئی، ارشاد باری تعالی ہے:"**يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآئَكُمْ فَاسِق" بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا**" (الحجرات:٦)، نیز ارشاد باری تعالی ہے: "**ولا يضار كاتب ولا شهيد، وإن تفعلوا فإنه فسوق بكم و اتقوا الله و يعلمكم الله**" (البقرۃ:۲۸۲)۔

فسق اصغر کی مثال میں ہر مرتکب کبیرہ ہے جو قصدا بلا تاویل گناہ کرتا ہے، یا صغیرہ گناہوں پر اصرار کرتے رہتا ہے، زنا کاری، شراب نوشی، جوا بازی، چوری، ناحق مال کھانا اور سارے کبائر کا ارتکاب بھی شامل ہے (اختصار من: الموسوعۃ العقدیۃ، اسلام ویب)۔

جواب(۳): جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے ہوں، مگر صوم وصلاۃ کے پابند ہوں، رؤیت ہلال کے سلسلہ میں یا اختلافی معاملات میں ان کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے، کیونکہ داڑھی کا معاملہ بھی فسق دون فسق میں شمار ہوتا ہے، اہل علم حضرات کے

نزدیک صحت امامت کے لئے داڑھی کا ایک مشت ہونا ضروری نہیں ہے، نیز ایک ایسے امام کی امامت جس کی داڑھی ایک مشت سے کم ہو درست ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

جواب(۴): صورت مسؤلہ میں عام طور پر ایسے لوگوں کو بھی مساجد کا یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے، جو قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق وجوہ فسق سے خالی نہیں ہوتے ہیں، تو ان کا حکم ان اداروں کے خادمین یا تنظیم کے افراد کے لئے واجب الاطاعۃ ہوگا؛ جب تک کہ ان سے صریح کفر ظاہر نہ ہوجائے، یا وہ لوگ جب تک نماز کے پابند ہوں اس وقت تک ان کی اطاعت بھی واجب ہوگی، جیسا کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ ائمہ کی اطاعت تم پر واجب ہے؛ جب تک کہ تم ان میں صریح کفر کو دیکھ لو، اس وقت تمہارے لئے اللہ کی طرف سے برہان و دلیل ہوگی، حضرت عبادہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إلا أن تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان**'' (البخاری:۷۰۵۶)۔

علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں: ''**طاعة الأئمة واجبة إلا في معصية الله تعالى و لايجوز الخروج عليهم ماداموا أقاموا الصلاة ولم يظهروا كفرا بواحا**'' (الأدلۃ الرضیۃ للامام الشوکانی:۱/۲۵) (حکام کی اطاعت واجب ہے، مگر اللہ کی فرمانی میں نہیں، ان کے خلاف بغاوت جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ نماز قائم کریں، اور ان سے صریح کفر ظاہر نہ ہوجائے)۔

جواب(۵): فسق کے درجات اور مراتب ہیں، بعض فسق فسق اکبر ہیں اور بعض فسق فسق اصغر ہیں، یعنی شرک اکبر اور شرک اصغر کی طرح فسق کے درجات اور مراتب ہیں، ہر فسق مخرج من الملۃ نہیں ہے، فسق کا تعلق اگر ایمان سے متعلق ہو تو کفر یا مخرج عن الملۃ کا حکم متحقق ہوگا، ورنہ فسق اصغر معصیت کے باب میں شمار ہوگا۔

فسق اکبر جو کفر اکبر، شرک اکبر کے مترادف ہے، یہ فاسق مخرج من الملۃ ہے، اس سے ایمان مطلق کی نفی کی گئی ہے، اور یہ فاسق اگر توبہ کے بغیر مرجائے تو دوزخ میں ہمیشہ رہے گا، ارشاد باری تعالی ہے: ''**إنهم كفروا بالله ورسوله وماتوا وهم فاسقون**'' (توبہ:۸۴)۔

فسق اصغر جو کفر اصغر یا شرک اصغر کے مترادف ہے، فسق دون فسق، یہ صرف معصیت کا مرتکب ہے، اس سے ایمان کی نفی نہیں کی گئی، ارشاد باری تعالی ہے: "**يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآئَكُمْ فَاسِق بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًا بجهالة**" (الحجرات:۶)۔

جواب(۶): فاسق شخص زبان سے توبہ کرلے، لیکن وہ ابھی اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے تو اس کی زبانی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول نہیں ہوگی، توبہ کے شروط پورے ہوں، مثلا اپنے گناہوں پر شرمندگی کا اظہار ہو، اس گناہ کو کلی طور پر چھوڑ دے، آئندہ نہ کرنے کا پکا ارادہ بھی ہو، معاملہ اگر حقوق العباد سے متعلق ہو تو ان کا حق ادا کرنا یا ان

سے معافی مانگنا وغیرہ ضروری ہے، محض زبانی توبہ نا کافی ہے۔

جواب(۷): بعض (عرب ملکوں میں) اہل علم کے نزدیک داڑھی سنن عادیہ میں شمار کیا جاتا ہے، جب کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ داڑھی کا حکم سنن تعبدیہ میں سے ہے، نبی کریم ﷺ نے داڑھی رکھی، اور اسے رکھنے کا حکم دیا، داڑھی بڑھانے اور مونچھیں تراشنے کا حکم دیا، اور کہیں مشرکین کی مخالفت کا حکم دیا ہے، لہٰذا اسے سنن عادیہ کہنا غیر مناسب بات ہے، بلکہ اسے مستقل سنت قرار دینا اولی واقرب الی الکتاب والسنۃ ہے، جیسا کہ درج ذیل نصوص شاہد ہیں:

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**عشر من الفطرة، قص الشارب و إعفاء اللحية والمسواک و استنشاق الماء و قص الأظافر**" (مسلم)۔

"**جزوا الشوارب و أرخوا اللحى وخالفوا المجوس**" (مسلم)۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**خالفوا المشركين و وفروا اللحى و احفوا الشوارب**" (بخاری ومسلم)، "**و زاد البخاری وكان ابن عمرؓ: إذا حج أو اعتمر أخذ قبض على لحيته، فما فضل أخذ، فهذا هو الصحيح عن ابن عمر**" (رواہا ابن أبی شیبۃ: ۸/۵۶۳، وابن سعد: ۴/۱۷۸)، "**وكان أبوهريرة يقبض على لحيته، ثم يأخذ ما فضل عن القبضة، واسناده صحيح على شرط مسلم**" (راجع: السلسلۃ الضعیفۃ: ۱۳/۴۴۰)۔

جمہور اہل علم ودانش کے پاس اعفاء اللحیۃ واجب ہے، اور اس کا حلق حرام ہے، ان صریح دلائل کی روشنی میں جن میں داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے (موقع الاسلام سؤال وجواب: رقم الفتوی۔ ۸۲۷۲۰)، البتہ حنفیہ کے پاس حلق لحیۃ حرام ہے، (الدر المختار مع حاشیۃ ابن عابدین: ۶/۴۰۷۔ یحرم علی الرجل قطع لحیتہ۔ انتہی)۔

حنفیہ میں سے علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: "**إعفاء اللحية تركها حتى تكث و تكثر**" (حاشیۃ ابن عابدین: ۲/۲۰۵)۔

اکثر فقہاء کے پاس داڑھی کے بال ادھر ادھر سے تراشنا جائز نہیں ہے، جیسے امام نوویؒ کی رائے یہی ہے، البتہ حنفیہ اور حنابلہ میں سے بعض اہل علم ایک مشت سے زائد بال تراشنے کو جائز سمجھتے ہیں، بطور دلیل ابن عمرؓ کے فعل سے استدلال کرتے ہیں" (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ: ۳۵/۲۲۴)۔

ناصر السنۃ ناصر الدین الالبانیؒ کا فتوی ہے: "**الذی نختاره القبضة، والمسألة فيها نظر، والأحسن اتباع السنة على كل حال**" (دروس الشیخ الألبانی: ۳۶/۱۱)۔

(جس بات کو ہم پسند اور اختیار کرتے ہیں وہ داڑھی کا ایک مشت رکھنا ہے، مسألہ قابل غور اور قابل نظر ہے، سب سے زیادہ اچھی بات تو یہی ہے کہ اتباع سنت ہر حال میں بہتر ہے)۔

خلاصہ بحث: مذکورہ بالا نصوص کی روشنی میں داڑھی بڑھانے کا حکم جو احادیث صحیحہ اور احادیث قولیہ سے ثابت ہے، یقیناً اعفاء کا صیغہ امر وجوب پر دلالت کرتا ہے، اس وجوب کو ندب کی طرف پھیرنے کے لئے کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے، لہٰذا **اعفاء اللحیة** کا حکم نبوی ﷺ کو وجوب پر محمول کیا جائے، البتہ جو لوگ ابن عمرؓ وابو ہریرہؓ کے فعل سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ ایک مشت داڑھی رکھتے تھے، وہ اتباع سنت میں سب سے آگے رہتے تھے، حضرت ابن عمرؓ نے شاید آپ ﷺ کی اتباع میں ہی ایسا ہی کیا ہوگا، محل نظر اور محل غور وفکر ہے، جب کہ صحیح وصریح احادیث اس امر کے خلاف ہے، لہٰذا سنت صحیحہ اور فعل ابن عمرؓ وابو ہریرہؓ کے درمیان تعارض کی صورت میں قول رسول ﷺ ہی حجت ہے، نہ کہ فعل صحابیؓ، لہٰذا راقم الحروف کا رجحان ومیلان ان اصحاب کی طرف ہے جو **اعفاء اللحیة** کو واجب قرار دیتے ہیں، داڑھی کے بال کم کرنے یا تراشنے کو ناجائز سمجھتے ہیں، اس لئے کہ داڑھی کم کرنے یا تراشنے سے متعلق نہ قولی حدیث ثابت ہے اور نہ ہی فعلی حدیث۔

وہ بہت سے اہل علم داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، اور ان کا یہی مسلک ہے، اگر وہ داڑھی نہیں رکھیں تو ان کو فاسق نہیں کہا جائے گا، اگر چہ یہ بھی فسق کی ایک صورت ضرور ہے، فسق دون فسق کہیں گے اور اسے ایمان میں کمزوری تصور کریں گے، واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مولانا عبدالخالق ندوی☆

فقہ کے بہت سارے احکام عادل ہونے یا فاسق ہونے سے متعلق ہیں، نماز میں فاسق کی اقتداء فقہاء نے مکروہ قرار دیا ہے، یہاں تک کہ بعض فقہاء جیسے حنابلہ کے یہاں فاسق امام کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز واجب الإعادہ ہے، امامت کبری کے لیے بھی جمہور کے نزدیک ضروری ہے کہ وہ شخص فاسق نہ ہو، ائمہ حدیث کے نزدیک فاسق کی روایت معتبر نہیں، فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ گواہ کا عادل یا غیر فاسق ہونا ضروری ہے، اگر کوئی فاسق شخص فتوی دے تو فتوی قابل قبول نہیں، کیوں کہ فتوی حکم شرعی کے بارے میں خبر دینا ہے اور فاسق کی خبر غیر معتبر ہے، فاسق نکاح کی ولایت سے محروم ہوجاتا ہے، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک نکاح میں ولی کی شمولیت ضروری ہے، لیکن اگر ولی فاسق ہو تو بہت سے فقہاء شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اس کی ولایت میں نکاح نہیں ہوسکتا، غرضیکہ بہت سے احکام میں عادل اور فاسق کے حکم میں فرق کیا گیا ہے۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث میں فسق کی کوئی واضح تعریف نہیں کی گئی ہے، فقہاء نے شریعت کے احکام ومزاج کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، موجودہ دور میں بعض منکرات کا بہت غلبہ ہے، جیسے محلوق اللحیہ ہونا، پنج وقتہ نماز کا پابند نہ ہونا، حج فرض ہونے کے باوجود حج کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لینا، گھر کی خواتین سے پردہ کا اہتمام نہیں کرانا، اسی طرح کسب معاش کی بھی بعض ایسی صورتیں ہیں جو ہیں تو گناہ، لیکن ان کو گناہ نہیں سمجھا جاتا ہے، جیسے اپنی دکان سے باہر فٹ پاتھ اور سڑک جو صاحب دکان کی ملکیت نہیں ہے، عوام کے فائدے کے لیے ہے، اس کو ذاتی ملکیت کی طرح استعمال کرنا، یہاں تک کہ اپنی دکان یا مکان کے سامنے فٹ پاتھ اور سڑک پر دکانیں لگوا کر اس کا کرایہ وصول کرنا وغیرہ، ایسی صورت میں یہ مسئلہ بڑا اہم ہے کہ موجودہ دور میں فسق کا معیار کیا ہوگا؟ اسی پس منظر میں چند سوال اور اس کے جواب درج ذیل ہیں:

☆ جامعۃ الصالحات، رامپور

جواب:ا

فسق کے لغوی معنی: نکلنا، چوہا جب اپنی بل سے نکلتا ہے تو کہتے ہیں:"**فسقت الفارة من جحرها**"، شریعت کی اصطلاح میں اللہ کی اطاعت سے نکل جانا، حقیقت میں یہ لفظ قرآن وحدیث میں متعین معنی میں استعمال نہیں ہوا؛ بلکہ مختلف جگہ الگ الگ معنی میں استعمال ہوا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے سورہ کہف میں فرمایا:"**ففسق عن أمر ربه**" (آیت:۵۰)، اس آیت کریمہ میں فسق کفر کے معنی میں ہے، اور اللہ تعالی کا ارشاد: "**وأما الذين فسقوا فمأواهم النار**" اس آیت کریمہ میں بھی فسق سے کفر ہی مراد ہے، کیوں کہ آگے اللہ تعالی نے فرمایا: "**كلما أرادوا أن يخرجوا منها أعيدوا فيها وقيل لهم ذوقوا عذاب النار الذي كنتم به تكذبون**"، اور مرتکب کبیرہ کے لئے استعمال ہوا ہے، جیسے سورہ نور آیت ۴ میں اللہ تعالی نے فرمایا:"**و الذين يرمون المحصنات ثم لم يأتوا بأربعة شهداء فاجلدوهم ثمانين جلدة ولا تقبلوا لهم شهادة أبداً ، وأولئك هم الفاسقون**"، اس آیت کریمہ میں فسق سے مراد معصیت ہے، اور اللہ تعالی نے فرمایا:"**فمن فرض فيهن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال في الحج**" (سورۃ البقرہ: آیت ۱۹)، علماء کرام نے فسوق کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے معاصی مراد ہے (دیکھئے: کتاب الإیمان لشیخ الإسلام ابن تیمیۃ: ص ۳۷۸)۔

اور حدیث شریف میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے:" **سباب المسلم فسوق وقتاله كفر**" (صحیح مسلم)، اس حدیث میں بھی فسق معصیت کے معنی میں ہے، کیوں کہ کفر کے مقابلے ہے۔

قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فسق قرآن کریم میں زیادہ تر کفر کے معنی میں استعمال ہوا ہے، کبھی کبھی معصیت کے لئے بھی استعمال ہوا ہے، اسی طرح حدیث میں بھی معصیت کے لیے استعمال ہوا ہے، گویا حقیقت میں قرآن وحدیث میں فسق کا متعین معنی نہیں ہے، اس لیے ہمارے فقہاء عظام نے گذشتہ ادوار میں شریعت کے احکام ومزاج کو سامنے رکھتے ہوئے اس کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، اس لیے موجودہ دور میں شریعت کا مزاج دیکھتے ہوئے اس کا معیار متعین کرنا ضروری ہوگا، ورنہ بہت سی ایسی پریشانیاں لاحق ہوسکتی ہیں جو شریعت کے مزاج کے خلاف ہیں، مثال کے طور پر مصر اور عرب ممالک میں محلوق اللحیہ کی امامت کو برا نہیں سمجھا جاتا اور یہ بہت عام بھی ہے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ نے نکاح کی ولایت کے سلسلے میں ائمہ ثلاثہ کے مقابلے میں فاسق کی ولایت کو قبول کیا ہے اور فرمایا کہ ولی کے اندر عدالت فطریہ کافی ہے؛ اگرچہ اس کے اندر عدالت مکتسبہ نہ ہو تب بھی اس کو ولی بنا دیا جائے گا، اس میں اس دور کی بہت بڑی الجھن کا حل ہے، کیوں کہ اگر باپ محلوق اللحیہ ہو تو کیا اس کی موجودگی میں اس کی بیٹی کی شادی کوئی دوسرا یا تیسرا کرائے گا، یہ تو عجیب بات ہوگی جو

شریعت کے مزاج کے خلاف بھی ہوگی، واللہ اعلم بالصواب۔

جواب: ۲

موجودہ حالات میں اگر کوئی شخص نماز پنج گانہ کی پابندی نہیں کرتا، روزہ رکھنے میں سستی برتتا ہے، حج فرض ہونے کے باوجود اس کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے، معاملات لین دین میں جھوٹ بولتا ہے، وعدہ خلافی کرتا ہے، امانت داری اور دیانت داری کا پاس ولحاظ نہیں کرتا، اپنی دکان سے باہر فٹ پاتھ اور سڑک جو صاحب دکان کی ملکیت نہیں ہے عوام کے فائدے کے لیے ہے اس کو ذاتی ملکیت کی طرح استعمال کرتا ہے، ان سب کاموں کو وہ گناہ نہیں سمجھتا؛ بلکہ چالاکی اور ہوشیار تصور کرتا ہے۔

یہ فسق عملی ہے، سنگین جرم ہے، تارک صلاۃ امام احمدؒ کے نزدیک کافر ہے، واجب القتل ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کافر تو نہیں ہوتا ہے، لیکن سنگین جرم ہے، اس کو جیل میں رکھا جائے گا، جب تک کہ نماز کا پابند نہ ہوجائے، ہم لوگ ہندوستان میں رہتے ہیں، عام طور سے لوگ یہاں پر ان فرائض میں سستی برتتے ہیں اور عام طور سے جن معاملات میں لین دین کا تذکرہ ہوا ہے اس کو گناہ نہیں سمجھتے، اب ایسے حالات میں فسق کے احکام مرتب کردیے جائیں، یعنی ان کو نماز کی امامت سے بالکل دور رکھا جائے، اس کی کوئی خبر یا گواہی قبول نا کی جائے تو اسکی عزت نفس وآبرو کے فوت ہونے کا یقین یا ظن غالب ہے اور یہی ضرورت ہے، ضرورت فقہاء کے یہاں ایک مستقل اصطلاح ہے جس میں اضطرار بھی داخل ہے، ضرورت کے ذریعہ ایسے منصوص احکام سے بھی استثناء کی گنجائش ہوتی ہے جس کی ممانعت قطعی ہو اور جو بذات خود ممنوع ہوں، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ شریعت کے اصول "رفع حرج"، "دفع ضرر" اور "لا ضرر ولا ضرار" کے تحت ان کے اوپر فسق کے احکام نہ مرتب کئے جائیں، کیوں کہ اگر ایسا کیا گیا تو ان کی اصلاح کے بجائے ان کے اندر بغاوت کا جذبہ پروان چڑھے گا جو امت مسلمہ کے لئے خطرناک ہے، جیسے کتاب وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے لوگوں کے عیب کو طشت از بام کرنے سے منع کیا ہے، اسی طرح زانی اور زانیہ کا سماج سے بائیکاٹ کا حکم نہیں دیا ہے، بلکہ وہ مسلم سماج میں ہی رہیں، تاکہ ان کی اصلاح ہوسکے، اس لئے شریعت اسلامیہ کے مزاج کو دیکھتے ہوئے ایسے لوگوں کے ساتھ بھی تھوڑی نرمی کی گنجائش تو نکلتی ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

جواب: ۳

میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ بعض عرب ملکوں میں داڑھی کو سنن عادیہ شمار کیا جاتا ہے؛ جیسے مصر، سوڈان، اردن،

شام اور دوسرے خلیج کے ملکوں میں داڑھی کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور بہت سے اہل علم اس کے قائل ہیں، جیسے مولانا مودودی صاحبؒ داڑھی کو سنن عادیہ میں سے مانتے ہیں، اس لیے جماعت اسلامی والوں کے یہاں داڑھی کی کوئی اہمیت نہیں ہے، جب کہ امت مسلمہ کے اندر اس مسئلے میں اختلاف پایا جاتا ہے، اب ایک شخص نماز وروزہ کا پابند ہے، لیکن اس میں سستی برتتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ شریعت مطہرۃ کے مزاج اور اصول رفع حرج کے تحت رؤیت ہلال کے سلسلے میں یا اختلافی معاملات میں ایسے لوگوں کی شہادت قبول کر لینی چاہئے، کیوں کہ تین باتیں ہیں:

(۱) اس وقت یہ بلوی عام ہے، ۹۰% فیصد لوگ داڑھی نہیں رکھتے ہیں، اگر ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی تو پھر کہاں سے لوگوں کو لایا جائے گا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جب وہ شخص اپنا گواہ ہوسکتا ہے، یعنی اپنی ذات کا گواہ ہے تو اختلافی معاملات میں اور رؤیت ہلال کے سلسلے میں اس کی گواہی کیوں نہیں قبول کی جاسکتی ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ یہ اختلافی مسئلہ ہوگیا ہے اور اس سلسلے میں بلوی عام ہے، اس لئے اگر وہ نیک وصالح ہے اور صوم وصلاۃ کا پابند ہے تو اس زمانے میں اس کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، ورنہ یہ اسلامی شریعت کے مزاج کے خلاف ہوگا اور اختلاف کی وجہ سے یہ فسق کے دائرے میں نہیں آتا، واللہ أعلم بالصواب۔

جواب: ۴

تیسری شق کی تفصیلات کی روشنی میں اگر کوئی ایسا شخص مسجد یا مذہبی ادارہ اور تنظیم کا ذمہ دار بنایا جائے تو موجودہ دور میں واجب الاطاعہ ہوگا، کیوں کہ بروقت بلوی عام ہے کہ لوگ داڑھی نہیں رکھتے اور یہ اختلافی مسئلہ بھی ہے، بہت سے لوگ فقہاء قدیم کے برخلاف داڑھی کو سنت عادیہ مانتے ہیں، اگر کوئی داڑھی مونڈھواتا ہے یا چھوٹی رکھتا ہے تو یہ چیز ان کے یہاں فسق کے دائرے میں نہیں آتی ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ امیر کی اطاعت اس وقت تک ضروری ہے جب تک وہ صریح کفر نہ کرتا ہو، اگر صریح کفر کرے گا تو اطاعت ضروری نہیں ہے؛ جیسا کہ عبادۃ بن صامتؓ کی حدیث ہے: "**بايعنا رسول الله ﷺ على السمع والطاعة في العسر واليسر وعلى أثرة علينا وعلى ألا ننازع أهل الأمر حتى نرى كفراً بواحاً**" یہاں چونکہ صریح کفر نہیں پایا جاتا، اس لئے اطاعت ضروری ہے، واللہ أعلم۔

جواب: ۵

فاسق وہ شخص ہے جو شرک کے سوا دیگر کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے دائرہ تقوی واستقامت سے نکل جائے۔

فسق دو قسم کا ہوتا ہے: (۱) فسق عملی (۲) اور فسق اعتقادی۔

فسق عملی زنا، چوری کرنے، شراب پینے وغیرہ کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کا نام ہے؛ جب کہ فسق اعتقادی عقائد میں خرابی سے لاحق ہوتا ہے؛ جیسا کہ روافض، معتزلہ اور جہمیہ کے عقائد میں بگاڑ پیدا ہوا اور وہ فسق اعتقادی کے مرض کا شکار ہو گئے، ان کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی، اس پر امامت کی ذمہ داری نہ ڈالی جائے گی اور نہ ایسے شخص کو گواہ بنایا جائے گا اور نہ ہی اس کی کوئی خبر قبول کی جائے گی، کیوں کہ وہ فاسق ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "**یا أیها الذین آمنوا إذا جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا**" اور دوسرے یہ کہ مسلم شریف میں کتاب الإیمان کی پہلی حدیث ہے کہ یحی بن یعمر اور ان کے ساتھی نے عبداللہ بن عمرؓ سے کہا کہ ہمارے یہاں بصرہ میں کچھ لوگ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور سمجھتے بھی ہیں اور بہت بڑے عالم ہیں، لیکن وہ قدر کو نہیں مانتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ سب معاملہ از سر نو ہے، یعنی جب کوئی چیز ہو جاتی ہے تب اللہ تعالی کو اس کا علم ہوتا ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے کہ سب کچھ پہلے سے ازل میں مقدر کر دیا ہے، پھر بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے تو اللہ تعالی کاتب تقدیر کو بھیج کر اس کی تقدیر لکھوا دیتا ہے، پھر اللہ تعالی نے جو مقدر کیا ہے وہ چیز اسی وقت اور اسی طرح ہوتی ہے، یہ بات بالکل غلط ہے اور فساد عقیدہ کی غماز ہے کہ اللہ تعالی کو پہلے سے کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے، یہ اس کی شان میں گستاخی ہے، معتزلہ قدر نہیں مانتے ہیں، اس لئے ان کو قدریہ کہا جاتا ہے، اسی طرح روافض انسان کو مجبور مانتے ہیں، یہ سب فساد عقیدہ کی بات ہے، اس لئے حضرت سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا: اے یحی بن یعمر! تم لوگ ان سے کہنا کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ اس عقیدہ کے ساتھ اگر دنیا سے چلے گئے اور انہوں نے احد پہاڑی کے برابر بھی سونا خرچ کیا ہوگا وہ قبول نہیں ہوگا، کیوں کہ قبولیت صدقہ کی پہلی اور آخری شرط ہے ایمان اور ان کے پاس ایمان نہیں ہے۔

اس لیے جو لوگ اعتقادی اعتبار سے فاسق ہوں گے، ان کی کسی طرح شہادت یا کوئی بات اور خبر نہیں مانی جائے گی، کیوں کہ وہ قابل بھروسہ نہیں ہیں، واللہ أعلم بالصواب۔

جواب:٦

اگر فاسق شخص زبان سے توبہ کر لے، لیکن وہ ابھی اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے تو اس کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول ہوگی یا نہیں، تو اس سلسلے میں علماء کرام کا دو نقطۂ نظر ہے:

(۱) دنیاوی احکام میں اس کا رجوع اور اس کا توبہ کرنا قابل قبول ہوگا، ان کے پاس اپنی رائے کی تایید کے لیے کتاب وسنت سے دلائل ہیں۔

(۲) دنیاوی احکام میں اس کا رجوع اور اس کا توبہ کرنا قابل قبول نہیں ہوگا، ان کے پاس بھی اپنی رائے کی تائید کے لیے کتاب وسنت سے دلائل ہیں۔

پہلے فریق کی دلیل:

(۱) "**قل للذين كفروا إن ينتهوا يغفر لهم ما قد سلف**" (سورہ انفال آیت ۳۸) (آپ ﷺ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں تو ان کے سارے گناہ جو پہلے ہو چکے ہیں سب معاف کر دیے جائیں گے)، اس آیت کا حکم عام ہے جو اپنے عموم کے اعتبار سے اس شخص کو بھی شامل ہے جو بار بار مرتد ہوتا ہے۔

اور استیناس کے لیے اس صحیح حدیث سے بھی استدلال کیا جا سکتا ہے جو بخاری ومسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "**أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، فإذا قالوا لاإله إلا الله عصموا مني دمائهم و أموالهم إلا بحقها**" ایک مرتد شخص اللہ کی شان میں گستاخی کرنے والا اور فساد عقیدہ والا پھر سے کلمہ شہادت کا اقرار کر لے تو اس کا رجوع ثابت ہوگا اور قابل قبول ہوگا۔

پہلے فریق کی دلیل میں یہ بھی پیش کیا جا سکتا ہے کہ مرتد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کرادی جائے گی، اگر عدت ختم ہونے سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی بیوی اسے واپس مل جائے گی (دیکھئے فقہی احکام ومسائل: ۲/ ۸۴۳)۔

دوسرے فریق کی دلیل:

(۱) "**إلا الذين تابوا وأصلحوا وبينوا**" (سورۃ بقرۃ ۱۶۰) (جن لوگوں نے اس کام سے توبہ کر لی اور اپنی اصلاح کر لی اور جو چھپائی تھی اس کی وضاحت کر دی)۔

(۲) "**إن المنافقين في الدرك الأسفل من النار، ولن تجد لهم نصيراً إلا الذين تابوا وأصلحوا واعتصموا بالله وأخلصوا دينهم لله فأولئك مع المؤمنين وسوف يؤت الله المؤمنين أجراً عظيماً**" (سورہ نساء: ۱۴۵، ۱۴۶) (منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں جائیں گے، ناممکن ہے کہ آپ ان کا کوئی مددگار پائیں، ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں، اور اللہ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا)۔

(۳) "**فإن تابو ا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فإخوانكم في الدين**" (سورۃ توبہ ۱۹) (اب بھی توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکاۃ دیتے رہیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں)۔

بہر صورت خلاصۂ کلام یہ ہے کہ صرف زبان سے توبہ کر لے اور اس کے مطابق عمل پیرا نہ ہو تو اس کی توبہ دنیوی احکام میں قابل قبول نہ ہوگی، توبہ کے بعد اصلاح بھی ضروری ہے اور اس کے مطابق عمل بھی ہو، واللہ اعلم بالصواب

جواب: ۷

چونکہ داڑھی کے مسئلے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اور اسی طرح بہت سے اہل علم داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، اس لیے اگر کوئی شخص داڑھی نہیں رکھتا ہے یا چھوٹی رکھتا ہے، تو بہتر ہے کہ ایسے شخص کو فاسق نہ سمجھا جائے۔

(۱) کیوں کہ اب یہ ملت اسلامیہ میں اختلافی مسئلہ ہو گیا ہے، اس لیے اس میں تشدد صحیح نہیں ہے، اختلاف تو شریعت اسلامیہ میں رحمت ہے زحمت نہیں ہے، جیسے پانی کے مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے تو اختلاف ان جگہوں کے لیے رحمت ہے، جہاں پانی کمیاب ہوتا ہے، لوگ وہاں دور دور سے پانی لاتے ہیں، اگر وہاں پر امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی رائے پر عمل کیا جائے تو بہت زحمت ہوگی، اسلامی شریعت قیامت تک کے لیے ہے اور سارے انسانوں کے لئے ہے، اس لیے اس میں یہ لچک رکھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اجتہادی اختلاف میں کوئی حاجت منکر نہیں ہوتی ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ماتحت اس پر نکیر کیا جائے اور جب وہ منکر نہیں تو غیر منکر پر نکیر خود اُمر منکر ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ دور میں ایسے شخص کو فاسق نہ سمجھا جائے، واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

موجودہ زمانہ میں فسق کا معنی ومراد اور اس کے احکام

ڈاکٹر مفتی تنظیم عالم قاسمی☆

ایک مسلمان صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی پیروی کرتا ہے اور اسی میں اس کی نجات پوشیدہ ہے، شیطان جو انسان کا ازلی دشمن ہے، وہ مختلف گناہوں پر ابھارتا ہے اور اسے خدا کا باغی بنانا چاہتا ہے، لیکن مرد مؤمن سے تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں اپنے رب کے دیئے ہوئے احکام کی پیروی کریں، اپنے ظاہر اور باطن کو اسلامی خطوط پر سنواریں، شیطانی کاموں سے مکمل اجتناب کریں، فسق وفجور میں مبتلا ہوکر اپنی آخرت اور دائمی زندگی کو ہرگز تباہ نہ کریں، ایک صالح مسلمان اور فاسق دونوں اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہوسکتے، ارشاد باری ہے: "أَفَمَن كَانَ مُؤْمِناً كَمَن كَانَ فَاسِقاً لَّا يَسْتَوُونَ۔ أَمَّا الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ الْمَأْوَى نُزُلاً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔وَأَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوا فَمَأْوَاهُمُ النَّارُ" (سجدہ:۱۷۔۱۸)(جو شخص مسلمان ہے کیا وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو نافرمان ہے؟ یہ برابر نہیں ہوسکتے، غرض کہ جو لوگ ایمان اور نیک عمل کئے تو ان کے لئے ہمیشہ کا ٹھکانہ جنت ہے، یہ ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کی مہمان نوازی ہے اور جن لوگوں نے نافرمانی کی ان کا ٹھکانا دوزخ ہے)، اس طرح کی آیات متعدد مقام پر وارد ہوئی ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فسق اور عصیان کے ساتھ زندگی گذارنے والا شخص بہر حال ناکام اور نامراد ہوگا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو مختلف ارشادات کے ذریعے معصیت اور فرمانی سے ڈرایا ہے اور حالات کے تیور سے گھبرائے بغیر صراط مستقیم کو اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے، کفر اور فسق کا گناہ سب سے بڑا گناہ ہے، کفر کا مفہوم تو واضح ہے لیکن فسق کا دائرہ وسیع ہے اور ہر زمانہ میں اس کا مصداق مختلف ہوسکتا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ فسق کا معنی ومفہوم اور موجودہ دور میں اس پر مرتب ہونے والے احکام پر غور کی نظر ڈالی جائے۔

(۱) فسق کی تعریف اور اس کا مصداق:

فسق کے لغوی معنی خروج کے ہیں، اصطلاح شرع میں فسق اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے اوامر ونواہی سے لاپرواہی

☆ استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

کوکہا جاتا ہے،اس اعتبار سے فاسق ہر وہ شخص ہوگا جو اطاعت خداوندی کو چھوڑ کر گناہ میں مبتلا ہو جائے، گناہ چھوٹا ہو یا بڑا۔

لغت اور مفہوم کے اعتبار سے اس کا مصداق متعین نہیں ہے، بلکہ جو شخص بھی حکم خداوندی سے خروج کرے گا وہ اس کے دائرے میں داخل ہوگا، اسی لئے حضرات مفسرین کہتے ہیں کہ فسق جن معنوں میں قرآن میں مستعمل ہے اس کے مختلف درجات ہیں، ایک درجہ ادنیٰ ہے اور ایک درجہ اعلیٰ اور دونوں کے درمیان بڑا فاصلہ ہے، کفر جو سب سے بڑی معصیت ہے، اس کے معنی میں بھی فسق استعمال ہوا ہے اور معاملہ کے کسی کاتب یا شاہد کو تکلیف دینے والے پر بھی اس کا اطلاق ہوا ہے: ''**الفسق هو الخروج عن امر الله وطاعته، وكان بين أدنى منزلة وبين أقصاها بون بعيد صار له منازل كثيرة، فيطلق تارة على الذنب الصغير وتارة على الكفر والشرك**'' (تفسیر الراغب الاصفہانی۔ ۲/ ۶۸۵)۔

(فسق اللہ کے حکم اور اس کی اطاعت سے خروج کا نام ہے، اس کے ادنی اور اعلی درجہ کے درمیان لمبا فاصلہ ہے، دونوں کے درمیان مختلف درجات ہیں، ایک چھوٹے گناہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے اور کفر وشرک پر بھی)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معمولی تکلیف دینے والا بھی گنہگار ہونے کے اعتبار سے فاسق ہے اور خدا کی خدائی کا انکار کرنے والا بھی گنہگار ہے، اس لئے وہ بھی فاسق ہے، مگر دونوں میں بڑا فرق ہے، ایک اسلام سے خارج ہے اور دوسرا معمولی گناہ کا مرتکب، فسق کے ان دوسروں کے درمیان کافی فاصلہ ہے، ان کے احاطے میں جو بھی آئے گا اس پر فسق کا اطلاق ہوگا، احادیث مبارکہ میں سخت گناہ کرنے والے پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے، جیسے والدین کی نافرمانی، جھوٹی شہادت، مسلمانوں کو گالی دینا وغیرہ اور چھوٹے گناہ پر بھی، جیسے کسی سے اجازت لئے بغیر گھر میں جھانکنا، معمولی گناہ سے اجتناب ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے، اس لئے فقہاء نے نصوص شرعیہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا مصداق اس شخص کو قرار دیا ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرنے والا، گناہ کبیرہ سے بھی بچا جا سکتا ہے اور صغائر پر اصرار سے بھی اپنے آپ کو بچایا جا سکتا ہے، اس لئے یسر پیدا کرنے اور لوگوں کو تنگی سے بچانے کے لئے حضرات فقہاء نے فسق کا مصداق متعین کیا ہے جو قرآن وحدیث کے بیان کردہ معانی کے موافق ہے: ''**والفسق لغة خروج عن الاستقامة، وهو معنى قولهم خروج الشى عن الشى على وجه الفساد وشرعا خروج عن طاعة الله تعالى بارتكاب كبيرة، قال القهستانى: أى وإصرار على صغيرة**'' (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۱/ ۳۰۳)۔

فسق کا جو مصداق فقہاء اور محدثین نے بیان کیا ہے، یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب اور صغائر پر اصرار، یہ اقرب الی الصواب ہے، اس لئے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اسی کو اختیار کیا جانا چاہئے، زمانہ اور عرف کے بدلنے سے مصداق تبدیل نہیں ہوگا۔

(۲) موجودہ حالات میں فسق کے مرتب ہونے والے احکام:

کوئی ایسا کام جس سے فاسق کی حوصلہ افزائی اور تعظیم ہوتی ہو، شرعاً ناجائز ہے، اسی وجہ سے فاسق کی امامت، شہادت، خلافت وغیرہ غیر معتبر ہے، فاسق کے فسق کا تقاضا ہے کہ اس کو سماج میں عزت نہ دی جائے، تاکہ اس سے پریشان ہوکر وہ فسق وفجور کے راستہ کو چھوڑ دے اور منصب خلافت یا امامت وغیرہ پر فائز کرنے کا مطلب اس کی عزت افزائی ہے جس سے اس کو احساس ہونے کے بجائے مزید اس گناہ کے ارتکاب میں تقویت حاصل ہوگی، اس لئے اس طرح کے تمام امور سے فاسق کو دور رکھا جائے گا: ''**وأما الناس فقد علللوا كراهة تقديمه، بأنه لا يهتم لأمر دينه، و بأن تقديمه للإمامة تعظيمه و قد وجب عليهم إهانته شرعاً**'' (الدرالمختار مع شامی ۱/۵۵۹)۔

اس لئے آج بھی ایسا شخص عیدین یا پنج وقتہ نماز کے لئے مناسب نہیں ہے جو فسق میں مبتلا ہو، اسی طرح شرعی پنچائت یا کسی باوقار مسلم تنظیم اور ادارہ کا ممبر بنانا، نکاح خوانی کے لئے قاضی مقرر کرنا، دوفریق کے درمیان کسی بھی معاملہ میں فیصل کے طور پر مقرر کرنا، کسی فاسق محرم کے ساتھ عورت کا سفر کرنا مناسب ہوگا، جو احکام الٰہی کی پرواہ نہیں کرتا، اس پر دیگر امور میں کیوں کر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ فقہی کتابوں میں عبادات اور معاملات وغیرہ باب میں فسق کی وجہ سے مرتب ہونے والے جو احکام بیان کئے گئے ہیں وہ تمام موجودہ دور میں بھی باقی رہیں گے، البتہ آج فسق وفجور کا غلبہ ہے، ان سب امور کے لئے ہر جگہ صالح انسان کا دستیاب ہونا مشکل ہے، اس لئے احکام میں تھوڑی تسہیل دی جائے گی، ان تمام جگہوں میں مناسب اور بہتر ہے کہ شریعت کے پابند، نیک اور صالح انسان کو تلاش کیا جائے اور اس کو ان مناصب پر فائز کیا جائے، لیکن دستیاب نہ ہونے کی شکل میں یا جو نیک ہے اس میں مطلوبہ صلاحیت کے فقدان کی صورت میں فسق ومعصیت میں مبتلا شخص کو وہ جگہ دی جاسکتی ہے؛ بشرطیکہ اس کا فسق معروف نہ ہو اور اس کی وجہ سے سماج میں اس کی اہانت نہ کی جاتی ہو، جیسے اس موقع پر مسلم پرسنل لاء بورڈ کی رکنیت کی مثال دی جاسکتی ہے، یقیناً بورڈ مسلمانوں کا نہایت ایک باوقار ادارہ ہے، اس کی رکنیت اور بالخصوص کسی عہدہ پر فائز کرنے کے لئے کسی متشرع شخص کو تلاش کرنا چاہئے، لیکن اس پلیٹ فارم سے بسا اوقات سیاسی افراد سے بات کرنی ہوتی ہے، غیر مسلموں کے ساتھ گفت وشنید ہوتی ہے، شعور کی پختگی اور صاحب رائے ہونے کی ضرورت ہوتی ہے، کوئی ضروری نہیں ہے کہ ایک شخص جو شریعت کا پابند ہو اس میں سیاسی سوجھ بوجھ بھی ہو اور دیگر اوصاف پائے جائیں، ایسے موقع پر کسی ایسے فرد کو جو ملی مسائل کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہو اور بضرورت حکومت کے سامنے ان مسائل کی ترجمانی کرسکتا ہو، اس کو بورڈ یا اس طرح کے دینی وملی اداروں میں لیا جاسکتا ہے؛ خواہ وہ فقہاء کے بیان کردہ تفصیل کے مطابق فسق میں مبتلا ہی کیوں نہ ہو، البتہ اس وقت بھی یہ ضرور ملحوظ رکھا جائے گا کہ فسق وفجور میں وہ شخص متعارف نہ ہو، جیسے سود کے لین دین، زنا اور

شراب جیسے گناہوں کے لئے اس کے نام کوشہرت حاصل نہ ہو۔

(۳) غیر داڑھی شخص کی شہادت:

رؤیت ہلال کی شہادت ایک دینی امر کی شہادت ہے، اس کے لئے عادل اور ثقہ کا ہونا ضروری ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے، ایسا شخص جس کا فسق واضح ہو اس کی شہادت سے رؤیت ہلال کا اثبات نہیں ہوگا: ''**قولہ: لا فاسِق اتِفاقا، لأن قولہ فِی الدِیاناتِ غیر مقبول ای فِی التِی یتیسر تلقِیها مِن العدولِ**'' (درمختار مع شامی ۲/ ۳۸۵)(ادائے شہادت کے لئے اگر کوئی عادل شخص میسر ہو تو کسی فاسق شخص کی شہادت رؤیت ہلال کے حق میں معتبر نہیں ہوگی)۔

داڑھی کے بارے میں جو نصوص وارد ہیں، ان کی روشنی میں ائمہ حدیث وفقہ کا اتفاق ہے کہ داڑھی رکھنا واجب ہے، عمداً اس سے پہلو تہی کرنا باعث فسق ہے، اس لئے اردو فتاویٰ کی تمام کتابوں میں داڑھی نہ رکھنے والے کی شہادت کو ناقابل قبول قرار دیا ہے، لیکن یہ مسئلہ آج کے موجودہ زمانۂ فساد میں قابل توجہ ہے، جب کہ ہر طرف داڑھی کترانے اور نہ رکھنے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، بعض لوگ ملازمت گاہوں کے ماحول اور بعض اردگرد سے متأثر ہوکر اس وجوب کی ادائیگی سے غفلت کررہے ہیں، نیز متأخرین عرب علماء نے اسے سنن عادیہ میں سے قرار دے کر داڑھی نہ رکھنے والوں کے لئے ایک دلیل پیدا کردی ہے یا کم از کم اختلاف کی ایک شکل پیدا کردی ہے جس سے مسئلہ میں بہر حال تسہیل پیدا ہوجاتی ہے، عرب ملکوں میں اچھے اچھے علماء اور قراء جب بغیر داڑھی کے تمام امور انجام دیتے ہیں اور ان پر کوئی نکیر نہیں کیا جاتا، اس سے برصغیر کے لوگوں کا حوصلہ بلند ہوتا ہے اور استدلال کی راہ کھل جاتی ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ ایک شخص دین دار، دیانت دار اور نماز روزہ کا پابند ہوتا ہے، عدالت باطنہ کا حامل اور معاشرہ میں وجیہ سمجھا جاتا ہے، لیکن کسی وجہ سے داڑھی نہیں رکھتا، راقم الحروف کا خیال ہے کہ عند الضرورت اس کی شہادت معتبر ہونی چاہئے، تحمل شہادت کی تو سب نے اجازت دی ہے، جیسے عقد نکاح میں شاہد بننا، البتہ جہاں ادائے شہادت کی ضرورت پیش آتی ہے وہاں فقہاء اور ارباب افتاء نے انہیں اجازت نہیں دی ہے، قاضی خاں نے عادل کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے: ''**إن کان صلاحه أکثر من فساده و صوابه أغلب من الخطاو یکون سلیم القلب یکون عدلاً تقبل شهادته**'' (فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش فتاویٰ عالمگیریہ ۲/ ۴۶۰)۔

(اچھائی فساد پر غالب ہو، درستگی خطاء سے زیادہ ہو اور دل کا ستھرا ہو تو عادل ہے، اس کی شہادت قبول کی جائے گی)، اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر معصوم تھوڑے بہت گناہ سے خالی نہیں ہوتے، اس لئے اکثریت کا اعتبار ہوگا، داڑھی کے علاوہ سب کچھ اگر بہتر ہو اور تقویٰ اس سے محسوس ہورہا ہو تو اس کی شہادت قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، چنانچہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی فاسق وجیہ اور ذی مروت ہے، اس کی شہادت جائز ہے، اس لئے کہ عموماً یہ جھوٹ نہیں بولتے: ''**و عن**

أبی یوسف إن کان الفاسق وجیها ذا مروة جازت شهادته؛ لأن مثله لا یکذب'' (حوالہ مذکور)۔

ماضی قریب کے معروف فقیہ حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

'' اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر شخص شرعی ضابطہ کے مطابق عادل ومستور الحال نہ ہو، لیکن ایسا باوجاہت اور ذی منصب وذی مروت ہو کہ جھوٹ بولنے کو اپنے منصب کے خلاف اور اپنی توہین سمجھتا ہو اور واقعہ ایسا ہی ہو کہ اس سے کذب صادر نہ ہوتا ہو تو اس کی بھی شہادت مقبول ومعتبر ہوگی'' (منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/ ۳۰۲)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا شخص جو داڑھی نہ رکھتا ہو، لیکن نماز روزہ وغیرہ کا پابند ہو تو اس کی شہادت رؤیت ہلال یا اختلافی معاملات میں مقبول ہوگی، بشرطیکہ:

(الف) اس کے علاوہ دوسرے سے ضرورت پوری نہ ہوتی ہو۔

(ب) داڑھی رکھنے والا شخص موجود ہو، مگر صلاح وتقویٰ میں اس سے کم ہو۔

(ج) یہ شخص نماز، روزہ اور صلاح وتقویٰ میں سماج میں معروف ہو۔

(د) داڑھی کے علاوہ دوسرا فسق اس کے اندر موجود نہ ہو۔

(س) ذی وجاہت ہو اور جھوٹ وغیرہ سے مکمل پرہیز کرتا ہو۔

ان شرائط کے پائے جانے سے اس کی شہادت کی صداقت کا یقین ہوگا اور امر دینی میں اہل فسق کی شہادت معتبر نہ ہونے کی وجہ کذب بیانی کا احتمال ختم ہوجاتا ہے، اس لئے عند الضرورت صحت امامت کی طرح صحت شہادت کا بھی فتویٰ دیا جائے گا۔

(۴) داڑھی نہ رکھنے والے کمیٹی کے افراد کی اطاعت:

پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسے افراد جو شرعی امور کے پابند نہیں ہیں، ان کو مسجد یا دیگر اصلاحی اور فلاحی اداروں کا ذمہ دار بنانا ہی نہیں چاہئے، اراکین کمیٹی باشرع اور متبع سنت ہوں تو صلاح وتقویٰ کا ماحول پیدا ہوگا اور اللہ کی غیبی مدد بھی شامل ہوگی، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے کہ پیسہ والوں کے پیسے سے متأثر ہوکر دینی وملی تنظیموں کے مناصب جلیلہ پر انہیں فائز کردیا جائے جن کا دینی مزاج ہونے کے بجائے ماتحتوں پر صرف حکومت کرنے کا مزاج ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی ادارہ میں کام کرنے والوں پر ذمہ داروں کی اطاعت تمام امور میں کسی بھی صورت میں لازم نہیں ہے؛ خواہ ذمہ دار باشرع ہی کیوں نہ ہو، اطاعت صرف خلیفۃ المسلمین یا اس کے نائب کی لازم ہے، ہاں یہاں بحیثیت ملازم جن کاموں کے لئے انہیں ملازمت پر رکھا گیا ہے، ان میں کمی کوتاہی کی صورت میں وہ جواب دہ ہوگا، خواہ ذمہ دار فاسق ہی کیوں

نہ ہو، دائرۂ کار کی حد تک اس کی اطاعت لازم ہوگی، کیوں کہ ایک ملازم پر اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی بہر حال لازم ہے۔

(۵) فسق اعتقادی سے مراد اور اس کا حکم:

فسق کی دو قسمیں ہیں: ایک فسق عملی، دوسرا فسق اعتقادی، فسق عملی کا تعلق صرف عمل سے ہے، ایسا شخص جس کے عقائد صحیح ہوں، البتہ عمل کے اعتبار سے نافرمانی اور عمل کا مرتکب ہو، جیسے کسی مسلمان کا داڑھی نہ رکھنا، سود کا لین دین کرنا، شراب نوشی اور بے حیائی کے کاموں میں مبتلا ہونا وغیرہ، اس کو عملی فاسق کہا جائے گا، اس کے احکام اوپر ذکر کئے جا چکے ہیں، فسق اعتقادی کا تعلق اعتقادیات سے ہے، یعنی ضروریات دین کا انکار کیا جائے، جو شخص ایسے عقائد کا انکار کرتا ہے جو نص قطعی سے ثابت ہوں، اس کو فاسق اعتقادی کہا جاتا ہے، یہ فسق عملی کے مقابلے میں انتہائی خطرناک، قبیح اور سخت ہے، اس کا مرتکب ایمان سے خارج ہو جاتا ہے، جب کہ فسق عملی کا مرتکب گنہگار ہوتا ہے، لیکن ایمان سے خارج نہیں ہوتا، شرح عقائد نسفیہ میں ہے:

''**و رد النصوص بأ ن ينكر الأحكام التى دلت عليها النصوص القطعية من الكتاب و السنة ..... كفر**'' (شرح عقائد/۱۶۶)۔

قدیم فرقوں میں معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، جبریہ، رافضی، خوارج وغیرہ فسق اعتقادی کے مرتکب ہیں، چنانچہ معتزلہ ایک عقلیت پسند فرقہ ہے، جو عقل کے خلاف چیزیں ہوتی ہیں ان کا وہ انکار کر دیتے ہیں، جیسے قیامت کے دن سب کا عمل وزن کیا جائے گا، قرآن سے ثابت ہے، معتزلہ اس کا محض اس لئے انکار کرتے ہیں کہ عمل کا ظاہری وجود نہیں ہوتا، یہ غیر محسوس اور غیر مشاہد ہوتا ہے، اسی طرح فرقۂ جبریہ انسان کو مجبور محض مانتا ہے، کسی کام کا اسے اختیار نہیں ہے، اس کے بالمقابل قدریہ ہے جو انسان کو خود مختار مانتا ہے، اس طرح کے جو فرقے ہیں ان کے عقائد نصوص سے متصادم ہیں، اس لئے وہ متفقہ طور پر دائرۂ اسلام خارج ہیں، وہ خوب عمل کر لیں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اس لئے کہ عمل کی قبولیت اور عدم قبولیت کا مدار عقائد کے صحیح ہونے پر ہے، زکوٰۃ نص قطعی سے ثابت ہے، لہٰذا کوئی شخص اگر اس کی فرضیت کا انکار کرے تو اس کے کفر کا فتویٰ دیا جائے گا: ''**لو قيل لرجل أد الزكاة فقال: لا أدرى يكفر**'' (الفتاوی التاتارخانیہ ۷/ ۳۲۳)۔

فسق اعتقادی میں مبتلا شخص کو نہ کسی دینی، مذہبی ادارہ کا ذمہ دار بنایا جا سکتا ہے اور نہ اس کو عبادات میں کوئی جگہ دی جا سکتی ہے، ہاں البتہ معاملات جس طرح غیر مسلم سے کئے جاتے ہیں، اسی طرح ان سے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، آج بھی جو گمراہ فرقے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہوگا، جیسے قادیانیت، فتنۂ شکیلیت، فتنۂ مہدویت، فتنۂ فیاضی، فتنۂ گوہر شاہی وغیرہ، اگر کوئی ایسے فسق اعتقادی میں مبتلا ہو جو نص قطعی سے ثابت نہ ہو یا نص قطعی سے ثابت ہو، لیکن اس میں راست انکار کے بجائے تاویل کرتا ہو تو اسے اسلام سے خارج نہیں کیا جائے گا، جیسے کوئی شخص صحابۂ کرام کو معیار حق نہ مانتا ہو، کسی امام کی تقلید کو

واجب نہ سمجھتا ہو، رسول اکرم ﷺ کے علم غیب یا مختار کل کا عقیدہ رکھتا ہو یا اس طرح کے دیگر بدعات وخرافات میں مبتلا ہو تو اس کے حکم میں تسہیل ہوگی، اس کی امامت، وکالت، شہادت، قضاءت وغیرہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

(۶) فاسق شخص کے توبہ کرنے کے بعد حکم:

دل اور زبان سے توبہ کرنے کا اثر خود بخود اعضاء وجوارح سے ظاہر ہوتا ہے، ایک شخص جس گناہ میں مبتلا ہوتا ہے اگر اس پر ندامت ہے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم بھی ہے تو فوراً اس گناہ کو وہ ترک کر دے گا، اگر چہ بعد میں پھر اس سے گناہ صادر ہو جائے، لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ دل سے کسی گناہ پر ندامت ہو اور توبہ کا اظہار بھی کرے، مگر اس گناہ کو ترک نہ کر رہا ہو، یہ توبہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مذاق ہے (معاذ اللہ)، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ زبان سے توبہ کرنے کے بعد دل میں گناہ کی نفرت کا نہ ہونا اور اس پر اصرار کرنا یہ بجائے خود استغفار کا محتاج ہے، کیوں کہ اس نے ایک معنی میں اپنے رب سے استہزاء کیا ہے: ''**من قال استغفِر الله بِلسانِهِ وقلبه مصِر على تِلك المعصِيةِ فهذا الذِى استِغفاره يحتاج اِلى الاِستِغفارِ قلت ويشهد له ما أخرجه ابن أبى الدنيا من حدِيث ابن عباس مرفوعا التائِب مِن الذنبِ كمن لا ذنب له والمستغفِر مِن الذنبِ، وهو مقِيم عليهِ المستهزِئُ بِربِهِ**'' (فتح الباری ۱۳/۴۷۱)۔

مشہور محدث ابن المبارکؒ نے توبہ کی چھ علامتیں بیان کی ہیں: ''(۱) کئے ہوئے گناہ پر ندامت، (۲) اس کو دوبارہ نہ کرنے کا عزم، (۳) اگر کوئی فرض ترک ہو گیا ہے تو اس کی قضاء شروع کر دے، (۴) کسی بندے کا حق دبایا ہے تو واپس کر دے، (۵) حرام اور ناجائز مال پر اتنا افسوس ہو کہ جسم پگھل جائے، یہاں تک جلد ہڈی سے لگ جائے، (۶) جس طرح گناہ میں جسم کو لذت دی ہے اسی طرح اب اسے اطاعت الٰہی میں مصروف رکھ کر درد پہنچائے'' (شرح صحیح البخاری لابن بطال ۱۰/۸۰)۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ محض توبہ کافی نہیں ہے، بلکہ توبہ کے بعد عملی اقدام ضروری ہے، قرآن کریم میں بھی توبہ کو عمل سے مشروط رکھا ہے، ارشاد باری ہے: ''**إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً فَأُوْلَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَايُظْلَمُونَ شَيْئاً**'' (مریم۔۶۰) (سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی، ایمان لے آئے اور اچھے عمل کئے کہ وہ جنت میں جائیں گے اور ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی)، اوپر ذکر کردہ دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اگر فاسق شخص زبان سے توبہ کر لے؛ لیکن وہ ابھی اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہو اور اس کے کردار اور عمل سے اس کا کسی طرح کا اظہار نہ ہو تو اس کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول نہیں ہوگی۔

(۷) داڑھی نہ رکھنے والا کیا فاسق ہے؟

داڑھی تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت، مسلمانوں کا قومی شعار اور مرد کی فطری اور طبعی چیزوں میں سے ہے، ایک حد تک داڑھی بڑھانے میں ہی مرد کی خوب صورتی ہے، اس لئے متعدد احادیث صحیحہ میں داڑھی رکھنے اور مونچھ کٹانے کی تاکید آئی ہے اور اس کے خلاف کرنے پر سخت مذمت وارد ہوئی ہے، اس لئے جمہور علماء امت کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب اور اس کو کتروا کر یا منڈوا کر ایک مشت سے کم کرنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اس کا مرتکب فاسق اور گناہ گار ہے، ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے: ''**کان حلق اللحیة محرما عند ائمة المسلمین المجتهدین ابی حنیفة و مالک و الشافعی و احمد وغیرهم رحمهم الله تعالی**'' (المنہل العذب المورود ۱/۱۸۶)، ''تنقیح الفتاوی الحامدیہ'' میں ہے:

''**إن الأخذ مِن اللِحیةِ وهِی دون القبضةِ ما یفعله بعض المغارِبةِ ومخنثة الرِجالِ لم یبِحه أحد وأخذ کلِها فِعل یهود والهنودِ ومجوسِ العاجِمِ، فحیث أدمن علی فِعلِ هذا المحرمِ یفسق وإن لم یکن مِمن یستخِفونه ولا یعدونه قادِحا لِلعدالةِ والمروء ةِ**'' (العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ ۱/۳۲۹)۔

ماضی قریب کے معروف عالم دین حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں:

''داڑھی قبضہ (ایک مشت) سے کم کرانا حرام ہے، بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لئے اس کے علانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دین اسلام کی کھلی توہین ہے اور علانیہ گناہ کرنے والے معافی کے لائق نہیں اور داڑھی کٹانے کا گناہ ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے، حتی کہ نماز وغیرہ عبادات میں مشغول ہونے کی حالت میں بھی اس گناہ میں مبتلا ہ'' (داڑھی منڈانا کبیرہ گناہ اور اس کا مذاق اڑانا کفر ہے، صفحہ ۱۰)۔

صحابۂ کرام اور بعد کے ادوار میں ترک لحیہ کو واجب سمجھا جاتا رہا اور امت کے سواد اعظم کا اس پر عمل رہا، مگر بعد میں مغربی تہذیب سے متأثر ہو کر عرب کے کچھ علماء نے اسے سنن عادیہ قرار دے کر اس کے وجوب کو متغیر کرنا شروع کر دیا، غالباً یہ وبا سب سے پہلے مصر میں آئی اور پھر وہاں سے عرب کے دیگر ممالک میں پھیلتی چلی گئی اور اب اچھے اچھے علماء اور قراء داڑھی کو غیر شرعی قرار دے کر اس سے غفلت برتنے لگے ہیں جو احادیث صحیحہ اور ائمہ مجتہدین وفقہاء کے متفق علیہ عمل کے خلاف ہے، اس لئے عرب وغیر عرب کے وہ لوگ جو داڑھی نہیں رکھتے ہیں وہ واجب کے تارک اور اسلامی و مذہبی شعار کو پامال کرنے والوں اور مٹانے والوں کے مشابہ ہیں، وہ عنداللہ مبغوض اور فاسق ہیں (مستفاد از منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/۲۹۸)۔

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مفتی خلیل احمد پالن پوری ☆

جواب نمبر(۱): فسق عدالت کی ضد ہے: ''**والعلاقة بين الفسق والعدالة الضدية**'' (الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۲/۱۴۱)۔

قرآن وحدیث میں عدالت وفسق کی کوئی تعریف متعین نہیں ہے، اور فقہاء نے عدالت کی مختلف تعریفیں کی ہیں، جس سے محسوس ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کے احوال اور اخلاقی کوائف کے اعتبار سے عادل وفاسق کا مصداق مختلف ہوسکتا ہے، مگر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الشہادات میں جو عدالت کی تفسیر کی ہے-جس کو احسن قرار دیا ہے-اس میں غور وفکر کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وہ مختلف ادوار میں ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی کوائف کے اعتبار سے بھی فسق کا معیار متعین کرنے میں جامعیت کی حیثیت رکھتی ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں:

''**وأحسن ما قيل في تفسير العدالة: أن يكون مجتنبا للكبائر ولا يكون مصرا على الصغائر ويكون صلاحه أكثر من فساده وصوابه أكثر من خطئه**'' (شامی دارالکتاب ۸/۱۵۸)۔

اس تعریف کے آخری دو جزو: (**يكون صلاحه أكثر من فساده**) اور (**وصوابه أكثر من خطئه**) اپنے اندر وسیع مفہوم لیے ہوئے ہیں اور اس میں لچک بھی ہے کہ صلاح وصواب بہ مقابلہ فساد اور خطا کے زیادہ ہو، اگرچہ کچھ فساد اور خطا بھی اس سے صادر ہو تو وہ فاسق نہ ہوگا، لہٰذا جس میں عدالت کے یہ اوصاف موجود نہ ہوں گے وہ فاسق ہوگا، نیز اگر کوئی شخص کسی وجہ سے فاسق ہوا تو کوئی ضروری نہیں کہ وہ ہر بات میں فاسق ہو، کیونکہ فسق متجزی ہے، ممکن ہے کہ وہ ایک بات میں فاسق ہے تو دوسری بات میں وہ عادل ہو، جیسا کہ معین الحکام میں ہے:

''**والصواب المقطوع به أن العدالة تتبعض فيكون الرجل عدلا في شيء فاسقا في شيء**'' (معین الحکام ص: ۱۴۵)۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہ (قاموس الفقہ) میں رقم فرماتے ہیں:

☆ مفتی دارالافتاء مدرسہ جامع العلوم دساڈہ

''اصل فسق کا مصداق متعین کرنے میں احوال زمانہ کو بڑا دخل ہے، مقصود یہ ہے کہ ایسا شخص جس کے جھوٹ بولنے سے اطمینان نہ ہو اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی اور جس آدمی کے بارے میں توقع ہو کہ وہ زیر تحقیق معاملہ میں جھوٹ نہ بولے گا گواہی اور قضا وغیرہ کے معاملہ میں اسے عادل سمجھا جائے گا'' (قاموس الفقہ ۴/ ۴۵۴)۔

مولانا کی یہ بات بھی علامہ شامی کے بیان کردہ عدالت کی تعریف کے آخری جز: (وصوابه أكثر من خطئه) یعنی اس کی راست بازی غلط بیانی سے زیادہ ہو، میں داخل ہے؛ کیونکہ جو اکثر غلط بیانی کرتا ہوگا اس کے جھوٹ بولنے سے دل مطمئن ہی نہ ہوگا؛ خواہ وہ صاحب مروت اور صاحب وجاہت ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اسے صاحب مروت اور صاحب وجاہت کہنا ہی مشکل ہوگا۔

جواب نمبر (۲): الف (۱) معاملات (جس میں کوئی چیز لازم قرار نہ دی جائے اور نہ اس میں نزاع کی صورت ہو)، جیسے کسی کو خرید وفروخت کا وکیل بنایا جانا، تجارت کی اجازت دینا، دوسرے کی طرف سے تحفہ پیش کرنا وغیرہ امور میں فسق قادح نہ ہوگا، فاسق کی بات معتبر اور قابل قبول ہوگی؛ اس لیے کہ اگر ایسا نہ ہو تو روزمرہ کے مسائل میں سخت مشکلات اور دقتیں پیش آئیں گی اور معاملات کا دروازہ ہی بند ہو کر رہ جائے گا۔

''**ويقبل قول الفاسق والكافر والعبد في المعاملات لكثرة وقوعها كما إذا أخبر أنه وكيل فلان في بيع كذا فيجوز الشراء منه إذا غلب على الرأى صدقه وفي الشامية: فاشتراط العدالة فيها يؤدى إلى الحرج وقلما يجد الإنسان المستجمع لشرائط العدالة ليعامله أو يستخدمه أو يبعثه إلى وكلائه**'' (شامی دار الکتاب ۹/ ۴۹۰، کذا فی البحر الرائق زکریا ۸/ ۳۴۲، والموسوعۃ الفقہیۃ ۳۲/ ۱۴۴)۔

(۲) وہ معاملات جن میں بندے پر کسی چیز کو لازم کرنا ہو، مثلاً: وہ حقوق جن میں خصومات جاری ہوتی ہیں، جیسے دین، سرقہ اور غصب وغیرہ کا ثبوت تو اس میں فقہاء نے عدالت کو شرط قرار دیا ہے۔

(۳) وہ معاملات جن میں من وجہ الزام ہوتا ہے اور من وجہ الزام نہیں ہوتا ہے، مثلاً: وکیل کو معزول کرنا یا ماذون فی التجارۃ پر روک لگانا تو ان میں عدد یا عدالت دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔

''**اعلم أن المعاملات على ما في كتب الأصول ثلاثة أنواع: الأول: مالاإلزام فيه كالوكالات والمضاربات، والإذن بالتجارة. والثاني: ما فيه إلزام محض كالحقوق التي تجرى فيها الخصومات. والثالث: ما فيه إلزام من وجه دون وجه كحجر الوكيل وحجر المأذون ....ففي الأول يعتبر التمييز فقط، وفي الثاني شروط الشهادة، وفي الثالث إما العدد وإما العدالة عنده خلافا لهما**''۔

آخر الذکر معاملات کی دوصورتوں میں قاضی کو اگر کذب سے مکمل اطمینان ہو اور اس کے صدق پر غلبۂ ظن ہو تو ان میں بھی فاسق کی بات معتبر ہوسکتی ہے۔

"وأما شهادة الفاسق فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته تقبل وإلا فلا وفي الفتاوى القاعدية هذا إذا غلب على ظنه صدقه وهو مما يحفظ" (شامی دارالکتاب ۱۵۹/۸)۔

"والفاسق يقبل قوله إذا وقع في القلب صدقه كما صرحوا به" (تقریرات رافعی ۵/۲)۔

ب: وہ امور جن میں خبر کافی ہوتی ہے، وہ دیانات محضہ کے قبیل سے ہیں، جیسے پانی کے ناپاک ہونے کی خبر دینا، اگر مخبر فاسق ہے تو رجحان قلب پر عمل کریں گے، اگر دیانات کا پہلو ضمناً ہے اصلا وہ معاملات کے قبیل سے ہیں تو اس میں فاسق کی بات معتبر ہوگی؛ جیسے فاسق کا خبر دینا کہ میں نے یہ گوشت مسلمان کے ذبیحہ کا خریدا ہے یا کافر کے ذبیحہ کا خریدا ہے معتبر ہوگا، اگرچہ ضمناً حلت وحرمت کی بھی خبر دینا ہے جو کہ دیانات کے قبیل سے ہیں۔

"ويقبل قول الكافر في الحل والحرمة يعني الحاصلين في ضمن المعاملات لا مطلق الحل والحرمة ..... وشرط العدالة في الديانات كالخبر عن نجاسة الماء .....ويتحرى في خبر الفاسق بنجاسة الماء" (شامی ۴۱۹/۹-۴۲۱)۔

ج: عبادات کے باب میں شیخ حمود بن عبد اللہ التویجری (غربۃ الاسلام) میں فرماتے ہیں: ''امامت وغیرہ ولایات دینیہ میں عادل مرضی کو مقرر کرنا مسلمانوں پر واجب ہے؛ جاہل اور فاسق کو مقرر کرنا جائز نہیں ہے، عادل کے پیچھے نماز پڑھنے پر قدرت ہو تو فاسق کے پیچھے نماز نہ پڑھے اور معزول کرنے پر قدرت ہو تو معزول کردے''۔

جواب نمبر (۳): اگر اس بات پر اطمینان ہو کہ وہ رؤیت ہلال کی شہادت میں سچا ہے، جھوٹ نہیں بولتا ہے تو اس کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے، جیسا کہ امام طحاویؒ کا قول ہے کہ رؤیت ہلال کے بارے میں فاسق کی شہادت قبول ہوگی۔

"أما الفاسق إن علم أن يكون الحاكم يعمل بقول الطحاى وهو قبول شهادة الفاسق في رؤية الهلال وإن كان مؤولا بالمستور ينبغي له أن يشهد" (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی ص: ۶۵۲)۔

اسی طرح دیگر اختلافی معاملات میں بھی اس کے صدق پر ظن غالب ہو تو شہادت قبول کی جاسکتی ہے، جیسا کہ فقہ کی مستند اور مشہور کتاب (معین الحکام) میں اس بحث کو ایک مستقل باب میں واضح طور پر بیان کیا ہے اور اس کی بنیادی وجہ یہ قرار دی ہے کہ حق تعالیٰ نے فاسق کی شہادت کو رد کرنے کا حکم نہیں فرمایا؛ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس کی تحقیق کرلو، **"يا أيها الذين آمنوا إن جآئكم فاسق بنبأ فتبينوا" الخ** جس کا مطلب یہی ہے کہ تحقیق سے اس کا سچا ہونا ثابت ہوجائے تو قبول کرلو ورنہ رد کردو۔

"القرافی فی باب السیاسة:نص بعض العلماء علی أنا إذا لم نجد فی جهة إلا غیر العدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجورا للشهادة علیهم ویلزم ذلک فی القضاة وغیر هم لئلا تضیع المصالح، قال وما أظن أحدا یخالف فی هذا فإن التکلیف شرط فی الإمکان، وهذا کله للضرورة لئلا تهتدر الأموال وتضیع الحقوق .....هذا هو الصواب الذی علیه العمل .....وإذا غلب علی الظن صدق الفاسق قبلت شهادته وحکم بها والله تعالی لم یأمر برد خبر الفاسق فلا یجوز رده مطلقا بل یثبت فیه حتی یتبین صدقه من کذبه فیعمل علی ماتبین وفسقه علیه۔ وقال بعد سطور: وقال أصبغ بن الفرج من أئمة المالکیة: إذا شهد الفا سق عندالحاکم وجب علیه التوقف فی القضیة وقد یحتج له بقوله تعالی: یا أیها الذین آمنوا إن جآئکم فاسق بنبأ فتبینوا الخ وقال ابن القیم الجوزیة الحنبلی: وسر المسئلة أن مدار قبول الشهادة وردها علی غلبة ظن الصدق وعدمه، قال: والصواب المقطوع به أن العدالة تتبعض فیکون الرجل عدلا فی شیء فاسقا فی شیء فإذا تبین للحاکم أنه عدل فیما شهد به قبلت شهادته ولم یضره فسقه فی غیر ه" (معین الحکام مع الہامش ۱۴۵)۔

جواب نمبر(۴): ہاں ان کا حکم ان اداروں کے خادمین اور تنظیم کے افراد کے لیے واجب الاطاعت ہوگا، جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عوف بن مالکؓ کی روایت ہے کہ صحابۂ کرام نے ظالم وجابر غیر متشرع حکام کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت طلب کی کہ وہ ان کی قیادت واطاعت سے باہر ہوجائے، تو آپ-صلی اللہ علیہ وسلم- نے ارشاد فرمایا:**"ألامن ولی علیه وال فرآه یأتی شیئا من معصیة الله فلیکره ما یأتی ولا ینزعن یدا عن طاعة"** (مسلم)۔

خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی-رضی اللہ عنہ- نے اس مسئلہ کو اور بھی زیادہ صاف کر دیا؛ جبکہ باغیوں نے آپ کو ایک مکان میں محصور کر کے امارت وخلافت کے کل کاروبار امامت نماز وغیرہ پر قبضہ کرلیا، تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فرماں بردار اور رفقاء نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ تو محصور ہیں، باغی لوگ نماز کی امامت اور دوسرے امور خلافت پر قابض ہیں، ہم ان کے ساتھ کیا معاملہ کریں، تو آپ نے فرمایا:

"إذا أحسنوا فأحسن معهم وإذا أساؤوا فاجتنب إسائتهم"۔

حضرت مفتی شفیع صاحب (جواہر الفقہ) میں فرماتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا جماعتی نظم اور ان کی شیرازہ بندی اسلام میں وہ مقصد اعظم ہے کہ اس کے لیے غیر متشرع امراء جور کی اطاعت پر بھی شریعت غراء نے مسلمانوں کو اس لیے مجبور کیا ہے کہ تفرقہ اور اختلال نظم کی صورت میں

جوقومی بربادی اورانفرادی معاصی کے ہزاروں دروازے کھلتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ مضر ہے کہ کسی امیر غیر متشرع کی اطاعت قبول کرلی جائے۔

عہد صحابہ میں جب ولید بن عقبہ امیر جماعت بن گیا اور اس کے عادات واخلاق اور اعمال وافعال صحابہ کی نظر میں اچھے نہ تھے، تو لوگوں کو اس پر اعتراض ہوا، اس وقت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہی نکتہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا:

"اصبروا فإن جور إمامكم خمسين عاما خير من مرج شهر"۔

ہاں البتہ اگر وہ شریعت کے خلاف کسی بات کا حکم دیں، تو اس ان کی اطاعت جائز نہ ہوگی، جیسا کہ حدیث میں ہے:

"لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق"۔

جواب نمبر(۵): فسق فی العقیدہ سے مراد یہ ہے کہ فاسق کے عقائد اہلِ السنۃ والجماعۃ کے عقائد کے خلاف ہوں؛ لہذا اگر اس کا فسق کفر کی حد تک نہیں پہنچا ہے تو اس کا حکم فاسق عملی کا سا ہوگا، چنانچہ شہادت کے باب میں اگر اس کے صدق پر ظن غالب ہو تو اس کی شہادت بھی قبول ہوگی؛ اور اگر اس کا فسق کفر کی حد تک پہنچ چکا ہے تو اس کا حکم کافر کا سا ہوگا۔

"تقبل من أهل الهواء أی أصحاب بدع لا تكفر كجبر الخ۔وفی الشامية:وإنما تقبل شهادتهم لأن فسقهم من حيث الاعتقاد وما أوقعهم فيه إلا التعمق والغلو فی الدين، والفاسق إنما ترد شهادته بتهمة الكذب" (شامی ۸/۱۶۷)۔

"يقصد بفسق الاعتقاد اعتقاد البدعة۔ قال ابن قيم الجوزية: وفسق الاعتقاد كفسق أهل البدع الذين يؤمنون بالله ورسوله واليوم الآخر ويحرمون ما حرم الله و يوجبون ماأوجب الله ولكن ينفون كثيرا مما أثبت الله ورسوله جهلا وتأويلا وتقليدا للشيوخ ويثبتون مالم يثبته الله ورسوله كذلك،فمن كانت بدعته من النوع المكفر كان حكمه حكم الكفار فی جميع الأحكام عند من يكفره، و من لم تكن بدعته من النوع المكفر فسق وكان حكمه حكم المسلمين" (الاحکام المرتبۃ علی الفسق فی الفقہ الاسلامی ۱/۵۷-۶۳)۔

جواب نمبر(۶): جب تک اس کے افعال اور اقوال سے توبہ کے آثار اور اس کی علامات ظاہر نہ ہوں، اس کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول نہ ہوگی، یہ احناف، شوافع اور مالکیہ کا مذہب ہے، اور حنابلہ کا ایک قول ہے، کیونکہ ارشاد ربانی ہے:

"فإن تابا وأصلحا فأعرضوا عنهما" (النساء الآیۃ:۱۶)۔

"إلا من تاب وآمن وعمل عملا صالحا فأولئک یبدل الله سیئاتهم حسنات وکان الله غفورا رحیما" (الفرقان الآیۃ:۷۰)۔

" إلا الذین تابوا من بعد ذلک وأصلحوا فإن الله غفور رحیم" (النورالآیۃ:۵)۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک وتعالی نے توبہ کو اصلاح اور عمل صالح کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے، معلوم ہوا کہ توبہ کے دنیوی احکام کے اعتبار سے قابلِ قبول ہونے کے لیے اصلاح اور عمل صالح ضروری ہے۔

" قال قاضی خان: الفاسق إذا تاب لاتقبل شهادته مالم یمض علیه زمان یظهر أثر التوبة ثم بعضهم قدر ذلک بستة أشهر وبعضهم قدربسنة۔ والصحیح أنه مفوض إلی رأی القاضی والمعدل" (ردالمحتار ۸/ ۱۷۳)۔

"هل تقبل الشهادة بمجرد توبته أو لا بد من استبراء التائب؟ اختلف الفقهاء علی قولین: القول الأول: لابد من استبراء حال التائب مدة یصلح فیها العمل ولا یکفی مجرد التوبة۔ هذا قول الجمهور: وهو مذهب الحنفیة والمالکیة والشافعیة وقول عند الحنابلة والقول الثانی: تقبل شهادة التائب بمجرد التوبة ولا یشترط معها إصلاح العمل۔ وهذا قول عند الحنفیة والمالکیة و مذهب الحنابلة" (الأحکام المرتبۃ علی الفسق فی الفقہ الإسلامی ۲/ ۸۴۵)۔

داڑھی کو سنن عادیہ میں شمار کرنا یا داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہ سمجھنا یہ دونوں رائے غلط ہیں، لہٰذا اگر کسی نے داڑھی نہیں رکھی یا بہت چھوٹی رکھی تو وہ فاسق ہوگا، تفصیل درج ذیل ہے:

اس سوال کے دو جزو ہیں: الف:

بعض عرب ملکوں میں داڑھی کو سنن عادیہ میں شمار کرنا، یہ رائے صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ داڑھی رکھنا سنن ہدی اور انبیاء کی سنن متوارثہ میں سے ہے، بلکہ واجب اور ایک عبادت ہے۔

داڑھی رکھنا ملت ابراہیمی کے احکام میں سے ہے، اس کی دلیل الفوز الکبیر کی یہ عبارت ہے:

"شعائر الملة الإبراهیمیة: حج البیت الحرام، واستقباله فی الصلوات والغسل من الجنابات والاختتان وسائر خصال الفطرة الخ" (الفوز الکبیر ص:۹۵)۔

خصال فطرت میں "اعفاء اللحیۃ" بھی ہے۔

الفوز الکبیر ہی میں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نبی آتا ہے تو وہ پہلی قوم کی تمام عادات کو بالکلیہ ختم نہیں کرتا

ہے، بلکہ وہ اچھی اور بری عادات میں تمیز کرتا ہے، جو عادت نیک ہوتی ہے، اللہ کی مرضی کے مطابق ہوتی ہے، اس کو باقی رکھتا ہے اور جو عادت اصل شریعت اور اللہ کی مرضی کے منافی ہوتی ہے تو اس میں حسب ضرورت ترمیم کرتا ہے؛ لہٰذا اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ داڑھی رکھنا عرب کی عادت تھی تب بھی مذکورہ رائے صحیح نہ ہوگی؛ کیونکہ وہ عادت اللہ کی مرضی کے منافی نہیں تھی، اس لیے اس کو شریعت میں باقی رکھا گیا، تو اب یہ شریعت کا حکم بن گیا، محض عرب کی عادت نہیں رہا:

"فی هذه المسئلة أن النبوة كائنة لإصلاح نفوس الناس، وتهذيب عباداتهم وتعديل عاداتهم لا لإنشاء أصول البر والإثم، ولكل قوم عادات فی العبادات، وتدبير المنزل والسياسة المدنية فإذا ظهرت فيهم النبوة فلا تستأصل هذه العادات بالمرة، ولا تضع لهم عادات جديدة بل تميز فيما بين العادات، فما كان منها صالحا مطابقا لرضى الله تعالى تبقيه وتحفظه وما كان منها مخالفا للأصل منافيا لرضى الله تعالى تغيره حسب الضرورة وتعدله" (الفوز الکبیر ص:۲۶)۔

ب: داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہ سمجھنا، یہ رائے بھی صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ باجماع ائمہ یکمشت داڑھی رکھنا واجب ہے۔

فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں ہے:

''شریعت مطہرہ نے مردوں پر داڑھی رکھنے کو واجب اور لازم قرار دیا ہے اور اس کی کم از کم حد طولا وعرضا ایک مشت ہے، یعنی داڑھی ایک مشت سے کم کرنا ناجائز ہے، یہ ائمۂ اربعہ کا متفقہ اور مسلمہ حکم ہے، ایک مشت سے پہلے داڑھی کٹانے والا یا چھوٹی رکھنے والا فاسق وفاجر ہے'' (فتاویٰ دارالعلوم زکریا ۷/ ۲۸۳)۔

مذہب احناف:

فتاویٰ بزازیہ میں ہے: **"للرجل أن لايقطع اللحية"** (بزازیہ ۳/ ۳۷۹)۔

فتح القدیر میں ہے: **''وأما الأخذ منها وهی دون ذلک (القدر المسنون وهو القبضة) كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه أحد''** (فتح القدیر ۲/ ۳۴، دارالفکر)۔

مذہب مالکیہ:

حاشیۃ العدوی میں ہے: **"فإن قلت: وما حكم القص عند عدم الطول أو الطول القليل؟ قلت: صرح بعض الشراح بأنه يحرم القص إن لم تكن طالت كالحلق"** (حاشیۃ العدوی ۲/ ۵۸۱)

مذہب شافعیہ:

حواشی الشروانی میں ہے: ''قال الشیخان:یکرہ حلق اللحیة واعترضه ابن الرفعة فی حاشیة الکافیه بأن الشافعی نص فی الأم علی التحریم، قال الزرکشی وکذا الحلیمی فی شعب الإیمان وأستاذه القفال الشاشی فی محاسن الشریعه وقال الأذرعی الصواب تحریم حلقها جملة لغیر علة بها کما یفعله القلندریه'' (حواشی الشروانی ۹/۴۳۶)

مذہب حنابلہ:

'' وإعفاء اللحیة بأن لا یأخذ منها شیئا، مالم یستهجن طولها ویحرم حلقها ذکره الشیخ تقی الدین ولایکره أخذ مازاد علی القبضة'' (کشاف القناع ۱/۷۵)۔

بخاری شریف میں ہے:

'' عن ابن عمر رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال:خالفوا المشرکین، وفروا اللحی وأحفوا الشوارب، وکان ابن عمر رضی الله عنه إذا حج أو اعتمر قبض علی لحیته فما فضل أخذه'' (بخاری ۲/۸۷۵، کتاب اللباس)۔

علامہ عینی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''قوله: ''خالفوا المشرکین'' أراد بهم المجوس یدل علیه روایة مسلم :خالفوا المجوس لأنهم کانوا یقصرون لحاهم ومنهم من کان یحلقها'' (عمدۃ القاری ۱۵/۹۰)۔

مسلم شریف میں ہے:''عن أبی هریرة رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:جزوا الشوارب وأرخوا اللحی خالفوا المجوس'' (مسلم ۱/۱۲۹، باب خصال الفطرۃ)۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ یکمشت داڑھی رکھنا واجب ہے، لہذا منڈانے والا یا خشخشی رکھنے والا فاسق ہوگا (بحوالہ فتاویٰ دار العلوم زکریا ۲/۲۶۹، ۷/۲۸۴)۔

☆☆☆

فسق کی تعریف وحقیقت اوراس کے چند احکام

مفتی محمد مدثر قاسمی☆

جواب نمبر۱: فسق کے لغوی معنی ہیں، سیدھے راستے سے نکل جانا، جیسا کہ حاشیۃ الطحطاوی میں ہیں:

"والفسق لغة خروج عن الاستقامة، وهو معنى قولهم خروج الشيء عن الشيء على وجه الفساد" (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ج۱ ص ۳۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔

فسق اصطلاحی:

گناہ کبیرہ کی بنیاد پر اللہ تعالی کی اطاعت سے نکل جانا اور گناہ صغیرہ پر اصرار کرنا، اسی کو فسق اصطلاحی کہا جاتا ہے جیسا کہ حاشیۃ الطحطاوی میں ہیں:

"وشرعا: خروج عن طاعة الله تعالى بإرتكاب كبيرة، قال القهستاني: أي أو إصرار على صغيرة، وينبغي أن يراد بلا تأويل" (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ج۱ ص ۳۰۳، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔

جواب نمبر۲: فسق وفجور کی بنیاد پر ظاہری طور پر عبادات کے اندر صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا، چاہے کراہت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ فقہاء کی کچھ عبارتیں اس پر دلالت کرتی ہیں، "حاشیۃ الطحطاوی" میں ہے کہ فاسق وفاجر شخص کی امامت صحیح ہے، لیکن کراہت کے ساتھ، اور حدیث میں ہے کہ تم نماز پڑھو ہر نیک اور فاجر کے پیچھے، اور نماز پڑھو ہر نیک اور فاجر پر اور جہاد کرو ہر نیک اور فاجر کے ساتھ مل کر، یہ حدیث ظاہری طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فاسق وفاجر کے پیچھے نماز صحیح ہو جائے گی؛ چاہے کراہت کے ساتھ:

"ولذا كره إمامة (الفاسق) العالم لعدم إهتمامه بالدين فتجب إهانته شرعا، فلا يعظم بتقديمه للإمامة --- لقوله عليه السلام: صلوا خلف كل بر وفاجر، وصلوا على كل بر وفاجر، وجاهدوا مع كل بر وفاجر، رواه الدار قطني كما في البرهان، وقال في مجمع الروايات: وإذا صلى خلف فاسق،

☆ ناظم مدرسہ فیض العلوم، مالوہ، ضلع ہوشنگ آباد (ایم. پی)

أو مبتدع يكون محرزا ثواب الجماعة ولكن لاينال ثواب من يصلى خلف إمام تقى'' (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ۱/ ۳۰۲، ۳۰۳، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔

اور رہ جاتا مسئلہ معاملات کا تو غیروں کے ساتھ میں جب معاملات کرنا جائز ہے، تو پھر مسلمان جو فاسق و فاجر ہو تو اس کے ساتھ میں بدرجہ اولی معاملات کرنا درست ہوگا، اور اس میں کسی طرح کی کوئی قباحت بھی نہیں ہے، بشرطیکہ شریعت کے اصول و دائرے میں رہتے ہوئے معاملات کیے جائیں، لہٰذا اصول سے ہٹ کر اگر معاملات کیے جائیں تو پھر چاہے مسلمان ہو، یا غیر مسلم ہو معاملہ درست نہیں ہوگا۔

''**وكذا إسلام البائع ليس بشرط لإنعقاد البيع وللنفاذه وللصحته بالإجماع، فيجوز بيع الكافر وشرائه**'' (بدائع الصنائع ۶/ ۵۳۴، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔

اسی طرح نکاح کے معاملے میں بھی فاسق آدمی نکاح کے گواہ بن سکتے ہیں، جیسا کہ فقہاء کی عبارتیں اس پر شاہد ہیں۔

''**وأما عدالة الشاهد، فليست بشرط لإنعقاد النكاح عندنا، فينعقد النكاح بحضور الفاسقين**''

(بدائع الصنائع ۳/ ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔

جواب نمبر ۳: چاند کے بارے میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جب اختلاف ہو جائے تو اصول یہ ہے کہ حکم حاکم رافع اختلاف ہے، اور ہندوستان میں چونکہ حاکم شرعی نہیں ہے، لہٰذا چاند کے معاملہ میں مقامی و علاقائی رؤیت ہلال کمیٹیاں حاکم کا درجہ رکھتی ہیں، لہٰذا یہ کمیٹیاں اگر تحقیق و شرح صدر کے بعد چاند کے ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں، تو ان کی تعمیل ان کے حلقہ اثر میں ضروری ہوگی، ہر کس و ناکس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی بات دوسرے کو منوانے پر مجبور کرے (مستفاد از کتاب النوازل، ۶/ ۲۷۵، ۲۷۶)۔

اگر کسی جگہ پر رؤیت عامہ نہ ہو سکے تو چاند کے ثبوت کے لیے شرعی تصدیق کے طور پر درج ذیل ذرائع میں سے کوئی ایک ذریعہ بھی متحقق ہو جائے تو شرعاً چاند کا ثبوت مانا جائے گا۔

(۱) شہادت علی الرؤیہ: جس کا مطلب یہ ہے کہ چاند دیکھنے والے دو عادل شخص خود قاضی یا ہلال کمیٹی کے سامنے چاند دیکھنے کی گواہی دیں۔

(۲) شہادت علی شہادۃ الرؤیہ: یعنی چاند دیکھنے والے خود تو حاضر نہ ہوں، لیکن ان میں سے ہر ایک کی گواہی پر دو عادل شخص گواہی دیں، مثلاً کہیں کہ ہمارے سامنے فلاں فلاں شخص نے چاند کی گواہی دی ہے۔

(۳) شہادت علی القضاء: یعنی کسی جگہ قاضی یا کمیٹی شرعی ثبوت حاصل ہونے کی وجہ سے چاند کا فیصلہ کر دے، پھر

اپنے فیصلے کو دو گواہوں کے سامنے مہر بند کر کے دوسرے شہر کی کمیٹی یا قاضی کے پاس بھیج دے۔

(۴) استفاضہ: یعنی کسی جگہ سے چاند کی خبر یا قاضی کے فیصلے کے بعد اس کی خبر دوسرے شہر تک اس تواتر سے پہنچے کہ اس سے چاند کے ثبوت کا غلبہ ظن ہو جائے (مستفاد از کتاب النوازل ۶/ ۲۷۷)۔

"طريق موجب كأن يتحمل إثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر" (شامی زکریا ۳/ ۳۶۴)۔

"تقبل فيما لا يسقط بالشبهة إن شهد رجلان على شهادة شاهدين" (کتاب النوازل ۶/ ۲۷۸ بحوالہ البحر الرائق ج ۷ ص ۱۲۰)۔

"وذكر الشيخ الإمام شمس الأئمة الحلوانی: أن الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين يلزمهم حكم أهل هذه البلددة۔

وفی مجموع النوازل: شاهدان شهدا عند قاضی مصر لم یری اهله الهلال علی أن قاضی مصر كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال، وقضى به ووجد شرائط صحة الدعوى قضى بشهادتهما، حكاه عن شيخ الاسلام" (الفتاوی التاتارخانیۃ زکریا ۳/ ۳۶۶)۔

چاند کے بارے میں فاسق کی شہادت :۔ شہادت دینے والوں کا ثقہ، یعنی دین دار اور موجبات فسق سے بچنے والا ہونا ضروری ہے، فاسق کی گواہی چاند کے بارے میں قبول نہیں ہے، ایسے لوگ جن کی ظاہری شکل وصورت اور وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہے، ان کو ظاہری حالات کی بنا پر فاسق کہا جاتا ہے، ان کی شہادت کے بارے میں شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایسے لوگ دو قسم پر ہیں:

(۱) وہ لوگ جن کی ظاہری حالت، وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہے، اور ان کے حالات اور ماحول اور معاملات وگفتگو بھی شریعت کے مطابق نہیں ہے، ان کو جھوٹ بولنے میں اور وعدہ خلافی کرنے میں کوئی دریغ نہیں ہوتا، اور نہ ہی ان کو جھوٹ بولنے میں شرم آتی ہے، ایسے لوگوں کی شہادت دینی معاملات میں مردود ہے، ان کی شہادت قبول کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) ایسا شخص جس کا ظاہری حلیہ اور وضع قطع شریعت کے مطابق نہیں ہے، لیکن وہ سنجیدہ اور باوقار ہے، جھوٹ بولنے کو خود اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے اور اپنے اندر مروت اور غیرت رکھتا ہے، تو ایسے شخص کی شہادت قبول کرنا جائز، بلکہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ایسے شخص کی شہادت قبول کرنا بعض حالات میں واجب ہو جاتا ہے، اسی لیے

رویت ہلال کے مسئلے میں چاہے ہلال رمضان ہو یا ہلال شوال یا ذی الحجہ، ہر ایک کے بارے میں ایسے شخص کی شہادت قابل قبول ہوگی اور اسی کے مطابق فیصلہ دینا بلا کراہت اور بلا شبہ جائز ہوگا (مستفاد از کتاب النوازل ۶/ ۲۸۷)۔

"عن عامر قال: تجوز شهادة الرجل المسلم ما لم يصب حدا، أو تعلم عليه حوبة فی دينه" (مصنف ابن ابی شیبہ/ ما العدل فی المسلمین ۴/ ۴۲۸، رقم: ۲۱۷۳۶، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔

عن محمد قال: قال شريح-----وائت على ذلک بشهود عدول، فإنا قد أمرنا بالعدول۔ وائت فسل عنه------فإن قالوا: ما علمنا إلا عدلا مسلما، فهو إن شاء الله كذلک، وتجوز شهادته" (مصنف ابن ابی شیبہ ما العدل فی المسلمین ۴/ ۴۲۹، رقم: ۲۱۷۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔

"عن علی رضی الله عنه فی الهلال قال: إذا شهد رجلان ذوا عدل على رؤية الهلال فأفطروا" (مصنف ابن ابی شیبہ/ لا یجوز الا بشہادۃ رجل ۲/ ۳۲۱، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔

"خبر عدل أو مستور على ما صححه البزازی على خلاف ظاهر الرواية لا فاسق اتفاقا، وهل له أن يشهد مع علمه بفسقه؟قال البزازی: نعم؛ لأن القاضی ربما قبله، ولو كان العدل" (درمختار مع الشامی زکریا ۳/ ۳۵۲)۔

"وقوله، إن علم الخ مبنی على ظاهر قول الطحاوی من قبول ظاهر الفسق،فإذا كان اعتقاد القاضی ذلک يجب أن يشهد، وقول الشارح (وهل له) يفيد عدم الوجوب بناء على عدم علمه باعتقاد القاضی كمان هو مفاد التعليل بقوله، (لأن القاضی ربما قبله) تأمل" (درمختار مع الشامی زکریا ۳/ ۳۵۲، ۳۵۳)۔

"والوجه تنفيذ قضاء كل من ولاه سلطان ذو شوكة، وإن كان جاهلا فاسقا وهو ظاهر المذهب عندنا ------ يعنی الأولی أن لا تقبل شهادته، وإن قبل جاز۔ وفی الفتح: ومقتضی الدليل أن لا يحل أن يقضی بها، فإن قضی جاز ونفذ ومقتضاه الإثم، وظاهر قوله تعالی (إن جائكم فاسق بنبإ فتبينوا) الحجرات۔ أنه لا يحل قبولها قبل تعرف حاله ---------- حتی لا يقبل الفاسق۔ وصرح ابن الكمال بأن من قلد فاسقا يأثم، و إذا قبل القاضی شهادته يأثم -------" (الشامی زکریا ۸/ ۲۵، ۲۶)۔

العدل فی الشهادة: أن يكون مجتنبا عن الكبائر ولا يكون مصرا على الصغائر، ويكون صلاحه أكثر من فساده وصوابه أكثر من خطائه، وأن يستعمل الصدق ديانة ومبرة ويجتنب عن

الكذب ديانة ومروئة'' (الفتاوی التاتارخانیۃ زکریا ۱۱/ ۴۲۴)۔

جواب نمبر ۴: اللہ تعالی کا فرمان ہے،''**يا أيها الذين آمنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم**'' (سورہ نساء:۵۹)، اس مذکورہ آیت میں اولی الامر کی اطاعت سے علماء اور حکام دونوں کی اطاعت مراد ہے، اس لیے اس آیت کی رو سے فقہی تحقیقات میں فقہاء کی اطاعت اور انتظامی امور میں حکام وامراء کی اطاعت واجب ہوگئی، یہ اطاعت بھی درحقیقت اللہ جل شانہ کے احکام ہی کی اطاعت ہے، لیکن ظاہری سطح کے اعتبار سے یہ احکام نہ قران میں ہیں، نہ سنت میں، بلکہ ان کا بیان یا علماء کی طرف سے ہو یا حکام کی طرف سے، اس لیے اس اطاعت کو تیسرا نمبر جداگانا قرار دے کر اولوالامر کی اطاعت نام رکھا گیا، اور جس طرح منصوصات قران میں قرآن کا اتباع اور منصوصات رسول میں رسول کا اتباع لازم و واجب ہے اسی طرح غیر منصوص فقہی چیزوں میں فقہاء کا، اور انتظامی امور میں حکام وامراء کا اتباع واجب ہے، یہی مفہوم ہے اطاعت اولی الامر کا، (خلاف شرع کاموں میں امیر کی اطاعت جائز نہیں)''**إن الله يأمركم أن تؤدو الأمنٰت إلى أهلها الخ**'' (سورہ نساء:۵۸)، اس آیت میں اللہ تعالی نے جس کام کو ارشاد فرمایا کہ اگر تم لوگوں کے درمیان کوئی فیصلہ کرو تو عدل وانصاف کے ساتھ کرو، اور اس سے پہلے اللہ تعالی نے لوگوں کو اولی الامر کی اطاعت کی تعلیم دی، اس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ امیر اگر عدل پر قائم رہے تو اس کی اطاعت واجب ہے، اور اگر وہ عدل وانصاف کو چھوڑ کر خلاف شرع احکام صادر کرے تو ان میں امیر کی اطاعت نہیں کی جائے گی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''**لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق**''(یعنی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس سے خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو)(معارف القران مفتی شفیع عثمانی فرید بکڈپو ۲/ ۴۵۲)۔

تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ مساجد اور دیگر مذہبی اداروں اور تنظیموں کے ذمہ داران چاہے فاسق ہی کیوں نہ ہو ان کی فرمانبرداری بھی کی جائے گی، جب تک کہ وہ خلاف شرع امور کا حکم نہ کرے اور اگر خلاف شرع امور کا حکم کرتے ہیں تو پھر ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

جواب نمبر ۵: فسق فی العقیدہ سے مراد یہ ہے کہ عقیدہ میں کسی طرح کا فساد اور بگاڑ پیدا ہو جائے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام اور تمام ہی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، لیکن اگر کوئی شخص حیات انبیاء کا منکر ہو تو ایسا شخص اہل سنت والجماعت سے خارج ہے اور اسی کو فسق فی العقیدہ کہا جاتا ہے، جیسا کہ علامہ یوسف بنوری ٹاؤن کراچی نے ایک فتوے کے جواب میں لکھا فتوی نمبر:۱۴۰۱۱۰۱۴۴۴۰۷۶۔

''اہل سنت والجماعت علماء دیوبند کے عقیدہ کے مطابق اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ

ہیں،اور روح کا تعلق جسم مبارک سے قائم ہیں،آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی حیات کے مثل؛ بلکہ اس سے بھی اعلیٰ اور قوی حیات کے ساتھ اپنی قبر مبارک میں آرام فرما ہیں،اور جو شخص روضہ اقدس پر درود وسلام پیش کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے ہیں،اور جواب دیتے ہیں، جو شخص اس عقیدے کا انکار کرے وہ اہل سنت والجماعت اور علماء دیوبند سے خارج ہے، ہمارے عرف میں ایسے شخص کو مماتی کہا جاتا ہے اور اگر ایسا شخص کسی مسجد کا امام ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے''، اور جواہر الفتاوی میں ہے:'' حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ نصوص شرعیہ سے اور اجماع امت سے ثابت ہے، باتفاق علماء اہل سنت والجماعت خاص کر اکابر علماء دیوبند اس جماعت دیوبندیہ کے لیے معیار قرار دیتے ہیں،اس کے خلاف منکرین حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم والانبیاء والشہداء کو مبتدع اور اہل سنت والجماعت سے خارج قرار دیتے ہیں''(جواہر الفتاوی جدید ۱/ ۴۳۲،اسلامی کتب خانہ)۔

''حیاة النبی صلی الله علیه وسلم وسائر الأنبیاء علیهم الصلاة والسلام معلومة عندنا علما قطعیا،لما قام عندنا من الأدلة فی ذلک وتواترت به الأخبار ،وقد ألف البیهقی جزاء فی حیاة الأنبیاء فی قبورهم ....أن نبینا صلی الله علیه وسلم حی بعد وفاته وأنه یسر بطاعات أمته بمعاصی العصاة منهم'' (ماخوذ من الجامعۃ العثمانیہ پشاور پاکستان بحوالہ الحاوی للفتاوی انبانا لاذ کیا بحیاۃ الانبیاء ۲/ ۱۷۸،۱۸۱)۔

جواب نمبر ۶: اگر فاسق شخص توبہ کر لیتا ہے لیکن وہ ابھی اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی انسان سے گناہ ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ انسان خطاؤں کا اور نسیان کا پتلا ہے تو اس اعتبار سے اس کے ظاہر یعنی زبان سے توبہ کر لینے کی بنیاد پر یہی سمجھا جائے گا کہ اس نے صدق دل سے توبہ کی ہے، اس لیے کہ زبان دل کی ترجمان ہوتی ہے، جیسا کہ اگر کوئی شخص زبان سے کلمہ شہادت کا اقرار کرتا ہو اور ظاہری اعمال اس کے خلاف ہو تو اس کے باوجود اس کے مسلمان ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے اور اس پر دنیا کے دیگر احکام لاگو ہوتے ہیں، جیسے نماز پڑھنا روزہ رکھنا مال کا نصاب کے بقدر مالک ہونے پر زکوۃ دینا اور ایسے ہی فاسق امام کے پیچھے نماز بھی ہو جائے گی، چاہے کراہت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو تو ایسے ہی فاسق آدمی زبان سے اگر توبہ کر لے تو یہاں پر بھی یہی کہا جائے گا کہ توبہ کے بعد میں اس پر دنیاوی کچھ احکام لاگو ہوں گے، چاہے عمل اس توبہ کے خلاف ہو،لیکن یہ ان دنیاوی احکام کے بارے میں ہے کہ جن میں فسق دنیاوی احکام کے لیے رکاوٹ نہ بنتا ہو؛ جیسا کہ اوپر مثالیں آچکی ہیں،لیکن کچھ احکام دنیاوی اعتبار سے وہ ہوتے ہیں،جن میں فسق دنیاوی احکام کے اعتبار سے رکاوٹ بنتا ہے،تو اگر فاسق آدمی کے توبہ کر لینے کے بعد ظاہری قرائن اگر یہ بتلا رہے ہوں کہ یہ شخص اپنی توبہ پر برقرار نہیں ہے، بلکہ گناہ کبیرہ کے اندر ملوث ہے جس کی وجہ سے اس پر فاسق ہونے کا حکم لگ رہا ہو تو پھر ظاہری قرائن کی بنیاد پر دنیاوی

احکام فسق کی وجہ سے لاگو نہیں ہوں گے، جیسا کہ فاسق آدمی کی روایتوں کو قبول نہیں کیا جاتا ہے فسق کی وجہ سے

"ولذا كره إمامة (الفاسق) العالم لعدم إهتمامه بالدين فتجب اهانته شرعا، فلا يعظم بتقديمه للإمامة ..... لقوله عليه السلام: صلوا خلف كل بر وفاجر، وصلوا على كل بر وفاجر، وجاهدوا مع كل بر وفاجر، رواه الدارمي كما في البرهان، وقال في مجمع الروايات: وإذا صلى خلف فاسق، او مبتدع يكون محرزا ثواب الجماعة ولكن لا ينال ثواب من يصلي خلف إمام تقي"

(حاشیۃ الطحطاوی علم مراقی الفلاح ۱/ ۳۰۲، ۳۰۳ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)۔

"عن عبد الرحمن بن عبد الله بن مسعود عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من كذب على متعمدا فليتبوأ مقعده من النار" (ابن ماجہ/ ۲۶، حدیث نمبر ۳۰، دار الفکر بیروت لبنان، باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

"عن علي قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تكذبوا علي، فإن الكذب علي يولج النار" (ابن ماجہ/ ۲۶، حدیث نمبر ۳۱، دار الفکر بیروت لبنان، باب التغلیظ فی تعمد الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ان دونوں حدیثوں کا ظاہر اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ کذب بیانی کو اللہ کے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی جانب منسوب کرنا جائز نہیں ہے۔

جواب نمبر ۷: مرد کے لیے داڑھی رکھنا واجب ہے، اور ایک مشت رکھنا بھی واجب ہے، بلا عذر شرعی کے منڈانا حرام ہے، اس کا مرتکب فاسق ہے، ایک مشت سے کم کرانا مکروہ تحریمی ہے، اس پر اصرار و مداومت فسق ہے، اور یہ مسئلہ اجماعی مسئلہ ہے، ڈاڑھی منڈانے کی حرمت پر ساری امت کا اجماع ہے، ایک فرد بھی امت میں اس کے جواز کا قائل نہیں ہے: **"فلذلک كان حلق اللحية محرما عند أئمة المسلمين المجتهدين أبي حنيفة ومالک والشافعي وأحمد رحمهم الله وغيرهم"** (المنہل العذب المورود شرح ابوداؤد ۱/ ۱۸۶، مؤسسۃ التاریخ العربی بیروت لبنان)۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بوادر النوادر میں تحریر فرماتے ہیں کہ داڑھی منڈانے کی حرمت پر پوری امت کا اتفاق ہے **"قوله لم يبحه أحد نص في الإجماع فقط"** (بوادر النوادر ص ۴۴۳ پچپنواں نادرہ در اجماع بر حرمت اخذ لحیہ دون القبضہ)

مفتی سعید صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ترکی، مصری اور حجازی مسلمان بھی تو داڑھیاں منڈاتے ہیں۔

جواب: میرے بھائی، آپ نے ان کے فعل کو معیار حق اور دلیل جواز کیوں بنالیا ہے، معیار حق تو قران وحدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور حضرات صحابہ کرام کا عمل ہے، اسی لیے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ صرف وہ شخص ناجی ہے جو اس راہ پر گامزن ہو جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں "**ما أنا عليه و أصحابی**" اسی سے اہل سنت والجماعت کی اصطلاح بنائی گئی ہے، کیونکہ رسول ﷺ کے طریقے کا نام سنت ہے جو (**ما أنا عليه**) کا مفہوم ہے، اور (اصحابی) کا مفہوم جماعت حقہ کا عمل ہے، اور یہ دونوں راہیں درحقیقت ایک ہی ہیں اور جو اس پر گامزن ہے وہ اہل سنت والجماعت کا فرد ہے، اس لیے اس مسئلے کو حجازی مصری اور عربی کی کسوٹی پر نہیں دیکھنا چاہیے، بلکہ قران وحدیث کی کسوٹی پر اور عمل صحابہ کی کسوٹی پر دیکھنا چاہیے (داڑھی اور انبیاء کی سنتیں/ ۸۵، ۸۶ مکتبہ حجاز دیوبند)۔

☆☆☆

فسق سے متعلق سوالوں کے جوابات

مفتی صدر عالم قاسمی☆

فسق کا لغوی معنی ایک شئ کا دوسری شئ سے علی وجہ الفساد نکل جانا یا کسی شئ کا استقامت و اعتدال سے باہر ہوجانا اور شریعت کی اصطلاح میں اللہ تعالی کی اطاعت وفرمانبرداری سے نکل جانے کو فسق کہا جاتا ہے۔

"**والفسق لغة خروج عن الاستقامة وهو معنى قولهم خروج الشيء عن الشيء على وجه الفساد وشرعا خروج عن طاعة الله**" (طحطاوی علی المراقی ر ۳۰۳)۔

اور اللہ تعالی کی اطاعت سے نکلنا جس طرح فرائض کے ترک اور منہیات کے ارتکاب سے ہوتا ہے، اسی طرح کفر وشرک سے بھی ہوتا ہے، بلکہ یہ تو اللہ تعالی کی اطاعت سے نکلنے کی سب سے بڑی شکل ہے اس لیے قرآن وحدیث میں دیگر معاصی کے ساتھ کفر وشرک پر بھی فسق کا اطلاق ہوا ہے۔

"**قال ابن تيمية: إن الفسق تارة يكون بترک الفرائض وتارة بفعل المحرمات وقال الشوكاني ناقلا عن الإمام القرطبي: والفسق في عرف الاستعمال الشرعي الخروج عن طاعة الله عز وجل، وقد يقع على من خرج بكفر وعلى من خرج بعصيان**" (الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۲/۱۴۱)۔

فسق کے مقابلے میں ایک لفظ عدالت ہے جس کا لغوی معنی توسط واعتدال ہے، شریعت کے بہت سے مسائل میں عادل وفاسق کا حکم الگ الگ ہے، لیکن عادل وفاسق کس کو کہیں گے قران وحدیث میں واضح اور دوٹوک انداز میں اس کا کوئی قطعی مفہوم متعین نہیں کیا گیا ہے۔

فقہاء کرام نے شریعت کے منشاء ومزاج کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے ذوق اور اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق عادل وفاسق کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے، چونکہ ہر شخص کا مزاج ومذاق الگ الگ ہوتا ہے، ایک چیز بعض لوگوں کے نگاہ میں قابل گرفت ہوتی ہے، اور وہی چیز دوسرے لوگوں کے نزدیک مستحسن یا کم از کم قابل گرفت نہیں ہوتی ہے، اسی طرح

☆ استاذ جامعہ عربیہ اشرف العلوم کنھواں سیتامڑھی

ایک چیز ایک زمانہ میں معیوب سمجھی جاتی ہے اور دوسرے زمانے میں معیوب نہیں سمجھی جاتی ہے، اسی طرح علاقے علاقے کا بھی فرق پڑتا ہے انہی سب وجوہات سے عادل و فاسق کی تعریف میں فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں اور فسق و عدالت کا مفہوم متعین کرنے میں اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ:

(۱) بعض حضرات کے نزدیک عادل اس کو کہیں گے جو صغائر و کبائر تمام گناہوں سے پرہیز کرے۔

"**وتكلم العلماء في تفسير العدل منهم من ضيق غاية التضييق فشرط انزجار الشاهد عن جميع المحظورات حتى قال من سمع الأذان وانتظر الإقامة سقطت عدالته**" (التاتارخانیہ:۱۱/ ۴۲۳)۔

(۲) اور بعض لوگوں کے نزدیک عادل وہ شخص ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو اور اس کے برخلاف یعنی جو شخص کسی بھی کبیرہ کا مرتکب ہو یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہو وہ فاسق ہے، یہی دوسری تعریف سب سے زیادہ مشہور ہے اور اکثر لوگوں نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

"**الفاسق من فعل كبيرة أو أصر على صغيرة**" (شامی ۸/ ۱۸۱، کتاب الشہادۃ)۔

"**والعدالة في الاصطلاح اجتناب الكبائر واجتناب الإصرار على الصغائر، وقيل: اجتناب الكبائر وأداء الفرائض**" (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۲ ج ۱۴۹)۔

مذکورہ بالا ان دونوں تعریفوں کے اعتبار سے عادل ہونے کے لیے تمام گناہوں سے اور نہیں تو کم از کم تمام کبیرہ گناہوں سے بچنا لازم و ضروری ہے، چنانچہ جو شخص کسی بھی کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا وہ عادل نہیں؛ بلکہ فاسق اور مردود الشہادۃ قرار پائے گا۔

یہ تعریف اس زمانے کے اعتبار سے تو ٹھیک ہے، جبکہ خیر غالب تھا، لوگوں کی دینداری کا معیار انتہائی بلند تھا، لیکن ہمارے اس زمانے میں بھی اگر عدالت کا یہی معیار رکھا جائے تو عادل گواہوں کا ملنا انتہائی متعذر و دشوار ہو جائے گا اور حصول انصاف کا دروازہ قریب قریب بند ہو جائے گا، نیز مسجدوں میں ایسے امام کا ملنا بہت مشکل ہو جائے گا جس کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہو جائے، کیونکہ اس زمانے میں بعض گناہ اتنے عام ہو گئے ہیں کہ عوام تو درکنار اہل علم کے گھرانے بھی اس سے خالی نہیں ہیں، جیسے تصویر کشی اور شرعی پردہ وغیرہ کا مسئلہ۔

(۳) تیسری تعریف جو حضرت عبداللہ بن المبارک سے منقول ہے، وہ یہ کہ جس شخص کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں وہ شخص عادل ہے اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

"**وعن عبد الله ابن المبارک أنه قال: من غلبت حسناته على سيئاته قبلت شهادته**" (التاتارخانیۃ ۱۱/ ۴۲۳)۔

اس تعریف میں کسی شخص کو عادل و فاسق قرار دینے میں خیر و شر کے غلبہ کا اعتبار کیا گیا ہے، شریعت کے بہت سے مسائل میں غلبہ کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس تعریف میں پہلی دونوں تعریفوں کے مقابلے میں زیادہ توسع ہے، نیز یہ تعریف ہمارے زمانے کے عرف اور شریعت کے منشاء و مزاج سے بھی ہم آہنگ ہے، ہمارے زمانے کے عرف سے تو اس طرح ہم آہنگ ہے کہ ہمارے زمانے میں جس کی اچھائیاں زیادہ ہوتی ہیں اور اس پر خیر غالب ہوتا ہے تو ایسے شخص کو دیندار سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس کے کچھ پہلو دینی نقطۂ نظر سے کمزور بھی ہوتے ہیں، اسی طرح جس کی برائیاں زیادہ ہوتی ہیں، شر کا غلبہ ہوتا ہے، ایسے شخص کو سماج میں بددین، گناہ گار اور فاسق و فاجر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ اس کے اندر کچھ خیر کا پہلو بھی ہوتا ہے۔

اور شریعت کے منشا سے ہم آہنگ اس طرح ہے کہ گواہوں کے اندر عادل ہونے کی شرط لگانے کا منشا یہ ہے کہ گواہی میں صدق کا پہلو راجح ہو جائے اور غلبہ ظن کی حد تک گواہوں کے سچا ہونے کا اطمینان ہو جائے، اب جس کو غلبہ خیر کی وجہ سے سماج میں دیندار تصور کیا جاتا ہے اور دینی اعتبار سے اس کی ایک حیثیت ہوتی ہے تو اس سے اس بات کی غالب امید ہوتی ہے کہ اپنی اس حیثیت عرفی کے مجروح ہونے کے ڈر سے جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے گا۔

اس کے برخلاف جس کی یہ حیثیت نہیں ہوگی، وہ معمولی مفاد کی خاطر جھوٹ بول سکتا ہے، کیونکہ دینی اعتبار سے سماج میں جب اس کی کوئی حیثیت ہی نہیں تو اس کو اپنی حیثیت کے مجروح ہونے کا ڈر کہاں سے ہوگا کہ وہ جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے۔

موجودہ حالات میں ان مختلف اقوال میں سے جو بات زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، وہ یہ کہ عادل اس کو کہیں گے جس کی نیکیاں برائیوں سے زیادہ ہوں، نیز وہ ایسے تمام کاموں سے اجتناب کرتا ہو جو معاشرہ میں گھٹیا اور مروت و شرافت کے خلاف سمجھے جاتے ہوں، کیونکہ بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جو انسان کی تمام اچھائیوں پر پانی پھیر دیتے ہیں، اس کی عزت و وقار کو ختم کر دیتے ہیں اور خیر کے غلبہ کے باوجود ایسا شخص سماج میں غیر معتبر سمجھا جاتا ہے، موجودہ حالات کے پیش نظر ہی ''الموسوعۃ الفقہیۃ'' اور ''شرح المجلہ'' کے اندر عادل و فاسق کی تعریف میں اس طرح کی بات کہی گئی ہے:

''والعدل فی اصطلاح الفقهاء من تكون حسناته غالبة على سيئاته وهو ذو المروة غير المتهم'' (الموسوعۃ الفقہیہ)۔

''والعدل من كانت حسناته غالبة على سيئاته بناء عليه لا تقبل شهادة من اعتاد حالا او حركة تخل بالناموس والمروة كالرقاص والسخرة ولا تقبل شهادة المعروفين بالكذب'' (شرح المجلہ)۔

موجودہ زمانے میں بعض منکرات اتنے عام ہو چکے ہیں کہ لوگوں کے ذہنوں سے اس کی قباحت ختم ہو چکی ہے، اب عرف میں اس کو معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے اور اس کے مرتکب کو غیر معتبر اور بددین نہیں سمجھا جاتا ہے، جیسے **محلوق اللحیہ**

ہونا، گھروں میں شرعی پردہ کا اہتمام نہ کروانا، بلاضرورت تصویر کھینچوانا وغیرہ، یہ ایسے منکرات ہیں کہ معاشرہ میں شریف، سنجیدہ اور دیندار سمجھے جانے والے لوگوں میں بھی یہ کمزوریاں پائی جاتی ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کو ان گناہوں کی وجہ سے بددین اور فاسق وفاجر نہیں سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ چور ڈکیت، شرابی، سودخور اور زنا کار وغیرہ کو سمجھا جاتا ہے، اس لیے اگر کسی شخص کے مجموعی احوال بہتر ہوں، اس پر خیر غالب ہو، البتہ ان منکرات میں سے کوئی چیز اس کے اندر پائی جائے جسے عرف میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تو محض اس منکر کی وجہ سے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوگی، جیسا کہ بعض علماء کے نزدیک خفیہ طور پر شراب پینے والے کی عدالت ساقط نہیں ہوتی، خاص طور پر مخلوق اللحیہ ہونا، یہ ایک ایسا منکر ہے جو عام ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف فیہ بھی ہے اور اختلاف خفت کا تقاضا کرتا ہے، اس کی وجہ سے بھی عدالت ساقط نہیں ہوگی، جیسا کہ بطور دواء وعلاج کے شراب پینا مختلف فیہ مسئلہ ہے، بعض ائمہ کے نزدیک جائز ہے، جبکہ دوسرے بعض کے نزدیک جائز نہیں، لیکن اس کے باوجود اس اختلاف کی وجہ سے بطور دواء کے شراب پینا مسقط عدالت نہیں۔

"لیخرج الشرب للتداوی فلا یسقط العدالة لشبهة الاختلاف وتحته فی الشامیة لو شرب للتداوی لم تسقط عدالته؛ لأن للاجتهاد فیه مساغا" (شامی:۱۱/۱۷۰)۔

اسی طرح داڑھی کا مسئلہ ہے کہ بعض لوگ ڈاڑھی رکھنے کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، اس کو سنن عادیہ مانتے ہیں اور بعض لوگ ایک مشت داڑھی رکھنے کو ضروری نہیں سمجھتے، لہٰذا ان لوگوں کے نزدیک اگر کوئی شخص ایک مشت سے کم داڑھی رکھے یا بالکل داڑھی نہ رکھے تو یہ کوئی ناجائز نہیں ہوا، اس کے برخلاف جو لوگ ایک مشت کے بقدر داڑھی رکھنے کو واجب سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ایک مشت سے کم رکھنا یا بالکل نہ رکھنا ناجائز ہوگا، لیکن اس کے باوجود اس کو مسقط عدالت اور موجب فسق قرار نہیں دیا جانا چاہیے، ایک تو اس اختلاف کی وجہ سے، دوسرے عموم اور شیوع کے سبب عرف میں معیوب نہ ہونے کی وجہ سے، لہٰذا ایسے لوگ اگر صوم وصلاۃ کے پابند ہوں، ان کی مجموعی حالت دینی اعتبار سے بہتر ہو تو رویت ہلال یا دیگر اختلافی معاملات میں ان کی شہادت قبول ہونی چاہیے، نیز ایسے لوگ اگر کسی دینی ادارہ کے ذمہ دار بنا دیے جائیں تو ان کا حکم واجب الاطاعۃ ہوگا، البتہ نماز کی امامت وغیرہ کے سلسلے میں ان کا حکم ابھی بھی وہی ہوگا جو پہلے سے ہے، یعنی ان کو امام بنانا مکروہ ہوگا، کیونکہ مخلوق اللحیہ ہونا گو کہ عام لوگوں کے لیے معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے، لیکن برصغیر میں کم از کم علماء اور ائمہ کے لیے ابھی بھی یہ بہت بڑا عیب سمجھا جاتا ہے اور ایسے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے میں لوگ کراہت محسوس کرتے ہیں، جو یقیناً تقلیل جماعت کا باعث ہوگا، اس لیے ایسے لوگوں کو امام بنانا مکروہ ہے۔

فاسق فی العقیدہ سے مراد وہ لوگ ہے جن کے عقائد ونظریات اہل سنت والجماعت کے عقائد سے الگ ہوں اور وہ

قرآن وحدیث کی غلط تاویل وتوجیہ کرتے ہوں۔

"أهل الأهواء من زاغ عن طريقة أهل السنة والجماعة وكان من أهل القبلة، وأهل الأهواء ليس بطائفة بينها بل يطلق على كل من خالف السنة بتأويل فاسد" (الشامی ۱۱/۱۱۹، باب الشہادۃ)۔

اب اگر ان کے غلط عقائد ونظریات کفر کی حد تک پہنچ گئے ہیں تب تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ موجودہ زمانے میں قادیانی لوگ۔

"وأما شهادة صاحب الهواء إذا كان عدلا في هواه ودينه نظر في ذلك إن كان هوى يكفره لا تقبل شهادته، لأن شهادة الكافر على المسلم غير مقبولة" (بدائع الصنائع: ۵/۴۰۵)۔

اور اگر اس کے غلط نظریات کفر کی حد تک نہیں پہنچے ہیں اور وہ اپنے دیگر معاملات میں عادل ہے تو اس کی گواہی مقبول ہوگی۔

"وشهادة أهل الأهواء مقبولة عندنا إذا كان هوى لا يكفر به صاحبه ولا يكون ماجنا ويكون عدلا في تعاطيه" (التاتارخانیۃ: ۱۱/۴۳۱)۔

البتہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز نہیں پڑھنا چاہیے، کیونکہ ان کے پیچھے نماز مکروہ ہوتی ہے، تاہم پڑھ لیا تو جماعت کا ثواب مل جائے گا اور تنہا پڑھنے سے بہتر ہے۔

"وروى محمد عن أبي حنيفة وأبي يوسف أن الصلاة خلف أهل الأهواء لا تجوز والصحيح إنها تصح مع الكراهة خلف من لا تكفر بدعته لقوله عليه السلام: صلوا خلف كل بر وفاجر ...وإذا صلى خلف فاسق أو مبتدع يكون محرز ثواب الجماعة" (مراقی الفلاح/ ۳۰۳)**"وجزم في البحر بأن الاقتداء بهم أفضل من الانفراد"** (طحطاوی علی المراقی/ ۳۰۳)۔

خلاصہ بحث

(۱) قرآن وحدیث میں عادل وفاسق کا واضح انداز میں کوئی قطعی مفہوم متعین نہیں کیا گیا ہے فقہاء کرام نے شریعت کے منشا ومزاج کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے اپنے مذاق اجتہاد اور اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اس کا مفہوم متعین کرنے کی کوشش کی ہے، چونکہ ہر شخص کا مزاج ومذاق مختلف ہوتا ہے، نیز زمانے کے حالات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں، اس لیے عادل وفاسق کی تعریف کے سلسلے میں فقہاء کرام کے اقوال مختلف ہیں، اس میں سب سے زیادہ مشہور ومعروف تعریف یہ ہے کہ عادل اس کو کہیں گے جو تمام کبیرہ گناہوں سے پرہیز کرتا ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو،

لیکن موجودہ زمانہ میں اگر عادل ہونے کے لیے تمام کبیرہ گناہوں سے بچنے کو ضروری قرار دیا جائے، جیسا کہ اس تعریف کا تقاضا ہے تو عادل گواہوں کا ملنا انتہائی دشوار ہو جائے گا، پھر عادل گواہوں کی شرط سے شریعت کا جو منشاء ومقصود ہے، یعنی انصاف کا حصول وہ فوت ہو جائے گا، اس لیے شریعت کے منشاء ومزاج کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ حالات کے پیش نظر حضرت عبداللہ ابن المبارک رحمۃ اللہ کی طرف جو تعریف منسوب ہے وہ زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے، یعنی عادل وہ ہے جس کی نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں، البتہ اس میں اس بات کا اضافہ بھی ضروری ہے جس کا تذکرہ دوسرے فقہاء نے کیا ہے، وہ یہ ہے کہ غلبہ خیر کے ساتھ وہ ان تمام گناہوں سے بھی بچتا ہو جو معاشرے میں گھٹیا اور قبیح سمجھے جاتے ہیں، جیسے چوری بدکاری وغیرہ۔

(۲) جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے، لیکن نماز روزہ کے پابند ہیں اور معاشرہ میں لوگ اسے معتبر سمجھتے ہیں، یعنی اس سے کوئی ایسا گناہ نہ ہوتا ہو جسے سماج میں گھٹیا اور گھناؤنا سمجھا جاتا ہے، جیسے سود خوری وغیرہ تو ایسے لوگوں کی گواہی رویت ہلال یا دیگر اختلافی معاملات میں قبول کی جائے گی اور محض محلوق اللحیہ ہونے کی وجہ سے اسے مردود الشہادۃ قرار نہیں دیا جائے گا۔

(۳) اگر کسی ایسے شخص کو مساجد یا دینی تنظیم کا ذمہ دار بنا دیا جائے جس کے اندر ایسی باتیں پائی جاتی ہوں جو قدیم فقہاء کے بیان کے مطابق موجب فسق ہے، لیکن موجودہ زمانے میں اس کو معیوب اور اس کی وجہ سے کسی کو بددین نہیں سمجھا جاتا ہو، جیسے محلوق اللحیہ وغیرہ ہونا تو ایسے شخص کا حکم تنظیم سے وابستہ افراد کے لیے واجب الاطاعت ہوگا، بشرطیکہ وہ ایسے تمام گناہوں سے بچتا ہو جس کو موجودہ زمانہ میں بھی معیوب، گھٹیا اور بدینی کی علامت تصور کیا جاتا ہو، جیسے غصب، غبن، چوری، شراب نوشی وغیرہ۔

(۴) فاسق فی العقیدہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے عقائد ونظریات اہل سنت والجماعت سے الگ ہوں اور قرآن وحدیث کی غلط تاویل وتوجیہ کرتے ہوں، ایسے لوگوں کے غلط عقائد اگر کفر تک پہنچ گئے ہوں تب تو ان کی گواہی قبول نہیں ہوگی اور اس کے غلط نظریات کفر تک نہیں پہنچے ہوں اور وہ اپنے دیگر معاملات میں ٹھیک ہے تو ایسے لوگوں کی گواہی قبول کی جائے گی، البتہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں ہے۔

(۵) فاسق اگر زبان سے توبہ کر لے، لیکن اس کے مطابق عمل پیرا نہ ہو اور اس پر ابھی توبہ کے آثار ظاہر نہ ہوئے ہوں تو دنیوی احکام مثلاً قبول شہادہ وغیرہ کے سلسلے میں اس کی توبہ قابل قبول نہیں ہوگی، تا آن کہ توبہ کے آثار ظاہر ہو جائیں۔

"الفاسق إذا تاب لا تقبل شهاده ما لم يمض عليه زمان تظهر عليه آثار التوبة وبعضهم قدر

ذلک بستة أشهر وبعضهم بسنة والصحیح أن ذلک مفوض إلی رأی القاضی" (شرح المجلۃ ۱۰۴۱/۱)۔

(۶) اختلاف موجب خفت ہے، لہٰذا جس منکر کے منکر ہونے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہو وہ موجب فسق نہیں ہوگا، جیسے بغرض علاج شراب پینا مختلف فیہ مسئلہ ہے، اس لیے اس سے عدالت ساقط نہیں ہوگی۔

داڑھی کا مسئلہ بھی مختلف فیہ ہے، لہٰذا جو لوگ ایک مشت داڑھی رکھنے کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، وہ اگر بالکل داڑھی نہ رکھیں یا ایک مشت سے کم رکھیں تو اس کی وجہ سے انہیں فاسق نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وہ لوگ اپنے نظریے کے اعتبار سے کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہیں۔

☆☆☆

فسق کا معنی ومفہوم اور اس کے احکام

مفتی سید محمد علی مدنی ☆

جواب (۱) شرعاً فسق کی ایک متعین تعریف ہے ؛یعنی ہر وہ آدمی جو اطاعتِ خداوندی کو چھوڑ کر گناہ میں مبتلا ہوجائے اس کو ''فاسق'' کہتے ہیں، اگر کوئی شخص گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوتو ایسے شخص کو ''فاسق'' کہیں گے اور جو شخص چھوٹے گناہوں پر اصرار کرے اور مستقل کرتا رہے تو ایسے آدمی کو بھی ''فاسق'' کہا جائے گا:

''**الفسق فی اللغة: الخروج عن الطاعة، وعن الدین، وعن الاستقامة۔ والفسق فی الأصل خروج الشیء من الشیء علی وجه الفساد، ومنه قولهم: فسق الرطب: إذا خرج عن قشره۔ وفی الاصطلاح، قال الشوکانی: هو الخروج عن الطاعة وتجاوز الحد بالمعصیة۔ والفسق یقع بالقلیل من الذنوب إذا کانت کبائر، وبالکثیر**'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۳۲/۱۴۰)۔

جواب(۲) جو عبادات ومعاملات میں بے توجہی کا شکار ہے اور جائز ناجائز کی پرواہ نہیں کرتا، ایسے شخص کی گواہی بھی معتبر نہیں ہے، لیکن چونکہ موجودہ معاشرہ دینی انحطاط کا شکار ہے، لہٰذا اگر کوئی باشرع گواہ موجود نہ ہو اور کسی کی حق تلفی کا اندیشہ ہو تو ایسے شخص کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے، جبکہ اسکے سچا ہونے پر قاضی کو اعتماد ہو۔

''**وامّا شهادة الفاسق، فإن تحری القاضی الصدق فی شهادته تقبل، وإلا فلا۔۔۔ قال فی الفتاویٰ: القاعدة هٰذا إذا غلب علیٰ ظنه صدقه وهو مما یحفظ أول کتاب القضاء وظاهر قوله وهو مما یحفظ اعتماده**'' (شامی، کتاب الشہادۃ، ۴/۴۱۴، ط: رشیدیۃ)، **وفی بدائع الصنائع: ''ومنها العدالة لقبول الشهادة علی الإطلاق فإنها لاتقبل علی الإطلاق دونها لقوله تعالیٰ: مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ وَالشَّاهِدَ المرضی هُوَ الشَّاهد العدل**'' (کتاب الشہادت، فصل فی الشرائط فی الاصول، ۶/۲۶۸، ط: رشیدیۃ، کذا فی فتاوی حقانیۃ: ۵/۴۸۰)۔

جواب (۳) جو لوگ داڑھی نہیں رکھتے ہیں وہ فاسق ہیں، لیکن وہ شہادت کے اہل ہیں، لہٰذا اگر قاضی ان کی

☆ استاذ جامعہ قمر المعارف رتلام (ایم پی)

شہادت پر فیصلہ کردے تو فیصلہ شرعاً نافذ ہوگا، البتہ ایسے شخص کی گواہی قبول کرنے والا گناہ گار ہوگا۔

"والفاسق أهلها (أی الشهادة) فيكون أهله، لكنه لا يُقلَّد وجوباً، ويأثم مقلِّده كقابل شهادته قال الشامي: وهو الأصح، كما في الخلاصة، وهو أصح الأقاويل، كما في العمادية" (الدرالمختار،ط: زکریا:۸/۲۵)۔

جواب(۴) ایسے شخص کو جو کہ نماز کا پابند نہ ہو، داڑھی منڈواتا ہو کو مسجد یا کسی مذہبی ادارہ و تنظیم کا متولی بنانا درست نہیں، کیونکہ ایسے منصب پر فائز آدمی فسق سے بچنے والا اور دیانت دار ہونا چاہئے، لہٰذا ایسے افراد کو عہدہ سے معزول کرکے کسی اور کو ذمہ داری تفویض کرنا واجب ہے۔

"وينزع وجوبا لو غير مأمون أو عاجزاً أو ظهر به فسق وفي الشامي: ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه او بنائبه، لأن الولاية عقيدة بشرط النظر، وليس من النظر توليته الخائن الخ" (شامی:زکریا،کتاب الوقف ۶/۸۷۵)۔

لیکن اگر ایسے شخص کو متولی/صدر وغیرہ بنادیا ہے تو پھر ماتحتوں پر فقط جائز امور میں اطاعت واجب ہوگی، جیسا کہ مسلم شریف کی اس حدیث سے مفہوم ہورہا ہے؛ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم پر (ہر حال میں) سننا اور اطاعت کرنا واجب ہے، مشکل میں بھی اور آسانی میں بھی، پسندیدگی میں بھی اور ناپسندیدگی میں بھی اور اس حال میں بھی کہ ہماری حق تلفی کرتے ہوئے دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جارہی ہو'' (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ)۔

جواب(۵) فسق فی العقیدہ، جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ہی قدریہ فرقہ پیدا ہوگیا تھا، جو تقدیر کا منکر تھا اور ایک جبریہ فرقہ نکلا جو یہ کہتا تھا کہ انسان مجبور محض ہے کہ وہ کچھ نہیں کرسکتا، اس سے کروالیا جاتا ہے، اسی طرح خارجی'' فرقہ'' جن کی بڑی پہچان حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان فرمائی تھی کہ وہ مشرکوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیتیں مسلمانوں پر منطبق کرتے ہیں، یہ پہچان آج تک چلی آرہی ہے، آج بھی بہت سے بدعقیدہ خارجی ایسے ہیں جو بتوں کے بارے میں اترنے والی آیتیں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام واولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم پر منطبق کردیتے ہیں کہ بتوں کی طرح معاذ اللہ انبیاء واولیاء بھی بے بس ہیں، اسی طرح ایک فرقہ'' معتزلہ'' گزرا ہے جو صفات باری تعالیٰ میں عجیب وغریب تاویلات کرتا تھا اور عذاب قبر کا منکر تھا، یونہی قرآن پاک کے بارے میں ان کے عقائد عام مسلمانوں سے ہٹ کر تھے، ان کے نزدیک کلام اللہ خدا کی صفت نہیں، بلکہ مخلوق ہے، یہ سب فاسق العقیدہ فرقے ہیں، جن کا عقیدہ بگڑ گیا تھا، یعنی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری سے نکل گئے، خلاصہ یہ ہے کہ اگر توحید ورسالت وآخرت میں عقیدہ کا فسق ہے تو

ایسا شخص ایمان سے خارج ہے اور اگر احکام کے اعتبار سے عقیدہ کا فسق ہے تو وہ شخص فاسق ہے۔

جواب(۶) گناہوں سے معافی کے لیے سچی توبہ ضروری ہے، جس کے تین رکن ہیں: لہٰذا فاسق شخص کو مندرجہ ذیل امور کے ادراک کیساتھ توبہ کرنا چاہیے؛ اول اپنے کیے پر ندامت اور شرمساری! حدیث میں ارشاد ہے: "**إنما التوبة الندم**" یعنی توبہ نام ہی ندامت کا ہے، دوسرا رکن توبہ کا یہ ہے کہ جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ اس سے باز رہنے کا پختہ عزم وارادہ کرے، تیسرا رکن یہ ہے کہ تلافی مافات کی فکر کرے، یعنی جو گناہ سرزد ہو چکا ہے اس کا جتنا تدارک اس کے قبضہ میں ہے اس کو پورا کرے؛ مثلاً نماز، روزہ فوت ہوا ہے تو اس کو قضا کرے، فوت شدہ نمازوں اور روزوں کی صحیح تعداد یاد نہ ہو، تو غور وفکر سے کام لے کر تخمینہ متعین کرے، پھر ان کی قضا کرنے کا پورا اہتمام کرے، بیک وقت نہیں کرسکتا تو ہر نماز کے ساتھ ایک ایک نماز قضاء عمری کی پڑھ لیا کرے، ایسے ہی متفرق اوقات میں روزوں کی قضا کا اہتمام کرے، فرض زکاۃ ادا نہیں کی ہے تو گزشتہ زمانہ کی زکاۃ بھی یکمشت یا تدریجاً ادا کرے، کسی انسان کا حق لے لیا ہے تو اس کو واپس کرے، کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو اس سے معافی طلب کرے، بندے کا حق اس کے معاف کیے بغیر معاف نہیں ہوسکتا، حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے توبہ کی تکمیل کے لیے یہ ضروری شرط ہے، لیکن اگر کسی فاسق کو اپنے کیے پر ندامت نہ ہو، یا ندامت تو ہو مگر آئندہ کے لیے اس گناہ کو ترک نہ کرے، تو یہ توبہ نہیں ہے، گو ہزار مرتبہ زبان سے توبہ توبہ کہا کرے (مستفاد مع تغییر معارف القرآن ۲/ ۳۴۲ دار العلوم کراچی)۔

لہٰذا جس شخص سے گناہ سرزد ہو گیا ہو اگر وہ ان شرائط کے ساتھ توبہ کر چکا ہے تو دنیاوی احکام کے لحاظ سے قابلِ قبول ہوگی، یعنی امامت وشہادت وغیرہ اس کی معتبر ہوگی۔

عن ابن عباس قال: قال معاذ بن جبل: يا رسول الله ما التوبة النصوح؟ قال: أن يندم العبد على الذنب الذى أصاب فيعتذر إلى الله تعالى، ثم لا يعود إليه، كما لا يعود اللبن إلى الضرع۔ وقال نقلاً عن الإمام النووى: التوبة ما استجمعت ثلاثة أمور: أن يقلع عن المعصية وأن يندم على فعلها وأن يعزم عزما جازما على أن لا يعود إلى مثلها أبدا" (روح المعانی ۲۸/ ۱۵۹، ط: دار إحیاء التراث العربی)۔

جواب(۷) جمہور محدثین ومحققین وفقہاء اور علماء کرام نیز چاروں ائمہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعی امام مالک، امام احمد بن حنبلؒ) داڑھی کے واجب ہونے پر متفق ہیں، عصر حاضر میں بھی امت مسلمہ کے تقریباً تمام مکاتب فکر قرآن وحدیث کی روشنی میں وجوب کے ہی قائل ہیں، کیون کہ نبی اکرم ﷺ کے ارشادات سے داڑھی کا واجب ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، اس لیے کہ نبی اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کو داڑھی رکھنے کا امر (حکم) دیا ہے اور حکم وجوب کے لئے ہی ہوتا ہے، الا یہ کہ نبی

اکرم ﷺ کے کسی دوسرے ارشاد یا صحابہ کرامؓ کے عمل سے معلوم ہو کہ آپ کا حکم (امر) وجوب کے لئے نہیں، بلکہ صرف تاکید کے لئے ہے، لیکن زیر بحث مسئلہ میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کی زندگیوں کے احوال سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا امت مسلمہ کو داڑھی رکھنے کا حکم وجوب کے لئے ہی ہے، چنانچہ خیر القرون میں صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین میں سے کسی ایک محدث یا فقیہ یا عالم نے داڑھی کے عدم وجوب کا فتویٰ جاری نہیں فرمایا، بلکہ سب نے اس کے وجوب کا ہی فیصلہ فرمایا ہے، اگر داڑھی کے صرف سنت ہونے کو تسلیم کر بھی لیا جائے تو یہ عام سنت نہیں ہوگی، بلکہ داڑھی رکھنا سنت مؤکدہ اشد التاکید ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی شعار بھی ہے اور تمام انبیاء کی سنت بھی ہے، نیز فطرت انسانی بھی ہے اور فطرت انسانی کو بدلنے کی اجازت نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الروم آیت ۳۰ میں ارشاد فرمایا ہے، برصغیر میں علم حدیث کی اہم وعظیم شخصیت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' (۱/ ۱۵۲) میں تحریر کیا ہے کہ داڑھی کاٹنا اللہ کی تخلیق اور بناوٹ کو بدلنا ہے، بلکہ نبی اکرم ﷺ نے داڑھی کاٹنے کو مشرکین اور مجوسیوں کا طریقہ قرار دیا ہے اور آپ ﷺ نے داڑھی کاٹنے والوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں فرمایا۔

''عن عبدا اللہ بن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: ''خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَفَرُوا اللحى، وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ'' وفی روایۃ قال رسول اللہ ﷺ: ''أَنْهِكُوا الشَّوَارِبَ وَاعْفُوا اللحى'' (بخاری، باب تقلیم الاظفار، مسلم باب خصال الفطرۃ)۔

(حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو یعنی داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کاٹو۔ ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: مونچھوں کو اچھی طرح کاٹو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے مجوس (آگ کی پرستش کرنے والوں کا) ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ لوگ مونچھوں کو بڑھاتے ہیں اور داڑھیوں کو مونڈتے ہیں، پس تم ان کی مخالفت کیا کرو'' (صحیح ابن حبان ۸/ ۲۰۸)۔

''عن عبد االلہ بن عمر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم أَنَّه أَمَرَ بِإِحْفَاءِ الشَّوَارِبِ وَإِعْفَائِاللحية'' (مسلم، باب خصال الفطرۃ)۔

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ کو مونچھوں کے کاٹنے اور داڑھی کے بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے) معلوم ہوا کہ داڑھی کے بڑھانے کا حکم احکم الحاکمین اللہ جل شانہ کی طرف سے ہے، امر کا لفظ بھی کتابوں میں آیا ہے، یعنی نبی اکرم ﷺ نے مونچھوں کے کاٹنے اور داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا ہے۔

"عن أبی بریرة قال قال رسول اللهﷺ؛ إِنْ أَبْلَ الشِّرْکِ عَفُونَ شَوَارِبَهُمْ، وَخَفُونَ لِحَائِمَ فَخَالِفُوهُمْ ، فَاعْفُوا اللَّحَی وَاحْفُوا الشَّوَارِبَ" (رواہ البزار بسند حسن)۔

(حضرت ابو بریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا؛ مشرک لوگ مونچھوں کو بڑھاتے ہیں اور داڑھیوں کو کاٹتے ہیں، پس تم ان کی مخالفت کرو اور داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کاٹو)۔

داڑھی رکھنا فطرت انسانی اور اسلامی شعار ہے، نیز یہ تمام انبیاء کی سنت ہے، جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی نے بخاری کی شرح فتح الباری ۱۰/ ۳۳۹ میں اور علامہ جلال الدین سیوطی نے تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک ۲/ ۲۱۹ میں فطرت کی تشریح کے تحت تحریر کیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے جب مختلف ممالک کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے خطوط لکھوائے، تو ان میں سے ایک خط کسریٰ شاہ فارس کے نام بھی لکھا، اس کے پاس جب نامۂ مبارک پہنچا تو اس نے اس کو پھاڑ دیا اور یمن کے گورنر کو لکھا کہ دو مضبوط آدمیوں کو حجاز بھیجو جو اس شخص کو لے کر آئیں جس نے مجھے یہ خط تحریر کیا ہے، چنانچہ یمن کے گورنر نے شاہ فارس کسریٰ کے حکم سے دو فوجیوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، ان کی داڑھیاں منڈی ہوئی تھیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، آپ ﷺ نے ان دونوں کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں فرمایا، پھر ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ تم دونوں کے لئے عذاب ہے، کس نے تم کو اس کا حکم دیا ہے؟ دونوں نے کہا کہ ہمارے رب یعنی کسریٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کاٹنے کا حکم دیا ہے (البدایہ والنہایہ ۲/ ۲۷۰، تاریخ ابن جریر ۳/ ۹۰-۹۱، کتاب الوفاء باحوال المصطفی للحافظ ابن الجوزی)۔

اس واقعہ کو مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ نے اپنی مشہور و معروف کتاب حیاۃ الصحابہ (ج ۱ ص ۱۱۵) میں مختلف سندوں کے ساتھ تحریر کیا ہے۔

خلاصہ؛ صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ کی داڑھی مبارک کا تذکرہ مختلف الفاظ میں کیا ہے، اُن الفاظ کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی داڑھی مبارک گھنی اور زیادہ بالوں والی تھی، آپ وضو کے وقت داڑھی میں خلال بھی کیا کرتے تھے، اور کبھی کبھی اس میں مہندی بھی لگاتے تھے، اسی طرح خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام کی داڑھی مبارک کا تذکرہ احادیث کی کتابوں میں موجود ہے۔ غور طلب ہے کہ کسی بھی صحابی سے داڑھی کا مونڈنا یا ایک مشت سے کم داڑھی رکھنا ثابت نہیں ہے، اس لئے محدثین، فقہاء اور علماء کرام داڑھی کے وجوب کے قائل ہیں، البتہ یہ داڑھی کتنی رکھی جائے اور کیا داڑھی کی حد نبی اکرم ﷺ نے متعین کی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء و علماء کرام کا اختلاف زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے، اگرچہ یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات میں داڑھی کی حد کے متعلق خاص وضاحت نہیں ملتی ہے، ہاں (ترمذی

کتاب الأدب، باب ما جاء فی الأخذ من اللحیۃ) میں ایک روایت ہے جو سند کے اعتبار سے یقیناً کمزور ہے، اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی داڑھی مبارک کے طول وعرض سے زائد بال کاٹ دیا کرتے تھے، نیز بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ایک مشت کے بعد اپنی داڑھی کا کاٹنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جیسا کہ امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر کا عمل ذکر فرمایا ہے (بخاری، کتاب اللباس ۲/ ۸۷۵)۔

غرضیکہ داڑھی کی مقدار کے سلسلہ میں تابعین، تبع تابعین اور اس کے بعد کے زمانے میں علماء کرام کی چند آراء ملتی ہیں، البتہ ایک مشت سے کم رکھنے کا جواز کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی یا کسی معتبر محدث یا فقیہ سے کہیں نہیں ملتا، داڑھی کی مقدار کے سلسلہ میں فقہاء کے اقوال ملاحظہ فرمائیں؛ داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، یعنی کسی طرف سے کوئی بال نہ کاٹا جائے، امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول جس کو امام نووی نے راجح قرار دیا ہے، نیز امام احمد بن حنبل کی دو رائے میں سے ایک رائے یہی ہے، داڑھی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے، البتہ حج یا عمرہ سے فراغت کے بعد داڑھی کے دائیں اور بائیں جانب سے تھوڑا کاٹ لیا جائے، امام شافعی کے دو اقوال میں سے دوسرا قول یہی ہے، جس کو حافظ ابن حجر نے راجح قرار دیا ہے، داڑھی کے دائیں اور بائیں جانب جو بال بکھرے ہوئے ہیں، ایک قبضہ (مٹھی) کی شرط کے بغیر ان کو کاٹ لیا جائے، امام مالک کی رائے یہی ہے جس کو قاضی عیاض نے راجح قرار دیا ہے، ایک قبضہ (مٹھی) کے بعد داڑھی کے بال کاٹ لئے جائیں، امام ابوحنیفہ کی رائے یہی ہے کہ ایک مشت ہی داڑھی رکھنا سنت ہے اور ایک مشت (قبضہ) سے کم داڑھی کے بال کاٹنا جائز نہیں ہیں، اسی رائے کو تمام علماء احناف نے راجح قرار دیا ہے، امام ابوحنیفہ کے مشہور ومعروف شاگرد امام محمد نے اپنی تصنیف ''کتاب الآثار'' میں تحریر کیا ہے کہ ہم نے روایت کیا امام ابوحنیفہ سے اور وہ روایت کرتے ہیں ہیثم سے اور وہ حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ وہ یعنی حضرت عبداللہ ابن عمر اپنی داڑھی مٹھی میں لے کر مٹھی بھر سے زائد کو، یعنی جو مٹھی سے نیچے لٹکی ہوئی باقی رہ جاتی تو وہ اسے کاٹ دیا کرتے تھے، امام محمد نے فرمایا کہ ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا بھی ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی تمام مشہور ومعروف کتابوں میں یہی تحریر ہے کہ ایک مشت داڑھی رکھنا سنت ہے اور اگر داڑھی ایک مشت سے کم ہو تو اس کا کاٹنا جائز نہیں ہے۔

داڑھی کے متعلق نبی اکرم ﷺ کی واضح تعلیمات سب سے زیادہ مستند ومعتبر سندوں کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر کے واسطے سے ہی امت مسلمہ کو پہنچی ہیں اور حضرت عبداللہ بن عمر ان صحابہ کرام میں سے ہیں جن سے بڑے بڑے صحابہ کرام بھی مسائل میں رجوع فرماتے تھے، نیز وہ نبی اکرم ﷺ کے بڑے فدائی تھے اور آپ کی سنتوں کی پیروی میں بہت زیادہ پیش پیش رہنے والے تھے، ان کے عمل کو بطور معیار پیش کیا جاتا ہے، امام بخاری نے حضرت عبداللہ بن عمر کے داڑھی

سے متعلق ان کے عمل کو ترازو بنا کر پیش کیا ہے کہ وہ حج وعمرہ سے فارغ ہونے کے موقع پر احرام کھولتے تو داڑھی کو مٹھی میں لے کر زائد حصہ کاٹ دیا کرتے تھے (بخاری کتاب اللباس ۲/ ۸۷۵)۔

حافظ ابن حجر شرح بخاری میں طبری سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک جماعت کہتی ہے کہ داڑھی جب ایک مشت سے زائد ہوجائے تو زائد کو کتر دیا جائے، پھر طبری نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے ایسا ہی کیا، حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ داڑھی کے اگلے اور لٹکنے والے حصہ کو بڑھا ہوا رکھتے تھے، مگر حج اور عمرہ میں یعنی حج اور عمرہ سے فارغ ہوکر اسے کاٹ دیا کرتے تھے (رواہ ابوداؤد باسناد صحیح ۲/ ۲۱۹۸)۔

داڑھی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بعد سب سے زیادہ روایات حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہیں، ان کا عمل بھی ایک مشت کے بعد داڑھی کاٹنے کا مذکور ہے (نصب الرایہ ۲/ ۲۵۸)۔

امام غزالی نے اپنی کتاب (الاحیاء ۱/ ۲۳۶) میں تحریر کیا ہے کہ ایک مشت سے زیادہ داڑھی کے کاٹنے میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن اگر کوئی ایک مشت کے بعد داڑھی کے بال کاٹ دیتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور تابعین سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔

علامہ ابن سیرین نے ایک مشت داڑھی رکھنے کو مستحسن قرار دیا ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اشعۃ اللمعات ۱/ ۲۲۸) میں لکھتے ہیں کہ داڑھی منڈانا حرام ہے اور ایک مشت کی مقدار تک اس کا بڑھانا واجب ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب (شرح العمدۃ ۱/ ۲۳۶) میں تحریر کیا ہے کہ ''اعفاء اللحیہ'' کے معنی داڑھی کو اپنے حال پر چھوڑنے کے ہیں، لیکن اگر کوئی ایک مشت کے بعد داڑھی کاٹتا ہے یا دائیں و بائیں جانب بکھرے ہوئے بال کو کاٹتا ہے تو وہ مکروہ نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ثابت ہے۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس کے چند احکام

مفتی فضل الرحمٰن اصلاحی، قاسمی☆

اس کے ذیلی سوالات کے جواب دینے سے پہلے فسق کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے، سب سے پہلے اس کا معنی اور تشریح ضروری ہے، اور فسق عملی کی مثال کہ جس سے انسان دین اسلام سے نکل جاتا ہے، ابلیس نے کیا، جیسا کہ اللہ عزو جل نے ارشاد فرمایا:

"وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ" (سورۃ الکہف:۵۰)۔

یعنی ابلیس نے فسق کیا اور یہ فسق سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ہوا اور اپنے رب کے حکم کی پیروی سے روگردانی کرنے کی وجہ سے واقع ہوا۔

اور ایسے ہی بعض برائیوں کو قرآن مجید میں کھلے طور پر فسق سے تعبیر کیا گیا ہے، مثلا: سورۃ الاعراف آیت: ۱۶۵ میں ہے:

"فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ"۔

(پھر جب انہوں نے بھلا دی وہ چیز جو ان کو یاد دلائی گئی تھی تو ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا، جو برائی سے روکتے تھے اور ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا)۔

اسی ضمن میں علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا ہے: "جان لو کہ کفر اور فسق کے مسائل ان اسماء اور احکام کے مسائل میں سے ہیں کہ جن کا تعلق آخرت میں وعدہ اور وعید سے ہے، اور جن کے ساتھ ہمنوائی اور دشمنی کا تعلق ہے" (مجموعہ الفتاوی ۱۲/ ۴۶۸)۔

ایسے ہی ایک جگہ علامہ ابن تیمیہؒ نے مزید لکھا ہے:

"جب ہم نے جانا کہ سب سے پہلے اسلام کے اندر جو جھگڑا پیدا ہوا وہ ملت اسلامیہ کے فاسق آدمی کے بارے

☆ معاون رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ

میں ہوا جو کہ ایک عرصہ تک رہا'' (مجموع الفتاوی ابن تیمیہ رحمہ اللہ)۔

کسی کے بارے میں فسق کا حکم لگاتے وقت بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے، چنانچہ اللہ کے نبی ﷺ نے کسی شخص پر فاسق ہونے کا حکم لگانے سے ڈرایا ہے؛ جب تک واضح نہ ہوجائے یا کوئی حجت قائم نہ ہو، جیسا کہ جناب ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فرمایا:

''کوئی آدمی کسی آدمی پر فاسق ہونے کا فتویٰ نہ لگائے اور نہ کافر ہونے کا فتویٰ لگائے، اگر وہ آدمی کافر یا فاسق نہیں ہے تو وہ بات اس (فتویٰ لگانے والے) کے اوپر لوٹا دی جاتی ہے'' (متفق علیہ)۔

اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''اِلَّا اِرْتَدَتْ عَلَيْهِ'' کا معنی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے کہے کہ تو فاسق ہے، اگر وہ آدمی فاسق نہیں ہے تو کہنے والا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو فاسق کہا جائے، اور اگر وہ کسی کو فاسق کہے اور وہ آدمی فاسق ہو تو اس کا فسق اس کے اپنے اوپر نہیں آئے گا، یعنی اس کو فاسق نہیں کہا جائے گا'' (فتح الباری ۱۰/۴۶۶)۔

فسق کا لفظی معنی: فسق کا لغوی معنی ہے کسی چیز سے نکلنا یا ارادہ کرنا، اور جب کھجور اپنے چھلکے سے الگ ہوجائے تو عرب لوگ کہتے ہیں: ''**قد فسقت الرطبة من قشرها**'' کہ کھجور اپنے چھلکے سے علیحدہ ہوگئی۔

چنانچہ بولا جاتا ہے:

''**فسق فلان فی الدنیا فسقا**''۔

اور کہا جاتا ہے:

''**رجل فاسق، و فِسق و فُسَق**'' (ہمیشہ گناہ کرنے والا)۔

اور تفسیق کا معنی عدل وانصاف کے الٹ ہے۔

فسق کی فقہی تعریف:

فسق کی تعریف جو بعض معروف کتابوں میں ملتی ہے، وہ کچھ اس طرح سے ہے:

''**الفسق: فی اللغة عدم إطاعة أمر الله و فی الشرع ارتكاب المسلم كبيرة قصدا أو صغيرة مع الإصرار عليها بلا تأويل**'' (المفتی السید محمد عمیم الاحسان، قواعد الفقہ، اشرفی بکڈپو دیوبند، ۱۳۸۱ھ، ص ۴۱۲)۔

فسق کا اصطلاحی معنی: علماء کے کئی اقوال ملتے ہیں، امام ابن عطیہ کہتے ہیں:

''اللہ رب العالمین کی اطاعت سے نکلنا (روگردانی کرنا) تحقیق فسق کا اطلاق اس پر ہوتا ہے جو کفر اور نافرمانی کر کے نکلے'' (تفسیر بیضاوی ۱/۴۱)۔

امام بیضاویؒ نے لکھا ہے: ''فاسق آدمی کبیرہ گناہ کی وجہ سے اللہ کے دین سے نکل جانے والا ہوتا ہے''۔

علامہ آلوسی نے کہا: ''شریعت میں فسق کا معنی ہے سمجھدار لوگوں کا (اللہ رب العالمین اور اس کے رسول کی) اطاعت سے نکلنا، پس اس کا اطلاق کفر اور جو اس سے کم یعنی گناہِ کبیرہ یا صغیرہ کے ارتکاب پر بھی ہوتا ہے''۔

ان تمام تعریفات سے معلوم ہوا کہ عام طور پر فسق کی تعریف اصطلاحیہ ہے کہ فسق کفر سے زیادہ عام ہے (کلیات لکھنوی ص: ۶۹۳)۔

اس وجہ سے کہ فسق، کفر اور جو گناہ اس سے کمتر ہے سب کو شامل ہے، لیکن اس کو خاص کیا ہے عرفِ عام میں گناہ کبیرہ کرنے والے کے ساتھ، اسی وجہ سے امام راغب الاصفہانی کہتے ہیں: ''کم اور زیادہ گناہوں کی وجہ سے (آدمی پر) فسق واقع ہوجاتا ہے، لیکن عرف عام میں زیادہ گناہ کرنے والے پر فسق کا فتویٰ لگایا جاتا ہے'' (امام راغب اصفہانی، المفردات ص: ۵۷۲)۔

فسق کی اقسام:

فسق کے کئی اقسام ہیں: بعض فسق کی قسمیں ایسی ہیں کہ جن کے ارتکاب کرنے سے مسلمان اسلام سے خارج جاتا ہے، اور کچھ قسمیں ایسی ہیں کہ جن کے کرنے سے اسلام سے وہ خارج نہیں ہوتا۔

چنانچہ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز کہ جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کسی خاص نام کے ساتھ اہل اسلام کے علاوہ دوسروں کی طرف کی ہو، جیسے خاسر (نقصان اٹھانے والا)، مسرف (فضول خرچی کرنے والا)، ظالم (ظلم کرنے والا)، فاسق (گناہ کرنے والا)، تو اس سے مراد کفر ہوتا ہے، اور جس کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کی طرف کی ہو تو اس سے مراد گناہ ہوتا ہے (تفسیر ابن جریر ۱/ ۱۴۲، الدر المنثور للسیوطی ۱/ ۱۰۵)۔

اور امام محمد حضر المروزی رحمہ اللہ کہتے ہیں: فسق کی دو قسمیں ہیں: ایک فسق وہ جو دین اسلام سے منتقل کر دیتا ہے اور دوسرا فسق وہ ہے جو دین اسلام سے (کسی دوسرے دین کی طرف) منتقل نہیں کرتا، پس کافر کو فاسق بھی کہا جاتا ہے اور جو مسلمان فاسق ہیں وہ پہلے اپنے فسق کی وجہ سے ہیں۔

اور کفر کا فسق کبھی اعتقادی ہوتا ہے اور کبھی عملی۔

اعتقادی کفر کی مثال: فسق کیا منافقوں نے اللہ کے رسول ﷺ کے زمانہ میں، اللہ کا ارشاد ہے:

''قُل اَنفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ'' (التوبہ: ۵۳)۔

(اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ تم جو اپنی خوشی یا ناخوشی سے خرچ کرو بھی تو اللہ تعالیٰ ہرگز تم سے قبول نہیں کرے گا، اس لئے کہ تم فاسق قوم ہو)۔

اور اللہ نے صاف اعلان کیا:

"اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ" (التوبہ:٦٧) (بیشک منافقین ہی فاسق لوگ ہیں)۔

امام شوکانیؒ نے لکھا ہے: "یہ (منافقین) فسق میں مکمل ہیں، یعنی مکمل فاسق ہیں" (امام شوکانی، فتح القدیر: ۲/۳۷۹)۔

اور یہ کفر کا فسق (وہ کفر جو فسق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) قرآن کریم کی بیشمار آیات میں مذکور ہے۔

فتح القدیر میں امام شوکانیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: "فسق کے نام کا اطلاق اس آدمی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فرض کردہ احکامات کو چھوڑنے اور ایسا کرنے سے باز نہ آئے" (فتح القدیر ۲/ ۱۶۲)۔

"وَلَقَد اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ وَمَا یَکْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ" (البقرۃ:۹۹)۔

(اور بیشک ہم آپ کی طرف واضح نشانیاں اتاریں جن کا انکار سوائے فاسقوں کے کوئی نہیں کرتا)۔

فسق کے معنیٰ اور اصطلاحی تعریف، اور اقسام کے بعد اب مذکورہ سوالات کے جوابات پیش ہیں:

۱- راقم کے خیال کے مطابق فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں کی جاسکتی، بلکہ یہ ہر زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات وکیفیات پر موقوف ہے، مطالعہ سے یہی بات مشاہدے میں آئی ہے۔

۲- موجودہ دور جو کہ خیر القرون سے کافی بُعد اختیار کر چکا ہے، اس لیے اس میں نرمی برتنی مناسب ہے، لیکن تساہل وتغافل برتنا بالکل مناسب نہیں ہے، جیسا کہ ایک حدیث کا خلاصہ ہے کہ آخری دور میں امت اگر دین کے دسویں حصے پر عامل ہوگی تو بسا غنیمت ہوگا، کیوں کہ انہوں نے دور نبوی ﷺ ودورِ صحابہؓ کو نہیں دیکھا ہوگا۔

موجودہ دور میں اگر کوئی شخص کھلے طور نماز کا تارک ہے، اور معاملات میں شرعی احکام کو کھلے طور سے تسلیم نہیں کرتا تو ایسے شخص پر ضرور فاسق کا اطلاق کیا جائے گا۔

۳- ڈاڑھی کے مسئلہ میں برصغیر کے مسلمان عام طور پر افراط وتفریط کے شکار ہیں، عرب اعتدال کے قائل ہیں، اگر کوئی شخص ڈاڑھی نہ رکھے، اور نماز روزہ کا پابند ہو تو ایسے شخص کی گواہی میں کوئی قباحت نہیں ہونی چاہئے، کیوں کہ ایک اختلافی مسئلہ میں ایسے شخص پر فاسق کا اطلاق کرنا بڑی زیادتی ہوگی۔

اس ضمن میں اس بنیادی اصول کو بھی سامنے رکھنا لازمی ہوگا کہ "**تُعرف الأشیاء بأضدادها**"۔

فرض کیجیے کہ اگر ایک شخص ڈاڑھی رکھ کر وہ سارے کبائر کا ارتکاب کرے تو ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم لگایا جائے گا؟

رہا داڑھی کی مقدار کا مسئلہ تو اس سلسلے میں نبی ﷺ سے کوئی مقدار متعین نہیں ہے، صرف آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ داڑھی رکھنے میں فاسقین کی وضع سے پرہیز کیا جائے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر کوئی شخص اسوۂ رسول کی تقلید میں لمبی داڑھی رکھتا ہے، جو اس پر یہ پیمانہ لاگو نہیں ہوگا۔

اس ضمن میں علامہ عینیؒ نے امام طبریؒ کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، اس کا خلاصہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں حدیث کا حکم عام نہیں ہے، بلکہ اس میں تخصیص ہے اور داڑھی کا اپنے حال پر چھوڑ نا دینا ممنوع ہے اور اس کا ترشوانا واجب ہے، البتہ سلف میں اس کی مقدار اور حد کے معاملے میں کافی اختلاف رہا ہے (مولانا مودودیؒ، رسائل و مسائل، حصہ ۷، مرکزی مکتبہ اسلامی نئی دہلی، ۲۰۰۷، ص: ۲۵)۔

۴- ایسے لوگ اپنی ایمان داری کی وجہ سے چنے جاتے ہیں، یہ لوگ بظاہر عملی اعتبار سے بعض فسوق کا ارتکاب کرتے ہیں، لیکن عقیدے کے اعتبار سے فاسق نہیں ہیں تو انہیں مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ذمہ دار بنانے میں بظاہر کوئی حرج نہیں معلوم ہوتا۔

قدیم فقہاء کے قول میں نرمی برتنی چاہیئے، کیوں کہ اب حالات کافی بدل چکے ہیں، اور یہ خیر القرون بھی نہیں ہے، اس لیے ''**تغیر الأحکام بتغیر الأزمان**'' کے اصول پر عمل کرنا مناسب ہوگا، اس لیے ایسے لوگ اگر کسی عہدے پر فائز ہوتے ہیں تو ان کی اطاعت لازمی ہوگی۔

۵- فسق فی العقیدہ سے یہ مراد ہے کہ وہ اس کا عقیدہ بھی ہو، ایسا شخص فسق کا کھلے طور سے ارتکاب بھی کرتا ہو، اور اپنے کو مسلمان بھی کہتا ہو، تو ایسے شخص کو کھلے طور پر فاسق کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، آج ایسے لوگ مسلم معاشرے میں ہر جگہ مل جائیں گے۔

۶- اگر کوئی فاسق شخص زبان سے توبہ کرلے اور اس کا عمل بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، پھر بھی اس پر فاسق کا اطلاق نہیں ہوگا، اور اس کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول ہوگی، کیونکہ جب حضرت اسامہ بن زیدؓ نے ایک کافر کو زبان سے کلمہ شہادت ادا کرنے کے باوجود بھی قتل کر دیا تھا تو اس پر رسول اللہ ﷺ کا یہ کہنا اس کی سب سے بڑی دلیل ہے: ''**ھل شققت قلبہ**''۔

۷- ایسے شخص کو فاسق نہیں سمجھا جائے گا، اور نہ اس پر فسق کا اطلاق مناسب ہوگا، جیسا کہ مذکورہ سطور میں اس پر تفصیل سے گفتگو آچکی ہے۔

☆☆☆

فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مفتی محمد ذکاء اللہ شبلی مفتاحی☆

لغت میں ''فسق'' پھل کو دبانے سے گٹھلی کے نکلنے کو کہتے ہیں اور لفظی معنیٰ خروج اور باہر نکل جانے کے ہیں۔

اصطلاح شرع میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل جانے کو کہتے ہیں، یہ نکل جانا انکار اور تمرد کے ذریعہ ہو تو یہ کفر ہے، اور اگر محض عمل یا غفلت سے ہو تو یہ فسق ہے، گویا ''فسق'' کفر کے بالمقابل اس کی ''قسیم'' ہے۔

جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے اور بار بار کرے اور توبہ نہ کرے یا گناہ صغیرہ پر اصرار کرے اور اس کی عادت بنالے وہ فقہاء کی اصطلاح میں ''فاسق'' ہے اور جو ''کار فسق'' اور گناہ کبیرہ اعلانیہ برسر عام کرے وہ فاجر ہے (معارف القرآن، ۱/۱۶۸)۔

عارفین کی نظر میں فسق کے عمل کا شکار ایک مومن و مسلم اس وقت ہوتا ہے جب وہ قلبی طور پر اللہ سے غافل ہوتا ہے، غفلت کا سلسلہ جب تک جاری اور حاوی ہوتا ہے وہ مختلف معاصی و منکرات میں مبتلا ہوتا رہتا ہے اور جیسے ہی تذکیری پہلو غالب ہوتا ایمانی جذبہ قائم ہوجاتا ہے، شیطان اور نفس کی کبید سے آزاد ہوتے ہی توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے، اس لئے مومن فاسق ہمیشہ فاسق نہیں رہتا، وہ توبہ کرتے ہی مومن مخلص ہوجاتا ہے، اس لئے علماء نے ''فاسق'' کے دو ''درجے'' اور اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں: (۱) فاسقین (۲) محرومین۔

(۱) فاسق وہ مومن ہے جس سے گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہو یا گناہ صغیرہ کی عادت بنالی ہو اور توبہ میں تاخیر کرے۔

''**فاسق هو من فوج من طاعت الله ورسوله بارتكاب كبيرة من كبائر الذنوب أو بالإصرار على صغير۔**

''**والفسق لعنة خروج من الاستقامة وهو معنى قولهم خروج الشئ على جه الفساد**'' (فتویٰ جامعۃ الاسلامیہ علامہ یوسف بنوری)۔

(۲) محروم (محرومین) وہ ہے جو توبہ سے انکار کرے۔

بعض اہل علم نے فاسق کی تین قسمیں کی ہیں (۱) تعابی (۲) انہماک (۳) جہود

☆ قاضیٔ شریعت، اندور

(۱) تعابی: وہ فاسق ہے جس سے اتفاقیہ کبیرہ گناہ سرزد ہوجائے اور وہ اس کو بُرا جانے۔

(۲) انہماک: وہ فاسق ہے جو کبیرہ کا عادی ہو اور اس سے بچنے کی کوشش بھی نہ کرے۔

(۳) جحود: وہ فاسق ہے جو حرام اور ناجائز کو اچھا جان کر کرے اور توبہ سے انکار کرے، ایسا شخص ایمان سے نکل جاتا ہے۔

امام احمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ البیہقی نے اپنی سنن میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل فرمائی کہ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

جب فاسق کی مدح وتعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ غصہ ہوتا ہے اور عرش الٰہی کانپ جاتا ہے'' (بیہقی)۔

عمل فسق اللہ وحدہٗ لاشریک لہ کے نزدیک اس قدر معتوب ومقہور ہے اور فاسق رب تعالیٰ کی نظر میں اس قدر مبغوض ہے کہ اس سے دور رہنے، انہیں دور رکھنے اور ہر مقام ومرتبہ سے اسے محروم کرنے اور تعظیم وتکریم وتعریف وتوصیف سے ہر ممکن طور پر بچنے کا حکم ہے۔

عمل فسق اللہ تعالیٰ کے نزدیک کس قدر ناپسندیدہ ہے اور فاسقین پر اللہ تعالیٰ کا کس قدر غضب ہے اور اس کے عمل فسق سے زمین میں جو بگاڑ اور فساد ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی آیات میں اس کا ذکر فرمایا ہے اور تقریباً چون (۵۴) مرتبہ اس کا ذکر کیا ہے۔

اور ہر قسم کے مفسدانہ عمل کو فسق سے تعبیر فرمایا، اللہ تعالیٰ ہر صاحب ایمان کو اس سے محفوظ فرمائے، آمین۔

اس لئے فاسق کی سیادت وولایت، امامت وخطابت ''مردود'' ہے۔

حضرت ومولانا مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ایسے شخص جو اعمال فسق کا عادی ہو، گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو، شریعت کو دادی اماں کا مسئلہ کہتا ہو، جماعت علماء کی تحقیر کرتا ہو، ان کے بارے میں قبیح وشنیع کلمات کہتا ہو، امت میں تفرقہ بازی کرتا ہو، مسجد میں فساد کرتا ہو، فرمایا ایسا شخص فاسق ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اُسے نرمی سے سمجھائیں، اگر نہ مانے تو اس سے بیزاری کا اظہار کریں'' **وأما الفاسق فقد عللو اكراهة تقديمه بأنه لا يهتم لأمر دينه وبأن فى تقديمه للإمامة تعظيمه، وقد وجب عليهم إهانته شرعا**'' (الدرالمختار: ۱/ ۴۱۸، فتاویٰ عثمانی ۱/ ۳۹۳)، نیز فرمایا: ''**من البغض عالما بغير سبب ظاهر خيف عليه الكفر**'' (شرح فقہ اکبر)۔

داڑھی منڈانا بھی انہیں اعمال فسق میں ہے، بلکہ اسے ''فسق معلن'' کہا گیا ہے، اس میں ڈاڑھی منڈوانا یہی صرف نہیں، بلکہ ایک مشت سے کم پر کترانے والا بھی شامل ہے، دونوں ہی ناجائز وحرام کے مرتکب ہوتے ہیں، اس لئے داڑھی

منڈوانا عورتوں سے ''مشابہت'' اور تغیر لخلق اللہ ہے (فتاویٰ رحیمیہ)۔

داڑھی منڈانے یا ایک مشت سے کم پر کترانے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت اور شیطان مردود کی پیروی ہے (فتویٰ دارالعلوم دیوبند)۔

اس لئے کہ آنحضرت ﷺ کی داڑھی کے متعلق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جو تفصیلات منقول ہیں اس کی روشنی میں داڑھی ایک مشت ہے، ائمہ اربعہ کے نزدیک داڑھی کی' شرعی اور وجوبی مقدار'' ایک مشت ہے، جو ایک مشت سے کم ہو وہ شرعی داڑھی نہیں، اگرچہ دور سے نظر آئے، اور داڑھی کی شرعی حد چاروں جانب سے ایک مشت ہے اس سے زائد ہو تو کاٹ سکتے ہیں اور یہ مقدار اس لئے واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت ہی تاکید کے ساتھ ڈاڑھی بڑھانے کا حکم فرمایا۔ ایک مشت سے کم کسی سے بھی ثابت نہیں، اس لئے مجموعہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی آخری حد ایک مشت ہے۔

(دارالافتاء جامعہ اسلامیہ علامہ یوسف بنوری)

فسق اور فاسق سے متعلق تمہیدی تحریر کے بعد احقر اکیڈمی کی جانب سے جاری کردہ سوالنامہ کے ابتدائی تحریر اور حقائق پر مبنی نوٹ کے اس جملہ سے اتفاق کرتا ہے کہ'' قرآن وحدیث میں فسق کی کوئی واضح تعریف نہیں کی گئی ہے، فقہاء نے شریعت کے احکام ومزاج کو سامنے رکھتے ہوئے اسے متعین کرنے کی کوشش کی ہے''۔

''نیز یہ کہ موجودہ دور میں بعض منکرات کا بہت غلبہ ہے، جیسے محلوق اللیحہ ہونا، پنجوقتہ نماز کا پابند نہ ہونا، حج فرض ہونے کے باوجود حج کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لینا، گھر کی خواتین سے پردہ کا اہتمام نہیں کرانا، اسی طرح کسب معاش کی بھی بعض ایسی صورتیں جو ہیں تو گناہ لیکن ان کو گناہ نہیں سمجھا جاتا ہے، جیسے اپنی دوکان سے باہر فٹ پاتھ اور سڑک جو عوام کے فائدہ کے لئے ہے اس کو ذاتی ملکیت کی طرح استعمال کرنا، یہاں تک کہ اپنی دوکان یا مکان کے سامنے فٹ پاتھ اور سڑک پر دوکانیں لگوا کر اس کا کرایہ وصول کرنا وغیرہ۔''

ان حالات اور ماحول میں جب کہ منکر میں مبتلا کا عموم بلوا ہے، معاصی کے گناہ ہونے کا بھی احساس نہیں، بلکہ اس میں کیا حرج ہے؟ کے فکر وخیال کے پیش نظر فسق کے گناہ کبیرہ کے ارتکاب پر مطلق اس کے بارے میں'' فاسق'' کا حکم لگانا روح اسلام اور مزاج شریعت کے خلاف ہوگا۔

میرے نزدیک اعمال فسق میں مبتلا اشخاص کے دیگر حالات واعمال اور فکر وخیال اور عقیدہ وجذبہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے'' فاسق'' کا حکم لگایا جانا چاہئے۔

خاص طور پر محض بے ریش اور مقطوع اللیحہ اور پینٹ شرٹ یا جنس پینٹ وٹائی کو دیکھ کر اس کے دیگر اعمال وافعال،

اخلاق واطوار اور دین وشریعت کے تئین جذبہ اخلاص، بلکہ فدائیت (جو کہ ایسے حضرات میں بہتوں میں ہوتا ہے) کم از کم انہیں ''شہادت'' کے امر میں ''غیر عادل'' یا فاسق سمجھ کر رد نہیں کرنی چاہئے، اس امر میں فقہاء امت اور علماء ربانیین کے اقوال کو بھی سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔

بعض حضرات چند واضح گناہوں کے عادی نظر آتے ہیں، لیکن دیگر احکام شرعیہ کے بڑے پابند اور شریفانہ ومومنانہ زندگی کے عادی ہوتے ہیں، بلکہ اسلامی حمیت اور شریعت کی بالادستی کے داعی ہوتے ہیں اور دیگر امور خیر کا بڑا کام انجام دیتے ہیں، اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس وقت امت کی اکثریت روزانہ کسی نہ کسی گناہ کبیرہ اور حرام کی مرتکب نظر آئے گی، بازاروں اور چوک وچوراہوں ومال ودولت کے دلدادوں صاحب ثروت وسطوت؛ نیز دنیاوی عہد ومنصب اور ملازم پیشوں میں صرف نہیں، بلکہ مسجد کے احاطہ میں مدارس کے چہار دیواری کے اندر منبر ومحراب کو وعظ وتقریر سے زینت بخشنے والوں اور جبّہ ودستار میں دینی اعتبار سے محبوب ومقبول اشخاص میں بھی۔

فاسق کی شہادت کے قبول وعدم قبول کے سلسلہ میں الحمدللہ علماء وفقہاء عظام نے حق بجانب روح اسلام ومزاج شریعت کے مطابق جو تحریر فرمایا ہے وہ پیش ہے۔

حضرت مولانا مفتی عبدالرشید صاحب نے فاسق کی شہادت کے بارے میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں فرمایا: ''اگر عادل شاہد نہ ہو اور حق تلفی کا اندیشہ ہو اور فاسق شخص ذی وجاہت ہو جس کے صدق کا ظن غالب ہو تو اس کی شہادت کا قبول کرنا جائز ہے'' (التفصیل فی الشاھیہ، احسن الفتاویٰ: ۷/ ۲۰۴)۔

نیز ایک دوسرے استفتاء کے جواب میں فرمایا:

''شہادت کے لئے متدین گواہوں کے نہ ملنے کی وجہ سے متاخرین فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا فتویٰ ہے کہ فاسق کی شہادت بھی قابل قبول ہوگی، بلکہ بعض اوقات فاسق کی گواہی پر فیصلہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے، خاص طور پر'' **إذا كان الناس فساقا إلا القليل الغادر قبلت شهادة بعضهم على بعض ويحكم بشهادة الأمثل فالأمثل من الفساق هذا أصوب الصواب الذى عليه العمل.....وهذا يويده مانقله القرافى، وإذا غلب على الظن صدق الفاسق قبلت شهادته**'' (معین الحکام/ احسن الفتاویٰ، ۷/ ۲۰۵)۔

البتہ بوقت ضرورت شدیدہ تین شرائط سے فاسق کی شہادت قبول کی جاسکتی ہے:

(۱) کوئی عادل شاہد میسر نہ ہو۔

(۲) مدعی کی حق تلفی کا اندیشہ ہو۔

(۳) فاسق صاحب مروت وجیہ ہو کہ اس کے صدق کا ظن غالب ہو

علامہ شامی فرماتے ہیں: ''(قولہ بشہادۃ فاسق لقد) قال فی جامع الفتاویٰ: وأما شهادة الفاسق، فإن تحری القاضی الصدق فی شهادته تقبل، وإلا فلا.....هذا إذا غلب علی ظنه صدقه وهو مما يحفظ..... قوله تعالیٰ واشهدوا ذوی عدل منكم.....'' (ردالمحتار، احسن الفتاویٰ: ۷/۲۲۱)۔

اس لئے موجودہ حالات میں، جبکہ منکرات کا ماحول حاوی ہے، مختلف معاصی اور گناہ کبیرہ میں اکثریت مبتلا ہے، یہاں تک کہ درس وتدریس، دین کی خدمت اور تعلیم وتربیت سے منسوب لوگوں کے گھرانوں میں بھی بے پردگی اور غیر محروموں کا برابر آنا جانا ہے، نیز ان گھرانوں میں بھی بعض جوان بے ریش ہیں۔ نماز وغیرہ کے اہتمام میں بے حد کوتاہی ہے۔

اس لئے حالات کے تناظر میں ''إن الأحكام متعين تتغير الأحوال'' کے تحت فسق کی تعریف اور اس کے مراد کو متعین کرنے کی ضرورت ہے۔

جیسا کہ فقیہ النفس حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی رحمۃ اللہ علیہ ''زیر بحث مسئلہ'' فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام کا تفصیلی جواب اپنے محققانہ قلم سے بیان فرمایا ہے، حضرت کا یہ تحقیقی مقالہ کتاب الفسخ والتفریق میں ہے:

> ''قرافی نے باب السیاست میں لکھا ہے کہ بعض علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جب ہم کسی جہت میں صرف غیر عادل گواہ پائیں تو ان میں سے جو صلاح کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہو، فجور اور بدکاری کے اعتبار سے سب سے کم تر ہو اُسے گواہی کے لئے مقرر کریں گے، تاکہ مصالح ضائع نہ ہوں۔
>
> امام قرافی فاسق کی شہادت قبول کئے جانے کے سلسلہ میں مزید فرماتے ہیں:
>
> ''جب عام لوگ فاسق ہوں سوائے تھوڑے سے لوگوں کے (جیسا کہ فی زمانہ حال ہے) تو ان میں بعض کی شہادت بعض پر مقبول ہوگی اور ان سے بہتر کی شہادت پر فیصلہ کیا جائے گا، اسی طرح درجہ بدرجہ یہی وہ صحیح طریقہ ہے جس پر عمل ہے، اگرچہ بہت سے فقہاء نے اپنی زبانوں سے انکار کیا ہے، جیسے کہ ولایت فاسق کی صحت اور اس کے احکام کے نفاذ پر عمل ہے۔

فرمایا: ''إذا غلب علی الظن صدق الفاسق قبلت شهادته وحكم بها'' (اور جب فاسق کے سچے ہونے کا غلبۂ ظن حاصل ہو جائے تو اس کی شہادت قبول ہو جائے گی اور اس پر فیصلہ کیا جائے گا) (معین الحکام فی القضاء والشہادۃ غیر العلول، کتاب الفسخ والتفریق، ص ۲۱۷)۔

حضرت رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر مزید وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

''تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:''**بل فی زماننا هذا۔ ... الفاسق إذا كان وجيها ذامروة يغلب على الظن أنه لايكذب فی الشهادة أودلت القرائن على صدقه يقبل شهادته**''، یعنی قرائن اس کے صدق پر ہوتو گواہی قبول کر لی جائیگی۔

نیز فرمایا:''عدل کے متعلق ایک اہم بات جو کسی طرح نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے، وہ یہ ہے کہ ایک شخص کے شاہد ہونے کے لئے جو عدل کا اعتبار ہے وہ اس کی شہادت کی حیثیت سے ہے،''یعنی وہ ادائے شہادت میں غیر عادل نہ ہو''۔

زندگی کے دوسرے مرحلوں میں وہ عادل ہے یا نہیں؟

نیز صاحب قنیہ وغیرہ کی تصریح سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک ایک شاہد کے لئے جس عدل کا لحاظ ہے وہ ''عدل فی الشہادۃ'' ہے، یعنی شاہد کے جملہ صفات اور زندگی کے جملہ احوال میں عدل کا ہونا قبول شہادت کے لئے مطلوب ومقصود نہیں ہے۔

یعنی اگر کوئی شاہد ادائے شہادت میں عادل ہے اور اس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا ہے، لوگ اس کو سچا جانتے ہیں، اگر چہ وہ کذب کے علاوہ دوسری طرح کے فسق میں مبتلا ہو تو اس کی شہادت رد نہیں کی جائے:''**وأصل هذا ماوقع فی المحيط والقينة إذا كان الرجل يشرب سرا وهو ذو مروه فللقاضی أن يقبل شهادته**''(معین الحکام الباب الثانی والعشرون فی القضاء بشہادۃ غیر العدول للضرورۃ، ص ۸۱۱، بحوالہ کتاب الفتح والتفریق، ص ۱۲۲)۔

ابن قیم جوزی حنبلی کہتے ہیں کہ مسئلہ کا راز یہ ہے کہ قبول شہادت اور رد شہادت کی بنیاد صدق کے غلبۂ ظن اور عدم ظن پر ہے، یعنی شاہد اپنی اس شہادت میں اگر عادل ہے تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

جیسا کہ طلب علم میں طالب علم کے لئے ایسے شخص سے درس لینا درست ہے جو بظاہر فسق میں مبتلا ہو۔

اسی طرح ایسے عالم سے علم سیکھا جا سکتا ہے، اگر چہ اس کا اس پر عمل نہ ہو۔

اس امر میں ایک لطیفہ، بلکہ حقیقی واقعہ ہے کہ اہم اہالیان اکیڈمی شہادت کے قبول اور رد کے سلسلہ میں شاہد کے عمل وکردار پر غور وفکر کے لئے صحیح لائحہ عمل اور فیصلہ کے لئے جمع ہیں، لیکن ملک میں ایک طبقہ کی طرف سے ہلال کی رویت اور دیگر امور شرعیہ کی شہادت میں ''عقیدہ عمل'' کو نہیں، بلکہ مسلک ومشرب کو دیکھا اور معلوم کیا جاتا ہے، اگر چہ عمل وکردار اور

طوروطریقہ کے اعتبار سے وہ کتنا ہی مشکوک اور غیر معتبر، نیز بے دین و بے عمل ہو، اگر اس مکتبۂ فکر کا حامی اور ناصر ہے تو اس کی شہادت قبول ''ورنہ رد''، ہلال عید کی شہادت دی ایک ایسی فیملی کے افراد خانہ نے جو کہ سب صوم وصلوٰۃ کے پابند اور مرد حضرات میں کئی صاحب اللحیہ ہیں، انہوں نے حلفیہ شہادت دی کہ ہم سب نے چاند دیکھا ہے، لیکن ان سب کی شہادت اس لئے رد کردی گئی کہ وہ فکراً اہل حق اور اہل سنت والجماعت جماعتی تھے، اسی طرح بعض موقع پر ہلال عید کی شہادت کے لئے فرضی شاہد تیار کے لئے اور ایسے باشرع شریف چہرہ مہرہ ولباس وپوشاک والے شخص کو پیش کیا گیا جنہوں نے کہا کہ ہم نے چاند دیکھا ہے جب اس سے پوچھا گیا، کہاں کس جگہ اور کس مقام پر دیکھا ہے اور کس سمت دیکھا ہے اور تمہارے ساتھ کون کون لوگ اور تھے، یہ پوچھنا تھا کہ اس کا چہرہ فق ہوگیا اور ان شاہدوں نے کہا کہ ہمیں تو یہ کہہ کر لایا گیا تھا تمہیں صرف یہ بیان دینا ہے کہ ہم نے چاند دیکھا۔

اسی طرح ریش تراشیدہ کی شہادت قبول کرنے سے انکار کردیا گیا کہ ہم سے بے ریش اور انگریزی لباس و پوشاک والے ہو جب کہ سماج و برادری اور محلّہ میں وہ لوگ باوقار اور مہذب، نیز صوم وصلوٰۃ کے ہم پابند تھے، نشہ اور جھوٹ وغیرہ سے دور رہتے ہیں۔

اس لئے شہادت کے قبول یا رد کے سلسلہ میں احقر کا جو موقف ہے پچھلے صفحات میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

☆☆☆

موجودہ زمانہ میں فسق کی حقیقت-احکام ومسائل

مولانا محمد جمشید جوہر قاسمی اررياوی☆

اللہ رب العزت نے انسان کو سب سے بہترین سانچے میں ڈھالا ہے، عزت وشرافت اس کی فطرت میں ودیعت کردی ہے، اس کے سر پر کرامت کا تاج رکھا ہے، اچھی بری چیزوں کو پرکھنے کی صلاحیت رکھی ہے، صحیح وغلط دونوں راہیں اس کو بتادی ہیں، چنانچہ جو جس راہ پر چلنے کی سعی کرتا ہے وہ اس کے لئے ہموار ہوجایا کرتی ہے، اچھے راستوں پہ چل کر انسان فرشتوں سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے، وہی متقی و پرہیزگار کہلاتا ہے، عدالت وصداقت اس کی پہچان بن جاتی ہے، جبکہ برے راستوں کو اپنا کر خدا کا باغی ونافرمان بن جاتا ہے، معصیت کے دلدل میں پھنس کر شیطان کو بھی شرمسار کردیتا ہے، فسق وفجور کا عادی بن کر گنہگار کہلاتا ہے۔

الغرض انسان میں اللہ نے دونوں خوبیاں رکھیں ہیں، شریعت اسلامیہ میں بھی دونوں کے الگ الگ احکام ہیں، بے شمار ایسے احکام ہیں جن میں عدالت شرط قرار دی گئی ہے، فاسق کی گواہی وغیرہ غیر معتبر قرار دی گئی ہے، فقہاء نے فاسق کے احکام تفصیل سے ذکر کئے ہیں، نکاح وطلاق، شہادت وکالت، افتاوولایت اور امامت وغیرہ کے ابواب اس سلسلہ میں مستقل ہیں، اسی طرح محدثین نے بھی فاسق کی روایت کی قبولیت وعدم قبولیت کے سلسلہ میں کلام کیا ہے، لیکن ان سب کے باوجود یہ بھی حقیقت ہے فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں، قرآن کریم نے بھی چند معانی کے لئے اس کو ذکر کیا ہے، کبھی کفر، کبھی ظلم، کبھی شرک اور کبھی کبیرہ گناہ اور کبھی دیگر امور کے سلسلے میں اس لفظ اور اس کے مشتقات کا استعمال کیا ہے۔ البتہ فقہاء نے شریعت کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اس کی تعریف کرنے کی کوشش کی ہیں، موجودہ دور میں منکرات کا غلبہ ہے، بے شمار گناہوں میں جانے انجانے میں عوام مبتلا ہیں، اس لئے دور حاضر میں فسق کا کیا معیار ہوگا؟ اس پر کیا احکام مرتب ہوں گے؟ چنانچہ اس سلسلے میں چند سوالات کے جوابات مطلوب ہیں:

جواب:۱-قرآن کریم میں لفظ فسق کئی معانی میں استعمال ہوا ہے، کفر، شرک، ظلم، اثم، اور خلاف اولیٰ امور وغیرہ کے لئے، البتہ فقہاء کے یہاں کفر وفسق اور دوسری چیزوں میں فرق ہے، فقہاء نے فسق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

☆استاذ اصلاح المسلمین جوکی ہاٹ اررياہ بہار

فسق کی لغوی تعریف:

"الْفِسْقُ فِی اللُّغَةِ : الْخُرُوجُ عَنِ الطَّاعَةِ، وَعَنِ الدِّینِ ، وَعَنِ الاِسْتِقَامَةِ ۔

وَالْفِسْقُ فِی الْأَصْل خُرُوجُ الشَّیْءِ مِنَ الشَّیْءِ عَلَی وَجْهِ الْفَسَادِ، وَمِنْهُ قَوْلُهُمْ: فَسَقَ الرُّطَبُ : إِذَا خَرَجَ عَنْ قِشْرِهِ"۔

فسق کی اصطلاحی تعریف: "وَفِی الاِصْطِلاَحِ قَال الشَّوْکَانِیُّ: هُوَ الْخُرُوجُ عَنِ الطَّاعَةِ وَتَجَاوُزُ الْحَدِّ بِالْمَعْصِیَةِ" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ:۳۲/۱۴۰)۔

"وَالْفِسْقُ هُوَ الْفُجُورُ وَالْخُرُوجُ عَنْ طَرِیقِ الْحَقِّ وَالتَّرْکُ لِأَمْرِ اللَّهِ، وَالْعِصْیَانُ، وَفِی التَّنْزِیل (إِنَّهُ لَفِسْقٌ) أَیْ خُرُوجٌ عَنِ الْحَقِّ۔

وَقَال الْعَسْکَرِیُّ: الْفِسْقُ الْخُرُوجُ مِنْ طَاعَةِ اللَّهِ بِکَبِیرَةٍ، وَالْفُجُورُ الاِنْبِعَاثُ فِی الْمَعَاصِی وَالتَّوَسُّعُ فِیهَا" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۱۳/۹۹)۔

گویا فسق کے اصل معنی نافرمانی کے ہیں، فسق کی ضد عدل ہے، اسی سے عادل ہے، عادل کی تعریف صاحب جلالین نے ان الفاظ میں ذکر کی ہے: ذَوَا عَدْل مِنْکُمْ "لَهُمَا فِطْنَة یُمَیِّزَانِ بِهَا أَشْبَه الْأَشْیَاء بِهِ" (تفسیر الجلالین ۲/۲۷۱)۔

عدالت کے معنی استقامت کے ہیں، شریعت میں راہ حق پر استقامت اور ممنوع باتوں سے بچنے کا نام عدالت ہے، علامہ جرجانیؒ فرماتے ہیں: "العدالة فی اللغة الاستقامة وفی الشریعة عبارة عن الاستقامة علی طریق الحق بالاجتناب عما هو محظور دینا" (التعریفات (۱۹۱/)۔

الغرض فسق کی کوئی متعین تعریف نہیں، البتہ فقہاء نے اپنے اپنے الفاظ میں اس کو ذکر کیا ہے، اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس کو ہر زمانہ کے احوال وکوائف پر محمول کیا جائے، عوام الناس کے اخلاقی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے حکم لگایا جائے، بالخصوص موجودہ دور مکمل بے راہ روی کا ہے، اس میں مکمل پارسا ملنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے، تاہم گواہ کی ضرورت آج بھی ہے اور آئندہ بھی ہر زمانے میں رہے گی، اس لئے اس میں توسع سے کام لیا جائے۔

چنانچہ علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک آدھ بار دروغ گوئی میں مبتلا ہوا اور پھر توبہ کر لی تو شہادت قبول کی جائے گی، کیونکہ اگر ایسوں کی گواہی قبول نہ کی جائے تو گواہی کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔

چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے ایسے شخص کی گواہی کو قابل قبول قرار دیا ہے، جو لوگوں میں صاحب وجاہت ہو، اور خیال کیا جاتا ہو کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا (بحوالہ قاموس الفقہ ۴/۴۵۴)۔

جواب: ۲-موجودہ حالات میں جس طرح فسق کے مفہوم میں نرمی لانے کی ضرورت ہے اسی طرح عدالت کے مفہوم میں وسعت کی ضرورت ہے، قرآن حکیم اور احادیث میں اس کی کوئی مخصوص تعریف نہیں کی ہے، بلکہ احوال زمانہ کے لحاظ سے ''عدل'' کا معیار مقرر کیا جانا چاہیے، تاکہ سماجی واخلاقی قدروں کو دیکھتے ہوئے اس کا مصداق متعین ہوسکے، چنانچہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''من عامل الناس فلم يظلمهم وحدثهم فلم يكذبهم ووعدهم فلم يخلفهم فهو من كملت مروئته وظهرت عدالته ووجبت إخوته وحرمت غيبته'' (الکفایۃ فی علم الروایۃ'' الخطیب البغدادی (۷۸/)۔

(جس نے لوگوں کے ساتھ معاملہ کیا اور زیادتی نہیں کی، گفتگو کی جھوٹ نہیں بولا، وعدہ کیا، وعدہ خلافی نہیں کی، تو وہ ایسا شخص ہے جس کی مروت کامل ہے، عدالت ظاہر ہے، اس کی اخوت واجب اور اس کی غیبت حرام ہے)۔

اس روایت میں تخفیف کا راستہ اختیار کیا گیا ہے، جس میں توسع ہے۔

صاحب ہدایہ کا بیان ہے: **''وَإِنْ كَانَتْ الْحَسَنَاتُ أَغْلَبُ مِنْ السَّيِّئَاتِ وَالرَّجُلُ مِمَّنْ يَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَإِنْ أَلَمَّ بِمَعْصِيَةٍ، هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ فِي حَدِّ الْعَدَالَةِ الْمُعْتَبَرَةِ''** (العنایۃ شرح الہدایۃ ۴۶۱/۱۰)۔

(اگر نیکیاں بمقابلہ برائیوں کے زیادہ ہوں اور وہ کبائر سے بچتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اگرچہ گناہ کا ارتکاب بھی کرتا ہو، جو عدالت معتبر ہے اس کی بابت یہی صحیح قول ہے)۔

علامہ ابن الہمامؒ نے لکھا ہے: **''وَالْمَرْوِيُّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ هُوَ قَوْلُهُ أَنْ لَا يَأْتِي بِكَبِيرَةٍ وَلَا يُصِرَّ عَلَى صَغِيرَةٍ وَيَكُونُ سَتْرُهُ أَكْثَرَ مِنْ هَتْكِهِ وَصَوَابُهُ أَكْثَرَ مِنْ خَطَئِهِ وَمُرُوئَتُهُ ظَاهِرَةٌ وَيَسْتَعْمِلُ الصِّدْقَ وَيَجْتَنِبُ الْكَذِبَ دِيَانَةً وَمُرُوئَةً''** (فتح القدیر لکمال بن الہمام ۱۶۰/۱۷)۔

نیز فرماتے ہیں: **''هَذَا هُوَ مَعْنَى الْمَرْوِيِّ عَنْ أَبِي يُوسُفَ فِي حَدِّ الْعَدَالَةِ وَهُوَ أَحْسَنُ مَا قِيلَ''** (فتح القدیر لکمال بن الہمام ۱۶۰/۱۷)۔

فقہاء شوافع میں علامہ عبدالرؤف مناویؒ لکھتے ہیں:

''جس کی طاعت ومروت اس کے گناہوں پر عرف میں غالب ہو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اس لئے کہ وہ عادل ہے، اور جس کی طاعت مروت غالب نہ ہو؛ بلکہ معصیت غالب ہو یا دونوں برابر ہو تو اس کی گواہی مقبول نہیں''۔

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں: ''اگر علماء وحکام اس بات پر عمل کرنے لگیں کہ وہ ایسے ہی مسلمان کی روایت اور گواہی کو قبول کریں گے جو ہر کم وبیش گناہ سے پاک ہو تو کسی شخص کی خبر اور گواہی قبول کرنا ممکن نہ ہوگا''۔

اوپر ذکر کردہ بیان سے واضح ہوگیا کہ موجودہ دور میں ہر اس شخص کی گواہی معتبر ہوگی جو سماج میں دیندار اور راست گو تصور کیا جاتا ہو، اور جس سے توقع رکھی جاتی ہے کہ وہ گواہی جیسے معاملہ میں جھوٹ کا بوجھ اپنے سر اٹھانے کو تیار نہیں ہوگا (قاموس الفقہ ۴/ ۳۷۳ ومابعدہا)۔

جواب: ۳-شریعت میں داڑھی کی بڑی فضیلت آئی ہے، اسی وجہ سے داڑھی کا رکھنا واجب ہے، مالکیہ اور حنابلہ نے داڑھی منڈوانے کو حرام قرار دیا ہے، اور حنفیہ وشوافع نے مکروہ تحریمی۔

لیکن کیا داڑھی منڈے شخص کی شہادت رؤیت ہلال اور اختلافی معاملات میں قبول کی جائے گی یا نہیں؟ جبکہ اوپر بات آچکی ہے کہ موجودہ دور میں مکمل پارسا کا ملنا مشکل ہے، اس لئے جو لوگ حرام کا ارتکاب کرتے ہوں، یا مکروہ تحریمی جیسے اعمال کا مرتکب ہوں، لیکن نماز روزہ اور دوسرے فرائض کا اہتمام کرتا ہو، جیسا کہ دیکھا جاتا ہے کہ ایک شرابی بھی روزہ کا احترام کرتا ہے، رمضان المبارک میں نمازیں بھی ادا کرتا ہے، اور ایک جھوٹا آدمی جو عام معاملات میں جھوٹ بولتا ہے، لیکن جب گواہی دینے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ جھوٹ بولنے سے باز رہتا ہے، تو ان حالات میں بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ داڑھی منڈے شخص کی شہادت اختلافی معاملات یا رؤیت وغیرہ میں قبول کی جانی چاہیے۔

خطیب بغدادیؒ فرماتے ہیں: ''اگر علماء وحکام اس بات پر عمل کرنے لگیں کہ وہ ایسے ہی مسلمان کی روایت اور گواہی کو قبول کریں گے جو ہر کم وبیش گناہ سے پاک ہو تو کسی شخص کی خبر اور گواہی قبول کرنا ممکن نہ ہوگا''۔

چنانچہ امام طحاویؒ کے قول سے استفادہ کرتے ہوئے رؤیت ہلال کے سلسلہ میں یا اختلافی معاملات میں ان کی شہادت قبول کی جانی چاہیے (واللہ اعلم)۔

''قال: ولو شهد رجل واحد برؤية هلال رمضان وبالسماء علة قبلت شهادته إذا كان عدلا وقد بينا هذه المسألة في كتاب الصوم والاستحسان وشرط في الكتاب أن يكون الشاهد عدلا والطحاوي يقول عدلا كان أو غير عدل قيل مراده أنه يكتفي بالعدالة الظاهرة ولا يشترط أن يكون الشاهد عدلا في الباطن وقيل إنما لا تشترط العدالة في هذا'' (المبسوط للسرخسی ۳/ ۲۵۲)۔

جواب: ۴-امیر کی اطاعت جائز ومباح امور میں واجب ہے، معصیت میں ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے: ''يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ'' (النساء:۵۹)۔

''ويندرج فيهم الخلفاء والقضاة وأمراء السرية'' (تفسیر البیضاوی ۱/ ۴۶۶)۔

امام زجاجؒ فرماتے ہیں: **''وجملة أولى الأمر من يقوم بشأن المسلمين في أمر دينهم وجميع ما**

أدى إليه صلاحهم قال العلماء طاعة الإمام واجبة على الرعية ما دام على الطاعة فإذا زال عن الكتاب والسنة فلا طاعة له وإنما تجب طاعته فيما وافق الحق" (تفسیر الخازن ۱۲۰/۲)۔

اوپر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ تنظیم اور اداروں کے ذمہ داران، اسی طرح خادمین ادارہ وٹرسٹیوں کی اطاعت جائز امور میں لازم ہوگی۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ فَإِنْ أُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ عَلَيْهِ وَلَا طَاعَةَ**" (سنن الترمذی:۶)۔

"**لا طاعة لأحد في معصية الله إنما الطاعة في المعروف**" (عن علی ۳۰۰، ۱۶۲۹، ۱۴۸۷۴)۔

حضرت عمرانؓ اور الحکیم بن عمرو الغفاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "**لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق**۔ (کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال ۶/ ۶۷، حدیث نمبر ۱۴۸۷۵)۔

لہٰذا ان حضرات کی اطاعت امت کی اجتماعیت اور فتنہ وفساد سے حفاظت کے لئے لازم ہوگی۔

"**وَتَجِبُ طَاعَتُهُ فِيمَا يَجُوزُ مِنْ أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ وَقَضَائِهِ بِاتِّفَاقِ الْفُقَهَاءِ، وَإِنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ - وَالْأَهْوَاءِ، مَا لَمْ يَكْفُرْ بِبِدْعَتِهِ؛ دَرْئًا لِلْفِتْنَةِ ، وَصَوْنًا لِشَمْلِ الْمُسْلِمِينَ، وَاحْتِفَاظًا بِوَحْدَةِ الْكَلِمَةِ** (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳۷/۸)۔

"**أن درء المفاسد أولى من جلب المصالح، وهو معنى يعتمد عليه أهل العلم**" (الموافقات ۳۰۰/۵)۔

بلکہ بسا اوقات مالداروں کو بنانا ہی بہتر قرار دیا گیا ہے۔

"**وَفِي الْوَلْوَالِجِيَّةِ وَيَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ الشَّاهِدُ مُسِنًّا عَفِيفًا ذَا مَالٍ ذَا فَضْلٍ لِأَنَّهُ إذَا كَانَ كَذَلِكَ لَا يَطْمَعُ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ وَيَسْتَحْيِ مِنْ ارْتِكَابِ مَا لَا يَحِلُّ فِي الشَّرْعِ فَكَانَ أَوْلَى بِالِاسْتِشْهَادِ اهـ**" (البحر الرائق ۳۱۷/۱۸)۔

"**قَالَ ابْنُ عَابِدِينَ : وَالظَّاهِرُ أَنَّهَا شَرَائِطُ الْأَوْلَوِيَّةِ لَا شَرَائِطُ الصِّحَّةِ ، وَأَنَّ النَّاظِرَ إذَا فَسَقَ اسْتَحَقَّ الْعَزْلَ، وَلَا يَنْعَزِلُ، كَالْقَاضِي إذَا فَسَقَ لَا يَنْعَزِلُ عَلَى الصَّحِيحِ الْمُفْتَى بِهِ**" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۱۰۱/۳۶)۔

جواب: ۵- فسق عملی ہو یا فسق اعتقادی دونوں ہی انسان کو گمراہی کا راستہ دکھاتا ہے، لیکن فسق فی العقیدہ انسان کو ضلالت وگمراہی کی دلدل میں ایسا پھنسائے رکھتا ہے کہ جلد توبہ کی بھی توفیق نہیں ملتی، کیونکہ جس انسان کا اعتقاد ہی خراب وفاسد ہو وہ بزعم خویش اپنے اعتقادی باتوں کو ہی بہتر سمجھتا ہے، باقی دوسروں کی رائے اچھی بھی ہو اس کا انکار کر دیتا ہے،

چنانچہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:"كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي خُطْبَتِهِ يَحْمَدُ اللَّهَ وَيُثْنِي عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ ثُمَّ يَقُولُ مَنْ يَهْدِهِ اللَّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ إِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَأَحْسَنَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ"(سنن النسائی ۶/ ۳۷، ۱۵۶۰)۔

الغرض فسق فی العقیدہ سے مراد ایسے عقائد ونظریات ہیں جو کتاب وسنت کے صریح وواضح ہدایتوں کے متصادم ہوں، جیسے ماضی میں فرقہ جہمیہ اور عصر حاضر میں بوہرہ وغیرہ، چنانچہ جو لوگ اعتقادی اعتبار سے فاسق ہوں ان کے کچھ احکام نیچے کی عبارت سے واضح ہوتے ہیں:

"أَمَّا الْفِسْقُ فِي الْعَقِيدَةِ، أَوْ بِارْتِكَابِ الْمُحَرَّمَاتِ، فَهِيَ مَسْأَلَةٌ خِلاَفِيَّةٌ، وَقَدْ شَدَّدَ فِيهَا الإِمَامُ أَحْمَدُ، وَقَال: إِنَّهُ إِذَا كَانَ دَاعِيًا إِلَى بِدْعَتِهِ، وَعَلِمَ بِذَلِكَ الْمُقْتَدِي، فَعَلَيْهِ إِعَادَةُ الصَّلاَةِ، حَتَّى لَوْ عَلِمَ بِذَلِكَ بَعْدَ الصَّلاَةِ، وَهَذِهِ الرِّوَايَةُ الْمُعْتَمَدَةُ فِي الْمَذْهَبِ۔

أَمَّا إِذَا كَانَ لاَ يَدْعُو إِلَى بِدْعَتِهِ، وَهُوَ مَسْتُورُ الْحَال، فَالظَّاهِرُ أَنَّهُ لاَ إِعَادَةَ عَلَى مَنِ اقْتَدَى بِهِ، وَفِي رِوَايَةٍ: عَلَيْهِ الإِعَادَةُ۔

وَذَهَبَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ إِلَى أَنَّ الصَّلاَةَ خَلْفَ الْفَاسِقِ مَكْرُوهَةٌ، وَلاَ إِعَادَةَ فِيهَا۔ لِحَدِيثِ: صَلُّوا خَلْفَ مَنْ قَال لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ۔ وَلأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي خَلْفَ الْحَجَّاجِ۔ وَأَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ كَانَا يُصَلِّيَانِ خَلْفَ مَرْوَانَ وَوَرَاءَ الْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ "(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۶/ ۲۷)۔

"الْفَاسِقُ: مَنْ فَعَل كَبِيرَةً، أَوْ دَاوَمَ عَلَى صَغِيرَةٍ .وَقَدْ صَرَّحَ الْحَنَفِيَّةُ وَالشَّافِعِيَّةُ بِجَوَازِ الاِقْتِدَاءِ بِالْفَاسِقِ مَعَ الْكَرَاهَةِ، أَمَّا الْجَوَازُ فَلِمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ: صَلُّوا خَلْفَ كُل بَرٍّ وَفَاجِرٍ، وَلِمَا رَوَاهُ الشَّيْخَانِ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ "كَانَ يُصَلِّي خَلْفَ الْحَجَّاجِ عَلَى ظُلْمِهِ۔ وَأَمَّا الْكَرَاهَةُ فَلِعَدَمِ الْوُثُوقِ بِهِ فِي الْمُحَافَظَةِ عَلَى الشُّرُوطِ۔

وَقَال الْحَنَابِلَةُ – وَهُوَ رِوَايَةٌ عِنْدَ الْمَالِكِيَّةِ –: لاَ تَصِحُّ إِمَامَةُ فَاسِقٍ بِفِعْلٍ، كَزَانٍ وَسَارِقٍ وَشَارِبِ خَمْرٍ وَنَمَّامٍ وَنَحْوِهِ، أَوِ اعْتِقَادٍ، كَخَارِجِيٍّ أَوْ رَافِضِيٍّ وَلَوْ كَانَ مَسْتُورًا۔ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: (أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لاَ يَسْتَوُونَ)، وَلِمَا رُوِيَ عَنْ جَابِرٍ مَرْفُوعًا: لاَ تَؤُمَّنَّ امْرَأَةٌ رَجُلاً، وَلاَ أَعْرَابِيٌّ مُهَاجِرًا، وَلاَ فَاجِرٌ مُؤْمِنًا إِلاَّ أَنْ يَقْهَرَهُ بِسُلْطَانٍ يَخَافُ سَوْطَهُ وَسَيْفَهُ۔

وَفَصَّل الْمَالِكِيَّةُ فِي الرِّوَايَةِ الْأُخْرَى الْمُعْتَمَدَةِ بَيْنَ الْفَاسِقِ بِجَارِحَةٍ كَزَانٍ وَشَارِبِ خَمْرٍ، وَبَيْنَ مَنْ يَتَعَلَّقُ فِسْقُهُ بِالصَّلاَةِ، كَأَنْ يَقْصِدَ بِتَقَدُّمِهِ الْكِبْرَ، أَوْ يُخِل بِرُكْنٍ أَوْ شَرْطٍ، أَوْ سُنَّةٍ عَمْدًا، فَقَالُوا بِجَوَازِ الاِقْتِدَاءِ بِالأَْوَّل دُونَ الثَّانِي۔

وَهَذَا كُلُّهُ فِي الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، أَمَّا فِي الْجُمَعِ وَالأَْعْيَادِ فَيَجُوزُ الاِقْتِدَاءُ بِالْفَاسِقِ اتِّفَاقًا، لأَِنَّهُمَا يَخْتَصَّانِ بِإِمَامٍ وَاحِدٍ، فَالْمَنْعُ مِنْهُمَا خَلْفَهُ يُؤَدِّي إِلَى تَفْوِيتِهِمَا دُونَ سَائِرِ الصَّلَوَاتِ" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳۶/۶)۔

جواب:۶-اگر فاسق شخص زبان سے توبہ کرلے،لیکن ابھی اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہ بھی ہو تب بھی دنیاوی احکام کے اعتبار سے اس کی توبہ قابل قبول ہوگی۔

"وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ" (آل عمران:۱۳۵)۔

" قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيم" (الزمر:۵۳)۔

"اخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي قَبُول تَوْبَةِ الْمُبْتَدِعِ الْمُكَفَّرِ بِبِدْعَتِهِ، فَقَال جُمْهُورُ كُلٍّ مِنَ الْحَنَفِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ وَالشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَابِلَةِ بِقَبُول تَوْبَتِهِ؛ لِقَوْلِهِ تَعَالَى: قُل لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَلِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِل النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللَّهُ، فَإِذَا قَالُوهَا فَقَدْ عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳۸/۸)۔

"وَفِي الْخَانِيَّةِ: الْفَاسِقُ إِذَا تَابَ لاَ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ مَا لَمْ يَمْضِ عَلَيْهِ زَمَانٌ تَظْهَرُ التَّوْبَةُ ثُمَّ بَعْضُهُمْ قَدَّرَهُ بِسِتَّةِ أَشْهُرٍ وَبَعْضُهُمْ قَدَّرَهُ بِسَنَةٍ وَالصَّحِيحُ أَنَّ ذَلِكَ مُفَوَّضٌ إِلَى رَأْيِ الْقَاضِي وَالْمُعَدِّلِ اھ" (البحر الرائق ۳۱۷/۱۸)۔

جواب:۷-داڑھی رکھنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:"لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي" (طہ:۹۴)۔

اور بے شمار احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللِّحىٰ خَالِفُوا الْمَجُوسَ" (صحیح مسلم ۳۸۳،۷۳/۲)۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللِّحىٰ وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ أَوْ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ فَمَا فَضَلَ أَخَذَهُ" (صحیح البخاری ۵۴۴۲، ۲۴۹/۱۸)۔

البتہ بعض علماء نے اسے سنن عادیہ میں شمار کیا ہے، لیکن اکثر و بیشتر علماء نے اس کو سنن شرعیہ میں شمار کیا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے داڑھی کاٹنا مکروہ قرار دیا ہے۔

"ذَهَبَ جُمْهُورُ الْفُقَهَاءِ: الْحَنَفِيَّةُ وَالْمَالِكِيَّةُ وَالْحَنَابِلَةُ، وَهُوَ قَوْلٌ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ، إِلَى أَنَّهُ يَحْرُمُ حَلْقُ اللِّحْيَةِ لأَنَّهُ مُنَاقِضٌ لِلأْمْرِ النَّبَوِيِّبِ إِعْفَائِهَا وَتَوْفِيرِهَا" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۲۲۵/۳۵)۔

"وَفِي حَاشِيَةِ الدُّسُوقِيِّ الْمَالِكِيِّ: يَحْرُمُ عَلَى الرَّجُل حَلْقُ لِحْيَتِهِ، وَيُؤَدَّبُ فَاعِل ذَلِكَ، وَقَال أَبُو شَامَةَ مِنَ الشَّافِعِيَّةِ: قَدْ حَدَثَ قَوْمٌ يَحْلِقُونَ لِحَاهُمْ، وَهُوَ أَشَدُّ مِمَّا نُقِل عَنِ الْمَجُوسِ أَنَّهُمْ كَانُوا يَقُصُّونَهَا۔ وَالأْصَحُّ عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ: أَنَّ حَلْقَ اللِّحْيَةِ مَكْرُوهٌ" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۲۲۶/۳۵)۔

"وقد حرم المالكية والحنابلة حلقها، ولا يكره أخذ ما زاد على القبضة، ولا أخذ ما تحت حلقه، لفعل ابن عمر۔

ويكره حلقها تحريماً عند الحنفية، ويكره تنزيهاً عند الشافعية، فقد ذكر النووى فى شرح مسلم عشر خصال مكروهة فى اللحية، منها حلقها" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۴۰۵/۱)۔

عرف کا اعتبار

جس ملک میں داڑھی نا رکھنا عرف ہو کیا اس کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟

چنانچہ عرف خاص کا اعتبار فقہاء نے نہیں کیا ہے، البتہ بے شمار مشائخ نے اسی کا اعتبار کرتے ہوئے فتوی دیا ہے، جیسا ابن نجیم نے اس کی تفصیل ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمَذْهَبَ عَدَمُ اعْتِبَارِ الْعُرْفِ الْخَاصِّ، وَلَكِنْ أَفْتَى كَثِيرٌ مِنَ الْمَشَايِخِ بِاعْتِبَارِهِ" (الأشباہ والنظائر لابن نجیم، ص: ۱۰۳)۔

"والضابط أنه إن كان المخصوص محصورا لم يؤثر كما لو كانت عادة امرأة فى الحيض أقل مما استقر من عادات النساء ردت إلى الغالب فى الأصح وقيل تعتبر عادتها وإن كان غير محصور اعتبر كما لو جرت عادة قوم بحفظ زرعهم ليلا ومواشيهم نهارا فهل ينزل ذلك منزلة

العرف العام فی العکس وجهان الأصح نعم''(الأشباہ والنظائر،ص:۹۵)۔

''**وأما الأخذ منها وهی دون ذلک کما یفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم یبحه أحد وأخذ کلها فعل یهود الهند ومجوس الأعاجم**''(الدرالمختار ۲/۴۱۸)۔

مذکورہ بالاعبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے زیادہ داڑھی کا کاٹنا یا بالکل مخنث جیسی شکل بنالینا فقہاء میں سے کسی نے جائز قرار نہیں دیا ہے، اسی طرح بالکل صاف کردینا ہندوؤں اور عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے جو کسی طرح درست نہیں۔

البتہ جن ملکوں میں لوگ داڑھی کاٹتے ہیں، یا جھوٹی داڑھی رکھتے ہیں، یا داڑھی کو سنن عادیہ شمار کرتے ہیں وہ مغرب کی تقلید ہے، علماء اور فقہاء امت کے یہاں اس میں کسی طرح کے نرمی نہیں پائی جاتی ہے، اس لئے ایسے لوگ بھی فاسق ہی کہلائیں گے، (واللہ اعلم بالصواب)۔

☆☆☆

موجودہ دور میں فسق سے مراد اور اس پر مرتب ہونے والے احکام

مولانا امتیاز احمد واعظ قاسمی☆

جواب:ا

فسق کے معنیٰ لغت میں: فرمابرداری، دین اور استقامت سے نکل جانا ہے، اور اصطلاح میں طاعت سے نکلنا اور نافرمانی کے ذریعہ حد سے تجاوز کرنا ہے، اور فاسق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو شریعت کے حکم کا التزام کرے اور اس کا اقرار کرے، پھر تمام یا بعض احکام میں کوتاہی کرے، جیسا کہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

"**الْفِسْقُ فِي اللُّغَةِ: الْخُرُوجُ عَنِ الطَّاعَةِ، وَعَنِ الدِّينِ، وَعَنِ الاِسْتِقَامَةِ.وَالْفِسْقُ فِي الْأَصْل خُرُوجُ الشَّيْءِ مِنَ الشَّيْءِ عَلَى وَجْهِ الْفَسَادِ، وَفِي الاِصْطِلاَحِ قَال الشَّوْكَانِيُّ: هُوَ الْخُرُوجُ عَنِ الطَّاعَةِ وَتَجَاوُزُ الْحَدِّ بِالْمَعْصِيَةِ. وَالْفِسْقُ يَقَعُ بِالْقَلِيل مِنَ الذُّنُوبِ إِذَا كَانَتْ كَبَائِرَ، وَبِالْكَثِيرِ، لَكِنْ تُعُورِفَ فِيمَا كَانَ كَثِيرًا، وَقَدْ يَكُونُ الْفِسْقُ شِرْكًا، وَقَدْ يَكُونُ إِثْمًا، وَأَكْثَرُ مَا يُقَال الْفَاسِقُ لِمَنِ الْتَزَمَ حُكْمَ الشَّرْعِ وَأَقَرَّ بِهِ ثُمَّ أَخَل بِجَمِيعِ أَحْكَامِهِ أَوْ بِبَعْضِهِ**" (الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۲/۲۷۰)۔

حاشیۃ الطحطاوی میں فسق کی تعریف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"**الفسق لغة خروج عن الاستقامة وهو معنى قولهم خروج الشيء عن الشيء على وجه الفساد وشرعا خروج عن طاعة الله تعالى بارتكاب كبيرة قال القهستانى أى أو إصرار على صغيرة**"
(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۳۰۳)۔

القاموس المحیط میں ہے:"**الفِسْقُ، بالكسرِ التَّرْكُ لأَمْرِ اللهِ تعالى، والعِصْيانُ، والخُروجُ عن طَرِيقِ الحَقِّ، أو الفُجور،....ومنه: الفاسِقُ: لانْسلاخِهِ عن الخَيْرِ**" (القاموس المحیط: ۳/۳)۔

یعنی فسق کے معنیٰ ہیں اللہ کے حکم کو توڑنا، نافرمانی کرنا، اور راہ حق سے نکل جانا، فاسق کو فاسق اسی لئے کہا جاتا ہے کہ

☆ جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور

وہ بھلائی اور خیر سے نکل جاتا ہے۔

التعریفات الفقہیۃ میں فسق کی تعریف ذکر کی گئی ہے:

"**الفِسق فی اللغة: عدمُ إطاعة أمر الله، وفی الشرع: ارتكابُ المسلم كبيرةً قصداً أو صغيرة مع الإصرار عليها بلا تأويل**" (التعریفات الفقہیۃ المؤلف: محمد عمیم الإحسان المجددی البرکتی: ۱۶۵)۔

فسق کی مذکورہ تعریفات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ فسق کی ایک متعین تعریف ہے جو زمانہ، عرف اور اخلاقی حالات پر موقوف نہیں ہے۔

جواب: ۲

فاسق آدمی کی عبادات کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ عبادت کی ایک قسم تو وہ ہے جس کا تعلق اس کی ذات سے ہے تو فاسق آدمی چوں کہ دائرہ اسلام میں داخل ہے، اس لئے ظاہر کا اعتبار کرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ اس کے اعمالِ صالحہ اس معنی میں مقبول ہیں اور اس کی ذمہ داری ساقط ہوجائے گی، اس سے دوبارہ ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا، باقی رہا کہ یہ شخص آخرت میں ان اعمال پر ثوب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ یہ اللہ تعالی کی مشیت پر موقوف ہے، چاہیں تو اپنے فضل وکرم سے قبول فرمالیں اور چاہیں تو رد فرمادیں۔

عبادت کی دوسری قسم جس کا تعلق دوسروں سے بھی ہے، جیسے امامت وغیرہ تو فاسق شخص کے پیچھے نماز پڑھنے سے جماعت کا ثواب تو مل جائے گا، لیکن متقی آدمی کے پیچھے نماز پڑھنے کا جو ثواب ہے وہ تو نہیں ملے گا۔

"**لَوْ صَلَّى خَلْفَ فَاسِقٍ أَوْ مُبْتَدِعٍ أَحْرَزَ ثَوَابَ الْجَمَاعَةِ، لَكِنْ لَا يُحْرِزُ ثَوَابَ الْمُصَلِّى خَلْفَ تَقِي**" (شرح فتح القدیر علی الہدایۃ: ۱/۳۵۰)۔

نیز معاملات میں فسق پر احکام مرتب ہونے کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ موجودہ حالات میں عام معاملات کی شہادت میں ایسے لوگ آنے لگے جو شرعی اصلاح میں فاسق ہیں تو لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور مقدمات کے فیصلے کے لئے حضرات فقہاء نے یہی طریقہ اختیار کیا کہ جس فاسق کے معاملہ میں قرائن اور حالات سے اس بات کا اطمنان ہوجائے کہ جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی شہادت قبول کر کے اس پر مقدمات کے فیصلے کریں، البتہ ایسے لوگوں میں سے اس شخص انتخاب کریں جو دوسروں سے مقابلہ میں بہتر ہو، تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں: "**نَصَّ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّا إِذَا لَمْ نَجِدْ فِي جِهَةٍ إِلَّا غَيْرَ الْعُدُولِ أَقَمْنَا أَصْلَحَهُمْ وَأَقَلَّهُمْ فُجُورًا لِلشَّهَادَةِ عَلَيْهِمْ، وَيَلْزَمُ ذَلِكَ فِي الْقُضَاةِ**

وَغَيْرِهِمْ لِئَلَّا تُضَيَّعَ الْمَصَالِحُ .قَالَ: وَمَا أَظُنُّ أَحَدًا يُخَالِفُ فِي هَذَا، فَإِنَّ التَّكْلِيفَ شَرْطٌ فِي الْإِمْكَانِ، وَهَذَا كُلُّهُ لِلضَّرُورَةِ لِئَلَّا تُهْدَرَ الْأَمْوَالُ وَتُضَيَّعَ الْحُقُوقُ. قَالَ بَعْضُهُمْ: وَإِذَا كَانَ النَّاسُ فُسَّاقًا إِلَّا الْقَلِيلَ النَّادِرَ قُبِلَتْ شَهَادَةُ بَعْضِهِمْ عَلَى بَعْضٍ، وَيُحْكَمُ بِشَهَادَةِ الْأَمْثَلِ فَالْأَمْثَلِ مِنَ الْفُسَّاقِ'' (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام:۲/۵۸،۵۷)۔

نیز حق تعالیٰ نے فاسق کی شہادت کو رد کرنے کا حکم نہیں فرمایا ہے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس کی تحقیق کرلو: ''يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِن جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا'' (سورہ حجرات:۶)، جس کا مطلب یہی ہے کہ معاملات میں تحقیق سے اس کا سچا ہونا ثابت ہوجائے تو قبول کرلو ورنہ رد کردو (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام:۲/۵۸،۵۷)، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے سفر میں راستہ کی رہنمائی کے لئے ایک ایسے آدمی کی خدمت حاصل کی جو وہ اپنی قوم کے مذہب میں مشرک تھا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی باتوں پر اعتماد کیا، اسے اپنا اونٹ دیا اور اس کی رہنمائی قبول کی: ''وَقَدْ اسْتَأْجَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَادِيًا يَدُلُّهُ عَلَى طَرِيقِ الْمَدِينَةِ وَهُوَ مُشْرِكٌ عَلَى دِينِ قَوْمِهِ، وَلَكِنْ لَمَّا وَثِقَ بِقَوْلِهِ أَمِنَهُ وَدَفَعَ إِلَيْهِ رَاحِلَتَهُ وَقَبِلَ دَلَالَتَهُ'' (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام:۲/۵۸،۵۷)۔

نیز شریعت میں فاسق آدمی کا نکاح میں ولی اور مال کے سلسلے میں وصی ہونا درست ہے: ''وَكَذَلِكَ الْعَمَلُ عَلَى صِحَّةِ كَوْنِ الْفَاسِقِ وَلِيًّا فِي النِّكَاحِ وَوَصِيًّا فِي الْمَالِ، وَهَذَا يُؤَيِّدُ مَا نَقَلَهُ الْقَرَافِيُّ، وَإِذَا غَلَبَ عَلَى الظَّنِّ صِدْقُ الْفَاسِقِ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَحُكِمَ بِهَا'' (معین الحکام فیما یتردد بین الخصمین من الأحکام:۲/۵۸،۵۷)۔

جواب:۳

ایسے فاسق لوگ جو داڑھی نہ رکھتے ہوں، لیکن نماز وغیرہ کے پابند ہوں تو ان کی گواہی مطلقاً رد نہیں کی جائے گی، بلکہ تحقیق اور غالب گمان کے مطابق قبول کی جائے گی، چنانچہ اس سلسلے میں حضرت مفتی شفیع احمد صاحبؒ اپنی کتاب ''رویت ہلال'' میں بالتفصیل تحریر فرماتے ہیں:

''معاملات کی مختلف قسموں کے اعتبار سے شہادت کی شرائط بھی مختلف ہوتی ہیں، کہیں سخت کہیں نرم ہوتی ہیں اور رویت ہلال کا معاملہ ایک حیثیت سے عام معاملات کی طرح ہیں جن میں دوسرے معاملات کی شرائط کے مقابل کچھ نرم ہیں، عام معاملات میں شہادت کے لئے دعویٰ شرط ہے کہ کوئی مدعی دعویٰ کرے، اس دعویٰ کے ثبوت میں شہادت پیش ہو، یہاں باتفاق جمہور فقہاء دعویٰ شرط نہیں۔

شہادت ہلال کی ابتدائی شرطیں تو وہیں ہیں جو تمام معاملات کے لئے شرط ہیں، یعنی گواہ کا مسلمان، عاقل، بالغ اور بینا ہونا، شہادت کی پانچویں شرط جو ہر قسم کی شہادت میں ضروری ہے وہ شاہد کا عادل ہونا ہے، جو بنص قرآن ثابت ہے (وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِنْكُمْ) اور لفظ عدل ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کی تعریف یہ ہے: وہ مسلمان جو کبیرہ گناہوں سے مجتنب ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرے، اور اس کے اعمال صالحہ اعمال فاسدہ پر اور راست کاری خطا کاری پر غالب ہو (ہدایہ، ہندیہ وغیرہ)، اس کے مقابل جو کبیرہ گناۃ کا مرتکب ہے یا صغیرہ گناہ کا عادی ہے اور برے اعمال اچھے اعمال پر غالب ہیں وہ اصطلاح شرع میں فاسق کہلاتا ہے۔

اس شرط کا خلاصہ یہ ہے کہ شاہد عادل ہونا چاہئے فاسق نہ ہو مگر باتفاق فقہاء اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسق کی شہادت قبول کرنا اور اسکے مطابق فیصلہ کرنا قاضی کے ذمہ واجب نہیں، اگر قاضی کو قرائن کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا، اس بنا پر وہ فاسق کی شہادت پر فیصلہ کر دے تو یہ فیصلہ صحیح اور نافذ ہے، آگے مزید فرماتے ہیں:

''جب سے دنیا میں فسق کی کثرت ہوئی اور عام معاملات کی شہادت میں ایسے ہی لوگ آنے لگے جو شرعی اصلاح میں فاسق ہیں تو لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور مقدمات کے فیصلے کی لئے حضرات فقہاء نے یہی صورت اختیار کی ہے کہ جس فاسق کے معاملہ میں قرائن اور حالات سے اس کا اطمنان ہو جائے کہ جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی شہادت قبول کر کے اس پر مقدمات کے فیصلے کریں، البتہ ایسے لوگوں میں سے اس کا انتخاب کریں جو دوسروں کی نسبت زیادہ صلاحیت رکھتا ہو، مثلاً نماز روزہ کا پابند اور عام احکام شرعیہ کا احترام کرتا ہو۔.....تو جب حالات کا جائزہ لے کر قاضی کو اس کے سچا ہونے کا غالب گمان ہو جائے تو وہ اس کی شہادت قبول کر سکتا ہے اور اس زمانہ میں جبکہ فسق کی بہت سی صورتیں مثلاً داڑھی منڈانا وغیرہ ایسی عام ہو گئی ہیں کہ ان کی وجہ سے مطلقاً شہادت کو رد کر دیا جائے تو بہت سے معاملات کا ثبوت کسی طرح نہ بہم پہنچے گا، فقہاء کو اس مسلک کے سوا چارہ نہیں، اس لئے معین الحکام میں یہ تحقیق نقل کرنے کے بعد لکھا گیا ہے: **هَذَا هُوَ الصَّوَابُ الَّذِى عَلَيْهِ الْعَمَلُ**'' (رویت ہلال مفتی شفیع صاحب، ص:۱۹،۱۸)۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ داڑھی منڈوانے والے شخص کی شہادت رویت ہلال کے معاملہ میں اگر قرائن کے ذریعہ معلوم ہو جائے کہ یہ جھوٹ نہیں بولتا تو قبول کی جا سکتی ہے۔

جواب: ۴

ذمہ داران مساجد و مکاتب اور مدارس و تنظیم اگرچہ فسق میں مبتلا ہوں تو حالات کے تناظر اور ابتلائے عام کی بنا پر صحیح

روایتوں کے مطابق ان کے حکم کی پیروی خدام مذکورہ بالا پر ضروری ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت حذیفہؓ سے فرمایا: تم مسلمانوں کی جماعت اور اس کے امیر کو لازم پکڑنا: ''تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ''، حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ حدیث حذیفہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کی جماعت اور اس کے امام کو لازم پکڑنا چاہئے، اس کی اطاعت کرنی چاہئے؛ اگرچہ وہ فسق وفجور یا دیگر معصیت میں مبتلا ہو، لوگوں کا مال غصب کرتا ہو یا دیگر گناہوں میں ملوث ہو، ایسی صورت میں اگر وہ گناہ کا حکم نہ دے تو اس کی اطاعت ضروری ہے۔

''وَفِي حَدِيث حُذَيْفَة هَذَا: لُزُوم جَمَاعَة الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامهمْ، وَوُجُوب طَاعَته، وَإِنْ فَسَقَ وَعَمِلَ الْمَعَاصِي مِنْ أَخْذ الْأَمْوَال وَغَيْر ذَلِكَ، فَتَجِب طَاعَته فِي غَيْر مَعْصِيَة'' (المنہاج شرح صحیح مسلم للنووی: ۶/۳۲۰، رقم الحدیث: ۳۴۳۴)۔

جواب: ۵

فسق فی العقیدہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، اللہ نے جن چیزوں کو فرض کیا ہے اس کے فرض ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، لیکن جہالت، تاویل اور بزرگوں کی تقلید کی وجہ سے اللہ اور اس کے رسول سے ثابت شدہ بہت سی چیزوں کا انکار کرتے ہیں، اور بہت سی چیزیں جو اللہ اور اس کے رسول سے ثابت نہیں ہیں، ان کو ثابت مانتے ہیں، جیسے خوارج، شیعہ، قدریہ، معتزلہ، جہمیہ، روافض وغیرہ ہیں (مدارج السالکین: ۹/۲۴۶)۔

فسق فی العقیدہ کی مثال نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں منافقین کا فسق ہے؛ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ'' (التوبۃ: ۵۳)، علامہ شوکانی فتح القدیر میں فرماتے ہیں: ''وجملة (إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْماً فاسقين) تعليل لعدم قبول إنفاقهم'' (فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر: ۳/۱۶۷)۔

جواب: ۶

اگر فاسق شخص زبان سے توبہ کرلے؛ لیکن وہ ابھی اس توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے تو اس کی توبہ دنیوی احکام کے اعتبار سے قابل قبول ہونے کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ توبہ نام ہے ندامت کا؛ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''النَّدَمُ تَوْبَةٌ'' (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۳۹۳)، نیز حضرت مفتی شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ توبہ سچی اور توبۃ النصوح ہو، جس کے تین رکن ہیں، اول اپنے کئے پر ندامت اور شرمساری، حدیث میں ارشاد ہے: '' انما التوبة الندم''، یعنی توبہ نام ہی

ندامت کا ہے، دوسرا رکن توبہ کا یہ ہے کہ جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کو بھی اس سے باز رہنے کا پختہ عزم وارادہ کرے، تیسرا رکن یہ ہے کہ تلافی مافات کی فکر کرے، یعنی جو گناہ سرزد ہو چکا ہے اس کا جتنا تدارک اس کے قبضہ میں ہے اس کو پورا کرے،..... لیکن اگر اپنے کئے پر ندامت نہ ہو، یا ندامت تو ہو مگر آئندہ کے لئے اس گناہ کو ترک نہ کرے، تو یہ توبہ نہیں ہے، گو ہزار مرتبہ زبان سے توبہ توبہ کہا کرے (معارف القرآن سورۃ النساء تحت آیت ۱۸،۱۷)۔

جواب:۷

بعض عرب ممالک جہاں داڑھی کو سنن عادیہ شمار کیا جاتا ہے اور بہت سے اہل علم اس کے قائل ہیں، نیز بہت سے اہل علم کا جو مسلک ہے کہ داڑھی کی کوئی خاص مقدار ضروری نہیں، اگر وہ حضرات داڑھی نہ رکھیں یا بہت چھوٹی رکھیں تو ان کو فاسق کہنے کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ داڑھی رکھنے کا ثبوت نبی کریم ﷺ کے قول وفعل سے ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے داڑھی رکھا، اور داڑھی رکھنے کا حکم بھی دیا ہے، البتہ داڑھی کے واجب ہونے میں واختلاف ہے، احناف میں سے علامہ کاسانی، محقق ابن ہمام اور علامہ حصکفی صاحبِ درمختار وغیرہ وجوب کے قائل ہیں:

"لِأَنَّ حَلْقَ اللِّحْيَةِ مِنْ بَابِ الْمُثْلَةِ؛ لِأَنَّ اللَّهَ تَعَالَى زَيَّنَ الرِّجَالَ بِاللِّحَى، وَالنِّسَاءَ بِالذَّوَائِبِ عَلَى مَا رُوِيَ فِي الْحَدِيثِ إنَّ لِلَّهِ تَعَالَى مَلَائِكَةً تَسْبِيحُهُمْ سُبْحَانَ مَنْ زَيَّنَ الرِّجَالَ بِاللِّحَى، وَالنِّسَاءَ بِالذَّوَائِبِ ، وَلِأَنَّ ذَلِكَ تَشَبُّهٌ بِالنَّصَارَى فَيُكْرَهُ" (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ۱۴۱/۲)۔

"وَأَمَّا الْأَخْذُ مِنْهَا وَهِيَ دُونَ ذَلِكَ كَمَا يَفْعَلُهُ بَعْضُ الْمَغَارِبَةِ وَمُخَنَّثَةُ الرِّجَالِ فَلَمْ يُبِحْهُ أَحَدٌ" (شرح فتح القدیر علی الہدایۃ ۳۴۸/۲)۔

"وَلِذَا يَحْرُمُ عَلَى الرَّجُلِ قَطْعُ لِحْيَتِهِ، وَالْمَعْنَى الْمُؤَثِّرُ التَّشَبُّهُ بِالرِّجَالِ" (حاشیۃ ردالمحتار علی الدر المختار ۴۰۷/۶)۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: **"واللحية هِيَ الفارقة الصَّغِير وَالْكَبِير وَهِي جمال الفحول وَتَمام هيأتهم فَلَا بُد من إعفائها، وقصها سنة الْمَجُوس، وَفِيه تَغْيِير خلق الله، ولحوق أهل السؤدد والكبرياء بالرعاع"** (حجۃ اللہ البالغۃ (ولی اللہ الدہلوی) ۳۰۹/۱)۔

استحباب کے قائلین میں: علامہ بدر الدین عینیؒ کا نام آتا ہے، انہوں نے مطلقاً داڑھی چھوڑنے کو ممنوع بتایا اور کاٹنے کی حد کو عرف وعادت پر محمول کیا ہے، لکھتے ہیں:

"كان أبو هريرة يقبض على لحيته فيأخذ ما فضل وعن ابن عمر مثله وقال آخرون يأخذ من

طولها وعرضها ما لم يفحش ولم يجدوا في ذلک حدا غير أن معنى ذلک عندی ما لم يخرج من عرف الناس'' (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری:۳۲/۶۷)۔

اور یہ بات اہل علم پر روشن ہے کہ کسی بھی حکم شرعی میں جب فقہاء کا اختلاف ہوجائے تو اس حکم شرعی میں رخصت و آسانی آجاتی ہے اور فسق کا حکم ساقط ہوجاتا ہے، اور رخصت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ اس کے تارک پر فسق وفجور کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے اور نہ انہیں فاسق معلن کہا جاسکتا ہے، البتہ اہل علم، خاص طور سے جو دینی علوم سے متعلق ہیں، لوگوں کی نگاہ میں دین دار کہلاتے ہیں، انہیں داڑھی ایک مشت ہی رکھنی چاہئے، کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک مشت داڑھی رکھنا سنت صحیحہ سے ثابت ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

☆☆☆

عصر حاضر میں فسق اور فاسق کی تشریح وتطبیق

مفتی محمد حسان قاسمی☆

۱- فسق کے معنی ہے:''خروج الشیء من الشیء علی وجه الفساد''(ایک چیز کا دوسری چیز سے بگاڑ کے طریقے پر نکلنا)،اہل عرب''فسق الرطب''اس وقت بولتے ہیں جب کھجور چھلکے سے باہر آجائے(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ ۳۲/۱۴۰)۔

اورفسق کی اصطلاحی تعریف فقہاء کرام نے اس طرح کی ہے:

''الفسق فی الاصطلاح: العصیان وترک أمر الله تعالی، والخروج عن طاعته، وعن طریق الحق، ورجل فاسق: أی عصی وجاوز حدود الشرع'' (الموسوعۃ العقدیۃ،۲۰۱/۶،موقع الدرر السنیۃ علی الانترنت)۔

''وشرعا خروج عن طاعة الله تعالی بارتکاب کبیرة قال القهستانی أی أو إصرار علی صغیرة'' (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح،ص:۳۰۳،ط:دارالکتب العلمیۃ بیروت-لبنان)۔

(فسق کے شرعی معنی اللہ تعالی کی اطاعت سے خروج اختیار کرنا ہے،کبیرہ کا ارتکاب کرکے اور علامہ قہستانی نے اس کا اضافہ فرمایا ہے''یا صغیرہ پر اصرار کرکے)۔

اورفسق کا اطلاق کم گناہوں پر بھی ہوتا ہے،اگر وہ کبائر کے قبیل سے ہوں،اور زیادہ گناہوں پر بھی ہوتا ہے(اگر وہ صغائر کے قبیل سے ہوں)۔

''وفی الشرع ارتکاب المسلم کبیرة قصدا أو صغیرة مع الإصرار علیها بلا تأویل'' (قواعد الفقہ:۱/۴۱۲)۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:''إِنَّ الْفِسْقَ تَارَةً يَكُونُ بِتَرْكِ الْفَرَائِضِ، وَتَارَةً بِفِعْلِ الْمُحَرَّمَاتِ'' (الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ ۳۲/۱۴۱)۔

مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں فسق کی حقیقت اس طرح سامنے آتی ہے:

☆مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد پٹکاپور،کانپور،یوپی

الف۔گناہ کبیرہ کاارتکاب

ب۔یابلاتاویل کسی مخصوص گناہ صغیرہ پراصرار

ج۔یامختلف قسم کے صغائر پراصرار

د۔صغائر پراصرار کی وجہ سے فسق کاحکم اس وقت لگے گا جب طاعات معاصی سے زیادہ نہ ہوں۔

ھ۔فسق صرف محرمات کے ارتکاب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے؛کسی فریضہ کا ترک بھی فسق ہے۔

لہٰذا یہ معلوم ہوا کہ فسق کی تعریف کامدار ہر زمانے کے عرف اوراخلاقی حالات پرنہیں ہیں؛بلکہ اس کی تعریف متعین ہے۔

۲-فسق پرمرتب ہونے والے احکام:

(الف)نماز میں فاسق کی اقتدا:

مفتی بہ قول کے مطابق فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے،اسی طرح فاسق کی اذان واقامت بھی مکروہ ہے۔

"كره إمامة الفاسق العالم لعدم اهتمامه بالدين،فتجب إهانته شرعاً، فلا يعظم بتقديمه للإمامة" (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی،ص:۳۰۳،ط:دارالکتب العلمیۃ بیروت)، **قوله: "فتجب إهانته شرعاً، فلا يعظم بتقديمه للإمامة"، تبع فيه الزيلعي ومفاده كون الكراهة في الفاسق تحريمية"** (حاشیۃ الطحطاوی علی المراقی)۔

كذا أي: كما كره أذان السبعة المذكورين– ومنهم الفاسق– كره إقامتهم وإقامة المحدث لكن لا تعاد إقامتهم لعدم شرعيه تكرار الإقامة " (دررالحکام شرح غررالأحکام ۱:۶۵،ط:کراتشی)۔

(ب)فاسق کی شہادت دیانات میں قبول نہیں ہے۔

"القسم الثاني – شرط الأداء وهذا ثلاثة أصناف: الصنف الأول: ما يرجع على الشاهد ..... .العدالة فلذلك لا تقبل شهادة الفاسق انظر المادة" (۱۷۰۵)(دررالحکام فی شرح مجلۃ الاحکام ۴/۳۴۱)۔

(ج)فاسق اگرایسا ہے کہ اس کے زیرتربیت بچے کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتو ایسے فاسق کوحق حضانت حاصل نہیں ہے۔

"اتفق الفقهاء على أنه لا حضانة لفاسق، لأن الفاسق لا يلي ولا يؤتمن، ولأن المحضون لا حظ له في حضانته، لأنه ينشأ على طريقته.

وقيد الحنفية الفسق المسقط للحضانة بأنه المضيع للولد" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ،۳۲/۱۴۳)۔

(د)فقہاء نے صراحت کی ہے کہ والی اگرمنصب پر فائز ہونے کے بعد فاسق ہوجائے،تو وہ فسق کی وجہ سے

معزول تو نہیں ہوگا؛ لیکن ایسا والی معزول کیے جانے کے لائق ہے؛ بہ ظاہر آج کے دور میں یہی حکم مساجد و مدارس اور وقف کے ذمے داروں پر عائد ہوگا۔

''**اختلف الفقهاء في أثر الفسق في عزل الوالي بعد انعقاد ولايته:**

فذهب الحنفية والمالكية إلى أنه لا ينعزل بالفسق، ولكنه يستحق العزل به'' (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، ۳۲/ ۱۴۵)۔

(ہ) کوئی شخص اگر جھوٹ بولنے کی وجہ سے فاسق ہوا ہے، تو اس کی خبر معاملات میں بھی قبول نہیں کی جائے گی؛ کیوں کہ آیت پاک میں اس کی ممانعت ہے: ''**فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور**''؛ لیکن اگر فسق جھوٹ کے علاوہ کسی اور گناہ کی وجہ سے ہوا: مثلاً کسی کا مال کھایا جس کی وجہ سے فاسق ہوگیا، تو معاملات میں اس کی گواہی قبول کی جائے گی (شرح ثمیری، ۴/ ۳۴۷)۔

فاسق کی اذان واقامت مکروہ ہے۔

''**كذا أي: كما كره أذان السبعة المذكورين– ومنهم الفاسق– كره إقامتهم وإقامة المحدث لكن لا تعاد إقامتهم لعدم شرعيه تكرار الإقامة**'' (دررالحکام شرح غررالأحکام ۱/ ۶۵، ط: کراتشی)۔

۳۔ رمضان کے چاند کی خبر اور عید کے چاند کی گواہی کے لیے گواہ کا عادل ہونا شرط ہے اور عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور صغیرہ گناہوں پر اصرار نہ کرتا ہو اور وقار کے خلاف کوئی کام نہ کرتا ہو۔

اور داڑھی منڈانے اور ایک مشت سے کم پر کترانے والا جمہور علماء کے قول کے مطابق فاسق ہے؛ لہٰذا اس کی گواہی بھی درست نہیں ہونا چاہیے۔

لیکن اگر کسی فاسق کے بارے میں قاضی کا گمان غالب ہو کہ وہ سچ بول رہا ہے تو اس کی گواہی قبول کر لینے کی گنجائش ہے، اس لیے کہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ جب کوئی فاسق کسی بات کی خبر دے تو اس کی چھان بین کر لیا کرو ''**اِنْ جَآئَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا**'' اس لیے چھان بین کے بعد گمان غالب ہو کہ وہ سچ بول رہا ہے تو اس کی بات مانی جاسکتی ہے اور اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ گواہی کے معاملے میں قاضی کے اطمینان قلب اور ظن غالب کا بطور خاص اعتبار کیا گیا ہے:

چنانچہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں:

'' فاسق جب باوجاہت اور باوقار ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی، اس لیے کہ وجاہت کی وجہ سے اسے خریدا نہیں جاسکتا اور وقار کی وجہ سے وہ جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے گا''۔

بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کی گواہی اس وقت معتبر ہوگی جب کہ قاضی کو اس کی سچائی کا گمان غالب ہو۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں:

''ہمارے زمانے میں حکم یہ ہے کہ اگر فاسق باوجاہت ہو اور گمان غالب ہے کہ وہ جھوٹی گواہی نہیں دے گا یا قرائن کے ذریعے اس کی سچائی معلوم ہوجائے گی تو اس کی گواہی مان لی جائے گی''۔

اسی طرح کی بات مفتی شفیع صاحبؒ نے قرافی کے حوالے سے لکھی ہے اور اسی کو راجح قرار دیا ہے (احسن الفتاوی ۴/ ۴۷۴)۔

مذکورہ تصریحات کی روشنی میں رؤیت ہلال اور اختلافی معاملات میں ایسے لوگوں کی گواہی قبول کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے جو داڑھی نہیں رکھتے؛ لیکن نماز روزہ کے پابند ہوتے ہیں؛ جب کہ ایسا شخص سنجیدہ اور باوقار ہو، معاشرہ میں سچا سمجھا جاتا ہو اور جھوٹ بولنے کو اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہو اور قاضی کو بھی اس کی سچائی کا گمان غالب ہوجائے۔

''العدالة ملكة تحمل على ملازمة التقوىٰ والمروئة والشرط أدناها وهو ترك الكبائر والإصرار على الصغائر وما يخل بالمروءة'' (ردالمحتار: ۲/ ۳۸۵، مصطفیٰ البابی الحلبی)۔

''والظاهر أن هذا مما يغلب على ظن القاضي صدقه'' (ردالمحتار ۵/ ۳۵۶ ط: مصطفیٰ البابی الحلبی)۔

''إن الفاسق إذاكان وجيها في الناس ذا مروة تقبل شهادته لأنه لايستاجر لوجاهته ويمتنع عن الكذب لمروته'' (الہدایۃ: ۳/ ۱۲۴، ط: داراحیاء التراث العربی- بیروت-لبنان)۔

''والفتوى في زماننا هذا على قول أبي حنيفة لأن في زماننا لا يوجد رجل عدل على ما شرط في الكتب فلو ضيقنا الأمر يتوى حقوق الناس وينسد باب القضاء بل في زماننا هذا الفاسق إذا كان وجيها ذا مروة يغلب على الظن أنه لا يكذب في الشهادة أو دلت القرائن على صدقه يقبل شهادته'' (التفسیر المظہری، ۱/ ۴۲۸، ط: مکتبۃ الرشدیۃ- باکستان)۔

۴- فقہا و محدثین نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ اگر امام اور والی ظالم ہوں تب بھی جائز امور میں ان کی اطاعت کی جائے گی، اسی طرح امام ابوحنیفہ کا قول مختار یہ ہے کہ قاضی اگر فاسق ہو تو فسق کی وجہ سے وہ از خود معزول نہیں ہوگا اور اگر معزول کرنے میں فتنے کا اندیشہ ہے تو اسے معزول بھی نہیں کیا جائے گا؛ اسی طرح اگر کسی نے بہ زور طاقت سلطنت حاصل کرلی تو اس کے خلاف خروج نہیں کیا جائے گا، اگرچہ اس کے اندر امامت کی شرائط نہ پائی جاتی ہوں؛ بہ ظاہر یہی حکم آج کل ان حضرات کا ہوگا جنہیں مساجد، یا مذہبی اداروں اور تنظیموں کا ممبر بنا دیا جاتا ہے اور جائز امور میں ان کا حکم بھی ادارے

کے خدام اور تنظیم کے افراد کے لیے واجب الاطاعت ہوگا؛ حضرات فقہاء ومحدثین کی تصریحات اور عملِ صحابہ سے اسی کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:"**وإذا قلد عدلا، ثم جار وفسق لم ينعزل، ويستحق العزل إن لم يستلزم فتنة، ويجب أن يدعى له ولا يجب الخروج عليه كذا عن أبى حنيفة وكلمتهم قاطبة**"۔

علامہ بزدوی نے کہا ہے:"**الإمام إذا جار أو فسق لم ينعزل عند أصحاب أبى حنيفة بأجمعهم وهو المذهب المرضى**" (أصول الدین،۱/۵۶۹،ط:دار الصمیعی،المملکۃ العربیۃ السعودیۃ)۔

"**وعدم انعزال الرئيس بالفسق هو ما يراه أكثر العلماء؛ لأن السلف كانوا يرون الفسق ظاهرًا والجور واقعًا من الأئمة بعد الخلفاء الراشدين، وكانوا مع ذلك ينقادون لهم، وكان الصحابة والتابعون ومن بعدهم يرون خلافة بنى أمية وبنى العباس مع أن أكثر بنى أمية وأكثر بنى العباس كانوا فساقًا**" (السیاسۃ الشرعیۃ،۱/۵۸۶،ط:جامعۃ المدینۃ العالمیۃ)۔

"**وَإِمَّا بِالتَّغَلُّبِ عَلَى النَّاسِ؛ لِأَنَّ مَنْ اشْتَدَّتْ وَطْأَتُهُ بِالتَّغَلُّبِ وَجَبَتْ طَاعَتُهُ وَلَا يُرَاعَى فِي هَذَا شُرُوطُ الْإِمَامَةِ؛ إذْ الْمَدَارُ عَلَى دَرْءِ الْمَفَاسِدِ وَارْتِكَابِ أَخَفِّ الضَّرَرَيْنِ**" (حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر،ج:۴/۱۹۸،ط:دار الفکر)۔

۵-فسق اعتقادی سے مراد ان اہل بدعت کا فسق ہے جو اللہ پر، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیز جن چیزوں کو اللہ نے حرام قرار دیا انہیں حرام بھی سمجھتے ہیں اور جن چیزوں کو اللہ نے ضروری قرار دیا ہے، انہیں ضروری بھی سمجھتے ہیں؛ لیکن جہالت یا تاویل کی بنیاد پر یا پیروں کی تقلید کی بنیاد پر بہت سی ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام نے ثابت مانا ہے، اور ان چیزوں کو ثابت کرتے ہیں جنہیں اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام نے ثابت نہیں کیا ہے (بہ شرطیکہ وہ امور قطعیات کے قبیل سے نہ ہوں)۔

جس شخص کی بدعت کفر کی حد تک پہنچی ہو اس کی شہادت وغیرہ قبول نہیں کی جائے گی؛ البتہ جو شخص فاسق فی العقیدہ ہے اس کے سلسلے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کا تعلق فرقہ خطابیہ سے ہے تو اس کی شہادت قبول نہیں ہوگی۔

فرقہ خطابیہ کے علاوہ دیگر اہل ہوی فرقوں مثلاً معتزلہ خوارج اور قدریہ وغیرہ کی گواہی کے مقبول ومردود ہونے کے سلسلے میں فقہاء کے کئی اقوال ہیں:

حنفیہ کا راجح قول یہ ہے کہ ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔

"وَأَمَّا شَهَادَةُ صَاحِبِ الْهَوَى إذَا كَانَ عَدْلًا فِي هَوَاهُ وَدِينِهِ، نُظِرَ فِي ذَلِكَ، إنْ كَانَ هَوًى يُكَفِّرُهُ لَاتُقْبَلُ شَهَادَتُهُ؛ لِأَنَّ شَهَادَةَ الْكَافِرِ عَلَى الْمُسْلِمِ غَيْرُ مَقْبُولَةٍ، وَإِنْ كَانَ لَا يُكَفِّرُهُ فَإِنْ كَانَ صَاحِبُ الْعَصَبِيَّةِ وَصَاحِبُ الدَّعْوَةِ إلَى هَوَاهُ، أَوْ كَانَ فِيهِ مَجَانَةٌ لَا تُقْبَلُ أَيْضًا؛ لِأَنَّ صَاحِبَ الْعَصَبِيَّةِ وَالدَّعْوَةِ لَا يُبَالِي مِنْ الْكَذِبِ وَالتَّزْوِيرِ لِتَرْوِيجِ هَوَاهُ، فَكَانَ فَاسِقًا فِيهِ، وَكَذَا إذَا كَانَ فِيهِ مَجَانَةٌ؛ لِأَنَّ الْمَاجِنَ لَا يُبَالِي مِنْ الْكَذِبِ، فَإِنْ لَمْ يَكُنْ كَذَلِكَ وَهُوَ عَدْلٌ فِي هَوَاهُ تُقْبَلُ؛ لِأَنَّ هَوَاهُ يَزْجُرُهُ عَنْ الْكَذِبِ، إلَّا صِنْفٌ مِنْ الرَّافِضَةِ يُسَمَّوْنَ بِالْخَطَّابِيَّةِ، فَإِنَّهُمْ لَا شَهَادَةَ لَهُمْ؛ لِأَنَّ مِنْ نِحْلَتِهِمْ أَنَّهُ تَحِلُّ الشَّهَادَةُ لِمَنْ يُوَافِقُهُمْ عَلَى مَنْ يُخَالِفُهُمْ، وَقِيلَ مِنْ نِحْلَتِهِمْ أَنَّ مَنْ ادَّعَى أَمْرًا مِنْ الْأُمُورِ وَحَلَفَ عَلَيْهِ كَانَ صَادِقًا فِي دَعْوَاهُ فَيَشْهَدُونَ لَهُ، فَإِنْ كَانَ هَذَا مَذْهَبَهُمْ فَلَا تَخْلُو شَهَادَتُهُمْ عَنْ الْكَذِبِ" (بدائع الصنائع، ۶/ ۲۶۹، ط: مطبعۃ الجمالیۃ بمصر)۔

۶-توبہ کے تین ارکان ہیں:

الف: گناہ سے باز آجانا۔

ب: گناہ پر نادم ہونا۔

ج: ہمیشہ کے لیے گناہ کے چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرنا۔

لہٰذا فاسق شخص نے اگر زبان سے توبہ کرلی اور توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا، تو حقیقت میں یہ توبہ ہی نہیں، اور اس طرح زبانی توبہ کرنے سے اس کا فسق زائل نہیں ہوگا؛ لہٰذا دنیوی احکام کے اعتبار سے بھی اس کی یہ توبہ قابل قبول نہیں۔

"وفي الاصطلاح التوبة هي: الندم والإقلاع عن المعصية من حيث هي معصية لا؛ لأن فيها ضررا لبدنه وماله، والعزم على عدم العود إليها إذا قدر" (الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ، ۱۴/ ۱۱۹، ط: دار السلاسل-الکویت)۔

۷-داڑھی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی سنت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنانے کے لیے اپنی امت کو ہدایات دی ہیں اور اس کے رکھنے کا حکم دیا ہے، اس لیے جمہور علمائے امت کے نزدیک داڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کو منڈوانا یا کتروا کر ایک مشت سے کم کرنا کبیرہ گناہ ہے، اور اس کا مرتکب فاسق اور گناہ گار ہے، داڑھی ایک مشت سے کم کرنا اور مونڈنا حکم میں برابر ہے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایک مشت سے کم داڑھی کرنا ثابت نہیں ہے۔

البتہ بعض عرب ملکوں میں داڑھی کو سنن عادیہ میں شمار کیا جاتا ہے اور بہت سے اہل علم اس کے قائل ہیں، اسی طرح بہت سے اہل علم داڑھی میں کسی خاص مقدار کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں اور ان کا یہی مسلک ہے، ایسے لوگ اگر داڑھی نہ رکھیں یا

بہت چھوٹی رکھیں تو ان کو فاسق نہیں سمجھا جانا چاہیے؛ کیوں کہ شوافع کے ایک قول کے مطابق داڑھی رکھنا مندوب اور مونڈنا مکروہ ہے؛ متأخرین شوافع میں سے اکابر علماء مثلاً علامہ نووی، رافعی اور محلی وغیرہ اسی کے قائل ہیں اور اگر مفتی دلائل کی بنیاد پر کسی قول کو راجح سمجھتا ہے تو اس کے لیے اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَفِّرُوا اللِّحَى وَاَحْفُوا الشَّوَارِبَ. وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا حَجَّ اَوِ اعْتَمَرَ قَبَضَ عَلَى لِحْيَتِهِ فَمَا فَضَلَ اَخَذَهُ**'' (صحیح البخاری، ۵/۲۲۰۹، رقم الحدیث: ۵۵۵۳، بیروت، لبنان: دار ابن کثیر الیمامۃ)۔

''**كان حلق اللحية محرّماً عند ائمة المسلمين المجتهدين أبى حنيفة، ومالک، والشافعى، وأحمد وغيرهم –رحمهم الله تعالى**'' (المنہل العذب المورود، کتاب الطہارۃ، أقوال العلماء فی حلق اللحیۃ واتفاقہم علی حرمتہ: ۱/۱۸۶، مؤسسۃ التاریخ العربی، بیروت، لبنان)۔

☆☆☆

فسق اوراس پرمرتب احکام

مولانا ابوعاصم اعظمی مظاہری☆

فسق لغت وشرعی عرف میں:

لغت میں فسق کا اصل معنی کسی شئ کا فساد اور خرابی کے رخ پر شئ سے نکلنا اور باہر ہونا ہے،''وَيُقَالُ أَصْلُهُ خُرُوجُ الشَّيْءِ مِنْ الشَّيْءِ عَلَى وَجْهِ الْفَسَادِ(المصباح المنير) أَصله الْخُرُوج عَن الاسْتقَامَة والجور'' (الفائق للزمخشری والنہایۃ لابن کثیر)، (اس کی اصل اعتدال سے خروج اور انحراف ہے)، جب کھجور اپنا چھلکا چھوڑ دے، اس سے باہر ہوجائے تو عرب اس کے لئے بولتے ہیں:''قَدْ فَسَقَت الرُّطَبةُ مِنْ قِشْرِهَا'' (لسان العرب وغیرہ)، اور اصل معنی کے لحاظ سے ہی بطور استعارہ کچھ جانوروں کو ان کی فطری خباثت کے سبب حدیث میں فواسق سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے کہ ان جانوروں کا اپنے مسکن سے نکلنا عموماً فساد کو متضمن ہوتا ہے:''وإنَّما سُمِّيت هَذِهِ الحيوانات فَوَاسِق، عَلَى الاسْتِعارة لخُبْثِهِنَ'' (الفائق للزمخشری والنہایۃ لابن کثیر)۔

فسق شریعت میں:

فسق کا لغوی معنی اسلامی شریعت میں خاص طور سے شریعت کے ان مخاطب اور مکلّف لوگوں کے لئے کیا گیا ہے جنھوں نے عناد وفساد اور خرابی کے ساتھ رب کی اطاعت سے خروج کیا، اس خروج کی تین صورتیں ہیں جس کو ایک آیت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:''وَكَرَّهَ إِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ'' (الحجرات)، (اور اللہ نے تمھارے لئے ناپسند کردیا ہے کفر اور فسوق اور عصیان کو)، کفر یعنی انکار، فسوق یعنی کبائر اور عصیان یعنی صغائر، یوں تو رب کی نافرمانی علی اطلاقہ عظیم گناہ ہے، مگر کتاب وسنت سے یہ معلوم ہے کہ بعض گناہ ایسے ہیں جو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، اور بعض گناہ ایسے ہیں کہ اعمال صالحہ سے وہ محو ہوتے رہتے ہیں''إن الحسنات يذهبن السيئات''، اس لئے گناہ کو صغائر وکبائر میں

☆ تدریس وافتاء جامعہ عربیہ تعلیم الدین کھیری باغ مئو

تقسیم کیا گیا ہے، کبائر کی تحدید میں متعدد اقوال ہیں، لیکن مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر وہ گناہ جس پر کتاب وسنت میں کوئی وعید مذکور ہے یا اسے صراحۃً کبیرہ سے تعبیر کیا گیا ہے، لہٰذا شرعی اصطلاح میں فسق کا معنی ہوگا: حق سے خروج اور راہ اعتدال سے انحراف وعصیان، اور اس معنی میں یہ کافر اور مومن عاصی دونوں کو عام ہے: ''وَالْفِسْقُ فِي عُرْفِ الِاسْتِعْمَالِ الشَّرْعِيِّ: الْخُرُوجُ مِنْ طَاعَةِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَقَدْ يَقَعُ عَلَى مَنْ خَرَجَ بِكُفْرٍ وَعَلَى من خرج بعصيان''، (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱/۲۴۶) (اور استعمال شرعی کے عرف میں فسق کا معنی اللہ عزوجل کی اطاعت سے باہر ہونا ہے، تو اس کا وقوع اس پر بھی ہوتا جو کفر کے ساتھ باہر ہو اور اس پر بھی نافرمانی کے ساتھ نکلے)، لیکن اس کا مشہور ومعروف معنی کبیرہ کا ارتکاب اور صاحب ایمان کا کثرت عصیان ہے: ''وَقيل: هُوَ المَيْلُ الى المَعصِية .قَالَ الأصبهانيُّ: الفِسْق أعمُّ من الكُفْر، والفِسْقُ يقعُ بالقَليلِ من الذُّنوبِ وبالكَثيرِ، ولكِن تُعورِفَ فِيمَا كانَ بكَثيره. وأكثرُ مَا يُقالُ الفاسِقُ لمَنْ التَزَم حُكمَ الشّرع وأقرّ بهِ ثمَّ أخلّ بجَميعِ أحكامِه، أَو ببَعْضِها'' (تاج العروس) (اور کہا گیا کہ وہ مائل ہونا ہے معصیت کی جانب، اصبہانی نے کہا کہ فسق کفر سے عام ہے، اور فسق کا وقوع (مطلقاً) گناہ پر ہوتا ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر، لیکن عرف میں کثرت گناہ پر اطلاق کیا جاتا ہے، اور اکثر وبیشتر فاسق اس شخص کو کہا جاتا ہے جو حکم شرعی کا پابند ومُقِر ہو پھر اس کے بعض یا سبھی احکام میں کوتاہی کرنے والا ہو)۔

خلاصہ کلام یہ کہ عرف شرع میں اگرچہ فسق کا اطلاق کفر پر بھی کیا گیا ہے، مگر عام طور پر متأخرین فقہاء کے نزدیک فاسق کا اطلاق اس مسلمان پر کیا جاتا ہے جو کسی کبیرہ کا مرتکب ہو یا کسی صغیرہ پر مصر ہو: ''وَهُوَ فِي عُرْفِ الشَّرْعِ خَاصٌّ بِمَنْ هُوَ مُسْلِمٌ صَدَرَتْ مِنْهُ كَبِيرَةٌ، أَوْ وَاظَبَ عَلَى صَغِيرَةٍ '' (الإحکام فی اصول الاحکام للآمدی ت ۶۳۱ھ: ۲/۴۷) (اور عرف شرع میں یہ خاص ہے اس مسلمان کے ساتھ جس سے کبیرہ کا صدور ہو، یا صغیرہ پر اصرار ہو)۔

جواب نمبر ۱: فسق کا معنی ومفہوم امور شریعت میں کوتاہی اور سستی ہے، اور امور شریعت کتاب وسنت سے معروف ومعلوم ہیں، لہٰذا فسق کی تعریف اور اس کا مدلول متعین ہے، اس لئے جو شخص بھی کسی کبیرہ یا کثرت کے ساتھ معصیت کا مرتکب ہوگا، اور فرائض میں کسی معقول وجہ کے بغیر کوتاہی کرنے والا ہوگا، وہ شرعاً فاسق کہا جائے گا: ''ولا تقبل شهادة من يأتي بابا من الكبائر التي يتعلق بها الحدللفسق كذا في الهداية'' (فتاوی عالمگیریہ: ۳/۴۶۶) (اور اس شخص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جو کسی ایسے کبیرہ کا ارتکاب کرے جس سے حد متعلق ہو، فاسق ہونے کی وجہ سے)۔

البتہ شہادات اور گواہی کے باب میں کتب فقہ میں جو تفصیلات ملتی ہیں، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ امور ایسے بھی ہیں جو زمانہ کے عرف اور اخلاقی حالات پر مبنی ہیں، اور ان کا تعلق وجاہت وشرافت اور مروئت ووقار سے ہے، جسکی

رعایت نہ کرنا کسی کی عدالت کو مجروح کرتا ہے اور اس کی گواہی غیر مقبول ہوتی ہے، اگر چہ شرعاً وہ کسی حد یا دوسری سزا کے مستحق نہیں ہوتے، مثلاً: راستہ پر پیشاب کرنا، یا راستہ میں کھانا، یا بازار میں لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا، یا کفن کے کپڑے بیچنا، یا صرف ازار میں باہر نکلنا وغیرہ (فتاوی عالمگیریہ: ۴۶۸/۳)، یہ امور معصیت کے تو نہیں ہیں، مگر ان کی وجہ سے عدالت مجروح ہوتی ہے، یہ امور عرف اور زمانہ پر موقوف ہیں، چنانچہ ان مذکورہ امور میں بعض ایسے ہیں جن کا آج کے دور میں اعتبار کیا جائے، تو آج بہت سے لوگ شہادت کے اہل نہیں رہ جائیں گے۔

جواب نمبر ۲: عبادات میں اصل حرمت ہے، یعنی کسی فعل کا عبادت ہونا کتاب وسنت کے بیان پر موقوف ہے، اور اس بارے میں ثقہ رواۃ سے منقول روایات متواتر اور مشہور ہیں، لہٰذا کسی فاسق کی خبر یا روایت کی حاجت نہیں رہ جاتی، **وَالأَصَحُّ عِنْدِی أَن خَبره لَا يكون حجَّة لِأَنَّهُ غير مَقْبُول الشَّهَادَة وَفِي حل الطَّعَام وحرمته وطهارة المَاء ونجاسته إِنَّمَا اعْتبر خَبره إِذا تأيد بِأَكْثَرَ الرَّأْى لأجل الضَّرُورَة لِأَن ذَلِك حكم خَاص رُبمَا يتَعَذَّر الْوُقُوف عَلَيْهِ من جِهَة غَيره وَمثل هَذِه الضَّرُورَة لَا يتَحَقَّق فِي رِوَايَة الْخَبَر فَإِن فِي الْعُدُول كَثْرَة يُمكن الْوُقُوف على معرفَة الحَدِيث بِالسَّمَاعِ مِنْهُم فَلَا حَاجَة إِلَى الِاعْتِمَاد على رِوَايَة الْفَاسِق فِيهِ**'' (اصول السرخسی ۳۱۷/۱) (اور میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ فاسق کی خبر حجت نہیں ہوگی اس لئے کہ اس کی شہادت غیر مقبول ہے اور کھانے کے حلال وحرام ہونے میں اور پانی کے طاہر اور نجس ہونے میں اس کی خبر کا اعتبار ضرورت کے تحت تب کیا گیا ہے جب کہ مؤید بکثرت الرائے ہو، کیونکہ یہ ایک خاص حکم ہے، بسا اوقات اس کی واقفیت اس (مخبر فاسق) کے غیر سے متعذر ہوسکتی ہے اور اس جیسی ضرورت خبر (حدیث) کی روایت میں غیر متحقق ہے، کیونکہ عادل رواۃ کثیر ہیں جن سے سن کر حدیث کی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے، لہٰذا اس میں فاسق کی روایت پر اعتماد کی کوئی حاجت نہیں ہے)۔

لہٰذا کسی حکم شرعی کے اثبات میں فاسق کی خبر وروایت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، اور فاسق بھی چونکہ مسلمان ہے، اور تحمل شہادت کا اہل ہے، اور اس کا عمل کرنا بھی صحیح ہے، اس لئے ان مواقع پر جہاں اس کی خبر کی صحت کا ظن غالب ہو تو اپنے غلبۂ گمان پر عمل کرنا صحیح ہوگا، حدیث ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**صَلُّوا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ, وَصَلُّوا عَلَى كُلِّ بَرٍّ وَفَاجِرٍ**'' (سنن دارقطنی)۔

احناف کے علاوہ دیگر ائمہ کے نزدیک عبادات میں اور حلت وحرمت میں فاسق کی خبر غیر معتبر ہوتی ہے: ''**وَيَتَفَرَّعُ عَلَى اشْتِرَاطِ الْعَدَالَةِ مَسَائِلُ۔ أَحَدُهَا: عَدَمُ قَبُولِ خَبَرِ الْفَاسِقِ۔ وَالْفِسْقُ نَوْعَانِ: أَحَدُهُمَا: مِنْ حَيْثُ الْأَفْعَالُ، فَلَا خِلَافَ فِي رَدِّهِ**'' (البحر المحیط للزرکشی ۱۵۶/۶)۔

اور معاملات تجدد پذیر ہیں، اور ہر معاملہ یا واقعہ میں موقع پر کوئی غیر فاسق موجود ہو، ضروری نہیں، فاسق شخص بھی مسلمان ہونے کی وجہ سے شہادت کا اہل ہے، البتہ فسق کے سبب اس کی شہادت یا خبر کی قبولیت میں تردد ہوتا ہے، اسی لئے قرآن نے اس کی خبر کی تحقیق کا حکم دیا ہے، قرائن وتحقیق سے اس کی سچائی کا ظن غالب ہو تو اسے قبول بھی کیا جاسکتا ہے، اس لئے معاملات میں اس کے قبول کرنے کی گنجائش پائی جاتی ہے: ''**فَمِنْ أَصْلِهِمَا أَنَّ مَا يَكُونُ مِنْ الْمُعَامَلَاتِ لَا يُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ فِي الْإِخْبَارِ بِهِ لِأَجْلِ الضَّرُورَةِ ، فَإِنَّ الْعَدْلَ فِي الْخَبَرِ لَا يُوجَدُ فِي كُلِّ مُعَامَلَةٍ**'' (المبسوط للسرخسی:۱۹/۱۵۹)۔

''**ثُمَّ فِي الْمُعَامَلَات جعل خبر الْفَاسِق مَقْبُولًا لأجل الضَّرُورَة أَيْضا فَإِن الْمُعَامَلَة تكْثر بَين النَّاس وَلَا يُوجد عدل يرجع إِلَيْهِ فِي كل خبر من ذَلِك النَّوْع إِلَّا أَن ذَلِك يَنْفَكّ عَن معنى الْإِلْزَام فجوز الِاعْتِمَاد فِيهِ على خبر الْفَاسِق مُطلقًا والحل وَالْحُرْمَة فِيهِ معنى الْإِلْزَام من وَجه فَلهَذَا لم نجْعَل خبر الْفَاسِق فِيهِ مُعْتَمدًا على الْإِطْلَاق حَتَّى يَنْضَم إِلَيْهِ غَالب الرَّأْي**'' (اصول السرخسی ۱/۳۱۷) (پھر معاملات میں فاسق کی خبر کو ضرورت کی وجہ سے ہی مقبول قرار دیا گیا ہے، اس لئے کہ لوگوں کے درمیان معاملات کثرت سے ہوتے ہیں اور ہر خبر میں موقع پر اس نوع کے عادل گواہ موجود نہیں ہوتے، مگر یہ معاملات الزام کے معنی سے جداگانہ ہیں، لہٰذا اس میں فاسق کی خبر پر اعتماد کو مطلقا جائز کہا گیا ہے اور حلت وحرمت میں من وجہٍ الزام کا معنی پایا جاتا ہے، اس لئے ہم نے اس میں فاسق کی خبر کو جب تک اس کے ساتھ غلبۂ رائے شامل نہ ہو جائے علی الاطلاق معتمد نہیں قرار دیا)۔

''**وَذَكَرَ إمَامُ الْحَرَمَيْنِ أَنَّ الْحَنَفِيَّةَ وَإِنْ بَاحُوا بِقَبُولِ شَهَادَةِ الْفَاسِقِ، فَلَمْ يَبُوحُوا بِقَبُولِ رِوَايَتِهِ**'' (البحر المحیط للزرکشی ۶/۱۵۶) (اور امام الحرمین نے ذکر کیا ہے کہ حنفیہ نے اگرچہ فاسق کی گواہی قبول کرنے کو مباح کہا ہے، مگر اس کی روایت کے قبول کرنے کو مباح نہیں کہا ہے)۔

جواب نمبر ۳: رسول اللہ ﷺ نے داڑھی بڑی رکھنے کا حکم دیا ہے، اور سلف میں کسی سے بھی داڑھی مونڈنے کا جواز منقول نہیں اور نہ ہی بہت چھوٹی رکھنا منقول ہے، اسی لئے داڑھی مونڈنا یا بہت چھوٹی رکھنا فعل معصیت ہے اور اس پر اصرار فسق کی حد میں آتا ہے، اس لئے بظاہر تو اس کی شہادت رویت ہلال میں بھی غیر مقبول ہونی چاہئے، مگر کتاب اللہ کی ایک آیت میں ارشاد ہے: ''**يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَائَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ**'' (حجرات:۶)، (اے مومنو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی چھان بین کرلو، ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں کسی قوم کو مصیبت میں ڈال دو پھر اپنے کئے پر شرمندہ ہو)۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فاسق کی خبر مطلقاً مردود نہیں ہے، قرائن سے اس کی تصدیق پر اسے قبول کیا جاسکتا ہے، ہم جس دور سے گزر رہے ہیں، اس دور میں محض داڑھی کا ہونا کسی کی دینداری کا معیار نہیں رہ گیا ہے، بہت ایسے لوگ ہیں جو داڑھی تو نہیں رکھتے مگر فرائض وعبادات کے بہت پابند ہوتے ہیں، جھوٹ بولنے کو عار سمجھتے ہیں، دیگر معاصی حتی کہ صغائر سے بھی اجتناب کرتے ہیں، لہٰذا داڑھی نہ رکھنے والے ایسے لوگ جن کے احوال معروف ہوں، محض داڑھی نہ رکھنے کی وجہ سے ان کی شہادت کو رد نہیں کیا جانا چاہئے، بعض فقہی عبارات سے فاسق کی گواہی پر فیصلہ کا جواز معلوم ہوتا ہے: ''**ولایجب قبول شهادة الفاسق، و لو قضی به نفذ**'' (البزازیۃ علی ہامش الہندیۃ ۵/۲۵۰) (فاسق کی گواہی قبول کرنا ضروری نہیں ہے، اور اگر اس کی گواہی پر فیصلہ کر دیا تو نافذ ہوگا)، اور بیشتر کتابوں میں امام ابو یوسفؒ کا قول منقول ہے: (**أَنَّ الْفَاسِقَ إِذَا كَانَ وَجِيهًا**) **أَيْ ذَا قَدْرٍ وَشَرَفٍ** (**فِي النَّاسِ ذَا مُرُوئَةٍ**) **أَيْ إِنْسَانِيَّةٍ وَالْهَمْزَةُ وَتَشْدِيدُ الْوَاوِ فِيهَا لُغَتَانِ** (**تُقْبَلُ**) **شَهَادَتُهُ؛ لِأَنَّهُ لَا يُسْتَأْجَرُ لِوَجَاهَتِهِ وَيَمْتَنِعُ عَنْ الْكَذِبِ لِمُرُوئَتِهِ، وَالْأَوَّلُ يَعْنِي عَدَمَ قَبُولِ شَهَادَةِ الْفَاسِقِ مُطْلَقًا وَجِيهًا ذَا مُرُوئَةٍ كَانَ أَوْ لَا** (**أَصَحُّ**) **لِأَنَّ قَبُولَهُمَا إكْرَامٌ**) (العنایہ شرح ہدایہ ۷/۳۷۵، کتاب الشہادات) (اور امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ فاسق اگر لوگوں میں وجیہ یعنی صاحب شرف ومرتبہ ہو، انسانیت کا پاس و لحاظ رکھتا ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اس لئے کہ وہ اپنی وجاہت کی وجہ سے کرائے کا گواہ نہیں بنے گا اور اپنی انسانیت کی وجہ سے جھوٹ سے پرہیز کرے گا، اور پہلا قول یعنی علی الاطلاق فاسق کی گواہی قبول نہ کرنا وجیہ اور صاحب مروت ہو یا نہ ہو زیادہ صحیح ہے اس لئے کہ ان دونوں کو قبول کرنے میں ان کا اکرام ہے (اور فاسق اکرام کا مستحق نہیں)۔ لیکن قاضی نے اگر فاسق کی گواہی پر فیصلہ دے دیا تو ہمارے نزدیک صحیح ہوگا، برخلاف امام شافعی کے، اور خاص طور سے ہلال رمضان کے بارے میں منقول ہے: ''**وَقِيلَ إنَّمَا لَا تُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ فِي هَذَا الْمَوْضِعِ لِانْتِفَاءِ التُّهْمَةِ؛ لِأَنَّهُ يَلْزَمُهُ مِنْ الصَّوْمِ مَا يَلْزَمُ غَيْرَهُ وَإِنَّمَا لَا يُقْبَلُ خَبَرُ الْفَاسِقِ لِتَمَكُّنِ التُّهْمَةِ وَالْأَصَحُّ اشْتِرَاطُ الْعَدَالَةِ فِيهِ**'' (المبسوط: ۳/۱۳۹) (اور کہا گیا ہے کہ اس موقع یعنی ہلال رمضان میں تہمت (کذب) منتفی ہونے کی وجہ سے عدالت کی شرط کا لحاظ نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اس کی گواہی کے سبب جیسے روزہ دوسروں پر لازم ہوگا اس پر بھی لازم ہوگا، اور فاسق کی فاسق کی خبر قبول نہیں کی جاتی ہے تہمت کے امکان کی وجہ سے، اور صحیح اس میں بھی عدالت کا مشروط ہونا ہے)۔

مذکورہ بالا عبارات کی روشنی میں یہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضر کے حالات میں اگر ڈاڑھی نہ رکھنے والے کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ نماز روزہ کا پابند ہے، جھوٹ، فریب سے بچتا ہے، معاملات میں دیانت سے کام لیتا ہے (اور ایسے لوگ معاشرہ میں کثرت سے موجود ہیں)، لہٰذا رویت ہلال یا دیگر معاملات میں اس کی گواہی قبول کی جائے۔

مفتی محمد نظام الدین اعظمیؒ نے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے: ''مسلمان اگر چہ فاسق ہو، لیکن اگر ذی مروت و ذی وجاہت و باوقار ہو، جھوٹ بولنے میں اپنی توہین سمجھتا ہو، سُبکی محسوس کرتا ہو، جھوٹ نہ بولتا ہو تو اس کی شہادت قابل قبول ومعتبر ہوسکتی ہے ''**کما فی کتب الشهادة من الدر و البحر و غیرها**'' (منتخبات نظام الفتاوی: ۱/ ۴۷۳، کتاب الصوم)۔

جواب نمبر ۴: شریعت کا مقصود ومطلوب اتباع شریعت کے ساتھ امت مسلمہ کی باہمی جمعیت ووحدت اور اخوت کو باقی رکھنا بھی ہے، جس کی تائید شریعت کے متعدد اوامر ونواہی سے ہوتی ہے، مثلاً: ''**إنما المومنون إخوة، ولا تنازعوا فتفشلوا، لاتحاسدوا ،ولا تناجشوا،النهی عن البیع علی بیع أخیه یا نهی عن الخطبة علی الخطبة**،وغیرہ ،اس لئے فاسق کو مساجد ومدارس یا کسی دینی ادارہ کا سربراہ بنانا تو گو جائز ہے؛ مگر مناسب نہیں ہے، لیکن اگر بنادیا گیا ہے یا بن گئے ہیں تو اختلاف وانتشار سے بچنے کے لئے جائز امور میں اطاعت لازم ہوگی، حدیث میں وارد ہے: ''**إن أُمّر علیکم عبد مجدع – حسبتها قالت: أسود – یقودکم بکتاب الله، فاسمعوا له وأطیعوا**'' (صحیح مسلم: باب وجوب طاعۃ الأمراء)، اس حدیث سے جہاں صراحۃً اس کی سمع وطاعہ کا حکم ملتا ہے، وہیں ایسے شخص کی امارت کے وقوع کا ثبوت بھی حاصل ہورہا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''**صلوا خلف کل بر و فاجر**''۔

جواب نمبر ۵: ''**وَالْفِسْقُ نَوْعَانِ: أَحَدُهُمَا: مِنْ حَيْثُ الْأَفْعَالُ، فَلَا خِلَافَ فِي رَدِّهِ. الثَّانِي: مِنْ جِهَةِ الِاعْتِقَادِ كَالْمُبْتَدِعَةِ، وَفِيهِ خِلَافٌ**'' (البحر المحیط للزرکشی ۶/ ۱۵۶) (فسق کی دو انواع ہیں، ایک من حیث الافعال (یعنی عبادات) اور اس کے مردود ہونے میں کوئی خلاف نہیں ہے، دوسری من جہت الاعتقاد، جیسے مبتدعین، اور ان کے بارے میں اختلاف ہے)۔

فسق فی العقیدہ سے مراد عقیدہ سے متعلق امور میں اہل سنت والجماعت کے نہج سے خروج وانحراف ہے، جسے بدعت فی الدین سے تعبیر کیا جاتا ہے اور بدعت کی تعریف کے بارے میں البحر الرائق اور شامی وغیرہ میں مذکور ہے: ''**وَعَرَّفَهَا الشُّمُنِّيُّ بِأَنَّهَا مَا أُحْدِثَ عَلَى خِلَافِ الْحَقِّ الْمُتَلَقَّى عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ عِلْمٍ أَوْ عَمَلٍ أَوْ حَالٍ بِنَوْعِ شُبْهَةٍ وَاسْتِحْسَانٍ وَجُعِلَ دِينًا قَوِيمًا وَصِرَاطًا مُسْتَقِيمًا**'' (اور شمنی نے اس کی تعریف کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے علم یا عمل یا احوال میں منقول حق کے خلاف کسی شبہ اور تاویل کی وجہ سے اور مستحسن سمجھتے ہوئے نئی اپنائی ہوئی راہ، جسے صحیح دین اور صراط مستقیم قرار دیا گیا ہو یہ بدعت ہے)۔

فاسق اعتقادی کے احکام:

فسق فی الاعتقاد یعنی بدعت کی بھی دو قسمیں ہیں، بدعت مکفرہ، بدعت غیر مکفرہ ''**وَقَيَّدَهُ فِي الْمُحِيطِ**

وَالْخُلَاصَةِ وَالْمُجْتَبَى وَغَيْرِهَا بِأَنْ لَا تَكُونَ بِدْعَتُهُ تُكَفِّرُهُ، فَإِنْ كَانَتْ تُكَفِّرُهُ فَالصَّلَاةُ خَلْفَهُ لَا تَجُوزُ"
(اورمحیط، خلاصہ اورمجتبی وغیرہ میں اس (تعریف) کواس قید کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کی بدعت اس کو کافر نہ بنارہی ہو، اوراگر وہ مکفرہ ہوگی تواس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوگی)۔

مبتدع یعنی صاحب بدعت کی دوقسمیں ہیں:

1-وہ مبتدعین جو بدعت مکفرہ کے قائل ہیں، یعنی ایسے امر کے قائل ہیں جوشریعت کے امر متواتر اور معلوم بالضرورۃ کے خلاف اورمنافی ہے، ان کا حکم کفار کا ہے، ایسے مبتدعین کی روایت قبول نہیں کی جائی گی، اورنہ ہی ان کے پیچھے نمازادا کرنا جائز ہے۔

2-وہ مبتدعین جو بدعت مکفرہ کے قائل تونہیں ہیں، مگراپنی بدعت میں غالی اوراس کے داعی ہیں، تومحدثین نے ان کی روایتوں کوبھی قبول نہیں کیا ہے، اورعبادات میں بھی ایسے لوگوں کومقتدانہیں بنایا جائے گا۔

3-اوراگرمبتدع اپنی بدعت کا داعی نہیں ہے، اورقبولیت کی صفات اسمیں موجود ہیں تواسکی روایت قبول کی جائے گی، اوراس کے پیچھے نماز بھی جائز ہے، اس لئے کہ ایسے مبتدعین کا شمار اہل قبلہ میں کیا گیا ہے۔

اسی کومعتدل قول اورجمہورعلماء کا مذہب قرار دیا گیا ہے، کیونکہ صحیحین کے رواۃ میں ایک کثیر تعداد ان رواۃ کی ہے جوکسی نہ کسی بدعت کے قائل رہے ہیں، مثلاً تشیع، ارجاء، قدر وغیرہ۔

"اورخلاصہ کی عبارت اس طرح ہے: اوراصل میں اہل بدعت کی اقتداء (فی الصلاۃ) جائز ہے، سوائے جہمیہ، قدریہ اورغالی روافض کے، اوراس شخص کے جوخلق قرآن کا قائل ہو، اورخطابیہ اورمشبہہ کے، اوراس کا خلاصہ یہ کہ جوہمارے قبلہ والا ہواوراپنی بدعت میں اتنا غالی نہ ہو کہ اس کے کفر کا حکم لگایا جائے تواس کے پیچھے نماز جائز مع الکراہت ہوگی، اورنبی علیہ السلام کی شفاعت کا منکر ہو، کرام کاتبین کا منکر ہو یا رویت باری کا منکر ہوتواس کے پیچھے نماز جائز نہیں، اس لئے کہ یہ کافر ہے، اوراگر رویت کا منکر یہ کہتا ہے کہ باری تعالی کی رویت اس کی عظمت وجلال کے سبب نہیں ہوگی، تو یہ مبتدع ہے کافر نہیں، اوراگرمشبہہ یہ کہے کہ اللہ کے ہاتھ یا پیر ہیں، جیسا کہ بندوں کے ہیں تو یہ کافر ہے، اوراگر یہ کہے کہ وہ جسم ہے مگراجسام کی طرح نہیں تو یہ مبتدع ہے، اوراگر رافضی علی رضی اللہ عنہ کوان کے علاوہ پر فضیلت دے تو یہ مبتدع ہے، اوراگرابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت (کے استحقاق) کا منکر ہوتو کافر ہے، اورجوشخص مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اسراء کا منکر ہوتو یہ کافر ہے اورجو بیت المقدس سے معراج کا منکر ہوتو یہ کافر نہیں ہے" (البحرالرائق، باب امامۃ العبد، شامی وغیرہ)

خلاصہ یہ کہ فاسق فی العقیدہ وہ شخص ہے جو کسی شبہ اور تاویل کی بنیاد پر اہل سنت والجماعت کے عقیدہ سے ہٹا ہوا ہو۔

فاسق فی العقیدہ کی حکم کے لحاظ سے علی الاقل دو اقسام ہیں: اول یہ کہ بدعت مکفرہ کا قائل ہو یا اس کی بدعت مکفرہ تو نہیں ہے مگر وہ اپنی بدعت میں غالی اور اس کا مبلغ و داعی ہے تو ان کی خبر یا گواہی قبول نہیں کی جائے گی، دوم یہ کہ اس کی بدعت مکفرہ نہیں ہے اور اپنی بدعت میں متشدد اور غالی نہیں ہے تو اس کی خبر و گواہی مقبول ہوگی۔

جواب نمبر ۶: اگر فاسق اپنے فسق سے توبہ کے بعد توبہ کے مطابق عمل پیرا نہیں ہوا ہے تو دنیوی احکام کے اعتبار سے اس کی توبہ قابل قبول نہیں ہوگی، احناف کے نزدیک محدود فی القذف کی گواہی اس کی توبہ کے بعد بھی قبول نہیں کی جائے گی، اور دیگر اسباب فسق میں توبہ کے بعد اگر فاسق اپنے حال کی اصلاح کر لیتا ہے، اور قاضی کو یا بستی کے ذمہ داران کو اس کے موجودہ احوال پر اطمینان ہو جاتا ہے تو دنیوی احکام میں اس کی توبہ معتبر ہوگی: ''تَابَ الْفَاسِقُ لَا يُعَدَّلُ كَمَا تَابَ بَلْ لَا بُدَّ مِنْ مُضِيِّ زَمَانٍ يَقَعُ فِي الْقَلْبِ صِدْقُهُ فِي التَّوْبَةِ'' (البحر الرائق ۷/ ۶۶) (فاسق نے توبہ کیا تو توبہ کرتے ہی اس کی تعدیل نہیں کی جائے گی، بلکہ اتنا زمانہ گزرنا ضروری ہے جس سے دل میں اس کی توبہ کی سچائی کا اطمینان ہو جائے)۔

''جواہر میں مذکور ہے کہ جب فاسق توبہ کر لے تو اس کی توبہ مان لی جائے گی، اور محض اس کا یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ میں نے توبہ کیا، اور نہ تہمت رکھنے والے کا محض اقرار بالکذب کافی ہے، بلکہ ہر فاسق میں قرائن واحوال سے ایک مدت تک اس کا استبراء کیا جانا ضروری ہے؛ تاکہ اعمال صالحہ پر اس کی استقامت کا ظن غالب ہو جائے اور بعض علماء نے اس (استبراء) کی حد اظہار توبہ سے ایک سال مقرر کی ہے'' (الذخیرہ للقرافی المالکی: ۱۰/ ۲۲۴)۔

جواب نمبر ۷: داڑھی کا اطلاق ان باتوں پر ہوتا ہے جو انسان کے نچلے دونوں جبڑے (رخسار) اور ان کے ملنے کی جگہ پر اگتے ہیں، اور شرح ارشاد میں ہے: '' داڑھی وہ بال ہیں جو دونوں داڑھ کے ملنے کی جگہ اور عارض ان دونوں کے اور عذار (رخسار) کے مابین اگے ہوں اور یہ وہ مقدار ہے جو کان کے مقابل میں ہو جس کا اوپری حصہ کنپٹی سے متصل ہو اور نیچے عارض سے متصل ہو'' (البحر: ۱/ ۳۴) اور داڑھی کے بارے میں کتب حدیث میں '' وَأَعْفُوا اللِّحَى خَالِفُوا عَلَى الْمَجُوسِ جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَوْفُوا اللِّحَى، وَفِي رِوَايَةٍ وَفِّرُوا. وَفِي رِوَايَةٍ أَرْخُوا'' کے الفاظ منقول ہیں، اور ان سب کا معنی ارسال لحیہ اور اس کے بڑا کرنے کو متضمن ہے، اسی لئے علماء شریعت اور فقہاء مذاہب میں کسی سے بھی اس کا مونڈنا اور داڑھی کے نہ رکھنے کا جواز منقول نہیں ہے، اور نہ ہی بہت زیادہ چھوٹی کرنے کا قول ملتا ہے، البتہ بہت لمبی اور طویل ہو جانے پر اطراف سے اس کی تقصیر کا قول وعمل، صحابہ کرام، فقہاء مذاہب اربعہ اور جمہور علماء سے منقول ہے، اور بعض سے اس کی تحدید ''مازاد على القبضه'' (ایک مشت سے زائد) کی روایت بھی منقول ہے، البتہ عمل صحابہ سے اس تکثیر وارخاء کی تحدید کا علم

حاصل ہوتا ہے کہ ایک مشت داڑھی ہوجانے پر منشاء حدیث، مخالفت مجوس وعجم کے ساتھ اعفاء وارخاء بھی حاصل ہوجاتا ہے ،لہٰذا اس سے زائد کا کاٹنا ناجائز نہیں ہوگا،'' **وأما إعفاء اللحية فهو إرسالها وتوفيرها كره لنا أن نقصها كفعل بعض الأعاجم وكان من زى آل كسرى قص اللحى وتوفير الشوارب فندب** ﷺ **أمته إلى مخالفتهم فى الزى والهيئة**'' (معالم السنن ۱/۳۱)(اور بہرحال اعفاء لحیہ تو یہ اس کا لٹکتا ہوا چھوڑ دینا اور اوراس کا زیادہ کرنا ہے، اور ہمارے لئے یہ ناپسند کیا گیا ہے کہ ہم بعض عجمیوں کی طرح اس کو کاٹیں، اور آل کسری کی ہیئت داڑھی کو کاٹنا اور مونچھوں کو بڑھا ناتھی، تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو ان کے لباس اور ہیئت کی مخالفت کی دعوت دی)، صاحب معالم کا یہ قول: ''**كره لنا أن نقصها كفعل بعض الأعاجم**'' سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ عجمیوں کی طرح کاٹنا مکروہ ہے، اور ارسال وتوفیر کے ساتھ تقصیر ممنوع نہیں۔

اس طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تحلیق لحیہ کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، اور نہ ہی ایک مشت سے کم بہت چھوٹی چھوٹی محض دائرہ کی شکل میں رکھنا کسی سے منقول ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ داڑھی سنن عادیہ سے ہے، یا بلفظ دیگر دین وشریعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں، حدیث نبوی میں مذکور صیغۂ امر'' **خَالِفُوا عَلَى الْمَجُوسِ جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَوْفُوا اللِّحَى**'' اور سلف امت کے معمول کو سامنے رکھتے ہوئے یقیناً داڑھی کا نہ رکھنا یا بہت چھوٹی رکھنا موجب فسق ہوگا، گرچہ فسق میں بھی فرق مراتب ہے، واللہ اعلم۔

☆☆☆